قرآن و سنت کی روشنی میں زندگی کے سیکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل

ملفوظات حکیم الامت

جلد سوم — قسط اوّل

یعنی

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

مسلسل ترتیب کی قسط ۱۱

مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

باہتمام: نسیم احمد

ناشر

ادارۂ فکر اسلامی دیوبند (یو۔پی)

نام کتاب ——— ملفوظات حکیم الامت جلد ۳ قسط ۱
باہتمام ——— نسیم احمد بن شمس الحسن صاحب مرحوم
سنِ طباعت ——— ۱۹۸۹ء ۔ ۱۴۰۹ھ
طباعت ——— محبوب پریس دیوبند
کتابت ——— انتظار الحسن بھاگلپوری
قیمت ——— فی قسط ۱۰/- روپے

ملفوظات حکیم الامت کی جلد ۳ قسط ۱ مسلسل ترتیب کی قسط ۱۱ ناظرین کے سامنے پیش ہے ۔ کوئی بھی شخص ایک خط لکھکر ممبر بن سکتا ہے ۔ فیس ممبری کچھ نہیں ۔ ممبر بننے کے بعد ہر دو ماہ میں ایک ایک قسط ۱۰/- روپے کی وی پی سے اور دو قسط ایک ساتھ ۲۰/- روپے کی وی پی سے ارسال ہوگی ۔ جس کا وصول کرنا آنجناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا ۔

منیجر ادارہ

فہرست مضامین

قابلِ مطالعہ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
المنجد عربی سے اردو	۱۲/۰۰	توضیح المنطق	۱۰/۰۰	خلافت راشدہ	۱۴۰/۰۰
اخبار الاخیار مکمل مجلد	۶۰/۰۰	تفسیروں میں اسرائیلی روایات	۳۵/۰۰	خطبات حکیم الاسلام	۱۵۰/۰۰
اقبال کے ممدوح علماء	۱۵/۰۰	تفسیر مدارک اردو جلد اول	۴۶/۰۰	درس ترمذی	۱۰۰/۰۰
اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۲ جلد	۱۰۰/۰۰	تقریر ترمذی ۔ از مولانا مدنی	۸۵/۰۰	در مختار ۳ جلد	۲۵۲/۰۰
اشاعت اسلام مکمل مجلد	۶۵/۰۰	تاریخ فرشتہ کامل	۱۸۰/۰۰	راہِ سنت	۲۵/۰۰
آدم سے محمدؐ تک	۱۲/۰۰	تاریخ طبری چار جلد مجلد	۲۰۰/۰۰	زاد المعاد کامل	۱۴۰/۰۰
المعجم الوسیط عربی سے عربی	۱۵۰/۰۰	تفہیم المنطق مع تاریخ	۶/۰۰	سیرت المصطفیٰ کامل	۱۱۰/۰۰
اختلاف امت اور صراط مستقیم	۴۰/۰۰	تفہیم البخاری کامل	۴۸/۰۰	شرح دیوان متنبی	۴۰/-
القاموس الجدید عربی سے اردو	۲۷/۰۰	تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی	۱۶۰/۰۰	شرح القراءۃ الواضحہ ۱ تا ۳	۲۶/۰۰
القاموس الجدید اردو سے عربی	۸۵/۰۰	تبلیغ دین مکمل	۱۶/۰۰	عوارف المعارف کامل	۷۵/۰۰
القراءۃ الواضحہ ۱ تا ۳	۲۶/۰۰	تسہیل المواعظ ۵ جلد	۸۰/۰۰	فتاویٰ عالمگیری چار جلد	۲۱/-
احیاء العلوم مکمل ترجمہ مولانا احسن نانوتوی	۲۵۰/۰۰	تعبیر الرؤیا	۱۵/۰۰	فاتحہ کا صحیح طریقہ	۸/۰۰
احیاء العلوم مکمل ترجمہ مولانا ندیم الواجدی	۴۰۰/۰۰	تاریخ اسلام از محمد میاں	۲۰/۰۰	مدارج النبوۃ کامل ۳ جلد	۱۷۵/۰۰
احسن الفتاویٰ جلد اول	۶۰/۰۰	تنظیم الاشتات	۱۱۰/۰۰	مواعظ التبلیغ ۹ جلد	۲۶۰/۰۰
اسباب غضب	۱۲/۰۰	تعلیم الدین	۱۳/۰۰	مشارق الانوار کامل	۱۳۰/۰۰
آداب زندگی	۷/۰۰	تذکرہ شیخ مدنی	۱۶/۰۰	مسائل بہشتی زیور	۲۰/۰۰
المصالح العقلیہ	۳۵/۰۰	تفسیر ابن کثیر مجلد چار جلد	۳۶۰/۰۰	مجالس الابرار	۶۵/۰۰
النبی الخاتم	۱۲/۰۰	جواہر الفقہ ۳ جلد	۱۲۵/۰۰	ملفوظات حکیم الامت ۲ جلد	۱۱۵/۰۰
اشرف الجواب	۵۰/۰۰	جدید عربی ایسے بولیے	۱۲/۰۰	مشکوٰۃ مترجم کامل	۱۶۲/۰۰
اصح السیر	۵۵/۰۰	جواہر خمسہ	۳۵/۰۰	مسائل تراویح	۱۵/۰۰
بلوغ المرام مترجم	۴۵/۰۰	جدید عربی لغات	۲۷/۰۰	مظاہر حق جدید کامل ۷ جلد	۶۰۰/۰۰
بصائر حکیم الامت	۵۵/۰۰	چار صحابی	۱۵/۰۰	مسند امام اعظم	۴۰/۰۰
پیارے نبی	۶/۰۰	حیات المسلمین	۱۷/۰۰	مقام ابوحنیفہ	۲۵/-
تاریخ الخلفاء کامل	۶۰/۰۰	حیات انور	۶۰/۰۰	تقویۃ الایمان	۲۵/۰۰

۲/ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ ہجری

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ ۱: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں مقام پر جو جدید مدرسہ بچوں کی تعلیم قرآن و دینیات کے لئے ہم لوگوں نے جاری کیا ہے اس پر لوگ ہنستے ہیں کہ یہ تو چھ مہینے کا ہے پھر نہ مدرسہ رہے گا نہ مدرسی۔ فرمایا کہ ہنسنے دیجئے آپ کا کیا ضرر ہے اگر ایک شخص کو ایک وقت کی نماز پڑھنے کی توفیق ہو جائے تو ایک ہی وقت کی سہی ایک وقت کا تو فرض ادا ہوا نہ پڑھنے سے تو بہتر ہے۔ مولانا جامیؒ سے کسی نے کہا تھا کہ فلاں شخص ریا سے ذکر کرتا ہے فرمایا کرتا تو ہے تم کو تو ریا سے بھی کبھی توفیق نہ ہوئی تمہارا کیا منہ ہے اعتراض کا حاصل جواب کا یہ ہے کہ اول تو ریا ہی کا ثبوت نہیں دوسرے ممکن ہے ریا ہی سے عادت ہو جائے پھر عمل بلا ریا ہونے لگے ایک مجتہد شیعی نے ایک مولوی صاحب سے نانوتہ میں کہا تھا۔ آپ حضرات نے فلاں کام کیا تھا۔ جس میں خطرات بھی تھے آخر کیا نتیجہ نکلا بجز پریشانی کے۔ جواب میں مولوی صاحب نے یہ قطعہ پڑھ دیا ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن ❊ بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشق باز ❊ اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

اگر کوئی شخص تبلیغ کرے اور سو برس کی کوشش میں ایک شخص بے نمازی سے نمازی ہو جائے تو کوشش بیکار نہیں گئی کارآمد ہوئی کچھ تو ہوا کچھ نہ ہونے سے تو بہتر ہوا بلکہ میں تو توسیع کر کے کہتا ہوں کہ اگر ساری عمر کی کوشش کا بھی بظاہر کوئی نتیجہ نہ نکلے مثلاً ایک نمازی بھی نہ ہوا تب بھی کوشش بیکار نہیں کارآمد ہے۔ ظاہر کی قید میں نے اس لئے لگائی کہ باطن میں تو اس کا نفع ہو ہی رہا ہے۔ یعنی ثواب مل رہا ہے۔ مگر آج کل لوگوں کی عجیب حالت ہے جس کو ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ زمانہ ہے کہ نہ آپ چلیں نہ دوسرے کو چلنے دیں حتیٰ کہ کام کرنے والے کو بد دل کر دیتے ہیں۔ اس پر ایک حکایت بیان کیا کرتے تھے کہ غدر کے زمانہ میں ایک میدان میں کچھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں ان میں ایک زخمی سپاہی بھی پڑا ہوا تھا اس سپاہی کو خیال ہوا کہ دن تو جس طرح بھی ہو گا گذر جائے گا۔ مگر تنہا شب کا کاٹنا مشکل پڑیگا مزاح غالباً کہ اس سپاہی کو تنہائی کی ضرورت نہ تھی تنہا کی ضرورت تھی۔ (یعنی کئی تن کی) ایک لالہ جی اس طرف سے گذر رہے تھے سپاہی نے آواز دی۔ لالہ جی سنکر گھبرائے کہ لاشوں میں کیسی آواز ہے اس سپاہی نے کہا کہ ڈرو مت میں مرا نہیں زخمی ہو گیا ہوں اور میری کمر میں ایک ہمیانی بندھی ہے اگر میں مر گیا یہ یونہی

بیکار جائیگی تم کھول کر لیجاؤ تمہارے ہی کام آئیگی ۔ لالہ جی کے روپیہ کا نام سنکر منہ میں پانی بھر آیا اور ڈرتے ڈرتے سپاہی کے قریب پہنچے سپاہی نے کہا کہ مجھ میں تو کھول کر دینے کی قوت نہیں تم خود کھول لو جب لالہ جی بالکل ہی قریب ہو گئے سپاہی نے برابر سے تلوار اٹھا کر لالہ جی کے پیروں پر رسید کی گر پڑے پھر بھی ہمیانی ٹٹولی مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا تب سپاہی سے پوچھا کہ یہ کیا کیا سپاہی نے کہا لالہ جی بیوقوف ہوئے ہو میدان جنگ میں کوئی ہمیانی روپیوں کی بھی باندھ کر آیا کرتا ہے یہ تو ایک تدبیر تھی تم کو اپنے پاس رکھنے کی ۔ شام قریب ہونے کو تھی خیال ہوا کہ رات کو دل گھبراویگا کس کو پاس رکھوں تم نظر آگئے اب بات چیت میں رات گذرے گی ۔ تب لالہ جی نے کہا کہ اُدت کا اُدت نہ آپ چلے نہ اور کو چلنے دے تو یہ زمانہ وہی ہے کہ نہ خود کوئی کام کریں نہ دوسروں کو کرنے دیں اگر خاموش ہی رہیں تو اچھا ہے نہیں خاموش بھی نہیں بیٹھا جاتا بلکہ اور کام میں روڑے اٹکاتے ہیں ۔

ملفوظ ۲: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس طریق میں نکات اور لطائف ہیچ ہیں یہ سب باتیں طریق کی حقیقت سے بیخبری کی بدولت ہو رہی ہیں طریق تو اعمال ہے اور مقصود رضا حق ہے یہ حقیقت ہے اس طریق کی ایسے ہی طالب میں صدق اور خلوص کی ضرورت ہے اگر یہ نہیں تو محروم رہیگا ۔

ملفوظ ۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب کوئی مجھ سے علمی سوال کرتا ہے تو میرا معمول ہے کہ میں جواب سے پہلے دو امر کی تحقیق کر لیتا ہوں، پھر بعد میں جواب دیتا ہوں ایک تو یہ کہ سائل کو علم کس قدر ہے دوسرے یہ اطمینان ہو جائے کہ واقعی خلوص سے پوچھ رہا ہے اور اگر کوئی طالب علم سوال کرتا ہے تو اس کو یہ لکھتا ہوں کہ اپنے استادوں سے کیوں نہیں پوچھتے بعض ایسے ذہین ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ اساتذہ سے پوچھا تھا مگر شفا نہیں ہوئی میں لکھتا ہوں کہ ان کی تقریر لکھو کہ انہوں نے کیا بیان کیا اور جو تم اس کا مطلب سمجھے ہو وہ لکھو پھر جو شبہ ہو وہ لکھو تا کہ میں واقعہ اور فہم کا اندازہ کروں مگر پھر کوئی کچھ نہیں لکھتا اگر واقعی تحقیق کیا تھا پھر تردد رہا اور شفا نہ ہوئی تو لکھنا چاہیئے تھا محض ایک مشغلہ ہے کہ لاؤ بیٹھے ہوئے بلا ضرورت یہ بھی ہانکی سہی سو یہاں یہ باتیں نہیں چلتیں پھر اس پر خفا ہوتے ہیں ۔ جی یوں چاہتا ہے کہ ضرورت کے موافق دوسرے کو تکلیف دی جائے فضول باتوں سے خود بھی اجتناب رکھیں اور دوسرے کو بھی پریشان نہ کریں پھر ضرورت میں بھی استادوں کا وجود بھی تو عبث نہیں ان سے استفادہ کرنا چاہیئے ۔

۳ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ ہجری

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ ۴:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر نفس کے ضروری حقوق میں یا عیال کے حقوق میں کسی قسم کی بھی کوتاہی کا احتمال ہو اس حالت میں یہاں قیام کرنا نافع نہیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعاء کے برکت سے میرے یہاں ہر چیز اپنی حد پر ہے وہ ورد نا معاملہ نہیں جیسے آج کل دکاندار مشائخ رسم پرستی کرتے ہیں اور دوسروں سے کراتے ہیں مجھ کو یہ باتیں پسند نہیں ہر بات صاف اور اپنی حد پر رہنا چاہیئے۔

ملفوظ ۵:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو یہ علماء کا یہ طرز ناپسند ہے کہ وہ سائل کے ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جواب دینے کے بھی تو کچھ شرائط ہیں آخر نماز اتنا بڑا رکن ہے دین کا مگر وہ بھی قیود اور شرائط سے خالی نہیں اور شرائط کا حاصل یہ ہے کہ اول یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ سوال ضروری ہے یا غیر ضروری پھر اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ فی نفسہ ضروری ہے پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ مشغلہ کے طور پر سوال کر رہا ہے یا واقع میں بھی اس کو ضرورت ہے اگر محض مشغلہ مقصود ہے اور عمل وغیرہ مقصود نہیں تو ایسے شخص کو ہرگز نہ جواب دیا جائے البتہ علم کا جو حصہ فرض عین ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے غرض اس قسم کی باتوں کا خیال رکھنا علماء کو بہت ضروری ہے۔ علماء نے جو ان اصول کو چھوڑ دیا اس سے بہت مخلوق فضول میں مبتلا ہو گئی یہی وجہ ہے کہ عوام الناس جاہل تک علماء کو اپنا تختۂ مشق بنا لیتے ہیں اور مسائل دینیہ میں اپنے منصب کے خلاف دخل دیتے ہیں اور بلا ضرورت خواہ مخواہ علماء کو پریشان کرتے اور جھگڑوں میں پھنساتے ہیں اور علماء کے ایسا کرنے کا سبب اکثر جاہ ہے کہ جواب دینے سے زیادہ معتقد ہو جائیگا یا اور اغراض فاسدہ ہیں مثلاً یہ کہ ہم کو بدنام کریں گے یا اپنے دل میں سمجھیں گے کہ انھیں کچھ آتا جاتا نہیں یا مدرسہ کا چندہ بند کر دیں گے اس لئے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہو جاتے ہیں سو یہ بھی اچھی خاصی مصیبت ہے معلوم بھی ہے کہ بڑے سے بڑے عالم محقق امام اور مجتہد کو بھی بعض مسائل پر لا ادری (مجھے معلوم نہیں) کہنے کے سوا کچھ نہیں بن پڑا خلاصہ یہ ہے کہ علما کو سائل کے تابع نہ ہونا چاہیئے ہاں جہاں سوال ضروری ہو اور طالب کو بھی فی الحقیقت ضرورت ہو وہاں اپنے اور کاموں کو چھوڑ کر بھی جواب دینا چاہیئے اس لئے کہ وہاں دین کی ضرورت ہے حاصل یہ ہے کہ دین کے تابع خود بھی بنو اور دوسروں کو بھی بناؤ۔ دین کو کھیل اور محض تفریح مت بناؤ جیسا کہ ہو رہا ہے مولانا عبدالقیوم صاحب مقیم بھوپال

کا معمول تھا کہ فضول سوال کا جواب نہ دیا کرتے تھے اگر کوئی سوال کرتا کہ یہ مسئلہ کس حدیث میں ہے تو فرمایا کرتے کہ میں تو مسلم نہیں ہوں جو حدیث تلاش کرنیکی ضرورت پڑتی میرے آباؤ اجداد سب حضور کے زمانہ سے مسلمان چلے آرہے ہیں ہم کو اپنے ان بڑوں سے دین پہنچا ہے مطلب یہ تھا کہ یہ بتلانا چاہتے تھے کہ یہ سوال تیرا فضول ہے تو علماء کو یہ طرز اختیار کرنا چاہیئے اور اس وقت کا جو طرز ہے وہ مضر ہے اور اس میں بڑے مفاسد ہیں۔

ملفوظ ۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ سے بیعت کا تعلق پیدا کرنا چاہا میں نے انکار کردیا مگر تعلیم سے عذر نہیں کیا اور بیعت اس لئے نہیں کیا کہ مجھ کو انکی حالت سے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس وقت جوش ہے اگر ہوش میں آجائیں اور پھر بھی رائے رہے تب ٹھیک ہے ان کا اصرار تھا میں نے کہا کہ آپ تو بیعت پر مصر ہیں جو طبعاً وعرفاً بہت قوی تعلق ہے میں تو تعلیم میں بھی یہ شرط لگاتا ہوں کہ اگر مجھ کو شبہ پیدا ہو جائے گا تو میں خط وکتابت کو بھی قطعاً بند کر دونگا وہ اس کو منظور نہ کرتے تھے مگر اب وہ اعتقاد وغیرہ سب غائب ہوگیا خط وکتابت میں گڑبڑ شروع کی میں نے منع کردیا کہ آئندہ خط وکتابت کی اجازت نہیں مجھ کو اپنی رائے کے صائب ہونے پر مسرت ہوئی اب بتلایئے کہ جو صاحب مشورے دیتے ہیں کہ نرمی کرو اور یہ کرو وہ کرو میں ان کے کہنے سے اپنے ان تجربات کو کیسے چھوڑ دوں۔

ملفوظ ۷: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس کا تو خدانخواستہ تلبس میں شبہ بھی نہیں کہ لوگ جان کر یا قصداً و اہتمام سے اذیت پہنچاتے ہیں ہاں یہ یقینی ہے کہ عدم اذیت کا بھی اہتمام نہیں کرتے جس کا سبب صرف بے فکری ہے بس میں اسی کی کوشش کرتا ہوں کہ فکر پیدا ہو اگر فکر سے کام لیں تو بہت کم غلطیاں ہوں۔

۳ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کسی کی اصلاح کے لئے نرا صالح ہونا کافی نہیں بلکہ مصلح کی ضرورت ہے جیسے مریض کو معالج کے تندرست ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے طبیب ہونے کی ضرورت ہے اس لئے کہ ہر تندرست طبیب نہیں ہوتا۔

ملفوظ ۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو کسی پارٹی بندی پسند نہیں کہ ایک ہی خیال اور ایک ہی مشرب

کے ہو کر نسبتوں سے فرق ظاہر کریں جیسے ایک صاحب نے اپنے نام کے ساتھ اشرفی لکھا تھا۔ بلا ضرورت ایسی نسبتیں متضمن مفاسد ہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی یہ بھی تو ایک نسبت ہے فرمایا کہ وہاں تو اپنے مسلک اور مشرب کو اہل بدعت کے مسلک سے ممتاز کرنا ہے اور یہاں جب ایک ہی مسلک اور مشرب ہے تو وہ مقصود نہیں ہو سکتا۔

ملفوظ ۱۰:- ایک صاحب کے لیئے واسطہ کے ذریعہ خط و کتابت کرنا حضرت والا نے تجویز فرمایا تھا ان صاحب نے عرض کیا کہ واسطہ بننے پر کوئی راضی نہیں ہوتا فرمایا پھر میں کیا کروں ہاتھ جوڑ و پیر پکڑو اور راضی کرو غرض آپ کا کام ہے آپ کوشش کیجئے۔ میں اس کا کیا انتظام کر دوں جب میں تو خود اپنے کاموں کے لیئے بھی دوسروں کو مجبور نہیں کرتا دوسروں کیلئے تو کیا کسی کو کچھ کہوں اور مجبور کروں۔

ملفوظ ۱۱:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ یہ سب پریشانیاں جیسی اس وقت ان صاحب کو ہو رہی ہیں یہ سب بے فکری دور کرنے اور فکر پیدا کرنے میں معین ہوتی ہیں فرمایا کہ جی ہاں میری تو یہ ہی نیت ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ بے اصول باتیں کر کے خود اپنے اوپر پابندیاں عائد کراتے ہیں اور ایک عجیب بات ہے کہ اپنے بے اصول برتاؤ کی خوب تاویلیں کرتے ہیں مگر میرے مواخذہ کی تاویل نہیں کرتے کیوں کہ شکایتیں کرتے پھرتے ہیں حالانکہ ان کی سب بے تمیزیاں ہی سبب ہیں اور میرا مواخذہ مسبب ہے کیونکہ وہ بعد میں ہوتا ہے۔ مثلاً میں سیدھی سیدھی بات پوچھتا ہوں اس میں چالاکیاں کرتے ہیں وہ یہاں چلتی نہیں جرح قدح ہوتی ہے بات بڑھ جاتی ہے پہلے تو ایک ہی بات ہوتی ہے گڑبڑ کرنے سے پھر کئی جمع ہو جاتی ہیں ایسی حرکتیں کیوں کرتے ہیں جس کے تدارک کی ضرورت ہو اور میں ایسے امور کی سزا پہلے خود تجویز کر دیا کرتا تھا اس پر مجھے بدنام کیا کہ سختی کرتا ہے اب میں نے تجویز کرنا چھوڑ دیا کہہ دیتا ہوں کہ خود تجویز کر دو اب یہ عقلمند میری تجویز سے زیادہ سخت سزا تجویز کرتے ہیں مگر چونکہ اپنی تجویز ہوتی ہے اس لیئے اس کو سخت خیال نہیں کرتے پھر میں اکثر اس میں تخفیف کر دیتا ہوں تو غنیمت سمجھتے ہیں۔

۴ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ
مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

ملفوظ ۱۲:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک دوست کے مدعو کرنے پر حیدر آباد دکن گیا تھا وہاں پر تقریباً چودہ روز قیام کیا ایک صاحب نے مجھ سے اپنے گھر میں کیلئے بیعت کرنیکی خواست کی میں نے قبول کر لی چنانچہ انہوں نے ایک وقت مکان پر لیجانے کا متعین کیا اور اس وقت پر سواری لیکر آ گئے میں مکان

پر پہنچا اور مردانہ میں جاکر بیٹھ گیا پھر پردہ کرا کر گھر میں لے گئے اور ایک دالان میں بٹھلایا اور وہاں ہی سب عورتیں برقع اوڑھے ہوئے بیٹھی تھیں اس کو یہ بھی ناگوار ہوا مگر چونکہ غیر ضروری پردہ تھا اس لئے صبر کرکے بیٹھ گیا اب ان حضرت کو جوش اٹھا اور رسوم مروجہ کا غلبہ ہوا جن کو آج کل کے رسمی اور جاہل پیروں نے جائز کر رکھا ہے وہ یہ کہ عورتوں سے کہا کہ منہ کھول دو میں نے سوچا کہ اگر اول ان سے بحث کی تو عورتیں بے پردہ ہو چکیں گی اس لئے میں نے عورتوں سے کہا کہ ہرگز منہ مت کھولنا اب وہ بیچاری بڑی کشمکش میں ادھر گھر کے مالک کا ایک حکم ادھر اس کے خلاف پیر کا ایک حکم کہنے لگے کہ وجہ اور تحقیق تو ستر نہیں میں نے کہا کہ ضرورت میں یا بلا ضرورت بھی کہنے لگے کہ یہاں پر تو ضرورت ہے میں نے کہا کہ وہ ضرورت کیا ہے کہنے لگے کہ اگر آپ دیکھیں گے نہیں تو انکی طرف توجہ کس طرح ہوگی۔ میں نے کہا کیا توجہ دیکھنے پر موقوف ہے آخر عورتوں سے کہا کہ اچھا بھائی یہ کیا کسی کی مانیں گے۔ اس کے بعد میں نے عورتوں کی طرف رومال بڑھا دیا کہ وہ پردہ میں سے اس کا گوشہ تھام لیں۔ اس پیر ان صاحب کو پھر جوش اٹھا اور فرمانے لگے ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت کیجئے میں نے کہا کہ حدیث شریف میں تصریح موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت نہ فرماتے تھے کہنے لگے کہ اچھا صاحب یہی سہی۔ غرض اللہ کے فضل سے میں ہی غالب رہا اور یہ شخص ماشاء اللہ عالم صوفی مصنف سب کچھ تھے۔ مگر خدا ناس کرے ان رسوم کا ان میں وہ بھی مبتلا تھے اور عام لوگ ان رسمی پیروں اور دکانداروں کی بدولت ان خرافات میں مبتلا ہیں جس سے اس طریق کی حقیقت تو بالکل ہی مستور ہو گئی اور ان بزرگ کا ان امور پر جو کچھ بھی اصرار تھا شرارت سے نہ تھا بلکہ تنہائی عقیدت اور خوش نیتی پر مبنی تھا جو حیدر آباد کے بڑے طبقہ کا جزو لاینفک ہو گیا ہے۔ چنانچہ ماموں امداد علی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حیدر آباد کے فقراء تو دوزخی اور امراء جنتی اور اس کی وجہ بیان کیا کرتے تھے کہ فقراء تو امراء سے تعلق پیدا کرتے ہیں دنیا کے واسطے اور امراء فقراء سے تعلق پیدا کرتے ہیں دین کے واسطے اور ظاہر ہے دین کا طالب جنتی اور دنیا کا طالب دوزخی۔ اس خوش اعتقادی کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایک پیر صاحب کی حکایت ہے کہ ایک عورت کا ہاتھ بھی بیٹھے ہوئے جس میں اس کا خاوند بھی موجود تھا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور بوسہ لے لیا خاوند بیچارہ کہتا ہے کہ اب تو تم متبرک ہو گئیں تم تک ہماری رسائی کہاں کیا ٹھکانا ہے اس بے حیائی اور گمراہی کا۔

ملفوظ ۱۳:۔ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سفر نہ کرنے کی میں نے قسم تھوڑا ہی کھائی ہے بلا کسی قید کے سفر کر سکتا ہوں، کوئی مانع نہیں ہاں اپنی راحت کے واسطے سفر بند کیا ہے لیکن اگر کسی مصلحت کے سبب جی چاہے جا بھی سکتا ہوں اللہ کا شکر ہے کہ خود بدن کے اندر ایک ایسا عذر فرما دیا ورنہ اگر یہ عذر بھی نہ ہوتا تب بھی سفر بند ہی کرنا پڑتا بڑے فتنہ کا زمانہ ہے۔

ملفوظ ۱۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے اکثر جاہل صوفی حظوظ نفسانیہ میں مبتلا ہیں طریق کی حقیقت سے بے خبر ہیں یہ کیفیات اور لذات کو مقصود سمجھتے ہیں سو ایسے لوگ بالکل کورے ہوتے ہیں میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج کل کے صوفی نہیں سوقی (بازاری) ہیں اور یہ آجکل کے اہل سماع اہل سماء نہیں۔ اہل ارض ہیں وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ کے مصداق ہیں۔ کانپور کی ایک حکایت حافظ عبداللہ مہتمم جامع العلوم نے بیان کی تھی کہ سماع ہو رہا تھا ایک شخص کو وجد شروع ہوا حالت وجد میں ایک پاس والے شخص نے امتحان کے لئے صاحب وجد کی چادر اتار کر قوال کو دیدی بس فوراً ہی وجد ختم ہو گیا اور چادر کی واپسی کا تقاضا کرنے لگے بڑا جھگڑا ہوا یہ ان کے وجد کی حقیقت ہے محض جھوٹے مکار۔

ملفوظ ۱۵: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ شیعی لوگ ہر کام پر ہر بات پر استخارہ کرتے ہیں۔ ایک صاحب کا کسی شیعی صاحب پر قرض چاہتا تھا انہوں نے اپنا قرض طلب کیا تو اس پر استخارہ دیکھا اور یہ کہا کہ ادا کرنے کیلئے استخارہ نہیں آتا فرمایا کہ کبھی لینے کے وقت بھی استخارہ کیا ہوگا کہ اس وقت نہیں لیں گے استخارہ نہیں آتا اسی سلسلہ میں فرمایا کہ گورکھپور میں ایک شیعی رئیس تھے جب بیمار ہوتے طبیب کو بلانے اور نسخہ کے ہر جزو کیلئے استخارہ کرتے طبیب بہت پریشان ہوتے میں نے سن کر کہا کہ استخارہ کیلئے بھی تو استخارہ کرنا چاہیئے تھا کہ استخارہ کریں یا نہیں پھر استخارہ کیلئے بھی استخارہ کی ضرورت ہے پھر یہ ایک سلسلہ ہوگا جو لامتناہی ہوگا اور قیامت تک بھی نسخہ مرتب نہیں ہو سکتا شاید یہ سمجھا ہوگا کہ ایمان اجمالی پر اکتفا کرنا چاہیئے ایمان مفصل کی ضرورت نہیں۔

ملفوظ ۱۶: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ قبروں کے پوجنے والے نہایت گڑبڑ کرتے ہیں اچھی خاصی بت پرستی کرتے ہیں۔

ملفوظ ۱۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا بچپن تھا مگر الحمد للہ ایسے بزرگوں کی صحبت رہی کہ اس وقت بھی تہجد پڑھتا تھا چاہے بارش ہو رعد ہو برق ہو سب کچھ ہو مگر تہجد قضا نہ کرتا تھا۔ وعظ سننے کا شوق تھا وعظ کہنے کا شوق تھا یہ سب بزرگوں کی صحبت کا اثر تھا۔

ملفوظ ۱۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کام کرنا چاہیئے اس غم میں نہ پڑنا چاہیئے کہ میرے اندر شوق نہیں خوف نہیں کیفیات نہیں لذات نہیں انوار نہیں یہ سب چیزیں غیر مقصود ہیں ہاں مقصود کی معین ہو جاتی ہیں وہ بھی بعض کیلئے اور بعض کی قید اس لئے لگائی کہ بعض کو یہ چیزیں مضر بھی ہوتی ہیں اور بہر حال میں سالک جو احوال و کیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتا ہے یہ فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ یہ بڑا کمال ہے کہ بدون احوال و کیفیات کے بھی مقاصد میں رسوخ حاصل ہو جاوے۔ یہ بڑی نعمت ہے بڑی دولت ہے غرض بندہ کو بندہ بنکر رہنا چاہیئے اور جس حال میں حق تعالیٰ رکھیں اسی کو اپنے لئے مصلحت اور حکمت سمجھنا چاہیئے ایک ضروری بات سمجھ لینے کی یہ ہے کہ یہ چیزیں غیر

اختیاری میں اختیاری نہیں اس لئے مامور بہ بھی نہیں۔ مامور بہ صرف اعمال ہیں اور ثمرہ ان کا رضائے حق بس یہ حقیقت ہے اس طریق کی اب اس کا عکس لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ غیر مقصود کو مقصود اور مقصود کو غیر مقصود سمجھ رہے ہیں اور اس لئے غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں اور وہ سبب ہو جاتا ہے پریشانی کا اس ہی لئے سب سے اوّل اس کی کوشش کرتا ہوں کہ طالب صحیح راستہ پر پڑ جائے اور اپنے مقصود کو سمجھ لے پھر ساری عمر کیلئے انشاء اللہ تعالیٰ پریشانی سے نجات ہو جاتی ہے گو اس حالت میں بھی ضرور ہے کہ سالک پر اکثر حزن وغم کے پہاڑ رہتے ہیں مگر وہ اور چیز ہے ایک پریشانی ہوتی ہے گمراہی کی کہ راستہ سے بھٹکتا ہوا پھرتا ہے اور راستہ نہیں ملتا یہ پریشانی تو مقصود کے تعیین سے رفع ہو جاتی ہے اور ایک پریشانی ہوتی ہے محبوب کے توارد تجلیات کی تو وہ حزن اور غم و پریشانی تو ایسی ہے کہ ہزاروں سکون اور راحتوں کو اس پر قربان کر دے اس میں محب کو ہر ساعت یہ ہی خیال رہتا ہے کہ میں محبوب کا حق ادا نہیں کر سکا پھر جس وقت یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ ان کی محبت یا طلب میں ذرہ برابر بھی کمی ہے تو اس پر حزن اور غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اسی کو فرماتے ہیں۔

ے بر دل سالک ہزاراں غم بود گر ز باغ دل خلالے کم بود

پھر یہ سب کچھ تو ہے مگر اس طریق میں ناکامی اور نا امیدی اور مایوسی کا نام و نشان نہیں قدم قدم پر تسلی موجود ہے بشرطیکہ منزل مقصود کی صحیح راہ معلوم ہو گئی ہو اس لئے کہ پھر تو صرف چلنا ہی باقی رہ جاتا ہے اور جس قدر چلتا ہے مقصود سے قرب بھی ہوتا جاتا ہے پھر تو اس شخص کو نا امیدی اور مایوسی کا وسوسہ تک بھی نہیں ہوتا مولانا رومی فرماتے ہیں۔ ے

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

باقی خود محبت کے نشیب و فراز کی پریشانی یہ الگ چیز ہے۔ (من فیوض ق فیوض)

ے سالک کے دل کے باغ میں سے اگر ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے تو اس کے دل پر ہزاروں غم سوار ہو جاتے ہیں ۱۲۔

ے نا امیدی کے کوچہ میں بھی مت جاؤ کیونکہ (حضرت حق سے) بہت امیدیں ہیں۔ اور اندھیرے کیطرف مت جاؤ جبکہ سورج نکلے ہوئے ہیں۔

۴ / ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۱۹: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا تھا اس میں بیعت کی درخواست کی تھی میں نے لکھا کہ میں جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ تم کو طریق سے مناسبت بھی ہے یا نہیں اس وقت تک بیعت نہیں کر سکتا اور اس کا اندازہ موقوف ہے خطوط تعلیمی کے دیکھنے پر جس کا سلسلہ پہلے سے جاری ہے آج ان کے خطوط آئے ہیں ترتیب وار خطوط ہیں ایک اچھی خاصی مسل ہے میں نے سب کو دیکھنے کی زحمت بھی گوارا کی دیکھنے پر معلوم ہوا کہ بالکل مناسبت نہیں ان خطوط سے معلوم ہوا کہ باوجود تنبیہات کے پھر بھی بہت گڑبڑ کی ہے اس کا سبب صرف فہم کی کمی ہے فہم نہیں معلوم ہوتا حتیٰ کہ آخر کے خطوط میں بھی وہی گڑبڑ ہے حالانکہ اتنے اتنے دنوں میں مناسبت ہونا چاہیئے تھی لوگ مجھ کو تو بدنام کرتے ہیں مگر اپنے فہم کو نہیں دیکھتے۔ میں ان صاحب کو جواب لکھدیا ہے کہ سب خطوط دیکھ کر معلوم ہوا کہ ابھی طریق سے مناسبت نہیں ہوئی معلوم نہیں اس کا کیا سبب ہے کم فہمی یا بے فکری سابقہ خطوط میں سے بعض میں تو میں نے بتلا بھی دیا ہے کہ تم سمجھتے ہی نہیں مگر پھر بھی خطوط میں گڑبڑ ہے الجھی ہوئی باتیں لکھیں ہیں میں نہایت صاف بات لکھتا ہوں مگر پھر بھی لوگ الجھتے ہیں۔ میری بات میں کبھی گنجلک نہیں ہوتی نہ تقریر میں نہ تحریر میں البتہ علمی تصنیفی مضامین میں میری تقریر بضرورت ایسی ہوتی ہے جیسے کنز مگر وہ بھی صاف۔ گو مختصر ہو مگر مبہم نہیں ہوتی ابہام اور چیز ہے اور اختصار اور چیز ہے۔

ملفوظ ۲۰: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس کھود کرید سے مقصود میرا یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ آیا مطلوب ان کے ذہن میں معلوم و مستحضر ہے یا نہیں کیونکہ طلب کی شرط اعظم مطلوب کی تعیین ہے نیز اس وجہ سے بھی کہ آیا میں اس کو پورا کر سکتا ہوں کہ نہیں اور یہ معلوم ہونے پر طرفین میں سے کسی کو دھوکہ نہیں ہوتا۔ میں بات کو صاف ہی کرنا چاہتا ہوں خدا نخواستہ مواخذہ بالذات تھوڑا ہی مقصود ہوتا ہے گو وہ مواخذہ ہوتا ہے مگر محض صورۃً مواخذہ ہوتا ہے اس سے اصل مقصود صفائی ہوتی ہے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ صاف بات کو الجھاتے ہیں اور تاویلات کرنا شروع کر دیتے ہیں اس وجہ سے ناگواری کے سبب میرے لہجے میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اس تغیر کو خفگی سے تعبیر کرتے اور یہ تو ایسا ہے کہ طبیب بد پرہیزی پر مطلع ہو جائے اور وہ مریض طبیب کی خفگی سے بچنا چاہئے اس سلسلے میں تاویلات اور تلبیس کرے تو اب بتلایئے کہ اس سے طبیب کا نقصان ہے یا مریض کا توقع نجات

سے کام نکالنا چاہتے ہیں اور الحمدللہ کے فضل سے اور اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے وہ یہاں چلتی چلاتی نہیں حق و باطل صاف صاف نظر آنے لگتا ہے اس پر لوگ ناراض ہوتے ہیں بدنام کرتے ہیں اسی دوران تقریر میں ایک صاحب سے ان کی غلطی پر مواخذہ فرمایا کہ یہ حرکت کیوں ہوئی اس پر ان صاحب نے تاویلات شروع کر دیں ارشاد فرمایا کہ ابھی ذکر ہو رہا تھا تاویلات کے مذموم ہونیکا اور وہی حرکت موجود ہے اب آپ حضرات دیکھ رہے ہیں کہ میری گفتگو انتہا درجہ کی صاف ہے کوئی گنجلک نہیں ابہام نہیں اشارہ کنایہ نہیں کوئی ایسی باریک بات نہیں مگر دیکھ لیجئے کہ اس کو تاویلات کا جامہ پہنا کر کہاں سے کہاں پہنچا دیں گے اپنی غلطی کے اقرار کا تو یہ لوگ سبق ہی نہیں پڑھے سب ایک مکتب کے تعلیم پائے ہوئے ہیں قسم کھا کر آتے ہیں کہ کبھی اپنی غلطی کا اقرار نہ کریں گے اور کبھی سیدھی بات صاف نہ کہیں گے پھر بتلایئے ایسے نااہلوں کے جمع کرنے سے کیا فائدہ کیا اس میں میرا کوئی نفع ہے یا میری کوئی غرض ہے پوچھنا محض اس غرض سے ہوں کہ منشاء غلطی کا معلوم ہو تو اصلاح کی تدبیر اختیار کروں۔ مگر یہ لوگ اس کو بلے کے گوہ کیطرح چھپاتے ہیں سو میری جوتی سے مجھ کو کون غرض ہے کہ میں ایسے باتوں کا تختہ مشق بنوں اپنی اصلاح نہیں چاہتے جائیں اپنے گھر بلانے کون گیا تھا۔ اور جب تک انسان خود اپنی اصلاح نہ چاہے بیچارے بزرگ اور عالم تو کیا ہستی اور وجود رکھتے ہیں ایسوں کی اصلاح نبی بھی نہیں کر سکے دیکھ لیجئے ابوطالب کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مرنے دم تک سعی اور کوشش فرمائی کہ ایمان لے آئیں مگر چونکہ ابوطالب نے نہ چاہا کچھ بھی نہ ہوا اس کے بعد کسی کا کیا منہ ہے کہ کوئی بدون طالب کی طلب کے اصلاح کر سکے پھر حضرت والا نے ان صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ اگر میری بات کا صاف اور معقول جواب نہیں دے سکتے یا دینا نہیں چاہتے تو مجلس سے اٹھ جایئے اور جب تک جواب نہ دیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں اور اگر جواب دینے کا ارادہ ہو تو کسی واسطے سے جواب دیں ہیں براہ راست اب گفتگو نہ کرونگا اور یہ بھی ظاہر کئے دیتا ہوں کہ مجھ کو جواب کا انتظار نہ ہوگا اگر تم اپنی مصیبت سمجھو اور جی چاہے تو کسی واسطہ سے جواب دینا ورنہ معاملہ ختم اس پر وہ صاحب خاموش رہے فرمایا کہ جو میں نے عرض کیا آپ نے سن لیا عرض کیا کہ سن لیا فرمایا تو کم از کم ہاں نہ کا جواب تو آدمی کو دینا چاہیئے تاکہ دوسرا بے فکر ہو جائے نواب نہ بننا چاہیئے۔ کیونکہ آپ لوگ ستاتے ہیں جایئے مسجد میں جا کر بیٹھئے وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے فرمایا کہ اب آپ حضرات نے نقشہ دیکھ لیا یہ ہیں وہ باتیں جن پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے آخر میں بھی بشر ہوں تغیر کی بات پر تغیر ہوتا ہی ہے اور اگر تاویلات کا دروازہ کھولوں تو پھر اصلاح کی کیا صورت ہے اور مجھ کو تو یہ آسان ہے کہ اصلاح کا کام قطعاً چھوڑ دوں باقی مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ آنے والوں کی چاپلوسی کروں اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کروں کہ حضور آپ سے فلاں غلطی ہوئی آئندہ نہ ہو سو یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا اگر اس کی برداشت نہیں تو اور کہیں جائیں کوئی ایک میں ہی تو مصلح نہیں اور بہت جگہ

ہیں مگر کام تو کام ہی کے طریق سے ہوتا ہے۔

ملفوظ ۲۱: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرے یہاں جس قدر اصول اور قواعد مرتب ہوئے وہ بعد تجربوں کے ہوئے ہیں مثلاً لوگ آتے ہیں اور استفتاء وغیرہ ساتھ لاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ فوراً جواب لکھدیا جائے اس میں اول تو یہ بات ہے کہ بعض مسئلہ ایسا ہوتا ہے کہ کتاب دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور دوسرے یہ کہ جلدی میں اندیشہ ہے کہ ذہول کے سبب غلط جواب لکھا جائے۔ ایک دفعہ ایسا ہو چکا ہے کہ ایک شخص فتویٰ لکھوانے آیا میں نے لکھدیا اس میں غلطی ہوگئی یاد آنے پر قلب اس قدر پریشان اور مشوش ہوا کہ مسئلہ کی بات ہے اب کیا ہو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا اور کس طرف کو گیا جب کچھ نہ بن پڑا دعاء کی۔ تھوڑی دیر بعد دیکھتا ہوں کہ وہ شخص فتویٰ ہاتھ میں لئے آرہا ہے مجھکو اس وقت بڑی مسرت ہوئی اور خدا کے فضل کا شکریہ ادا کیا اس شخص نے آکر کہا کہ مولوی جی اس پر آپنے مہر تو کی ہی نہیں میں نے کہا کہ بھائی مہر تو اب بھی نہ کروں گا مہر میرے پاس ہے ہی نہیں ہاں مسئلہ غلط لکھا گیا تھا اس کو صحیح کردونگا غرض میں نے اس کو درست کر دیا اور اسی وقت سے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ استفتاء اور اس کے ساتھ اپنا پتہ لکھکر لفافہ دیجاوے بذریعہ ڈاک بھیج دیا جائیگا مسائل کا نازک معاملہ ہے اس کے بعد سے ایسا نہیں کرتا کہ فوراً جواب لکھکر دیدوں اس کے علاوہ اس میں ایک بات اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک کام لینے والا سر پر ہوتا ہے غور و فکر کا کام نہیں ہوتا ایک قسم کا تقاضا اور بوجھ سا قلب پر رہتا ہے کام لینے والے کے علاوہ چاہے جس قدر مجمع ہو اس قسم کا اثر نہیں ہوتا اس قسم کی باتیں جدا ہی ہیں جو محض بیان سے دوسرے کی سمجھ میں نہیں آسکتیں کام کرنے والا ہی سمجھتا ہے۔ ایک شاعر لندن میں تھا مشہور شاعر ہے اس کے اشعار مقبول بہت تھے ایک شخص نے اس شاعر سے کہا اتنے ہزار روپیہ لے لو۔ اور اس سال کے اندر جتنے اشعار لکھو سب دیدو اس نے وعدہ کر لیا اسی وقت سے آمد بند ہوگئی تب اس شاعر نے روپیہ لوٹا دیا اور کہا کہ میں ایسا وعدہ نہیں کرتا اسی وقت سے آمد شروع ہوگئی اس کو تو کام کرنے والا ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس چیز کا کیا اثر ہوتا ہے دوسرے کو کیا خبر۔ ایک شخص یہاں پر آکر بیٹھ گئے میں نے پوچھا کیسے بیٹھے ہو کہنے لگے کہ میں دیکھ رہا ہوں میں نے کہا کہ اگر کوئی تم کو بیٹھ کر دیکھے تو کیا تم کو تکلیف نہ ہوگی کہا کہ مجھ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میں نے کہا کہ میں تمہاری تکذیب نہیں کرتا تم کو نہ ہوتی ہوگی۔ مگر مجھ کو ہوتی ہے یہاں سے جائیے اس کو آپ نہیں سمجھتے میں سمجھتا ہوں خیر یہ تو انکی بے حسی تھی مگر زیادہ تر دوسری چیز ہے یعنی قلت اعتناء اور غفلت اہتمام اس کی فکر ہی نہیں کہ ہم سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو میں تو رات دن مشاہدہ کر رہا ہوں مجھ کو سخت مزاج کہتے ہیں مگر اپنی نرم مزاجی کو ملاحظہ نہیں فرماتے۔ کہ بے فکری کے سبب ایذائیں دیتے ہیں غرض دنیا سے سلیقہ گم ہی ہو گیا نہ عربی خوانوں میں رہا نہ انگریزی خوانوں میں رہا۔ بالکل مفقود ہی ہو گیا اور کچھ نہیں صرف بے فکری کا غلبہ ہو گیا ہے یہ سب اسی کے برکات ہیں اپنی طبیعت

پر سوچنے کا بوجھ نہیں ڈالتے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے ۔

ملفوظ ۲۲:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہر آئے دن ایک نیا فتنہ پیدا ہوتا ہے اس وقت ایک بڑا فتنہ یہ پیدا ہوا ہے کہ خاوندوں کی زیادتی اور ظلم کے سبب عورتوں میں ارتداد شروع ہو گیا معلوم ہوا کہ قریب ہی زمانہ میں کئی ہزار عورتیں مرتد ہو چکیں بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ عورتوں کو جو مرد ستاتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں یا مرد مجنون ہو گیا ہے یا عنین ہے یا مفقود الخبر ہے اس کے متعلق اسلام میں کیا احکام ہیں اور اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں ایسی حالت میں مرد سے عورت کی نجات کیلئے کوئی صورت نہیں کوئی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتا ہے کہ ان کے مذہب میں ان مشکلات کا کوئی حل نہیں ہے ان ہی وجوہ سے ایک رسالہ مرتب کر رہا ہوں اب یہ سوال ہوتا ہے کہ جب تک وہ رسالہ تیار ہو اور اس کی اشاعت ہو اس وقت تک مظلومہ کس طرح زندگی بسر کرے میں جواب دیتا ہوں کہ اگر شروع میں نجات کی ایسی تدبیر نکل بھی آوے مگر شوہر عدالت میں چارہ جوئی کرے کیونکہ وہ تدبیر قانون میں منظور شدہ نہیں تو عورت کو قانون کی زد سے بچنے کی کیا صورت اور کیا تدبیر ہو گی اس کا کسی نے آج تک جواب نہیں دیا دوسروں پر ہی اعتراض کرنا آتا ہے اب جواب دیں یہ اس کا مصداق ہو گیا کہ میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا اب تک تو یہ شبہ تھا کہ علماء کے یہاں اس کا کوئی علاج نہیں علماء بتلا نہیں سکتے اب بحمد اللہ اس کا بھی جواب نکل آیا لیکن باوجود ایسے اعتراضات کے لغو ہونے کے ہیں پھر بھی اس کی ضرورت ہے کہ ہم نجات کی سبیل بتلائیں اس بتلانے کے بعد دو جماعت کا قصور رہجاویگا ایک حکام کا کہ کوئی ایسا قانون نہیں بنایا کہ وہ مذہب کے بھی مطابق ہو اور ایک عوام کا کہ وہ کوشش کر کے اس شرعی تدبیر کو قانون میں کیوں نہیں داخل کرا لیتے جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ کئی ہزار عورتیں کوئی سبیل نہ ہونے کی وجہ سے مرتد ہو گئیں اس سے بیحد دل پر اثر ہوا اور اس رسالہ کی تکمیل کی ضرورت محسوس ہوئی اور چونکہ اس رسالہ میں بعضی تدابیر دوسرے ائمہ سے لی گئی ہیں اس لئے بعض علماء نے کہا کہ اس سے حنفیت جاتی رہے گی ۔ میں نے کہا (کیا خوب) چاہے اسلامیت جاتی رہے ۔ مگر حنفیت نہ جائے بعض نے کہا کہ مردوں کی قوامیت (حکومت) جاتی رہے گی میں نے کہا کہ چاہے عورتوں کی اسلامیت جاتی رہے نیز میں نے کہا کہ کیا اس واسطے حکومت دی تھی کہ ظلم کیا کریں ۔ اگر ایسی حکومت جاتی رہے تو اس کا جانا ہی اچھا (الحمد للہ کہ وہ رسالہ تیار ہو کر چھپ گیا اس کا نام ہے الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ) ۔

ملفوظ ۲۳:- فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے ایک دفتر ہے معنیٰ ہے اور روشنائی پھیکی ۔ میں نے جواب میں لکھدیا ہے کہ اتنا طویل مضمون پھر روشنائی بھی پھیکی جس کے پڑھنے میں وقت بھی زیادہ صرف ہوا اور آنکھیں بھی تو جس شخص کو بہت سا کام ہو وہ ایسی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا زبانی ارشاد فرمایا کہ دس آنہ کا کام ڈھائی آنہ میں کا لینا چاہتے ہیں ۔ اگر یہ ہی مضمون چار لفافوں میں ہو تو شاید وہ بھی

کفایت نہ کرتے بعض لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں ایک شخص نے اس تطویل کا عذر لکھا تھا کہ صاحب اگر کسی کے پاس پیسہ نہ ہو۔ میں نے لکھا کہ ہم سے منگالو مگر ہمارے پاس خط طریقہ ہی سے بھیجو چنانچہ انہوں نے ٹکٹ کے دام بھیجنے کو لکھا میں نے ایک روپیہ بھیج دیا اور یہ لکھدیا کہ جب یہ ختم ہو جائے پھر لکھو مگر ایک مرتبہ میں ایک روپیہ سے زائد نہ دونگا حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہر ایک عذر کا جواب قلب میں پیدا فرما دیا ہے

۵/ ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۰ھ

پونے آٹھ بجے صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ ۲۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میری عادت مدعیان علم وفہم کی ساتھ معاملات کی گفتگو میں تسامح ورعایت کی نہیں اس لئے ان کو دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ دبتا ہے اور اس خیال سے ان کا جہل بڑھتا ہے میں جب تک ضرورت نہ ہونے کیوجہ سے درگذر کرتا ہوں مگر جس وقت گفتگو کے لئے متوجہ ہوتا ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔ فلاں مدرسہ کے مجلس شوریٰ کے ارکان آئے ہوئے ہیں ان لوگوں نے اس کے قبل ایک دل آزار خط لکھا تھا اس کے متعلق ان سے گفتگو ہوئی انہوں نے چاہا تھا کہ مدرسہ کی دوسری جزئیات میں گفتگو کریں میں نے منع کر دیا اور صاف کہدیا کہ میں اس بیہودہ تحریر سے منقبض ہوا اور رہوں اور رہوں گا۔ اول اس کو صاف کیجئے اور میں نے ان کو اجازت دی کہ اس میں گفتگو کر لی جائے۔ اسپر جواب دیا گیا کہ جن صاحب کیطرف سے وہ تحریر آئی ہے ان کا طرز تحریر ہی ایسا ہے باقی دل میں کوئی بات نہیں میں نے کہا کہ میں اس کی تکذیب نہیں کرتا مگر باوجود اس علم کے کہ ایک شخص کی تحریر کا یہ طرز ہے پھر اس سے کیوں لکھوایا میں نے یہ بھی لکھدیا کہ یہ معاملہ کی گفتگو ہے میں صاف صاف کہوں گا اور اس وقت میرا کلام آزاد نہ ہوگا کہنے لگے کہ پھر اب اسکا کیا تدارک ہو میں نے کہا کہ میرا ہی معاملہ اور مجھ سے ہی تدارک کی تدبیر پوچھی جا ہاں اگر کسی اور کا معاملہ ہوتا تو مجھ سے اس سوال کا مضائقہ نہیں تھا میری غیرت کا اقتضا نہیں کہ میں اپنے متعلق تدارک کی تدبیر بتلاؤں۔ اس پران ہی میں سے ایک صاحب نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ اب لوگوں کو خود تدارک تجویز کرنا چاہیئے میں نے کہا کہ میں اتنی اور رعایت کر سکتا ہوں کہ جو تدارک آپ لوگ تجویز کرینگے اس کے کافی ہونے نہ ہونے کو میں ظاہر کر دونگا اور اصولاً تو صورت یہ ہونا چاہیئے کہ آپ تدارک بھی تجویز کریں اور اس کا اعلان بھی کریں اس وقت میں اپنی رائے کا اظہار کروں کہ یہ کافی ہوا یا نہیں اور کافی نہ ہونے کی صورت میں کہوں کہ اور کوئی تدارک کیجئے۔ مگر میں اعلان سے قبل ہی محض آپ کی تجویز کے بعد ہی کافی ہونے نہ ہونے کو ظاہر کر دونگا اور یہ میرا تبرع اور احسان ہوگا اس کے بعد ایک صاحب کے ذہن میں وہی بات آئی جو میں

تجویز کرتا یعنی یہ کہ اس تحریر کا رد لکھا جائے بس یہ تدارک کی کافی صورت ہے اور اس سے پہلے اور دو صورتیں بیان کی تھیں مجھ کو یاد نہیں اخیر صورت یہ تجویز ہوئی یعنی کہ اس غلطی کو چھپوا کر شائع کر دیں اس کی نسبت مجھ سے سوال ہوا میں نے کہا کہ بالکل کافی ہے پھر اس پر سوال ہوا کہ رسالہ النور اور الہادی میں شائع کر دیا جائے میں نے کہا کہ وہ رسالے تو میرے کہلاتے ہیں کہا کہ اخباروں میں شائع کر دیا جائے میں کہا کہ مجھ کو یہ بھی گوارا نہیں۔ اس لئے کہ اخباروں کا زیادہ حصہ نااہلوں اور بددینوں کے ہاتھ میں جاتا ہے میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ آپ دیندار حضرات کی بددینوں میں سبکی ہو۔ ہاں ایک اور صورت ہے وہ یہ کہ مستقل چھپوا کر شائع کیجئے تقسیم کیجئے یہ بات تو ختم ہو گئی پھر میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ مجھ کو اس کے تدارک کے اعلان کا انتظار نہ ہوگا اگر جی چاہے اور یہاں سے جا کر دوسرے حضرات کے مشورہ کے بعد بھی یہی رائے رہے جو اس وقت طے ہوئی اور اس میں مدرسہ کی اور اپنی مصلحت بھی ہو تو شائع کیجئے ورنہ جانے دیجئے مگر مجھ کو بھی اپنے حال میں رہنے کی اجازت دینا پڑیگی اور یہ جو اس وقت میں نے کچھ کہا ہے محض آپ کے آنے کی وجہ سے اور آپ کی خواہش پر ورنہ اس میں میری کوئی غرض نہیں اس کے بعد مدرسہ کی سرپرستی کا مسئلہ پیش ہوا ایک صاحب نے کہا کہ میری ذاتی رائے ہے کہ کلی اختیارات سرپرست کو ہونے چاہئیں وہ جو مصلحت اور مناسب سمجھے احکام صادر کرے اس پر ایک صاحب نے کہا کہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ شوریٰ کو بالکل ہی حذف کر دیا جائے میں نے کہا یہ معنی نہیں جو آپ سمجھے بلکہ مصلحت یہی ہے کہ شوریٰ ہو۔ خلفاء راشدین کا بھی یہی معمول رہا کہ شوریٰ ہوتا تھا۔ خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے باقی یہ کہ جب کل اختیارات ایک ہی کو ہوں گے پھر وہ کونسی مصلحت ہے جو شوریٰ میں ہے وہ مصلحت یہ ہے کہ اس مختار مطلق کی نظر کو محیط بنا دیں اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہر وقت ہر جزئی کو ایک شخص کی نظر محیط نہیں ہوتی اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ سب اپنی اپنی رائے پیش کر دیا کریں تاکہ اس مختار مطلق کی نظر میں سب پہلو آ جاویں پھر اس کے بعد یہ حق کسی کو نہ ہوگا کہ وہ سرپرست سے اس کا سوال کریں کہ جو آپ نے تجویز کی ہے اس میں کیا مصلحت اور کیا حکمت ہے اگر ایسا ہوا کہ وہ انہیں سمجھا دیں یہ انھیں سمجھا دیں تو یہ ایک مناظرہ کی سی صورت ہو گی اور ایسے معاملات جو ذوق اور وجدان کے ماتحت ہوتے ہیں مناظرہ اور مکالمہ سے طے نہیں ہوا کرتے ایک صاحب نے کہا کہ اگر بالکلیہ اختیارات سرپرست کو دیدیئے جائیں تو ممکن ہے کہ کوئی اہل غرض اگر سرپرست کی رائے کو بدل دے۔ میں نے کہا کہ یہ تو اہل شوریٰ میں بھی احتمال ہے کہ کوئی اہل غرض اگر ان کی رایوں کو بدل دے اور ایسے کو سرپرست بنایا ہی کیوں جاوے جس میں اس قسم کا اندیشہ ہو اور شبہ ہو۔ بلکہ ایسے کو سرپرست بنائیے جہاں یہ شبہ نہ ہو اور اس کا پورا اعتماد ہو

اور وہ متدین ہو بس اس کو حذف کر کے دوسرے قواعد تجویز کر لئے جائیں، اس سے سب شقوق کا فیصلہ ہو گیا اب یہ کام آپ صاحبوں کا ہے جس کو سرپرست بنایا جائے دیکھ لیا جاوے اور یہ میں آپ کو اطمینان دلائے دیتا ہوں کہ مجھکو شوق نہ سرپرستی کا اور نہ اختیارات کا جو کچھ ہے مدرسہ ہی کی مصلحت کے واسطے ہے ورنہ طبعی بات تو میری یہ ہے کہ میں بکھیڑوں سے گھبراتا ہوں خصوص ذمہ داری کے کاموں سے بس طبیعت آزادی اور یکسوئی کو چاہتی ہے میری اس تقریر کے بعد اس ہی مجلس میں میری سرپرستی کے متعلق گفتگو کر دی میں نے کہا کہ اپنے مستقر پر جاکر اس کو طے کیجئے اور اگر یہاں ہی طے کرنا ہے تو مجھ کو اجازت دیجائے میں اس جگہ سے علیحدہ ہو جاؤں میں اس مجلس میں شرکت نہ کروں گا جس میں میرے متعلق گفتگو ہو اور بہتر وہ پہلی ہی شق ہے کہ وہاں ہی جاکر اس کو طے کریں تاکہ سب کی رائے اطمینان سے پیش ہو کر معاملہ طے ہو جائے، ایسے کاموں میں جوش اور عجلت سے کام نہ لینا چاہیئے قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ بات سب کی سمجھ میں آگئی۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میں نہ متعارف متواضع ہوں کہ خواہ مخواہ تکلف کی راہ سے اپنی نا اہلیت کا دعویٰ یا اقرار کروں اور نہ بحمداللہ متکبر ہوں کہ خواہ مخواہ دعوئی اہلیت کا کر کے بڑائی کی خواہش کروں میں دل سے راضی ہوں کہ جس کو مدرسہ کے لئے مصلحت سمجھا جائے سرپرست بنائیں مقصود کام کا ہونا ہے کام ہونا چاہیئے کام کرنے والا کوئی بھی ہو ہاں اس کو ضرور جی چاہتا ہے کہ مدرسہ اپنے بزرگوں کے مسلک پر رہے اس لئے کہ یہ ان کی یادگار ہے اگر یہ بات مدرسہ میں سے جاتی رہی تو ہونا نہ ہونا برابر ہے اور میں اس کا بھی اطمینان دلاتا ہوں کہ میں اختلاف رائے سے دلگیر نہ ہوں گا اب اس کی دعا کرتا ہوں کہ مدرسہ کیواسطے جو بہتر ہو اس پر سب کا اتفاق ہو جائے بس مجلس گفتگو ختم ہو گئی

۵ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۲۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انسان کو کسی چیز پر بھی ناز نہ کرنا چاہیے محض ان کے فضل پر نظر رکھنا چاہیئے اگر ان کا فضل نہ ہو سب دھرا رہ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ خط لکھکر اپنے دستخط کرنا چاہا مگر اپنا نام بھول گیا اور یہ ایسی عجیب بات ہے کہ اگر میں خود مولانا سے نہ سنتا تو راوی کی تکذیب کرتا بھلا کیا کوئی دعویٰ یا ناز کر سکتا ہے جب اپنے بڑے عالم کو ایسی بات بھلا دی گئی جس کا بھولنا عادۃً محال ہے۔

ملفوظ ۲۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ والد صاحب نے ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کیواسطے چائے بھیجی اور ایک خط بھی اس کے ہمراہ آیا اس میں لکھا تھا کہ کبھی کبھی اشرف علی کو بھی شریک فرمالیا کریں پھر اسی خط کے اخیر حصہ میں لکھتے ہیں کہ یہ میں نے بے سوچے لکھدیا تھا ایسا تنعم طالب علمی کے خلاف ہے مولانا نے مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارے والد کا خط ہے ایک ہی خط میں دو باتیں لکھی ہیں کونسی پر عمل کروں میں نے عرض کیا کہ حضرت آخری بات ناسخ ہوتی ہے اسی پر عمل فرمایا جاوے یہ حضرات باوجود اس کے کہ ان میں بعض دنیادار بھی تھے مگر عرف اور رواج سے مغلوب نہ تھے صدق اور خلوص کا غلبہ تھا ورنہ ہدیہ کے متعلق یہ درخواست کہ اس میں سے میری اولاد کو بھی دیجئے عرف سے کس قدر بعید ہے۔

ملفوظ ۲۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت میانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری وفات کے بعد دیکھنا ہماری روشنی کس قدر پھیلے گی (چنانچہ مشاہدہ ہے)

ملفوظ ۲۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں تو خلوص اور تواضع کی قدر ہے اگر یہ نہیں تو پھر چاہے کتنا ہی بڑا ہو اس کی ذرہ برابر قدر نہیں ہوتی اور اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ میں محروم ہوں نہ کوئی نفع ہوا اور نہ ہوسکتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ وہ نفع اور عدم نفع کا امتیاز ہی نہ کرتا ہو جیسے بعض علمی اداروں میں تکبر اور ترفع کو خودداری سمجھتے ہیں اب اگر کسی کے یہاں رذائل ہی کمالات سمجھے جاتے ہوں اور باعث فخر ہوں اسکا کسی کے پاس کیا علاج۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ مریض اپنے امراض ہی کو کمال سمجھے اور اس پر فخر کرے تو طبیب بیچارہ کیا تیر لگائے گا مگر انجام اس کا ہلاکت ہی ہے۔

۶/ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ
مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۲۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں اپنے دوستوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں اور خود بھی اس پر عامل ہوں کہ حق تعالیٰ سے اپنی بہبود اور فلاح کی دعا کریں اور یہ بڑا عمل ہے اور اس سے بڑا عمل یہ ہے کہ خدا کے راضی کرنیکی فکر میں لگ جائیں اگر مسلمان ایسا کریں تو چند روز میں انشاء اللہ کایا پلٹ ہو جائے حقیقی مالک ملک کے حق تعالیٰ ہی ہیں تو ملک جنکی ملک ہے انھیں سے مانگو اور اس کا صحیح طریق یہ ہی ہے کہ ان کو راضی کرو۔ اور راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ گذشتہ نافرمانیوں سے تائب ہو کر آئندہ کے لئے عزم اعمال صالحہ کا کرو پھر دیکھو پھر کیا ہوتا ہے کیونکہ تدابیر بھی وہی ذہنوں میں پیدا فرماتے ہیں

اور پھر ان تدابیر کو مؤثر بھی وہی بناتے ہیں تو ان کو راضی رکھنے سے تدبیریں بھی صحیح اور مؤثر سمجھ میں آتی ہیں اور یہ بات یقین کے درجہ کی ہے کہ اگر مسلمان ایسا کریں تو ان کے تمام مصائب اور آلام ختم ہو جائیں یہ مصائب کا سامنا خدا کو ناراض کرنے ہی کے بدولت ہو رہا ہے اور جو تدابیر اسوقت اختیار کر رکھی ہیں چونکہ ان کا اکثر حصہ غیر مشروع ہے اس لئے بجائے کسی کامیابی کے اور الٹی ذلت اور ناکامی گلوگیر ہو جاتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ (انگریزوں کی) شروع سلطنت کے زمانہ میں اس کا مشورہ ہوا تھا کہ ہندوستان کو نکما بنانا چاہیئے اور اس کی تدبیر یہ نکالی کہ مذہبی حمیت کو برباد کر دینا چاہیئے بس میں اسی حمیت کو کہتا ہوں کہ اپنے اندر پیدا کرو پھر دیکھ لیجئے کیا اثر ہوتا ہے اسوقت کثرت سے لوگوں کو مذہب سے بیگانہ کر دیا گیا ہے یہ نہایت باریک حربہ ہے بس اس کے مقابلہ میں کرنیکا کام یہ ہے کہ مذہب کی اہمیت قلوب میں پیدا کیجاوے مگر مشکل یہ ہے کہ جو کام کرنے کے ہیں ان کو تو مسلمان کرتے نہیں دوسرے جھگڑوں اور قصوں میں پڑ کر اپنا مال اپنی جان اپنا وقت برباد کر رہے ہیں حقیقی تدابیر سے بھاگتے ہیں صاحبو اگر اعتقاد سے نہیں کرتے تو آزمانے ہی کے طریق پر کر کے دیکھ تو اسی کو فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش　　٭　　آزموں را یک زمانے خاک باش

ان رسمی تدابیر کو چھوڑو برسوں کر کے دیکھ لیں خاک نہ ہوا اب ذرا خاک میں سر رکھکر بھی دیکھو نہ حکمت یونانی کا نسخہ تو بہت زمانہ تک استعمال کر لیا اب حکمت ایمانی کا نسخہ بھی استعمال کر کے دیکھو انشاء اللہ تعالیٰ تمام امراض کافور ہو جائیں گے اور میں تدابیر ظاہرہ کا مخالف نہیں ہوں بشرطیکہ غیر مشروع نہ ہوں شکایت تو اس کی ہے کہ تدابیر ظاہری کے اس قدر پیچھے کیوں پڑ گئے کہ حقیقت سے بھی دور جا پڑے اس لئے ضرورت ہے کہ اب طب ایمانی کا نسخہ استعمال کرو فرماتے ہیں ؎

چند خوانی حکمت یونانیاں[عہ]　　٭　　حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

خلاصہ یہ ہے کہ طبیب جسمانی کی تدابیر پر تو عمل کر چکے اور اس کا نتیجہ بھی دیکھ چکے اب طبیب روحانی جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے نسخوں پر عمل کر کے دیکھو کیونکہ یہ مرض ان طبیبان ظاہری کی سمجھ سے باہر ہے تو ان کی تدبیر کیسے کافی ہوگی اسی کی نظیر میں مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند　　٭　　آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

بے خبر بودند از حال درون　　٭　　استعیذ اللہ مما یفترون

حاشیہ آئندہ صفحہ پر

عہ برسوں تک تو سخت پتھر بنا رہا آزمائش کیلئے کچھ روز خاک ہو کر بھی دیکھ ۱۲ عہ یونانیوں کی حکمت کب تک پڑھو گے ایمان والوں کی حکمت بھی پڑھو ۱۲ ...

دیکھئے صحابہ کرام کی جمعیت کچھ ایسی زائد نہ تھی مادی اسباب پاس نہ تھے مگر طبیب روحانی کے نسخوں پر ان کا عمل تھا دیکھ لو کیا سے کیا کر کے دکھا گئے یرموک میں جب اول روز لشکر اسلام کے مقابلہ میں جبلہ بن ایہم غسانی ساٹھ ہزار لشکر لیکر آیا ہے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں اول تیس آدمی پھر دوسروں کے کہنے سننے سے ساٹھ آدمی منتخب کر کے میدان میں لیگئے جبلہ یہ سمجھا کر خالد صلح کیلئے آئے ہیں وہ دیکھکر ہنسا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اعلان جنگ کر دیا شام تک تلوار چلی کفار کی ساٹھ ہزار جمعیت کو ہزیمت ہوئی اور میدان چھوڑ کر بھاگے صحابہ میں سے پانچ یا چھ تو شہید ہوئے اور پانچ گرفتار ہوگئے جب لاشیں بھی نہیں ملیں جب گرفتاری کا گمان ہوا تو چھ لاکھ کے لشکر میں جو باہان ارمنی کے زیر کمان تھا ان کے چھوڑانے لیگئے سو سپاہیوں کے ساتھ تشریف لے گئے اور باہان کی اطلاع و اجازت کے بعد جب آگے بڑھے تو تخت کے قریب دیبا و حریر کا فرش تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کو الٹ دو باہان ارمنی نے کہا میں نے تو آپ کی عزت کی اور حریر کا فرش بچھانے کا حکم دیا آپ نے اس کی کچھ قدر نہ کی آپ نے فرمایا والارض فرشنٰھا فنعم الماھدون خدا کا فرش تیرے فرش سے اچھا ہے باہان ارمنی نے کہا کہ ہم اور تم بھائی بھائی ہو جائیں حضرت خالد بن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام قبول کرلے ہم اور تو بھائی بھائی ہو جائیں گے اور اگر اسلام قبول نہ کریگا تو وہ دن مجھ کو قریب نظر آتا ہے کہ تیری گردن میں رسی ہوگی اور لوگ کھینچ کر تجھ کو امیر المومنین کے سامنے کھڑا کرینگے یہ سنکر باہان ارمنی آگ ہو گیا اور حکم دیا کہ ان کو پکڑو حضرت خالد بن ولید نے تلوار کھینچ کر ساتھیوں کیطرف دیکھکر فرمایا کہ تم بھی تیار ہو جاؤ اور اس کی جرار اور فوج کیطرف نظر نہ کرو اور اس وقت آپس میں ایک دوسرے کو نہ دیکھو اب انشاء اللہ آپ کو ثر پر ملاقات ہوگی۔ بس باہان ڈھیلا ہو گیا اور کہنے لگا میں تو ہنستا تھا تو یہ کیا چیز تھی وہی حمیت مذہبی تھی بس اعداء دین تدابیر سے اس کو مٹانا چاہتے ہیں اور اس کا یہ اثر ہوا کہ اب خود لوگ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر آمادہ ہیں مگر پھر اعداء اعداء (دشمن دشمن) میں فرق ہے ایک قوم (انگریز) کی دشمنی آئین کے ساتھ ہے اور دوسری قوم (ہندو) کی صریح ظلم کے ساتھ اگر کہیں ان (ہندوؤں) کا تسلط ہو جائے تو یہ تو زبردستی مسلمانوں کو مرتد بنائیں۔ اب باوجود حکومت نہ ہونیکے جہاں قدرت ہوتی ہے جبر کرتے ہیں جہاں جہاں ان کی اکثریت اور کچھ قوت ہے اور مسلمانوں کی آبادی کم ہے ان کو ارتداد پر مجبور کیا جاتا ہے۔

حاشیہ صفحہ ۲۲ کا یہ ہے (مرد یغبی نے لکھا جو وہ ان لوگوں نے کی ہے وہ مرض کو بڑھانے والی تھی تندرستی کرنے والی نہ تھی۔ وہ لوگ اندرونی حالت سے بے خبر تھے جو وہاں رہ گھر رہے تھے ان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۱۲)

ملفوظ ۳۰: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس زمانہ میں اکثر اہل حکومت کی نظر میں کام کرنے والوں کی قدر نہیں — وفاداری کی قدر نہیں — بھائی مرحوم کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی رشوت خدا تعالیٰ کے خوف سے چھوڑے تو ٹھیک ہے اور اگر اس خیال سے چھوڑے کہ اہل حکومت خوش ہونگے وہ بڑا ہی بیوقوف ہے کوئی قدر نہیں اور ایسے اہل حکومت کی طرف سے جو کچھ پبلک کی راحت رسانی کا سامان کیا گیا اور کیا جا رہا ہے اس میں بھی نیت بخیر نہیں جیسے مذہبی جوش کو برباد کرنے کی سعی اور کوشش کی جا رہی ہے اس کا اثر قوت باطنی پر پڑا اور ظاہری قوت کو ان اسباب عیش اور راحت سے برباد کر دیا جیسے ایک عورت کی حکایت ہے کہ سوتیلے بیٹے کو تو گود میں لے رکھا تھا اور اپنے بیٹے کی انگلی پکڑے ہوئے پیدل لئے جا رہی تھی دیکھنے والوں نے کہا کہ کس قدر شفیق اور بے نفس طبیعت کی عورت ہے سوتیلے بیٹے کو گود میں اور اپنے بیٹے کو پیدل لئے جا رہی ہے اس عورت نے سن کر کہا کہ اس میں بھی میری ایک حکمت ہے کہ یہ گود کا خوگر ہو کر اپاہج ہو جائے اور میرا بچہ چلنا سیکھ جائے اور تندرست رہے یہی مثال خود غرض لوگوں کی ہے کہ ان کی دوستی کے پردہ میں دشمنی ہوتی ہے۔

ملفوظ ۳۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علم کلام کو علماء نے ایسا مدون کیا کہ ساری دنیا کو بند کر دیا کوئی آج تک اس کو نہیں توڑ سکا اسی طرح فقہاء نے احکام کی تدوین کی اور نصوص کے محامل کو ظاہر کیا مگر اغیار نے بجائے شکر گزاری کے اور الٹا ان پر اعتراض کہ یہ لوگ تاویل کر کے نصوص کو ترک کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک غیر مقلد نے دہلی میں وعظ کہا اس میں بیان کیا کہ قرآن و حدیث سب ظاہر ہے کہیں تاویل جائز نہیں ایک طالب علم مولوی عبدالحق نبیرہ قصبہ جلال آباد کے انہوں نے کہا کیوں صاحب کہیں تاویل نہ کی جاویگی کہا کہ ہاں کہیں نہیں کیجاویگی انہوں نے کہا بہت اچھا تو میں کہتا ہوں کہ اس قاعدہ کے بنا پر تو کافر ہے کہنے لگا کہ یہ کیوں انہوں نے کہا کہ قرآن میں ہے ومن کان فی ہٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ یہ غیر مقلد واعظ اندھا تھا کہنے لگا کہ اس کا تو یہ مطلب نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں انہوں نے کہا کہ یہ تاویل ہے اور تاویل بقول آپ کے باطل ہے بڑا پریشان ہوا فرمایا کہ واقعی اگر ضرورت اور دلیل سے بھی تاویل نہ کی جاویگی تو ایسا ہو گا جیسے ایک شخص نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس شعر کا مطلب سمجھا تھا ۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ∴ در پریشاں حالی و درماندگی[1]

واقعہ یہ ہوا کہ اس شخص کا دوست کسی سے لڑ رہا تھا اور وہ بھی ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا اس نے پہونچ کر دوست

---

[1] دوست وہ ہے جو دوست کی پریشان حالی اور عاجز ہونے کے وقت مدد کرے ۱۲ ∴

کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے جس سے بیچارے کی اچھی طرح مرمت ہوئی۔ کسی نے کہا کہ یہ کیا حرکت کی کہتا ہے کہ میں نے تو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی تعلیم پر عمل کیا ہے وہ فرما گئے ہیں ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ❊ در پریشان حالی و درماندگی

اگر تاویل سے بچیں تو کوئی کلام بھی دنیا میں صحیح معنی میں استعمال نہیں ہوسکتا اسی طرح کسی مطلق لفظ کو مقید پر محمول کرنا ایک قسم کا مجاز اور تاویل ہے مگر دلیل کی ضرورت سے اختیار کیا جاویگا۔ میں ایک مرتبہ علی گڈھ اپنے چھوٹے بھائی کے پاس مہمان تھا۔ نواب وقار الملک کی استدعا پر کالج میں گیا وہاں جمعہ بھی پڑھا وعظ بھی کہا وہاں کے ہیڈ ماسٹر نے سائنس کے کمرہ کی بھی سیر کرائی اس میں بجلی بھی تھی اسکے افعال و خواص کا بھی مشاہدہ کیا اس کے بعد وعظ ہوا تو میں نے وعظ میں برق کے متعلق بھی یہ بیان کیا کہ آپ لوگوں کو کہیں یہ شبہ نہ ہو کہ بجلی تو ہم نے بھی پیدا کرلی ہے پھر جو حقیقت بجلی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے ہمارا یہ مشاہدہ اس کی نفی کرتا ہے۔ کیونکہ برق تو ہم بھی بنا سکتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ برق کی دو قسمیں ہیں ایک سماوی اور ایک ارضی سو ارضی برق کی تو جو حقیقت ہے جو تم سمجھتے ہو اور سماوی برق کی وہ حقیقت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی گو سماوی کی قید لفظوں میں مصرح نہیں مگر قرائن سے اس کا اعتبار کیا جاوے گا میرے اس بیان کا ان لوگوں پر بیحد اثر ہوا اسلئے کہ ایسا قریب جواب انہوں نے کبھی نہ سنا تھا میں نے یہ بھی کہا کہ جو کچھ میں نے اس وقت بیان کیا برق کے متعلق اس کو توجیہ و تکلف نہیں کہتے توضیح و تحقیق کہتے ہیں یعنی حقیقت کا اظہار جو شخص دونوں میں منافات سمجھا اس کو حقیقت سمجھادی۔

۶/ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۳۲:- فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں ذکر و شغل اسلئے نہیں کرتا کہ کہیں تنگی معاش میں نہ مبتلا ہو جاؤں حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ خیال کیوں پیدا ہوا اور زبانی ارشاد فرمایا کہ اس عقیدہ کے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں کہ اللہ کا نام لینے سے افلاس آتا ہے۔ استغفر اللہ۔ نعوذ باللہ میں نے بھی ابھی کوئی جواب نہیں دیا اس ہی سے اس خیال کی وجہ معلوم کی ہے دیکھئے کیا لکھتا ہے۔

ملفوظ ۳۳:- ایک گاؤں کا ایک شخص آیا اور مجلس کے منتہا پر کھڑے ہو کر پاجامہ کے نیفے میں سے ایک بڑا لنکا کر اس میں سے ایک پرچہ نکالا اس کے بعد حضرت والا کے قریب آکر

بیٹھا حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ اتنی دیر تک وہاں کیوں آکر کھڑے رہے عرض کیا کہ بٹوا نکال کر پرچہ نکال رہا تھا فرمایا کہ لوگوں کے سر پر کھڑے ہو کر پاجامہ کو ٹٹولنا ڈھونڈنا اور بٹوا نکالنا بے تمیزی کی بات ہے آئندہ ایسا نہ کرنا اس کی صورت یہ تھی کہ یہاں آنے سے پہلے باہر بٹوا نکال لیتے تب یہاں آتے آدمی کو تمیز سیکھنا چاہیے جانوروں میں رہکر جانور نہیں بننا چاہیے۔

ملفوظ ۳۴ فرمایا کہ ایک صاحب کا پہلے خط آیا تھا اس کا جواب میں نے لکھا تھا کہ ذکر و اشغال ہی مقصود ہیں یا اصلاح اعمال بھی آج ان صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ سوال ہی میری سمجھ میں نہیں آیا حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ پھر کس طرح سمجھاؤں کسی اور سے سمجھ لو۔ زبانی ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو اس طرف توجہ ہی نہیں اور وجہ اس کی بیفکری اور طریق سے بیگانگی ہے اور میرا مقصود سوالات سے پوچھنا ہی تھوڑا ہی ہوتا ہے بلکہ بتلانا ہوتا ہے مگر اس طرز میں مصلحت یہ ہے کہ اس سے ذہن پر بار پڑتا ہے خود فکر و غور کرتا ہے اور خود چل پڑتا ہے میں اول ہی مرتبہ میں طالب کو کام میں لگا دیتا ہوں اور بیفکری سے ہٹا کر فکر کی طرف متوجہ کر دیتا ہوں جب تک خود دوڑ سکتے ہیں دوڑیں جب تھک جائیں گے گود میں اٹھا کر راستہ طے کر دیا جائے گا اگر خوب فکر کے بعد بھی ذہن نہ پہونچے پھر میں خود بتلا دیتا ہوں۔

ملفوظ ۳۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں کسب کو دخل نہیں جذب کی ضرورت ہے البتہ خود جذب موقوف ہے اعمال پر ہاں اس معنی کر کسب کو بھی دخیل کہا جا سکتا ہے کہ وہ اعمال اختیاری ہیں مگر یہ دخل بھی محض صورۃً ہے ورنہ ہمارے اعمال ہی کیا اس لئے میں پھر یہی کہوں گا کہ کسب کو دخل نہیں جذب ہی پر موقوف ہے بعض کہتے ہونگے کہ یا خیال کرتے ہونگے کہ یہ اختیاری اور غیر اختیاری کے الفاظ خوب سیکھ لئے ہیں ہر جگہ جاری کر دیئے جاتے ہیں مگر معلوم بھی ہے کہ اسکی بدولت بہت سے خلجانوں سے نجات مل گئی یہ تعلیم صدیوں سے گم ہو چکی تھی اس کی بدولت لوگ سخت پریشانیوں میں مبتلا تھے اب اگر کوئی کسی حالت کی نسبت پوچھنے پر لکھتا ہے کہ غیر اختیاری ہے تو میں لکھتا ہوں تو اس کے درپے کیوں ہوا اور اگر کہتا ہے اختیاری ہے تو میں جواب دیتا ہوں کہ پھر ہم سے کیا پوچھتے ہو اختیار سے کام لو۔ بس مناقشہ ختم ہو جاتا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ نصف سلوک ہے بلکہ اگر نظر عمیق سے دیکھا جائے تو کل سلوک کہنا بھی میرے نزدیک بیجا نہ ہوگا۔

ملفوظ ۳۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے لوگ اپنے مقصود کے ظاہر کرنے میں پریشان کرتے ہیں اور بعضے انکی طرف سے یہ عذر کرتے ہیں کہ ان کو تعلیم نہیں ہوئی میں جواب میں یہ کہا کرتا ہوں یہ امر تو فطری اور اصلی ہے کہ جس مقصود کو لیکر آوے اس کو بدون دریافت کئے ہوئے صاف صاف ظاہر کر دے۔ اس میں کسی تعلیم کی ضرورت نہیں تعلیم کی تو تیسری بات میں ضرورت ہے جس کو معمول بنا رکھا ہے۔ مثلاً آہستہ سے بولتے ہیں بدون دریافت کئے ہوئے کچھ نہیں

کہتے ان باتوں کی بیشک تعلیم کی ضرورت ہے اور سیدھی بات میں تعلیم کی کون ضرورت ہے۔

ملفوظ ۳۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب تک طالب خود نہ چاہے امراض کا علاج نہیں ہوسکتا اور نہ اخلاق کی اصلاح ہوسکتی ہے دیکھئے خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ابو طالب ایمان لائیں مگر چونکہ ابو طالب نے خود نہیں چاہا کچھ بھی نہ ہوا اب کس ہادی اور مصلح کو دعوی ہوسکتا ہے کہ اس کے چاہنے سے اصلاح ہو جاتی ہے۔ نیز ارادہ کے علاوہ درستی اخلاق کے لئے طلب صادق اور خلوص کی بھی ضرورت ہے ورنہ قدم قدم پر پریشانی کا سامنا ہوتا ہے جس کا علاج وہی طلب و خلوص ہے بدون اس کے وہ مشقتوں کی برداشت ہی نہیں کرسکتا اور ایسی حالت میں اس راہ میں قدم رکھنا ہی عبث ہے اب اگر کوئی شخص ڈاکٹر کے پاس آپریشن کیلئے جائے مگر یہ کہے کہ جہاں تک آپریشن کی ضرورت ہے وہاں تک نشتر نہ جانے پائے اب بتلائیے مادہ فاسد کس طرح نکلیگا اس کی بالکل وہی مثال ہے جیسی مولانا نے ایک حکایت کی صورت میں لکھی ہے کہ ایک شخص نے بدن گودنے والے سے کہا کہ میری کمر پر شیر کی تصویر بنا دے اس نے سوئی لیکر جیسے ہی بھونی تو کہتا ہے کہ ارے یہ کیا بنا رہا ہے اس نے کہا دم بناتا ہوں کہنے لگا کہ بے دم کا شیر نہیں ہوتا اس دم نے تو میرا دم ہی نکالا ہوتا اس نے وہاں سے چھوڑ کر دوسری طرف سوئی چبھوئی اس نے پھر ایک آہ کی کہ اب کیا بناتا ہے اس نے کہا پیٹ بناتا ہوں کہنے لگا کیا یہ کھانا کھائیگا جو پیٹ کی ضرورت ہو اس نے اسے چھوڑ کر تیسری جگہ سوئی چبھوئی اس نے کہا کہ اب کیا بناتا ہے کہا کہ منہ بناتا ہوں۔ کہا کہ ارے بھائی یہ تو تصویر ہے کوئی بولے گا تھوڑا ہی۔ اسے بھی چھوڑ اس نے اسے بھی چھوڑا اور چوتھی جگہ سوئی چبھو ئی پوچھا کہ اب کیا بناتا ہے کہا کہ کان بناتا ہوں اس نے کہا کہ شیر بوچا بھی ہوتا ہے اسے بھی چھوڑ اس نے جھلا کر سوئی پھینک دی اور کہا جس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں۔

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید ؎ ایں چنیں شیرے خدا ہم نافرید

یعنی ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا جس کے کوئی عضو ہی نہ ہو تو میں تو کیا بنا سکتا ہوں آگے بطور ثمرہ اور نتیجہ کے فرماتے ہیں۔

گر بہر زخمے تو پر کینہ شوی ؎ پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

یعنی جب تو ہر کوچے پر چیختا اور پکارتا ہے اور برداشت نہیں کرسکتا مراد یہ کہ مصلح اور مرشد کی ہر تنبیہ پر بجز نفس میں کدورت پیدا ہوتی ہے تو بدون مانجھے ہوئے صاف اور روشن کیسے ہوگا

۱؎ بے کان اور بے سر اور بے پیٹ کا شیر بھی کسی نے دیکھا ہے ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں فرمایا ۱۲ جب تجھ کو سوئی چبھونے کا تحمل نہیں ہے تو شیر نر کی تصویر بنوانے کا خیال بھی چھوڑ دو ۱۲ ۔ خاتمہ صد ۲۹

اور اسی کو فرماتے ہیں۔ ؎

چوں نداری طاقت سوزن زدن ✿ پس تو از شیر ژیاں ہم دم مزن

اس راہ میں قدم رکھنے کے لئے تو سب سے پہلے شرط یہ ہے کہ جس کو فرماتے ہیں۔ ؎

در رہ منزل لیلے کہ خطرہاست بجاں ✿ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

میں ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض زیارت حاضر ہوا شب کو بے وقت پہونچا حضرت مولانا بہت خفا ہوئے اور مجھ پر ڈانٹ ڈپٹ کی مولانا نہ میرے استاذ تھے نہ پیر تھے نہ پیر کے پیر تھے حتیٰ کہ جس سلسلہ میں میں ہوں یعنی چشتیہ میں مولانا اس سلسلہ میں بھی نہ تھے کیونکہ مولانا کا سلسلہ نقشبندی تھا مگر مولانا کے خفا ہونے کا میرے دل پر ذرہ برابر ثقل نہ تھا میں اپنے نفس کو عین خفگی کے وقت خوش پاتا تھا اور ذرا کدورت یا نفرت محسوس نہ کرتا تھا اس پر میں نے حق تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا شکر ادا کیا یہ اللہ سے تعلق کی علامت ہے کہ اللہ والوں کی خفگی سے دل پر کوئی ناگوار اثر پیدا نہیں ہوا۔ سو جب تک قلب میں خلوص نہ ہو طلب صادق نہ ہو۔ ایسی چیزوں کی برداشت نہیں کر سکتا عاشق کو اس مذہب کے اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس کو کہا ہے۔ ؎

یا مکن با پیلباناں دوستی ✿ یا بنا کن خانہ بر انداز پیل

یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی ✿ یا فرو شو جامہ تقویٰ بہ نیل

اگر یہ نہیں تو جھوٹا دعویٰ ہے پھر اس دعویٰ کی اس سے زیادہ حقیقت نہیں جیسے خاتمہ مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص ایک عورت کے پیچھے ہو لیا۔ اس نے پوچھا کہ تو میرے پیچھے کیوں آرہا ہے اس نے کہا کہ میں تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں اس عورت نے کہا کہ مجھ بد شکل پر عاشق ہو کر کیا لے گا میرے پیچھے میری بہن مجھ سے بہت زیادہ خوبصورت آرہی ہے وہ ہے عاشق ہونے کے قابل بوالہوس تو تھا ہی فوراً پیچھے لوٹا اور منہ پھیر کر دیکھنے لگا اس عورت نے اس کے ایک دھول رسید کی اور کہا۔ ؎

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی ✿ در بیان دعویٰ خود صادقی

پس چرا بر غیر افگندی نظر ✿ ایں بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

؎ لیلے کے طلب میں جان کو اور بھی خطرات ہیں۔ مگر اول شرط مجنوں بننا ہے۔ ۱۲ ؏ یا تو فیل بان سے دوستی نہ کرو۔ یا گھر ایسا بناؤ جس میں ہاتھی آ سکے۔ یا تو عاشق کا دعویٰ نہ کرو اور اگر کرتے ہو تو جامہ تقویٰ کو دریائے نیل میں دھو ڈالو۔ ۱۲ ✿

یعنی تو اپنے دعوی میں جھوٹا ہے اگر تو عاشق ہوتا تو غیر پر نظر کیوں کرتا محبت تو وہ چیز ہے جس کے دل میں یہ ہوتی ہے محبوب کے سوا سب کو فنا کر دیتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ٭ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اور یہ وہ چیز ہے

ہمہ شہر پر ز خوبان منم و خیال ماہے ٭ چہ کنم کہ چشم ایک بیں نہ کند بہ کس نگاہے

جب فانی کا یہ خاصہ ہے کہ غیر محبوب نظر سے فنا ہو جاتا ہے تو عشق باقی کا تو کیا پوچھنا اس میں تو خود بھی اپنی نظر سے فنا ہو جاتا ہے حتی کے کتے اور سور کو اپنے سے افضل سمجھنے لگتا ہے جس کی اصل حقیقت تو ذوقی اور وجدانی ہے۔ مگر ایک ظاہری وجہ استدلالی بھی ہے کہ بہائم مامون العاقبۃ (یعنی جانور عذاب سے مامون ہیں ہیں) اور انسان مامون العاقبۃ (عذاب سے مامون) نہیں۔ غرض فنا ہونا مٹنا خاک میں ملنا اس طریق کا اول قدم ہے اور آخر قدم تو جو ہے وہ جس کو اللہ تعالیٰ عطا فرماویں وہاں تک پہونچا دیں اس میں کسب کو دخل نہیں محض موہبت و جذب کی ضرورت ہے جو ان کے فضل پر ہے۔

ملفوظ ۳۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی میرا معتقد ہو جاتا ہے تو میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس پر مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں تو کوئی چیز نہیں جس کی وجہ سے یہ میرا معتقد ہوا اور اگر معتقد نہ ہو تو اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو میری حالت کا مقتضا ہی ہے۔

ملفوظ ۳۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب فلاں مدرسہ کے ممبروں میں سے ہیں انہوں نے مجھ کو ایک بیہودہ تحریر لکھی تھی باوجود اس کے کہ ان کو تعلق اور محبت کا دعوی ہے چونکہ یہ تحریر اس دعوے کے بعد ان کے قول اور فعل میں تعارض ہے اس سے ناگواری ہوتی ہے یہاں پر وہ اور دوسرے متعدد ممبر آئے تھے میں نے صاف کہدیا کہ مجھ کو شکایت تھی اور ہے اور رہے گی میں منقبض تھا اور ہوں اور رہوں گا جب تک اس تحریر کا تدارک نہ ہوگا باقی مہمان ہونیکی حیثیت سے ان کا احترام بھی پورا کیا گیا تو میرے قلب میں دونوں چیزیں جمع تھیں شکایت اور رنج بھی اور اکرام و احترام بھی بحمد اللہ میرے یہاں ہر چیز اپنی حد پر رہتی ہے اب یہ شبہ کہ دو چیزیں متضاد کیسے جمع ہو سکتی ہیں کیونکہ اول مستلزم ہے ان کے اعتقاد نقص کو اور ثانی استحضار عظمت کو تو میں جواب میں اس پر ایک مثال بیان کیا کرتا ہوں ایک بزرگ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے عجیب مثال ہے کہ کسی جرم پر بھنگی کو شاہی حکم ہوا کہ شہزادہ کے بید لگاؤ تو عین بید لگانے کے وقت کیا بھنگی یہ خیال کر سکتا ہے کہ میں شہزادے سے افضل ہوں

۱؎ عشق تو وہ شعلہ ہے کہ جب یہ بھڑکتا ہے تو معشوق کے سوا سب کو پھونک دیتا ہے ۱۲ ۲؎ سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے مگر میں ہوں کہ ایک چاند کے خیال میں مست ہوں کیا کروں کہ یہ آنکھ ایک کے سوا کسی طرف دیکھتی ہی نہیں۔

ہرگز نہیں کرسکتا ۔ تو دیکھئے دونوں باتیں ایک وقت میں جمع ہوگئیں اس کا نقص اور جرم بھی اور اس کی عظمت اور اپنے سے افضل ہونا بھی ۔ یقیناً وہ بھنگی یہی سمجھے گا کہ بھنگی بھنگی ہی ہے شہزادہ شہزادہ ہی ہے اسی طرح مصلح میں بھی دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں اصلاح اور احتساب بھی ۔ تواضع اور فنا بھی تو یہ تعجب کرنا کہ دونوں کس طرح جمع ہوں غلطی ہے اور غیر محقق تو ایسے جمع کے مطالبہ پر گھبرائیگا اور یہ کہیگا ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ؛ باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

البتہ محقق چونکہ جامع ہوتا ہے وہ کہے گا کہ تختہ بند بھی ہو اور دریا میں بھی رہے پھر بھی دامن تر ہونے سے بچ سکتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ وہ تختہ بندی محض صورۃً ہوتی ہے دوسرے کو ایسا توہم ہوتا ہے ورنہ واقع میں ہاتھ پاؤں کھلے ہوتے ہیں یعنی قدرت ہوتی ہے تو جن چیزوں کو جمع کیا گیا ہے ان میں محض ظاہراً تضاد ہے حقیقی تضاد نہیں اور یہی محمل ہے اس قول کا کہ محقق وہ شخص ہے جو جامع بین الاضداد ہو ۔ غرض واقع میں وہ چیزیں اضداد نہیں ہیں مگر عوام کی نظر میں اضداد نظر آتی ہیں اسی ہی معنی میں میں نے یہ کہا تھا کہ میرے اندر دو چیزیں جمع تھیں شکایت اور رنج بھی اور احترام بھی شکایت اور رنج بیہودگی پر تھا اور احترام مہمان ہونیکی حیثیت سے تھا البتہ ان حقائق کے سمجھنے میں فہم صحیح کی ضرورت ہے ۔

ملفوظ ۵۰ : ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اچھا کپڑا پہننے کو جی چاہے اچھا جوتا پہننے کو جی چاہے کیا یہ تکبر ہے فرمایا یہ تکبر نہیں تکبر وہ ہے کہ حق کو رد کرے لوگوں کو حقیر سمجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے اس قسم کا سوال کیا حضور نے ایسا ہی جواب دیا کبھی تنگی نہیں فرمائی مگر لوگ خود تنگیوں میں پڑ گئے الحمد للہ یہاں تو قرآن و حدیث کے موافق تعلیم ہوتی ہے اس لئے الحمد للہ کوئی تنگی نہیں اب اگر کوئی سہل کو تنگ کرے یا تنگ سمجھے تو اس کا کوئی علاج نہیں ۔ یہاں تو جس طریق کی تعلیم ہے وہ بہت ہی سہل ہے لیکن سہل نوالہ میں بھی منہ تو چلانا پڑے گا حلق سے نگلنا پڑے گا اب اگر اسی کو کوئی دشوار سمجھا جائے تو کیا علاج ۔

ملفوظ ۵۱ : ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ روحانیت میں اہل پورب بالکل ٹھوس ہیں ہاں حسیات میں انکا دماغ خوب کام کرتا ہے اور علوم کیلئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کا دماغ بنایا ہے علوم کیلئے اور کسی کے پاس دماغ ہی نہیں دوسروں کے علوم سطحیات ہیں جن میں عمق نہیں مگر پھر بھی ہر طبقے میں کچھ لوگ ذہین بھی ہوتے ہیں کمی بیشی کا فرق الگ رہا میں نے ایک انگریز کا لکھا ہوا فیصلہ دیکھا ہے شیعہ سنیوں کا مقدمہ تبرے کے متعلق عدالت میں پیش ہوا تھا شیعوں کا وکیل کہتا ہے کہ ہمارے یہاں

؎ دریا کی تہ میں باندھکر ڈالدیا ۔ اور کہا جاتا ہے کہ دیکھو دامن بھی تر نہ ہو ۱۲ منہ

تبرا کرنا عبادت ہے پھر جرم نہیں ہو سکتا۔ انگریز لکھتا ہے کہ ہم کو اس سے بحث نہیں اگر یہ عبادت ہے تو اس کی جزا ممکن ہے کہ آخرت میں ملے مگر دنیا میں تو فلاں دفعہ تعزیرات ہند کی بھگتنا ہی پڑیگی اس لئے میں اتنے دنوں کی سزا کرتا ہوں۔

۷ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۴۲:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی دیندار کو کہتا ہے کہ اس میں عقل نہیں بہت ہی ناگوار ہوتا ہے کیونکہ یہ خیال ہی غلط ہے دین کیوجہ سے عقل نہیں جاتی بلکہ اس زمانہ میں دین کی طرف اکثر متوجہ وہی ہوتے ہیں جن میں عقل کم ہوتی ہے وہ دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتے کہتے ہیں آؤ دین ہی کی طرف چلو اور جو عقل رکھتے ہیں وہ اس کو دنیا میں صرف کرتے ہیں یہ وجہ ہوگی اس غلط فہمی کی ورنہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہی کو دیکھ لیجئے کہ ان حضرات میں کس درجہ عقل تھی کہ ان کے سامنے ارسطو اور افلاطون سب کی عقلیں گرد تھیں کیا دین اور عقل جمع نہیں ہو سکتیں اور انبیاء علیہم السلام تو بڑی چیز ہیں ان کے خادموں اور غلاموں کی عقلوں کے سامنے بڑے بڑے فلاسفر اور ریفارمر سر کے بل آپڑے ہیں اور اس زمانہ میں بھی اہل دین ایسے ایسے موجود ہیں کہ دنیا کا بڑے سے بڑا عاقل ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور یہ حقیقی عاقل ایسے ہیں کہ جتنی عقل ان میں بڑھتی جاتی ہیں وہ دین کیطرف زیادہ متوجہ ہوتے جاتے ہیں اور حقیقت میں دین کا خاصہ تو یہی ہے کہ اس کے اختیار کرنے سے عقل اور بڑھتی ہے وجہ یہ کہ دین کے اختیار کرنے سے نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے عقل کو ضیاء ہوتی ہے اور جس طرح دین سے عقل بڑھتی ہے اسی طرح عقل سے دین بڑھتا ہے کیونکہ عقل کا فعل یہ ہے کہ ضرر اور نفع کو پہچانے پھر ضرر اور نفع کی دو قسمیں ہیں ایک آخرت کا ایک دنیا کا اور ایک کا فانی اور دوسرے کا باقی ہونا ظاہر ہے تو عقل صحیح کا فعل یہ ہوگا کہ وہ آخرت کے ضرر اور نفع کو دنیا کے نفع اور ضرر پر غالب رکھے تو عقل سے دین کا بڑھنا ثابت ہوگیا۔ پھر اس تلازم کے بعد دینداروں کو کم عقل کون کہہ سکتا ہے مگر عقل حقیقی میں گفتگو ہے باقی جو آج کل متعارف ہے اس عقل کی نسبت مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را ٭ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ؔ میں نے عقل دور اندیش کو آزمالیا۔ اس کے بعد دیوانہ (حق) بنتا ہوں ۱۲ ٭٭

ایک غلطی اور ہو جاتی ہے کہ عقل اور تجربہ کو ایک سمجھتے ہیں اس لئے دینداروں کو کم عقل سمجھتے ہیں حالانکہ عقلی باتیں اور ہیں تجربہ کی باتیں اور ہیں سو جن چیزوں کا تعلق تجربہ سے ہے اس میں یہ حضرات اکثر ناواقف ہوتے ہیں۔ مثلاً گیہوں کس زمانہ میں بویا جاتا ہے اور زمین اس کی کس وقت تیار کی جاتی ہے اس کا عقل سے کیا تعلق ایک بنئے نے ریل میں مجھ سے پوچھا کہ آج کل آپ کے یہاں گیہوں کا کیا بھاؤ ہے۔ میں نے کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں اس کو بڑا تعجب ہوا وجہ یہ کہ ان کے یہاں تو اس کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں ان کے یہاں عقل کی ایک بات بھی نہیں شب و روز اکل کی فکر ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است ٭ تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

تو ایسے واقعات میں تو خود معترضین ہی میں عقل کی کمی ہے دیکھئے چمار تجربہ رکھتا ہے چمڑے کے متعلق اور شناخت کرتا ہے ڈپٹی صاحب کو اگر چمڑا دکھایا جائے اور اس کے متعلق کچھ پوچھئے وہ انکار کرے کہ مجھ کو اس کی حقیقت معلوم نہیں تو اس میں عقل کی کیا بات ہے۔ بس ایک چیز کا تجربہ نہیں۔ یہاں ایک شخص ہے وہ مدرسہ میں بہشتی زیور پڑھتا تھا حیض کا جو بیان آیا اس سے بعض لوگوں نے مزاحاً کہا کہ تجھ کو بھی حیض ہوتا ہے کہا کہ کوئی نہیں کہا کہ یہ تو بہت بڑا مرض ہے جلدی جا کر حکیم صاحب سے جا کر کہو کہ مجھ کو یہ شکایت ہے وہ بھاگا ہوا گیا اور جا کر حکیم محمد ہاشم سے شکایت کی حکیم صاحب مجھ کو حیض آتا ہے ہوتا حکیم صاحب بھی ہنس پڑے۔ اب جن لوگوں نے یہ مذاق بنایا تھا وہ اس کو اس کی حماقت کے دلائل میں ذکر کرتے ہیں مگر یہ کوئی حماقت کی بات نہیں وہ حیض کا لغت اور اس کے معنی اور محل وقوع نہیں جانتا تھا یہ چیزیں اس کو معلوم نہ تھیں تو کسی واقعہ کا معلوم نہ ہونا حماقت نہیں۔

ملفوظ ۳۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب ایک نوجوان شوخ مزاج انگریزی تعلیم یافتہ نواب کا ایک قصہ سناتے تھے کہ ایک انگریز جو اردو بالکل نہ بولتا تھا اور نواب صاحب ایک جہاز میں سفر کر رہے تھے نواب صاحب یہ سمجھے ہوئے تھے کہ یہ اردو نہیں سمجھتا اور ایسے امراء میں تہذیب بھی کم ہوتی ہے اور اس کا اصل منشاء تکبر ہوتا ہے کہ کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں انہوں نے تمسخر سے اس انگریز کا نام رکھا تھا اُلّو کا پٹھہ اب اس کو بناتے تھے اور کہتے تھے کہ آئیے اُلّو کے پٹھے وہ ادھر کے پٹھے کے نام پر متغیر نہ ہوتا تھا تمام راستہ جہاز میں اس ہی لقب سے اس کو پکارتے رہے آپس میں یار دوستوں میں ہنستے رہے ان سب کو اس کے متغیر نہ ہونے سے پورا یقین ہو چکا تھا کہ یہ اردو کچھ نہیں جانتا

ؔ کھانا اسلئے ہے کہ زندگی باقی اور اللہ کا ذکر کرتے رہیں۔ مگر تمہارا اعتقاد یہ ہے کہ زندگی اس لئے ہے کہ کھاؤ۔

جب جہاز بمبئی آکر ٹھہرا اور اترنے کی تیاری ہوئی تو وہ انگریز نواب صاحب کے سامنے کھڑا ہو کر اور نہایت ادب سے کہتا ہے کہ الو کا پٹھا آداب بجا لاتا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ تو اردو سمجھتا ہے۔ بس گڑ ہی تو گئے کاٹو تو خون نہیں یہ حالت تھی کہ زمین پھٹ جائے اور ہم سما جائیں یہ اعلیٰ طبقہ میں شمار ہونے والے بیدار مغز مشہور ہیں ان کی تہذیب کی یہ کیفیت ہے۔ فرمایا کہ بیداری کے بھی درجے ہیں کبھی بدخوابی کے درجہ تک پہونچ کر دماغ بھی خراب ہو جاتا ہے اب یہ خرابی دماغ ہی کی تو باتیں ہیں۔ ایک تھانہ دار صاحب کا خط آیا تھا اس میں پوچھا تھا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے میں نے لکھا کہ کافر عورت سے زنا کرنا کیوں حرام ہے اس پر لکھا کہ علماء کو ایسا خشک نہ ہونا چاہیئے مگر چونکہ جواب کے لئے ٹکٹ وغیرہ نہ آیا تھا ان کو جواب نہ لکھ سکا اگر ٹکٹ ہوتا تو یہ لکھتا کہ جہلاء کو بھی اس قدر تر نہ ہونا چاہیئے کہ تری میں ڈوب ہی جائیں۔

ملفوظ ۴۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں پر لوگ آتے ہیں تعویذ وغیرہ مانگتے ہیں مگر باستثناء قلیل کوئی پوری بات نہیں کہتا اس پر متنبہ کر دیتا ہوں تو بدمزاجی میں بدنام کرتے ہیں۔ تو کیا ہم لوگ مٹی پتھر ہیں یہ لوگ بھی کسی تھانہ دار یا تحصیلدار کے سامنے ایسا کر سکتے ہیں وہاں دیہاتی پن کہاں جاتا رہتا ہے بدتہذیبی سے بات کرنا حقیقت میں ستانا ہے۔ یہ سلسلہ گفتگو جاری ہی تھا کہ ایک دیہاتی شخص آیا اور آکر بیٹھ گیا خود کچھ نہیں کہا حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے ہو عرض کیا فلاں جگہ سے آیا ہوں فرمایا اگر کوئی کام ہو تو کہو اس پر وہ شخص خاموش رہا اور حضرت والا کے چند بار دریافت فرمانے پر بہت آہستہ سے عرض کیا کہ ایک تعویذ کی ضرورت ہے فرمایا موذی اس قدر پریشان کر کے اب کہتا ہے کیا پہلے سے زبان سل گئی تھی جب اچھی طرح ستا لیا اور وہ بھی میرے کئی مرتبہ کے پوچھنے کے بعد کہ تجھ سے کیا کام لینا ہے تب بولا وہ بھی ایسے طرز سے جیسے کوئی نواب بولتا ہے اب اس کا جواب یہ ہے کہ میں تعویذ گنڈے نہیں جانتا یہ کسی عامل کا کام ہے میں تو نماز روزہ کے مسائل جانتا ہوں۔ چل یہاں سے دور ہو بیہودہ۔ کام اپنا غرض اپنی اور نخرے دوسروں پر جیسے ان کے باپ کا نوکر ہے کہ جیسا چاہا برتاؤ کیا اور پھر بولے بھی تو نواب صاحب نے ادھوری بات کہی یعنی پھر بھی نہیں بتلایا کہ کس بات کا تعویذ۔ میں آخر کہاں تک ان لوگوں کے اقوال افعال کی پیچھا ہوا تاویل کیا کروں انہوں نے تو قسم کھالی ہے کہ کبھی کوئی سیدھی بات اور پوری بات نہ کہیں گے یہ ہیں وہ باتیں جن پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کبھی ریل کے ٹکٹ گھر جا کر بھی پیسے رکھ کر کھڑے ہو گئے ہوں اور اتنا ہی کہا ہو کہ ٹکٹ دیدو یا بابو کے پوچھنے کا انتظار کیا ہو یا بازار سودا لینے گئے ہوں اور دکان پر چار آنے پیسے

رکھ کر کھڑے ہو گئے ہوں اور سودے کا نام لیا ہو اور بابو یا دوکاندار کی شکایت پر یہ کہہ دیا ہو کہ ہم میں قابلیت نہیں۔ وہاں قابلیت کہاں سے آجاتی ہے۔

ملفوظ ۴۵: ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے جو برتاؤ کیا ہے آپ کی شکایت نہیں کیونکہ میں جس جماعت میں سے ہوں یعنی ملا لوگ اس کو تمام دنیا حقیر سمجھتی ہے حتیٰ کہ بھنگی چمار بھی اس لئے آپ کا قصور نہیں زمانہ کا رنگ اور رفتار ہی یہ ہے جس لائق میں تھا وہی آپ نے برتاؤ کیا اگر دل میں وقعت ہوتی تو ایسا نہ کرتے مسل تو ساری سامنے رکھا دی وہ بھی ایسی جس کے سر نہ پیر اب اگر آپ سے سمجھنے کے لئے اس کے متعلق کچھ دریافت کرتا ہوں تو جواب ہی ندارد آخر کب تک تغیر نہ ہو تشریف لیجائیے اور آپ کو اسکی اجازت دیتا ہوں کہ یہاں سے جاکر مجھ کو خوب بدنام کیجئے عرض کیا کہ معاف کر دیجئے گا فرمایا معاف ہے مگر کیا جو تکلیف تم نے پہونچائی ہے اس کا اظہار بھی نہ کروں اور کیا معافی سے اس کا اثر بھی جاتا رہتا ہے۔ کسی کے سوئی چبھو دی اور وہ چلانا شروع کرے اور معافی چاہنے پر معاف بھی کر دے تو کیا معافی کے الفاظ سے اس کی سوزش بھی ختم ہو جائیگی اور حضرت حاجت تو وہ چیز ہے کہ بھنگی کے پاس بھی اگر حاجت لیکر جائے تو اس کو بھی ذلیل نہ سمجھنا چاہئے جناب مجھ کو تو بد مزاجی میں بدنام کیا جاتا ہے مگر جیسی نرم مزاجی اور خوش مزاجی آپ چاہتے ہیں مجھ سے نہیں ہو سکتی یہ تو اچھی خاصی غلامی ہے سو نرم مزاجی اور چیز ہے اور غلامی اور چیز ہے اب یہ صاحب جاکر کہیں گے کہ ذرا سی بات تھی اس قدر خفا ہو گئے ہاں سوئی بھی ذرا سی چبھوئی جاتی ہے اگر اس کے چبھونے پر کوئی کہے آہ تو اس پہ کہا جاتا ہے کہ ارے انیٹ تھوڑا ہی ماری ہے جو آہ کرتے ہو خبر بھی ہے کہ انیٹ اندر نہیں گھسی تھی اور سوئی کھال کے اندر گھسی ہے ایک صاحب نے عرض کیا کہ قصد تو غالباً اذیت پہونچانے کا نہ ہو گا فرمایا کہ میں اس کی تکذیب نہیں کرتا نہ حالاً نہ قالاً میں تو خود کہا کرتا ہوں کہ اذیت پہونچانے کا قصد تو نہیں ہوتا مگر اس کا بھی قصد اور اہتمام نہیں کہ دوسرے کو اذیت نہ پہونچے شکایت تو اس کی ہے۔

۷ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۴۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مصلح محقق کی تعلیم اور تربیت میں شبہات کرنا یا دخل دینا سخت

غلطی ہے جیسے طبیب حاذق کی تجویز اور علاج میں دخل دینا حماقت ہے بعض امور وجدانی اور ذوقی ہوتے ہیں جس کو معالج ہی سمجھ سکتا ہے۔ دوسرا نہیں سمجھتا۔ ایک بزرگ کے پاس ایک شخص آئے شیخ کو قرائن اور فراست سے معلوم ہوا کہ اس شخص کے قلب میں حب مال ہے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ مال ہے عرض کیا کہ سو دینار ہیں فرمایا کہ ان کو پھینک کر آؤ وہ چلدیئے بلایا پوچھا کیا کرو گے عرض کیا کسی کو دیدوں گا فرمایا نہیں اس سے تو نفس میں حظ ہو گا کہ ہم نے دوسرے کو نفع پہونچایا دریا میں ڈال کر آؤ وہ چلدیئے پھر بلایا پوچھا کس طرح ڈالو گے۔ عرض کیا ایکدم پھینک آؤنگا فرمایا نہیں ایک دینار روزانہ ڈالو مطلب شیخ کا یہ تھا کہ روزانہ نفس پر آرہ چلے۔ بعض اہل ظاہر نے مجھ سے اس پر شبہ اور اعتراض کیا کہ یہ تو اضاعت ہے مال کی۔ میں نے کہا کہ اضاعت اسے کہتے ہیں کہ جہاں کوئی نفع نہ ہو اور یہاں نفع ہے وہی جو شیخ نے تجویز کیا ہے۔ میں نے بحمداللہ اس کا جو جواب دیا ہے کسی کے کلام میں ایسا نہیں دیکھا۔ حضرت یہ لوگ بھی مجتہد ہیں حکیم ہیں ان کو حق تعالیٰ ایک نور عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نظر میں حقیقت آجاتی ہے۔ اسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ زمانہ تحریک خلافت میں مجھ پر قسم قسم کے الزامات لگائے گئے۔ اور بعض عنایت فرماؤں نے دھمکی کے خطوط بھی لکھے کہ یا تو شریک ہو جاؤ ورنہ عنقریب تمہارے چراغ زندگی کو گل کر دیا جائے گا۔ غرض ایک ہڑبونگ مچا ہوا تھا اس لئے کہ ایسے لوگوں کے قلب میں نہ دین تھا نہ خدا کا خوف نہ کوئی قاعدہ اور آئین جو جی میں آیا کر لیا جو منہ میں آیا بک دیا۔ میں اس زمانہ میں بھی حسب معمول جنگل جایا کرتا تھا اب بھی چلا جاتا ہوں۔ ایک دن ایک بوڑھا ہندو راجپوت جنگل میں ملا اس نے کہا کہ میاں کچھ خبر بھی ہے کہ کیا ہو رہا ہے یعنی تمہارے متعلق کیا کیا تجویزیں ہیں میں نے کہا مجھ کو اس چیز کی بھی خبر ہے جس کی تمہیں خبر ہے اور ایک اور چیز کی بھی خبر ہے جس کی تمہیں خبر نہیں وہ یہ کہ بدون خدا کے حکم کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا تو وہ ہندو کہتا ہے کہ بس میاں تمہیں کچھ ہم نہیں یعنی خطرہ نہیں جہاں چاہو پھرو اسی طرح ان محققین کو سب چیزوں کی خبر ہے یعنی اس کی بھی جس کی مسترض کو خبر نہیں غرض جواب اس اصلاح مذکور کی نظیر میں ایک حکایت یاد آگئی بڑے کام کی چیز ہے اگر کوئی اس سے منتفع ہو اگرچہ اس حکایت میں اصلاح کی نیت نہ تھی محض انتقام تھا لیکن عبرت کیلئے صورۃ اشتراک بھی کافی ہوتا ہے ایک ولایتی سرحدی پٹھان ریل میں سفر کر رہا تھا۔ جب گاڑی تونڈلہ میں ٹھہری اس پٹھان نے پلیٹ فارم پر کلی کی جس کی چھینٹیں ایک مغرور کافر کے پیروں پر پڑگئیں جو پلیٹ فارم پر کھڑا تھا اس کو غصہ آیا اور غصہ میں کہا کہ سور۔ بس جناب اتنا کہنا تھا کہ ولایتی نے گاڑی سے اتر کر اور اس کا کان پکڑا اور ریل کے ہر ڈبہ میں اس کا منہ دیکر کہا کہ کہو میں سور ہوں

مغرور ہر ڈپر میں منہ دیکر کہتا تھا کہ میں سور۔ اس سے اس کی عمر بھر کیلئے اصلاح ہو گئی کہ پھر تو کسی کو سور نہ کہا ہوگا تو بعض دفعہ اصلاح اسی طرح ہوتی ہے۔ پھر ولایتی کے مناسبت سے فرمایا کہ بعضے سرحدی لوگ بڑے ہی سخت ہوتے ہیں ان کی دوستی کا بھی اعتبار نہیں۔ قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سرحدی طالب علم پڑھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جو وطن سے آیا تو قاری صاحب کے لیے ایک نئی دری لایا انہوں نے اس کو طالب علم اور غریب سمجھ کر لینے سے عذر کر دیا۔ چلا گیا دوسرے دن پھر لایا پھر عذر کر دیا تیسرے روز پھر لایا قاری صاحب نے یہ سمجھ کر کہ اصرار کر رہا ہے دل آزاری نہ ہونے کی اس پر وہ طالب علم کہتا ہے کہ الحمد للہ آج دو جانیں بچ گئیں آج ہم پھر لایا تھا کہ اگر آج تم نہ لیتا تو ہم ایک تمہارے اور ایک اپنے مار لیتا اور لینے سے دو جانیں بچ گئیں۔

ملفوظ ۴۷ — ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طاعون کے متعلق ڈاکٹروں کی تحقیق ہے کہ جراثیم سے ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں اس کو وخز جن یعنی طعن جن کا اثر فرمایا ہے تو اس میں کونسا استبعاد ہے اگر حضور نے بھی ایک سبب کی خبر دیدی اور طاعون مجموعہ پر مرتب ہوتا ہو تو ان کو کیا حق ہے اس کی تکذیب کا اور اب تو بڑے بڑے فلاسفر انگریز حقائق شرعیہ کی طرف آنے لگے ہیں اور ان کے ذہنوں میں احکام اسلام کے مصالح خود بخود آنے لگے ہیں ایک بہت بڑے فلاسفر انگریز نے ڈھیلے سے استنجا سکھلانے پر کہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے حکیم تھے۔

مگر ہم ان احکام میں منتظر نہ ہوں گے حکمت کے کہ اگر معاملہ اور حکم معلوم ہوں گے تو مانیں گے ورنہ نہیں یہ تو محض بد دینی ہے اور یہ مرض نیچریت کی بدولت پھیلا ہے یہ تو حکمتوں کے تلاش کرنے والوں کا مرض ہے اور ایک منکرین حکمت کا مرض ہے وہ احکام کی حکمتیں سنکر کہتے ہیں یہ سب اعتقاد والوں کی گھڑنت ہے زبردستی کی حکمتیں نکال لیتے ہیں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا خوب جواب فرمایا کہ سختی بھی وہی چیز ہے جو ہوتی ہے بھلا تم اپنے پیشواؤں کے کلام میں ایسی چیز میں نکال لو۔

ملفوظ ۴۸ — ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بزرگی کے لوازم میں سے یہ بھی سمجھتے ہیں کہ بزرگوں میں بے حسی ہے بے غیرتی ہو کسی چیز سے متاثر نہ ہوں جماد کی طرح سب کے تابع رہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ بزرگوں کو بت سمجھتے ہیں کہ ان کے ساتھ جو چاہو برتاؤ کرو ان کو حس ہی نہیں ہوتی۔ اور اس کو بے نفسی کہتے ہیں ان اغبیا کو یہ خبر نہیں کہ بے نفسی اور چیز ہے بے حسی اور چیز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ جس کو غصہ دلایا جائے اور اس کو غصہ نہ آوے

وہ حمار (گدھا) ہے۔ اور جس سے معذرت کیجاوے وہ معذرت کو قبول نہ کرے وہ شیطان ہے۔ مطلب یہ کہ دونوں چیزوں سے متاثر ہونا یہ انسانیت ہے۔

ملفوظ ۴۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ جب کوئی کسی کی شکایت لکھتا ہے تو میں اس کی تحریر کو جس کی شکایت کی ہے اس کے پاس بھیج دیتا ہوں اگر وہ تکذیب کرے تو شاکی کے قول کو حجت قرار نہیں دیتا اور معاملہ ختم کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ اس کی تصدیق کرے تو پھر اس سے جواب طلب کرتا ہوں اور شریعت کا یہی حکم ہے۔ اور اگر وہ شاکی کی شکایت کے ساتھ یہ بھی لکھے کہ اس کو یہ لکھ دو تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا تمہاری تحریر اس کے پاس بھیج دوں اس طریق میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

۸/ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۵۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مرتبہ موضع اعظم گڈھ گیا تھا وہاں رات کو بعد نماز عشاء بیان ہوا وہاں غیر مقلد بھی تھے ایک شخص نے اثناء وعظ میں پرچہ دینا چاہا میں نے انکار کر دیا۔ ایک صاحب کو بڑا ہی تعجب ہوا کہنے لگے بڑی ہی ہمت کی بات ہے ورنہ طبعی بات یہ ہے کہ ایسا پرچہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ میں نے کہا جی نہیں بلکہ بڑی کم ہمتی کی بات ہے یہ احتمال تھا کہ شاید کسی غیر مقلد کی طرف سے یا غیر مقلد کی نسبت کوئی بیہودہ مضمون ہو تو اگر ہمت ہوتی تو اس کو دیکھ کر ضبط کرتا اب دیکھنے کی ہمت نہ کرنا یہ کمزوری کی دلیل ہے۔

ملفوظ ۵۱: ایک صاحب کے خط کے سلسلہ میں ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ خواب کسی واقعہ میں مؤثر نہیں ہوتا بلکہ واقعات کا اثر ہوتا ہے خواہ واقعہ ماضی کا ہو یا مستقبل کا۔ خواب کو اس میں دخل نہیں ہوتا بلکہ واقعات کو اس میں دخل ہوتا ہے غرض واقعات کا وہ اثر ہوتا ہے نہ کہ واقعات میں مؤثر پھر جس واقعہ کا وہ اثر ہوتا ہے نہ وہ واقعہ یقینی نہ خواب کا اس سے ارتباط یقینی۔ مگر اس باب میں لوگوں نے بڑی گڑبڑ کر رکھی ہے بڑی چیز وحی ہے مگر افسوس آج کل خواب کے مقابلہ میں اس کی بھی وقعت نہیں کی جاتی اگر خواب کسی کو نظر آجاوے جیسی اس کی وقعت ہوتی ہے ویسی وحی کی وقعت نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ مجھ سے ماموں صاحب نے فرمایا تھا کہ میرے پاس ایک چیز

ہے جو سینہ بسینہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہم تک چلی آرہی ہے وہ میں تم کو دینا چاہتا ہوں میں نے ادب سے مگر صاف عرض کر دیا کہ اگر وہ شریعت کے مطابق ہے تو میں لینے کو حاضر ہوں ورنہ مجھ کو ضرورت نہیں تو وحی جس کا دوسرا نام شریعت ہے ایسی چیز ہے۔ خوابوں میں یا خلاف شریعت درویشی میں کیا رکھا ہے اصل چیز وحی ہے اور اس کا بیداری سے تعلق ہے پھر فرمایا کہ اب یہ صاحب اس جواب سے کہ خواب میں کیا رکھا ہے یہ سمجھیں گے کہ ملّا ہے مگر سمجھیں اختیار ہے ملّا ہی ہونا تو بڑی چیز ہے مجھ سے جب کوئی خواب کی تعبیر پوچھتا ہے میں اکثر یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ☆ چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

پھر خواب کے غیر مؤثر ہونے پر اور واقعہ مؤثرہ کے وقوع اور ارتباط کے غیر یقینی ہونے پر بطور تفریع کے فرمایا کہ اگر کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ میں جنّت میں ہوں تو اس سے کوئی قرب نہیں بڑھا ہاں اس سے ظنّاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیک کام کر رہا ہے اسی لئے حضور نے خواب کو مبشرات میں سے فرمایا ہے اور خواب تو کیا چیز ہے حضور کو تو غیر مومن لوگوں نے بیداری میں دیکھا ہے مگر کیا ہوا بعضے اشد کافر رہے تو خواب ہی میں دیکھ کر کون سا قرب بڑھ سکتا ہے۔ یا کونسے قرب کی دلیل ہے ایک صاحب کے اس سوال پر کہ کیا کافر بھی حضور کو خواب میں دیکھ سکتا ہے جواباً فرمایا کہ جب بیداری میں اس کا دیکھنا ممکن ہے تو خواب میں کیا امتناع ہے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر کوئی مومن حضور کو خواب میں دیکھے فرمایا کہ علامت اچھی ہے بڑی نعمت ہے خدا کی۔ عرض کیا کہ یہ کیسے معلوم کہ یہ حضور ہی ہیں فرمایا کہ علم ضروری کے طور پر اگر قلب گواہی دیدے کہ یہ حضور ہیں تو بس کافی ہے۔ عرض کیا کہ اکثر لوگوں نے حضور کو خواب میں دیکھا مگر مختلف ہیئت میں فرمایا کہ دیکھنے والے کی مثال آئینہ کی سی ہے جیسا آئینہ ہوتا ہے اس میں ویسی نظر آتی ہے کبھی آئینہ میں لمبا منہ نظر آتا ہے کسی میں چوڑا تو یہ اختلاف مرایا (جس چیز میں دیکھا گیا ہے) کا ہے مرئی (دیکھی ہوئی چیز) کا نہیں یہ توجیہ ہے اس کی کہ حضور کی صورت مبارکہ دیکھنے والے کے آئینہ میں نظر آتی کبھی دیکھنے والا حضور کو کسی خاص صورت میں دیکھتا ہے اور وہاں وہ صورت اس شخص کی ہوتی ہے۔ اور حضور کی ذات مبارکہ آئینہ ہوتا ہے یہ شخص غلطی سے اس کو حضور سمجھتا ہے اور وہ خود اسکی صورت ہوتی ہے چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے حضور کو خواب میں اس شکل میں دیکھا کہ حضور روضۂ مبارک میں بیٹھے ہوئے حقہ پیتے تھے۔ اسی طرح مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی نے خواب میں دیکھا کہ ایک چوراہہ ہے اس میں حضور کی لاش مبارک بے کفن رکھی ہے لوگ

آتے ہیں اور اس سے پاؤں لگاتے ہوئے چلے جاتے ہیں (نعوذ باللہ) انہوں نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں حضور کی شریعت کی پامالی ہونے والی ہے اس بنا پر وہ ہندوستان سے ہجرت فرما گئے ۔ یہاں بھی اسلام حضور کی صورت مبارکہ میں نظر آیا ۔

ملفوظ ۵۲: ایک صاحب نے مہر کا ترکہ تقسیم کرنے کے متعلق حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت کی بڑی ہمت ہے کہ اتنی بڑی رقم محض احتمال کی بنا پر تقسیم فرمائی ۔ فرمایا کہ میری کیا ہمت ہے میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ مالِ مفت دل بے رحم (مطلب یہ تھا کہ جس رقم سے دیا میرے دست و بازو کی مکسوبہ تو نہ تھی ۔ ہدایا ۔ عطایا بے مشقت ملتے ہیں اس میں سے دیدیا کون بڑا کمال کیا) رہا احتمال سو میں نے احتمالی قرض سے بھی سبکدوشی ہونا چاہا اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی سب آسان ہو گیا ایک تو یہ مدد کی کہ میرے دل میں ڈالا دوسرے یہ کہ رقم کا انتظام فرما دیا تیسرے یہ کہ ورثا کا پتہ بہ آسانی چلوا دیا حالانکہ ان کا بڑا طویل سلسلہ تھا اور پھر ان میں سے بعض بعض بڑی بڑی دور کے فاصلہ پر تھے حتیٰ کہ حجاز، حیدر آباد و بمبئی و لاہور وغیرہ ۔

نوٹ: واقعہ یہ تھا کہ صاحب ملفوظات کے والد ماجد نے آگے پیچھے چار نکاح کیے تھے اور یہ تحقیق نہ تھا کہ سب کے مہر ادا یا معاف ہوئے یا نہیں اگر یہ مہر واجب رہے ہوں تو مرحوم کے ترکہ میں سے ہر وارث کو جتنا حصہ ملا اسی نسبت سے اس وارث کے ذمہ مہر قرض ہو گیا اس کی تقسیم کے متعلق یہ ملفوظ ہے ۔

۸ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۵۳: ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ صاحب حاجت کو چاہیئے کہ خود سب ضروری قیود کا پابند ہو اور جس سے کام لینا ہے اسکو آزاد رکھے یہ ہے تربیت اصول کے موافق انسان کو ہر کام میں اہتمام اور فکر ہونا چاہیئے اس پر بھی اگر کوئی فروگذاشت ہو جائے تو یہ سمجھ لیتا ہوں کہ بشر ہے ہاں بے فکری اور بے پروائی سے ناگواری ہوتی ہے اور میں بلا وجہ تھوڑا ہی کسی کو کچھ کہتا ہوں ۔ وجہ کہنا تو اس کا کام ہے کہ یا تو متکبر ہو دوسرے کی تحقیر کیلئے باتیں نکالا کرے یا دماغ میں خلل

ہو وہ الٹی پٹی باندھا کرے، الحمد للہ یہاں یہ دونوں باتیں نہیں۔ میں سب صاحبوں سے عرض کرتا ہوں کہ یہاں مجلس میں بیٹھ کر کسی قسم کی بے اصول حرکت نہ کیجاوے حتی کہ میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ جس وقت میں کسی پر مواخذہ کروں کوئی شخص میری نصرت اور تائید کرے گو اس میں معترض کو سمجھانا ہی مقصود ہو اس میں چند مفاسد ہیں ایک تو اس میں میری اہانت ہے اس کے تو یہ معنی ہیں کہ تو اور تیری اصلاح کافی نہیں جب تک ہم بیچ میں جوڑ نہ لگائیں دوسرے اس میں آنے والوں کی تو رعایت کی کہ ان کی تفہیم کی تکمیل کر دی اور میری مصلحتوں کی ذرہ برابر پروانہ کی گئی کیونکہ دوسرے کا دخل دینا میرے مصالح انتظامیہ کے بالکل خلاف ہے۔ تیسرے دیکھنے والے اس دخل دینے والے کو میرا مقرب سمجھیں گے اور اس میں جو مفاسد ہیں وہ بے شمار ہیں اور بزرگوں کے درباروں میں شب و روز مشاہدہ ہیں۔

ملفوظ ۵۴ فرمایا کہ ایک خط آیا ہے ایک صاحب کی لڑکی کا رشتہ ہو رہا ہے لڑکے والوں نے ان کو لکھا ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ شادی میں جلدی کر دو تو گویا آپ کی مصلحت حضور کی مصلحت سے بڑھی ہوئی ہے اب وہ بیچارے لڑکی والے لکھتے ہیں کہ کہیں اس وقت شادی نہ کرنا حضور کے حکم کے خلاف تو نہ ہوگا۔ میں نے جواب میں لکھدیا ہے کہ ایسے امور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیداری کے ارشادات بھی محض مشورہ ہوتے تھے جن پر عمل کرنے میں انسان مختار ہوتا تھا وہ احکام تشریعیہ نہیں ہوتے تھے کہ لازم و واجب ہوں اور خواب تو بیداری سے بھی ضعیف ہے البتہ احیاناً (کبھی کبھی) امر حازم بھی ہوتا تھا جس کا علم قرائن تو یہ سے ہو جاتا تھا۔ پھر زبانی ارشاد فرمایا کہ ایک طالب علم نے چاہا کہ میں شرح جامی پڑھوں۔ مولانا دیوبندی نے منع فرمایا اس نے اگلے روز خواب بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تو شرح جامی پڑھ مولانا نے فرمایا کہ خواب کو تو ہم خود سمجھ لیں گے مگر تم شرح جامی نہیں پڑھ سکتے۔

ملفوظ ۵۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں ایک شخص نے کسی غلطی پر میرے مواخذہ کرنے پر کہا تھا کہ اسی واسطے تو یہاں آئے ہیں کہ غلطیوں کی اصلاح ہو میں نے کہا کہ کل حوض کی نالی میں پاخانہ پھر دینا اور کہنا کہ پیر جی ذرا آبدست لے و یجو اور جب کوئی مواخذہ کرے تو کہدینا کہ غلطیوں ہی کی اصلاح کیلئے تو آئے ہیں میں نے یہ بھی کہا کہ یہاں ان باتوں کی تعلیم ہوتی ہے جو تمہاری سمجھ میں نہ آسکیں اور جو غلطی تم نے کی ہے اسکو تم خود سمجھ سکتے تھے جیسے حوض کی نالی میں پاخانہ پھرنا کہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔

ملفوظ ۵۶ ایک لڑکا مجلس میں آکر بیٹھا ایک صاحب نے آکر حضرت والا کو اطلاع دی کہ یہ پڑھنے سے جان بچا کر یہاں آ بیٹھا ہے اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں تعویذ لینے آیا ہوں حضرت والا نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور اس کے استاد سے کہو کہ کسی لڑکے کو بلا اجازت نہ

آنے دیں جس کو اجازت دینا ہو ایک پرچہ پر صرف اپنا نام لکھدیا کریں اور اس سے کہو کہ یہ وہ پرچہ لے کر آیا کرے اگر ایسا نہ ہو گا تو اس کی بات کی تصدیق نہ کیجاویگی ۔

ملفوظ ۵۷ ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں زبانی ارشاد فرمایا کہ اگر ہیضہ کا مریض کہے کہ بھنا ہوا گوشت دیدو بچہ کہے کہ ہاتھ میں سانپ لونگا تو کیا دیدینا چاہیئے اس کو کیا خبر وہ کیا جانے نادان ہے اسی طرح ان کاتب خط کو کیا خبر کہ مصلحت کیا ہے ان کو چاہیئے کہ وہ تابع بنیں میں ان کا تابع کیوں بنوں آپ ہی انصاف کیجئے جب مرض خود تجویز کر لیا اور نسخہ بھی خود ہی لکھ لیا اب مریض ہی نہیں وہ تو مستقل طبیب ہے پھر اس کو طبیب کی کیا ضرورت ۔

ملفوظ ۵۸ ایک نووارد صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو فطری بات ہے کہ آتے ہی انسان بتلادے کہ میں کون ہوں کہاں سے آیا ہوں اور یہاں کیوں آیا ہوں مگر انہوں نے ایسی موٹی بات میں فرو گذاشت کی تو اب ان کا طرز میرے طرز سے بعید میرا طرز ان کے طرز سے بعید ۔ پھر نباہ کیسے ہو لہذا عدم مناسبت کی صورت میں الگ کر دینا خضر علیہ السلام کی سنت ہے کہ انہوں نے عدم توافق کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کر دیا ھذا فراق بینی وبینک اسی معمول پر مجھے کوئی الزام نہیں دے سکتا نہ موسیٰ علیہ السلام سے کوئی بڑا ہو سکتا ہے ۔

ملفوظ ۵۹ ایک گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں تنبیہات میں نمونے دکھاتا ہوں لوگوں کے بے فکری کے معلوم ہوتا ہے کہ فکر ہے ہی نہیں ۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آج کل بیعت پر لوگوں کو زیادہ اصرار ہوتا ہے تعلیم کی طرف ، توجہ نہیں کرتے فرمایا میں اسی عقیدہ کی اصلاح چاہتا ہوں یہ بہت بڑی جہالت ہے کہ لوگ کام کو ضروری نہیں سمجھتے بیعت کو ضروری سمجھتے ہیں ۔

ملفوظ ۶۰ فرمایا کہ ایک صاحب کا استفتا آیا ہے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ حضور دستخط فرمادیں ان کو دوسرا احتمال ہی نہیں ہوا کہ شاید دستخط کے قابل نہ ہو اب اگر ان کا تابع بن جاؤں تو حقیقت کا ان کو کس طرح انکشاف ہو میں نے اس استفتے کے متعلق ان سے چند سوال کئے ہیں اگر جواب معقول دیا گیا تو دستخط کر دونگا ورنہ نہیں ۔ میں ایسے مضامین میں دو باتیں چاہتا ہوں ایک یہ کہ ضروری اور غیر ضروری میں لوگوں کو فرق معلوم ہو جائے غیر ضروری کی تفتیش کو چھوڑیں دوسرے یہ چاہتا ہوں کہ حق واضح ہو جائے اور رسم مٹ جائے جیسے اکثر تقریظات میں رسم کا اتباع کیا جاتا ہے ۔ نیز فتاوی میں مشاہیر کی موافقت بے بصیرت کر لی جاتی ہے مگر اکثر لوگ اس سے گھبراتے ہیں بھاگتے ہیں اسی رسم پرستی کی ظلمت اور کج راہی پر رہنا پسند کرتے ہیں اصلاح کی برداشت نہیں کرتے مولانا رومی ایسے ہی گریز کی نسبت فرماتے ہیں ۔ ؎

چوں بیک زخمے تو پر کینہ شوی ٭ پس کجا بے صیقل آئینہ شوی ۔

چوں نداری طاقت سوزن زدن ❊ پس تو از شیر ژیاں ہم دم مزن

یہ استفتاء ایک رشتہ کے متعلق ہے شادی کے قبل پسند ناپسند کے امتحان کے متعلق پوچھا ہے سو اس باب میں انگریزوں کے یہاں جو اصول ہیں وہ محض بد دینی ہے مگر توافق و تناسب کا لڑکی اور لڑکے کے متعلق دیکھنا تو بہت ضروری ہے اسی واسطے حالات کی تحقیق کے علاوہ لڑکے کا لڑکی کو ایک نظر سے دیکھ لینا جب کہ نکاح کا ارادہ ہو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تمام عمر کا تعلق پیدا کرنا ہے اس میں بڑی حکمت ہے حدیث میں اس کی اجازت ہے۔ مگر یہ دیکھنا تحقیق کے نظر سے ہوگا تلذذ کی نیت سے نہیں جیسے طبیب کو جائز ہے نبض دیکھنا محض اس نیت سے مزاج کی برودت اور حرارت وغیرہ معلوم ہو جائے نہ کہ تلذذ کی غرض سے اور ایسی ہی ضرورتوں سے چہرہ کفین (دونوں ہاتھوں) کا کھولنا جائز کر دیا گیا ہے۔ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں اگر دائی ہندنی بھی ہو تو ضرورت کی وجہ سے خاص مواقع دیکھ سکتی ہے اور غیر ضروری مواقع مثلاً سر سینہ وغیرہا نہیں دیکھ سکتی بے پردگی کے حامیوں نے بعض جزئیات یاد کر لئے ہیں اپنی غرض باطل کے لئے ان کو پیش کر دیتے ہیں ضرورت و عدم ضرورت کے فرق سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

ملفوظ ۱۶۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہم نے جن بزرگوں کو دیکھا ہے ان کے طرز پر چلنے کو جی چاہتا ہے ان حضرات کے کمالات اور ترجیح کی یہ شان تھی ؎

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد ❊ بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

کسی کی خاطر سے یا کسی کے جاہ سے مال کی وجہ سے اس طرز کو چھوڑ نہیں سکتا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسی طرز پر خاتمہ فرما دیں اور فلاں مدرسہ میں جو کمی آئی وہ ان حضرات کا طرز چھوڑنے ہی سے آئی۔ ویسے عمارت بھی بڑی ہے۔ کام کرنے والوں کے القاب بھی بڑے بڑے ہیں روپیہ بھی بہت ہے مگر اصل چیز ہے یعنی وہی جس کو کہا ہے کہ آ۔ نے وار وہ ہی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

ملفوظ ۱۶۲ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں بے پردگی کے مفاسد کو دیکھ لیجئے اور ان مفاسد سے پردہ کی اہمیت کا اندازہ کر لیجئے یعنی یہ دیکھ لیجئے کہ زنا کتنی بڑی سخت چیز ہے جس پر رجم کر دینے کا حکم ہے اور وہ بے پردگی ہی پر مرتب ہوتا ہے۔ پس اس سے اندازہ ہو سکتا ہے پردہ کی اہمیت کا اس کے بعد اور زیادہ دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں جب زنا کا زیادہ سبب بے پردگی ہے اس وجہ سے پردہ کی کس قدر ضرورت ثابت ہوتی ہے البتہ اگر آج

ے جب تم ایک زخم سے پر کینہ ہو جاتے ہو تو بغیر مانجھے ہوئے آئینہ کی طرح صاف شفاف کس طرح ہو سکتے ہو ۱۲ ے معشوق وہی نہیں جو زلف دراز اور پتلی کمر رکھتا ہو اس کے بندہ بنو جس میں ادائیں ہوں۔

احکام اسلام کا جس میں زنا کی سزا بھی ہے کوئی نافذ کرنے والا ہوتا تو رعب سلطنت سے یہی لوگ جو بے پردگی کے حامی ہیں سب سے زیادہ پردہ کی حمایت کرتے۔ پس یہ لوگ صورت پرست ہیں حقیقت شناس نہیں اب میں اس کے مفاسد کا دوسرا مشاہدہ کراتا ہوں جن قوموں میں پردہ نہیں کس قدر فواحش میں مبتلا ہیں۔ غرض بے پردگی سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر آج کل فساق فجار کا زمانہ ہے کہ کوئی نہیں سنتا اگر سمجھاؤ اور بتلاؤ تو خود مجتہد اور مفسر بن بیٹھتے ہیں۔ کٹ حجتیاں کرتے ہیں۔

۹/ ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۰ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم جمعہ

ملفوظ ۶۳:- ایک صاحب نو وارد حاضر ہوئے اور کچھ چیزیں بطور ہدیہ اپنے ہمراہ لائے تھے اس ہدیہ میں ایک ایسے صاحب کا بھی ہدیہ تھا کہ جن کو حضرت والا سے خصوصیت کا تعلق ہے ان آنے والے صاحب سے حضرت والا کا ضروری تعارف کے متعلق دریافت فرمانے پر بھی انہوں نے اپنا پورا تعارف نہیں کرایا اس لئے حضرت والا نے ہدیہ قبول فرمانے سے عذر فرما دیا اور صاحب خصوصیت کا ہدیہ بھی واپس کر دیا اور فرمایا کہ پہلی ملاقات میں یا اس کے بعد بھی جب تک باہم بے تکلفی پیدا نہ ہو کسی شخص کا ہدیہ قبول کرنا میرے معمول کے خلاف ہے اور آپ نے تو عدم تعلق کی مانعیت کے علاوہ آتے ہی اذیت پہونچانا شروع کر دی اور مجھ کو ستایا بھلا ایسے شخص کے ہدیہ سے کیا جی بھلا ہو سکتا ہے اور ان صاحب خصوصیت کے ہدیہ کی نسبت فرمایا جن حضرات کو مجھ سے خصوصیت کا تعلق ہو ان کو بھی ایسے شخص کے ہاتھ ہدیہ بھیجنا نہ چاہیے جو پہلی مرتبہ آرہا ہو یہ اصول کے خلاف ہے اسلئے کہ نہ معلوم اس آنے والے کی مصلحت کی بناء پر اس سے کیا برتاؤ کیا جاوے اور کیا معاملہ کیا جاوے اور محسن کیوجہ سے واسطہ احسان کی بھی رعایت کرنا پڑتی ہے اور اس وجہ سے جانبین کی مصلحت برباد ہوتی ہے کیونکہ اس سے بعض اوقات اس کے اخلاق خراب ہوتے ہیں۔ پھر ان نو وارد کے متعلق فرمایا کہ یہاں تو صدق اور خلوص کی ضرورت ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ فلوس سے کام چلتا ہے۔ اسی لئے بیچارے ہدیہ لائے تھے بلکہ ان صاحب کو چاہئے تھا کہ جب پہلے سے مجھ سے خط و کتابت جاری ہے تو بجائے ہدیہ کے وہ خطوط اپنے ہمراہ لاتے اس سے بڑی سہولت ہوتی تعارف میں مدد ملتی آکر وہ خطوط دکھلا دینے سے ان سوالات کی نوبت ہی نہیں آتی مگر خدا ناس کرے اس بے فکری اور بدسلیقگی کا کہ اس کی بدولت لوگ بے اصول طریق اختیار کر کے خود سیدھے اور صاف معاملہ کو الجھا لیتے ہیں۔ پھر مجھ کو بدنام کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بدون

تعلق اور محبت کے کہیں جانا فضول ہے آدمی جس کے پاس جائے کم از کم میں اس کی محبت و عظمت تو ہو ورنہ کیا فائدہ جانے سے۔ نیز میں چاہتا ہوں کہ بات بالکل صاف اور اس قدر صاف ہو کہ پھر گنجائش ہی نہ رہے صاف کرنے کی اور لوگ ہیں کہ وہ اس کو اس قدر خفار (پوشیدہ) اور الجھن میں رکھنا چاہتے ہیں کہ صاف کو بھی گڑبڑ میں ڈال دیتے ہیں آخر اس کا نتیجہ لڑائی ہی ہے یہ ہیں وہ معاملات جن پر مجھ کو سخت مشہور کیا گیا ہے آپ لوگ دیکھ رہے تھے کہ میں نے ہر بات میں ان صاحب کو کتنی گنجائش اور وسعت دی کہ یہ بسہولت اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کر دیں مگر نہیں وہی اینچ پینچ اتنا بڑا سفر کیا خرچ کیا سفر کی صعوبت برداشت کی تو کیا گھر سے بلا تعیین مقصود چل دیئے تھے کیا یہ ذہن میں نہ تھا کہ میرا مقصود اس سفر سے کیا ہے سو جس مقصود کا اس وقت ارادہ کر کے اور قلب میں اس کا تعین کر کے چلے تھے وہی مجھ پر ظاہر کر دینا چاہیئے تھا اور خود تو کیا ظاہر کرتے میرے دریافت کرنے پر بھی نہ بتلایا کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور کون ہوں اور کیا کام کرتا ہوں ادھر ادھر کی ہانکنا شروع کر دیا میری رعایت اور سہولت کی یہ قدر کی کہ اور الجھن پیدا کر رہے ہے۔ جہاں تک پہونچے بات کو بڑھایا ہی گھٹایا نہیں پھر فرمایا کہ ان سے فرمایا کہ اسلم یہ ہے کہ آپ اس وقت واپس وطن تشریف لیجا دیں اور وہاں سے خط و کتابت کر کے معاملہ طے کریں بشرطیکہ آپ کا جی چاہے ورنہ میری کوئی غرض نہیں نہ مجھ کو انتظار ہوگا وہ صاحب مجلس سے اٹھکر چلدیئے فرمایا ایسے ایسے کوڑ مغز یہاں آتے ہیں۔ میں نے نوانکی شیروانی کی قدر کی تھی (وہ شیروانی پہنے ہوئے تھے اور معزز ہیئت بن تھے) مگر ان کے اخلاق گرگ جیسے نکلے شیروانی نہ نکلے (اس میں گرگ اور شیر کے تقابل کا لطیفہ ہے۔)

ملفوظ: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض مرتبہ مجھ سے وسوسہ ہوتا ہے کہ لوگ سمجھتے ہونگے کہ بڑا ہی متکبر ہے آنے والوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے مگر بحمد اللہ پر اس کا ذرہ برابر اثر نہیں جو چاہیں سمجھا کریں میں سمجھنے والوں کی نظر میں مقبول ہونے کی غرض سے کوئی کام نہیں کرتا آنے والوں کی مصلحت دیکھتا ہوں اگر کوئی اس کو تکبر سمجھے میری جوتی سے۔ ان خیالات کیوجہ میں خدمت طالبین کے ضروری حقوق تلف کر دوں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میں اس کو خیانت سمجھتا ہوں۔ میں نے علماء کے ایک مجمع میں بسبیل گفتگو کہا تھا کہ نہ میں متکبر ہوں نہ عرفی متواضع ایک سیج بولنے والا آدمی ہوں سیچ بات کہتا ہوں کبھی اس میں تکبر کا رنگ ہوتا ہے اور کبھی تواضع کا مگر میری جو حالت ہے بالکل کھلم کھلا ہے میں اس کو چھپانا نہیں چاہتا اور چھپاؤں تو جب کسی کو دھوکہ دینا ہو استغفر اللہ بس جن کو میری یہ حالت پسند ہو وہ مجھ سے تعلق رکھیں اور میرے پاس آئیں اور جن کو ناپسند ہو وہ تعلق نہ رکھیں اور نہ آئیں۔ میں کسی کو بلانے تھوڑا ہی جاتا ہوں کسی کے وہم آنے اور نیک نام بننے کیوجہ سے اصول صحیحہ کو نہیں چھوڑ سکتا یہ تو اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے اسی ہی قسم کے توہمات

اور شبہات نے مشائخ اور علماء کو اصلاح سے باز رکھا ہے اور عوام کے اخلاق کو خراب اور برباد کیا ہے کیا یہ جماعتیں محض زیارت اور ہاتھ چومنے ہی کے واسطے ہیں اور کیا ان کا فرض منصبی صرف یہ ہی ہے ایسا طریق اختیار کرنا کہ جس میں اپنے اغراض اور مصالح کی بنا پر دوسروں کے اخلاق اور اعمال کو خراب اور برباد ہوتے دیکھکر بھی روک ٹوک نہ کیجاوے صریح خیانت ہے۔

ملفوظ ۴۵: ایک صاحب کا حضرت والا سے بالکل مل کر بیٹھ جانے کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ بہت زیادہ قریب بیٹھنے سے میری طبیعت گھبراتی ہے قلب پر ایک بوجھ سا معلوم ہونے لگتا ہے اس حالت میں یکسوئی سے کوئی کام نہیں کر سکتا حتیٰ کہ جس زمانہ میں میں وعظ کہا کرتا تھا تو اپنے سامنے تھوڑی جگہ خالی چھوڑ دا دیتا تھا بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ لوگ محبت کیوجہ سے اور اس خیال سے بھی کہ تقریر سننے میں آسانی ہوگی بہت قریب بیٹھ جاتے تھے تو وعظ کے مضامین کی آمد بند ہو جاتی تھی جب سے میں نے یہ معمول کر لیا تھا۔

ملفوظ ۴۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک دیہاتی شخص ہدیۃً کچھ کپڑا لایا جو ایک گٹھری کی صورت میں تھا میں اس وقت ڈاک لکھ رہا تھا اس ڈاک کے خطوط پر وہ گٹھری رکھدی مجھ کو ناگوار ہوا میں نے غصہ سے کہا میرے سر پر رکھدے اس نے گٹھری کو اٹھا اور میرے سر پر رکھ اور اس کو تھام کر کھڑا ہو گیا تاکہ گر نہ جائے۔ فلاں مفتی صاحب میرے پاس بیٹھے تھے وہ اس پر خفا ہونے لگے میں نے کہا کہ کس پر خفا ہوتے ہو یہ تو غیر مکلف ہے اور میں نے ہی تو کہا تھا کہ میرے سر پر رکھدے اس کا کیا قصور بلکہ حکم کی اطاعت کی ہے اسی طرح ایک مرتبہ ایک لڑکا چھوٹا سا جس عمر تقریباً پانچ یا چھ برس کی ہوگی اپنے باپ کے ساتھ میرے مکان کے دروازہ پر کھڑا تھا میں نے اسکی بغلوں میں ہاتھ دیکر دروازہ کی چوکی پر کھڑا کر دیا اور اس سے کہا کہ منہ پر تھپڑ مار اس نے میرے ہی منہ پر چپت لگایا اس کے باپ اس کو ڈانٹنے لگے۔ میں نے کہا کہ تم اس پر ناحق خفا ہوتے ہو کوئی قصور نہیں۔ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ کس کے منہ پر مار میرا ہی کلام ناتمام تھا میں ہی قصور وار ہوں اسکی کوئی خطا نہیں۔ ایک روز یہاں پر جو حافظ صاحب قرآن کے مدرس ہیں وہ ایک بچے سے کہہ رہے تھے کہ کان پکڑ مجھ کو اپنا واقعہ یاد آگیا خیال ہوا کہ کہیں حافظ صاحب ہی کے کان نہ پکڑ لے۔ اس لئے کہ کلام ناتمام ہے۔

ملفوظ ۴۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے نیچری بھی قرآن شریف کی ایسی ہی تفسیر کرتے ہیں جیسے ایک شخص نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے شعر کی تفسیر کی تھی قصہ یہ ہے کہ ایک شخص کی کسی سے لڑائی ہوئی مار بھی رہا تھا اتفاق سے اس کے دوست صاحب بھی تشریف لے آئے اور آکر اپنے دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اب دوست صاحب کی خوب اچھی طرح مرمت ہوئی کسی نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی کہا کہ میں نے شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے فرمانے پر عمل کیا وہ فرماتے ہیں ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست　　در پریشاں حالی و درماندگی

یہی حالت ان لوگوں کی تفسیر دانی کی ہے۔ یہاں پر ایک ڈپٹی کلکٹر آئے تھے وہ بھی نیچری خیال کے تھے کہنے لگے کہ میں کچھ پوچھ سکتا ہوں میں سمجھ گیا کہ کوئی اسی قسم کا سوال کریں گے جس خیال کے ہیں یہ بھی آج کل مرض عام ہے ان لوگوں میں کہ نصوص میں عقلی شبہات نکالتے ہیں میں نے کہا کہ پوچھئے مجھ کو جو معلوم ہوگا عرض کر دوں گا انہوں نے کہا کہ سود کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ یہ طرز سوال بھی نئی روشنی والوں کا ہے کہ بجائے حکم شرعی کے خیال کو پوچھا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میرا کیا خیال ہوتا آپ کو معلوم نہیں کہ میں فلسفی شخص نہیں ہوں مذہبی شخص ہوں قرآن و حدیث کا حکم ظاہر کر دینا میرا کام ہے۔ قرآن و حدیث سے جواب دونگا۔ میرے اس جواب پر ان کے سوالات کا بہت بڑا ذخیرہ ختم ہوگیا پھر میں نے کہا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں واحل اللہ البیع وحرم الربوٰا کہنے لگے کہ فلاں لطافی دہلوی اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ قانون کی دفعات کی بناء پر فیصلے دیا کرتے ہیں آپ وہ قانون اور دفعات مجھے دیجئے میں اسکی شرح کر دوں گا آپ اس کی موافق فیصلے لکھا کریں پھر دیکھئے کہ گورنمنٹ سے آپ پر کیسی لتاڑ پڑتی ہے اور جواب طلب ہوتا ہے اس پر آپ گورنمنٹ سے یہ کہدیں کہ فلاں شخص نے قانون کی یہ شرح کی ہے اور وہ عربی فارسی اردو سب جانتا ہے۔ یہ اسی شرح کے موافق یہ فیصلہ لکھا ہے۔ پھر دیکھئے کیا جواب ملے گا یہی کہا جاویگا کہ زبان دانی اور چیز ہے قانون دانی اور چیز ہے اسی طرح اس دہلوی شخص کی قرآن شریف کی تفسیر بھی ہے جیسی میں قانون کی شرح میں لکھوں پھر اس پر فرمایا کہ ایسی تفسیر اور شرح کی ایک مثال بڑے کام کی یاد آگئی۔ ایک سرحدی ایک اسٹیشن پر اترا اور ایک کشمش کا بورا جس میں قریب دو من کے وزن ہوگا بغل میں تھا بابو کو اپنا ٹکٹ دیا بابو نے دریافت کیا کہ خان اس بورے کا ٹکٹ یعنی بلٹی کہاں ہے۔ خان نے کہا کہ اس کا ٹکٹ بھی یہی ہے بابو نے کہا پندرہ سیر سے زائد اسباب بدون بلٹی کے لے جانا قانون کے خلاف ہے تو خان کہتے ہیں گویا کہ قانون کی تفسیر بیان کر رہے ہے کہ پندرہ سیر کا قانون ہندوستانی کیلئے ہے وہ اتنا ہی بوجھ اٹھا سکتا ہے ہمارا یہی پندرہ سیر ہے دیکھو کیسی آسانی سے ہم اسکو بغل میں لئے کھڑا ہے یہ آپ نے قانون کی شرح اور تفسیر کی تو حاصل یہ ہوا کہ اس قانون میں پندرہ سیر کا وزن مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ مسافر جتنا آسانی سے لیجا سکے تو کیا اس کو قانون کی تفسیر کہا جاسکتا ہے اور کیا یہ تفسیر قانون دان کے نزدیک مقبول ہے اسی طرح غیر اہل فن کی قرآنی تفسیر ایسی ہی ہے جیسے اس ولایتی خان نے قانون کی تفسیر کی تھی اور اگر کوئی قانون دان اس کو حقیقت سمجھائے تو بہت مشکل ہے۔

جب مخاطب کو فن سے مناسبت ہی نہیں تو اتنا کہدینا کافی ہے کہ تو احمق ہے تو کیا جانے قانون کیا چیز ہے اس کے بعد وہ ڈپٹی صاحب کہنے لگے کہ سود نہ لینے کیوجہ سے مسلمان تباہ و برباد ہو رہے

ہیں اور ترقی نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا کہ اگر ترقی کی ایسی ہی ضرورت ہے تو حرام سمجھ کر بھی تو لے سکتے ہیں اس سے بھی ویسی ترقی ہوگی۔ ترقی تو لینے پر موقوف ہے نہ اعتقاد وحلت پر۔ کیونکہ ترقی کو کیا خبر کہ اس کا عقیدہ کیا ہے اس لئے اگر حرام سمجھ کر لیں تب بھی ترقی ہو سکتی ہے اس صورت میں یہ ہوگا کہ جرم میں کسی قدر تخفیف ہو جائیگی۔ فرق یہ ہوگا کہ اگر حرام سمجھ کر لیگا تو چور ڈاکو سمجھا جائیگا۔ سزا میں جیل خانہ یعنی محدود مدت کیلئے دوزخ میں جائیگا اور اگر حلال سمجھ کر لیا یہ بغاوت ہوگی اس پر پھانسی کا حکم ہوگا یعنی غیر محدود مدت کیلئے دوزخ میں جائیگا۔ یا دائم الحبس کیا جائیگا۔ ایک صاحب ان کے ہمراہ تھے ان سے ڈپٹی صاحب کہنے لگے کہ دیکھئے یہ ہے اعلیٰ درجہ کا فلسفہ کہ سود لینے کی ایک گنجائش نکالدی۔ پھر فرمایا کہ سبحان اللہ خوب سمجھے۔ یہ گنجائش تو ایسی ہے جیسے ساحران موسیٰ کہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہمکو سحر کی اجازت فرمادی ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ القوا ما انتم ملقون کہ ڈالو جو تم کو ڈالنا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا جواز سحر کیلئے تھوڑا ہی تھا۔ بلکہ اس کا اظہار تھا کہ تم جو کچھ دکھلاتے ہو دکھلاؤ پھر میں بھی تمہیں دکھاؤں گا۔ اسی طرح میرے جواب میں سود کے حرام ہونے کا حکم اور اس کے نتیجہ عقوبت کا اظہار تھا لینے کیلئے تھوڑا ہی تھا حرام ہونا دلیل ہے اس کام سے منع کرنے کی۔ ایسی ٹیڑھی سمجھ کا کس کے پاس علاج ہے۔

۹/ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی طرف سے جو مبلغین بیرونجات میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں ان کے وعظ اور نصائح کا لوگوں پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے اور لوگوں کو بہت بڑا نفع دین کا پہونچ رہا ہے لوگ بھی ان کے ساتھ محبت اور مدارات سے پیش آتے ہیں اور کسی کو ذرا وحشت نہیں ہوتی مگر لوگوں پر یہ امر بڑا شاق ہوتا ہے کہ وہ کسی کی دعوت قبول نہیں کرتے فرمایا کہ جو ان کی خاطر مدارات ہے اور وحشت نہیں ہوتی یہ سب اسی کی برکت ہے کہ وہ کسی سے کچھ لیتے یا کھاتے نہیں اگر لیتے یا کھاتے تو یہ خاطر مدارات پھر نہ ہوتی اب شاق ہی گذرتا ہے مگر کھانے کے بعد شاخ اس میں نکلتی۔ ایک مرتبہ فلاں مبلغ صاحب کچھ روپے مدرسہ کے واسطے لائے ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ روپیہ کہاں سے اور کیوں لائے انہوں نے کہا کہ لوگوں نے اصرار کرکے مدرسہ کے واسطے دیا ہے مجبوراً لینا پڑا میں نے ان سے کہا کہ اس روپیہ کو واپس کردو اور ان سے کہدو کہ وہ خود آکر مدرسہ میں دیں مبلغ صاحب نے کہا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کاروباری لوگ ہیں ہم کو فرصت نہیں ہوتی میں نے کہا کہ ان سے کہو کہ وہ منی آرڈر کر دیا کریں

انہوں نے کہا کہ فیس منی آرڈر کا بار ہوگا۔ میں نے کہا کہ جو رقم مدرسہ کو دینا چاہیں اسی میں سے فیس منی آرڈر وضع کرلیا کریں اگر کوئی شخص کام کرنا چاہے اس کے سیکڑوں راستے نکل آتے ہیں میں نے مبلغین سے کہدیا ہے کہ آپ لوگ مدرسہ کیلئے چندہ جمع کرنے کو نہیں رکھے گئے تمہارا کام صرف لوگوں کو احکام اور مسائل دینیہ بتانا ہے۔ مدرسہ جدا چیز ہے اور تبلیغ کا کام جدا ہے فرمایا کہ یہ وعظ کا اثر اور مبلغ کی وقعت اسی کے برکت سے ہے کہ کسی سے لینے کھانے کا معاملہ نہیں رکھا گیا۔ آج کل مبلغین کو اس کی بڑی ضرورت ہے کہ وہ ان امور کی احتیاط رکھیں ورنہ وعظ میں جو تین چار گھنٹے دماغ صرف ہوتا ہے اور محنت پڑتی ہے سب بیکار جائیگا مقصود حاصل نہ ہوگا۔

ملفوظ ۷۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پورب کے بعض اضلاع میں علماء کیلئے بہت کچھ تکلفات کرتے تھے وہاں کے بعض علماء نے لوگوں کو اس قسم کی عادتیں ڈال رکھی تھیں ادھر ایک مولوی صاحب تھے جو اچھی خاصی حکومت کرتے تھے ان ہی مولوی صاحب کا واقعہ ہے کہ ایک مقام پر گئے کسی نے حاکم کے یہاں درخواست دیدی کہ فلاں مولوی صاحب آئے ہیں ان وعظ سے اندیشہ بلوہ کا ہے حاکم نے کوتوال کو حکم دیا جاکر مولوی صاحب سے آنے کی وجہ معلوم کرو اور اس کا انتظام کرد کہ کوئی فساد نہ ہو کوتوال مولوی صاحب کے پاس آیا مولوی صاحب نے صورت دیکھتے ہی خدام کو حکم دیا کہ اس کی داڑھی جو چڑھی ہوئی ہے اس کو اتار دو اور گٹوں سے نیچا پاجامہ ہے اس کو کاٹ ڈالو فوراً کوتوال صاحب کی داڑھی اتار دی گئی اور پاجامہ کے پائینچے کاٹ دیئے گئے اور اس کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ جاؤ ہم تم کو کوئی جواب دینا نہیں چاہتے جب بلوہ ہوگا اس وقت گرفتار کرنے کیلئے آنا وہ بیچارہ جان بچاکر بھاگا مگر ہمارے بزرگوں کا یہ طرز نہ تھا غرض وہاں کا یہ رنگ تھا اور ایسے حضرات کیلئے خوب تکلفات ہوتے تھے۔ پھر جب سے میں ان اطراف میں جانے لگا یہ تکلفات بہت کم ہو گئے۔ پہلے یہ حالت تھی کہ کوئی عالم پہونچ گیا تو اس کے ساتھ پچاس پچاس آدمیوں کی دعوت ہوتی تھی۔ میں نے اس رسم کو اس ترکیب سے مٹایا کہ میں کہدیتا تھا کہ میں تنہا کھاؤنگا اس حالت میں دوسروں کی مستقل دعوت کو کون کرتا غریب لوگ اس پر بہت خوش ہوئے اس لئے کہ وہ بیچارے پچاس پچاس آدمیوں کی دعوت کی ہمت نہ رکھتے تھے مگر رسم سے مجبور تھے نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ دعوت کرکے اظہار رغبت سے محروم رہتے اور ایک یہ رسم تھی کہ واعظ صاحب کے چلنے کے وقت ایک شخص آگے آگے چلتا تھا راستہ صاف کرتا ہوا ہٹو بچو میرے ساتھ بھی اول یہی برتاؤ ہوا ہم غریب لوگ نہ ایسی باتیں خود پسند کریں اور نہ اپنے بزرگوں کو ایسا کرتے دیکھا۔ میں نے اس کا انسداد اس طرح کیا کہ اول ان سے کہا کہ یہ کیا بے ادبی ہے آگے آگے مجھ سے چلتے ہو کہنے لگے کہ راہگیروں کے ہجوم سے آپ کو تکلیف ہوگی میں کہا کہ کیا راستہ آپ کی یا میری ملک ہے اگر وہ نہ ہٹیں گے ہم بچ جائیں گے یہ رسم ختم ہوئی ایک رسم یہ تھی کہ وہاں پر اکثر پالکی

میں چلنا ہوتا تھا۔ میں پالکی میں بیٹھا ہوا جارہا تھا دیکھا کہ چند لوگ کچھ داہنے اور کچھ بائیں پالکی کے ساتھ دوڑ رہے ہیں میں نے پوچھا یہ کیا حرکت ہے کہا کہ آپ کے ساتھ رہنے کیوجہ سے دوڑ رہے ہیں شاید راستہ میں کوئی ضرورت ہو۔ میں نے کہا کہ تو اس کی کیا ضرورت ہے کہ برابر ہی میں دوڑو کیا پیچھے رہکر نہیں دوڑ سکتے۔ اس کہنے سے سب پیچھے ہو گئے تھوڑی دیر میں جو دیکھتا ہوں دوڑنے والوں میں سے ایک بھی نہ تھا وہ سب میرے دکھلانے کیواسطے دوڑ رہے تھے کہ ہم بھی ایسے جانثار ہیں یہ رسم بھی ختم ہوئی ایک مقام ہے ضلع اعظم گڈھ میں ندواسرائے میں وہاں بلایا ہوا گیا تھا۔ وہاں کے زمیندار نے رخصت کیوقت رومال میں بندھے ہوئے غالباً دو سو روپیہ بطور نذرانہ پیش کیئے۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ آپ کیطرف سے ہے کہنے لگے سب گاؤں کی طرف سے ہے یہاں پر دستور ہے کہ جب کوئی عالم آتا ہے تو رخصت کے وقت گاؤں کیطرف سے نذرانہ دیا جاتا ہے میں نے دریافت کیا کہ وہ خود دیتے ہیں یا مانگنے پر دیتے ہیں کہا کہ ان سب سے جمع کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا یہ رقم جن جن کی ہے سب کو واپس کردی جائے اور کہدیا جائے جس کو دینا ہو یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر فلاں مقام ہے آج وہاں ٹھہروں گا وہاں آکر دیں اس لئے کہ لینے والے کو تو معلوم ہو کہ فلاں شخص نے یہ چیز دی اگر قبول کرلی جاوے تو اس کو بھی خوشی ہو اور وہ بھی خوش ہو چنانچہ سب رقم واپس کردی گئی مگر اس کے بعد ایک بھی تو نہیں آیا یہ رسم بھی ختم ہوئی بات یہ ہے کہ جن بزرگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں یہ سب ان کی برکت ہے ان حضرات کو ان ہی طرز پر دیکھا وہی باتیں پسند ہیں میرا اس میں کوئی کمال نہیں انہیں حضرات کی صحبت کی برکت ہے اور اسی کا یہ اثر ہے۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے ⁂ رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عنبری ⁂ کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم ⁂ ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد ⁂ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اس مقام پر ایک اور بات بھی سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ میں نے جو کہا ہے کہ یہ سب بزرگوں کی برکت ہے سو چھوٹوں کو تو یہی سمجھنا چاہئے مگر بزرگوں کو یہ ناز نہ ہونا چاہئے کہ یہ ہماری ہی سب برکتیں ہیں

ۓ ایک روز ایک خوشبو دار مٹی ایک حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے مجھ کو ملی میں نے اس مٹی سے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری دل بسانے والی خوشبو سے میں مست ہو گیا۔ مٹی نے کہا کہ میں تو ناچیز مٹی ہی تھی مگر ایک عرصہ تک پھولوں میں رہی ہوں۔ لہذا ہمنشیں خوشبو نے مجھ میں اثر کر دیا ہے ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جو پہلے تھی ۱۲ ....

ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ کبھی چھوٹوں کی بھی برکت ہوتی ہے ایک مرتبہ مجھ کو مہمان ہونے کی حالت میں ایک صاحب جاہ و مال کے پاس شب کو سونے کا اتفاق ہوا اسی روز جماعت تو بڑی چیز ہے نماز فجر میں احتمال ہوا کہ ادا بھی ہوئی یا قضا رہ گئی۔ اس روز چھوٹوں کی برکت محسوس ہوئی کہ جن کو ہم اپنا چھوٹا سمجھتے ہیں ان ہی میں مل جل رہنے کی برکت ہے کہ نماز بھی وقت پر میسر ہو جاتی ہے مجھے تو چھوٹوں کی برکت آنکھوں سے نظر آتی ہے تو وہ ضابطہ سے چھوٹے ہیں ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑے ہوں۔

ملفوظ: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک تو ہے عدم قصد ایذا ر اور ایک ہے قصد عدم ایذا ر لوگوں میں عدم قصد ایذا ر تو متحقق ہے مگر قصد عدم ایذا ر نہیں اس سے ایذا ر ہوتی ہے جس کی وجہ محض بے فکری ہے۔ کیا کہوں میں تو دل سے یہ چاہتا ہوں کہ سب درست ہو جائیں اس وجہ سے کبھی درشت بھی ہو جاتا ہوں جس میں نیت وہی درستی کی ہوتی ہے۔

ملفوظ: فرمایا عین عتاب کے وقت بھی مجھ کو اس کا رنج ہوتا ہے کہ یہ عزیب ناکام رہا۔ پھر اس کے بعد بھی طبعاً ندامت ہوتی ہے کہ میں نے ایسا برتاؤ کیوں کیا مگر عقلاً نہیں ہوتی۔ عقلاً تو یہی اعتقاد ہوتا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ اصلاح کا طریق وہی ہوتا ہے اسی لئے اپنی مصلحت طبعیہ پر اس کی مصلحت عقلیہ کو مقدم رکھتا ہوں اور باز پرس وغیرہ کر لیتا ہوں مگر اس کے ساتھ ہی دل میں اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے مواخذہ نہ ہو کہ ہمارے بندوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا تھا اس خیال کے آنے پر یہ بھی ارادہ کرتا ہوں کہ اپنا طرز بدل دوں مگر اصلاح کا دوسرا طریق سمجھ میں نہ آنے کے سبب پھر وہی برتاؤ کرنا پڑتا ہے جس میں طالب کی مصلحت اور اصلاح مضمر ہے دوسری بات اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات نہ معلوم عین وقت پر کیا ہو جاتا ہے اور اس وقت جو حالت ہوتی ہے اس کا غلبہ اس قدر ہو جاتا ہے کہ دوسرے پہلوؤں پر نظر نہیں جاتی بس اندر سے یہی تقاضا رہتا ہے کہ فلاں حقیقت کو کس طرح اس کے رگ میں ڈال دوں حاصل یہ کہ میرے دار و گیر کا منشا زیادہ تر آنے والے کی اصلاح ہے مگر اس کی یہ قدر کیجاتی ہے کہ مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ سخت ہے۔ ہاں صاحب مگر آپ بہت نرم ہیں کہ ستار رہے ہیں۔ یہاں رہکر کوئی واقعات کو دیکھے تب حقیقت معلوم ہو کہ میں کیا برتاؤ کرتا ہوں اور آنے والے کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ دور بیٹھے رائے قائم کر لینا بہت سہل بات ہے مگر ہے انصاف کے خلاف اس لئے کہ دونوں طرف کی بات دیکھکر یا صحیح روایت سنکر فیصلہ دینا یہ انصاف کہا جا سکتا ہے۔

ملفوظ: ایک صاحب نے عرض کیا کہ فلاں قصبہ میں شریف خاندانوں کے لڑکے سرکاری اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ اچھی خاصی عمر کے لڑکے ہیں۔ گو کلمہ تک نہیں پڑھ سکتے۔ نماز روزہ

تو بڑی چیز ہے ۔ فرمایا ایسی حالت سنکر بیحد صدمہ ہوتا ہے آج کل اکثر امراء تعلیم انگریزی تو بچوں کو دلاتے ہیں مگر دین کی طرف قطعاً توجہ نہیں کرتے یہ سمجھتے ہیں کہ علم دین پڑھ کر سوائے ملا بننے کے اور کیا نتیجہ فرمایا کہ الہ آباد میں ایک لڑکا دیکھا تھا عمر اس کی تقریباً گیارہ بارہ سال کی ہوگی ۔ بی اے کی جماعت میں تعلیم پا رہا تھا مجھ سے بڑے فخر سے کہا گیا کہ یہ عمر ہے اور یہ تعلیم ۔ اتفاق سے میرے سامنے اس وقت قرآن مجید کا ایک اشتہار تھا اس میں نمونہ کیلئے ایک طرف الحمد شریف لکھی ہوئی تھی اور ایک طرف اشتہار کا مضمون تھا میں نے اس لڑکے سے کہا اس کو پڑھو ۔ اس نے دیکھکر صاف انکار کیا کہ میں نہیں پڑھ سکتا میں نے کہا کہ ہجے ہی کرکے پڑھ تو وہ بھی نہ کر سکا ۔ میں نے کہا کہ اچھا الگ الگ حروف ہی بتلا دو اس نے کہا کہ میں یہ بھی نہیں بتلا سکتا اور وہ بیچارہ کیا کرے جب ایک چیز اس کو سکھلائی نہیں گئی تو دنیوی تعلیم کس درجہ کی اور دینی تعلیم کس درجہ کی فرمایا کہ میرے ایک ملنے والے تھے اسکندریہ میں جا کر ان کا انتقال ہوا انہوں نے اپنے بچے کو انگریزی زبان سکھانے کی غرض سے ایک انگریز عورت کے سپرد کر دیا تھا اور اس عورت کو تنخواہ دیتے تھے جب ان کے کوئی دوست ملنے آتے تھے تو وہ اس بچہ کو ان کے سامنے فخراً پیش کرتے تھے کہ دیکھئے باوجودیکہ اس بچہ نے ایک میم کی آغوش میں پرورش پائی ہے مگر اس کو کلمہ بھی یاد ہے اور کلمہ سنوا دیتے تھے غرض ان امراء کو دین سے اس قدر بعد ہو گیا ہے کہ بالکل اس طرف التفات ہی نہیں پھر دوسروں پر اعتراض ہے کہ علم دین پڑھ کر بھیک مانگتے پھرتے ہیں میں پوچھتا ہوں کہ قصور کس کا ہے تمہارا یا ان بھیک مانگنے والوں کا جب علم دین بھیک مانگنے والے پڑھیں گے تو وہ بھیک ہی مانگیں گے ۔ سو یہ تو انتخاب کی غلطی ہے ۔ تم اپنے بچوں کو علم دین کیوں نہیں پڑھاتے ہو تاکہ وہ بھیک نہ مانگیں اور بلند حوصلہ ہوں ۔

نوٹ :- یہاں تک وہ ملفوظات جو ۱۴ شوال ۱۳۵۰ھ سے شروع ہوئے ہیں اور درمیان میں چھوٹ گئے تھے ختم ہو گئے ۔ ۱۲ صالح میں ۔

۲ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

ملفوظ :- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نہایت خوشدلی سے اپنے احباب کو اجازت دیتا ہوں کہ جن حضرات کو مجھ سے کشیدگی ہے ان سے میری وجہ سے اپنے تعلقات کو نہ بدلیں اور نہ چھوڑیں

بلکہ ویسے ہی تعلقات رکھیں جیسے کہ پہلے سے آپس میں ہیں۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے میرے احباب کے تعلقات میں بے لطفی ہو اور خدا نخواستہ وہ کشیدگی والے بھی میرے دشمن نہیں بجز پس پشت جو کچھ بھی کرتے ہوں یا کہتے ہوں مگر سامنے آ کر وہ بھی نیاز مندی ہی کا برتاؤ کرتے ہیں اور میں اپنے اس مذاق کو سب حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت سمجھتا ہوں اور یہ اثر بھی ان ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے مخالف سے مخالف بھی سامنے آ کر سرنگوں ہو جاتا ہے ورنہ میرے اندر ایسی کوئی چیز نہیں جس کا یہ اثر ہو نہ مجھ میں کوئی علمی ہی قابلیت ہے نہ مالی نہ وجاہت ہے نہ کوئی جاہ ہی تو سب ہے ایک غریب آدمی ہوں غریب شیخ زادہ کا لڑکا ہوں پھر یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے سب حق تعالیٰ کا فضل اور حضرت حاجی کی برکت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے اسی کی فرع ہے کہ میں اپنے دوستوں کو ہمیشہ اس معاملہ میں آزادی دیتا ہوں کہ وہ میری وجہ سے اپنے ایسے دوستوں سے جنکو مجھ سے کشیدگی ہے بے لطفی اور بے تعلقی نہ پیدا کریں اگر ان سے تعلقات رکھیں جائیں مجھ پر بحمد اللہ ذرا اثر نہ ہو گا البتہ اس کے عکس پر تعجب نہیں کہ اثر ہو۔

ملفوظ ۴: ایک مولوی صاحب کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ حنفیت میں بہت ہی ڈھیلے تھے مگر اب یہ کہنے لگے ہیں کہ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک امام صاحب پہونچے وہاں تک کوئی بھی نہیں پہونچا۔ ابن تیمیہ و ابن القیم کے اب بھی بیحد معتقد ہیں مگر اب اس تغیر مذکور کے بعد ان کی بھی کچھ زیادہ رعایت نہیں کرتے چنانچہ ابن القیم نے حنفیہ کے بعض فروع پر جو اعتراض کئے ہیں ان ہی مولوی صاحب نے ان کا بڑے شد و مد سے جواب لکھا ہے اور واقعی بات یہ ہے کہ حنفیہ پر اکثر خواہ مخواہ کی بدگمانی کر لی گئی ہے ورنہ بے غبار مسائل پر اعتراض عجیب بات ہے۔ مذہب حنفی کو بعضے ناواقف حدیث سے بعید سمجھتے ہیں مگر مذہب میں اصل چیز اصول ہیں سو ان کے اصول کو دیکھا جائے تو سب مذاہب سے زیادہ اقرب الی الحدیث ہیں ان ہی اصول کے توافق کی بنا پر میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ حنفیہ کے اصول پر نظر نہ کرنے سے ان کو ہمیشہ بدنام کیا گیا ہے اسی طرح چشتیہ کے اصول پر نظر نہ کرنے سے ان کو بھی بدنام کیا گیا ہے۔ ایک مولوی صاحب نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ جب حضرات چشتیہ کے اس قدر پاکیزہ اصول ہیں پھر یہ بدنام کیوں ہیں میں نے کہا کہ زیادہ تر سماع کی وجہ سے اگر یہ گانا نہ سنتے تو ان سے زیادہ کوئی بھی نیک نام مشہور نہ ہوتا مگر الحمد للہ کہ ہمارے سلسلہ کے قریب کے حضرات تو بالکل ہی نہ سنتے تھے۔ سو ماشاء اللہ ان سے نفع بھی بہت ہوا۔

ملفوظ ۵ تتمہ سابق: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نقشبندیہ کے یہاں ذکر خفی ہے لطائف کی ساتھ اور ایک مسئلہ ان کے یہاں تصور شیخ کا ہے اور یہ تصور اور لطائف مثل جزو طریق کے ہیں اور دونوں منقول نہیں مگر کسی منقول کے مزاحم بھی نہیں

اور چشتیہ کے یہاں کوئی غیر منقول مثل جز و طریق کے نہیں ایک تفاوت اصول کا اس سے بھی معلوم ہوسکتا ہے۔

ملفوظ ۸۷: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ چشتیہ پر سب سے زیادہ منقلبی دیر ہیں اس اس وجہ سے کہ یہ جواب نہیں دیتے جیسے فلانے خان صاحب کہ مجھ سے توڑنے کو ہر وقت تیار رہتے۔ مگر مولوی مرتضیٰ حسن صاحب سے کبھی نہ لڑے اس لئے کہ وہ بولتے ہیں سو چشتیہ اسی لئے لوگوں کے زیادہ تختہ مشق رہے کہ یہ بولتے نہیں اور بولیں ہی کیا ان کے اندر ایک چیز ایسی ہے جو کسی کے اندر اس شان کی نہیں اور وہ شان فنا ہے ان کے یہاں طریق میں یہ پہلا قدم ہے جو دوسروں کا منتہا ہے۔

ملفوظ ۸۸: ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض لوگوں نے یہ مشہور کیا ہے کہ امام مہدی نقشبندی ہوں گے فرمایا کہ یہ تو میں نے نہیں سنا البتہ بعض حنفیوں نے لکھا ہے کہ وہ حنفی ہوں گے مگر یہ غلو ہے غالباً یہ ہوگا کہ امام مہدی کا اجتہاد امام صاحب کے اجتہاد پر منطبق ہوجائیگا باتیں دعوے کی دل کو نہیں لگتیں اس میں تو ایک گونہ اہانت ہے امام مہدی علیہ السلام کی ان کا طرز صحابہ کا سا ہوگا وہ نہ نقشبندی ہونگے نہ چشتی نہ حنفی وہ تو دین کے ہر شعبہ میں خود مستقل شان رکھتے ہوں گے۔

ملفوظ ۸۹: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ طریق میں بعد تصحیح عقائد و اعمال ضروریہ کے سب سے بڑی چیز محبت ہے اس کی بڑی سخت ضرورت ہے مراقبات سے بھی زیادہ تر یہی مقصود ہے کہ ان سے یکسوئی ہو اور یکسوئی سے محبت۔ اور سماع میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس سے یکسوئی ہوجاتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یکسوئی کے ساتھ ایک ہیجان بھی ہوتا ہے مگر ہیجان اسی محبت کا ہوتا ہے جو پہلے سے ہر بہ گز یدا کی محبت ہے تو اس کا ہیجان ہوتا ہے اور اگر مخلوق کی محبت ہے تو اس کا ہیجان۔ اسی لئے سماع کی ہر شخص کو اجازت نہیں۔

ملفوظ ۹۰: ایک شخص کی غلطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ زیادہ تر جو تکلیف ہوتی ہے وہ بے عقلی سے نہیں ہوتی بلکہ بے فکری سے تکلیف ہوتی ہے اگر فکر سے آدمی کام لے تو موٹی موٹی باتوں میں غلطی نہیں ہوسکتی اور عقول میں تفاوت ضرور ہوتا ہے مگر اس قدر نہیں کہ فکر سے کام لینے کی حالت میں اس سے دوسروں کو تکلیف پہونچے۔ مگر جب فکر ہی سے کام نہ لیں تو پھر بہائم اور انسان میں فرق کیا رہ جاتا ہے کیونکہ جانور میں فکر نہیں ہے یعنی دوسری جانب کا احتمال اس کے ذہن میں حاضر نہیں ہوتا سو آدمی کو چاہیئے کہ جو کام کرنا چاہے پہلے سوچے کہ نہ معلوم اس کا کوئی پہلو مصلحت کے خلاف ہو۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں معافی چاہتا ہوں فرمایا کہ معاف ہے خدانخواستہ کوئی انتقام تھوڑا

ہی دے رہا ہوں مگر کیا تنبیہ بھی نہ کروں بدون تنبیہ کے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ایسی حرکت کرنا غلطی ہے عرض کیا کہ میرے مقدر میں اسی طرح تھا فرمایا کہ یہ اور بھی نامعقول عذر ہے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ بونے کا بھی مرض ہے بیہودہ ہو آپ کہتے ہیں کہ مقدر میں بھی تھا اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا ہی کی تجویز ایسی ہے میں مجبور ہوں اپنے تبریہ کیلئے مقدر کو پیش کرنا کس قدر نالائق اور بیہودہ حرکت ہے اب تک تو میں نے نہیں کہا تھا مگر اب کہتا ہوں کہ اب تم کو مجھ سے مناسبت نہیں کہیں اور جاؤ۔

ملفوظ ۸۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب تک دل ملا ہوا نہیں ہوتا خدمت لینے میں شرم معلوم ہوتی ہے غیرت آتی ہے دل پر بوجھ معلوم ہوتا ہے طبیعت مکدر ہوتی ہے مگر عام طور پر لوگ خدمت کو ادب سمجھتے ہیں گو اس سے اذیت ہی ہو۔ ادب کہتے ہیں راحت پہونچانے کو نہ خدمت کرنے کو یا پچھلے پیروں ہٹنے کو۔ خوب سمجھ لو۔ بعضے ایسے کوڑ مغزوں اور بدفہموں سے واسطہ پڑتا ہے کہ جب آئیں گے ستاتے ہوئے اور میں جو ان باتوں کو ظاہر کر دیتا ہوں اسی وجہ سے بدنام ہوں دوسری جگہوں میں ایسے بدتمیزوں کی چاپلوسی اور دلجوئی کی جاتی ہے اور میرے یہاں بحمد اللہ بجائے دلجوئی کے دلشوئی ہوتی ہے۔

ملفوظ ۸۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ کو یہ مرض ہوتا ہے کہ دوسروں کو ترغیب دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ سے بیعت و تلقین کا تعلق پیدا کرو مجھ کو اس سے بیحد نفرت ہے اس میں شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان بزرگ نے اس کام کیلئے آدمی چھوڑ رکھے ہیں کہ بہکا بہکا کر لاؤ اس لئے مجھکو تو اس سے بڑی ہی غیرت آتی ہے اور علاوہ غیرت طبعی کے عقلاً بھی مضر ہے اور اس سے زیادہ کیا مضرت ہوگی کہ طالب کو مطلوب اور مطلوب کو طالب بنایا جاتا ہے۔ ایک ایسے ہی نادان معتقد نے اس سے بڑھ کر یہ کیا کہ ایک مجنون کو یہاں پر بھیجدیا اور یقین دلایا کہ وہاں کے تعویذ سے اچھے ہو جاؤ گے اس نے آکر مجھ سے تعویذ مانگا چونکہ میں جنون کا تعویذ نہیں جانتا میں نے انکار کر دیا وہ خفا ہو کر چلا گیا اور قصبہ ہی میں ایک دوکان پر بیٹھ کر کہا کہ میں اوزار لایا ہوں قتل کرونگا مجھ کو تعویذ نہیں دیا یہ مضرتیں ہیں بیہودہ باتوں میں دین کا بھی ضرر دنیا کا بھی ضرر کسی غرض کیلئے کسی سے کسی کا نام لینا یہ بہت برا طریقہ ہے۔ ایک خیر خواہ صاحب کو اس کا بہت شوق ہوا وہ شب روز اس ہی فکر میں رہتے ہیں کہ ساری دنیا کا تعلق یہاں ہو جائے۔ نیت تو بری نہیں طریقہ کار برا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ جس مقصود کیلئے آپ ایسا کرتے ہیں اس کا ایک بہت اچھا طریقہ ہے وہ یہ کہ میں پانچ چھ نام بتلائے دیتا ہوں طالب کو بجائے کسی ایک معین کے متعدد نام بتلا دیئے جائیں پھر اس کا جس طرف رجحان ہو۔ یہ طریق زیادہ بہتر اور نافع ہے۔ اس میں کوئی مفسدہ بھی نہیں۔ چونکہ وہ اہل فہم ہیں انہوں نے بھی سنکر اس پسند کیا اور انتخاب ترجیح کا طریقہ بھی بتلا دیا جائے وہ یہ کہ سب کے پاس اپنے

حالات کے خطوط لکھو جس کا جواب شافی ہو اس سے تعلق پیدا کرو۔ سو اس طرح کے مشورہ میں کوئی حرج نہیں تم خود تعیین مت کرو۔ اس سے عزت آتی ہے نیز بوجہ مفاسد کے یہ بنا ر الفاسد علی الفاسد ہے۔ یہ تعلق ہی بنا ہے آئندہ کے تمام معاملات کی اگر یہی ٹھیک نہ ہوئی تو پھر وہ مثل ہو جائے گی کہ ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج ؎ تا ثریا می رود دیوار کج

پکی یا ٹھیکی بنیاد رکھنا نہایت بڑا ہے ہمیشہ خرابی ہی رہیگی اور میں نے جو نئے آدمی کیلئے یہ قید تجویز کی ہے کہ چند روز یہاں پر آکر قیام کرو اور زمانہ قیام میں نہ مکاتبت کرو نہ مخاطبت اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ وہ آنے والے مجھ کو دیکھ لیں اور میں ان کو۔ اس کے بعد اگر مناسبت ہو طرفین میں تو پھر تعلق کی درخواست کا مضائقہ نہیں۔ سو اس تجویز سے لوگوں کو بحمد نفع ہوا۔ اسی طرح ایک اور رسم ہے سفارشیں لاتے ہیں۔ یہ بھی برا ہے اس کا حاصل تو یہ ہے کہ دوسرے کو مقید کرنا اور کسی بڑے کے اثر سے مجبور کرنا سو یہ بہت وجوہ سے برا ہونے کے علاوہ ادب کے بھی خلاف ہے اس طریق میں ایسا واسطہ ٹھیک ہی نہیں بلا واسطہ ہی تعلق ٹھیک ہے کیونکہ ہر شخص سے جدا معاملہ ہوتا ہے اس لئے کہ ہر شخص کی جدا حالت ہوتی ہے تو اس سفارش میں آزادی نہیں رہتی لیکن اس سے ہر واسطہ کا مضر ہونا نہ سمجھا جاوے بعض جگہ واسطہ رحمت ہوتا ہے اور عدم واسطہ خطرناک ہوتا ہے جیسے علوم کہ وحی کے واسطہ سے رحمت محضہ ہیں اور بدون اس واسطہ کے خطرناک و محتمل ابتلاء چنانچہ جو علم انبیاء کو بلا واسطہ ہوتا ہے اس میں اندیشہ کا ابتلاء ہوتا ہے اور وہ خطرناک ہوتا ہے اور جو بواسطہ وحی ہوتا ہے اس میں فقط رحمت ہوتی ہے کوئی اندیشہ اور خطرہ نہیں ہوتا۔ یہ تو وحی کے واسطہ کی خاصیت ہے لیکن اگر محض استدلال عقلی کا واسطہ ہو اور اس کی صحت کی شہادت شرع سے نہ ہو وہ واسطہ محض لاشئ و ناقابل اعتبار ہے مولانا اسی واسطہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ ؎

علم کان نبود ز حق بے واسطہ ؎ در نپاید ہمچو رنگ ماشطہ

خلاصہ یہ کہ نہ واسطہ کا وجود فی نفسہ مقصود ہے نہ واسطہ کا عدم۔ جہاں واسطہ کا وجود نافع ہو وہاں واسطہ مقصود ہے اور جہاں واسطہ کا عدم مقصود ہے تو حکم کا مدار نفع و ضرر ہے نہ کہ خود واسطہ کا وجود یا عدم۔ البتہ اگر الہام متائد بالشرع ہو اس تائید کے سبب وہ بھی رحمت ہے کیونکہ اہل اللہ کا قلب صاف ہوتا ہے اس پر واردات ہوتے ہیں۔ یعنی ان کے قلب میں جو الہامات ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے خطاب خاص ہیں جاننے والے کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بول رہا ہے یا بیٹھا ہوا بتلا رہا ہے۔ مگر شرط اس میں وہی ہے کہ قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو ورنہ اس کو الہام رحمانی اور القاء ربانی نہ کہیں گے بلکہ اس کو حدیث النفس یا وسوسہ شیطانی سے تعبیر

کریں گے۔ بعض کا اہتمام تو یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ ہر وقت الہام ہوتا ہے کہ یہ کرو یہ نہ کرو یہ مت کھاؤ یہ مت پیو اس سے ہدیہ لو اس سے نہ لو اس کو بیعت کر و اس کو نہ کرو اب اگر اس کے مقتضا پر اگر وہ کسی کی درخواست قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ تو اس پر اعتراض ہوتے ہیں کہ فلاں کو قبول کر لیا فلاں کو قبول نہیں کیا فلاں سے ہدیہ لے لیا فلاں سے نہیں لیا مگر اس پر جواب میں بھی کہنا پڑے گا۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام ٭ پس سخن کوتاہ باید والسلام

ملفوظ ۸۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل دنیا بد فہموں سے پر ہے یہ ایک عام اعتراض پیدا ہو گیا ہے کہ ملکر کام کرنا چاہیئے اور چونکہ مولوی الگ رہتے ہیں اور کام کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتے اس وجہ سے ترقی نہیں ہوتی اعتراض کر دینا تو آسان بات ہے مگر مشکل یہ ہے کہ شرکت کا کوئی معیار نہیں بنایا جاتا بدون معیار بنائے ہوئے علی الاطلاق اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں سو یہ تو واقعہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ کہ مولوی تمہارے تابع تو نہیں گے اب رہا یہ کہ پھر مل کر کام کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ سو وہ میں عرض کرتا ہوں کہ وہ ملکر کام کرنے کی صورت یہ ہے کہ جو چیز تم کو معلوم نہیں یعنی احکام ان کو تو ہم سے پوچھ کر کرو اور جو ہم کو معلوم نہیں یعنی ملک کے واقعات وہ ہم تم سے پوچھکر اس پر احکام بتلائیں یہ ہے شرکت کی صورت باقی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علوم شرعیہ اور احکام شرعیہ میں بھی آپ ہی کی رائے مانی جاوے ظاہر ہے جیسا ہم قانون کے سمجھنے میں غلطی کر سکتے ہیں ایسے ہی آپ علم شریعت میں غلطی کریں گے اس کا فیصلہ آپ ہی کریں کہ جس نے اپنی ساری عمر دین کی خدمت میں صرف کر دی وہ دین کو زیادہ سمجھے گا یا وہ شخص جس نے کبھی عمر بھر دین کی طرف رخ بھی نہ کیا ہو۔ عجیب بات ہے کہ مقدمات تو سب صحیح اور نتیجہ سب غلط اور جن علماء نے تمہارے ساتھ تمہارے تابع ہو کر کام کیا انہوں نے ہی کونسا انعام پایا۔ بلکہ خود اپنی آخرت کو خراب و برباد کیا۔

۲۰ / ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۸۳ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ قبر پر مردہ کو دفن کرنے کے بعد سرہانے پائنتی کھڑے ہو کر اور قبر پر انگلی رکھ کر سورہ بقرہ کا اول اور آخر پڑھتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے فرمایا کہ پڑھنا تو ثابت ہے مگر انگلی رکھکر ثابت نہیں پھر عرض کیا کہ اس پڑھنے کے بعد قبر ہی پر حاضرین ہاتھ اٹھا کر

مردہ کیلئے ایصال ثواب اور دعا مغفرت کرتے ہیں فرمایا کہ ویسے ہی دعا کر دینا اور ثواب پہونچا دینا چاہیے ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے۔ قبر کی طرف منہ کر کے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو فقہاء نے منع کیا ہے۔ اس میں صاحب قبر سے استفادہ کا شبہ ہوتا ہے۔ ہاں قبر کیطرف پشت کر کے دعا مانگنا جائز ہے اسلام میں توحید کی بے حد حفاظت کی گئی ہے مگر لوگ خیال نہیں کرتے گڑبڑ کرتے ہیں ان ہی باتوں سے بدعات پیدا ہوگئی ہیں۔

ملفوظ ۸۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بہت بڑے عالم نے جن کا اب انتقال ہوگیا ہے دیوبند میں خود مجھ سے فرمایا کہ جب جلسہ میں بیان ہوا اس میں انگریزوں کی اطاعت اور فرمابرداری اولی الامر منکم سے ثابت کیجائے مگر میں اس آیت سے اس کا بیان نہیں کیا اور اس کے بعد وہی عالم ان نئی تحریکات میں بڑے زور شور سے شریک ہیں نہیں معلوم آیت کی پہلی تفسیر صحیح تھی یا بعد کی تفسیر عجب ہڑبونگ ہے نہ کوئی حدود ہیں نہ اصول محض بے ڈھنگا پن ہے جو جی میں آیا کر لیا جو منہ میں آیا کہہ دیا پھر مجھ کو ایسی باتوں میں شرکت کی دعوت دیجاتی ہے۔ میں ان لوگوں کی نبضیں خوب پہچانتا ہوں اسی وجہ سے یہ لوگ مجھ سے خفا بھی خیر ہوا کریں میں احکام شرعیہ کے خلاف ایک اینچ اِدھر اُدھر جانا نہیں چاہتا اور جاؤں بھی کس طرح جب بحمداللہ شریعت میری طبیعت ثانیہ بن گئی ہو اور یہ محض حق تعالیٰ کا فضل ہے اور اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت ہے یہ میں نے فخراً بیان نہیں کیا بلکہ بطور تحدث بالنعمۃ کے بیان ہے۔

ملفوظ ۸۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض بزرگ بھولے ہوتے ہیں مگر انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی بھولے نہیں ہوئے سب کے سب کامل العقل متیقظ ہوئے ہیں اگر وہ حضرات بھولے ہوتے تو بڑے بڑے کفار ان کے سامنے پانی نہ بھرتے۔

ملفوظ ۸۶: اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بعضے بزرگ بھولے معلوم ہوتے ہیں مگر واقع میں بہت دانشمند ہوتے ہیں۔ اور بھولے کسی حالت کے غلبہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب دہلوی جو مکہ معظمہ میں مقیم تھے ان کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں روپیہ گنی پیسے سب ایک ہی جگہ رکھتے تھے اور جب بازار جاتے تو اگر ایک پیسہ کا بھی سودا لینا ہوتا تب بھی پوری تھیلی لیجاتے اور سودا خرید کر پوری تھیلی کو دکان پر لوٹ کر دکاندار کو پیسہ دیتے اور بقیہ اس میں اٹھا کر بھر لیتے۔ ایک روز بازار سے تھیلی ہاتھ میں لئے واپس مکان کو جا رہے تھے جب مکان کے قریب ایک گلی میں داخل ہوئے ایک بدوی راستہ سے ساتھ ہو لیا تھا وہ تھیلی ہاتھ سے چھین اور چلدیا۔ آپ نے پیچھے کو مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ کیا ہوا سیدھے مکان پر پہونچکر اور مکان کا دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگالی اب وہ بدوی تھیلی لئے چلا مگر جب اس ہی

گلی سے نکلنے کا ارادہ کرتا تب ہی لوٹ کر پھر اسی گلی میں آجاتا ہے گویا راستہ بند ہوگیا سمجھ گیا یہ وبال کسی بات کا ہے اور پریشان ہوکر تھیلی لوٹانے کیلئے واپس شیخ کے مکان پر آیا اور آواز دی یا شیخ یا شیخ اپنی تھیلی لے تو شیخ کوئی جواب ہی نہیں دیتے یہ پھر وہ لیکر چلا پھر وہی صورت کہ راستہ بند پھر لوٹا اور شیخ کے مکان پر پہونچکر پکارا مگر جواب ندارد آخر اس نے ایک ترکیب کی غل مچانا شروع کیا کہ دوڑو شیخ نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے سارا محلہ جمع ہوگیا پوچھا کیا معاملہ ہے کہا کہ اس مکان میں جو شخص ہے اس نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے انہیں سامنے لاؤ تو بیان کروں لوگ ان کی بزرگی کے معتقد تھے اس کو ڈانٹا کیا بکتا ہے وہ تو بڑے بزرگ ہیں کہا کہ ذرا کواڑ تو کھلواؤ میں ابھی بزرگی ظاہر کئے دیتا ہوں اہل محلہ نے بزرگ سے خوشامد کرکے کواڑ کھلوائے اور اس جلدی سے دریافت کیا کہ بتلاؤ انہوں نے کیا ظلم کیا ہے کہا کہ میں ان کے ہاتھ سے روپوں کی تھیلی لیکر بھاگا اب یہ مجھ کو جانے نہیں دیتے جب جانے کا ارادہ کرتا ہوں راستہ بند نظر آتا ہے اور تھیلی بھی نہیں لیتے یہ ان بزرگ کا ظلم تھا۔ غرضیکہ یہ نہ جانے دیتے ہیں اور نہ اپنی تھیلی واپس لیتے ہیں یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے لوگوں ان بزرگ سے عرض کیا کہ آپ اپنی تھیلی لے لیں فرمایا کہ یہ تھیلی اب میری نہیں رہی اسی کی ہوگئی وجہ یہ کہ جس وقت یہ میرے ہاتھ سے لے کر بھاگا تھا اسی وقت مجھ کو یہ خیال ہوا کہ ایک مسلمان میرے سبب گنہگار ہوا اور دوزخ میں جاویگا اس لئے میں نے اسی وقت وہ تھیلی اس کو ہبہ کردی اللہ اکبر ان حضرات کا بڑا ظرف ہوتا ہے یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ ایک مسلمان ایک لمحہ اور ایک منٹ کے لئے بھی خدا کا گنہگار رہے اور کل مال کا چلا جانا اور دیدینا گوارا کرلیا اور یہ ہبہ اصطلاحی تو نہ تھا کیونکہ اس میں دوسرے کا قبول شرط ہے مگر اپنی نیت سے اس کو بری الذمہ کردینے کو مجازاً ہبہ فرمادیا پھر فرمایا کہ یہ حکایت بیان کرنے میں تو بہت ہی سہل ہے مگر کوئی کر بھی سکتا ہے۔ بس وہی کرسکتا ہے کہ جس کے دل میں کوئی اور چیز ہو اس چیز کے ہوتے ہوئے دو عالم بھی اس کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں رکھتے غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شاہ سنجر نے لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ملک سنجر کا کچھ حصہ خانقاہ کے نام کردوں تاکہ اہل خانقاہ کو اور آپ کو تکلیف نہ رہے۔ آپ نے اس کے جواب میں یہ لکھکر بھیجا ؎ [۵]

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ۔ در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب ۔ من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

---

۵ اگر میرے دل میں سنجر کی ہوس ہو تو جس طرح سنجر کا چھتر سیاہ ہے۔ میرا نصیب بھی سیاہ ہو۔ اور جس وقت سے ملک، نیم شب (یعنی عبادت نیم شب) کی خبر ہوئی ہے۔ میں تو ملک نیمروز کو ایک جو کے بدلہ میں بھی نہ خریدوں گا ۱۲

پھر فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کی اس عادت کا منشاء ظاہر تو بھولا پن ہے مگر واقع میں دوسری وجہ ہے یعنی متاع دنیا سے استغناء اور قلب کا عدم تعلق ورنہ ان کی ذکاوت مشہور رہی ہے۔

ملفوظ ۸۷: اسی سلسلہ میں فرمایا کہ یہ بزرگ یعنی مولانا شاہ محمد یعقوب صاحبؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نواسے تھے امور دینیہ میں اس قدر دقیق النظر تھے کہ متعارف سفارش پسند نہ فرماتے کیونکہ سفارش کرنا جو کہ ایک مسلمان کو راحت پہونچانا ہے یہ تو مستحب ہے اور جس سے سفارش کی گئی ہے اگر قرینہ سے معلوم ہو کہ اس کو گرانی اور تکلیف ہوگی تو تکلیف سے بچانا واجب ہے سو مستحب کیلئے واجب کو ترک نہیں کیا جاسکتا دیکھئے کیسی دقیق نظر تھی۔

ملفوظ ۸۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے قل ھو اللہ تہائی قرآن شریف کے برابر ہے اس سے عام طور سے یہ سمجھا گیا ہے کہ اگر تین بار پڑھے تو پورے قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملے گا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ اس ثلث میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مطلق ثلث مراد ہو اور ایک یہ کہ ثلث متعین مراد ہو مثلاً وہ آیات جن میں توحید کا بیان ہے اس مجموعہ کو ثلث قرآن اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن شریف میں امہات مسائل تین ہیں ایک توحید کا حصہ ثلث قرآن ہوا تو حدیث میں اگر کسی دلیل سے مطلق ثلث مراد ہوتا تو وہ لازم صحیح تھا کہ تین بار پڑھنے سے تین ثلث کا ثواب مل گیا اور تین ثلث کا مجموعہ پورا قرآن ہوا مگر اس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ احتمال ہے کہ خاص وہ ثلث متعین مراد ہو جو مشتمل ہے توحید پر۔ سو اس بنا پر اگر تین بار پڑھا تو صرف یہ لازم آیا کہ گویا حصہ توحید تو تین بار پڑھ لیا تو ایک حصہ کو چند بار پڑھنے سے کسی طرح لازم نہیں آتا کہ گویا پورا قرآن پڑھ لیا جیسے کسی نے ایک پارہ تیس بار پڑھ لیا تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے سارا قرآن شریف پڑھ لیا۔

ملفوظ ۸۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے ایک دوست کہتے تھے کہ میں جبل پور رہا ہوں وہاں سے استفتے مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا منجملہ اور استفتوں کے ایک استفتا اس کا بھیجا کہ مولود شریف میں قیام کرنے کی اصل کیا ہے حضرت مولانا نے۔۔۔۔۔ جواب میں اس کی حقیقت یہ بیان فرمائی کہ قیام ایک حرکت وجدیہ ہے اس کو صوفیہ خوب جانتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے کرتے کوئی بزرگ وجد و شوق میں کھڑے ہو گئے اور وجد کا ادب یہ ہے جس کو امام غزالیؒ نے بھی لکھا ہے کہ ایک کے قیام سے سب کھڑے ہو جائیں پھر بعض اہل دل کو یہ حرکت اچھی معلوم ہوئی وہ تواجد (وجد کی صورت بنانے) کے طور پر کھڑے ہونے لگے اس کے بعد عوام میں اس کا عام سلسلہ ہو گیا جو جہل کے سبب لزوم کے درجہ تک پہونچ گیا اس جواب سے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے ایک قول کے معنی

سمجھ میں آ گئے جس کو کاپی میں ایک معمر شخص نے میرے سامنے نقل کیا تھا کہ کسی نے حضرت شاہ صاحب سے اس قیام کی نسبت پوچھا تو حضرت نے فرمایا کہ شیخ مجلس کو دیکھنا چاہیئے اس کا یہی مطلب تھا کہ شیخ مجلس جو اس ذکر پر کھڑا ہوا ہے دیکھنا چاہیئے کہ اگر وہ صاحب حال ہے تو آ، کا یہ قیام وجد ہے جس میں قوم کو موافقت کرنا ادب ہے اور اگر صاحب حال نہیں تو محض تصنع و رسم پرستی ہے اور بزوم مفاسد کے خوف کے مقام پر تواجد کی اجازت نہیں اس سے حضرت شاہ صاحب کی علمی شان کس درجہ معلوم ہوتی ہے پھر افسوس کہ اس پر نواب صدیق حسن خاں صاحب شاہ صاحب کی نسبت اپنی ایک کتاب میں جس کو میں نے دیکھا ہے فرماتے ہیں کہ کان قلیل العلم کثیر العبادۃ ؎ بعض حضرات روایات کو علم سمجھتے ہیں۔

ملفوظ: ۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں شیخ کامل کے اتباع کی ضرورت ہے وہ اس راہ کا واقف ہوتا ہے وہ نفس اور شیطان کے مکائد سے آگاہ کرتا ہے شیخ کامل کے سر پر ہوتے ہوئے شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا گو شیطان کے کید کے متعلق بہت کچھ ہے مگر حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان کید الشیطان کان ضعیفا اور حدیث میں ہے فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے گراں ہے اس کسی نے خوب نظم کیا ہے۔ ؎

فان فقیھا واحدا متورعا ؛ اشد علی الشیطان من الف عابد

یہ اشدیت اس لئے ہے کہ شیطان شرارت ایک بات دل میں ڈالتا ہے اور بڑی مشکل سے اس پر جماتا ہے۔ مگر سالک کے بیان کرنے پر شیخ نے اس کی شرارت اور مکر کو سمجھ کر ظاہر کر دیا شیطان نے سر پیٹ لیا کہ اس کے منصوبوں پر پانی پھر گیا مگر جواب لوگ اس دقیقہ کو نہیں جانتے وہ اسی خلجان اور الجھن میں رہتے ہیں کہ نہ معلوم شیطان کیا نقصان پہونچا دے بات یہ ہے کہ اگر شیطان دشمنی کرے بھی اور ہے ہی دشمن مگر پھر علم صحیح اور توکل کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں کر سکتا، اسکی مثال ان کے مقابلہ میں خربوزہ کی سی ہے اور وہ حضرات چھری ہیں اگر خربوزہ کوشش کرکے چھری پر گرے تو خربوزہ ہی کا نقصان ہوگا اسی طرح اگر اہل اللہ کا دشمن بنے تو یہی خسارہ میں رہتا ہے اس لئے اس راہ میں قدم رکھنا بدون شیخ کامل کے جو اس کے فریبوں کو خوب جاننے والا ہے خطرہ سے خالی نہیں اسی کو مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

یار باید راہ را تنہا مرو ؛ بے قلاوز اندریں صحرا مرو

بدون شیخ کامل کے اس راہ میں قدم رکھنا ایسا ہے جیسا کہ بدون طبیب حاذق کے کوئی شخص اپنا

؎ یعنی حضرت شاہ صاحب کا علم تو کم تھا وہ عبادت زیادہ کرتے تھے ؎ تحقیق شیطان کا مکر ضعیف ہوتا ہے۔

؎ ایک متقی عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ گراں ہوتا ہے۔ ۱۲

علاج خود کرنا چاہے گو کتاب ہی دیکھ کر کرے کیونکہ کتاب کو طبیب ہی سمجھتا ہے۔

ملفوظ ۹۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یوں تو تعجیل بیعت میں بہت سے مفاسد ہیں ہی مگر بڑی بات یہ ہے کہ نفع موقوف ہے مناسبت پر اگر یہ نہیں کچھ بھی نہیں اور مناسبت کی تحقیق جلدی نہیں ہو سکتی البتہ تجربہ کی بنا پر میں دو شخصوں کو بیعت کرنے کیلئے کچھ انتظار نہیں کرتا ایک بیمار اور ایک عورت یہ دونوں قابل رحم اور قابل رعایت ہیں۔

ملفوظ ۹۲: اوپر ہی کے سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جنگ بلقان کے زمانہ میں جب اڈریا نوپل فتح ہو گیا ایک شخص جو نیم مولوی تھے اور خیر سے مجھ سے بیعت بھی تھے میں نے بیعت کے وقت مریض سمجھ کر جلدی قبول کر لیا تھا میرے پاس آئے اس سے پہلے ان کا ایک خط بھی آیا تھا اس میں لکھا تھا کہ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی عیسائیت کا حامی ہے کہ وہ غالب ہوتے جا رہے ہیں میں نے ڈانٹا کہ بیعت کے بعد تمہاری یہ حالت تو انہوں نے صاف کہا کہ مجھے تم سے کبھی مناسبت نہیں ہوئی اور بیعت تو اس امید پر کر لی تھی کہ اس کی برکت سے تندرست ہو جاؤں گا میں نے کہا کہ خیر ساری عمر میں ایک شخص سچا ملا میں اس سچ کی قدر کرتا ہوں اور چونکہ سچ کی جزا سچ ہے اس لئے میں بھی سچ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے پاس کبھی مت آنا چنانچہ وہ نہیں آئے یہ حالت ہو گئی ہے بیعت کی اور طلب کی اسی لئے مصالح یا سفارش سے بیعت کرنے کو میں پسند نہیں کرتا۔ ایک بار میرے پاس دو شخص آئے ایک مراد آباد کے اور ایک سنبھل کے سنبھل والے نے کچھ گڑبڑ کی تو میں نے ان سے کہا کہ جب تمہاری یہ حالت ہے تو تم آئے کیوں کہنے لگے انہوں نے یعنی مراد آباد والے نے ترغیب دی تھی۔ دریافت کرنے پر انہوں نے بھی اپنے جرم کا اقرار کیا میں نے اسی وقت دونوں کو نکال دیا۔ دیکھئے اگر ان کو محبت ہوتی تو پھر آتے نکال دینے سے ہوتا کیا ہے۔ طالب کو چین کہاں قرار کہاں۔ یہ ایسے ہی لوگ اس مثل کے مصداق کہ عشق سعدی تا بزانو واقعی بعضوں کا عشق گھنٹوں تک ہوتا ہے (اس کا قصہ مشہور ہے) پہلے بزرگوں نے بڑے بڑے امتحان لئے ہیں۔ میں تو کوئی بھی امتحان نہیں لیتا ہوں میں تو شروع ہی سے تعلیم دیتا ہوں امتحان نہیں کرتا البتہ اس تعلیم ہی میں بعض اوقات امتحان بھی ہو جاتا ہے۔

ملفوظ ۹۳: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں عنایت فرمائیں کی تو مجھ پر ہمیشہ ہی عنایتیں رہی ہیں یہ جواب ہی کا کیا کچھ کم چرچا ہوا تھا مگر خیر ہوا کرے ہوتا کیا ہے جس شخص کو حقیقت ہی نہیں معلوم ہو اس کی کیا شکایت اس خواب والے پر جو مصیبت گذری اسکی تو خبر نہیں بیٹھ گئے لعن وطعن کرنے خوب کہا ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی چیست ✿ حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

ؔ تیرے پیر میں کانٹا بھی نہیں چبھا تم ان شیروں کی حالت کیا خبر جو تلوار کے زخم کھاتے ہیں ۱۲ ۔۔

البتہ معترض سے یہ شکایت ضرور ہے کہ مدت تک تو کوئی کھٹک نہ ہوئی جب ایک معاند نے سوچ ساچ کر ایک اعتراض نکالا جب سب کو ہوش آیا اس واقعہ میں اگر کھٹک تھی تو اول ہی بار ہونی چاہیئے تھی یہ کیا کہ ایک مدت کے بعد ایک شخص کو توجہ ہوئی وہ بھی عناد سے تو کورانہ تقلید سے سب متوجہ ہو گئے میرے نزدیک تو اس خواب والے کی حالت شیطانی نہ تھی یہ میری رائے ہے گو واقع میں نہ ہو۔ میں واقع کی نفی نہیں کرتا مگر میرے نزدیک نہ تھی بلکہ محمود حالت تھی البتہ قصد و اختیار سے ایسے کلمات کہنا گو تاویل ہی سے ہوں بیشک ٹھیک نہیں اس سے عوام کو وحشت ہوتی ہے اور عوام کو تو کیا کہا جائے خواص ہی کو اس طریق سے کون سی مناسبت ہے۔ وہ بھی گڑبڑا جاتے ہیں اس لئے بہت احتیاط واجب ہے۔ مگر جب ایک شخص پر کسی کی حالت کا غلبہ ہی ہو تو اب کیا کیا جائے۔ جب وہ پوچھے گا تو جواب تو دیا ہی جائے گا مگر بدون مناسبت طریق اور مہارت فن کے ان جوابوں کا سمجھ میں آنا ضرور دشوار ہوتا ہے اس لئے معترض بھی معذور ہیں جب کہ وہ فن سے آشنا ہی نہیں۔

ملفوظ ۹۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض بات کسی موقع پر خوب ہی چسپاں ہو جاتی ہے ایک لڑکا تھا کانپور کے مدرسہ میں پڑھتا تھا نہایت سیاہ فام اور دانت اس کے نہایت سفید چمکتے ہوئے اور وہ ہنستا بہت تھا اور بلند آواز سے ہنستا تھا تو میں اس کو چھیڑا کرتا اور جب وہ ہنستا میں کہا کرتا کہ فیہ ظلمت و رعد و برق ظلمت تو اس کا رنگ اور رعد اسکے ہنسنے کی آواز برق دانت اور یہ تفسیر نہ تھی تشبیہ تھی اسی طرح یہاں ایک حافظ تھے نابینا نہایت ہی سیاہ فام مگر کپڑے نہایت سفید پہنا کرتے تھے۔ ایک بار میں اپنے ماموں صاحب کی ساتھ جا رہا تھا وہ حافظ صاحب سامنے آ گئے تو ماموں صاحب نے کہا کہ میاں دیکھو رات کو دن لگتے ہیں۔

ملفوظ ۹۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک رئیس تھے یہاں کے رہنے والے غدر سے پہلے انتقال ہو چکا ہے بائیس گاؤں کے زمیندار تھے مگر معاشرت نہایت سادہ تھی چنانچہ جاڑوں میں روئی کا انگرکھا روئی کا پاجامہ روئی کا ٹوپ۔ اور سخی بہت تھے۔ پھر فرمایا کہ کبھی سادگی کبر کی وجہ سے بھی ہوتی ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ بہت ہی متواضع ہیں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کبھی کبر بصورت تواضع بھی ہوتا ہے نفس بڑا ہی مکار ہے۔ بڑے ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ نفس سب کا مولوی ہے اپنی غرض کیلئے ایسی باتیں نکالتا ہے کہ بڑے سے بڑے عالم کو بھی نہیں سوجھ سکتیں۔ بالخصوص ان لکھوں پڑھوں کا نفس تو اور بھی زیادہ پڑھا جن ہوتا ہے۔

۲۱ / ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۹۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل علم کو تو جی یوں چاہتا ہے کہ اس طرح رہیں کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو کہ یہ کون ہیں۔ اپنے بزرگوں کو اسی طرز پر دیکھا ہے عوام میں ملے جلے رہتے تھے کوئی امتیازی شان نہ تھی۔ آج کل ایک امتیازی شان زیادہ چھپ رہنا بھی ہے۔ اس لئے اہل علم کیلئے یہ طرز بھی ناپسند ہے کہ ہر وقت خودداری کی حفاظت میں رہیں۔

ملفوظ ۹۷:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ خلاصہ اس تمام فن کا دو الفاظ میں ہے ایک یہ کہ افعال ضروری اور مقصود ہیں۔ دوسرا یہ کہ انفعالات غیر ضروری اور غیر مقصود ہیں یہ نہایت ہی کام کی بات ہے اور تمام فن اس میں حل ہو گیا۔ مگر فلاں مولوی صاحب ندوی جنہوں نے طریق کی تحقیق کیلئے مجھ سے کچھ خط و کتابت کی تھی اس کو سنکر خود طریق ہی سے گھبرا گئے اور لکھا کہ تمام مکاتبت سے معلوم ہوا کہ یہ فن بڑا مشکل ہے حالانکہ یہ خلاصہ کیا عین دلیل ہے اس کے سہل ہونے کی مگر پھر سہل کو مشکل سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ چاہتے ہیں کہ کچھ کرنا نہ پڑے ان کو مکاتبت سے یہ معلوم ہوا کہ اس میں کچھ کرنا بھی پڑیگا بس گھبرا گئے۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے بچہ دودھ بھی نہ پیئے جو نہایت سہل ہے اور یوں کہے کہ مجھ کو کچھ کرنا نہ پڑے۔ بلکہ دوسرا ہی کسی طرح دودھ پلا دے حالانکہ جس کو ملا ہے کوئی ہی ہے ملا ہے اور جہاں بدون کچھ کئے صورۃً کچھ ہو گیا ہے وہاں بھی پہلے کچھ کر لیا ہے تب ہی کچھ ملا ہے گو بعض جگہ کرنے والوں کو بھی حقیقت معلوم نہ ہوئی ہو جیسے ایک شخص نے عنت (نامردی) کی شرمندگی میں سنکھیا کھا لیا مقدار مہلک تھی مگر مزاج اسقدر بارد تھا کہ اس کا متحمل ہو گیا اور عورت پر قادر ہو گیا مگر ایسا شاذ و نادر ہے بعض کو شبہ ہو جاتا ہے کہ اکثر اہل علم کو جلد نفع ہوتا ہے گویا بے کئے ہی مقصود حاصل ہو جاتا ہے اس سے آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ بدون مجاہدہ کے کام ہو گیا مگر ایسا ہرگز نہیں وہ جو دس برس یا بیس برس تک کتاب کو سامنے رکھکر آنکھیں سینکتے رہے ہیں اور تمام تمام شب اور تمام تمام دن رٹتے رہے ہیں یہ کیا تھوڑا مجاہدہ ہے اسی مجاہدہ سے ان میں استعداد پیدا ہو گئی سو کام مجاہدہ ہی سے ہوا اول مجاہدہ ہوا پھر مقصود کی اہلیت و استعداد پیدا ہو گئی اور کسی کامل کی توجہ سے وہ مستقل اور راسخ ہو گئی باقی اگر نری توجہ سے کوئی کیفیت پیدا ہو گئی تو وہ بھی مستقل نہ ہو گی۔ ایک عارضی ہو گی جیسے جب تک لحاف میں رہے گرمی ہے باہر نکلے پھر وہی ٹھنڈے کے ٹھنڈے کیونکہ وہ گرمی عارضی بات تھی اور ایک گرمی

انڈے کا حلوہ کھانے سے ہوتی تھی سو یہ گرمی مستقل ہو گی سو نری توجہ کوئی چیز نہیں بلکہ اصل چیز تربیت ہے سو اس میں عمل کی تعلیم لازم ہے اور بدون تربیت و مجاہدہ کے انسان قطب اور غوث تو ہو سکتا ہے مگر مقصود حاصل نہیں ہو سکتا اور مجاہدہ بھی کوئی معین مدت کا نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ آدمی ساری عمر اسی اُدھیڑ بن میں لگا رہے اور یہ لگا رہنا ہی بڑی دولت بڑی نعمت ہے اسی کو فرماتے ہیں ۔ سے

اندریں رہ می تراش و می خراش ⁂ تا دم آخر دمے فارغ مباش

اور عشاق کی تو مجاہدہ دائمی میں یہی شان ہوتی ہے کہ ان کی ساری عمر رونے پیٹنے میں کٹتی ہے آنکھ سے یا دل سے جس سر چشمہ وہی عشق و محبت ہے اسی کو کسی نے خوب کہا ہے ۔

یا رب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں ⁂ یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

اور واقعی محبت ایسی ہی عجیب چیز ہے کہ اس کا ایک قطرہ آخیر میں دریا سے بھی بڑھ جاتا ہے اس عاشق کو اگر قطبیت ملتی ہے تو کہتا ہے کہ حضرت معاف فرمایئے اس لئے کہ عاشق کو ان چیزوں سے کیا تعلق اس کی تو شان یہ ہے ۔ سے

ھنیا لارباب النعیم نعیمھم .... وللعاشق المسکین ما تیجرع

بعض اہل ظاہر نے ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ سے استدلال کیا ہے ان مجاہدات اور ریاضات کی ممانعت پر کہ اس میں ہلاکت ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ مجاہدہ ہلاکت ہے اس لئے اس سے منع کرتے ہیں مگر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم اسی سے ترغیب مجاہدہ پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ عشاق کے نزدیک ترک مجاہدہ ہلاکت ہے اس لئے وہ ترک سے منع کرتے ہیں عجیب لطیف جواب ہے غرض کام کرنا ضروری ہے اگر اخلاص کی ساتھ پھر اگر کوئی ملامت کرے یا ریا وغیرہ کا شبہ کرے پروا نہ کرنا چاہیئے اس پر ایک لطیفہ یاد آیا ایک نقشبندی کی ایک چشتی سے گفتگو ہوئی نقشبندی نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ سب کو جہر کرتے ہو چشتی نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم ذکر خفی کرتے ہو مطلب نقشبندی کا اعتراض کرنا تھا کہ جہر میں ریا ر اظہار ہے حتیٰ کہ اس کی خبر ہم تک پہونچ گئی اور چشتی کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ تمہارے خفی کی بھی خبر ہم تک پہونچ گئی سو یہ بھی ریا ر ہے تو ہم اور تم اب میں دونوں برابر ہو گئے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو ذکر جہر کی تعلیم فرمائی اس نے عرض کیا حضرت اس میں ریا ر ہو جاویگی ذکر خفی کر لیا کروں فرمایا کہ جی ہاں اس میں ریا نہیں ہے

سے اے اللہ یہ محبت کیسا چشمہ ہے کہ میں نے ایک قطرہ اس کا پیا تھا اور آنکھوں سے رو رو کر دریا بہا دیئے ہیں ۱۲ -

سے راحت والوں کو ان کی راحت مبارک ہو - اور عاشق مسکین کے لئے وہ گھونٹ غم کے مبارک ہوں جو پی رہا ہے - ۱۲ - جو -

کہ گردن جھکا کر بیٹھ گئے چاہے سو ہی رہے ہوں مگر دیکھنے والا سمجھے کہ نہ معلوم عرش و کرسی کی سیر کر رہے ہیں یا لوح و قلم کی تو صاحب اظہار کا نام ریا نہیں ہے جب اظہار کا قصد ہو اس کا نام ریا ہے اور اگر ریا ایسی ہی سستی ہے تو اسلام کا اخفاء کیوں نہیں کرتے جو اصل جڑ ہے ایک نقشبندی درویش سے میری گفتگو ہوئی دو پہر کی طالب علمی کا زمانہ تھا لڑکپن تھا انہوں نے کہا کہ ذکر جہر میں ریاء ہے میں نے کہا کہ کیا اذان میں بھی ریا ہے چپ رہ گئے حالانکہ یہ جواب محض ایک طالب علمانہ جواب تھا کیونکہ اس کا مقصود تو بدون جہر کے حاصل ہی نہیں ہو سکتا یعنی اعلان وقت نماز مگر لڑکپن کا زمانہ ایسا ہی ہوتا ہے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اذان سے تو مقصود صرف وقت کا اعلان ہی ہے یا ذکر بھی ہے فرمایا کہ دونوں ہیں ذکر بھی اعلان بھی اور خیر یہ تفصیل و قال تو نکتے ہیں مگر جہر میں اصل مصلحت یہ ہے کہ خطرات نہ آویں اس لئے ہلکے ہلکے آواز سے ہو۔ تاکہ مقصود بھی حاصل ہو جاوے اور دوسروں کو بھی تکلیف نہ ہو قصد السبیل میں اس کی ضروری بحث بہت اچھی ہے اس کو دیکھ لیا جاوے۔

ملفوظ ۸۹۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے غیر مقلدین بڑے ہی بے ادب ہوتے ہیں ان میں بیباکی بہت بڑھتی ہوئی ہوتی ہے۔ بعضوں کو دیکھا بالکل روکھے روکھے ہر بات میں کھرا پن چہروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذرا ملاحت نہیں یہ تو ظاہری رنگ ہے اور باطنی رنگ یہ کہ فہم ہی عمق نہیں۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ میں ایک غیر مقلد عالم کی گفتگو ہوئی حضرت نے ان سے پوچھ لیا تھا کہ مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ ہے یا نہیں اس پر وہ نہایت خشکی سے کہنے لگے کہ مدینہ منورہ جانا کچھ فرض تو نہیں جس کا اتنا اہتمام کیا جائے حضرت نے فرمایا بیشک فتوے سے فرض تو نہیں مگر عشق و محبت کے رو سے تو فرض ہے پھر حضرت نے فرمایا معلوم بھی ہے کہ بناء ابراہیمی تو قبلہ ہو بناء داؤدی و سلیمانی قبلہ ہو اور حضور کی بناء قبلہ نہ ہو وہ ضرور قبلہ ہوتی مگر حضور کی شان عبدیت کے غلبہ سے حکمت الٰہیہ نے اس کو منظور نہیں فرمایا ورنہ سب قبلے منسوخ ہو کر حضور ہی کی بناء قبلہ ہوتی۔ اس پر کہنے لگے کہ خیر تو حضور کی بناء یعنی مسجد نبوی کی زیارت کے قصد سے جانے کی فضیلت مسلم ہے باقی قبر شریف کی زیارت کے قصد سے سفر نہ کرنا چاہیے حضرت نے فرمایا اس مسجد میں تو صرف حضور ہی کے طفیل سے ہے تو جس کی اصلی فضیلت ہو اس کا تو قصد جائز نہ ہو اور جس کی فضیلت فرعی ہو اس کا جائز ہو عجیب بات ہے۔ یہ مکالمہ طویل تھا میں نے مختصر نقل کیا ہے اخیر میں وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ زیارت قبر شریف کے متعلق ایک واقعہ یاد آ گیا ایک شخص نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سفر زیارت قبور کے متعلق سوال کیا تھا آپ نے کیسی عجیب سلامتی اور ادب کی بات فرمائی کہ اگر خود انسان احتیاط کرے تو کرے یعنی خود نہ جائے مگر منع کرنے میں دوسروں پر تشدد تو نہ کرنا چاہیے۔ ہمارے حضرات کے اعتدال کا یہ طرز تھا افسوس پھر ان حضرات کو بدعتی بدنام کرتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرتے ہیں اور بزرگوں

کے مخالف ہیں۔ استغفر اللہ ایسا الزام محض جہل اور بد دینی ہے جو بڑی بلا ہے۔ غرض افراط و تفریط سے دونوں طبقے خالی نہیں یعنی بد عتی اور غیر مقلد ین میں ایک مرتبہ قنوج گیا ہوا تھا ایک غیر مقلد نے میری دعوت کی میں نے قبول کر لی بعض احباب نے منع کیا کہ خلاف احتیاط ہے۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو ہمارے دین کا کیا نقصان ہے اس کا دین تباہ ہو گا۔ مقصود میرے اس کہنے کا یہ ہے کہ ہم تو بلا وجہ بد گمانی کسی کے طرف نہیں کرتے اور یہ ہماری طرف بلا دلیل بد گمانی اور بد زبانی دونوں کرتے ہیں یہ کونسے دین اور عقل کی بات ہے۔

ملفوظ ۹۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ زمانہ تحریک میں ایک لیڈر مولوی صاحب نے مجھ سے بذریعہ خط تحریکی مسائل پر گفتگو کرنے کیلئے آنے کی اجازت چاہی میں نے لکھا کہ گفتگو سے دو مقصود ہو سکتے ہیں۔ افادہ۔ یا استفادہ۔ اگر افادہ مقصود ہے تو وہ تبلیغ ہے اس میں میرا کام صرف استماع ہو گا۔ میرے ذمہ جواب نہ ہو گا جواب کا مطالبہ نہ کیجئے۔ اور استفادہ مقصود ہے تو استفادہ ہوتا ہے تردد کے بعد تو پہلے اپنے تردد کا اقرار کیجئے یعنی بذریعہ اشتہار اعلان کر دیجئے کہ مجھ کو اب تک تردد نہ تھا مگر اب ہو گیا جواب آیا جو چاہو سمجھو مگر مجھ کو آنے دو چنانچہ آئے اور خفیہ گفتگو کرنا چاہا میں نے بعض مصالح سے اس کو پسند نہ کیا آخر خالی واپس چلے گئے۔ ایک واقعہ ایک اسکول کے ماسٹر کا ہے انہوں نے بعض شبہات روافض کا جواب چاہا میں نے لکھا کہ زبانی گفتگو کر لو انہوں نے آنے پر رضامندی ظاہر کی اور ایک بیہودہ شرط لگائی کہ میں آپ کا کھانا نہ کھاؤں گا کیوں کہ میں اس سے آپ کا نمک خوار ہو جاؤں گا پھر گفتگو نہ کر سکوں گا۔ بعضے آدمی بڑے ہی بد فہم ہوتے ہیں چنانچہ میں اس پر راضی ہو گیا اور وہ خود ہی اس شرط سے دستبردار ہو گئے الحمد للہ شفا حاصل کر کے گئے چلتے وقت میں نے ان کو حق الیقین کی کتابیں دیکھنے سے منع کر دیا۔ ایک واقعہ ایک غیر مقلد کی گفتگو کا ہے بہت سی قیل و قال کے بعد آخر میں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں میں دو مرض ہیں۔ ایک بد گمانی ایک بد زبانی اگر یہ نہ ہو تو آدمی تحقیق کر کے اس کی سمجھ میں جو حق ہو بشرطیکہ نیت خراب نہ ہو اور اصول شریعت سے تجاوز نہ ہو اس پر عمل کرے اس کو کون برا کہتا ہے گو تقلید کے مسئلہ میں وہ اختلاف ہی رکھے مگر شیعوں کی طرح تبرائی بننا یہ کسی طرح دین نہیں اس تو صاف بد نیتی کا پتہ چلتا ہے یہ واقعہ قنوج کا ہے اور وہاں ہی کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ میں ایک مرتبہ قنوج گیا وہاں کچھ لوگ غیر مقلد بھی ہیں حنفی ان کو جامع مسجد میں آنے نہیں دیتے تھے سننے کیلئے آنا چاہتے تھے میں نے کہا کہ آنے دو اور آمین بالجہر کی بھی اجازت دیدو کیونکہ اگر طبیعتوں میں سلامتی ہو فساد نہ ہو تو اختلافی اعمال میں ہمارا حرج ہی کیا ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ اکثر امور میں فساد اور شر اور ضد کیجاتی ہے حتی کہ آمین بالجہر میں بھی نیت دوسروں کو مشتعل کرنے کی ہوتی ہے اسی لئے آمین بالجہر اس طرح چلاتے ہیں گویا آمین کی اذان دیتے ہیں جو کہیں منقول نہیں غرض جمعہ کے بعد احباب کے اصرار پر جامع مسجد

میں بیان کیا گیا اور اس میں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر احکام کا اتباع نہ کروگی تو تم کو نہ رکھیں گے اور یہ محض زیادتی جمع خرچ نہیں بلکہ اگر وہ تائب نہ ہوں اور احکام کا اتباع نہ کریں تو اسی سنت پر عمل کر دیں میں نے قصداً اس لئے کہا کہ معلوم ہوا کہ رسوم متعارفہ ان لوگوں کے گھروں میں ہیں تو مقصود میرا یہ تھا کہ آمین اور رفع یدین میں تو اتباع سنت کا دعوی ہے اور رسوم میں اس سنت پر عمل کیوں نہیں میں اس کی قدر کرتا ہوں کہ یہ سن کر اپنے گھر جاکر حنفیوں نے تو نہیں کہا مگر غیر مقلدوں نے جاکر بالاتفاق کہا عورتوں کے کان کھل گئے اور اصلاح ہوگئی۔ اسی سلسلہ میں ایک غیر مقلد کا واقعہ یاد آیا کہ ان کا میرے پاس خط آیا کہ میں غیر مقلد ہوں اور بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھا کہ یہ بتلاؤ کہ میری بھی تقلید کروگے یا نہیں۔ بس گم ہوگئے۔ کیونکہ ایک شق پر تو مقلد بنتے ہیں اور دوسری شق پر اعتراض ہوتا ہے کہ جب میرا کہنا نہ مانوگے تو بیعت کیسی اور اس لاجواب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان صاحبوں میں سمجھ نہیں ہوتی یوں ہی اوپر اوپر چلتے ہیں ورنہ اس کا جواب بہت آسان تھا یوں لکھتے کہ تمہاری تقلید کرونگا اور اس پر جو شبہ ہوتا کہ امام صاحب کی تقلید کرتے نہیں اور میری کروگے اس کا جواب یہ دیتے کہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید تو احکام میں کرتے ہیں اور تمہاری تقلید تدابیر میں ہوگی مثل طبیب جسمانی کے کہ اس کی بتلائی ہوئی تدابیر پر عمل کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی اجتہادی ہیں مگر احکام تو نہیں مگر یہ چیزیں ان کے ذہن میں کہاں آسکتی ہیں ایک نیچریوں کے مولوی صاحب سے علیگڈھ میں گفتگو ہوئی انہوں نے ایک حدیث کا راز پوچھا میں نے کہا احکام کے اسرار کی آخر غایت کیا ہے مقصود عمل ہے نہ کہ تحقیق اسرار گو اللہ کا شکر ہے کہ بزرگوں کی برکت سے بہت سی ایسی چیزیں بھی معلوم ہیں لیکن ہر چیز کے بتلانے پر میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ؎ ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

باقی اہل تحقیق اور ان کے غلام اس کی پروا نہیں کرتے کہ نہ بتلانے پر یہ کیا سمجھیں گے کہ ان کو کچھ آتا نہیں یا کچھ ہی سمجھا کریں ہاں کبھی کوئی وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے اسرار اور راز بھی بیان کر دیتے ہیں ورنہ اصل مسلک ان کا وہی ہے جس کو فرماتے ہیں ؎

با مدعی بگوئید اسرار عشق و مستی ؎ بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

اور کسی کے معتقد غیر معتقد ہونے کی ان کو پروا ہی کیسے ہوتی ان پر تو عشق و فنا اس قدر غالب

۱؎ راز کا پردہ سے باہر آنا خلاف مصلحت ہے ورنہ رندوں کی مجلس میں ہر چیز موجود ہے ۱۲ ۲؎ مدعی سے عشق و مستی کے اسرار بیان مت کرو اس کو اپنی خود پرستی کی مصیبت میں مرنے دو ۱۲ ✤ ۔

ہوتا ہے کہ اس ان حضرات کی شان ہی دوسری ہو جاتی ہے انکی ہر چیز اور ہر کام اور ہر بات میں اسی محبت اور عشق کی شان جھلکتی ہے انکی ہر ادا سے دوسرے ہی عالم کا پتہ چلتا ہے اور اس کے مصداق ہوتے ہیں ؎

عشق آن شعلہ ست کوچوں بر فروخت ٭ ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

گلزار ابراہیم میں اسی کا ترجمہ ہے ؎

عشق کی آتش ہے ایسی بد بلا ٭ دے سوا معشوق کے سب کو جلا

غرض انکی وہ حالت ہوتی ہے کہ سوائے ایک کے سب کو فنا کئے ہوئے ہوتے ہیں پھر ان کو کسی کے اعتقاد و عدم اعتقاد سے کیا بحث اس لئے بلا ضرورت وہ علوم کو ظاہر نہیں کرتے ورنہ ان کے علم کی تو یہ شان ہوتی ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء ٭ بے کتاب و بے معید و اوستا

اگر تم بھی ایسے اسرار معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس کا یہ طریق نہیں ہے کہ ان حضرات کو پریشان کرو اور وہ کچھ تبلا بھی دیں تو اس سے کفایت نہیں ہوتی بلکہ اس کا بھی صرف یہ ہی واحد طریق ہے جس طریق سے ان کو یہ دولت ملی یعنی خدا اور رسول کے احکام کا اتباع کرو خدا کے برگزیدہ بنو اور اس اتباع کا صحیح طریق بزرگوں سے معلوم کرو ان کی صحبت اختیار کرو اور صحبت تو بڑی چیز ہے ان کا تو چہرہ دیکھنے سے بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے اور یہی صحبت اس راہ کیلئے منزل مقصود کی اول سیڑھی ہے ان کا جلیس محروم نہیں رہتا اور اس کی برکت سے شبہات وغیرہ کافور ہوتے چلے جاتے ہیں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں ؎

اے لقاء تو جواب ہر سوال ٭ مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

مگر اس کے نافع ہونے کی ایک شرط بھی ہے وہ ضرور یاد رہے اور وہ اخلاص و اعتقاد کے ساتھ اتباع ہے اور اگر اتباع نہیں تو پھر محض صوری قرب کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص طبیب کے پاس بیٹھے مگر دوا نہ کرے اور کوئی سوال کرے کہ میاں طبیب کے دوست ہو کر بیمار رہتے ہو تو یہی جواب ہوگا کہ مرض کا ازالہ محض طبیب کے پاس بیٹھنے سے تھوڑا ہی ہو سکتا ہے اس کے پاس بیٹھنے سے تو نسخہ معلوم ہو جائیگا اور وہ بھی اس وقت جب کہ تم ان کے سامنے پہونچ کر اپنا سب حال کہو۔ باقی صحت تو نسخہ کے استعمال سے ہوگی اسی استعمال نسخہ کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

؎ تم اپنے اندر بغیر کسی مددگار اور کتاب اور استاد کے انبیاء علیہم السلام کے علوم پاؤ گے ۱۲ ؎ وہ ذات جس کی ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہے اور تجھ سے ہر مشکل بغیر قیل و قال کے حل ہو جاتی ہے ۱۲

بیت قال را بگذار مرد حال شو ٭ پیش مردے کاملے پامال شو

ملفوظ :- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل کے نیچری اور لیڈر اکثر عقل سے کورے ہیں جب عقل صحیح ہی نہیں پھر اسی عقل میں احکام اسلام کیسے آویں عقل ہو تو بقدر ضرورت آویں بھی اجمالاً یا تفصیلاً پھر نماز نہیں، روزہ نہیں، زہد نہیں، تقویٰ نہیں ان اعمال سے بھی عقل میں نور پیدا ہوتا ہے اسپر احکام شرعیہ پر شبہ کہ ہماری عقل میں نہیں آتے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی اندھا کہے کہ ہم کو تو یہ نظر نہیں آتا کہ یہ چیز سفید ہے یا سرخ تو اس پر یہ ہی کہا جاوے گا کہ اگر نگاہ ہو تو نظر آوے جب نگاہ ہی نہیں تو نظر کیسے آوے اسی طرح یہاں بھی جواب دیا جاوے گا کہ عقل ہو تو کچھ عقل میں آوے جیسے اگر مشکیزہ یا پیالہ ہو تو اس میں پانی آوے اور جب ہی نہ ہوں تو پانی کس چیز میں آوے قصور تو اپنا اور الزام اور اعتراض احکام اسلام پر جیسے ایک حبشی سفر میں چلا جا رہا تھا دیکھا کہ راستہ میں ایک آئینہ پڑا ہے اسکو اٹھا کر جو دیکھا تو اس میں ایک کالی بھیانک صورت موٹے موٹے ہونٹ بھدی اور بیٹھی ہوئی ناک عجیب ایک بدصورت بدشکل نظر آئی اس آئینہ کو دور پھینک کر مارا اور کہا کہ اگر ایسا بدصورت اور بدشکل نہ ہوتا تو تجھ کو یہاں کون پھینک جاتا اب بتلایئے کہ کیا یہ آئینہ کا قصور تھا اس میں کونسی ایسی چیز تھی کہ جس پر یہ الزام اور اعتراض کیا۔ جناب ہی کی صورت تھی جس کے یہ اوصاف خود ہی بیان کیئے اسی طرح احکام شریعت تو آئینہ ہیں اور بالکل بے غبار اور صاف شفاف صیقل شدہ ان میں کونسا نقص ہے سب نقص جناب ہی کے اندر ہیں۔ دوسری مثال غلط بینی کی اور سنیئے اکثر دیکھا ہوگا کہ جب اسٹیشن پر دو گاڑیوں کا میل ہوتا ہے تو ایک پہلے چھوڑی جاتی ہے تو بعض اوقات جو گاڑی کھڑی ہے اس کے مسافروں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چل رہی ہے اور چلنے والی گاڑی کھڑی ہے۔ تو چل تو رہا ہے اپنا دماغ اور دیوانے خود ہیں عقل اپنے اندر نہیں بدفہمی کوٹ کوٹ کر اپنے اندر بھری ہوئی ہے اور عیب ناک سمجھتے ہیں دوسروں کو۔ ایک تیسری مثال سنیئے مثلاً ایک شخص کہے کہ تمام زمین آسمان گھوم رہے ہیں تمام درخت اور سڑک اور مکانات حرکت میں ہیں اس سے کہا جاویگا بھائی تمہارا سر گھوم رہا ہے چکر تمہارے دماغ میں ہے تمہارا دماغ خراب ہو رہا ہے اس پر وہ کہے کہ غضب ہے کہ تم میرے مشاہدہ کی تکذیب کرتے ہو اس پر حقیقت شناس کہیگا کہ تیرے مشاہدہ کی تکذیب نہیں مشاہدہ تیرا صحیح ہے مگر مشاہدہ کا آلہ ماؤف ہے تو جناب حقیقت کے عدم انکشاف پر انسان کچھ سے کچھ سمجھنے لگتا ہے اور حقیقت سے دور جا پڑتا ہے یہ تو یہی حالت آجکل کے عقلاء کی ہے پھر اس پر دعویٰ ہے کہ ہم قوم کی کشتی کے ناخدا ہیں ایسوں ہی کی بدولت مسلمانوں کو نقصان پہونچ رہا ہے ہر روز ایک نیا لباس بدل کر پلیٹ فارموں اور ممبروں پر آ کھڑے ہوتے ہیں ہر روز ایک نئی قسم کا لیکچر ہوتا ہے ہر روز ایک نیا ترانہ اور نیا نغمہ سناتے ہیں جس میں ترقی کے

لئے بہت کچھ زور لگا چکے ہیں اور لگا رہے ہیں اور لگاویں گے مگر مسلمانوں کا بجائے ترقی کے تنزل ہی کی طرف رخ جا رہا ہے میں کہتا ہوں کہ اگر مقصود ترقی ہے اور چاہتے ہو کہ قوم کی فلاح اور بہبود کا سامان ہو اور اسی کے لئے تم یہ سب کچھ کر رہے ہو تو عقل کے دشمنوں جیسے تم یہ مخترع تدابیر اختیار کر رہے ہو اور تجربہ سے غلط ثابت ہو رہی ہیں آخر خدا اور رسول کی بتلائی ہوئی تدابیر سے تم کو کیوں ضد اور نفرت ہے اور ان کو کیوں اختیار نہیں کرتے۔ چند روز کے لئے ان کو بھی تو باعتقاد دین نہیں بلکہ تدابیر ہی کا درجہ سمجھ کر اختیار کر کے تو دیکھو یعنی اگر اس خیال سے اختیار کرنے کی ہمت نہ ہو کہ ان کا دین میں کیا درجہ ہے اور اس پر خدا اور رسول کی خوشنودی ہو گی تو محض بطور امتحان ہی کے کر کے دیکھ لو۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش ✿ آزموں را یک زمانے خاک باش

بہت دن بتوں کی پرستش کرتے ہوئے ہو گئے سوائے ذلت اور خواری کے کچھ پلے نہ پڑا اب ذرا خدا کو راضی کر کے اور ان کے سامنے ناک ماتھا رگڑ کر دیکھو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ چند روز میں کایا پلٹ ہو جائے گی اسی کی تعلیم ہے ؎

چند خوانی حکمت یونانیاں ✿ حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بات تحقیق کو پہونچ چکی ہے کہ بدون مشروع تدابیر کے اختیار کئے ہوئے مسلمانوں کی فلاح اور بہبود مشکل بلکہ محال ہے اور یہ میرا دعوی بلا دلیل نہیں اور دلیل بھی ایسی کہ جس کا تم مشاہدہ کر رہے ہو کہ اس وقت تک غیر مشروع تدابیر اختیار کرنے پر تم کو ناکامی ہی ناکامی رہی بھلا غیر مشروع تدابیر میں خیر و برکت کہاں کیوں کہ سب اسباب تو انھیں کے قبضہ قدرت میں ہیں بدون ان کی مشیت کے نری تدابیر و اسباب سے ہوتا کیا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

خاک[1] و باد و آب و آتش بندہ اند ✿ با من و تو مردہ با حق زندہ اند

اور ان کی مشیت اہل ایمان کے لئے عادۃً بدون رضا کے ہوتی نہیں پھر کامیابی کہاں اگر تم نے یہ طریقہ اختیار نہ کیا تو تمہاری ان تدابیر غیر مشروع پر یہ حالت ہو گی کہ بجائے کسی بہبود اور فلاح کے خسارہ ہی خسارہ ہو گا۔ پس ترقی کی تدابیر بھی اہل دین ہی سے حاصل کرو وہی تمہارے سچے خیر خواہ ہیں اور اگر ان سے حاصل نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ ابھی تمہاری فلاح اور بہبود کے دن نہیں آئے اور تدابیر کے معلق بالمشیۃ ہونے کے ہزاروں واقعات ہیں کہ قاعدے سے تدابیر صحیح مگر اثر کا ترتب ندارد مولانا نے مثنوی میں پہلی حکایت میں اسی کا بیان فرمایا ہے کہ اگرا ۔ بادشاہ ایک کنیزک پر عاشق تھا وہ

---

[1] خاک ہوا۔ پانی آگ سب خدا کے بندے ہیں ہمارے تمہارے سامنے مردہ ہیں مگر حق تعالیٰ کے سامنے زندہ ہیں ۱۲

بیمار ہوئی بادشاہ نے اپنی قلمرو کے تمام طبیبوں کو جمع کر لیا اور یہ کہا کہ اگر میری محبوبہ صحت یاب ہو گئی تو میری بھی زندگی ہے ورنہ میری بھی موت ہے۔ اس پر تمام اطبا اور ڈاکٹروں نے بالاتفاق عرض کیا جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

جملہ گفتندش کہ جانبازی کنیم ✤ فہم گرد آریم انبازی کنیم
ہر یکے از ما مسیح عالمے ست ✤ ہر الم را در کف ما مرہمے ست

مولانا ان کی مادہ پرستی کو بیان فرماتے ہیں ؎

گر خدا خواہد نہ گفتند از بطر ✤ پس خدا بنمودشاں عجز بشر

اور اس پر جو نتیجہ ہوا اس کو فرماتے ہیں ؎

ہر چہ کردند از علاج واز دوا ✤ رنج افزوں گشت و حاجت ناروا
شربت وادویہ و اسباب او ✤ از طبیباں بر دیکسر آبرو
از قضا سر کنگبیں صفرا فزود ✤ روغن بادام خشکی می نمود

یعنی نفع کچھ نہ ہوا اور مرض میں ترقی ہی ہوتی رہی اسما کے بعد بیان فرمایا ہے کہ کوئی بزرگ بابرکت تشریف لائے اور انہوں نے الہامی تدبیر کی اور کامیابی ہو گئی۔ غرض تدابیر کی تاثیر موقوف ہے مشیت پر اور مشیت مسلمانوں کیلئے موقوف ہے رضا پر اس لئے کہتا ہوں کہ بدون حق جل علی شانہٗ کو راضی کئے ہوئے اور مشروع تدابیر کو اختیار کئے ہوئے مسلمانوں کو فلاح اور بہبود میسر ہونا محال ہے اس کا صرف ایک ہی علاج ہے جو میں تم کو بتلا چکا کہ اللہ اور رسول کو راضی کرنے کی فکر اور مشروع تدابیر کو اختیار کرو اپنے دوست دشمن کو پہچانو سلیقہ اور طریقہ سے کام کرو اور جو کام بھی کرو متحد ہو کر کرو ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے اپنے کو چھوٹا سمجھے اور یہ چھوٹا سمجھنا ہی صورت اتفاق ہے اور آج کل کی یہ ساری خرابیاں بڑے بننے کی ہیں اور یہ سب ضروری تفصیل ہے تدابیر مشروعہ کی ان کو اختیار کرو پھر انشاء اللہ تعالیٰ فتح اور نصرت تمہاری لونڈی غلام بنکر تمہارے ساتھ ہو گی۔ کیا تم نے اپنے سلف کے کارنامے نہیں سنے کہ مادیات کا ان کے پاس نام و نشان نہ تھا ہر طرح کی بے سروسامانی تھی مگر بڑے بڑے قیصر اور کسریٰ اور بڑی بڑی جماعتیں منظم غیر مسلم اقوام کی ان سے لرزاں اور ترساں

؎ سب نے کہا کہ ہم باہم مشورہ کر کے اور خوب سوچ سمجھ کر کوشش کرتے ہیں ہم کا ہر ایک مسیح العالم ہے ہر بیماری کی ہمارے ہاتھ میں دوا ہے ؏ ان طبیبوں نے انشاء اللہ۔ بوجہ تکبر کے نہیں کہا۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے ان کا عاجز ہونا دکھلا دیا ۱۲ ؏ جس قدر علاج اور دوا کی تکلیف بڑھتی رہی اور صحت نہ ہوئی دوائیں اور ان کے اسباب سب ہی جمع کر دیئے مگر طبیبوں کی آبرو بالکل جاتی رہی حکم الٰہی سے سرکہ آنکھیں صفرا کو بڑھاتی تھی اور روغن بادام سے خشکی بڑھتی تھی ۱۲ ۔۔۔

تھیں آخر کیا چیز ان کے پاس تھی وہ صرف ایک ہی چیز تھی جس کا نام تعلق مع اللہ ہے ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق تھا۔ بس اسی کی برکت تھی۔ ہمارے اندر اسی کی کمی ہے اس لئے ذلیل اور خوار ہیں حق تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں کہ صحیح طریق پر چلیں اور دارین کی فلاح پر فائز ہوں۔

ملفوظ ۱۰۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جیسے آجکل مدعی بیدار مغزی کے ہیں اور ملانوں کو حقیر سمجھتے ہیں پہلے بھی ایسے گذر چکے ہیں۔ ایک بادشاہ کی حکایت ہے کہ اسکا وزیر سے اس مسئلہ میں اختلاف رہا کرتا تھا۔ کہ ملانے عاقل ہوتے ہیں یا بے عقل۔ بادشاہ ان کا معتقد تھا ایک دن بادشاہ حوض پر بیٹھے ہوئے تھے دیکھا کہ ایک طرف سے ایک خستہ حال شکستہ بال طالب علم بغل میں کتابیں دبائے آرہے ہیں بادشاہ امتحان کیلئے اس طالب علم کو بلایا اور وزیر سے سوال کیا کہ میاں وزیر یہ بتلاؤ کہ اس حوض میں کے کٹورے پانی آسکتا ہے عرض کیا کہ حضور کٹورہ کو ناپ ناپ کر پانی حوض میں بھرا جائے تب شمار میں آسکتا ہے کہ کتنے کٹورے حوض میں آسکتا ہے بادشاہ نے طالب علم سے کہا کہ مولوی صاحب آپ یہ بتلاسکتے ہیں کہ اس حوض میں کے کٹورے پانی آسکتا ہے اس طالب علم نے فی الفور جواب دیا کہ یہ سوال ہی مہمل ہے اول تعیین چاہئے کہ کٹورا کتنا بڑا ہے اگر وہ حوض کے برابر ہے تو ایک کٹورا پانی آویگا۔ اور نصف ہے تو دو کٹورے اسی طرح سے نسبت سے حساب لگا لیجئے۔ تب بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ دیکھی بیدار مغزی۔ ایک آپ کا جواب ہے ناکافی۔ طالب علم نے ایک مختصر جواب میں سب جھگڑا ختم کردیا۔ بتلاؤ زیادہ عاقل کون ہے۔ ان مدعیوں کو یہ دھوکہ اس لئے ہو جاتا ہے کہ تجربہ اور عقل کو ایک سمجھتے ہیں خود یہی بڑی غلطی ہے جس میں ان کو ابتلاء ہو رہا ہے حالانکہ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ تجربہ اور چیز ہے۔ عقل اور چیز ہے۔ تو ان ملانوں کو چونکہ تجربہ کے کاموں سے سابقہ نہیں پڑتا اس لئے ان کو تجربہ نہیں ہوتا اور ویسے کامل العقل ہوتے ہیں۔ ایک بڑی دلیل ان کے عاقل ہونے کی یہ ہے کہ یہ بات عقل ہی کی تو ہے کہ انجام اور آخرت کی فکر ہے اور وہ عقل جس کو آج کل کے بیدار مغز عقل کہتے ہیں اس سے بیشک ان صاحبوں کو بعد ہے مگر وہ واقع میں بعد ہی کی قابل بھی ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را ۔ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ایسی عقل سے تو یہ دیوانگی ہی مبارک ہے اس لئے کہ جو اپنے محبوب کے راستہ میں سد راہ ہو اس سے زیادہ مبغوض اور منحوس اور کیا چیز ہوگی۔ کسی عاشق سے یہ چھوا اسی کو نقل فرماتے ہیں۔ ؎

بازدیوانہ شدم من اے حبیب ۔ باز سودائی شدم من اے طبیب

اور فرماتے ہیں۔ ؎

اوستِ دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد ؎ مرعسس را دید و درخانہ نہ شد

تو ان مدعیوں کا مبلغ پرواز محض تجربہ اور فیشن ہے۔ یہ تجربہ کو اور کوٹ پتلون کا پہن لینے کو عقل سمجھتے ہیں تو یہ تو کوئی عقل کی بات نہیں البتہ اس کو اکل کہہ سکتے ہیں ایسے لوگ عاقل کہلائے جانے کے قابل نہیں البتہ آکل ہیں کہ ہر وقت پیٹ بھرنے کی فکر ہی کا غلبہ رہتا ہے پھر اس پر دوسروں پر بے عقلی کا الزام۔

ملفوظ ۱۰۲- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل زمانہ نہایت ہی پُر فتن ہے اس میں تو لوگوں کے ایمان کے لالے پڑے ہوئے ہیں چہار طرف سے بددین ملحد زندیق بنانے کی سعی اور کوشش کی جا رہی ہے اسی لیے بزرگوں کی صحبت کی سخت ضرورت ہے اور اس موجودہ زمانہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے میں تو خاصان حق کی صحبت کے فرض عین ہونے کا فتویٰ دیتا ہوں ان کے ساتھ وابستہ رہنے سے لوگ اپنے ایمانوں کو سلامت تو رکھ سکیں گے تو جو چیز شرط ہو دین اور ایمان کی حفاظت کی اس کے فرض عین ہونے میں کیا کسی کو شبہ ہو سکتا ہے۔

ملفوظ ۱۰۳- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب کوئی کام بے قاعدہ اور بے اصول کیا جائیگا اس کا انجام بجائے کسی منفعت اور نفع کے ضرر ہی ہو گا۔ آج کل اسی کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ عوام بھی قرآن کا ترجمہ خود دیکھتے ہیں کسی استاد سے نہیں پڑھتے پھر اس میں فن نہ جاننے کیوجہ سے اگر شبہات پیدا ہوتے ہیں تو ان کو کسی جاننے والے سے پوچھتے بھی نہیں اس وہ شبہات ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور اچھے خاصے ملحد ہو جاتے ہیں ان سے کوئی یہ تو پوچھے کہ انگریزی جاننے کے واسطے کیوں استاد تلاش کرتے ہو اور کیوں برسوں وقت ضائع کرتے ہو۔ زبان میں مناسبت پیدا کرنے کیلئے تو صرف چھ ماہ کافی ہیں اور زیادہ سے زیادہ ایک سال رکھلو یہ دس دس برس کیوں کالجوں اور اسکولوں میں دماغ مارتے ہو تو پھر قرآن شریف کے واسطے استاد اور وقت کی ضرورت کیوں نہیں۔ اس میں اور اس میں فرق کی کیا وجہ ہے مشاہدہ شاہد ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ گو اردو ہی میں ہو خود دیکھنا اور کسی استاد سے سبقاً سبقاً نہ پڑھنا بجائے ہدایت کے سبب گمراہی کا ہو جاتا ہے دیکھیے اردو میں تو اقلیدس چھپا ہے اس کی شکلوں وغیرہ کو بدون اسکے ماہر استاد کے کیوں نہیں سمجھ لیا جاتا یقینی بات

حاشیہ صفحہ ۷۳ کا مدہ میں عقل و دور اندیشی کو آزمانے کے بعد دیوانہ بنا ہوں ۱۲ ج ۲ حاشیہ صفحہ ہذا مدہ میں (عقل کا تجربہ کرنے کے بعد اے محبوب پھر تیرا) دیوانہ بن گیا ہوں۔ اور اے طبیب میں پھر (اسی محبوب کا) سودائی ہو گیا ہوں ۱۲ اسے میرے خیال میں) جو (محبوب کا دیوانہ نہیں بنا (حقیقت میں) وہی پاگل ہے (اس کی ایسی مثال ہے کہ کوتوال کو آتے دیکھا اور پھر بھی اس سے بچنے کی کوشش نہیں کی۔ ۱۲ ج ..

ہے کہ بدون استاد اور ماہر فن کے تو ہمیشہ غلطیاں ہی کریگا۔ جیسے ایک شخص نے اس شعر کا لفظی ترجمہ دیکھ کر اجتہاد بگھارا تھا۔ ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ٭ در پریشاں حالی و درماندگی

اس شخص کو ایک جگہ ایک دوست کسی دوسرے شخص سے لڑتا ہوا ملا جو بقدر قدرت انتقام بھی لے رہا تھا۔ یہ جو ہو پہنچے انہوں نے جا کر دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے بس اس احمق کی بدولت اس غریب کی خوب کافی مرمت ہوئی اور خوب زدوکوب کیا گیا۔ بعد میں اس دوست نے دریافت کیا کہ جناب یہ کیا حرکت تھی تو فرماتے ہیں کہ شیخ سعدیؒ جیسا تجربہ کار بزرگ اور دانشمند فرما گیا ہے ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ٭ در پریشاں حالی و درماندگی

غنیمت ہے دست کا ترجمہ ہاتھ ہی سمجھا کہیں دیکھ لیا ہوگا ورنہ دوست کا پاخانہ ہی اٹھا کر لایا کرتا بس یہی حالت آج کل کے مدعیوں کی ہے جو قرآن کا ترجمہ دیکھ کر خود اجتہاد کرتے ہیں وہ اجتہاد اس شعر کے سمجھنے والے سے کم نہیں ایسوں ہی کی بدولت یہ دین کی گت بنی ہے ان کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک بڑھیا کے گھر میں شاہی باز اگرا لمبی چونچ زخم کھائے ہوئے اور بڑے بڑے پنجے دیکھ کر کہنے لگی کہ ہے یہ کس طرح کھاتا ہوگا کیسے چلتا ہوگا چونچ اور پنجے کاٹ ڈالے بیچارہ اپاہج ہو کر رہ گیا تو جس طرح اس بڑھیا بدفہم بدعقل نے اس باز کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کی تھی ایسی ہی ان لوگوں کی خیر خواہی اور ہمدردی اسلام کے ساتھ ہے اگر ایسے ہی مجتہد اور عقلاء رہوں گے تو بس دین کا اللہ ہی حافظ ہے۔ اس کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا ٭ کار طفلاں تمام خواہد شد

(گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند ٭ ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند)

ملفوظ ۱۰۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل ایک مرض تو ان جدید تعلیم یافتوں میں خاص طور سے پھیل گیا ہے وہ یہ کہ احکام کی لِم اور اسرار معلوم کرنے کیلئے ہر وقت پیچھے پڑے رہتے ہیں جس کا منشاء یا حاصل احکام کا اتباع چھوڑ کر اپنی رائے اور عقل کا اتباع ہے اگر کوئی حکم عقل میں آگیا اور رائے کے موافق ہوا تو وہ بھی عمل کے درجہ میں نہیں بلکہ تسلیم کے درجہ میں قبول کر لیا ورنہ صاف انکار۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ احکام کے اسرار اور لِم معلوم کرنا مرادف ہے انکار نبوت کا یعنی یہ شخص نبی کی طرف سے احکام کا اتباع کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنی عقل اور رائے کا اتباع کرتا ہے بڑے کام کی بات فرمائی حقیقت یہی ہے جو مجدد صاحب نے فرمائی اور آج کل تو بہت لوگوں نے اپنی اس عقل اور رائے کو بھی ایک طاغوت (گاندھی) کی رائے میں فنا کر دیا اب تو اسی کے اتباع کو

؎ دوست وہی ہے جو دوست کی پریشان حالی اور عاجز ہونے کے وقت دستگیری اور امداد کرے ۱۲ ب۔

باعث فلاح اور بہبود سمجھتے ہیں اللہ اور رسول کے احکام قرآن و حدیث کو بھی اسی کی رائے کیموافق ہونے پر تسلیم کرتے ہیں آپ ہی بتلائیں کہ کہاں تک خاموشی اختیار کی جاسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو فرمائیں وہ قابل عمل نہ ہو اور اس کو اس وقت تک تسلیم نہ کیا جائے جبتک کہ اسکے اسرار اور لم اور مصالح نہ معلوم ہو جائیں یا کوئی طاغوت اس کی موافقت نہ کرے اور وہ طاغوت جو بھی زبان سے بک دے وہ بلا چون و چرا قابل عمل قابل تسلیم ہو جاوے اور غضب یہ ہے کہ اس کے زبان سے نکلے ہوئے مضمون کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کریں اور افسوس تو یہ ہے کہ اس مرض میں بعض مولوی بھی مبتلا ہو گئے جنکو اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت میسر نہیں ہوئی یا اگر میسر ہوئی تو کبھی انہوں نے اپنی اصلاح کی فکر نہیں کی اور ویسے مولانا مقتدانا شیخ المشائخ سب کچھ ہیں مگر یہ سب ظاہری ہی ٹیپ ٹاپ ہے دل میں کچھ اور ہی بھرا ہوا ہے اسی کو ایک حکیم فرماتے ہیں ؎

از بروں چوں گور کافر پر خلل ✤ واندروں قہر خدائے عز و جل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید ✤ وز درونت ننگ می دارد یزید

دراصل بات وہی ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ بدوں کسی کامل کی صحبت میں بیٹھے ہوئے اور بدوں جوتیاں کھائے ہوئے انسانیت نہیں پیدا ہوتی نہ قلب میں دین راسخ ہوتا ہے جو لوگ اس سے محروم ہیں ایسے لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں گھڑی میں کچھ گھڑی میں کچھ جیسا دیکھا ویسا ہی گانا بجانا شروع کر دیا اب اس بدفہمی اور بدعقلی کی کوئی انتہا ہے کہ جو شخص توحید اور رسالت کا منکر ہو وہ مسلمانوں کا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھا جاوے کون عاقل اس کو تسلیم کر سکتا ہے۔ پھر سمجھانے والوں کو الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اب بتلاؤ کون دشمن ہے طاغوت کا ماننے والا یا نہ ماننے والا کہتے ہیں کہ وہ طاغوت بڑا عاقل ہے کچھ خبر بھی ہے اگر وہ عاقل ہوتا تو سب سے پہلے آخرت کی فکر ہوتی یعنی ایمان لاتا اور اگر چالاکی کے معنی عقل ہے تو شیطان اس سے زیادہ عاقل ہے اس چالاکی کی بدولت دنیا کا اکثر حصہ اس کے اتباع میں مصروف ہے تو میں ایسے عقلاء کو کہتا ہوں کہ عاقل نہیں آکل ہیں عقل سے ان لوگوں کو کیا تعلق البتہ اکل کے امام ہیں ہر وقت پیٹ کے دھندے میں لگے ہوئے ہیں جیسے اکثر ہنود ہر وقت سود سٹے کی ہی فکریں رہتے ہیں جس کی حقیقت دنیا ہے اور دنیا بھی ایسی کہ دوسروں کی دنیا کو تباہ کر کے اپنی دنیا بناتے ہیں اسی لئے ان کو تو تم بھی عاقل نہیں کہتے بلکہ برا بھلا کہتے ہو اس لئے کہ جب ایک کے دو یا تین یا چار روپئے پڑتے ہیں تو جھلاتے ہو اور کہتے ہو کہ انہوں نے مسلمانوں کی مالی حالت تباہ اور برباد کر دی تو جو شخص ملک کا خواستگار ہو جو میزان اکل ہے دنیا کی اس کو عاقل کیسے کہتے ہو۔ جب دو چار روپیہ سود سٹے میں کمانے والے کو عاقل نہیں کہتے تو جو شخص لاکھ

دو لاکھ روپیہ یا ایک صوبہ یا ملک کی فکر میں ہو اس کو عاقل کیسے کہتے ہو اتنی موٹی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی آخر مطلوب تو دونوں کا دنیا ہے تو دونوں میں فرق کیا ہے ایک عاقل کیوں ہے اور دوسرا عاقل کیوں نہیں آگے اس سے ترقی کر کے کہتا ہوں کہ یہ صرف ہمارا ہی دعویٰ نہیں ہے ان دنیا داروں کے غیر عاقل ہونے کا بلکہ ان کا خود بھی اقرار ہے چنانچہ ان اہل دنیا کا اپنے لئے خود مسلّمہ مقولہ ہے جو اکثر زبان زد ہے کہ سو روپیہ میں ایک بوتل کا نشہ ہوتا ہے اور نشہ کی خاصیت ہے کہ عقل کو زائل کر دیتا ہے تو یہ مسئلہ تمہارا تسلیم کردہ ہے تم خود اقراری مجرم ہو تو اگر کسی شخص کے پاس ایک ہزار روپیہ ہو تو اس میں دس بوتلوں کا نشہ ہو گا۔ تو دس بوتل کے نشہ کے بعد عقل کہاں غرض جب بقول تمہارے ہی مہاجن یا ساہوکار دو چار روپیہ تم سے اینٹھنے کی فکر میں ہو اور مال کا تم کو نقصان پہونچائے وہ کم عقل اور تمہارا دشمن اور جو سارے ملک پر قبضہ کرنا چاہیے اور تمہارے ایمان کو برباد کرنے کی فکر میں ہو وہ عاقل اور ہمدرد اور خیر خواہ دو چار روپیہ میں اور ملک میں جو نسبت ہے اسی نسبت سے اس کو کم عقل بلکہ اور اس سے آگے سمجھنا چاہیئے یعنی بدفہم بد عقل بدنیت بد دین وہ کیا مسلمانوں اور اسلام کا خیر خواہ ہو سکتا ہے جب تم خود اپنے دشمن ہو تو وہ کیا تمہارا دوست ہو گا بنائی ہوئی بات اور رنگی ہوئی داڑھی کہیں چھپتی ہے بڑے بڑے لیڈر مسلمانوں نے کیا کچھ اس طاغوت کے ساتھ نہیں کیا حتیٰ کے مقولے تو ایسے مشہور ہیں کہ ان سے تو کفر تک کی جھلک مارتی ہے۔ اللہ معاف کریں۔ مگر ان میں بعض نے آخر ساتھ چھوڑ دیا جب کہ اس کے اندرونی جذبات ان کو معلوم ہو گئے کہ یہ تو جانی دشمن ہے اسلام اور مسلمانوں کا یہ خیر یہ بھی غنیمت ہے اور سلامتی طبع کی دلیل ہے کہ یہ معلوم ہونے پر تو انہوں نے ساتھ چھوڑ دیا ورنہ ابھی تک ایسے بد عقل اور فاسد دماغ کے بھی لوگ مسلمانوں میں موجود ہیں کہ اس کو خیر خواہ اور ہمدرد ہی سمجھتے ہیں مسلمانو! عقل سے کام لو اپنے دوست اور دشمن کو پہچانو ورنہ پچھتاؤ گے اور اب بھی پچھتا رہے ہو اس لئے کہ جو کچھ نقصان دنیا کا پہونچا وہ تو پہونچا ہی مگر ہزاروں مسلمانوں کے ایمان اس فتنہ کے زمانہ میں تباہ اور برباد ہو گئے۔ جو مصداق ہو گئے خسر الدنیا و الآخرۃ کے توبہ کرو اور اگر کفریہ کلمات نکل گئے ہیں پھر تجدید ایمان کرو اور اپنے اللہ کی یاد کرو اور جو کچھ اپنی حاجتیں اور ضرورتیں ہیں ان کے ہی سامنے پیش کرو اسی ہی دربار سے فیصل ہو گا وہی تم کو سب کچھ عطا فرما دیں گے ایسا کر کے تو دیکھو اگر اعتقاد سے نہیں تو بطور امتحان ہی سہی بت پرستی تو کر کے دیکھ لی ہزاروں کو خدا بنا کر دیکھ لیا۔ اب ذرا اس طرف بھی ماتھا رگڑ کر دیکھو تو آخر حرج کیا ہے مقصود تو فلاح اور بہبود ہے تو جیسے اور تدابیر اپنے مقصود کی کامیابی کیلئے اختیار کیں منجملہ اوروں کے ایک تدبیر یہ بھی۔ سہی کہ خدا کو راضی کر کے دیکھو تو آخر اسی تدبیر سے کیوں اعراض ہے بات کیا ہے اجی ایک مریض ہے

وہ صحت کا طالب ہے تو طبیب سے ڈاکٹر سے علاج کراتا ہے ایک شخص کہتا ہے کہ میاں ہمارے پاس ایک تعویذ ہے ذرا اس کو بھی باندھ کر دیکھو تو کہتا ہوتا ہے میاں مرض کے دور ہونے سے غرض ہے تو اس تدبیر میں کیا تم کو ہوا نظر آتا ہے۔ اس سے کیوں وحشت ہے اور اگر اپنی نافرمانیوں کی کثرت پر نظر کر کے مایوسی ہو تو سمجھ لو کہ ان کی وہ شان رحمت ہے کہ ایک شخص بت کے سامنے بیٹھا ہوا صنم صنم رٹ رہا تھا۔ ایک مرتبہ بلا قصد بھولے سے صمد نکل گیا فوراً آواز آئی لبیک یا عبدی لبیک بندے کو کیا چاہیے میں موجود ہوں بس سنتے ہی اس شخص نے اس بت کے ایک لات ماری اور یہ کہا کہ کمبخت ساری عمر تیری پرستش میں ختم کر دی مگر کبھی بھی کچھ نہ ہوا آج بھولے سے اپنے حقیقی رب کا نام نکل گیا فوراً جواب آیا تو حضرت ان کی شان ہی اور ہے کیوں اپنے پیدا کنندہ سے اعراض کرتے ہو اس کے سوا اور کوئی نہ نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان ان ہی سے طلب کرو وہی حاجت روائی کریں گے ان کی ایک سکنڈ اور ایک منٹ کی رحمت تم کو مالا مال کر دیگی ذرا آؤ تو سہی بھاگتے کیوں ہو اور اگر اسلام کی قیود سے گھبراتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجازی بادشاہوں کے قوانین کو دیکھ لیجئے اس میں کیا کچھ کم قیود ہیں آخر ان کی پابندی کرتے ہی ہو اور اگر ایسا ہی گھبرانا ہے تو کھانے کی پابندی بھی تو ایک قید ہے اس پر ممکن ہے کوئی بیدار مغز یہ فرمائیں کہ اس پر تو زندگانی دنیا کا مدار ہے یہ قید کیسے چھوڑی جا سکتی ہے۔ بس یہی ہم کہتے ہیں کہ جب اس کو اس لئے نہیں چھوڑتے کہ اس پر مدار حیات ہے اور یہ زندگانی دنیا کے اسباب میں سے ہے تو وہ چیزیں کیسے چھوڑ دیں جن پر مدار ہے حیات آخرت کا۔ زندگانی دائمی کا دنیا سے صبر کیوں نہیں آخرت سے صبر کیوں ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ایکہ صبرت نیست از فرزند و زن ❊ صبر چوں داری ز رب ذوالمنن

ایکہ صبرت نیست از دنیائے دوں ❊ صبر چوں داری ز نعم الماہدون

اور اس توجہ و تعلق مع اللہ کا بس ایک ہی طریق ہے وہ یہ کہ قلب کو دوسروں سے خالی کر دو پھر سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر خالی کرنے کے متعلق اس کا انتظار غلط ہے کہ پہلے دنیا سے یا دنیا کے تعلقات سے قلب کو خالی کر لیں پھر تب یاد الٰہی میں مشغول ہوں گے اس کی صحیح تدبیر یہ ہے کہ کام شروع کر دو اس سے وہ آپ سے آپ خالی ہوتا رہے گا۔ مگر کام کا مؤثر ہونا محبت سے ہوتا ہے اس لئے پہلے حق تعالیٰ سے محبت پیدا کرو۔ اور محبت پیدا کرنے کا طریق یہ ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار

؎ اے مخاطب تجھ کو اپنے بال بچوں بغیر صبر تو آتا نہیں پھر حق تعالیٰ سے بے تعلق کی حالت میں کس طرح صبر آتا ہے اور تجھ کو کمینی دنیا کے بغیر صبر نہیں آتا تو حق تعالیٰ بغیر کیونکر صبر آتا ہے ۱۲۔۔

کر ان کی صحبت سے قلب میں ایک آگ پیدا ہوگی جو سب ماسواء کو فنا کر دے گی اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔ ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اور اگر اس تدبیر مذکور سے قلب کو خالی نہ کیا بلکہ تعلق مع اللہ کے ساتھ ماسوی اللہ کے تعلقات مانعہ کو بھی جمع رکھنا چاہا تو سمجھ لو کہ قلب کیا ہوا مراد آباد اسٹیشن کا اسلامی مسافر خانہ ہوا کہ نگینہ والے بھی اس میں ہیں اپھراؤں والے بھی اس میں ہیں، بریلی والے بھی سہارنپور والے بھی غرض قلب کیا سرائے ہے ۔ جس کو دیکھو وہاں پر موجود ہے اور سب کا دار القیام بنا ہوا ہے ۔ پس ہر مقصود کو اس کے صحیح طریقہ سے حاصل کرو ۔

ملفوظ ۱۰۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو کام خالص مذہبی ہوگا اس کی طرف اولاً اہل دنیا کو رغبت نہ ہوگی پس جس کام کی طرف اولاً اہل دنیا متوجہ ہوں وہ خالص مذہبی نہیں اور جس کی طرف اہل دین اہل تقویٰ متوجہ ہوں وہ خالص مذہبی اور خالص دین ہوگا اس معیار پر یہ تحریکات خالص مذہبی اور دینی تحریکات نہ تھیں کیونکہ زیادہ اور غالب اس میں ایسے ہی طالب دنیا تھے جن کی نیت زیادہ اغراض دنیویہ کی تھی دین کی خدمت مقصود نہ تھی الا ماشاء اللہ یہی وجہ تھی کہ کسی کام میں نور نہ تھا، خیر و برکت نہ تھی ۔ زمانہ فتنہ ارتداد میں میرا ایک وعظ انچولی ضلع میرٹھ میں ہوا تھا جہاں دیہات میں راجپوت مسلمان شدھ ہونے والے تھے اس وعظ میں ان لوگوں کو خصوصیت سے بلایا گیا تھا ۔ اس تقریر میں میں نے اس کے متعلق بھی ایک مضمون بیان کیا تھا وہ مضمون یہ تھا کہ تحریکات میں شرکت کرنے والوں نے فتنہ ارتداد کے زمانہ میں بذریعہ اشتہار یہ اعلان کیا تھا کہ یہ تحریک خالص مذہبی تحریک ہے اس لئے اس میں ہر شخص اور ہر طبقہ کے لوگوں کو شریک ہونا چاہیئے تو اس سے صاف اس کا اقرار نکلا کہ دوسری تحریکات خالص مذہبی تحریک نہ تھیں جاؤ وہ جو سر پر چڑھ کر بولے ۔ غرض خالص مذہبی اور دینی تحریک میں اہل دنیا شرکت نہیں کرتے ہاں نخالص، تحریک اگر ہو تو اس میں وہ بھی شریک ہو جاتے ہیں اور یہ نخالص وہ نہیں جس کو گاؤں والے استعمال کرتے ہیں کہ یہ گھی نخالص ہے کیونکہ ان کا مقصود تو خالص بتلانا ہے مگر وہ خالص کو نخالص بولتے ہیں سو یہ تحریکات ایسی نخالص نہ تھیں بلکہ بمعنی غیر خالص تھیں یہ تھی وہ تحریک جس میں شرکت نہ رکھنے والوں کو فاسق فاجر کہا جاتا تھا اور اس تحریک کو فرض و واجب کہا جاتا تھا پس اس کے متعلق بھی میں نے مبسوط کیسا مختصر بیان کیا اسمیں یہ بھی کہا کہ قاعدہ عقلیہ و نقلیہ ہے کہ جو تحریک مرکب ہے اسلامی اور غیر اسلامی سے وہ کبھی خالص اسلامی تحریک نہیں ہو سکتی اور نہ اسکو فرض و واجب کہا جا سکتا ہے ۔

؎ عشق وہ آگ ہے کہ جب یہ بھڑکتی ہے تو معشوق کے سوا سب کو جلا پھونک دیتی ہے ۱۲ ۔۔

اور تحریک کے اجزار کو دیکھنے سے وہ اسی رنگ کی ثابت ہوئی ہے اور یہ بھی کہا کہ تم دوسروں کی ترقی کو دیکھکر کیوں للچاتے ہو تم کو تو اتنی بڑی دولت سے نوازا گیا ہے کہ جس کے سامنے تمام دنیا دمافیہا گرد ہیں وہ دولت ایمان کی ہے اگر تمام عالم کی حکومت بھی کسی کے ہاتھ آجائے مگر اس دولت کے سامنے محض بے حقیقت ہے سو اس ناپائدار اور فانی گندی دنیا کی نسبت تو مسلمانوں کی یہ شان ہونا چاہیئے ۔ ؎

اے دل آں بہ خراب از مئے گلگوں باشی ✲ بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

تو حضرت اس دولت ایمان کے مقابلہ میں یہ دنیا مردار ناپائیدار اور اس کی ترقی ہے ہی کیا بلا اور میں ترقی کو منع نہیں کرتا ترقی کرو مگر طریقۂ کار وہ اختیار کرو جو مشروع ہو اس میں دنیوی کامیابی بھی انشاء اللہ سامنے دست بستہ کھڑی ہے اور اگر خدانخواستہ یہ نہیں تو پھر ہم یہی کہیں گے کہ کس کے پیچھے اپنی عمر عزیز کو کھوتے ہو یہ کبھی وفا نہیں کرسکتی ہزاروں لاکھوں اس گرداب میں پھنس کر غرق ہو چکے اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن چکے اور عذاب الٰہی کو اپنی گردنوں پر لیگئے فرعون نے کیا تھوڑی ترقی کی نمرود نے شداد نے قارون نے کیا کچھ کسر اٹھا رکھی آخرت کو برباد کیا دنیا کو حاصل کیا نتیجہ جو کچھ ہے سامنے ہے خود تم ہی اسلامی حیثیت سے ان ترقیات یا فتوں کی ترقی کو مردود کہتے ہو جس کی اصل یہی ہے کہ ان کو وہ ترقی حدود سے تجاوز کر کے حاصل ہوئی خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف ان کا طریقہ کار تھا اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ ہر ترقی محمود نہیں ۔

ایک نظیر بار بار میں پیش کرتا ہوں کہ اگر ہر ترقی محمود ہے تو بعض اوقات انسان کے جسم پر بوجہ مرض کے ورم آجاتا ہے جس سے اسکی فربہی بڑھ جاتی ہے تو اس کو مذموم کیوں سمجھتے ہو اور طبیب اور ڈاکٹروں سے اس کے ازالہ کی درخواست کیوں کرتے ہو اسی سے معلوم ہوا کہ ہر ترقی محمود نہیں بلکہ اس کے اصول ہیں حدود ہیں چنانچہ اس مبحوث عنہ ترقی کے بھی کچھ اصول شرعی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ مذہب اسلام میں جو ایک حصہ سیاسیات کا ہے وہ مدوّن ہے اس تدوین کے موافق اس کو اختیار کرو وہ بہت کافی ہے اور وہ خالص مذہبی سیاست ہے اس میں گڑ بڑ کرنے سے اور کتر بیونت سے کام لینا جائز نہیں جیسا کہ آج کل کے طبائع میں یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ ہر جگہ اپنی رائے کو دخل دینا چاہتے ہیں اور اس دخل سے احکام میں نہ کوئی تغیر ہو سکتا ہے نہ احکام کو اس سے کوئی مضرت بلکہ اپنا ہی ضرر ہے ۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی مریض طبیب

؎ اے دل بہتر یہی ہے کہ (عشق حقیقی کی شراب سے تو مست رہے) اور بغیر خزانہ اور روپیہ پیسہ کہ (بذریعہ صفت استغفار کے) قارون سے بھی زیادہ تجھ کو عزت حاصل ہو ۱۲

کے پاس جائے طبیب نبض دیکھ کر نسخہ تجویز کرے یہ گھر آکر اس میں کتر بیونت کرے تو اس سے فن اور نسخہ کا کیا ضرر۔ ضرر تو اس کا ہے اور جیسا کہ آج کل مرض ہو رہا ہے کہ احکام میں رائے دے کر اپنی مرضی کے مسائل گھڑ لیتے ہیں اس عمل کی اس سے زیادہ وقعت نہیں جیسے چند ڈاکو جمع ہو کر اور ڈکیتی کی دفعہ کو جو تعزیرات ہند میں جرم ہے اس کے متعلق یہ پاس کر لیں کہ ہم اس دفعہ کو منسوخ یا اس میں اپنی مرضی کے موافق تادیل کر کے ڈاکہ کو جائز سمجھتے ہیں تو اس کا جو جواب عدالت سے ان لوگوں کو ملیگا وہی جواب ہم تمہارے اس عمل کا دیں گے بلکہ دینے سے پہلے ہی وہ جواب ہماری طرف سے سمجھ لیا جائے۔ اب یہ سنکر تو آنکھیں کھلی ہونگی کہ تمہارے اس عمل کا درجہ احکام اسلام کے مقابلہ میں ہے کیا تمہاری رائے ہی کیا اور تمہاری عقل ہی کیا اور ہو کس شمار میں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ تمہاری حقیقت اس باب میں ان کیڑوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جو خوردبین کے ذریعہ پانی کے اندر نظر آتے ہیں وہ اگر آپ ہی کے سامنے کھڑے ہو کر کہیں کہ فلاں قانون یا فلاں صنعت میں جو آپ کی یہ رائے ہے قابل تسلیم نہیں تو جو جواب ان کو دو گے وہی ہماری طرف سے احکام کے مقابلہ میں اپنی رائے کے متعلق سمجھ لیا جائے اور جب احکام کی علوشان اور اپنی عقل کی نارسائی معلوم ہو گئی تو اب مولویوں پر یہ الزام کہ ان کو احکام کے اسرار معلوم نہیں سراسر غلط ہے اس لئے کہ یہ قانون ساز نہیں جس کے لئے اسرار کا معلوم ہونا لازم ہے بلکہ قانون داں ہیں جس کے لئے علم اسرار لازم نہیں اس کو تو آپ بھی تسلیم کریں گے کہ اگر کسی وکیل سے تعزیرات ہند کی کسی دفعہ کے متعلق سوال کیا جائے کہ جس میں کیا حکمت ہے اگر وہ اپنے فن سے واقف ہے اور اس میں ماہر ہو گا یہی جواب دے گا کہ میرے ذمہ اس کا جواب نہیں اس لئے کہ میں واضع قوانین یعنی قانون ساز نہیں محض قانون داں ہوں یہ حکمت اور اسرار اور علم تو واضع قوانین سے پوچھو اور اس جواب کو آپ بھی کافی شافی سمجھیں گے۔ اور اس جواب کو ان کی علمی کمی نہ سمجھیں گے تو پھر مولویوں ہی کا اس جواب میں کیا قصور ہے وکلاء اور بیرسٹر بھی نہیں بتلا سکتے بلکہ اگر ان کو معلوم بھی ہو تب بھی تم کو کس قاعدہ سے اس سوال کا حق ہے اگر پوچھو گے سبب تو اس کا یہ جواب بالکل معقول ہو گا کہ جس طرح ہم کو حاصل ہوا اسی طرح تم بھی حاصل کرو کسی کی جوتیاں اٹھاؤ دس برس تک کسی کے سامنے زانو تے ادب تہ کرو یوں تھوڑا ہی حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ایک خاں صاحب کا قصہ ہے کہ ان کو کسی شخص نے بتلایا کہ فلاں بزرگ کیمیا جانتے ہیں ان سے حاصل کرو خان صاحب کو اس کی عادت تھی گئے جا کر پوچھا کہ تم کیمیا جانتے ہو وہ بزرگ بڑے ظریف تھے کہہ دیا کہ ہاں جانتے ہیں کہا کہ ہم کو بتلا دو کہا کہ نہیں بتلاتے کوئی تمہارے باوا کے نوکر ہیں ہم نے برسوں جاننے والوں کی خدمتیں کیں تکلیفیں اٹھائیں تب جا کر کچھ حاصل ہوا۔ تم بھی مدتوں ہماری جوتیاں سیدھی کرو اگر کبھی مزاج خوش ہو گا تبلا دیں گے خاں صاحب

بے چارے چپ رہ گئے۔ پھر کھانے کا وقت آیا جنگلی پتوں کی بھجیا خاں صاحب کے سامنے رکھی گئی بہت کوشش کی کہ حلق سے نیچے اترے مگر وہ کہاں اترنے والی تھی خاں صاحب نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کھا سکتا نہ میرے بس کی ہے وہ بزرگ بولے کہ بس اسی ہی بوتے پر گھر سے کیمیا سیکھنے چلے تھے یہ تو اس کی پہلی منزل ہے اس سے آگے ہزار دل اس سے بھی بڑھ کر منزلیں ہیں۔ ان سب کو طے کرنے کے بعد کہیں کیمیا کا پتہ چلے گا۔

خاں صاحب بھاگ نکلے پھر ساری عمر کیمیا کا نام نہیں لیا تو صاحب آپ بھی گھر میں بیٹھے ہوئے گدے قالینوں اور کرسیوں میزوں پر استراحت اور آرام فرماتے ہوئے احکام کے حِکَم اور اسرار پر مطلع ہونا چاہتے ہیں۔ سو یہ بالکل غیر ممکن ہے اس کا طریقہ یہ نہیں ہے نہ اس سے یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ یہ علماء اسرار سے بےخبر ہیں ان میں وہ بھی ہیں کہ ان کو سب کچھ معلوم ہے اس لئے عام طور پر آپ کو اس سمجھنے کا کچھ حق نہیں کہ انہیں کچھ آتا جاتا نہیں اور اگر یہی سمجھو تو ان کا کیا نقصان ہے مثلاً اگر کسی شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو اور دوسرا شخص یہ کہے کہ تیرے پاس تو پائی بھی نہیں تو وہ اور خوش ہوگا کہ اچھا ہے یہی سمجھتا رہے تاکہ میرا مال محفوظ رہے تو اس کا کیا نقصان ہوا یہ تو زیادہ نفع کی صورت ہے۔ اسی طرح ایسے حضرات بھی ہیں کہ ان کو اسرار معلوم بھی ہیں مگر نہیں بتلاتے کسی نے خوب کہا ہے ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ برول افتد راز ٭ ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست[عہ]

ملفوظ ۱۰۶ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک دوسری ایذاء ہے کہ اس طرح بولتے ہیں کہ جیسے کوئی والی ملک نواب ہوتے ہیں کیا آواز بھی نہیں نکلتی جب میں سنوں ہی گا نہیں تو جواب کیا خاک دونگا تم لوگوں کی عقلیں کہاں گئیں آخر میں کم بخت کہاں تک برداشت کروں اور کہاں تک ضبط کروں کوئی حد بھی ہے۔ آپ نے دیکھا میں نے کیسا سیدھا سوال کیا تھا اس کا جواب تو ندارد اور خود اپنی طرف سے مجذوبوں والی بڑ ہانکتے ہیں اور وہ بھی ایسے طریقہ سے کہ پورے طور سے کوئی سن ہی نہ سکے یہ حرکت بھی ایک مرض کے ماتحت ہے وہ مرض کمبخت کبر کا ہے کہ زور سے بولوں گا تو بات کھلے گی ممکن ہے کہ بات ہو بے ڈھنگی تو اتنے لوگوں میں سبکی ہو گی اس لئے آہستہ بولتے ہیں کہ دوسرا کوئی نہ سن لے اور یہ گول مول ہی بات رہ کر معاملہ ایک طرف ہو یہ ہے وہ بنا جو آہستہ بولنے کی دل میں تعلیم دے رہی ہے اور ہاں یہ چادر سے منہ کیوں چھپا رکھا ہے جیسے چور ہوتے ہیں ایک تو آپ کی آواز ہی بہت بلند ہے اور اوپر سے

عہ اسرار کا بیان کرنا خلاف مصلحت ہے ورنہ رندوں کی مجلس میں وہ کونسی بات ہے جس کی ان کو خبر نہ ہو ۱۲ :۔۔

اس کو چادر سے بھی لپیٹ دیا جس سے وہ اور بھی سمجھ میں نہیں آتی یہ چادر لپیٹ کر منہ ڈھانپ کر بولنا یہ بھی آجکل علامت بزرگی کی ہے کیا کریں ویسے تو آدمیت سے کورے ہیں اس کے چھپانے کے لئے ظاہری ٹیپ ٹاپ بناؤ سنگھار میں بھی رہتے ہیں اور بولنے میں بھی اس کے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض ہر پہلو سے اپنے عیوب کو چھپائے پھرتے ہیں مگر یہاں آکر قواعد کی برکت سے بحمد اللہ راز فاش ہو جاتا ہے مزاحاً فرمایا اور دل قاش (تراشیدہ) ہو جاتا ہے اگر یہ برتاؤ نہ ہو تو اصلاح کیسے ہو۔ اور معلوم نہیں ساری دنیا ہی میں بدفہم لوگوں کی زیادہ آبادی ہے یا میرے ہی حصہ میں چھنٹ چھنٹ کر آتے ہیں کیا کوئی مدرسہ ہے بدفہمی کا کہ اس میں تعلیم پاکر یا سند لیکر آتے ہیں اب اگر کچھ کہتا ہوں تو بدنام ہوتا ہوں اور نہیں کہتا تو اصلاح نہیں ہوتی اور کہنے میں میری کوئی مصلحت تھوڑا ہی ہے ان ہی بیہودوں کی مصلحت سے ایسا کرتا ہوں کہ یہ آدمی بنیں حیوانیت سے نکلیں اب اس موقع پر معترض حضرات آئیں اور واقعہ مرتب دیکھکر فیصلہ کریں کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون اور یوں ہی گھر بیٹھے فیصلہ کر دینا کون مشکل ہے مجھ کو بدخلق کہتے ہیں ان موذیوں کے اخلاق حمیدہ کو بھی تو دیکھ لیا کریں اس ان صاحب نے عرض کیا کہ میری وجہ سے حضرت کو تکلیف پہنچی ہیں معافی چاہتا ہوں فرمایا کہ بس مہربانی کر کے چپ ہی رہو۔ اب بھی زبان کھلی دیکھو کیسے صاف بولے نوابی اور سرداری سب ختم ہو گئی بدون دار و گیر کے دماغ درست نہیں ہوتا یہ دار و گیر ان لوگوں کی غذا ہے میں ان کی نبضیں خوب جانتا ہوں یہ تجربہ کی باتیں ہیں جب یہ حالت ہے تو میں کسی کے کہنے سننے سے اپنے طرز کو کیسے بدل دوں آپ ہی انصاف کریں کہ یہی صاحب تھوڑی دیر پہلے کیا تھے اور چند منٹ میں کیا ہو گئے یہ فرما کر ان صاحب سے دریافت کیا کہ پہلے ہی اس طرح کیوں نہیں بولے تھے عرض کیا قصور ہوا معاف کر دیجئے اب ایسا نہ کرونگا فرمایا یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوا۔ معاف تو ہے اور آئندہ ایسا کرو گے بھی نہیں مگر اس کا جواب دو کہ ایسا کیا کیوں اس کا منشا کیا تھا عرض کیا واقعی دل میں یہی بات تھی جو حضرت نے فرمائی کہ اور لوگ نہ سنیں کبھی مجھ کو بدعقل اور بدتمیز سمجھیں فرمایا پھر دریافت فرمایا کہ کہیں اس میں تو جھوٹ نہیں بول رہے کہ میری خاطر سے خلاف واقع کہہ دیا۔ عرض کیا کہ میں قسم کھاتا ہوں یہ ہی بات تھی فرمایا کہ خیر تمہاری اس سچائی کی وجہ سے کہ تم نے اپنے مرض کا اقرار کر لیا تم کو خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم کوئی مصلح کا نام بتلائے دیتا ہوں ان سے اپنی اصلاح کراؤ اور میرے پاس ویسے آنیکی اجازت ہے مگر یہاں پر آکر خاموش بیٹھے رہنا ہوگا مکاتبت مخاطبت کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی اور آنے سے پہلے اجازت حاصل کر لینا ضروری ہوگا کبھی گڑبڑ کرو اور اس کی صورت یہ ہے کہ تم ایک پرچہ پر اپنا نام اور پورا پتہ اور اس واقعہ کا اجمالی ذکر اور یہ درخواست کہ

مصلح کا پتہ بتلا دیا جائے یہ سب اس پرچہ پر لکھ کر بکس میں ڈال دینا (جو سہ دری میں لگا ہے) پھر جب اس پرچہ کا جب میں جواب دونگا جس پر مصلح کا پتہ بھی لکھ دونگا وہ جواب کا پرچہ اور ایک اور پرچہ جس میں یہ لکھنا کہ مجھ میں کبر کا مرض ہے اور میں اس کے (یعنی میرے) پاس گیا تھا اس نے تمہارا پتہ بتلا دیا اور مجھ سے یہ غلطی ہوئی تھی یہ سب صاف صاف لکھ کر تجویز شدہ مصلح کے پاس بھیجدینا پھر وہاں سے جو تعلیم ہو اس پر عمل کرنا اور ان سے بیس بار خط وکتابت کرنے کے بعد وہ سب خطوط مجھ کو دکھلانا اس کے بعد میں اس کو دیکھکر پھر جو تمہارے لئے مناسب ہوگا تجویز کرونگا اس سے قبل مجھ سے اصلاح کے معاملہ میں خط وکتابت نہ کرنا ہاں اگر کبھی خیریت معلوم کرنے کو جی چاہے اسکی اجازت ہے مگر یہ شرط ہے کہ اس میں اور کوئی مضمون نہ ہو پھر فرمایا کہ ان کے اقرار نے میرے دل سے ساری کلفت دھو دی اور فوراً میرا طرز بدل گیا اس پر مجھ کو سخت گیر اور بد اخلاق کہتے ہیں کیا یہ بد اخلاقی ہے جس کو آپ صاحبوں نے دیکھا۔

۲۱/ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۹۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا جو قوم بے رحم اور خود غرض ہوگی ان سے کوئی خوش نہیں ہوگا کیونکہ وہ بے رحمی کیوجہ سے اپنے اغراض کو مقدم رکھیں گے کسی کی رعایت نہ کرینگے اور اگر کہیں کرینگے بھی تو اس میں بھی اپنی ہی غرض مضمر ہوگی خالص رعایت نہ ہوگی۔ ایک مولوی صاحب نے کہا تھا کہ بے رحم حکمران تو میں دو طرح کی ہیں بعض کی مثال تو دق کی سی ہے جس میں مریض گھل گھل کر ختم ہو جاتا ہے اور دس پانچ برس ٹھہر کر مرجاتا ہے۔ اور بعض کی مثال ہیضہ کی سی ہے کہ چٹ پٹ معاملہ ختم۔

ملفوظ ۹۹ فرمایا کہ ایک خط آیا ہے لکھا ہے کہ حزب البحر میں اس وجہ سے نہیں پڑھتا کہ ایک مولوی صاحب نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ میں بھی اس کو چھوڑنے والا ہوں اور وجہ یہ بیان کی کہ اس نے مجھ کو مفلس بنا دیا اس پر فرمایا کہ اکثر لوگ حزب البحر اس لئے پڑھتے ہیں کہ غنا حاصل ہو غنا نہ ہوگا تو چھوڑنے کو تیار ہو گئے خدا معلوم کیسے مولوی ہیں جن کو اتنی بھی سمجھ نہیں آج کل مولوی بھی تو ہزاروں ہو گئے پھر فرمایا کہ میں نے جواب یہ لکھا ہے کہ اس سے افلاس تو نہیں ہوتا لیکن اس نیت سے پڑھنے سے اخلاص بھی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا نام اخلاص سے لینا چاہیے۔

ملفوظ ۹۰۲ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کپڑے کے مادہ کو زینت میں زیادہ دخل نہیں زیادہ تر کپڑے کی صورت وہیئت سے زینت ہوتی ہے کپڑا خواہ کتنا ہی قیمتی ہو مگر اس کی ہیئت و تراش تکلف کی نہ ہو گی تو زینت نہ ہوگی مجھ کو قیمتی کپڑے سے نفرت نہیں بلکہ اس کی تراش و خراش سے نفرت ہے اس بناؤ سنوار ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جنٹلمین یا بڑی شان والے ہیں اور یہ شان اور اکثر کپڑا پہننے والے کے طرز ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کو اس سے تفاخر مقصود ہے یا نہیں اور یہ تزئین وتجمل بھی آجکل کے فیشن میں داخل ہوگیا ہے گو کوٹ پتلون نہ ہو ثقہ ہی لباس ہو مگر ہر لباس میں مادہ قلب میں وہی ہے کہ ہر وقت بناؤ سنوار ہو اپنی دیکھ بھال ہو۔ جیسے بازاری عورت جس کو ہر وقت دکانداری ہی کا اہتمام رہتا ہے۔ غرض ہر ہیئت میں تو مادہ قلب میں وہی ہے جو کوٹ پتلون میں ہے جس پر طرز و انداز نمایاں دلالت کرتی ہے اور اسی دلالت کی فرع ہے کہ ایک ہی چیز کا مادہ ایک شخص میں اور ہے دوسرے میں اور اسی لئے میں جس کیلئے جو مناسب سمجھتا ہوں اس کو وہی تعلیم کرتا ہوں اور ایک کی حالت پر دوسرے کی حالت کو قیاس کرنا سخت نادانی ہے جیسے بعضے لوگ بزرگوں کا لباس دیکھ کر خود بھی اس کی نقل کرنے لگتے ہیں مگر دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ دو شخص کا ایک ہی فعل ہے دونوں کی ظاہری ایک ہی صورت ہے مگر زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

گفت منصورے انا الحق گشت مست ❊ گفت فرعونے انا الحق گشت پست

لفظی صورت ایک ظاہر میں دونوں کا دعویٰ ایک مگر ایک مقبول اور ایک مردود۔ اسی وجہ سے مولانا یہ بھی فرماتے ہیں کہ اپنی حالت پر دوسروں کی حالت کو قیاس مت کرو ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ❊ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

تو اہل اللہ اور خاصان حق کا کھانا پہننا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا ہنسنا رونا دھونا خاموش رہنا سب اللہ ہی کے واسطے ہوتا ہے اور قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کا مصداق ہوتا ہے ان کے اچھے لباس کو دیکھ کر ان کے سامان کو دیکھ کر نہ ان پر معترض ہو نہ ہر موقع پر ان کی نقل کرو اسی بنا پر جس کے لئے جو مناسب سمجھتا ہوں تعلیم کرتا ہوں سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکتا۔ اور یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ کسی نعمت کا استعمال مذموم اور برا نہیں جس قدر اس کی طرف

۱؎ منصور نے انا الحق کہا تو وہ محبت حق کا مست ہوگیا، اور فرعون نے انا الحق کہا تو وہ پست ہوتا چلا گیا ۱۲ جامع

۲؎ پاک لوگوں کے کاموں پر اپنے کاموں کو قیاس مت کرو۔ دیکھو شیر (جانور) اور شیر (بمعنی دودھ) ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں مگر دونوں میں حقیقت کے اعتبار سے کس قدر فرق ہے ۱۲ ...

درجہ مقصودیت میں التفات کا رہنا برا ہے۔ اس لئے کہ ایسا التفات تو منعم کی طرف ہونا چاہیئے۔

ملفوظ ۱۱۱:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میرے یہاں تو بحمداللہ طالب کی حالت کو دیکھ کر اور اس کی ہر بات اور مصلحت پر نظر کر کے تعلیم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض بدفہم سمجھتے ہیں کہ ٹالتا ہے اور یہ اس لئے کہ خوگر تو دوسرے طرز کے ہیں وہ رنگ نہیں دیکھتے ہیں تو شبہات کرتے ہیں۔ آج تک بیچاروں نے بزرگی کی اور ہی قسمیں سنیں ہیں جو باتیں یہاں ہیں وہ کہاں کانوں میں پڑی ہیں یہاں عرفی بزرگی اور ڈھونگ اور کود پھاند شور و غل اینٹھ مروڑ اچھلنا کودنا کچھ نہیں صرف دو ہی چیزیں ہیں یعنی اعمال واجبہ کی ظاہری اور ان کی باطنی اصلاح بس یہاں صرف یہی ہے اور یہی اصل بھی ہے اور اسی کی تحصیل کے لئے مجاہدات اور ریاضات کئے جاتے ہیں کہ اعمال واجبہ کا قلب میں رسوخ ہو جائے بس صرف یہی مقصود ہے اور اسی کے لئے ضرورت ہے شیخ کامل کی تاکہ اس کی صحبت اور تعلیم پر عمل کرنے سے یہ اعمال واجبہ راسخ ہو جائیں۔ کامل ہی کی صحبت اس کے لئے شرط اور اکسیر ہے کیوں کہ وہ اس راہ سے گذر چکا ہے وہ اس راہ کا واقف کار ہے اس کے پاس جاؤ اس سے تعلق پیدا کرو انشاء اللہ لوہے سے سونا بن جاؤ گے بدتر سے لعل ہو جاؤ گے مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی ⁂ چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

نفس نتواں کشتن الاظل پیر ⁂ دامن آں نفس کش را سخت گیر

لیکن اس اثر کیلئے ایک اور بھی شرط ہے وہ یہ کہ اس صحبت کے کچھ آداب ہیں ان کو پورا کرو جن کا خلاصہ مولانا فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو ⁂ پیش مردے کاملے پامال شو

پامالی کی تفسیر یہ ہے کہ تم اپنی حالات سے اس کو آگاہ کرو اور اپنا کچا چٹھا بیان کر ڈالو اس پر وہ مناسب تعلیم دیگا کبھی آپریشن کی بھی ضرورت ہو گی ڈانٹ ڈپٹ بھی ہو گی سب کچھ سننا پڑے گا اور اگر کہیں اس پر دل میں کدورت اور ناگواری پیدا ہوئی تو بس محرومی رہے گی اسی کو مولانا فرماتے ہیں

؎ گر بہر زخمے تو پرکینہ شوی ⁂ پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

اس راہ میں قدم رکھنے سے قبل سب باتوں کیلئے تیار رہنے کی ضرورت ہے اس طریق میں فناؤ

لہ اگر تو سنگ خارا یا سنگ مرمر بھی ہو۔ اگر صاحبدل کے پاس پہونچ جاؤ گے تو موتی بن جاؤ گے۔ پیر کے سایہ کے بغیر نفس نہیں مرتا لہذا اس نفس کو مارنے والے کا دامن خوب مضبوط پکڑو ۱۲ جامع عفی عنہ وصل لیلے کی راہ میں جان کو بہت سے خطرات تو ہیں ہی مگر اول قدم رکھنے کی شرط یہ ہے کہ مجنون بنو ۱۲

ذلت کو سر رکھکر ہر قسم کی جاہ اور عزت کو خیرباد کہہ کر آنا چاہیئے پھر کامیابی ہی کامیابی ہے اور یہ سب اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے ہونے کی ضرورت ہے جس کو فرماتے ہیں ؎

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ⁂ شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اور ایک دو دن کے لئے نہیں بلکہ ساری عمر کے لئے تیاری کر کے قدم رکھنے کی ضرورت ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش ⁂ تادمِ آخر دمے فارغ مباش

اگر کسی قدم پر پہونچ کر بھی بھاگ نکلا اور برداشت نہ کر سکا تو بس ناکامی ہے تو ایسی حالت میں اس راہ میں قدم رکھنا ہی عبث اور فضول ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق ⁂ تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

اور جس نے اس راہ میں صدق اور خلوص سے قدم رکھا تو اس کیلئے سب آسان کر دیا جاتا ہے اگرچہ وہ ہم کو مشکل معلوم ہو کیونکہ مشکل ہمارے لئے ہے ان کے لئے تو سب آسان ہے وہ صرف ہمارے صدق خلوص اور طلب کو دیکھتے ہیں پھر سب کام وہ خود ہی کر دیتے ہیں بس ہمت سے چل کھڑے ہونے کی ضرورت ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید ⁂ خیرہ یوسف وار می باید دوید

مطلب یہ ہے کہ تمام حجابات اور جو چیزیں اس راہ میں منزل مقصود تک پہونچنے میں موانع ہیں وہ سب کو دفع فرما دیتے ہیں کیونکہ وہ حقیقی موانع ہی نہیں ورنہ ان کے ہوتے ہوئے عبد وصول کا مکلف نہ ہوتا محض خیال ہی خیال ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

اے خلیل اینجا شرار و دود نیست ⁂ جز کہ سحر و خدعۂ نمرود نیست

اور اگر بفرضِ محال مشکلات بھی ہوں تو وہ ہمارے ہی نزدیک تو مشکلات ہیں ان کے نزدیک کیا مشکل اور کیا دشوار سب آسان ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست ⁂ با کریماں کارہا دشوار نیست

؎ راہ سلوک میں بہت تراش و خراش ہیں لہذا آخر دم تک ایک دم کے لئے فارغ نہ ہو بلکہ کام میں لگے رہو ۱۲ ؎ تو ایک زخم کھا کر عشق سے بھاگتا ہے، تو بجز نام کے عشق کی حقیقت کو جانتا ہی نہیں ؎ اگرچہ بظاہر دنیا کے علائق سے نکلنے کے لئے کوئی راہ نظر نہیں آتی مگر تجھ کو چاہیئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح چلانا شروع کر دے۔ انشاء اللہ مدد خداوندی تیری دستگیری فرمادیگی ؎ اے خلیل اللہ یہاں آگ اور دھواں کچھ نہیں ہے یہ تو صرف نمرود کا جادو اور دھوکہ ہے ؎ یہ مت کہو کہ ہماری اس شاہ تک رسائی کہاں ہے کیونکہ کریموں کو کوئی کام دشوار نہیں ہے وہ تو خود تمکو اپنی طرف جذب فرمالیں گے۔

اور یوں تو دشوار کا آسان ہونا درحقیقت ان کی قدرت اور تصرف سے ہے کسی اسباب ہی کی ضرورت نہیں۔ مگر بظاہر عالم اسباب میں تسلی طالب کے لئے اس کا ایک سبب عادی بھی ہے اور وہ عشق و محبت ہے کہ طالب صادق کو اول یہ عطا رہوتی ہے پھر اس عشق محبت کی بدولت سخت سے سخت دشوار کام سہل معلوم ہونے لگتا ہے جو عاشق ہوگا وہ کبھی مایوس ہو کر نہیں بیٹھتا دیکھئے ایک سردار گنیا فاحشہ کے عشق میں انسان کیسے کیسے مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے اور وہ تو محبوب حقیقی ہیں انکی تلاش میں ان کی راہ میں تو جس قدر مشکلات کا بھی سامنا ہو اور دشوار گذار گھاٹیوں کو طے کرنا پڑے ان کی حقیقت ہی کیا ہے۔ مجنون ہی کا قصہ دیکھ لیجئے کہ لیلیٰ کے عشق میں کیا کچھ گوارا نہیں کیا۔ حضرت ادہم اس عشق ہی کی قوت سے موتی کی تلاش میں سمندر پہنچے ہر تیار ہو گئے تیار کیا متی سینچنا شروع کر دیا ظاہر ہے کہ اگر اپنی ساری عمر بھی ختم کر دیتے تب بھی دریا کو نہ سینچ سکتے مگر ہمت کی برکت سے اس طرف سے امداد ہوئی سب آسان ہو گیا تو جب ان مجازی عاشقوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو کیا اپنے عاشق صادق کی نصرت اور امداد نہ فرمائیں گے یہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیا اس عشق حقیقی کا درجہ اس مجازی سے بھی کم ہے اس کو فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود ؛ گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مگر کامیابی کی شرط وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی ہے کہ ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ؛ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اور یہ عشق ہی وہ چیز ہے کہ سب کو فنا کر دیتا ہے سوائے محبوب کے اور کسی چیز کو باقی نہیں چھوڑتا اسی کو فرماتے ہیں ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ؛ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

گلزار ابراہیم میں اسی کا ترجمہ ہے ؎

عشق کی آتش ہے ایسی بد بلا ؛ دے سوا معشوق کے سب کو جلا

باقی اس محبت کے پیدا کرنے کا طریق میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اہل اللہ کی محبت اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو ان کی محبت و صحبت کی برکت سے انشاء اللہ دل میں عشق و محبت کی آگ پیدا ہو جائے گی اور بدون اس کے تو کامیابی مشکل ہے ان کی صحبت سے وہ کیفیت قلب میں

؎ حق تعالیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہونا چاہئے مرضی حق کے آگے مثل گیند کے ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔ کہ بلے نے جدھر پھینک دیا وہ ادھر ہی چلی جاتی ہے ؎

میں پیدا ہو جائے گی کہ اس کے بعد بزبان حال یہ کہنے لگو گے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ٭ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ملفوظ ۱۱۱: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جب مخاطب میں فہم نہیں ہوتا تو خطاب میں بڑی ہی کلفت ہوتی ہے میں تو اسی وجہ سے آج کل مناظرہ کرنے کو پسند نہیں کرتا کہ اکثر غیر فہیم مخاطب سے سابقہ پڑتا ہے مگر ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بضرورت اہل زیغ (کج فہموں) سے تحریری گفتگو بھی فرمائی ہے سر سید کے جواب میں رسالہ تحریر فرمایا ہے سر سید نے اپنی تحریر میں کسی شخص کے اس استفسار کے جواب میں کہ کسی عالم کو تمہارے سمجھانے کیلئے آمادہ کیا جاوے یہ شعر لکھا تھا ؎

حضرت ناصح جو آئیں دیدہ و دل فرش راہ ٭ کوئی ہم یہ تو سمجھا دے کہ سمجھائینگے کیا

جب مولانا کو وہ تحریر دکھلائی گئی تو مولانا نے جواب کے ساتھ اسی غزل کا یہ شعر لکھا ؎

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک ٭ ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا

پھر فرمایا کہ پہلے مجھ کو مناظرہ سے بہت ہی شوق تھا ویسی ہی اب نفرت ہے اس زمانہ شوق میں ایک عیسائی لکچرار دیوبند میں آیا کرتا تھا میں اس وقت مدرسہ میں پڑھتا تھا - ایک مرتبہ وہ آکر مدرسہ کے قریب تقریر کرنے لگا - ظاہر ہے کہ اور اہل قصبہ کا بڑا مجمع ہو گیا وہ عیسائی کھڑا ہوا اور ہاتھ میں انجیل لیکر حاضرین کو دکھا کر پوچھا یہ کیا ہے مقصود یہ تھا کہ اگر یہ جواب ملا کہ یہ انجیل ہے تو یہ چونکہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں تو ان پر حجت ہو جائیگی - اب اس پر مستقل گفتگو ہوگی کہ مجیب کہیگا کہ یہ منسوخ ہے وہ کہیگا غیر منسوخ ہے ابھی جواب نہیں دیا گیا تھا کہ حکیم مشتاق احمد صاحب رکن مدرسہ آگئے اور طلبہ سے کہا تم ہٹو یہ تمہارا کام نہیں ایسے جاہلوں سے مناظرہ کرنا ہمارا کام ہے۔ اس کے بعد اس سے فرمایا کہ میاں میں تمہارا جواب دونگا - یہ پوچھو کیا پوچھتے ہو اس نے بڑے زور سے کہا کہ یہ میرے ہاتھ میں کیا ہے وہی انجیل ہاتھ میں لے رہا تھا انہوں نے فرمایا کہ یہ ہے کدو اس نے اس پر برہم ہو کر کہا تم بڑے گستاخ ہو فرمایا گستاخی کی کونسی بات ہے ہماری تو یہی سمجھ میں آیا تم سے کہدیا اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ تحریف کے بعد یہ کتاب اللہ نہیں جیسے کدو کتاب اللہ نہیں تو آجکل مناظروں میں اس قسم کے سوال اور جواب ہوتے ہیں اس صورت میں سوائے تضیع اوقات کے اور کچھ نہیں ہوتا جب تک مخاطب میں فہم نہ ہو

؎ آپ کی تلوار سے ہلاک ہونا خدا کرے دشمن کے نصیب میں نہ ہو۔ دوستوں کا سر سلامت ہے جب چاہیں خنجر آزمائی کریں ۱۲۔

گفتگو کرنا لاحاصل ہے اور یہ تو مناظرہ ہے جو اکثر فضول ہوتا ہے میں تو مسائل کے جواب میں بھی سائل کی حیثیت کے موافق جواب دیتا ہوں گو اس سوال کا جواب نہ ہو چنانچہ ایک بار ایک صاحب نے مجھ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا ایک بھتیجا اور ایک بھتیجی چھوڑے میراث کا کیا حکم ہے میں نے جواب دیا کہ بھتیجا میراث پائیگا بھتیجی کو کچھ نہیں ملیگا اس پر اس نے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ وہ پٹواری تھے میں نے کہا کہ بستہ پٹوارگیری کا طاق میں رکھو اور طالب علمی شروع کرو تین برس کے بعد اس سمجھنے کی قابلیت پیدا ہوگی کہ اس کی کیا وجہ اب بتلایئے ایسے بدفہم اور بدعقل لوگوں کا بجز اس کے کیا علاج۔

ملفوظ ۱۱۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ بچائے جہل اور حسد سے یہ دونوں بڑی ہی بری بلا ہیں آدمی کو اندھا بنا دیتی ہیں حق ناحق کی کچھ تمیز نہیں رہتی جو جی میں آیا کر لیا جو منہ میں آیا بک دیا بہشتی زیور پر اسی کی بدولت اعتراض کئے گئے بعض مقامات میں تو اس کو جلایا گیا میں نے سن کر کہا یہ امام غزالی رحمۃ اللہ کی سنت ہے جو مجھ کو نصیب ہوئی ان پر بھی الزامات لگائے گئے اور اس کا سبب احیاء العلوم کتاب تھی اس وقت کے بہت علماء نے آپ پر کفر کا فتویٰ دیا احیاء العلوم جلائی گئی وجہ یہ کہ احیاء العلوم میں ہر طبقہ کے لوگوں کی غلطیاں بیان کر کے اصلاح کی گئی تھی ان کو متنبہ کیا گیا تھا بس یہی آپ کی دشمنی کا سبب تھا۔ ایسے لوگ ہمیشہ مصلح کے درپے ہوتے ہیں اس لئے کہ مصلح ایسے لوگوں کے ڈھونگ اور مکروفریب سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے بس یہی دشمنی ہے پھر جب آدمی کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو پھر اس کی نظر میں دوسرے کے کمالات بھی عیب بن جاتے ہیں۔ اور بیچارے علماء اور بزرگ تو کیا چیز ہیں اور کس شمار میں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے دشمنی کا سبب صرف یہی ارشاد و ہدایت تھی ورنہ کیا وہاں کوئی ملک یا باغ یا مکانات کی تقسیم ہو رہی تھی یا نعوذ باللہ انبیاء مال وجاہ کے طالب تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو خود کفار عرب نے جاہ ومال پیش کیا اور خدمت میں جا کر عرض کیا کہ اگر آپ کو حکومت کی ضرورت ہے تو ہم سب اپنا بادشاہ اور سردار بنانے کو تیار ہیں اگر مال کی ضرورت ہے تو ہم سب اپنی جائیداد اور نقد سب پیش کرنے کو تیار ہیں۔ اگر خوبصورت لڑکیاں چاہتے ہیں تو تمام عرب میں سے جن کو آپ پسند کریں نکاح کر سکتے ہیں مگر ہمارے لات وعزیٰ کو برا نہ کہئے آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ نہ اس کی خواہش میں کلمۃ الحق کا ضرور اعلان کرونگا اور تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم ایک پیدا کنندہ پر ایمان لاؤ اپنی حاجت اسی سے طلب کرو اسی ہی کی بندگی اور عبادت کرو وہی قابل پرستش ہے غرض مصلحین سے مخالفت کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے اہل حق کے ساتھ اہل باطل یہی برتاؤ کرتے آئے ہیں مجھ کو اس کی کوئی شکایت نہیں جو چاہیں کریں۔ جو جی میں آئے کہیں مگر میں اپنے

مسلک اور طرز اصلاح کو نہیں چھوڑ سکتا اور یہ کچھ اصلاح ہی پر موقوف نہیں جب چار آدمیوں میں کسی کی شہرت ہوئی ہر چہار طرف سے بغض و حسد عداوت دشمنی کی بوچھار پڑنے لگتی ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔ ؎

چشمہا و خشمہا و رشکہا　∴　بر سرت ریزد چو آب مشکہا

مگر مصلح کو حق تعالیٰ کی توفیق و ہمت دیدیتے ہیں جس سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ حالت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ لیکن جب اوکھلی میں دیا سر پھر موسلوں کا کیا ڈر اس لئے ان باتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ کسی کی پروا نہیں کرتا اس کو اپنے خیال سے کوئی نہیں ہٹا سکتا کہنے کی بات نہ تھی مگر تحقیق کی ضرورت سے کہتا ہوں کہ وہ مامور ہوتا ہے اس کا منصب ہوتا ہے اگر وہ اس میں ذرا ڈھیل سے کام لے اس کی گردن ناپ دی جائے اس لئے وہ معذور ہے ارشاد خلق اس کے سپرد ہے اس کا فرض منصبی ہے اور وہ کسی چیز کا طالب نہیں ہوتا وہ تو صرف ایک ہی چیز کا طالب ہے ایک ہی چیز اس کے پیش نظر ہے وہ چیز کیا ہے تعلق مع اللہ اسی بنیاد پر اس کے سب اقوال و افعال مبنی ہیں اب اس کے بعد اگر تمام عالم اس کو اس ہٹائے وہ نہیں ہٹ سکتا اور ہٹنے کی وجہ ہی کیا اسکی فنا و استغنا کی تو یہ شان ہے جس کو فرماتے ہیں۔ ؎

ما ہیچ ندا ریم غم ہیچ ندا ریم　∴　دستار ندا ریم غم پیچ ندا ریم

اس کے قلب میں ایک ایسی چیز رکھدی گئی ہے کہ وہ سب کے ماسوا کو فنا کر دیتی ہے جس سے اس کی یہ شان ہوتی ہے ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی　∴　بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

ملفوظ ۱۱۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ بدعتی خصوص ان میں یہ جاہل صوفی نہایت بددین ہوتے ہیں بعضے کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں اور باوجود اپنی اس حالت کے دوسروں پر بہتان اور الزام رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوں کے مخالف ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ تم بہت متبع ہو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی ایک شخص مجھ سے بیان کرتے تھے کہ لکھنؤ میں ایک مزار پر سماع ہو رہا تھا ڈھولک سارنگی گھر گھر رہا اور بیچ رہی تھی نماز کا وقت آگیا ایک سارنگی نواز نمازی تھا وہ مع سارنگی مسجد میں آگیا۔ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ ارے مسجد میں آلات معصیت لایا اس جلسہ میں ایک صوفی مولوی

؎ نظریں اور غصے اور رشک تیرے سر پر اس طرح گریں گے جیسے مشک سے پانی گرتا ہے۔ ۱۲ ؎ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے لہٰذا ہم کو کسی چیز کا فکر بھی نہیں ہے نہ ہم پگڑی رکھتے ہیں نہ اس کے پیچ کی فکر ہم کو ہے ۱۲ ؎

اے دل یہی منا سب ہے کہ شراب محبت سے مست ہو۔ اور بے مال و دولت کے قارون سے بھی زیادہ عزت والے رہو ۱۲

صاحب بھی بھنے تو جواب میں کہتے ہیں کہ آپ جو آلہ زنا لئے ہوئے مسجد میں آئے کیا بیہودہ جواب ہے کیا منفصل اور متصل چیز میں فرق نہیں ہے عقلاً بھی اور نقلاً بھی حتیٰ کہ عین نجاست بھی اگر اپنے معدن میں ہو اس پر نجاست کا حکم نہیں کیا جاتا مثلاً پیشاب پاخانہ ہے کس کے اندر رہتیں مگر اس پر نجاست کا حکم نہیں کیا جاتا دوسرے یہ کہ جس چیز کو ان بزرگ نے آلہ معصیت کہا وہ آلہ معصیت ہی نہیں آلہ معصیت وہ ہے جو معصیت کیلئے وضع کیا جائے وہ معصیت کیلئے وضع نہیں کیا گیا چنانچہ ظاہر ہے یہ ان کے دل میں وقعت ہے دین کی باتیں بعضے اہل انصاف بھی ہوتے ہیں چنانچہ ایک صوفی منش کانپور کے رہنے والے الہ آباد میں ملے مجھ سے کہنے لگے کہ آپ چشتی ہیں میں نے کہا جی ہاں۔ کہا پھر سماع کے مخالف کیوں ہو میں نے کہا کہ پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں یہ بتلایئے کہ اس طریق کی روح کیا ہے وہ اچھے شخص بھی کہنے لگے کہ مجاہدہ اور ٹھیک جواب دیا میں نے کہا کہ بالکل صحیح ہے اب یہ بتلایئے کہ مجاہدہ کی حقیقت کیا ہے، کہا کہ نفس کے خلاف کرنا۔ میں نے کہا کہ یہ بھی بالکل ٹھیک ہے۔ اب آپ سچ بتلائیں کہ آپکا سماع سننے کو جی چاہتا ہے کہا کہ چاہتا ہے میں نے کہا کہ اور ہمارا بھی جی چاہتا ہے مگر تم جی چاہا کرتے ہو اور ہم جی چاہا نہیں کرتے۔ تو صاحب مجاہدہ تم ہوئے یا ہم صوفی تم . . . ہوئے یا ہم درویش یا تم ہوئے یا ہم سمجھدار آدمی تھے سمجھ گئے اور بہت مسرت ظاہر کی اور یہ کہا کہ آج حقیقت کا انکشاف ہوا ایک عرصہ تک غلطی میں ابتلا رہا اور مجھ کو بہت کچھ دعائیں دیں واقعی اگر آدمی میں فہم ہو تو سب کچھ سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ خلوص ہو بدنیتی نہ ہو مگر آج کل تو بدنیت شریر نفسانی وفجار مفسد زیادہ ہیں پہلے بدعتی لوگ بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے وہ اس قدر آزاد وبیباک نہ ہوتے تھے میں ایسوں سے بھی بکثرت ملا ہوں اور قریب قریب ان سب سے دعائیں لی ہیں۔ باقی اب تو بکثرت بد دین ہیں ایک صوفی جاہل کی حکایت ایک دوست سے سنی ہے کہ ایک عورت مجلس میں سماع گا رہی تھی عین سماع کے اندر اس کو ایک تنہا مکان میں بیجا کر اس سے منہ کالا کیا اور فارغ ہو کر پھر آکر بیٹھ گیا اور اپنے فعل کی توجیہ کرتا ہے کہ جب آ گیا جوش نہ رہا ہوش دونوں جگہ چھوٹا سین استعمال کیا اتنا جاہل تھا پیٹ بھرے اور معتقدین ہیں کہ اس پر بھی معتقد ہیں۔ اب بتلایئے یہ باتیں بھی اگر قابل ملامت نہیں تو کیا قابل تحسین ہیں اس پر اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو اس کو بزرگوں کا دشمن اور رہابی بتلاتے ہیں ہاں صاحب یہ ہیں سنی حنفی، چشتی نامعقول بزرگوں کو بدنام کرنے والے۔ میں چونکہ انکی نبضیں خوب پہچانتا ہوں ان کے ڈھونگ اور مکر وفریب سے مخلوق خدا کو آگاہ کرتا ہوں مجھ پر آئے دن عنایتیں فرماتے رہتے ہیں مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب طریق بے غبار ہو گیا ہے اب اہل عقل اور دانشمند لوگ ان کے پھندوں میں نہیں پھنس سکتے باقی بدفہموں اور

کوڑ مغزوں کا تو کسی زمانہ میں بھی اور کسی سے بھی علاج نہیں ہو سکا۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی ایسوں کی اصلاح نہ کر سکے اور تو کسی کا کیا منہ ہے کہ وہ دعویٰ اصلاح کا کر سکے۔ اس چودھویں صدی میں مجھ جیسے دیہاتی شخص کی ضرورت تھی جو ان کے غل اور مکر کو مخلوق پر ظاہر کرتے یہ دین کے دشمن دنیا کے ڈاکو اپنی اغراض نفسانی کو پورا کرنے والے پیٹ بھرنے والے اس روپ میں مخلوق خدا کو گمراہ اور بد دین بنانے والے بہت دنوں پردہ میں رہے مگر الحمد للہ اب ان کا تمام تار پود بکھر گیا لوگوں کو معلوم ہو گیا حق و باطل میں امتیاز اظہر من الشمس و ابین من الامس ہو گیا گو مجھ کو برا بھلا بھی کہیں اور مجھ پر قسم قسم کے الزامات اور بہتان بھی باندھیں مگر ان کی تو روٹیوں میں کھنڈت پڑ ہی گئی اور لوگوں کی نظروں میں کر کری تو ہو ہی گئی یہ ہی وجہ ہے کہ مجھ پر جھلا رہے ہیں غرّاتے ہیں مگر میں نے بھی بفضل ایزدی ان کے منہ سے نکال دیا یہ میں فخراً بیان نہیں کرتا بلکہ حق تعالیٰ جس سے چاہیں اپنا کام لے لیں میں بھی تحدیث بالنعمۃ کے طریق پر اظہار کرتا ہوں اور اس ملامت پر بھی دل میں مسرور ہوں اور بحمد اللہ کسی کی ملامت کے خوف سے گھبراتا ہوں اور حق تعالیٰ نے اظہار حق کرنے والوں کی شان بھی یہی بیان فرمائی ہے لایخافون فی اللہ لومۃ لائم تو ایسے دھوکہ دینے والے لوگ دین کی راہ میں راہزن ایسے بد دین ہیں فاسق و فاجر ہیں بہروپیے ہیں ان سے اپنے دین کو محفوظ رکھو ورنہ پچھتاؤ گے اور آخرت میں سوائے ندامت اور کف افسوس ملنے کے اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا حق تعالیٰ سب کو فہم سلیم نصیب فرمائیں۔

ملفوظ ۱۲۲: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض لوگ تہمد (تہ بند) ایسا باندھتے ہیں کہ ران کھل جاتی ہے۔ فرمایا کہ اس کا حکم تو ظاہر ہے مستور بدن کھل جانے پر گنہگار ہوگا گھٹنوں سے ناف تک مرد کیلئے بدن ڈھانپنا واجب ہے۔ عرض کیا کہ کیسا لباس پہننا سنت ہے اس کی کوئی ہیئت اور مقدار خاص ہے فرمایا کہ یہ تو کوئی ضروری نہیں کہ شلوار ہو تو اس میں اتنا کپڑا ہو یا جامہ ہو تو وہ اتنے کپڑے کا ہو۔ رہا ہیئت سو سلف سے بزرگوں کا جو طرز چلا آ رہا ہے اسی کی مشابہت رکھنا چاہئے باقی یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ عصا اتنا بڑا ہو کرتہ اتنا بڑا ہو عمامہ اتنا ہو۔ اور ضروری نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو یہ چیزیں استعمال فرماتے تھے وہ بنا بر عبادت نہیں تھیں بلکہ وہ عادت شریفہ تھی جس میں آرام ملا اس کو اختیار فرما لیا ہاں تشبہ بالکفار سے احتراز کا حکم فرماتے تھے غرض جس چیز کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام نہ فرمایا ہو امتی کا اس کو اختیار کرنا تو علامت محبت کی ہے مگر اس کا خاص اہتمام نہ کرے کیونکہ سنت قربات مقصودہ کے درجہ میں نہیں ہے یہ ہی وہ باتیں ہیں کہ جن میں فرق کرنا صرف مجتہد کا کام ہے اور ہر شخص مجتہد ہے نہیں اس وجہ سے لوگوں کو بدعت میں زیادہ ابتلا ہو گیا

سنت اور بدعت میں فرق کرنا محقق ہی کا کام ہے غیر محقق تو ٹھوکریں ہی کھائیگا اور غیر منقولات کا تو ذکر ہی کیا ہے حضرت امام صاحب تو عبادت منقولہ میں بھی اس مقصودیت و عدم مقصودیت کا فرق کرتے ہیں امام صاحب کی نظر کا عمق اس قدر ہے کہ دوسرے وہاں تک نہ پہونچ سکے اسی وجہ سے حنفیہ پر اعتراض ہے کہ منقولات میں بھی رائے لگاتے ہیں امام صاحب کا منقولات میں مقصود اور غیر مقصود کا فرق نکالنا بڑا ہی لطیف اور باریک علم ہے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے امام صاحب کا اس کے متعلق مسلک یہ ہے کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقصود سمجھ کر نہ کیا ... اسکو مقصود سمجھ کر نہ کرنا چاہیئے کہ اس میں تغییر ہے مشروع کی باقی بے سمجھے اعتراض کر دینا کون مشکل کام ہے مگر آدمی سمجھنے کیطرف بھی توجہ کرے کہ آخر کہنے والا کہہ کیا رہا ہے اور اس کا منشاء کیا ہے اور جو اعتراض سمجھ کر ہوتا ہے اس کی نوعیت اور شان ہی جدا ہوتی ہے اور بے سمجھے جو اعتراض ہوتا ہے اس کی نوعیت اور شان جدا جس کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا سو ایسا شخص تو اعتراض ہی کرے گا خصوص یہ زمانہ تو اس قدر پر فتن اور پر آشوب ہے کہ ہر شخص قریب قریب آشوب چشم ہی کا مریض بنا ہوا ہے نظر کام ہی نہیں کرتی الا ماشاء اللہ مگر جن پر حق تعالیٰ کا فضل ہے اور ان کو فہم سلیم اور عقل کامل عطا فرمائی گئی ہے وہ بیشک سمجھ سکتے ہیں ۔

ملفوظ ۱۵۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگوں کو بیٹھے بٹھلائیے کوئی نہ کوئی مشغلہ ضرور چاہیئے اور کچھ نہیں تو یہی سہی کہ فضول سوال کر کر کے مولویوں ہی کو تختۂ مشق بنائیں جو چیز قابل اہتمام اور ضروری ہیں ان کا تو کہیں نام ونشان نہیں نہ ان کی فکر بس غیر ضروری میں ابتلاء ہو رہا ہے ۔ اب ضروری اور غیر ضروری کی تفسیر سمجھو ۔ جس چیز کا اپنے سے تعلق نہ ہو بس وہ غیر ضروری ہے پس جو چیز ضروری ہو آدمی اس کا حکم معلوم کرے آج ہی خط آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ آج کل جو یہود اور نصرانی ہیں ان کی عورتوں سے نکاح بغیر مسلمان کئے ہوئے کیسا ہے جائز ہے یا نہیں ۔ میں نے جواب لکھا ہے کہ جو شخص نکاح کر رہا ہے اسے کہو کہ وہ خود مسئلہ دریافت کرے اور جس عورت سے نکاح کرنا ہے اس کے عقیدے اس سے معلوم کر کے لکھو تب ہم مسئلہ بتائیں گے پھر فرمایا کہ اب جھلائیگا اور دل میں کہیگا کہ یہ پیسے بھی بیکار ہی گئے اگر اور جگہ یہ سوال جاتا تو ایک رسالہ تصنیف کر کے جواب میں روانہ کیا جاتا یہاں سے یہ روکھا اور ضابطہ کا جواب گیا تو بیچارہ کیا خوش ہو سکتا ہے گالیاں ہی دیگا خیر دیا کرے میں اسے تو اس میں آئندہ کیلئے بھی تعلیم دیدی ہے کہ غیر ضروری چیزوں میں آدمی کو اپنا وقت برباد کرنا نہ چاہئے ارے پہلے آدمی ضروری باتوں سے فراغ حاصل کرلے اور وہ ضروری بات یہ ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کی فکر کرے معلوم ہوتا ہے ان سائل صاحب کی کسی سے گفتگو ہوئی ہوگی اس پر

یہ تحقیقات شروع کر دی تاکہ جواب دکھلا کر دوسرے کو رسوا کریں عام مذاق یہی ہو رہا ہے کہ دوسروں پر تو اگر مکھی بھی بیٹھی ہو تو اعتراض ہے اور اپنے جسم میں کیڑے پڑے ہوئے ہوں اس کی بھی فکر نہیں۔ اس قسم کے بہت سوال آتے ہیں یہاں سے جواب بھی ایسے جاتے ہیں جس پر گالیاں ہی دینے ہوں گے ایک شخص کا خط آیا تھا لکھا تھا کہ یہ چھوٹی تو ہیں کیوں ذبیل ہیں میں نے لکھا کہ دنیا میں یا آخرت میں جواب آیا کہ شافی جواب نہ ملا اور کچھ اعتراض بھی لکھے تھے۔ میں نے کہدیا کہ جہاں سے شفا ہو وہاں سے سوال کر لو۔ بیہودہ اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں۔

ملفوظ ۱۱۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر فطرت سلیمہ ہو تو ایک حکم بھی شریعت کا خلاف فطرت نہیں چونکہ اکثر لوگوں کی فطرت سلیمہ نہیں اس لئے ایسے لوگوں کو وہ احکام فطرت اور عقل کے خلاف معلوم ہوتے ہیں جیسے بخار کے مریض کا ذائقہ فاسد ہو جانے کی وجہ سے اس کو زردہ پلاؤ قورمہ متنجن فیرنی بریانی سب کا ذائقہ برا معلوم ہوتا ہے وہ کسی کو میٹھا کسی کو کڑوا کسی کو پھیکا بتلاتا ہے اور یہی چیزیں کسی تندرست کو کھلائی جائیں وہ ان کو خوش ذائقہ اور عمدہ بتلائیگا۔

ملفوظ ۱۱۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں سب میں زیادہ آسان تصوف کو سمجھتا ہوں اور سب میں زیادہ مشکل فقہ کو سمجھتا ہوں مگر آج کل اکثر لوگوں کو فقہ ہی میں زیادہ دلیری ہے اس کا سبب جہل یا کم علمی ہے مجھ کو تو مسئلہ بتلانے سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

ملفوظ ۱۱۸: ایک نو وارد صاحب نے حاضر ہو کر حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ بیعت میں تعجیل سے کام لینا مصلحت کے خلاف ہے سوچ سمجھ کر دیکھ بھال کر بیعت ہونا مناسب ہے اور میں جس طرح اوروں کیلئے مشورہ دیتا ہوں کہ بدون دیکھے بھالے کسی سے بیعت نہ ہونا چاہیئے اسی طرح اپنے لئے بھی اس ضابطہ کی پابندی کرتا ہوں کہ جلدی بیعت نہیں کرتا اس میں طرفین کی مصلحت ہے اور وہ مصلحت دنیوی نہیں ہے بلکہ دینی ہے اور جب دینی ہے تو دنیا دین کی باندی لونڈی ہے وہ کہاں جدا ہو سکتی ہے وہ خود بخود حاصل ہو جائے گی اس لئے میں اس معاملہ میں آپ کو خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ عجلت سے کام نہ لیں یہ فرما کر دریافت فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا وہ آپ نے سن لیا اب جو رائے قائم کی ہو مجھ کو اس سے مطلع کر دیں۔ عرض کیا کہ حضرت نے جو کچھ فرمایا بالکل ٹھیک فرمایا میں اسی مشورہ کے مطابق عمل کرونگا۔ مقصود تو حضرت کی تعلیم پر عمل کرنا ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا ماشاء اللہ فہم سلیم اسی کو کہتے ہیں۔ اب میں آپ کو خوشی سے تعلیم کرونگا۔ اب یہ بتلائیے یہاں پر کے روز کے قیام کی نیت سے آئے ہو عرض کیا کہ تین روز کی نیت سے فرمایا کہ یہ وقت تو ضروری

تعلیم کے لئے کافی نہیں اس کی صورت یہ ہے کہ آپ وطن واپس پہونچ کر بذریعہ خط مجھ کو اطلاع دیں اور اس وقت کی گفتگو کا خلاصہ اس میں تحریر کردیں اور اپنے فرصت کے اوقات لکھدیں میں جو مناسب ہوگا جواب میں لکھدونگا۔ نیز اپنے امراض باطنی کو ایک ایک لکھکر الگ الگ علاج کی درخواست کریں ایکدم سب امراض نہ لکھیں جب ایک مرض کے متعلق تعلیم سے فراغ ہو جائے پھر دوسرے کو لکھیں۔ صحیح طریقہ علاج کا یہ ہے پھر فرمایا کہ بعض عنایت فرما مجھ کو بدخلق اور سخت گیر کہتے ہیں سو دیکھ لیجئے ان صاحب کی ساتھ کونسا بدخلقی اور سخت گیری کا برتاؤ کیا ہیں نے سیدھی سادی بات کہی انہوں نے معقول جواب دیا چلو چھٹی ہوئی پھر ان صاحب سے فرمایا کہ یہ بات اور آپ یاد رکھیں کہ زمانہ قیام میں مجلس کے اندر خاموش بیٹھے رہیں مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کریں اس سے انشاء اللہ بڑا فائدہ ہوگا۔ عرض کیا کہ میں انشاء اللہ تعالی حضرت۔ کی تعلیم کے سرمو خلاف نہ کرونگا۔ حضرت والا نے جوش کی حالت میں فرمایا کہ انشاء اللہ تعالی آپ کو منزل مقصود تک ضرور رسائی ہوگی محرومی نہ ہوگی میں دعا بھی کروں گا۔ آپ کی سلامت طبع سے مجھ کو بڑی مسرت ہوئی۔ بس میں آنے والوں سے صرف اتنی ہی بات چاہتا ہوں کہ ضروری ضروری کا اور سیدھا اور صاف بات کریں اور اپنے کام میں لگیں اینچ پینچ کرکے نہ اپنا وقت ضائع کریں اور نہ میرا۔

ملفوظ ۱۱۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں سب سے پہلے مقصود کا تعین ضروری ہے اور یہ موقوف ہے سمجھنے پر جس چیز کو آدمی سمجھیگا نہیں اس کی طلب ہی کیا کریگا اس لئے اول سمجھ لینے کی ضرورت ہے مگر آج کل بیعت کو ایک رسم کے درجہ میں سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے یا بڑی دوڑ دوڑے تو برکت کے خیال سے سو بیعت سے بڑھ کر برکت تو تلاوت قرآن میں ہے نفلوں میں ہے قرآن پڑھا کرو۔ نفلیں پڑھا کرو۔ بیگی واقع میں ہمارے یہاں تو بیعت سے یہ مقصود ہی نہیں بلکہ یہاں تو کام میں لگانا مقصود ہے فوج تھوڑا ہی بھرتی کرنی ہے یا نام کرنا تھوڑا ہی مقصود ہے ہاں ایسے پیر بھی بکثرت ہیں کہ جہاں رجسٹر بنے ہوئے ہیں اور مریدوں کے نام درج ہوتے ہیں ان سے فیس اینٹھی جاتی ہے۔ سالانہ اور ششماہی وصول ہوتا ہے اور لنگر بازی بھی ایسی ہی جگہ ہوسکتی ہے جہاں ایسے پیر اور ایسے مرید اور ایسی آمدنی ہو یہاں یہ باتیں کہاں اول تو ہم ویسے ہی غریب پھر جو آمدنی بھی ہو تو اس میں بھی چھان بین غالباً ہفتہ میں ایک یا دو منی آرڈر واپس ہو جاتا ہے۔ میں خدا نخواستہ دیوانہ یا گل تھوڑا ہی ہوں کہ مال اور جاہ دونوں کا اپنا نقصان کرلوں مال کا نقصان یہ کہ پھر خفا ہوکر شاید نہ دیں اور جاہ کا نقصان یہ کہ غیر معتقد ہو جائیں مگر میں اس کو خیانت سمجھتا ہوں کہ اصول صحیحہ کے خلاف کروں ایسا کرنے سے اپنا بھلا تو بیشک ہو جائیگا پیٹ بھر جائیگا لیکن خدمت کرنے والوں کا اس میں کیا نفع ہوا وہ تو جہل ہی میں مبتلا رہے ان بد نصیبوں

کا دین برباد ہوا مگر بجائے پابندی اصول کے آج کل بزرگی کی چند علامتیں ٹھہر گئی ہیں۔ یعنی نفلیں بکثرت پڑھنا، تسبیح ہاتھ میں رکھنا۔ گھٹنوں سے نیچا کرتا اور ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہننا بس ختم ہوئی خواہ اندر کیسا ہی گندا ہو۔ اسی کو ایک حکیم فرماتے ہیں ؂

از بروں چوں گور کافر پُر حلل ⁂ واندروں قہر خدائے عزّ و جل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید ⁂ وز درونت ننگ می دارد یزید

اسی کو حافظ فرماتے ہیں ؂

سبحہ بر کف توبہ بر لب دل پُر از ذوقِ گناہ ⁂ معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

یاد رکھو محض صورت بنانے سے بدون اصلاح کے کچھ نہیں ہوتا اور اسی کی آج کل مطلق فکر نہیں اور فکر تو جب ہو جب کہ طریق کی حقیقت سے باخبر ہوں اس لئے میں سب سے اول یہی سبق دیتا ہوں کہ پہلے مقصود کو معلوم کرو اس کے تعین کے بعد آگے چلو آخر تک کوئی گنجلک اور الجھن پیدا نہ ہوگی ورنہ عمر بھر جہل یا پریشانی میں گرفتار رہیں گے ایسے لوگوں کے بکثرت خطوط بھی آتے ہیں اور بعضے یہاں آکر زبانی گفتگو بھی کرتے ہیں مگر تقریباً سب کے سب اسی جہل عظیم میں مبتلا ہیں۔ میں مقصود کا طریق بتلاتا ہوں مگر وہ ادھر ادھر سے پھر پھرا کر نتیجہ میں پھر وہی بیعت، بھائی بیعت کوئی فرض ہے یا واجب ہے جو اس پر اس قدر اصرار ہے میں نے اسی وجہ سے کہ حقیقت سے آگاہ ہو جاویں اب چند روز سے ایک اور قید کا اضافہ کیا ہے کہ یہاں پر آؤ اور زمانہ قیام میں مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کرو مجلس میں خاموش بیٹھے ہوئے باتیں سنا کرو تاکہ طریق کی حقیقت تم کو معلوم ہو جائے مگر اس پر بھی بعض ایسے ذہین اور زندہ دل لوگ ہیں کہ خاموش بیٹھے رہنے کی شرط پر آتے ہیں اور پھر گڑبڑ کرتے ہیں۔ ان واقعات کو دیکھ کر میں تو یہ کہا کرتا ہوں کہ یا تو لوگوں میں عقل کا قحط ہے یا مجھ کو عقل کا ہیضہ اور قحط زدہ اور ہیضہ زدہ میں مناسبت نہیں ہوتی اس لئے میں سیوں سے صاف کہہ دیتا ہوں کہ کہیں اور جا کر تعلق پیدا کر لو مجھ کو تم سے مناسبت نہیں اور یہ طریق بے حد نازک ہے اس میں بدون مناسبت ہرگز نفع نہیں ہو سکتا پھر میری اس صفائی پر بھی اگر کوئی برا بھلا کہے برا مانے تو کہا کرے مانا کرے مجھ سے کسی کی غلامی نہیں ہو سکتی اگر کسی کو مجھ سے تعلق ہے با آئندہ

؂ ظاہر میں تو ایسے جبہ قبہ سے مزین ہو کہ جیسی کافر کی قبر سجی ہوئی ہو۔ اور باطنی حالات ایسے جو خدائے عزوجل کے قہر کے موجب ہیں۔ ظاہری حالات تو ایسے کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ پر بھی طعن کرتے ہو اور تمہارے باطن سے یزید کو بھی شرم آتی ہے ؂ ہاتھ میں تسبیح اور لب پر توبہ اور دل میں گناہوں کی لذت بھری ہوئی ہے۔ تو ہماری توبہ سے گناہ کو بھی شرم آتی ہے ۱۲۔

تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کا مصداق بن کر رہنا چاہیئے جس کو عارف شیرازی فرماتے ہیں

یا مکن با پیلبانان دوستی ؎ یا بنا کن خانہ بر انداز پیل
یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی ؎ یا فرو شو جامہ تقوی بہ نیل

۲۲/ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۱۲۰: ایک نووارد صاحب آ کر کھڑے رہے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ کر کہو جو کچھ کہنا ہو وہ صاحب بیٹھ گئے اور بیٹھ کر بھی کچھ نہیں کہا فرمایا کہ جو کچھ کہنا ہو کہہ لو اور بھی کام ہیں پریشان کیوں کرتے ہو اس پر بھی وہ صاحب خاموش رہے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا کیا سنا نہیں۔ غرض کیا کچھ خیال نہیں کیا فرمایا کہ نواب ہو کام تو تمہارا! اور پھر خیال بھی نہیں کرتے۔ جاؤ چلو یہاں سے اپنے گھر جاؤ جب دل برا ہو جاتا ہے کام نہیں ہوا کرتا اب دیکھیئے کہ اتنی دور سے آپ آئے اور یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ بدون سوچے گھر سے چل دیئے ہوں کہ میں فلاں جگہ جا رہا ہوں اور کس کام کو جا رہا ہوں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ بدون میرے پوچھے ہوئے کہدیتے مگر چند بار پوچھنے پر بھی اول تو جواب ندارد اور جواب دیا تو یہ کہ کچھ خیال نہیں اب اگر دوسرے کو تغیر نہ ہو تو اور کیا ہو بلکہ اگر اس پر بھی تغیر نہ ہو میں تو اس کو بے حسی خیال کرتا ہوں معاشرت کا ناس ہو گیا نہ دنیا دار دنیا کے قاعدہ سے ان ضروریات کو اپنے ذمہ لازم سمجھتے ہیں اور نہ دین دار کے قاعدہ سے لازم سمجھتے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو پھر ہم بھی کسی قاعدہ سے اپنے ذمہ لازم نہیں سمجھتے کیا ہم ہی کسی کے نوکر ہیں پھر ہم ہی پر کیا الزام ہے اور جس قاعدہ سے ہم پر الزام ہو گا اسی قاعدہ سے ہم بھی الزام دیں گے۔ اب ایک ہی بات کو کون لئے بیٹھا رہے اسی کو کھول کے جاتے اور مجلس آرائی کیا کرے یہ تو وہ کرے جسے اور کام نہ ہوں یہاں تو دوسرے ہی کاموں سے فرصت نہیں اور وہ دوسرے کام بھی اپنے تھوڑا ہی ہیں وہ بھی خدمت خلق ہے۔ اب مثلاً یہ ڈاک کا ہی کام ہے کیا یہ میرا کام ہے یا تصنیف کا کام ہے کیا میرا کام ہے اس پر بھی جب

؎ یا تو ہاتھی والے سے دوستی مت کرو۔ یا پھر گھر ایسا بناؤ جس میں ہاتھی آ سکے۔ یا تو عاشق کا دعوی مت کرو کرتے ہو تو اس ظاہری تقوی کو جس کا حاصل اپنی نمائش ہے چھوڑ دو ۱۲ ؎ ..

وہ شخص کچھ نہ بولا تو فرمایا ارے اب بھی خاموش بیٹھا ہے موذی جواب کیوں نہیں دیتا عرض کیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی معاف کر دیجئے فرمایا معافی کو کیا میں تجھ کو پھانسی دے رہا ہوں قتل کر رہا ہوں کوئی لٹھ یا تلوار میرے ہاتھ میں ہے۔ چل اٹھ چلتا بن بدفہم بیٹھے بٹھلائے قلب کو مکدر کیا پریشان کیا ان موذیوں کی حرکتوں کو کوئی نہیں دیکھتا کہ یہ کیا حرکتیں یہاں پر آ کر کرتے ہیں۔ آخر میں بھی تو بشر ہوں انسان ہوں کہاں تک صبر کروں اور صبر بھی کر سکتا ہوں مگر ان بیہودوں کی آنکھیں کیسے کھلیں گی اور ان کی اصلاح کی اور کیا صورت ہوگی یہ تو جہل ہی میں مبتلا رہیں گے اگر میرا یہ طرز اصلاح کسی کو ناپسند ہو یہاں نہ آئے اور کہیں جائے میں تو صاف کہتا ہوں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی ✽ جسکو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

اور حکایت و شکایت کے موقع پر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

دوست کرتے ہیں شکایت غیر کرتے ہیں گلہ ✽ کیا قیامت ہے مجھ ہی کو سب برا کہنے کو ہیں

میرے پاس اتنا فضول اور بیکار وقت نہیں کہ ایسے بیہودوں کی بیٹھا ہوا چاپلوسی کیا کروں حکیم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم کے مطب میں قریب تین سو چار سو مریض ہوتے تھے اگر ایک ایک مریض کے لئے پانچ پانچ منٹ رکھیں جائیں تو کتنا وقت درکار ہے وہ یہ کرتے تھے کہ نبض پر انگلی رکھی شاگردوں سے نسخہ لکھوایا اور دیا اس قدر ملکہ تھا امراض کی پہچان میں جو لوگ معتقد تھے وہ تو کافی سمجھتے تھے اور جو لوگ معتقد نہ تھے وہ شکایت کرتے تھے کہ توجہ نہیں کرتے مگر حکیم صاحب کی یہ حالت تھی کہ صورت دیکھکر تمام امراض کی حقیقت کو پہنچ جاتے تھے تو جو اتنا بڑا طبیب ہو اور اپنے فن کا ماہر ہو اس کو حق ہے کہ وہ اپنے مطب سے ایسے بیہودہ لوگوں کو جو وقت ضائع کریں نکل جانے کا حکم کرے۔ اب وہ کہاں تک بیٹھا ہوا نسخہ اور مرض کی ان کے سامنے شرح کیا کرے۔ بس ایسوں کا تو ایک ہی علاج ہے کہ چلو یہ بنو۔ زیادہ سے زیادہ پھر نہ آئیگا نہ آئے بدفہم کا نہ آنا ہی اچھا ہے۔ اور اگر آئیگا تو سمجھ کر آئیگا باقی خدمت سے انکار کب ہے خدانخواستہ کسی سے کوئی ضد نہیں بغض نہیں عداوت نہیں مگر سلیقہ اور فہم کی تو ضرورت ہے بے فکری اور بے ڈھنگا پن کیا معنی۔ یہاں پر بحمد اللہ ان ہی اصول کی برکت سے لوگوں کے مزاج درست ہو جاتے ہیں کیونکہ ملمع نہیں ہوتی اور صاحب اصلاح تو اصلاح ہی کے طریق سے ہوتا ہے ہر ہر قدم پر روک ٹوک کیجاتی ہے۔ لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ آزاد چھوڑ دیئے جائیں سو اگر آزادی ہی کا شوق ہے تو گھر ہی سے کیوں چلے تھے کیا کوئی بلا لے گیا تھا۔ یہ فرما کر فرمایا کہ چلو اٹھو یہاں سے نکلو اور یہاں پر کبھی مت آؤ وہ صاحب پھر بھی بیٹھے رہے فرمایا وہ مرض خیال نہ

کرنے کا ابھی باقی معلوم ہوتا ہے وہ صاحب اٹھ کر چلدیئے فرمایا کہ اگر جی چاہے تو کل بعد نماز ظہر آکر میری بات کا جواب دو اور اگر نہ چاہے تو اپنے گھر جاؤ۔ عرض کیا کہ کل جواب دونگا فرمایا کہ تمہاری زبانی نہ سنونگا یا تو کسی کے واسطہ سے گفتگو کرنا یا لکھکر بکس میں ڈالدینا۔ عرض کیا کہ بہت اچھا۔ وہ صاحب چلے گئے۔ حضرت والا نے اہل مجلس کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ اب سیدھے ہو گئے مجھ کو آنے والوں سے نفرت یا بغض تھوڑا ہی ہے چاہتا یہ ہوں کہ انکی اصلاح ہو جن امراض میں ابتلاء ہے ان سے نجات ہو۔ اور میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ ان آنے والوں کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں کہ شاید یہی ذریعہ نجات ہو جائیں اور اپنے اس طرز پر مجھ کو ناز نہیں۔ اس طرز کے استعمال کے بعد بھی حق تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں حد سے تجاوز نہ ہو جاوے۔

ملفوظ ۱۲۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو اس طریقہ سے سخت طبعی نفرت ہے کہ لوگوں کو ترغیب دے کر معتقد بنا کر کسی کے پاس بھیجتے ہیں جیسا بعض لوگوں کو اس کا مرض ہوتا ہے حتیٰ کہ مادی امراض کے لوگوں تک کو بھیج دیتے ہیں جو نہایت ہی برا طریقہ ہے۔ ایک صاحب نے یہاں ایک مجنون کو بھیج دیا۔ اس نے آکر مجھ سے تعویذ مانگا۔ میں جنون کا تعویذ جانتا نہیں میں نے انکار کر دیا وہ یہاں سے چلا گیا اور واہی تباہی بکتا پھرتا تھا مشکل سے دفع ہوا

ملفوظ ۱۲۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حکومت کی بڑی سخت ضرورت ہے بدون حکومت کے انتظام مشکل ہے زیادہ گڑبڑ حکومت اسلامی نہ ہونے کی وجہ سے ہو رہی ہے ہر شخص آزاد ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں شام میں ایک شخص تھا وہ قرآن شریف کے متشابہات میں تحریف کرتا تھا اس علاقہ میں جو عامل مقرر تھے ان کو اس کی گرفتاری کیلئے حکم بھیجدیا چنانچہ گرفتار ہو کر آیا۔ آپ نے ستون سے بندھوا کر حکم دیا کہ اس نے دماغ پر درے لگاؤ۔ دو چار ہی درے لگے تھے ہینچ اٹھا اور یہ عرض کیا کہ ساری عمر ایسا کبھی نہ کروں گا۔ غرض دماغ درست ہو گیا سو بدون حکومت کے ایسے خرد ماغوں کا علاج مشکل ہے۔

ملفوظ ۱۲۳: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعضے غیر مسلم بادشاہوں میں بھی بعض خصلتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے دوسروں کو راحت پہونچتی ہے چنانچہ ملکہ وکٹوریہ ایک دانشمند عورت تھی طبیعت میں ایک خاص درجہ کا حلم اور رعایت بھی تھی ایک خاں صاحب پولیس کے جمعدار کا واقعہ ہے جو گلاوٹھی میں سنا تھا اور وہ مجھ سے ملے بھی تھے کہ ایک حافظ جی ان کے شناسا ملکہ کے پاس لندن میں اردو سکھلانے پر ملازم تھے انہوں نے ملکہ کی فرمائش پر وہاں سے ان کو ملکہ کی خدمت گاری کی ملازمت کیلئے بلایا جب یہ پہونچے تو حافظ جی نے ان

سے کہا کہ میں تم کو پیش کروں گا تو اس طرح آداب شاہی بجالانا اس میں یہ بھی تھا کہ جھک کر سلام
کرنا وغیرہ وغیرہ۔ انہوں نے کہا کہ جھک کر سلام کرنا شریعت کے خلاف ہے میں تو ایسا نہ کروں
گا۔ حافظ جی نے کہا کہ تب تو یہاں پر تمہارا رہنا مشکل ہے انہوں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو غرض
وہ خاموش ہو گئے۔ ملکہ نے خود ہی ایک روز حافظ جی سے دریافت کیا کہ اس ہندوستانی
کو نہیں لائے انہوں نے کہا کہ حضور ان کا دماغ درست نہیں دریافت کیا کیا بات ہے کہا کہ جھک
کر سلام کرنے پر یوں کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کا حکم نہیں ہے سوائے خدا کے دوسرے کے لئے
مسلمان سر نہیں جھکا سکتا ملکہ نے یہ سنکر کہا کہ ایسے شخص کا دماغ خراب بتلاتے ہو دماغ تمہارا
خراب ہے وہ شخص قابل ملنے کے ہے وہ مذہب کا پابند ہے اس کو ضرور ہمارے پاس لاؤ
ہم ضرور ملاقات کریں گے وہ ساتھ گئے انہوں نے جاتے ہی کہا السلام علیکم ملکہ نے جواب
دیا اور پھر بہت تسلی تشفی کے بعد ان کے سپرد یہ خدمت کی کہ دستی گاڑی پر صبح و شام ٹہلایا کرو
ایک مرتبہ وہ گاڑی الٹ گئی حاضرین دوڑ پڑے اور اٹھا لیا مگر یہ جمعدار ڈر کے مارے اگلے
روز نہیں گئے ملکہ کو معلوم ہوا تو تسلی کرنے بیٹھی کہ تم نے عمداً کچھ نہیں کیا اتفاقی غلطی ہو گئی ڈر کی
بات نہیں ایک مرتبہ میں نے ملکہ کو خواب میں دیکھا مجھ سے یہ سوال کیا کہ مجھ کو اسلام کی حقانیت
میں صرف ایک شبہ ہے اور کوئی شبہ نہیں وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے اور نبی کی
شان متانت اور وقار ہونا چاہیئے اور مزاح وقار کے خلاف ہے میں نے جواب دیا کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ہیبت خدا داد تھی اور منصب حضور کا تھا تبلیغ اور افادہ۔ اور ہیبت لوگوں
کو استفادہ سے مانع ہو سکتی تھی اس کے لئے بے تکلفی کی ضرورت تھی۔ اس بے تکلفی پیدا کرنے کیلئے
حضورؐ قصداً مزاح فرماتے تھے تو جو مزاح مصلحت سے ہو وہ وقار کے خلاف نہیں پس اس سے
یہ شبہ بھی رفع ہو گیا۔ مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ مجذوب تھے انہوں
نے ملکہ کا نصیبن نام رکھ رکھا تھا شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ انکے زمانہ میں نہایت ہی امن و سکون سے
حکومت رہی بعد میں فسادات کی گھڑیاں کھل گئیں اس وقت صرف ایک فتنہ تھا کفر کا یہ فسادات کچھ
نہ تھے شاید یہ وجہ ہو۔

ملفوظ ۱۲۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں دشواری اسی وقت تک ہے کہ جب تک اس
کی حقیقت سے بے خبری ہے اور حقیقت منکشف ہو جانے پر پھر اس سے زیادہ
کوئی چیز آسان اور سہل نظر نہیں آتی فن نہ معلوم ہونے کی وجہ سے جاہلوں نے تصوف کو اس
طرح لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ بجائے سہولت اور آسانی کے دشوار معلوم ہونے لگا اور
بجائے رغبت کے اس سے وحشت پیدا ہو گئی۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ تصوف کا فن صرف ایک

مسئلہ پر ختم ہے۔ اختیاری اور غیر اختیاری کی تقسیم۔ پس انسان اختیاری کو کرے اور غیر اختیاری کے درپے نہ ہو چلو چھٹی ہوئی یہ ایک مختصر سی اور بیحد سہل بات ہے۔ جو میں نے بیان کی اس پر مہر علی شاہ صاحب کا مقولہ یاد آیا جو ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا تھا انہوں نے باوجود اختلاف مسلک کے فرمایا کہ فلاں شخص (یعنی مراد تھا) نے تصوف کی خوب خدمت کی ہے آسان کر کے دکھلایا ہے۔ بعضوں کو اس سہولت کے متعلق شبہ ہو جاتا ہے کہ تعبیر بھی سہل سمجھنا بھی سہل مگر عمل کرنا تو مشکل ہی سا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عمل بھی کون مشکل ہے صرف ہمت یعنی عزم قوی کی ضرورت ہے اور اگر اشکال ایسا ہی سستا ہے تو کھانا بھی مشکل ہونا چاہیے اس لئے کہ بدون عزم کے وہ بھی حلق سے نیچے نہیں اترتا اور تصوف کے حصول کی ایک تدبیر اس سے بھی سہل بتلاتا ہوں وہ یہ کہ اہل ہمت کی صحبت و اطاعت اختیار کرو اس کو دیکھ کر خود بخود ہمت میں قوت ہو جاویگی اور چونکہ وہ اس راہ کا واقف ہے وہ تم کو دشوار گذار راہ سے نکال کر لیجاویگا غلط روی سے جو دشواری ہوئی وہ بھی زائل ہو جاویگی اور ایسے شخص کی صحبت و اطاعت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے بدون اس راہبر اور واقف کار کے اس راہ میں قدم رکھنا بہر حال خطرہ سے خالی نہیں اسی کو فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو ❊ بے قلاوز اندریں صحرا مرو

ملفوظ ۱۲۵: ایک صاحب نے ایک طبی کالج کے طلباء کا ذکر کیا کہ بڑے ہی آزاد ہیں چھوٹے بڑے کی وہاں پر کوئی پرسش ہی نہیں استادوں کے ساتھ مساوات کا برتاؤ ہے۔ فرمایا کہ اب تو چھوٹے بھی بڑوں کا اتنا ادب نہیں کرتے جتنا پہلے بڑے چھوٹوں کا ادب کرتے تھے اور آج کل نہ استاد کی پروا ہے اور نہ باپ کی نہ پیر کی عجیب گڑ بڑ پھیل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا سے خیر و برکت اٹھتی چلی جا رہی ہے۔ جمہوریت جمہوریت گاتے پھرتے ہیں یہ سب اسی کی نحوست ہے کہ نہ چھوٹے چھوٹے رہے نہ بڑے بڑے رہے اور علاوہ ان آثار کے خود مقصود کے اعتبار سے بھی یہ جمہوریت ایک کھیل ہے جو قوت شوکت ہیبت شخصیت میں ہے جمہوریت میں خاک بھی نہیں اور یہ بھی کیسے مکو میں سمجھتے ہیں کہ آج ایک پریسیڈنٹ ہے کل کو بدل دیا جاویگا یہ انتخاب کی برکات اور جمہوریت کے کرشمے ہیں اس میں نہ مستحکم انتظام ہو سکتا ہے نہ وزنی کام ہو سکتا ہے بخلاف شخصیت کے کہ وہ بڑی برکت کی چیز ہے مگر عجب عقلیں ہیں تجربہ کر رہے ہیں کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے مگر باز نہیں آتے۔ اس بے حسی کا کسی کے پاس کیا علاج، اور پھر اس پر بھی بس نہیں، شخصیت کو خلاف حکمت بتلاتے ہیں، عجیب تماشا ہے۔

ملفوظ ۱۲۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے غیر مقلد بھی عجب چیز ہیں ان کی عبادات میں بھی نیت فساد کی ہوتی ہے اللہ کے واسطے وہ بھی نہیں ہوتی آمین بالجہر بے شک سنت ہے مگر ان کا مقصود محض فساد کرنا ہوتا ہے بس اصل میں فساد سے منع کیا جاتا ہے ایک مقام پر ایسے ہی اختلاف میں ایک انگریز تحقیقات کیلئے متعین ہوا۔ اور اس نے اپنے فیصلہ میں عجیب بات لکھی کہ آمین کی تین قسمیں ہیں ایک آمین بالجہر یہ شافعیہ کا مذہب ہے اس کی تائید میں احادیث وارد ہیں۔ ایک آمین بالسر یہ حنفیہ کا مذہب ہے اس میں بھی حدیثیں وارد ہیں ایک آمین بالشر یہ کسی امام کا مذہب نہیں اور نہ اس میں کوئی حدیث وارد ہے اسلئے اس سے منع کیا جانا چاہیئے غرض بعض کو عبادت میں بھی شر اور فساد ہی مقصود ہوتا ہے۔

ملفوظ ۱۲۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی کو کوئی کیا کہہ سکتا ہے اور کیا سمجھ سکتا ہے حجاج بن یوسف جس کا ظلم مشہور ہے مگر باوجود اس کے (اس وقت ظالموں کی یہ حالت تھی کہ) ایک شب میں تین سو رکعت نفل پڑھنا اس کا معمول تھا یہ جس وقت مرنے لگا تو کہتا ہے کہ اے اللہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نہیں بخشا جائیگا۔ ہم تو جب جانیں جب ہم کو بخشدو بندوں کا بخشدینا کوئی عجیب بات نہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے تابعی سے کسی نے جاکر کہا کہ وہ یہ کہہ کر مرا ہے فرمایا بڑا چالاک ہے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں سے جنت بھی نے مریگا۔ ایک شخص نے بعد مرجانے کے اس کو خواب میں دیکھا دریافت کیا کہ کیا حال ہے کہا کہ جس قدر مظلوم میں نے قتل کئے ہیں سب کے بدلے مجھ کو ایک مرتبہ قتل کیا گیا اور سعید بن جبیر کے بدلے ستر مرتبہ قتل کیا گیا اور سخت تکلیف میں ہوں پوچھا کہ اب کیا خیال ہے کہا کہ وہی خیال ہے جو سب مسلمانوں کا خدا کے ساتھ ہے یعنی مغفرت کا امیدوار ہوں اور ضرور مغفرت ہوگی یہ خیال اس شخص کا ہے جو دنیا بھر کے نزدیک مبغوض اور مردود ہے وہ بھی خدا کی ذات سے ناامید نہیں ہوا اور یہ خیال تو آج کل کے بعضے لمبے لمبے وظیفوں کے پڑھنے والوں کا بھی خدا کے ساتھ اتنا قوی نہیں اب بتلایئے کوئی کسی کو کیا نظر تحقیر سے دیکھے بس ہر آدمی کو چاہیئے کہ اپنی خبر منائے کیوں کسی کے درپے ہو اپنی ہی کیا خبر ہے کہ کیا معاملہ ہوگا۔

ملفوظ ۱۲۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصل چیز تو یہ ہے کہ قلب میں حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق ہو اور بقیہ سب کمالات اسی کے الوان ہیں اور دوسری چیزیں اسی وقت پیدا ہوتی ہیں جب کہ اس پر کار بند ہو اور اس کا بھی ایک خاص طریقہ ہے اور کچھ خاص شرائط ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ شیخ کی تعلیم پر بے چون و چرا عمل کرے شیخ اسی چیز کے پیدا کرنے کی غرض سے جس کے لئے جو مناسب سمجھتا ہے تعلیم کرتا ہے اقربا کے لئے ایک تجویز ہے اغیار کیلئے ایک تجویز مگر مقصود

تمام تعلیم کا ایک ہی ہے طالب کو چاہیئے کہ جو اس کو تعلیم کیا جاوے اسی میں اپنی مصلحت سمجھے۔ غرض اصل چیز تو وہی ہے جس کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں یعنی صحیح معنیٰ میں بندہ کا خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو جانا باقی اس کے علاوہ اس طریق میں جتنی چیزیں ہیں سب اسی کی تدابیر ہیں جیسے طبیب جسمانی کا اصل مقصود تحصیل و تکمیل صحت ہے اور تفصیلی معالجات اسی کی تدابیر۔

ملفوظ ۱۲۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے لوگوں کے قلوب میں عظمت تھی دین کی اب تو اس کی بہت کمی ہو گئی ہے پہلے فساق فجار کے قلوب میں بھی عظمت دین تھی اور اب وہ زمانہ ہے کہ بہت سے بڑے بڑے جبے قبے والے بڑے بڑے القاب والے اس دولت سے کورے ہیں۔

ملفوظ ۱۳۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جکی پیسنے سے کا تھوڑا ہی بنتا ہے کام تو ان کے فضل سے ہوتا ہے ہاں لگا رہنا شرط ہے چنانچہ محنت تو کسی کام میں میں نے بھی نہیں کی مگر جس کام کو کرتا ہوں اس سے کسی وقت دماغ خالی نہیں رہتا ہر وقت دماغ　کام کرتا رہتا ہے اور بعض لوگوں کو اس کی خبر نہیں اس لئے وہ فضول چیزوں میں لگا کر ستاتے ہیں۔ دوسرا شخص اگر اتنا دماغی کام کرے اور اس کے ساتھ ذکی الحس بھی ہو تو چلا اٹھے اس لئے اپنی راحت کیلئے کچھ قوانین مقرر کئے ہیں اور اپنی راحت کے ساتھ اس میں دوسرے کی بھی راحت ملحوظ ہوتی ہے اور اس کے خلاف کرنے پر جو عتاب ہوتا ہے وہ بھی حقیقت میں سزا نہیں ہے وہ بھی راحت ہی کا قانون ہے اس لئے میں جس پر خفا ہوتا ہوں اپنے سامنے سے ہٹا دیتا ہوں تاکہ قلب جلد کی صاف ہو جاوے کیونکہ میری طبیعت ضعیف ہے جلدی متاثر ہو جاتی ہے اور یہ فطری چیز ہے چنانچہ بعض حضرات اکابر کو نماز میں پنکھا جھلا جاتا تھا مگر میں نے ضعف طبع کی وجہ سے منع کر رکھا ہے کسی نے ان اکابر میں سے بعض حضرات سے پوچھا کہ اس سے حضرت کا دل نہیں بٹتا فرمایا کہ ہمارا تو جی اور زیادہ لگتا ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگتی ہے مگر میری طبیعت اس قدر ضعیف ہے کہ اگر کوئی نماز کے وقت میرے قریب بھی بیٹھ جاتا ہے اور مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ میرا منتظر ہے تو اس قدر طبیعت پر بوجھ ہوتا ہے کہ نماز بھی آ ہی کمی ہو جاتی ہے۔

ملفوظ ۱۳۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا ذوق یہ ہے کہ مسجد میں چارپائی بچھا کر لیٹنے کو ادب کے خلاف سمجھتا ہوں یہ ذوقی امور ہیں دلکل وجهة هو مولیها۔

ملفوظ ۱۳۲:- فرمایا کہ ایک خط آیا ہے صرف اپنے حالات لکھے ہیں اور ان　حالات کے متعلق کوئی بات نہیں پوچھی جس سے معلوم ہوتا　ان حالات کے لکھنے سے کیا مقصود ہے میں نے یہ جواب دیا ہے مہمل خط ہے معلوم ہوتا ہے کہ طریق کی حقیقت سے بے خبر ہو اسلئے کوئی درخواست نہیں کی۔ ——

ملفوظ ۱۳۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس جدید تعلیم نے جس کو نئی روشنی سے تعبیر کرتے ہیں بڑی ہی گمراہی کا دروازہ کھول دیا۔ ایک صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ انبیاء السلام کی کامیابی کا بڑا راز یہ ہے کہ ان میں استقلال تھا اور اس کی زندہ نظیر گاندھی موجود ہے۔ استغفر اللہ نعوذ باللہ سیرت نبوی پر کتاب اور نبی کو ایک مکذب نبوت سے تشبیہ کیا آفت ہے نہ معلوم کس قدر مسلمانوں نے یہ مضمون دیکھا ہوگا اور گمراہی میں پھنسے ہونگے اور اکثر بد عقل مسلمان بھی ایسوں ہی کا اتباع کرتے ہیں اور ان کو اپنا رہبر اور پیشوا مانتے ہیں میرے پاس بھی وہ کتاب بھیجی گئی میں نے یہ لکھکر واپس کر دی کہ ایسی کتاب کو اپنی ملک میں رکھنا نہیں چاہتا جس اصل سیرت یعنی نبوت کے مکذب کی مدح ہو اس کا جواب آیا کہ زمانہ جاہلیت میں اس ناچیز سے ایسی حرکت ہوگئی انہوں نے اپنے پہلے زمانہ کو جاہلیت سے تعبیر کیا غنیمت ہے کیونکہ اکثر میں آج کل ایک خاص مرض یہ بھی ہوتا ہے کہ پہلے اپنی بات کی پچ کرتے ہیں یہ سب خرابیاں جدید تعلیم کا اثر ہے اس پر کہتے ہیں کہ یہ نئی روشنی ہے جس میں ہزاروں ظلمتیں بھری ہیں اور دین کی کمی تو ہے ہی مگر دنیوی تہذیب کا بھی ان میں نام ونشان نہیں ہوتا ایک صاحب یہاں پر آئے تھے ایک دو روز غالباً ٹھہرے تھے بوقت رخصت کہتے ہیں کہ میں اسٹیشن جا سکتا ہوں مہمل بات چند الفاظ ہیں جوڑ رکھے ہیں وہ ہی ان کے مایہ ناز ہیں ساری قابلیت ان ہی میں ختم ہے میں نے کہا کہ اللہ نے آنکھیں دیں دیکھنے کو پیر دئے چلنے کو راستہ دیکھا ہوا ہے جا کیوں نہیں سکتے جا سکتے ہو۔

ملفوظ ۱۳۴ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دوسروں کی کیا شکایت جب اپنے ہی بزرگوں کے نام لیوا پھسل گئے اس قدر انگریزیت اور نیچریت کا اس زمانہ میں غلبہ ہوا ہے کہ پرانے پرانے لوگ ڈھل مل ہو گئے اب یہ آفت فلاں مدرسہ میں بھی پیدا ہو گئی ہے بعض لوگ میری سرپرستی سے منقبض ہیں میں نے اس ہی بنا پر استعفاء دیدیا تھا مگر پھر آ کر مجھ کو مجبور کیا گیا میں نے مدرسہ کی مصلحت کی وجہ سے قبول کر لیا۔ اب معلوم ہوا کہ ممبران میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ دور سے بیٹھے بیٹھے ایک رائے کو ترجیح دیدینا ہے اور واقعات مجھ دور سے معلوم نہیں ہو سکتے اس لیے انہوں نے میرے متعلق شرط رکھی تھی کہ وہ مجلس شوریٰ میں شرکت کیا کرے اور وقت پر مجھ سے اس شرط کو ظاہر نہیں کیا گیا اس نے مجھ کو احباب

سے شکایت ہے۔ کہ مجھ سے ضروری واقعات کو چھپایا گیا اور مجھ سے یہ بیان کیا گیا کہ تمام ممبران دل سے چاہتے ہیں اور سب کی دل سے تمنا ہے مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہ تھا اور مزید براں یہ معلوم ہوا کہ مدرسہ کا زیادہ حصہ کانگریس میں شریک ہو چکا ہے اس قدر یہ باتیں سن کر دل کو قلق ہوتا ہے کہ یا اللہ بالکل ہی کایا پلٹ ہو گئی اپنے بزرگوں کے طرز اور مسلک کو بالکل ہی خیرباد کہہ دیا اور زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے بزرگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے بس اگر یہی رفتار رہے تو آگے کا اللہ ہی حافظ ہے آئندہ آنے والی نسلیں تو بالکل ہی نیچریت کا شکار ہونگی حق تعالیٰ اپنا رحم فرمائیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں۔

ملفوظ ۱۳۵:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اب تو وہ زمانہ ہے کہ ہر شخص کی رفتار گفتار اور لباس سے انگریزیت جھلکتی ہے۔ سادگی کا نام نہیں رہا زبان سے نصرانیت اور انگریزیت کی برائی کرتے ہیں اور دلوں میں وہی باتیں رچی ہیں ان ہی جیسا لباس ان ہی جیسی معاشرت اختیار کر رکھی ہے مجھے تو ایک عالم کا قول پسند آیا کہ یہ لوگ نصرانیوں کے مخالف ہیں اور نصرانیت کے حامی ہیں بات تو کام کی کہی واقعی یہی ہو رہا ہے غضب تو یہ ہے کہ اس فتنہ سے بعض علماء بھی نہ بچ سکے اور نصوص کے خلاف کرنا شروع کر دیا ان کا طریقہ کار بالکل نصوص کے خلاف ہو رہا ہے لیکن کسی کا عمل تو حجت نہیں جب کوئی تدبیر تدابیر منصوصہ کے خلاف اختیار کی جاوے گی اسکو تو ممنوع ہی کہا جاویگا خصوص جبکہ وہ فعل عبث یا مضر بھی ہو تو اس کی حرمت میں پھر کیا شبہ ہو سکتا ہے وہاں تو النص صراحۃ تبیح المحظورات کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا مثلاً ہڑتال ہے جلوس ہیں ان میں وقت کا ضائع ہونا پیسہ کا ضائع ہونا دکھ مند لوگوں کو تکلیف ہونا نمازوں کا ضائع ہونا کھلے مفاسد ہیں تو یہ افعال کیسے جائز ہو سکتے ہیں ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر نیت امداد حق کی ہو فرمایا کہ ان باتوں سے حق کو کوئی امداد نہیں پہونچتی دوسرے ناشروع فعل نیت سے مشروع نہیں ہو جاتا یہ تو محض جاہ طلبی ہے کہ جلسے ہو رہے ہیں، جلوس نکل رہے ہیں گلوں میں ہار پڑ رہے ہیں اور یہ سب بد دینوں ہی سے سبق حاصل کئے ہیں اور سب یورپ ہی کی تقلید ہے اور مزاحاً فرمایا کہ ہار (مغلوبیت) تو پہلے ہی گلوگیر ہے پھر کامیابی (جیت) کہاں۔

ملفوظ ۱۳۶:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر پچاس دنیوی مصلحتیں ہوں اور ایک دینی مفسدہ ہو تو مفسدہ ہی کو غالب سمجھا جاویگا عرض کیا گیا کہ جن نصوص میں جہاد کا حکم

ہے یا جبر کا اس کے اعتبار سے حکم منصوص کے ہوتے ہوئے اپنی رائے سے اس کے خلاف ایک طریقہ کا اختیار کرنا کہ نہ وہ جہاد ہے نہ جبر ہے یہ سکوت عنہ ہوگا۔ یا اس کو منہی عنہ کہیں گے جواب فرمایا کہ باوجود ایسی ضرورتیں واقع ہونے کے متقدمین نے جب اس کو ترک کیا اختیار نہیں کیا تو یہ اجماع ہو گیا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہوگا یہ احتمال بھی نہ رہا کہ نصوص کو ماول یا معطل کہہ لیا جاوے

۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم جمعہ

ملفوظ ۱۳۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نیند بھی خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے بعض اوقات شب کو نیند کم آتی ہے سونے کو جی ترستا رہتا ہے تمام شب بے چینی رہتی ہے مگر ایسا کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ صبح کو بیٹھ گیا اور دفعۃً آنکھیں بند ہو گئیں پھر جو آنکھ کھلی تو وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ دفعۃً دماغ میں سے کچھ غبار سا نکل گیا اس وقت طبیعت نہایت نشاش ہو جاتی ہے تمام شب کا نکلان دماغ کا جاتا رہتا ہے مگر آج تک یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کیا چیز ہے جو دماغ سے نکل جاتی ہے اور اس کے نکلنے سے سکون ہو جاتا ہے طبیب یہ بھی نہیں کہتے کہ دماغ کمزور ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ دماغ نہایت قوی ہے اور خود مجھ کو بھی بفضلہ تعالیٰ کسی قسم کی کوئی دماغی شکایت نہیں معلوم ہوتی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا بات ہے۔

ملفوظ ۱۳۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ذہانت اور تیزی اور چیز ہے۔ دو مصنفوں کا نام لیا کہ ان میں تقریر و تحریر کے وقت غصہ اس قدر ہے کہ بے تاب ہو جاتے ہیں مگر سمجھنے موٹی موٹی باتوں کو بھی نہیں ہاں تیز اس قدر ہیں کہ جب چلتے ہیں پھر نہیں دیکھتے کہ کوئی مریگا گریگا سامنے کوئی آدمی ہے یا جانور ہے یا راستہ ہے حتیٰ کہ خصم کا قول نقل کرتے ہیں مگر اسپر جو رد لکھتے ہیں تو اس رد کی کوئی دلیل بیان نہیں کرتے عجیب بات ہے کہ ائمہ کی تقلید کو حرام کہتے ہیں اور دوسروں کو اپنا مقلد بنانا چاہتے ہیں اچھی زبردستی ہے بھلا ان کی ہی کون تقلید کریگا۔ غیر مقلدوں کے یہاں یہ دونوں حضرات مایہ ناز ہیں مگر سمجھ سے کچھ کام نہیں لیتے یوں ہی تنے ہیں باقی ہمارے بزرگ ماشاء اللہ برتنے کو اس کے حدود پر رکھتے ہیں ان ہی برکت ہے کہ ہم ان

سے کے خدام بھی کسی امر میں غلو نہیں کرتے چنانچہ یہاں ایک طالب علم شافعی مذہب آئے تھے موپلوں کی قوم میں سے تھے زبان بھی عربی تھی نماز میں آمین بالجہر کہتے تھے مگر بہت دبی آواز سے میں نے ان کو محض اس خیال سے کہ شاید یہاں کے ادب کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں کہلوا دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے سنت کو چھوڑا جائے بے تکلف آمین کہو مگر اس انداز سے جیسے اپنے شافعی بھائیوں سے کہتے تھے وہ اس پر بہت خوش ہوئے کہ یہاں اس قدر وسعت اور رعایت ہے جو کہیں نہیں دیکھی گئی۔

ملفوظ ۱۳۹: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ موپلوں کی قوم بڑی جوشیلی قوم ہے عربی النسل ہیں اس زمانہ تحریکات میں اس قوم کو بعضے کم عقل لیڈروں نے تباہ اور برباد کر دیا خود تو جلسوں ہی پر اکتفاء کیا اور ان بیچاروں کو حکومت سے لڑوا دیا جوشیلی قوم تھی مقابلہ پر اتر گئی اور یہ ابھارنے والے دم دبا کر بھاگے نظر آئے پھر ان بیچاروں کی جا کر خبر تک نہ لی حکومت نے خوب پلپلا ہی حشر ہندوستان کا بنانے کو پھرتے تھے مگر اللہ نے اپنا فضل کیا اور ان لیڈروں کی کیا شکایت کیجاوے۔ بعض مولوی ایسے بدحواس ہوئے کہ ان کو نہ دنیا کی خبر تھی اور نہ دین کی ایمان تک قربان اور نثار کرنے کو تیار رہے تھے اور ایک مولوی صاحب نے گاندھی کی عشق میں اپنے ایمان اور دین اور اس میں گذری ہوئی عمر کو اس پر نثار کرنیکا اس شعر میں اقرار کر لیا ہے۔

عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت ٭ رفتی و نثار بت پرستی کردی

ایک لیڈر صاحب نے کہا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی مستحق نبوت تھا حیرت ہے کہ ایسا کم فہم بھی ہوتا اگر فہیم ہوتا تو پہلے آخرت پر ایمان لاتا۔ پالیسی اور چیز ہے عقل اور چیز ہے دیکھئے حق تعالی عورتوں کے متعلق فرماتے ہیں ان کیدکن عظیم ان کے مکر کو تو بڑا فرمایا اور حدیث میں ان کو ناقص العقل فرمایا گیا تو چالاکی کو عقل سے کیا واسطہ۔

ملفوظ ۱۴۰: ایک صاحب کی غلطی پر پھر اس غلطی کی معذرت پر کہ قاعدہ کی خبر نہ تھی مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایسے ہی تو بے خبر ہو بے خبری کا لفظ یاد کر لیا ایسی موٹی باتوں کی بھی خبر نہیں البتہ اصطلاحی بے خبری کا دعوی صحیح ہو سکتا ہے جس کے معنی ہیں بے فکری ورنہ معقولات کی بھی خبر نتیجہ کی بھی خبر سب خبر ہے مگر غلطی اس لئے ہوتی ہے کہ ہم غریبوں کی نسبت یوں سمجھتے ہیں

۱؎ جو عمر کہ آیات و احادیث کے مشغلہ میں گذری۔ تم نے جاتے ہی ایک بت پرست پر نثار کر دی ۱۲ د۔

کہ اللہ والے جو ہوتے ہیں ان کو حس نہیں رہتی۔ بے حس ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ خود بے حس ہوتے ہیں اس لئے اوروں کو بھی بے حس خیال کرتے ہیں ہم لوگوں کے متعلق سمجھتے ہیں کہ ان کو نہ کسی چیز سے تکلیف ہوتی ہے نہ ان کو ادراک ہوتا ہے نہ اذیت پہنچتی ہے حاصل یہ کہ بت ہیں چاہے کوئی چار جوتے لگا جائے تب غریب کو حس نہیں اور چاہے کوئی چڑھاوا چڑھا جائے تب حس نہیں خلاصہ یہ کہ اللہ والوں کو بت سمجھتے ہیں۔ اور سمجھنے کا بھی کیا قصور ہے خود مشائخ آج بے حس ہو گئے دکان گرم ہو رہی ہے چہار طرف پروانے جمع ہیں بیچ میں شمع رکھی ہے مشیخت کی شان ظاہر ہو رہی ہے شیخ صاحب کو اس پر حظ ہو رہا ہے اور زیادہ اس وقت ایسے ہی ہیں جو محض دکان چمکانے کی وجہ سے اور حظ کی غرض سے لوگوں کے اجتماع کو پسند کرتے ہیں اور اس عشق میں لوگوں کی سب بد تمیزیاں برداشت کرتے ہیں مگر مجھ کو تو ان باتوں سے سخت نفرت ہے نہ اپنے بزرگوں کا یہ طرز دیکھا نہ اپنے کو یہ پسند اپنے بزرگوں کی بیچاری سادہ زندگی دیکھی اس لئے یہ نئی نئی باتیں بری معلوم ہوتی ہیں۔

ملفوظ ۱۴۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ قوت متخیلہ پر بعضے قوی آثار مرتب ہو جاتے ہیں سو اگر اس قوت کو وحی کے تابع بنا دیا یعنی جس محل میں وحی نے اذن ندیا ہو وہاں اس کو صرف نہ کیا تب تو خیریت ہے ورنہ گیا گزرا ہوا۔ اور اس قوت متخیلہ کے اعتبار سے صاحب قوت کی تین قسمیں ہیں بعضوں میں یہ فطری ہوتی ہے اور قوی بھی ہوتی ہے بعضوں میں فطری ہوتی ہے مگر ضعیف ہوتی ہے اور بعضوں میں فطری نہیں ہوتی بلکہ خاص مشق کی ضرورت ہوتی ہے اور پہلے دونوں شخصوں کو اتنی مشقت نہیں ہوتی اور متعارف توجہ بھی قوت متخیلہ ہی کا ایک طریق ہے۔ مگر مشائخ چشتیہ اس متعارف توجہ کا التزام نہیں کرتے بعض سلاسل میں اس کا خاص اہتمام ہے باقی اس کا ایک درجہ سب مشائخ میں مشترک ہے کہ صحبت سے کسی کی اصلاح کی جاوے یہ ہر شیخ کو حاصل ہے اور اتنی ہی کافی بھی ہے۔

ملفوظ ۱۴۲ ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت اگر میت کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہو تو اس کی طرف سے اگر ورثہ ادا کر دیں تو کیا وہ ادا ہو جائیگی فرمایا کہ شریعت میں ادا ہو جانے کا وعدہ تو ہے نہیں لیکن اگر تبرعاً ایسا کریں تو کوئی حرج بھی نہیں اور کیا عجب ہے کہ ادا ہی کے درجہ میں مقبول ہو جاوے مگر شرط یہ ہے کہ نابالغوں کے حصہ میں سے نہ ہو اور بالغوں کے حصہ میں بھی اجازت سے ہو یا کوئی اپنے پاس سے دیدے تو پھر کسی پہلو سے بھی نامناسب نہیں۔

ملفوظ ۱۴۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بدون مناسبت کے کسی فن کی کامل تحقیق نہیں ہوتی پھر اپنے متعلق فرمایا کہ فقہ حدیث سے تو مجھے پوری مناسبت نہیں اور تفسیر سے گو پوری مناسبت نہیں لیکن فقہ اور حدیث کی نسبت بہت زائد ہے اور بحمد اللہ تصوف سے کامل مناسبت ہے میں جس قدر فقہ سے ڈرتا ہوں اور کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا اور لوگ اسی میں دلیر ہیں اور واقعی فقہ کا باب نہایت ہی نازک ہے۔

ملفوظ ۱۴۴: ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کیا حضرت مجدد وقت ہیں جیسا بہت لوگوں کا خیال ہے فرمایا کہ احتمال تو مجھ کو بھی ہے مگر اس سے زائد نہیں۔ جزم اوروں کو بھی نہ کرنا چاہیئے ظن کے درجہ کی گنجائش ہے۔ باقی قطعی یقین کسی مجدد کا بھی نہیں جس پر جتنا اور جس درجہ کا بھی فضل ہو جاوے، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم، الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ

ملفوظ ۱۴۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بلی کی نسبت اکثر لوگوں سے روایتیں سنی ہیں کہ اس کو کبھی مکان کے اندر بند کر کے نہیں مارنا چاہیئے یہ ضرور حملہ کرتی ہے اور نرخرہ ہی پر کرتی ہے کہتے اس قدر خطرہ نہیں جس قدر بلی سے خطرہ ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بلی کو مارنا جائز ہے فرمایا کہ اگر ستاوے مارنا جائز ہے مگر ترسانا جائز نہیں۔ فقہاء نے تو بڑی سخت قید لکھی ہے کہ جب مارنے کی ضرورت ہو ذبح کر دے اور ترسانا تو کسی جاندار کو بھی نہیں چاہیئے اسی لئے ذبیحہ کے متعلق حکم ہے کہ چھری تیز ہو اور ایک زندہ جانور کے سامنے دوسرے کو ذبح نہ کیا جاوے۔

ملفوظ ۱۴۶: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کھنڈ اور باغ کے معاملات میں بہت دقیق اور غامض مسائل ہیں بلکہ فقہ کے اکثر ابواب نہایت ہی نازک ہیں اس میں ہر شخص کو فتوی دینے کی جرأت نہ کرنا چاہیئے۔

ملفوظ ۱۴۷: ایک صاحب نے حاضر ہو کر حضرت والا سے ایسے طرز کے ساتھ مصافحہ کیا کہ ہاتھ میں بھی ہاتھ نہیں آیا صرف انامل (انگلیوں) سے مس ہو گیا اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ کونسا طریق ہے مصافحہ جیسے کوئی شخص پالا چھوتا ہو۔ کیا ہو گیا تم لوگوں کو جو بات دیکھو نئی اور نرالی ہی ہوتی ہے کہاں تک ان لوگوں کی اصلاح کیجائے افراط و تفریط کا مرض ایسا عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص کو اسی میں ابتلاء ہو گیا ہے علاوہ عوام تو عوام خواص تک کو ان چیزوں میں ابتلاء ہو رہا ہے اور اعتدال تو بالکل ہی گم ہو گیا ہے اگر ادب کرینگے تو عبادت کے درجہ تک پہنچ جائینگے اور اگر بے تکلفی اختیار کرینگے تو بے ہودگی کے درجہ

پر اتر آئینگے ۔ آدمیت اور سلیقہ کا نام و نشان باقی نہیں رہا پھر دریافت فرمایا کہ جس کام کو آئے ہو کہو تو
عرض کیا کہ بیعت ہونیکی غرض سے حاضر ہوا ہوں ۔ فرمایا مجھ کو تم سے مناسبت نہیں تم کو کوئی نفع نہ ہوگا البتہ
کسی دوسرے مصلح کا پتہ بتا سکتا ہوں بشرطیکہ تم پوچھو ۔ عرض کیا کہ جس کو حضرت تجویز فرمادینگے انہیں سے
اصلاح کراونگا ۔ فرمایا کہ یہ بات تم نے بہت فہم کی کہی پہلی سب کوفت ایکدم ختم ہوگئی ۔ اب تم مجھ
کو ایک پرچہ پر اپنا نام اور درخواست نشان مصلح بطور یادداشت لکھ کر دیدو میں غور کر کے
اس پر مصلح کا نام اور پتہ لکھدوں گا اور بیس بار خط و کتابت کے بعد وہ تمام خطوط مجھ کو دکھلانا
اس کے بعد اگر مناسبت سمجھونگا بیعت بھی کرلونگا ۔ عرض کیا کہ پرچہ لکھ کر بکس میں ڈالدوں فرمایا
چاہے بکس میں ڈالدو یا لکھ کر مجھ کو دیدو جس میں سہولت سمجھو ۔ وہ کرو اختیار ہے ۔ پھر اس کے
بعد فرمایا کہ دیکھئے یہ میری سخت گیری اور بد خلقی ہے انہوں نے ایک بات ڈھنگ کی اس پر مواخذہ
کیا ۔ دوسری بات فہم کی کہی پہلا اثر نہیں رہا ایکدم طبیعت بدل گئی یہ سب میرے امور فطری اور
ذوقی اور وجدانی ہیں ۔ سلیقہ اور تمیز سے کوئی خدمت لے آدھی رات خدمت کو حاضر ہوں البتہ
بدسلیقگی اور بدتمیزی سے انقباض ہو جاتا ہے پھر دریافت فرمایا کے روز قیام رہیگا عرض کیا کہ تین
روز کی نیت سے آیا ہوں ۔ فرمایا کہ اس زمانہ قیام میں علاوہ اس پرچے کے جس کی بھیجنے کی اجازت
دی ہے کہ مصلح کا پتہ تم کو لکھدونگا اور کوئی مکاتبت اور مخاطبت نہ کرنا خاموش مجلس میں بیٹھے رہنا
عرض کیا بہت اچھا فرمایا ماشاء اللہ ہیں فہیم آدمی نہ معلوم مصالحہ ہی ہیں ایسا طرز کیوں اختیار کیا تھا خیر
سب درست ہوجائینگے اگر فہم سلیم ہو اور فکر ہو تو سب کام آسان ہوجاتے ہیں ۔ باقی میں جو کچھ کہتا
ہوں اور ہر بات کی چھان بین کرتا ہوں کھود کرید کرتا ہوں جس کو لوگ بداخلاقی سے تعبیر کرتے ہیں
میری اس بداخلاقی کا منشا خوش اخلاقی ہے وہ خوش اخلاقی یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کے
اخلاق درست ہوں ۔ جب اس کے خلاف کچھ کرتے ہیں تنبیہ کرتا ہوں اس کو بداخلاقی کہا
جاتا ہے اور وہ خلاف بھی بے عقلی سے کم ہوتا ہے زیادہ تر ایسی حرکات کا منشا بے فکری ہوتا
ہے ۔ فکر سے کام نہیں لیتے اگر فکر سے کام لیں تو دوسرے کو تکلیف اور اذیت ہرگز نہ پہونچے یا د
رکھو دوسرے شخص کو وہی ہلکا رکھ سکتا ہے جو اپنے اوپر بوجھ اٹھائے چنانچہ بحمداللہ میں خود
بوجھ اٹھاتا ہوں مگر جب دوسرا بالکل ہی بے فکر ہو جائے تو میں اس وقت اس پر کچھ بوجھ
ڈالتا ہوں تاکہ اس کی اصلاح ہو ۔

ملفوظ ۲۰۱ : ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل احکام کی حکمت اور اسرار معلوم کرنے کا مرض اکثر

لوگوں میں عام ہو گیا ہے اور یہ دروازہ نیچریوں کی بدولت کھلا ہے وہ ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں حالانکہ وہ کسوٹی ہی کھوٹی ہے ایسی ہی عقل کے متعلق مولانا فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را ٭ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

غرض یہ سبق لوگوں نے نیچریوں سے حاصل کیا ہے اس سے بہت ہی بچنا چاہیے یہ نہایت ہی گستاخانہ طرز ہے حضرت مجدد صاحبؒ کا قول ہے کہ احکام میں حکمتوں اور اسرار کا تلاش کرنا مرادف ہے انکار نبوت کا۔ ایسا شخص نبی کا اتباع نہیں کرتا بلکہ حکمت اور اپنی عقل کا اتباع کرتا ہے حالانکہ جب نبی کو نبی مان لیا پھر لم کیوں اور کیف (کیسے) کیسا اور سچ یہ ہے کہ حقوق اتباع کے جب ہی ادا ہوتے ہیں جب متبوع سے عشقی تعلق ہو۔

جلد سوم قسط اوّل تمام شد

قرآن و سنت کی روشنی میں زندگی کے سینکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل

ملفوظات حکیم الامت رحمہ

جلد سوم — قسط دوم

یعنی

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

مسلسل ترتیب کی قسط نمبر ۱۲

مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

باہتمام — نسیم احمد

ناشر

نمبر ۲۴۷۵۵۴

ادارۂ فکر اسلامی دیوبند یوپی

نام کتاب	ملفوظات حکیم الامت جلد ۳ قسط ۲
باہتمام	نسیم احمد بن شمس الدین صاحب مرحوم
سن طباعت	۱۴۰۸ھ — ۱۹۸۸ء
طباعت	محبوب پریس دیوبند
قیمت	فی قسط ۱۰/۰ روپے

ملفوظات حکیم الامت کی جلد ۳ قسط ۲ مسلسل ترتیب کی قسط ۱۲ ناظرین کے سامنے پیش ہے۔ کوئی بھی شخص ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتا ہے۔ فیس ممبری کچھ نہیں ممبر بننے کے بعد ہر دو ماہ میں ایک ایک قسط ۱۰/۰ روپے کی وی پی سے اور دو قسط ایک ساتھ ۲۰/۰ روپے کی وی پی سے ارسال ہوگی جسکا وصول کرنا آنجناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا
منیجر ادارہ

فہرست مضامین

قابلِ مطالعہ کتابیں

التبلیغ

حضرت تھانویؒ کے مواعظ ہیں، ہر موضوع پر ایک مکمل اور جامع مواعظ علماء اور عوام دونوں کیلئے یہ مواعظ یکساں مفید ہے۔ ۱ تا ۲۰ در ۹ جلد قیمت ۲۹۰/۔

کتاب الآثار

امام محمدؒ کی کتاب مشہور و معروف کتاب الآثار اردو ترجمہ، ہندوستان میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ قیمت ۵۰/۔

مدارج النبوت (اردو مکمل)

سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ علم و حکمت کا وہ بحر ناپید کنار ہے جسکو عبور کرنے کیلئے زبردست وفور علم اور بے پناہ قوت تحقیق کی ضرورت ہے۔ اپنے عہد کے سب سے نامور عالم حضرت علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے سیرت طیبہ کے موضوع پر قلم اٹھا کر علم و فن کی جو دقیق خدمت انجام دی ہے اس کو لفظ و بیان کے پیرایہ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ قیمت مکمل سیٹ ۲۰۵/۔

اخبار الاخیار (اردو)

تالیف: حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اس کتاب میں تقریباً تین سو اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کا مستند تذکرہ کیا گیا ہے۔ علماء و مشائخ کی پاکیزہ زندگیوں کی دل آویز داستانیں پوری تحقیق سے لکھی گئی ہیں۔ ترجمہ نہایت عام فہم اردو میں ہے۔ قیمت ۶۵/۔

مشارق الانوار (اردو و عربی ترجمہ)

چھٹی صدی ہجری کا مایۂ ناز محدث امام علامہ رضی الدین صغانی کی وہ انمول ۲۲۷۲ احادیث قوی کا گرانمایہ ذخیرہ فقہی ترتیب والا ایڈیشن۔ ۔ ۔ ۔ مجلد در دو جلد ۔/۱۳۰

تفسیر مدارک (اردو)

تالیف عبد اللہ بن احمد نسفی، حنفی۔ اردو ترجمانی حضرت مولانا انظر شاہ صاحب، وہ ترجمانی و تشریح جس کا غلغلہ برصغیر سے لیکر افریقہ اور لندن تک ہے۔ جلد اول مجلد ۔/۶۵

پیارے نبی

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ایک بہت آسان اور مکمل کوشش، نادر تحفہ۔ قیمت ۔/۶

۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص وقت صبح یوم جمعہ

ملفوظ ۱۴۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عرصہ ہوا میں نے ہر پیشہ کے لوگوں سے وقتاً فوقتاً انفرادی صورت میں کہا تھا کہ ہر قسم کے معاملات جو کہ رائج معاش ہیں متعارف صورتیں ضبط کر لی جاویں اور میرے پاس بھیج دیا دینا میں بصورت رسالہ ان کے احکام شرعیہ کو لکھونگا تاکہ حوادث وقتیہ کے احکام عام طور سے معلوم ہو جاویں اور ان میں بھی اس کی کوشش کرونگا کہ حتی الامکان وسعت دیجاوے خواہ دوسرے ہی امام کا قول لینا پڑے بشرطیکہ مذاہب اربعہ سے خروج نہ ہو اور اس وسعت کے اہتمام کی ضرورت یہ تھی کہ بعض صورتوں میں ابتلا رہے اس لئے سہولت کی کوشش کیجاوے مگر کسی نے بھی میری اعانت نہ کی اب اگر ان معاملات کے ضبط کا بھی کچھ انتظام ہو جاوے تو اب اتنی قوت نہیں رہی کہ اس خدمت کو انجام دے سکوں اور دوسروں کے بہر دکرنے سے اطمینان نہیں ہوتا اور اطمینان بھی ہو تو کام کرنے والوں کے کون پیچھے پیچھے پھرے کہ آرے بھائی فلانا کام ہو گیا یا نہیں اور کب کرو گے اس کلفت سے تو آدمی خود کام کرے اس میں اتنا تعب اور کلفت نہیں ہوتی جس قدر اس احتیاج و انتظار میں ہوتی ہے اور یہ بھی ایک راز ہے منجملہ رازوں کے میری عدم شرکت تحریک خلافت کا کیونکہ پرائے کندھے بندوق چلانے کا کیا بھروسہ ہند کی مقولہ ہے پرائے کندھے رکھا جو آج نہ موا کل موا (مرا) اور اس عدم اعتماد کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں اتباع کا مادہ نہیں رہا اور بدون کسی کو اپنا بڑا بنائے اور اس کا اتباع کیئے کامیابی مشکل بلکہ محال اس لئے کہ ہر کام کے لئے ضرورت ہے حدود کی اصول کی اور یہ بدون کسی بڑے کے سرپر ہوئے ہونا دشوار جب یہ نہیں تو ایسا بڑا کام کون سر دھرے اور یہ عدم اتباع اور اختلاف اس قدر عام ہو گیا ہے کہ پہلے علماء ہی پر اعتراض تھا کہ باہم اختلاف کرتے ہیں۔ آپس میں رسالہ بازی کرتے ہیں مگر اب ان تحریکات میں خود معترضین کو جو کام کرنا پڑا تو ان کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی کہ ان میں کیسی کشتم کشتا اور فساد جھگڑے اور رسالوں سے بھی آگے گذر کر اخبار بازی ہو رہی ہے اعتراض کرنا کون مشکل تھا مگر

جب اپنے اوپر اگر پڑی تب حقیقت معلوم ہوگئی۔ یہ لوگ تو اپنے کو عقلاء زمانہ کا تصور کرتے ہیں پھر ان میں اختلاف کیوں ہے۔ تعجب ہے کہ علماء کا اختلاف اور رسالہ بازی تو مذموم تھی اور دوران کا اختلاف اور اخبار بازی محمود ہے ایک اعتراض یہ تھا علماء پر کہ مدارس اور مساجد کے نام سے قوم سے روپیہ لیکر کھا جاتے ہیں اب تم بتاؤ تم نے کیا کیا مولویوں نے تو شاید سو برس میں بھی اتنا نہ کھایا ہوگا جتنا تم نے ان تحریکات کے زمانہ میں چند ہی برس کے اندر رکھا کر دکھلا دیا بلکہ اگر واقعات کی تحقیق کی جاوے تو علماء پر تو زیادہ حصہ بہتان ہی ثابت ہوگا اور تمہارا واقعی ثابت ہوگا پھر اس فرق کے ہوتے ہوئے اپنی خیانت پر نظر کر کے علماء کو اپنے پر قیاس کرنا بالکل اسی تنبیہ کا محل ہوگا۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ✤ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ملفوظہ ۱۵۱ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ زیادہ تر سر سید نے ہندوستان میں نیچریت کی بنیاد ڈالی تھی گو اس سے پہلے بھی اس خیال کے لوگ تھے مگر بہت کم اس وقت یہ بات نہ تھی جو کالج علیگڈھ کی بنیاد پڑنے کے بعد پیدا ہوگئی اور اس وقت یہ علماء ہی پر الزام تھا کہ یہ سر سید کے اس فعل کو بری نظروں سے دیکھتے ہیں اور ترقی کے مانع ہیں مگر اس تحریک خلافت کے بعد خود وہاں ہی کے تعلیم یافتہ جو آج کل بڑے لیڈر اور عقلاء کہلاتے ہیں ان سب نے تسلیم کر لیا کہ یہ انگریزیت اور دہریت اور نیچریت اس علیگڈھ کالج کی بدولت ہندوستان میں پھیلی ہے اسی کی بدولت لوگوں کے دین و ایمان برباد ہوئے اور یہ اس وقت کہا گیا جب کہ وہاں پر ایک جلسہ قرار پایا تھا اور اس میں حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ ان مہربانوں نے اپنے اغراض دنیوی کیوجہ سے حالت مرض میں بھی حضرت مولانا کو آرام نہیں کرنے دیا حکومت اور جاہ کا ایسا بھوت گردن پر سوار ہوا تھا اسی زمانہ میں بعضے ثقہ صورت حضرات کے نام سے بعضے مضامین حضرت مولانا کی طرف نسبت کر کے شائع کئے گئے تھے جس کی مولانا کو بھی خبر نہیں اور یہی اوپر کھڑ مڑھ کر حضرت کی طرف منسوب کر کے شائع کر دیا گیا تھا جس کے جعلی ہونے کا اسی جماعت کے بعض حضرات نے بعد میں اقرار کیا (ملاحظہ ہو اشرف السوانح باب بست و چہارم کا مضمون سادس) یہ دیانت اور دین ہے پھر اس پر دوسرا بہتان ان الزام تھا کہ یہ دشمن اسلام ہیں قوم فروش ہیں۔ سی آئی۔ ڈی۔ سے تنخواہ پانے والے ہیں۔ فاسق و فاجر ہیں ان کا قتل تک جائز ہے ان کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے بعض نے تو یہاں تک کہا کہ اگر ہم کو کامیابی ہوگئی اور حکومت

مل گئی تو یہ جتنے لوگ تحریک سے علیحدہ ہیں ان کو ہندوستان سے نکال باہر کرینگے اور ٹکٹ دلوا کر جہاز میں سوار کر کے کہدیں گے کہ انگریزوں کے ساتھ لندن میں جا کر آباد ہو یہ خدائی کے دعوے تھے اچھی خاصی فرعونیت دماغوں میں سمائی ہوئی تھی ۔ ملازمتوں کو حرام کہا بدیشی کپڑے کو ناجائز قرار دیا ۔ اب سب استعمال کر رہے ہیں وہ سور کی چربی اور گائے کی چربی جو اس وقت مانع استعمال تھی کہاں گئی ۔ یہ تھا لوگوں کا حال تھا جس کا درمیان میں ذکر آگیا شروع سر سید کے حال سے ہوا تھا اب اسی کا بقیہ عرض کرتا ہوں کہ وہاں نصوص اور احادیث کا انکار ۔ حضور کی معراج جسمانی کا انکار اور کثرت سے خرافات ہانکتے ہیں اس پر بھی معتقدین کہتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ہمدرد تھا نہ معلوم وہ خیر خواہی اور ہمدردی کونسی قسم کے مسلمانوں اور کون سے اسلام کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم میں تشریف لا کر جس اسلام کی تبلیغ کی اور جیسا مسلمان بنایا اس اسلام اور مسلمانوں کی تو اچھی خاصی دشمنی تھی جس وقت سر سید نے اس علیگڈھ کالج کی بنیاد ڈالی تو انہوں نے اپنے ایک خاص معتمد کو گنگوہ بھیجا ۔ اس کام کے لئے کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کر کے مولانا کو یہ پیام پہونچا دے کہ میں نے مسلمانوں کی فلاح اور بہبود و ترقی کیلئے ایک کالج کی بنیاد ڈالی ہے دوسری قومیں ترقی کر کے بہت آگے پہونچ چکی ہیں مسلمان پستی کی طرف جا رہے ہیں اگر آپ حضرات نے اس میں میرا ہاتھ بٹایا تو میں بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا جو حقیقت میں مسلمانوں کی کامیابی ہے غرضیکہ وہ سفیر گنگوہ آئے اور حضرت مولانا کے پاس حاضر ہو کر بعد سلام مسنون کے سر سید کا پیام عرض کیا ۔ حضرت مولانا نے سر سید کا پیام سنکر فرمایا کہ بھائی ہم تو آج تک مسلمانوں کی ترقی کا زینہ اللہ اور رسول کے اتباع ہی میں سمجھتے رہے مگر آج معلوم ہوا کہ ان کی فلاح و بہبود و ترقی کا زینہ اور بھی کوئی ہے تو اس کے متعلق یہ ہے کہ میری ساری عمر قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گذری ہے مجھے ان چیزوں میں زیادہ مناسبت نہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا کہ وہ ان باتوں میں مبصر ہیں ان سے ملو وہ جو فرمائیں گے اس میں ہم ان کی تقلید کریں گے ہم تو مقلد ہیں ۔ یہ صاحب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملے اور سر سید کا سلام پیام اور حضرت مولانا گنگوہی سے جو گفتگو ہوئی تھی اور اس پر مولانا نے جو جواب دیا تھا سب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو سنا دیا گیا حضرت مولانا نے سنتے ہی فی البدیہہ فرمایا کہ بات یہ ہے کہ کام کرنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ ان کی نیت

تو اچھی ہے مگر عقل نہیں۔ دوسرے وہ کہ عقل تو ہے مگر نیت اچھی نہیں۔ تیسرے یہ کہ نہ نیت اچھی نہ عقل سیٹر کے متعلق ہم یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ نیت اچھی نہیں مگر یہ ضرور کہیں گے کہ عقل نہیں اس لئے کہ جس زینہ سے مسلمانوں کو وہ معراج ترقی پر لیجانا چاہتے ہیں اور انکی فلاح اور بہبود کا سبب سمجھتے ہیں یہی مسلمانوں کی پستی کا سبب اور تنزل کا باعث ہو گا اس پر ان صاحب نے عرض کیا کہ جس چیز کی کمی کی شکایت حضرت نے سرسید کے اندر فرمائی ہے اسی کو پورا کرنے کیلئے تو آپ حضرات کو شرکت کی دعوت دیجارہی ہے تاکہ تکمیل ہو کر مقصود انجام کو پہونچ جائے یہ ایسی بات تھی کہ سوائے عارف کے دوسرا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ حضرت مولانا نے فی البدیہہ جواب فرمایا کہ سنت اللہ یہ ہے کہ جس چیز کی بنیاد ڈالی جاتی ہے بانی کے خیالات کا اثر ساتھ ساتھ اس میں ضرور ہوتا ہے۔ سو چونکہ سرسید بنیاد ڈال چکے انہی کے سے خیالات کے آثار اس بنا میں ضرور ظاہر ہونگے اور اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک تلخ درخت کا پودا قائم کر کے ایک مٹکے میں شربت بھر کر اور ایک مالی کو وہاں بٹھلا کر ان سے عرض کیا جائے کہ اس شربت کو اس درخت کی جڑ میں سینچا کرو سو جس وقت وہ درخت پھول پھل لائیگا سب تلخ ہونگے واقعی عجیب ہی بات فرمائی۔ میں نے اس تحریک کے زمانہ میں ایک موقع پر کہا تھا کہ جس کو تم اب پچاس برس کے بعد سمجھے ہو کہ علیگڈھ کالج کیوجہ سے انگریزیت، دہریت اور نیچریت پھیلی ہے لوگوں کے دین و ایمان برباد ہوئے اس کو ایک مبصر پچاس برس پہلے کہہ چکے تھے اور اسی سے اس تحریک کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں کہ مولانا نے جو کام کرنے والوں کی تین قسمیں بیان فرمائی تھیں۔ ایک وہ کہ نیت تو اچھی ہے مگر عقل نہیں۔ دوسرے یہ کہ عقل تو ہے مگر نیت اچھی نہیں تیسرے یہ کہ نہ نیت اچھی نہ عقل تو اس تحریک حاضرہ کا جو بانی اعظم ہے وہ دونوں صفات کا جامع ہے نہ نیت اچھی نہ عقل اور ایک تیسری صفت مزید یہ کہ دین بھی نہیں۔ سرسید میں تو صرف ایک ہی کمی فرمائی تھی کہ عقل نہیں تو اسکی نحوست کا تو یہ اثر ہوا جو تم کو بھی تسلیم ہے اور جس میں یہ تینوں کمی ہوں اس کی ڈالی ہوئی بنیاد میں تو کہاں خیر اور کہاں دین و ایمان اور کہاں فلاح اور بہبود حضرت مولانا کا یہ فرمانا کہ بانی کا اثر بنا میں ضرور ہوتا ہے یہ اس تحریک میں کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو چکا کہ جو بھی شریک ہوا اسی رنگ میں رنگا گیا بڑوں بڑوں کے زہد اور تقوے دین و ایمان نماز روزہ سب بانی پر نثار ہو گئے ایک مولوی صاحب نے تو یہاں تک اثر لیا کہ بانی کی شان میں یہ شعر لکھدیا کہ ؎

عمرے کہ بآیات واحادیث گذشت ٭ رفتی و نثار بت پرستی کردی اناللّٰہ

ملفوظ ۱۵۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فلاں قوم پالیسی اور چالاکی کے امام ہیں ہندوستانیوں نے تو ابھی الف ۔ بے ۔ سے نئے ہی شروع کی ہے تو ان کی تدابیر سے وہ کہاں ہاتھ آنے والے ہیں یہ کام تو ان سے ہی کوئی سیکھے بظاہر ان کی بقا کے سامان اور تدابیر کافی ہیں لیکن اگر مشیت ہی ان کے خلاف ہو جائے تو پھر کسی کی تدبیر و قدرت و قوت مشیت حق کے سامنے ایک مچھر کی برابر بھی وقعت نہیں رکھتی کسی کو اپنی تدابیر پر ناز نہیں کرنا چاہئے مشیت کے سامنے کسی کی حقیقت ہی کیا ہے اور یہ سب کلام تو تدابیر کے موثر یا غیر موثر ہونے میں ہے اور ایک کلام مسلمانوں کیلئے اس کو جائز ہونے نہ ہونے میں ہے وہ یہ کہ تدبیر میں دوسروں مدبروں کی محض تقلید جائز نہیں بہت سی تدابیر غیر قومیں کرتی ہیں مگر غیر مشروع ہونے کے سبب مسلمان کو اس کی اجازت نہیں مثلاً میں نے مولوی محمد محمود مرحوم تھانوی سے ایک واقعہ سنا ہے کہ عیسائی اپنے جاسوسوں کو اسلام کی نقل کی مشق کراتے ہیں تاکہ ممالک اسلامیہ میں جاکر جاسوسی کر سکیں مگر مسلمانوں کو اجازت نہیں کہ اس غرض سے اپنے مسلمان جاسوسوں کو عیسائیت کی مشق کرا دیں کہ اپنے گھر بیٹھے اقوال و افعال کفریہ کی مشق کیا کریں کہ ممالک غیر اسلامی میں جاکر جاسوسی کر سکیں وہ واقعہ یہ ہے کہ کسی انگریز حاکم اور مسلمان رئیس میں ہندوستان میں رہتے ہوئے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے جب یہاں سے وہ انگریز پنشنر ہو کر ولایت واپس گیا تو کچھ عرصہ کے بعد یہ ہندوستانی رئیس اتفاق سے لندن گئے اس انگریز کے پاس ٹھہر گئے اتفاق سے رمضان المبارک کا زمانہ قریب تھا انہوں نے اس انگریز سے کہا کہ ہم ایسے وقت میں یہاں پر آئے کہ قریب ہے اگر ہم اپنے ملک ہندوستان میں ہوتے تو نماز تراویح کا افطار و سحر کا خاص لطف رہتا اب یہاں چونکہ ہم تنہا ہیں ہم کو کوئی لطف نہ ہو گا اس انگریز نے کہا کہ تم رمضان کو لطف سے گذارنا چاہتے ہو تو ہم انتظام کر دینگے یہ بہت خوش ہوئے مگر تعجب میں تھے کہ آخر یہ انتظام کیا کریگا جب وہ دن آگیا انہوں نے انگریز سے کہا اس نے اس کو دوسرے مقام پر بھیجدیا اور کسی کو وہاں خط لکھدیا جب اس مقام پر پہنچے دیکھا نہایت زبردست خوبصورت مسجد ہے ہر چہار طرف حجرے بنے ہیں ذاکرین کا مجمع ہے ۔ تلاوت قرآن اور ذکر میں مشغول ہیں یہ دیکھ کر اس ہندوستانی رئیس کی آنکھیں کھل گئیں کہ یا اللہ یہ منظر تو کبھی ہندوستان میں بھی نہیں دیکھا تمام فرشتے صفت جمع ہیں یا جماعت

نماز پڑھی بعد ختم تراویح کے سب نے آرام کیا پھر دو بجتے ہی سب اٹھ کھڑے ہوئے پھر وہی نفلیں ذکر و شغل تلاوت قرآن عجیب قابل دید منظر سحری کھائی۔ نماز فجر کی جماعت سے پڑھی پھر شام کو افطار کا خاص اہتمام دیکھا غرض تمام مہینہ رمضان المبارک کا ان کا اسی لطف سے گذرا۔ عید کا دن آگیا عید کی نماز باجماعت پڑھکر پھر اس انگریز کے پاس پہونچ گئے اور اس کو بہت دعائیں دیں اور کہا کہ یہ لطف تو ہم کو ہندوستان میں بھی نہیں حاصل ہوا عجیب لوگ یہاں سب کے سب خدا رسیدہ اور ایک سے ایک بڑھ کر زاہد اور عابد تہجد گذار۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ ہی ان کی غذا ہوگیا وہ انگریز ہنسا اور کہا کہ یہ سب نصرانی ہیں۔ اور یہ سب سی۔ آئی۔ ڈی کے لوگ ہیں یہاں پر ان کو اس کی تعلیم کرائی جاتی ہے تاکہ ممالک اسلامیہ میں جاکر اس روپ میں رہ سکیں اور مخبری کا کام انجام دے سکیں یہ سن کر ان کے ہوش اڑ گئے اور اس انگریز سے کہا کہ خدا تیرا بھلا کرے تو نے میری مہینہ بھر کی نماز ہی برباد کی اگر الگ ہی پڑھ لیتا تو فرض تو ذمہ نہ رہتا اب سب کیا کرایا برباد ہوا یہ واقعہ تو سلسلہ تدبیر میں بیان کیا گیا باقی جملہ معترضہ کے طور پر اس پر ایک مناسب تفریع بھی کرتا ہوں وہ یہ کہ ایسے ہی روپ میں بعضے نیچری اور لیڈر بھی ہیں کہ حقیقت میں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اور ظاہر میں خیر خواہ اور ہمدرد دوست نما دشمن ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اوپر کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ تشبہ بالمسلمین کا یاد آیا گو دونوں واقعوں میں تشبہ کی غرض متحد نہیں وہ واقعہ میں نے جس زمانہ میں کانپور میں تھا ایک بزرگ مولوی دوست محمد صاحب کابلی سے سنا جو ایک مدرسہ میں مدرس تھے وہ قصہ بیان کرتے تھے کہ ایک انگریز کلکٹر ہو کر آیا اور آکر بعض علماء اور حفاظ کو بلایا نہایت احترام اور اعزاز سے پیش آیا اور حفاظ سے قرآن شریف سنانے کی فرمائش کی پھر علماء سے اس سنائے ہوئے حصہ کے ترجمہ کی فرمائش کی مگر کچھ محظوظ نہیں ہوا پھر خود اس نے اجازت لیکر سورۂ مریم کی تلاوت کی اور اس کا ترجمہ بھی کیا قرآن شریف پڑھنے کے وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ ممالک اسلامیہ کا مشتاق قاری ہے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اس کا وہاں جی نہیں لگا اور کوشش کر کے جدہ کی سفارت پر چلا گیا۔

ملفوظ ۱۵۲۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگوں کا رنگ الگ الگ ہوتا ہے مختلف الاحوال ہوتے ہیں جیسے باغ میں رنگ برنگ کے پھل اور پھول کے درخت ہوتے ہیں اور ان بزرگوں ہی پر کیا منحصر ہے خود حضرات انبیاء علیہم السلام مختلف الاحوال تھے چنانچہ اپنے بزرگوں

میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ جدا تھا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں نرمی تھی ۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ میں انتظامی مادہ زیادہ تھا جس سے حضرت کے متعلق لوگوں کا خیال سختی کا تھا ۔ اسی طرح ان اصول و قواعد کیوجہ سے لوگ مجھ کو سخت کہتے ہیں ۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ میں سخت نہیں ہوں الحمد للہ باوجود نرمی کے مضبوط ہوں جیسے ریشم کا رسہ کہ مضبوط تو اس قدر کہ اگر اس سے ہاتھی کو باندھ دیا جاوے تو اس کو توڑ نہیں سکتا اور نرم اس قدر کہ جس طرف کو چاہو توڑ لو موڑ لو جہاں چاہو گرہ لگا لو ۔ اور یہ جو آجکل کی نرمی ہے جس کو لوگ خوش اخلاقی سے تعبیر کرتے ہیں یہ تو اعلیٰ درجہ کی بداخلاقی ہے کہ اس نرمی کی وجہ سے دوسروں کے اخلاق خراب ہوتے ہیں کیونکہ ان میں اصلاح کا نام و نشان نہیں اس لئے مجھ کو اس متعارف خوش اخلاقی سے طبعی نفرت ہے سو اگر کسی کو میرا یہ طرز ناپسند ہو وہ میرے پاس نہ آئے خوش اخلاقوں کے پاس جائے کیونکہ ایسے خوش اخلاق بھی دنیا میں بہت سے مشائخ اور پیر ہیں جو آنے والوں کی چاپلوسی اور خاطر مدارات کرتے ہیں جس کی اصلی غرض اپنی دکان کا جمانا ہے مزاحاً فرمایا کہ یہاں دوکان (دونوں کانوں) کا اکھاڑنا ہے ۔

ملفوظ ۱۳۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ملامت خلق کیوجہ سے کسی نیک کام کو چھوڑ دینا اس کی دلیل ہے کہ اس کے کام خلق کے رضا کے واسطے ہوتے ہیں باقی اہل حق ہمیشہ بدون کسی کی ملامت اور خوف کے اظہار حق کرتے ہیں ان ہی کی شان میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم ۔ دیکھئے حضرت زینب رض سے نکاح کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً خیال تھا کہ ملامت ہوگی مگر اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ البتہ ملامت سے قطع نظر کوئی دینی ضرر ہو وہاں خیالات عامہ کی رعایت کیجاویگی اسی لئے حطیم کو بیت اللہ میں داخل کرنے پر جو ملامت ہوتی اس کی رعایت فرمانے پر حق تعالیٰ نے کچھ نہیں فرمایا ۔ غرض اہل اللہ کا جو فعل و قول ہوتا ہے وہ محض اللہ کے واسطے ہوتا ہے کسی کی ملامت کا ذرہ برابر ان پر اثر نہیں ہوتا ۔ ایک مرتبہ مولوی تراب صاحب لکھنوی اور مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری میں مولود شریف کے متعلق مکالمہ ہوا مولوی تراب صاحب نے جو کہ اس عمل کے حامی تھے کہا کہ مولوی صاحب ابھی تک آپ کا انکار چلا ہی جاتا ہے ۔ مفتی سعد اللہ صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب ابھی تک آپ کا اصرار چلا ہی جاتا ہے مولوی تراب صاحب نے جواب دیا

کہ مولوی صاحب ہمارے فعل کی بنا بجز محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کچھ نہیں مفتی سعد اللہ صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب ہمارے فعل کی بنا بجز متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کچھ نہیں اس پر مولوی تراب صاحب نے کہا کہ الحمد للہ ہم اور تم دونوں انشاء اللہ ناجی ہیں یہ کوئی اختلاف مذموم نہیں ۔ تو منشاء دونوں بزرگوں کے فعل کا محض دین تھا ۔ دنیوی مدح و قدح کی طرف التفات نہ تھا اور حدود شرعیہ سے باہر نہ ہوتے تھے لیکن اگر ان حدود سے خروج ہونے لگے تو پھر رد کیا جاویگا ۔

ملفوظ ۱۵۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مرتبہ دیوبند یا نانوتہ میں ایک درویش جو بدعتی وضع کے تھے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو آئے مولانا نے انکی خاص مدارات کی ۔ اسکی اطلاع حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی سنکر فرمایا کہ اچھا نہیں کیا پھر اس کی اطلاع حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی سن کر فرمایا مدارات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں تک کی فرمائی ہے وہ تو بدعتی ہی تھے اس کی اطلاع پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی فرمایا کہ کافر کی مدارات میں فتنہ نہیں بدعتی کے مدارات میں فتنہ ہے کہ عوام اس کے معتقد ہو جاویں گے ۔ یہ خبر پھر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پہونچی ناخوش ہو کر فرمایا کہ جاؤ بیٹھو تم کیوں بیچ میں ادھر اُدھر کرتے پھرتے ہو ۔ اور فی الواقع میں اس میں ترجیح حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کو ہے جس پر حضرت گنگوہی نے عمل فرمایا مگر کسی عارض مصلحت کیوجہ سے اس کے عکس پر بھی عمل کی گنجائش ہے چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طرز ذرا اسہل تھا اور یہ اختلاف طرز عنوان کے درجہ میں ہوتا تھا معنون میں اتحاد تھا چنانچہ حضرت شاہ صاحب کا عنوان نرم ہوتا تھا اور مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا عنوان صاف چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا حضرت میرے یہاں آباء و اجداد سے تعزیہ بنتا چلا آتا ہے اور ایک تعزیہ گھر میں رکھا ہے اب اس کو کیا کروں فرمایا کرتا کیا جا کر جلا دے توڑ دے وہ چلا گیا مگر ہمت اثر کی نوبت سے ہمت نہ ہوئی ۔ پھر حضرت شاہ صاحب کے پاس جا کر بھی یہی سوال عرض کیا فرمایا کہ چاقو سے اس کے بند کاٹ ڈالو اس پر وہ راضی ہو گیا معنون ایک ہی ہے اس کا معدوم کرنا فرق صرف عنوان کا ہو گیا ۔ ایک اور شخص حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے پاس کاغذ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہے میں کیا کروں فرمایا کرتا کیا پھاڑ

دے اس کی ہمت نہ ہوئی پھر حضرت شاہ عبدالعزیز کے پاس حاضر ہوا اور یہی عرض کیا آپ نے فرمایا کہ تصویر بے جان ہے۔ اور جب خود صاحب تصویر بے جان ہو گئے [1] یعنی آپ کی وفات ہوئی تھی وہاں کیا معاملہ کیا گیا تھا عرض کیا غسل کفن دے کر مزار مبارک میں دفن کر دیا گیا تھا فرمایا کہ تم بھی ایسا ہی کرو اس تصویر کو مشک اور گلاب سے خوب مل کر غسل دو نفیس کپڑے کا کفن دو اور کہیں احتیاط کے مقام پر دفن کر آؤ اس نے ایسا ہی کر دیا تو عنوان کس قدر لطیف ہے بات ایک ہی ہے یعنی تصویر کا محو کر دینا مگر ہر موقع اس کا بھی نہیں محل پہچاننا بھی حکیم ہی کا کام ہے۔

ملفوظ ۱۶۸:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شان محققانہ منتظمانہ تھی۔ ایک مرتبہ حضرت سے کسی شخص نے عرض کیا کہ فلاں پیر جی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو سماع کی اجازت فرمادی ہے فرمایا کہ وہ پیر جی غلط کہتے ہیں اور اگر بالفرض وہ صحیح کہتے ہیں تو حضرت نے غلط فرمایا مگر یہ بات بھی ہر شخص نہیں کہہ سکتا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو زیبا تھا ان کا کہنا بے ادبی نہیں ہو سکتا تھا اور دوسرے کا کہنا خلاف ادب بھی ہوتا اور ناگوار بھی ہوتا جس مقام سے ایسا جواب ناشی ہوتا ہے وہ مقام ہر شخص کو تو نصیب نہیں مولانا خوب فرماتے ہیں۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد [2]	چوں نداری گرد بدخوئی مگرد
زشت باشد روئے نازیبا و ناز	عیب باشد چشم نابینا و باز
پیش یوسف نازش و خوبی مکن	جز نیاز و آہ یعقوبی مکن
چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش	ہمچو او با گریہ و آشوب باش

---

[2] ناز و انداز کرنے کے لئے گلاب جیسا چہرہ ہونا چاہیئے اور جب تیرے پاس ایسا چہرہ نہیں ہے اور تو ناز و انداز کرے گا تو وہ ناز نہیں بلکہ بد خوئی ہو گی۔ تو ایسا مت کرو۔ کیونکہ چہرہ بھونڈہ ہو اور پھر ناز نخرے کرے تو وہ بجائے محبوب ہونے کے برے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر آنکھ اندھی ہو اور پھر کھلی ہوئی ہو تو یہ عیب کی بات ہے۔ یوسف علیہ السلام کے سامنے حسن و ادا کا دعویٰ مت کرو۔ ان کے سامنے تو یعقوب علیہ السلام جیسی آہ و زاری کے سوا۔ اور کچھ مت کرو۔ جب تم یوسف نہیں ہو تو یعقوب بن کر رہو اور ان کی طرح آہ و زاری میں مشغول رہو تاکہ ایک دن یوسف جیسے محبوب کا وصل نصیب ہو۔

یہ واقعہ ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے مشرب اور حضرت مولاناؒ کے مسلک میں کسی قدر ظاہری اختلاف تھا اور ایسے اختلاف سے ظاہر بین لوگ بزرگوں کو دو سمجھتے ہیں مگر واقع میں وہ اختلاف حقیقی نہیں ہوتا اتحادی ہوتا ہے بشکل تعدد۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک استاد نے اپنے شاگرد سے کہا دیکھو فلاں طاق میں ایک بوتل رکھی ہے اس کو اٹھا لاؤ وہ احول (بھینگا) تھا اس کو ایک کی دو نظر آئیں واپس آکر دریافت کیا کہ کونسی اٹھالاؤں انہوں نے کہا کہ وہ نہیں ہیں ایک ہی ہے اس نے اصرار کیا استاد نے کہا ایک پھوڑ دو ایک لے آؤ اس نے جاکر ایک کو پھوڑا دونوں نظر سے غائب ہوگئیں وہ لوگ احول ہیں جو بزرگوں کو دو سمجھتے ہیں اسی کو مولانا نے ایک قصہ میں فرمایا ہے

شاہ احول کرد در راہ خدا ٭ آں دو دمساز خدائی را جدا[۵]

ملفوظ ۱۵۶ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ایسے صابون کے متعلق جس میں کوئی ناجائز جزو پڑا ہو فرمایا کہ بہت علماء کی رائے ہے کہ وہ صابون بوجہ اس جز کے انقلاب حقیقت کے طاہر ہو جاتا ہے مگر یہ میرے جی کو نہیں لگتا میرے نزدیک انقلاب یہ ہے کہ اس کے اوصاف و خواص بدل جائیں جیسے شراب کہ سرکہ ہو جانے کے بعد اس کے سب خواص بدل جاتے ہیں اور صابون میں اس جز کے اوصاف و خواص باقی رہتے ہیں مگر جس کے جی کو ان علماء کا فتویٰ لگ جاوے اس کو عمل جائز ہے۔

۲۳/ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ ۱۵۷: ایک نووارد صاحب نے بعد مصافحہ حضرت والا سے عرض کیا کہ میں کچھ اشیاء اور کچھ نقد بطور ہدیہ پیش کرنا چاہتا ہوں اگر اجازت ہو پیش کروں فرمایا کہ یہ تمہارے خوش فہمی کی بات ہے کہ تم نے اصول اور طریقہ سے کام لیا تمہاری اس سلیقہ کی بات سے دل کو مسرت ہوئی مگر میرا معمول یہ ہے کہ میں اول ملاقات میں ہدیہ نہیں لیتا ہوں میں کیا کروں اس کے خلاف میں بہت کلفتیں اٹھا چکا ہوں تلخ تجربے بھگت چکا ہوں ورنہ آئی ہوئی چیز کس کو بری لگتی ہے مگر مجبور ہوں

---

[۵] بھینگے بادشاہ نے دو اللہ والے ساتھیوں کو ایک دوسرے سے جدا سمجھا۔

بلکہ انکار کرتے ہوئے جی بھی شرماتا ہے اور یہ بھی خوف ہوتا ہے کہ کہیں ناشکری نہ ہو۔ ایک شخص یہاں پر برادری میں سے تھے وہ ہمیشہ محبت کا دعویٰ کرتے تھے کبھی کھانے پینے کی چیز بطور ہدیہ کے بھیجدیتے تھے۔ ایک مرتبہ مسئلہ پوچھا ترکہ کا مسئلہ تھا میں نے بتلادیا اس میں ان کا نقصان تھا اس پر یہ کہا کہ اتنا زمانہ خدمت کرتے ہوئے ہوگیا اب ہمارے کام کا وقت آیا تو ہمارے خلاف مسئلہ بتادیا۔ انصاف کیجئے جس کو ایسے واقعات پیش آچکے ہوں وہ اگر احتیاط نہ کرے تو اور کیا کرے۔ یہاں پر جس قدر قواعد اور ضوابط مقرر ہوئے ہیں وہ بہت سے تجربوں کے بعد ہوئے ہیں حکومت یا شان کی بناء پر نہیں بلکہ طرفین کی راحت رسانی مقصود ہے۔

ملفوظ ۱۵۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل یہ مرض بھی عام ہوگیا ہے کہ خود کچھ نہیں کرتے محض دوسروں کو رائے دیتے ہیں۔ رائے دینا کون مشکل ہے یہ تو بہت آسان بات ہے اور خود کرنے کے وقت منہ چھپاتے ہیں اور یہ مرض اکثر نیچریوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ ان میں سے مجھ کو جب کوئی رائے دیتا ہے میں اس کی موافقت کرکے طریقہ عمل ایسا بتلاتا ہوں کہ ان کو بھی اس میں کچھ کرنا پڑے بس سب ختم ہوجاتا ہے۔ جس کو دیکھو رائے دہندہ مگر کام کرنے کے نام موت۔ یہ لوگ سب کام مولویوں ہی کے ذمہ سمجھتے ہیں کہ تدابیر بھی یہی سوچیں چندہ بھی یہی جمع کریں عملی جامہ بھی اسی کو یہی پہنائیں اور یہ شادی کے سے جوڑے رکھے ہوئے سجا کریں مگر یہاں ایسی باتیں چلتی نہیں چھپی ہوئی چوریاں پکڑی جاتی ہیں اس پر خفا ہوتے ہیں خیر خفا ہوا کریں ہم ان کے نوکر تھوڑا ہی ہیں اصول کے موافق ہر جماعت اور ہر طبقہ پر کام تقسیم ہونا چاہیئے یعنی ہر کام اس کے اہل کے ذمہ ہو۔ علماء کا کام جس کے وہ اہل ہیں صرف یہ ہے کہ ان سے حکم شرعی معلوم کرو اور اس سے آگے اگر چاہو گے تو وہ مشورہ بھی دے سکتے ہیں مگر فرض منصبی ان کا صرف حکم شرعی ظاہر کردینا ہے باقی چندہ وغیرہ جمع کرنا یہ علماء کا کام نہیں یہ اہل مال کا کام ہے وہ خود دے کر دوسروں سے بھی لے سکتے ہیں سو طریقہ کا کام ہے مگر ہم لوگوں میں کوئی ضابطہ ہی نہیں اور مسلمانوں کو جو اس وقت پریشانی ہو رہی ہے زیادہ تر اس کا سبب بیڈھنگا پن ہے ان کے یہاں کسی کام کا نہ کوئی قاعدہ ہے نہ اصول جس طرف کو ایک جاتا ہے سب اسی طرف کو چل دیتے ہیں۔ اب دوسرے ضروری کاموں کو کون دیکھے کیونکہ سب تو ایک ہی کام میں لگ گئے اسلئے دوسرے کاموں میں گڑبڑ ہوجاتی ہے اگر اصول اور قاعدہ سے کام ہو اور ایک کو بڑا بنا کر اپنی قوت کو ایک جگہ جمع کریں پھر دیکھیں ان کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔

ملفوظ ۱۵۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل عام طور سے دین اور اہل دین کو نظر تحقیر سے دیکھا جاتا ہے جس کا منشاء محض کبر ہے یہی وجہ ہے کہ میں ان اہل دنیا خصوص اہل مال کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہوں جس کو لوگ خشکی سمجھتے ہیں۔ اور یہ کبر کا مرض تو اس وقت اپنے کو دیندار کہنے والوں تک میں سما گیا۔ ایک مولوی صاحب نے مجھ کو ایک خط میں لکھا تھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم بھی ایک مخترع نماز پڑھتے ہو جس کا نام تراویح ہے۔ سنت کے لئے مخترع کا لفظ استعمال کیا تراویح سنت ہے جو اصل کے اعتبار سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور بعض خصوصیا کے اعتبار سے خلفاء راشدین کی سنت ہے میں نے اس پر مواخذہ کیا اس پر معافی کا خط آیا کہ معاف کر دو اور ساتھ ہی اپنے اس بیہودہ قول کی تاویل بھی لکھی میں نے لکھا کہ آپ نے میری کوئی خطا نہیں کی شریعت کی خطا کی ہے اب اس کا تدارک یہ ہے کہ اول اصل واقعہ لکھیں اور پھر جو تاویل کی تھی وہ لکھیں اور پھر اس تاویل کا فاسد ہونا مع اس کے رد کے لکھیں پھر اس کو شائع کریں جس وقت یہ مجموعہ چھپا ہوا دیکھ لونگا خود ایک خط ان کو مبارکباد کا لکھوں گا کہ مبارک ہو کہ تم تائب ہو گئے اگر یہ نہیں تو میں ایسے شخص سے خطاب کرنا ہی نہیں چاہتا جس کے دل میں شریعت کی وقعت اور عظمت نہ ہو مجھ کو جو غصہ آیا وہ طعن کرنے کی وجہ سے آیا تاویل اور تاویل بھی فاسد۔ اگر ان کی اس تحریر میں صرف اختلاف کا درجہ ہوتا یا طالب علمانہ شبہ ہوتا اور رفع شبہ کے طریق پر پوچھتے تو میں جواب دیتا۔ یہ کیا نالائقی ہے کہ شریعت کے ساتھ تمسخر اور اس کی تنقیص کی جائے۔ ایسے شخص سے جب تک تائب نہ ہو میں تعلق نہیں رکھتا۔ کیا شریعت کو کھیل سمجھتے ہیں یا بدتمیز بدتہذیب جو منہ میں آیا بک دیا۔ دین تو بڑی چیز ہے اگر اہل دین اور بزرگوں ہی کی عظمت قلب میں ہو تو اس سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔ ایمان قوی ہوتا ہے۔ ایمان میں رسوخ ہوتا ہے کیونکہ منشاء اس عظمت کا دین ہے تو اہل دین کی تعظیم دین ہی کی تعظیم ہے گو بواسطہ سہی تو بلا واسطہ کا تو کیا پوچھنا اس وقت جو خیر و برکت دنیا سے اٹھ گئی اس کا اصلی راز یہی ہے کہ دین اور اہل دین کی عظمت قلوب سے نکل گئی۔ بدعملی بھی بری چیز ہے مگر دین کی وقعت اور عظمت کا نہ ہونا یہ نہایت ہی خطرناک چیز ہے اس سے ایمان کے سلب ہو جانیکا اندیشہ ہے اس لئے جس کے قلب میں دین کی عظمت نہ ہو اس کو جلد سے جلد توبہ اور اصلاح کرنیکی سخت ضرورت ہے۔

ملفوظ ۱۶۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا جو لوگ تعویذ لینے آتے ہیں ان کا نام اس لئے پوچھتا ہوں کہ نام سے اکثر پتہ چل جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں یا ہندو تاکہ ان کو تعویذ دوں یا گنڈا

یہاں ابھی تک ناموں میں اکثر امتیاز ہے اور پورب کے دیہات میں تو ناموں میں بھی امتیاز نہیں ۔ میں ایک بار تبلیغ کے لئے گجیز ضلع کانپور میں گیا تھا وہاں ایک مسلمان رئیسوں سے ملاقات ہوئی ایک کا نام تھا نوسنگھ دوسرے کا ادھار سنگھ ۔ سو وہاں تو نام سے بھی امتیاز ہونا مشکل ہے یہ اطراف تو اپنے بزرگوں کی برکت کی وجہ سے پھر غنیمت ہیں ذرا ادھر ادھر نکل کر دیکھو تب ۔ - - - - -
حقیقت معلوم ہو کہ کیا رنگ ہے اور اب تو اس طرف بھی گڑبڑ شروع ہو گئی ایسا زہر یلا اثر پھیلا ہے حق تعالیٰ ہی محافظ ہیں اس وقت تو ایمان ہی کے لالے پڑ رہے ہیں تقویٰ اور طہارت تو خواب و خیال ہی کے درجہ میں رہ گیا ہے ۔

ملفوظ ۱۶۱ :- ایک خط کے جواب کے سلسلے میں فرمایا کہ بہت سی غلطیوں کا پاس ہی رہنے سے ازالہ ہوتا ہے ۔ خط و کتابت سے کیا ہوتا ہے ۔ محض خط و کتابت سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ طالب نے اپنے ذہن میں جس کو اصلاح کے لئے انتخاب کیا ہے وہ صحیح بھی ہے یا نہیں بعض اوقات پیر کا انتخاب غلط ہوتا ہے تو مرید ہو کر پچھتاتے ہیں جو بہت ہی بری بات ہے بلکہ اگر پیر مثلاً مرید کر کے پچھتاؤں تو وہ اتنا برا نہیں جتنا کوئی مرید ہو کر پچھتائے کہ یہ زیادہ برا ہے تو مرید ہونے والوں کو زیادہ احتیاط چاہئے مگر عجیب معاملہ ہے کہ جو احتیاط ان کا کام ہے میں ان لوگوں کو بتاتا ہوں جتلاتا ہوں بجائے احسان ماننے کے اور خوش ہونے کے الٹا برا مانتے ہیں اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ یا تو لوگوں میں فہم کا قحط ہے یا مجھ کو عقل کا ہیضہ ہے اور ظاہر ہے کہ قحط زدہ میں مناسبت نہیں ہو سکتی اور اس طریق میں نفع موقوف ہے مناسبت پر ایسے لوگوں کو میں تو صاف کہہ دیتا ہوں کہ کہیں اور جا کر تعلق پیدا کر کے اصلاح کراؤ کیونکہ اصلاح کرانا فرض ہے اور مجھ سے تعلق پیدا کرنا فرض و واجب نہیں تم کو مجھ سے مناسبت نہیں مجھ کو فوج بھرتی کرنا نہیں ۔ میرے یہاں رجسٹر نہیں جس میں نام کا اندراج کروں یہاں تو یہ حالت ہے کہ باستثناء ان لوگوں کے جو یہاں کثرت سے آتے جاتے ہیں مکاتبت مخاطبت رکھتے ہیں وہ تو یاد رہتے ہیں ورنہ یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ ان کا مجھ سے بیعت کا تعلق بھی ہے یا نہیں خدانخواستہ دکانداری یا مجلس آرائی تھوڑا ہی مقصود ہے ایسے بھی بکثرت پیر ہیں جن کے یہاں یہی مشغلہ ہے مجھ کو بحمد اللہ ایسی باتوں سے طبعی نفرت ہے میں نے اپنے بزرگوں کا یہی طرز دیکھا ہے یہی پسند ہے اللہ کا شکر ہے کہ یہاں ہر کام آنے والوں کی مصلحت اور مقصود کے ماتحت کیا جاتا ہے اپنی مصلحت اور غرض سے کوئی کام نہیں ہوتا مدتوں کے بعد بحمد اللہ طریق زندہ ہوا ہے اب پھر لوگ اس کو گڈمڈ کرنا چاہتے ہیں مگر اب ایسا ہونا انشاء اللہ تعالیٰ مشکل ہے بحمد اللہ تعالیٰ طریق بے غبار ہو چکا ۔

ملفوظ ۱۶۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل دہریت اور الحاد کا زمانہ ہے ممالک اسلامیہ میں جن کے ہاتھ میں حکومت ہے وہ احکام اسلام کی کیا وقعت کر رہے ہیں انگورہ میں پردہ قانوناً جرم ہے پردہ کرنے پر سزا ہوتی ہے ساٹھ برس کی عورت تو مستثنیٰ ہے باقی سب بے پردہ جن راوی نے مجھ سے یہ روایت نقل کی وہ قسطنطنیہ گئے تھے یہ یاد نہیں رہا کہ انگورہ بھی اپنا جانا بیان کرتے تھے یا نہیں اور حکمت اس تفصیل میں یہ بیان کرتے تھے کہ ساٹھ برس کی عورت کو تو پردہ کی پرانی عادت ہے اور وہ پک گئی ہے اب اگر اس کا پردہ توڑ دیا تو اس کو مخالفت ہوگی اور جو نوعمر لڑکیاں ہیں یہ ابھی عادی نہیں ان کے پردہ توڑنے میں سہولت ہے میں یہ بات ایک مولوی صاحب سے بیان کی کہ یہ کیا الٹی بات ہے وہ بڑے ذہین اور ظریف ہیں وہ کہنے لگے کہ نہیں الٹی نہیں یہ تو سیدھی بات ہے اس لئے کہ ساٹھ برس کی عورت کو دیکھنے سے جی خوش نہیں ہوتا بلکہ اور طبیعت منقبض ہوتی ہے اس لئے اس کا پردہ ہی مناسب ہے اور جوان کو دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے اس لئے اس کو بے پردہ کیا گیا امان اللہ خان کو ذرا دسترس ہوئی تھی کیا گل کھلائے کے ہاتھ گل کھلانے کا تماشہ بھی دیکھ لیا کہ چراغ ہی گل ہو گیا تمام بیدار مغزی جاہ و حشم فوج پلٹن تاج و تخت حکومت شوکت عزت سلطنت ایک آن واحد میں سب خاک میں مل گیا یوں نہیں سمجھتے کہ اسلام اور احکام اسلام کی پامالی اپنی ہی پامالی ہے آج کل ایسوں کو بیدار مغز سمجھا جاتا ہے جو احکام اسلام کو پامال کر رہے ہیں اسی طرح ہندوستان میں سوراج کے ترانے گائے جا رہے ہیں اول تو ہندوستان میں سوراج کا بظاہر ملنا مشکل معلوم ہوتا ہے اور اگر مل بھی گیا تو یہ مشکل ہے کہ مسلمانوں کا غلبہ ہو اور اگر یہ بھی ہو گیا تو ایسے مسلمانوں کا غلبہ ہوگا جو تم سے بزور شمشیر اپنی مرضی کے موافق فتویٰ لکھوائیں گے ۔

انگریزوں کی تو آج تک ایسا کرنیکی ہمت نہیں ہوئی جو کچھ بھی کرتے ہیں تدابیر سے اور بد دین لوگوں کو لالچ دیکر کرتے ہیں ان کے ذریعہ سے اپنے اغراض اور بقاء سلطنت کی صورتیں نکالتے ہیں مگر یہ نام کے مسلمان حکومت ملنے سے یہ سمجھیں گے کہ دین ہمارا مذہب ہمارا اسلام ہمارا مولوی ہمارے پھر کیا وجہ کہ ہمارے خلاف فتویٰ دیں اور جو ہم چاہیں وہ نہ لکھیں اور ابھی تو کچھ ملا ملایا بھی نہیں اسی پر تحریف دین میں کیا کچھ کسر چھوڑی ہے ایک طاغوت کو امام بنا لیا قرآن و حدیث سے اس کے ہر قول کی تائید کرنے کی کوشش کرنے لگے حقیقت سے آگاہ کرنے والوں پر یا خاموش رہنے والوں پر کون سا حربہ نہیں استعمال کیا قسم قسم کے بہتان اور الزام جن کے سر نہ پاؤں

ان کے سر تھوپے گئے مگر آخر میں بحمداللہ تعالیٰ حق ہی کو غلبہ ہوا قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

ملفوظ ۱۶۳: فرمایا کہ آج ایک خط آیا ہے لکھا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ محض اللہ کی رضا کے واسطے چالیس روزے رکھوں اور ایسی جگہ رہوں جہاں کوئی نہ آوے۔ یہ جواب دیا گیا۔ دو چیزیں اس کی مانع ہیں ایک مشقت ناقابل تحمل دوسرے شہرت اس کو دیکھ لیا جاوے۔ پھر فرمایا کہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے نہ معلوم لوگ مخلوق سے نفرت کیوں کرتے ہیں کیا کوئی کھائے لیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بزرگ مشہور ہو جاویں گے کہ چلہ کھینچ رہے ہیں اور یہ بڑا فتنہ ہے۔ ایک دفعہ فلاں مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ جی چاہتا ہے کہ گم نام جگہ میں رہوں جہاں کوئی نہ پہچانتا ہو میں نے کہا کہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے اپنے بڑوں کے پاس رہنے میں بھی کون پہچانتا ہے اگر الگ رہو گے بزرگ مشہور ہو جاؤ گے جو بڑا فتنہ ہے خیر اسی میں ہے کہ اپنے بزرگوں کے پاس پڑے رہو و بوبند ہی میں رہو۔

ملفوظ ۱۶۴: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں خدا داد ہیبت تھی جب مدرسہ میں آکر بیٹھ جاتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ سارا مدرسہ انوار جلال سے بھرا ہوا ہے یہ چیزیں خداداد ہوتی ہیں کسی کے کسب کو اس میں دخل نہیں بننے بنانے سے یہ چیزیں حاصل نہیں ہوتیں یہ عطاء حق ہے جس کو بھی عطا فرما دیں۔

ملفوظ ۱۶۵: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ سب سے بدتر میرے نزدیک یہ حرکت ہے کہ لوگوں کو بہلا پھسلا کر کسی کا معتقد بنا کر لا پھنساوے۔ ایک مولوی صاحب کو اس باب میں بڑا غلو ہے انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس سے لوگوں کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت ہو جائے حرج کیا ہے۔ میں نے کہا کہ نیت تو بری نہیں مگر عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے عقل سلیم کی رو سے اس کا بہترین طریق یہ ہے کہ پانچ چھ بزرگوں کے نام لے دیا کرو ایک میں حصر نہ کیا کرو اس کے خلاف میں بہت مفاسد ہیں آگے یہ سوال رہا کہ ان پانچ چھ میں انتخاب کا معیار کیا ہے سو اس کے بارے میں یہ مشورہ دیا کرو کہ ان سے سب جگہ وہ اپنی حالت لکھ کر اصلاح کا سوال کرے جہاں سے اس کے مذاق کے موافق تسلی بخش جواب آئے وہاں رجوع کرے بس یہ طریق اسلم سے بدرجہا احسن ہے کہ طالب کو ایک شخص کا نام لیکر اس سے تعلق رکھنے کی ترغیب دی جائے اور صاحب اپنا اپنا ذوق ہے مجھ کو ایسی ترغیب سے غیرت معلوم ہوتی ہے اور یہ امور میرے ذوقی اور فطری ہیں میں مجبور ہوں

اگر دوسروں کو احساس نہ ہو یہ جدا بات ہے ۔

ملفوظ ۱۶۶:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنا جائز ہے یا نہیں فرمایا کہ اگر مشکلات کونیہ مراد ہیں تب تو جائز نہیں اگر مشکلات علمیہ مراد ہیں تو جائز ہے جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

کسے عہ مشکلے برد پیش علیؓ ٭ مگر مشکلش را کند منجلی

اور ان حضرات کو جو شیعی امام کہتے ہیں تو اس معنے کر نہیں کہتے جیسے امام ابو حنیفہ یعنی امام دین اس سے تو ہم کو بھی انکار نہیں امام جمعنی خلافیت اور وہ بھی اس معنی کر جس کی حضرات خلفاء سے نفی کرتے ہیں ہم کو اس سے انکار ہے ۔

۲۴ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۱۶۷:- فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے پڑھ کر یہ معلوم ہوا کہ اس شخص کے دماغ میں خبط ہے بہشتی زیور کے ان مسائل پر اعتراض کیا ہے جو عورتوں کے متعلق ہیں اور مشورہ دیا ہے کہ ان مسائل کو کتاب سے نکال دیا جاوے اس لئے کہ شرمناک مسائل ہیں یہ مشورہ دے کر اپنے دل میں کہتا ہوگا ملانوں کو بھی تہذیب کی وہ بات نہ سوجھی جو ہم کو سوجھی ۔ طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انگریزی تعلیم یافتہ ہے ان ہی جیسے محاورات خط میں استعمال کئے ہیں یہ اس قسم کا خناس ان بد دماغوں کے اندر بھرا ہے جب کوئی کام نہیں بیٹھے ہوئے یہی مشغلہ ہی ہیں بھی انشاء اللہ ایسا ہی جواب دونگا جس سے ان کی طبیعت خوش ہو جائیگی ۔ یہ نامعقول لڑکیوں کو ڈاکٹری کی تعلیم دلواتے ہیں ان کو تجربہ کرایا جاتا ہے اس پر کبھی اعتراض نہ سوجھا وجہ اسکی یہ ہے کہ سمجھتے ہیں کہ دنیا تو ضروری چیز ہے اور دین غیر ضروری اور ضروری کیلئے سب گوارا کیا جاتا ہے ان سے کوئی پوچھے کیا صحابہ کے زمانہ میں یہ مسائل نہ تھے اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتیں ایسے سوال نہ پوچھتی تھیں ۔ نیز یہ مسائل تو فقہی ہیں جو فقہ کی کتابوں میں منقول ہیں ان سے بھی ان مسائل کو نکال دینا چاہیئے ۔ ممکن ہے کہ اس پر یہ شبہ ہو کہ وہ کتابیں تو عربی میں ہیں انکو کون عورتیں پڑھتی

عہ کوئی شخص کوئی مشکل بات حل کرنے کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا کہ شاید اس کی مشکل حل فرما دیں ۱۲ ۔

ہے میں کہتا ہوں کہ اول تو عرب کی عورتوں کے لیے عربی ایسی ہی ہے جیسا یہاں کی عورتوں کیلئے اردو دوسرے اگر عورتیں عربی پڑھنا شروع کر دیں اس وقت کیا کہو گے پھر کیا تمہاری طرح ساری دنیا جاہل ہی ہے اب بھی ایسی عورتیں بہت ہونگی جو عربی پڑھ سکتی ہونگی تو اس کو کیا کرو گے اور یہ شبہ تو تم کو ابھی ہوا ہے پہلے زمانہ میں تو کثرت سے عورتیں عربی کی تعلیم یافتہ ہوتی تھیں اور ان کے لیے عربی ایسی ہی تھی جیسی ہمارے لیے اردو اس وقت کسی کو یہ اعتراض نہ سوجھا تم ہی بڑے روشن دماغ ہو اور سب کے دماغوں میں اندھیرا ہی ہے اور دینی کتابوں کا تو ان کو انتظام سوجھ رہا ہے مگر یہ جو انگریزی کی تعلیم ہو رہی ہے اور عورتوں کے متعلق بے پردگی کی کوشش کیجا رہی ہے پروفیسری اور ڈاکٹری کی تعلیم عورتوں کو دیجاتی ہے اس کا انہوں نے کیا انتظام سوچا ہے۔ بد دینوں کو دین ہی میں ساری احتیاطیں سوجھتی ہیں بات وہی ہے جو میں کہہ چکا ہوں کہ دین کو غیر ضروری اور دنیا کو ضروری سمجھتے ہیں اگر دنیا کی طرح دین کو بھی ضروری سمجھتے تو کبھی اعتراض ہی دل میں پیدا نہ ہوتا۔ اب ان واقعات کو پیش نظر رکھکر کیا کوئی مشورہ دے سکتا ہے کہ ان بیہودوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جاوے اگر ان کو محض خیر خواہی مقصود ہوتی اور تہذیب سے بزعم خود اس کے نامناسب ہونے پر مطلع کیا جاتا تو اس کا عنوان اور تھا اور اس کا جواب بھی ویسا ہی ہوتا یہ تو محض شرارت ہے سو اس کا جواب بھی ایسا ہی ہوگا۔ اب میں ان کے خط کا جواب لکھتا ہوں یہ فرما کر جواب تحریر کر کے اہل مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے جواب لکھدیا ہے کہ لڑکیوں کو ناول پڑھائے جاتے ہیں کبھی اس پر بھی شبہ ہوا فن موسیقی سکھایا جاتا ہے اس پر بھی شبہ نہ ہوا۔ پردہ اٹھایا جاتا ہے اس پر شبہ نہ ہوا تھیٹروں میں لڑکیوں کو لے جاتے ہیں۔ وہاں ہر قسم کی تصویریں عاشق معشوق کی دکھائی جاتی ہیں وہاں شبہ نہ ہوا اور اگر ہوا تو اس کے ازالہ کی کیا تدابیر سوچیں اور کس اخبار یا اشتہار کے ذریعہ اس سے اظہار نفرت کیا یا کسی کو بذریعہ خط ان مذموم حرکات کی اطلاع دی پہلے اس سے مطلع کرو تب میں بہشتی زیور کے اعتراض کا جواب دونگا اس پر فرمایا کہ ایسے خر دماغوں کو ایسا ہی جواب دینا چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ خالی ہم ہی خر دماغ نہیں مولویوں میں بھی اسپ دماغ ہیں۔

اور جب مخاطب کوڑ مغز اور بدفہم ہو تو وہاں حکیمانہ جواب کارآمد نہیں ہوتا حاکمانہ جواب نافع ہوتا ہے یہی طرز کلام پاک کا ہے شیطان کے سجدہ نہ کرنے پر حق تعالیٰ کو اس کے مقدمات کا حکیمانہ جواب کیا مشکل تھا جس کا حاصل یہ ہوتا کہ مخلوق من النار کا مخلوق من الطین سے افضل ہونا غیر مسلم ہے مگر چونکہ مخاطب کوڑ مغز اور بدفہم تھا حاکمانہ شان سے کام لیا اور پھر نفس جواب بھی اس وقت ضروری ہے جب تبلیغ نہ ہوئی ہو یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ اس کو معلوم نہیں ہے اس وقت واجب

کہ وہاں تبلیغ کردی جائے اور اگر معلوم ہو کہ تبلیغ ہو چکی تو پھر مطلق جواب ہی واجب نہیں۔

ملفوظ ۱۶۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تمام کمالات کے جامع تھے قرآن شریف نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے حضرت کے پیچھے نماز میں اس قدر جی لگتا تھا کہ جی یہ چاہتا تھا کہ سلسلہ قرأت کا ختم نہ ہو۔ حضرت کی عجیب شان تھی۔ مجھ کو مولانا سے بہت ہی مناسبت تھی میں نے اول طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا گنگوہی سے بیعت کی درخواست کی تھی مگر حضرت مولانا نے طالب علمی کیوجہ سے بیعت نہیں فرمایا اس کے بعد اتفاقاً حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک عریضہ لکھا اور اس میں حضرت مولانا گنگوہی کی شکایت بیعت نہ کرنیکی لکھی اور حضرت مولانا کو وہ عریضہ دیا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت با برکت میں پیش فرما دیں حضرت مولانا نے بھیجا کر وہ عریضہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم ہی پڑھکر سنا دو۔ مولانا نے پڑھکر سنایا پھر آپس میں کچھ گفتگو ہو کر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ ہم نے تم کو بیعت کر لیا۔ بعد فراغ علم اگر شغل کرنا چاہو گے تو مولانا گنگوہی یا مولانا محمد یعقوب صاحب رح سے دریافت کر لینا مگر شغل علم کو کبھی ترک مت کرنا یہ کتنی بڑی عنایت ہوئی اور الحمد للہ مجھ پر ہمیشہ بزرگوں کی عنایت رہی بس یہی ایک ذخیرہ ہے ورنہ عمل وغیرہ تو جیسے کچھ ہیں وہ معلوم ہیں تو گویا اپنی کمائی کبھی نہیں ہوئی ہمیشہ مفت خوری ہی میں گذری اور جیسے یہاں گذری ویسے ہی امید وہاں گذر جانیکی ہے۔ اہل اللہ اور خاصان حق کی محبت اور عنایت بڑی نعمت ہے یہ خالی کبھی نہیں جاتی۔

ملفوظ ۱۶۹ فرمایا کہ آج ایک خط آیا ہے لکھا ہے کہ وساوس زیادہ آتے ہیں ان کے لئے کوئی وظیفہ بتلا دیجئے۔ اب بتلایئے کہ یہ وظائف کا کام ہے یہ اس طریق سے بیخبری کی دلیل ہے جب تک انسان کو حقیقت کی خبر نہ ہو ایسے ہی بے تکی ہانکا کرتا ہے۔

ایک صاحب کا خط آیا تھا لکھا تھا کہ قلب میں وساوس آتے ہیں اس کے واسطے کوئی ورد بتلا دو یہ صاحب ایک بہت بڑے شیخ سے مرید ہیں اور یہ آج تک خبر نہ ہوئی کہ وساوس کا علاج کہیں اوراد یا وظائف سے ہوتا ہے اس ہی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ نری بیعت سے کام نہیں چلتا جب تک کہ کسی محقق کے پاس نہ رہے ان مفید تعلیمات پر مجھ پر سختی کا الزام لگایا جاتا ہے بدنام کیا جاتا ہے کہ بد خلق ہے ہر شے میں ضابطہ برتتا ہے گویا آج کل یہ بھی جرم ہے کہ ناواقفوں کو واقف بناؤں بے خبروں کو خبردار بناؤں ظلمت سے اور جہل سے نکال کر نور اور ہدایت کی طرف لاؤں لیکن

اگر کسی کو اس سے ناگواری ہے تو پھر میرے پاس آتے ہی کیوں ہو میں بلانے کب گیا تھا کیا اب اصلاح کا طریق تم سے سیکھوں جب تمہاری رائے میں مجھ کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ طریق اصلاح کیا ہے تو پھر میرے پاس کیوں آتے ہو اور مجھ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہو مجھ کو چھوڑو اور بہت اور بارو نیا میں موجود ہیں وہاں جاؤ وہاں تمہاری مرضی کے موافق تمہارے ساتھ برتاؤ کریں گے وہاں جا کر ان سے خدمت لو وہ تمہاری ہر قسم کی رعایتیں کرینگے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ وہ شیخ پانی ہیں میں شیخ ہوں یعنی لوہے کی طرح سخت۔ وہاں برکت ہے یہاں حرکت ہے وہاں دلجوئی ہے یہاں دلشوئی ہے۔ دھوبی کے یہاں میلے کپڑے لے جاتے ہو اگر وہ اس خوش اخلاقی سے کام لے جس کو تم خوش اخلاقی سمجھتے ہو یعنی وہ میلے کپڑوں کو موجودہ حالت میں نہایت احتیاط سے تہ کر کے اور ان کی سلوٹ وغیرہ نکال کر استری کر کے تمہارے حوالہ کر دے کیا کہو گے یہی کہو گے کہ بھائی تمہارے پاس تو اس واسطے لائے تھے کہ ان کو بھگو کر اور ریہی لگا کر خم پر چڑھا کر نیچے آگ لگا کر خوب پکاتے پھر ان کو تالاب پر لیجا کر اور اس کا ایک طرف کا سرا پکڑ کر تختہ پر سر سے اونچا اٹھا کر زور سے دیر تک مارتے اور اس پر بھی اگر میل رہ جانے کا خیال ہوتا تو ڈنڈے سے اس کی خبر لیتے یہ تم نے کیا کیا ہمارے پاس کپڑے اس لئے تھوڑا ہی لائے تھے سو جو تم دھوبی سے کہو گے اس کو یہی یہاں سمجھ لو اگر یہ نہیں تو بس ہو چکی اصلاح اور ہو چکی دلشوئی۔ بس ہمیشہ دلجوئی ہی میں رہنا مگر آدمیت اور انسانیت تو اس طرح پیدا ہو نہیں سکتی اور جب اس طریق کی برداشت نہیں تو گھر ہی سے کیوں چلے تھے عشق اور محبت کا دعوی کر کے گریز کیسا اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق ؎ تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

اور فرماتے ہیں ؎

گر بہر زخمے تو پر کینہ شوی ؎ پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

ملفوظ: ایک لڑکا اپنے گھر سے تعلیم کیلئے بھاگ آیا تھا اس کے ورثاء لینے کے واسطے آئے اس پر حضرت مولانا نے لڑکے سے فرمایا کہ میاں بھاگ کر آئے اور یہاں ظاہر بھی نہ کیا بھاگنے کی کیا وجہ ہوئی عرض کیا گیا کہ اس کے والدین اس کو انگریزی پڑھانا چاہتے ہیں اور اس کو شوق دینیات کے پڑھنے کا ہے فرمایا میاں آئندہ بھاگنے کی ضرورت نہیں ترکیب میں بتلا دوں گا بے بھاگے ہی کام ہو جائیگا۔ ایک اور لڑکے کو اسی طرح میں نے ترکیب بتلائی تھی یہ کہ سبق مت یاد کرو اور اگر اس خیال سے یاد کرو کہ مار لیگا تو یہ تدبیر کرو کہ امتحان میں غلط سلط ہانکنا شروع کر دو جب فیل پر فیل ہوتے رہو گے سمجھیں گے

کہ نالائق ہے اس کو عربی پڑھاؤ آج کل عربی کے لئے نالائقوں کو تجویز کیا جاتا ہے بس یہ تدبیر بہت سہل ہے بھاگنے کی ضرورت نہیں ۔ اہل دین پر بدفہموں کا اعتراض ہے کہ یہ لوگ بیوقوف ہوتے ہیں اپنی بے وقوفی پر کبھی نظر نہیں گئی کہ علم دین پڑھانے کے لئے انتخاب ہی ان بچوں کا کرتے ہیں جو کند ذہن اور بے وقوف ہوتے ہیں تو پھر وہ عاقل کہاں سے ہو جاویں گے سو یہ تو اپنی ہی غلطی ہے ۔

ملفوظ:۔ ۱۷۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے مشائخ اور پیر اپنی دکانیں جمانیکی غرض سے اس کے متمنی زیادہ ہیں کہ اہل ثروت اہل جاہ اہل مال ان کے مرید بنیں اور ان کو دیکھ کر لوگ دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں چنانچہ ایک صاحب نے میرے متعلق کہا تھا کہ غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ ڈپٹی مرید ہوگئے میں نے سن کر کہا کہ میں نے مرید کر لیا تم غنیمت سمجھو ۔ میں غریبوں کو تو مرید کر لیتا ہوں اور ان امراء کو اول تو کرتا ہی نہیں اور اگر کرتا بھی ہوں تو ان کو جن کے اندر شان فنا اور خلوص دیکھتا ہوں یہ اس طریق میں داخل ہونے کا پہلا قدم ہے کہ فنا کا غلبہ ہو اور جگہ تو پہلے مجاہدات اور ریاضات ہیں اور بعد میں فنا ۔ یہاں پہلے فنا ہے بعد میں اور سب کچھ اپنے بزرگوں کو اسی رنگ میں دیکھا کہ جامع کمالات تھے مگر کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ یہ مولوی اور شیخ بھی ہیں یا نہیں ۔ بس یہی طرز دیکھا اور یہی پسند ہے آج ہی ایک خط آیا ہے لکھا ہے کہ فلاں حافظ صاحب بچوں کو مارتے نہیں خود پٹنے کو تیار ہو جاتے ہیں یہ فنا کے غلبہ کا اثر تھا میں کہتا ہوں کہ مارنے سے مقصود کیا ہے کہ رعب ہو ہیبت ہو تاکہ سبق یاد کریں تو یہ مقصود تو ہاتھ جوڑنے سے اس سے بھی زیادہ حاصل ہو سکتا ہے گنگوہ میں ایک حافظ صاحب تھے وہ بچوں کو مار کر پھر ان سے بدلہ لینے کی درخواست کیا کرتے تھے اور یہ صورت بچوں کے لئے باعتبار تربیت و تعلیم و اخلاق کے مفید ہے کہ وہ تواضع سیکھیں گے ان میں رعونت اور کبر پیدا نہ ہو گا مگر ان ہی کے لئے مفید ہو گا جو کہ سلیم الطبع ہیں ورنہ مضر ہے کہ بے ادب اور گستاخ ہو جاویں گے اب اس کا اندازہ ذوق اور وجدان پر ہے کہ کس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے یہ تو دینی مکتبوں کا ذکر ہے باقی یہ جو آج کل کے اسکول اور کالج ہیں میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ کالج نہیں خالج ہیں کیونکہ دین کی حس تو ان میں تعلیم پاکر رہتی نہیں ۔

ایک شخص نے لکھا تھا کہ اب میرا خیال ہے کہ میں اپنے لڑکے کو جامعہ ملیہ دہلی میں داخل کر دوں میں نے لکھا کہ وہ ملیہ نہیں کبھی بھول کر بھی وہاں داخل نہ کرنا ۔ علیگڈھ کا لج اتنا برا نہیں جتنا یہ جامعہ ملیہ ہے کیونکہ وہ لوگ دین میں دخل نہیں دیتے اپنے کو مقتدا نہیں سمجھتے اور جامعہ ملیہ والے

ندوہ کی طرح اپنے کو مقتدا سمجھتے ہیں ایک فرق یہ بھی دیکھ لیجئے کہ علیگڈھ والوں نے اس کا نام رکھا کالج جس سے کسی کو دھوکہ نہیں ہو سکتا اور اس کا نام رکھا گیا جامعہ ملیہ جس کے نام ہی سے مقتدائیت کا دعوی ٹپکتا ہے حالانکہ وہاں ملت کا پتہ بھی نہیں البتہ ہاں ایک معنی کر بیشک جامع ملیہ ہے یعنی تمام مذاہب ملیہ یہودیت نصرانیت ہندویت مجوسیت سب کا جامع ہے۔

ملفوظ ۱۷۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تحریک خلافت کا زمانہ نہایت ہی پرفتن زمانہ تھا بڑے بڑے پھسل گئے عجب ایک ہڑبونگ مچا ہوا تھا حق و باطل میں بھی امتیاز نہ رہا تھا اول اول جگہ کسی شق کی کوئی دلیل ذہن میں نہ تھی بڑی ہی کشمکش رہی کیونکہ اہم مسئلہ تھا پھر اس میں اپنے بعضے بزرگ بھی شریک تھے تو اتنی جلدی اس میں کیسے شرح صدر ہو سکتا تھا مگر اللہ تعالی نے فضل فرمایا امداد فرمائی سب سے اول یہ بات سمجھ میں آئی تھی کہ اگر کوئی کام کیا بھی جاوے تو کس کے بھروسہ مسلمانوں میں اس وقت دونوں قوتیں مفقود ہیں نہ تو مالی ہی حالت درست ہے نہ ایمانی اور روحانی وہی قوت ان کے اندر رہی ہے تو ایسی حالت میں شرکت کرنا اپنے کو خطرہ میں ڈالنا ہے جس کے متعلق حق تعالی نے فرماتے ہیں لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ پھر اس کے بعد ان لوگوں کا طریق کار دیکھا تب معلوم ہوا کہ کثرت سے اس میں وہ لوگ شریک ہیں کہ دین ہی مقصود نہیں محض دنیاوی اغراض پیش نظر ہیں نیز ان کے ساتھ ہی ہندوؤں سے ایسا اتحاد کر رہے ہیں کہ جیسے ہندو اصل ہیں اور مسلمان تابع پھر یہ دیکھ کر تو اس تحریک سے انقباض کا درجہ پیدا ہو گیا اس وقت اکثر کو حدود کی قطعا پرواہ نہ تھی مسائل شرعیہ کو کھیل بنا رکھا تھا اور قرآن و حدیث کو ایک طاغوت کے اقوال کا تختہ مشق بنا دیا گیا تھا چونکہ اس تحریک کا بانی وہ طاغوت ہی تھا جو بدنیت بد دین ہے پھر اس تحریک میں خیر و برکت کہاں بھلا جو شخص توحید و رسالت کا منکر ہو پھر وہ مسلمانوں اور اسلام کا ہمدرد بھی ہو عجیب معمہ ہے ان لوگوں کی عقلیں خدا معلوم کہاں جاتی رہیں تھیں دیکھ آخر اس کے جذبات کا پتہ اب تو چل ہی گیا حقیقت کا انکشاف ہو گیا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کا کس قدر ہمدرد اور خیر خواہ ہے اسی پر دوسروں کا الزام تھا کہ تحریک میں شرکت نہیں کی تم کو آج تجربہ کے بعد اس کی بدنیتی معلوم ہوئی مگر دوسروں کو اول ہی اور حق تعالی نے معلوم کرا دی تھی تم کو اس وقت معلوم ہوا کہ جب ہزاروں مسلمانوں کا مال اور ایمان برباد کرا چکے اور جن پر فضل ایزدی تھا وہ پہلے ہی سے سمجھ گئے تھے کہ یہ بدنیت بد دین اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے اور موٹی بات ہے کہ جو شخص اپنا دوست نہ ہو اور جس کو اتنی بھی عقل نہ ہو کہ وہ اپنے انجام کو سمجھ سکے وہ دوسروں کو کیا فلاح اور بہبود کا مشورہ دے سکتا ہے اگر یہ طاغوت عاقل

ہونا جیسا کہ شعور کیا گیا تو پہلے تو اپنے انجام اور عاقبت کی فکر کرتا زیادہ افسوس ان اہل علم پر ہے جنہوں نے خود بھی اس کا اتباع کیا اور بہت مسلمانوں کو اس کے اتباع اور اقتداء کی ترغیب دی۔ اللہ تعالے نے بڑا فضل فرمایا اب بھی جلد ہی صبح ہوگئی ورنہ معلوم نہیں کہاں تک نوبت پہونچتی پہلے دجال کے متعلق شبہ ہوا کرتا تھا کہ ایمان والا کون اس بد دین کافر پر ایمان لا سکتا ہے مگر دیکھتی آنکھوں اس طاغوت ہی نے ہزاروں کے ایمان خراب اور برباد کر دیئے وہ دجال تو پھر اس سے بڑا ہوگا ایک دوسرے دشمن اسلام کے ساتھ بعض مسلمانوں نے جو معاملہ کیا اس میں ان مسلمانوں کو شرم نہ آئی کہ مسلمانوں کے مجمع میں اس کو منبر پر بٹھلا کر مسلمانوں کا مرکز بنایا بعض اہل کفر کے ساتھ یہ معاملہ کیا کہ اس کی جے بولی پھر بعض نے یہ غضب کیا کہ جے کی تفسیر کی کہ جے معنی فتح کے ہے یہ معنوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں اگر یہ معنی ہوں بھی مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ اہل کفر کا یہ شعار بھی ہے یا نہیں اور وہ اس کو مذہبی شعار سمجھ کر کن موقعوں پر استعمال کرتے ہیں اگر ایسا ہی توسع ہے تو جنیو اور زنار کی حقیقت بھی صرف ایک تاگا ہے اس کو بھی استعمال کیجئے اور سر پر چوٹی ہندو رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی سر کے بیچ کے بالوں کا چھوڑ لینا ہے اس میں ہی کیا قباحت ہے بقول آپ کے اس کو بھی رکھ لیجئے اور قشقا بھی پیشانی پر لگا لیجئے اس لئے اس کی حقیقت صرف ایک رنگ ہے اب کہاں تک عرض کیا جاوے ایک بات ہو تو کہوں پھر ان اعداء دین کا استقبال اللہ اکبر کے نعرے۔ کیا اس سے اللہ تعالے کے نام کی بے حرمتی نہیں ہوئی پھر مولویوں پر اعتراض ہے کہ یہ لوگ بیٹھے ہوئے لوگوں کو کافر بنایا کرتے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ کافر تو تم خود بنتے ہو یہ تو صرف بتلایا کرتے ہیں۔ بنانے اور بتانے میں زمین آسمان کا فرق ہے سو یہ بتاتے ہیں تا کے ساتھ بناتے نہیں نون کے ساتھ صرف ایک نقطہ کا فرق ہے کافر بنانا تو اس کو کہتے ہیں جیسے مسلمان بنانا یعنی مسلمان ہونے کی ترغیب دے کر مسلمان بناتے تھے اسی طرح کفر کی ترغیب دیتے کہ کافر ہو جاؤ۔ بنانے کے یہ معنی ہیں سو اس طرح کون مولوی کسی کو کافر بناتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے طبیب کے پاس مریض جاتا ہے اور وہ مرض کی تشخیص کر کے اطلاع کرتا ہے تو اس اطلاع سے تو وہ مریض کے اندر وہ مرض پیدا نہیں ہوتا جس کو مرض کا بنانا کہا جا سکے بلکہ نبض دیکھ کر بتاتا ہے کہ یہ مرض اس کے اندر ہے اعتراض کے جواب کے بعد میں پھر کہتا ہوں کہ یہ طاغوت بد عقل بد نیت بد فہم بد دین ہے۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ مسلمانوں کو اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ اب رہا یہ سوال کہ اگر وہ ایسا ہے تو کثرت سے یہ لوگ اس کے مطیع اور فرمانبردار کیوں ہیں اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ شیطان کے کیا کچھ کم لوگ مطیع و فرمانبردار ہیں اکثر حصہ مخلوق کا اس کا مطیع

ہے تو یہ کوئی معیار مقبولیت اور مردودیت کا نہیں حدیث شریف میں آیا ہے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بعض نبی ایسے ہوئے ہیں کہ ان کے ساتھ صرف ایک امتی ہوا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شیطان کے ساتھ لاکھوں کروڑوں لوگ ہوں گے تو یہ کوئی مقبولیت اور مردودیت کی دلیل نہیں۔ دوسرا جواب اس سے لطیف ہے وہ یہ کہ وہ اس چیز کی دعوت دے رہا اور اس طرف بلا رہا ہے کہ جس کے تم پہلے سے متلاشی ہو سو چونکہ وہ تمہاری مرغوبہ اور محبوبہ دنیا کی طرف مدعو کر رہا ہے اس لئے تم اس طرف بدحواس ہو کر اس کی طرف چلے جا رہے ہو اور انبیاء کی دعوت خلاف نفس کی طرف ہے اس لئے ان کے متبعین قلیل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا اصلی منصب اس فانی ناپائیدار دنیا سے نفرت دلانا ہے اور شیطان و نفس کا کام اس کی طرف بلانا اور اس میں پھنسانا ہے یعنی خدا سے بندہ کو الگ کر دینا اور ان کے تعلق کو خراب کر دینا یہ شیطان و نفس کا اصل فرض منصبی ہے۔ اب ان جوابوں کے بعد میں کہتا ہوں کہ مسلمان کا کمال تو یہ ہے کہ وہ احکام اسلام کی پابندی کرتے ہوئے کامیابی کی کوشش کرے اگر یہ بات نہیں اور اسلام اور احکام کو پامال کر کے ترقی و کامیابی حاصل کی تو وہ مسلمانوں کی ترقی تھوڑا ہی ہو گی ایسی ترقی تو فرعون نے شداد نے نمرود نے ہامان نے قارون نے بھی کی ہے یہ سب ترقی یافتہ تھے ان کی ترقی کو مذموم کیوں کہتے ہو اس ہی لئے تو انہوں نے حدود سے گذر کر ترقی کی تو اس صورت میں تمہاری ترقی اور ان کی ترقی میں فرق کیا ہوا۔ اور اگر ایمان اور اسلام ہی کو خیرباد کہہ کر ترقی کرنا چاہتے ہو تو ہندوؤں کے ساتھ مل کر تو بہت کچھ قربان کرنے کے بعد مال وجاہ کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہو اور وہ بھی محتمل ہے تو اس سے عیسائیت ہی کو کیوں نہیں قبول کر لیتے اس میں کہ نبی بنائی حکومت بال جاہ عزت آبرو سب کچھ ایک سکنڈ اور ایک منٹ میں مل جائیگی ایک تو یہ فرق ہے عیسائیت اور ہندویت میں دوسرا فرق یہ ہے کہ ہندوؤں کی قوم عالی حوصلہ نہیں ان کے وعدہ وعید کا بھی کچھ اعتبار نہیں عذر کے زمانہ میں جو کچھ ہوا تھا۔ ہندو مسلمانوں کے اتفاق سے ہوا تھا مگر جب وقت آگر پڑا تو ہندو حکومت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور مخبریاں کر کے ہزاروں نواب اور رئیس مسلمانوں کو نذر دار کرا دیا اور مسلمانوں کو تباہ اور برباد کرا دیا۔ ان کا یہ بھی اعتبار نہیں کہ تم ایمان اسلام مال جان عزت آبرو ان کے ساتھ مل کر قربان کرو اور یہ وعدہ وفا کر ہیں۔ انگریزوں سے اگر دشمنی کی بناء یہ ہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں تو ہندو ان سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں واقعات کو دیکھ لیجئے کہ مسلمانوں کی بدولت سالہا سال کی مردہ کانگریس زندہ ہو گئی مسلمانوں نے جانی قربانیاں کیں ان کو پیچھے رکھا خود پیش پیش رہے۔ انگریزوں کو اپنا دشمن بنایا ان کی وجہ سے مسلمانوں کے ہزاروں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو گئیں مگر نتیجہ

میں شدھی کا مسئلہ سامنے آیا اور پھر ہر چہار جانب جہاں مسلمانوں کی بستیوں میں دو چار گھر آباد تھے اور ہندوؤں
کی کثرت تھی بہانے نکال نکال کر مسلمانوں کو قتل و غارت کیا اور یہ اس حالت میں ہے کہ ان کی آبادی
اور مسلمانوں کی آبادی محکوم ہونے میں مساوی ہیں ان میں کوئی قوت بصورت حکومت نہیں اگر انگریزوں کے
طرح ان کو قوت حاصل ہوتی تو ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک بچہ زندہ نہ چھوڑتے یہ واقعات اور مشاہدات
ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اس پر بھی اگر کوئی ہٹ دھرمی کرے اور نہ سمجھے تو یہی کہا جائے گا
جو اس پر بھی وہ نہ سمجھے تو اس بت کو خدا سمجھے ان واقعات کے بعد انگریزوں سے دشمنی اور ہندوؤں
سے دوستی اس کا صاف مصداق ہے فلامن المطر وقر تحت المیزاب یعنی بارش سے تو بھاگا اور پرنالہ کے نیچے
جاکر کھڑا ہو گیا۔ بتلائیے یہ کونسی عقل کی بات ہے مجھ کو ان لیڈروں سے کوئی شکایت نہیں اس لئے
کہ وہ عالم نہیں بڑی شکایت اہل علم سے ہے کہ انہوں نے دین کو ذریعہ بنایا دنیا حاصل کرنے کا اور
ان لیڈروں کا تو کیا ذکر ہے یہ تو ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ ملک میں آئے دن ایک نیا مسئلہ در
پیش ہوتا رہے تاکہ ان کی آؤ بھگت ہوتی رہے یہ مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدا، ہیں اپنے کو قوم کا ذمہ دار
سمجھتے ہیں مسلمانوں کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے یہ ان کی کشتی کے ناخدا بنے ہوئے ہیں مگر حالت یہ ہے
کہ جس قدر یہ ترقی ترقی گاتے پھرتے ہیں اسی قدر مسلمانوں کا تنزل آئے دن بڑھتا جاتا ہے پچاس برس
سے زائد تو گیت سنتے ہوئے ہم کو ہو گئے پھر اس ترقی کے کچھ اصول ہیں نہ حدود ہیں میں نے تو لکھنؤ میں
اپنے وعظ کے اندر اس کو بیان کیا تھا اس میں نئے تعلیم یافتہ لوگوں کا بہت مجمع تھا۔ اس میں بیرسٹر
اور وکلاء بھی تھے میں نے کہا تھا کہ آخر ترقی ترقی گاتے پھرتے ہو اس کے کچھ حدود و اصول بھی ہیں یا
نہیں یا ہر ترقی آپ کے نزدیک محمود ہے اگر یہ بات ہے تو ایک شخص کے جسم پر مرض کی وجہ سے ورم آجاتا
ہے جس سے اس کا فربہی بڑھ جاتی ہے تو یہ بھی ایک ترقی ہے تو اس کے ازالہ کی فرمائش ڈاکٹروں اور
طبیبوں سے کیوں کرتے ہو اس سے معلوم ہوا کہ ہر ترقی محمود نہیں بلکہ بعض ترقی مذموم بھی ہوتی ہے تو قانون شریعی
میں وہی مذموم ہوگی جو احکام سے تجاوز کر کے حاصل کیجائے اگر حدود کی قید نہیں تو پھر گورنمنٹ پر کیوں اعتراض
نہیں کرتے جیسے مولویوں پر کرتے ہو کہ یہ مانع ترقی ہیں گورنمنٹ بھی مانع ترقی ہے میں بتلاتا ہوں ڈکیتی کو
جرم قرار دیا چوری کو جرم قرار دیا حالانکہ ان اسباب سے ایک شب میں لاکھوں روپیہ حاصل کر سکتے ہیں
تو کیا یہ قانون تعزیرات ہند مانع ترقی نہیں۔ اس کا جواب جو ہم کو دوگے وہی ہماری طرف سے سمجھ لیا جاوے۔

ملفوظ ۱۳ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو آج کل حکومت کے مقابلہ کے واسطے لوگوں نے
تدابیر اختیار کر رکھی ہیں ان کے متعلق شرعی حکم کیا ہے فرمایا کہ یہ سوال ابھی نہیں ہے ان تدابیر کا

کچھ نام بھی ہے یا نہیں واقعہ کی صورت بیان کر کے حکم معلوم کرنا چاہیے تھا اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ مجھ کو
علم غیب ہے کہ جو صورت تمہارے ذہن میں ہے اس کا مجھ کو بھی علم ہے یا یہ کہ مجھ تمام صورتوں کا علم ہے
پھر اس کے بھی دو معنے ہوئے ایک تو یہ کہ مجھ کو تمام صورتوں کا حکم بیان کرنا چاہیے کیونکہ اگر ایک بھی بیان
سے رہ گئی تو نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے آخر میں کہدیا کہ ان میں اس صورت کا حکم نہیں معلوم ہوا جس کو میں
معلوم کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے یہ معنی ہوئے کہ گویا میرا مشغلہ یہی ہے کہ تمام شقوق کی تحقیق کیا کروں اور
پھر ان کا حکم ظاہر کیا کروں آپ تو ایک ٹکا بھر زبان ہلا کر نواب بنکر بیٹھ گئے اب میں تعمیل حکم کی انجام دہی میں
مصروف کار ہوں کیا بدتمیزی کی اور بدتہذیبی کی بات ہے تم کو سوال پورا کرنا چاہیے تھا اس وقت تم نے یہ
مہمل سوال کر کے قلب کو پریشان کیا اگر آدمی کو بولنے کی تمیز نہ ہو تو خاموش ہی بیٹھا رہے کونسا یہ سوال فرض
و واجب تھا اور کہاں کے آپ اتنے بڑے مرجع العالم مفتی ہیں کہ لوگ آپکے پاس استفتاء بھیج کر ان صورتوں
کے حکم معلوم کیا کرتے ہیں۔ اس وقت دو حرکتیں آپسے صادر ہوئیں ایک تو یہ کہ سوال مہمل کیا دوسرے یہ کہ
میں کس وقت سے اسوقت تک بول رہا ہوں مگر آپ کی زبان ہی سل گئی نہ ہوں نہ ہاں کچھ نہیں دوسروں
کو تکلیف اور اذیت پہونچا کر اب چپ شاہ بنے بیٹھے ہو اگر پہلے ہی سے چپ رہتے تو کیا قاضی گلا کرتا
مگر یہ ضرور ہے کہ اس وقت جو آپ کے تبحر علمی کا اور قابلیت کا انکشاف لوگوں پر ہوا ہے وہ نہ ہوتا۔
یہ کبر کا مرض بھی نہایت ہی خبیث مرض ہے اور یہ مرض ناشی ہوتا ہے حماقت اور جہل سے ہمیشہ سوال میں اس
کا خیال رکھیئے کہ پہلے اس صورت مسئول عنہا کو ظاہر کرنا چاہیے پھر اس کا حکم معلوم کرنا چاہیے ان ہی اصول
باتوں کی پابندی کیوجہ سے تو میں بدخلق اور سخت مشہور ہو رہا ہوں مگر یہ میری طبعی باتیں ہیں کہ میں نہ خود گول
ہوں اور ادھوری باتیں کرتا ہوں نہ دوسروں سے پسند کرتا ہوں یہی میری لوگوں سے لڑائی ہے آپ خود
ہی انصاف کریں کہ اس تحریک حاضر میں بہت سی صورتیں ہیں بعض پر جواز کا حکم ہے بعض پر عدم جواز کا
اب مجھ کو کیا معلوم کہ آپ کونسی تدبیر اور کونسی صورت کا حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں آخر آدمی کچھ تمیز سے کام
لے۔ عرض کیا کہ فی الحقیقت مجھ سے غلطی ہوئی آئندہ اس کا خیال رکھونگا اور حضرت والا سے معافی کا خواستگار
ہوں۔ فرمایا معاف ہے مگر کیا معاف کر دینے اور معافی چاہ لینے میں یہ بھی اثر ہے کہ وہ تکلیف رفع ہو جائیگی
جو اس وقت تم نے ایک مہمل سوال کر کے پہونچائی اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے
کے سوئی چبھوئے وہ اس پر چلائے اور یہ اس سے معافی چاہ لے تو کیا معاف کر دیئے پر اس سوئی
کی سوزش کا بھی اثر جاتا رہے گا خیر اس کو چھوڑیئے۔ اب یہ سوال کرتا ہوں کہ اس غلطی کا سبب بے فکری
ہے یا بدفہمی۔ عرض کیا کہ بے فکری سبب ہے میں نے بغیر سوچے سمجھے سوال کر دیا اب آئندہ انشاء اللہ

تعالیٰ نے ایسا نہ ہوگا فرمایا کہ خیر اس کا تو انسداد اور علاج ہو سکتا ہے اس لئے کہ فکر تو اختیاری ہے اگر اس کا سبب بدفہمی ہوتا تو چونکہ وہ غیر اختیاری ہے اس کا علاج قریب بہ محال تھا اس لئے میں بدفہموں کو نکال باہر کرتا ہوں اس لئے کہ ایسے شخص سے کبھی مناسبت نہیں ہو سکتی آئندہ ایسے مہمل سوال سے احتیاط رکھے گا۔ اور یہ میں اپنے ہی واسطے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ہر شخص سے ہر بات پوری کہنی چاہیئے یہ ہمیشہ یاد رکھنے کی بات ہے خیر آپ کے اس اقرار سے ایک گونہ ہیجان میں سکون ضرور ہو گیا اور میں نہ بھی کہتا کیونکہ میرا مقصد اختیار سے ہے اضطرار سے نہیں اس لئے میں اس پر قادر تھا کہ ضبط کر لوں گو ضبط پر تکلیف ضرور ہو گی مگر ضبط کرنے سے تم کو اپنی غلطیوں اور حماقتوں کا کیسے علم ہوتا اور اصلاح کی کیا صورت ہوتی۔ اور صاحب اصلاح تو اصلاح ہی کے طریق سے ہو سکتی ہے ہاتھ جوڑ کر تو کہا جاتا نہیں اگر اصلاح کو سختی سمجھا جاوے تو پھر میں یہ کہوں گا کہ اس طریق میں قدم رکھنے سے پہلے ہر چیز اور ہر سختی کیلئے تیار رہنا چاہیئے اس طریق میں تو مجنون جیسی حالت بنا کر آنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ مجنون بیچارہ تو ایک عورت ہی پر عاشق تھا اور یہ خدا کا عاشق بنتا ہے اس لئے اس سے کہیں زیادہ شدائد کیلئے تیاری کر کے اسطرف آنا چاہیئے کیا خدا کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

غرض اس راہ میں قدم رکھنے کی شرط یہ ہے کہ جس کو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان　　شرط اول قدم آنست کہ مجنون باشی

اور اس راہ میں قدم رکھکر سختی کی برداشت نہ کر سکا تو بس پھر محرومی ہی ہو گی اور یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ کہا کہ تھا کس نے کہ تو اس طرف آ۔ محبت کا دعویٰ ہی کیوں کیا تھا یہ کیسا عشق ہے اس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق　　تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

اور شدائد کی ناگواری پر فرماتے ہیں ؎

گر بہر زخمے تو پر کینہ شوی　　پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

ان کے عاشق کی یہ حالت ہونی چاہیئے کہ ؎

؎ مولا کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے (عشق الٰہی کے بدلے کے آگے مثل) گیند بے (قضا تسلیم و رضا) ہو جانا زیادہ بہتر ہے ۱۲ ؎ لیلیٰ کی طلب میں جان کو اور تو بہت سے خطرات ہیں ہی مگر عشق لیلیٰ کیلئے اول قدم مجنون ہونا ہے ؎ تو ایک زخم لگنے سے عشق ہی سے بھاگتا ہے تو معلوم ہوا کہ تو تو عشق کا صرف نام ہی جانتا ہے ۱۲ ؎ اگر ہر زخم سے تو پر کینہ ہو گا تو آئندہ کس طرح صاف شفاف ہو سکتے ہو ۱۲

عاشق بدنام کو پروائے ننگ ونام کیا ؛ اور جو خود ناکام ہو اس کو کسی سے کام کیا

اور خود عشق ہی ایسی چیز ہے کہ وہ سوائے محبوب کے اور کسی کو چھوڑتا ہی نہیں سب کو فنا کر دیتا ہے جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق آن شعلہ است کوچوں بر فروخت ؛ ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

گلزار ابراہیم میں اسی کا ترجمہ کیا ہے ؎

عشق کی آتش ہے ایسی بد بلا ؛ دے سوا معشوق کے سب کو جلا

ملفوظ ۱۵۲: ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو آج کل جو لوگوں نے حکومت کے مقابلہ کے لئے تدابیر اختیار کر رکھی ہیں میں اس کے متعلق کچھ سوال کروں۔ فرمایا اجازت ہے خدانخواستہ مجھ کو حکم ظاہر کرنے سے اعراض تھوڑا ہی ہے ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ سلیقہ اور تمیز سے سوال کیا جاوے اگر تہذیب کی رعایت ہو میں اپنے کو اہل علم کا خادم سمجھتا ہوں خصوص جبکہ یہ علمی افادہ اور استفادہ ہے تو اس سے کیا انکار ہو سکتا ہے عرض کیا کہ جتھے مقابلہ کیلئے جاتے ہیں اور گرفتار ہوتے ہیں خاموش مقابلہ کرتے ہیں۔

اگر حکومت کی طرف سے تشدد ہو تب بھی جواب نہیں جاتا ان صورتوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے فرمایا کہ عقلی دو ہی احتمال ہیں یا تو مقابلہ کی قوت ہے۔ قوت نہیں اگر قوت ہے تو گرفتار ہونے کے کیا معنی مقابلہ کرنا چاہیئے اور جب مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ صورت عدم قوت کی ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو عدم قوت کی حالت میں قصداً ایسی صورت اختیار کرینگی کہ خود ضرب و حبس میں مبتلا ہو شریعت اجازت نہیں دیتی بلکہ بجائے ایسے مخترع مقابلہ کے مکارہ (ناگوار امور) پر صبر سے کام لینا چاہیئے خلاصہ یہ کہ اگر قوت ہے مقابلہ کرو اگر قوت نہیں صبر کرو ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت منقول نہیں عرض کیا کہ تو گویا ان تدابیر کو مسکوت عنہ کہا جائیگا فرمایا کہ مسکوت عنہ وہ ہوگا جس چیز کی ضرورت خیر القرون میں واقع نہ ہوئی ہو بلکہ خیر القرون کے بعد اس کی حاجت پیش آئی ہو وہ مسکوت عنہ ہوگی اس میں بعد کے علماء کو اجتہاد کی گنجائش ہوگی باقی جس چیز کی خیر القرون میں ضرورت پیش آئی ہو اور باوجود ضرورت پیش آنے کے یہ تدابیر اختیار نہ کی گئیں اس کو مسکوت عنہ نہ کہیں گے منہی عنہ کہیں گے اس میں ہم لوگوں کو اجتہاد کی گنجائش نہیں اب اس قاعدہ کے بعد سمجھو کہ خیر القرون میں زیادہ وقعت اسی قسم کا گذرا اور بہت زیادہ ضرورتیں مخالفین کے مقابلہ کی پیش آئیں مگر باوجود ضرورت کے اور ضرورت بھی سخت ضرورت پھر بھی ان تدابیر کو اختیار نہیں کیا گیا تو یہ تدابیر منہی عنہ ہوں گی

یہ سکوت عنہ جس کا حاصل یہ ہے کہ دوائی کے پیش آنے پر وہ حضرات یہ تدابیر اختیار کر سکتے تھے مگر پھر بھی اختیار نہیں کیں تو ان تدابیر کو شریعت کے خلاف کہا جائیگا پہلی مشروع تدبیر کی شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک امام ہو سردار ہو امیر ہو بدون اس کے تنظیم اور حفاظت حدود کی کوئی صورت نہیں چنانچہ اس وقت سب میں بڑی وجہ ناکامی کی یہی ہوئی کہ مسلمانوں کے سر پر کوئی بڑا نہیں نہ مسلمانوں کی قوت کسی مرکز پر جمع ہے اور نہ ہو سکتی ہے جب تک کہ بالاتفاق ایک کو بڑا نہ بنالیں اگر امام ہو تو سب کام ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ اس کے حکم سے میدان میں جاویں اگر جان بھی جاتی رہے تو کوئی حرج نہیں اور یہ کیا کہ بیٹھے بیٹھے جا کر قتل ہو جاویں یہ کوئی انسانیت ہے اصل بات وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ خیر القرون میں دو ہی صورتیں تھیں کہ قوت کے وقت مقابلہ اور عدم قوت کے وقت صبر اس کے سوا سب من گھڑت تدابیر ہیں اس لئے ان میں خیر و برکت نہیں ہو سکتی اور جب خیر و برکت نہ ہوا در مسلمان ظاہراً کامیاب بھی ہو جائیں تو اس کامیابی پر کیا خوشی جو اللہ اور رسول کی مرضی کے خلاف تدابیر اختیار کر کے کامیابی کہلاوے اور حسی کامیابی کا ہو جانا تو کوئی کمال کی بات نہیں اس لئے کہ ایسی کامیابی کافروں کو بھی ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کی اصل کامیابی تو وہ ہے کہ چاہے غلامی ہو مگر خدا راضی ہو اور اگر حکومت ہوئی اور انکی مرضی کے خلاف ہوئی وہ راضی نہ ہوئے تو فرعون کی حکومت اور تمہاری حکومت میں کیا فرق ہوا۔ بس ان کی راضی کرنے کی فکر کرو ان سے صحیح معنوں میں تعلق کو جوڑو اسلام اور احکام اسلام کی پابندی کرو ان بتوں کا اتباع تو بہت دن کر کے دیکھ لیا اب خدا کے سامنے سر رکھ کر اور اس سے اپنی حاجت اور ضروریات کو مانگ کر بھی دیکھو کہ کیا ہوتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

سالہا[عہ] تو سنگ بودی دل خراش　　٭　　آزموں را یک زمانے خاک باش

ذرا کر کے تو دیکھو خواہ آزمائش ہی کے طریق پر سہی آخر اور تدبیریں بھی کر رہے ہو اسی کے کرنے میں کیوں سر گھٹتا ہے منجملہ اور تدابیر کے اس کو بھی ایک تدبیر ہی سمجھو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے کرنے میں کامیابی کی یقینی امید ہے۔ ٭

ملفوظ ۱۵۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ پر تو عنایت فرماؤں کی ہمیشہ عنایتیں ہی رہتی ہیں ایک صاحب کا جن پر گورنمنٹ کے خلاف کسی تقریر پر مقدمہ قائم تھا کراچی میں جج کے اجلاس میں بیان ہوا جب سزا کا حکم ہوا ان بزرگ نے میرے ایک فتوی کا حوالہ دیکر کہا کہ اس نے بھی تو یہی فتوی

عہ برسوں تک تو سخت پتھر بنا رہا آزمائش ہی کیلئے چند روز خاک بن کر دیکھ لے ۱۲ ٭

دیا ہے اس پر مقدمہ کیوں نہیں کیا جاتا جج نے جواب دیا کہ اگی غرض فتوے سے احکام مذہبی کا ظاہر کرنا ہے اور تمہاری نیت ضرر پہنچانا ہے سلطنت کا اس لئے وہ جرم نہیں یہ جرم ہے پھر فرمایا ہم سے تو اگر جارج پنجم بھی مسئلہ پوچھے تو انشاء اللہ مسئلہ ہی بتلائیں گے احکام مذہبی میں تحریف کیسے کر سکتے ہیں اگر وہ کسی کے خلاف ہو تو اس کا سائل ذمہ دار ہے ہم سے کیوں پوچھا۔ یہاں پر تو جو بھی حالت ہے صاف ہے پالیسی وغیرہ کچھ نہیں بعض حکام ضلع نے زمانہ تحریک خلافت میں لکھا کہ جو کتابیں آپ کے یہاں تحریک کے متعلق چھپی ہیں۔ وہ بھیجدو میں نے ایک کو بھی نہیں بھیجیں اور لکھدیا کہ ہم تاجر نہیں ایسی فرمایش تاجروں کو لکھو ایسے جوابوں کیوجہ سے ہم کو تو انگریز اپنا دوست سمجھتے نہیں مگر یہ بزرگوار کہتے ہیں کہ ان کے دوست ہیں عجیب بات ہے کہ وہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور یہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کا سمجھنا تو اس وجہ سے ہے کہ غیر مسلم اور مسلم میں دشمنی تو ہو ہی گی اور یہ اس وجہ سے دشمن سمجھتے ہیں کہ ہمارے طرز سے ان کے اغراض دنیوی کو ٹھیس لگتی ہے مگر ان کی ہاں میں ہاں تو وہ ملائے جو دین میں تحریف کو روا رکھے غرضیکہ اہل دنیا چاہے کافر ہوں یا مسلمان سب اپنا دشمن سمجھتے ہیں مگر سمجھا کریں ہمارا کیا کر سکتے ہیں حق تعالٰے کا فضل شامل حال چاہیے ان کی کون بیٹھا ہوا چاپلوسی کیا کرے۔

ملفوظ ۱۶۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل طریق زیادہ تر ان جاہل پیروں کی بدولت بدنام ہوا ان کو تو سوائے روپیہ پیسہ اینٹھنے اور مجلس گرم رکھنے کے دوسرا کوئی کام نہیں۔ انہوں نے گمراہ کر دیا اللہ کی مخلوق کو مگر اب بحمد اللہ بہت کچھ اصلاح ہو چکی ہے اور طریق صحیح واضح ہو چکا ہے اب لوگ مشکل ہی سے ان کے پھندے میں پھنستے ہیں یہی وجہ ہے مجھ پر ان کے جھلانے کی مگر جھلایا کریں اور بدنام کیا کریں اس سے ہوتا کیا ہے البتہ ان میں جو اہل حق اور اہل علم مشائخ ہیں ان سے یہ شکایت ضرور ہے کہ ان کے اخلاق متعارفہ کی بدولت لوگ خراب ہوتے۔ ان کا یہ طرز اصلاح کے باب میں مجھ کو تو کسی طرح پسند نہیں ان کو میرا طرز پسند نہ ہو تو میں صاف کہتا ہوں کہ اس حالت میں میرے پاس نہ آیا کریں میں کسی کی خوشی یا ناراضی کیوجہ سے اپنا طرز نہیں بدل سکتا اگر میں اپنا طرز بدلنا چاہوں تو بدل سکتا ہوں اور بیہودگیوں اور بدتمیزیوں کو برداشت کر سکتا ہوں بلکہ مجھ کو اس میں ایک معنی کر جسمانی راحت بھی ہے کہ قیل وقال سے بچا رہوں گو خلاف اصول ہونے سے کچھ روحانی تکلیف ضرور ہو لیکن اس تبدیلی پر ان کی تو اصلاح نہیں ہو سکتی ان کو تو جہل سے نجات نہیں مل سکتی دوسرے میں ایسے سکوت کو خیانت سمجھتا ہوں کیونکہ اس میں آنے والے کی مصلحت تو کچھ بھی نہ رہی محض اپنی ہی مصلحت رہی کہ یہ برا مانیگا نہیں معتقد ہو جائیگا کچھ نذرانہ وغیرہ نہیں دیگا بدنام کرتا پھریگا اور اب اگر وہ اس تعلیم

اور روک ٹوک کیوجہ سے جو کہ اس کی ہی مصلحت سے کیا جاتا ہے اعتراض کرے اور غیر معتقد ہو یا بدنام کرے ہماری جوتی سے اگر اس کو یہ طرز پسند نہیں تو آیا کیوں بلائے کون گیا تھا یہاں پر آنے والوں کو تو اس کا مصداق بن کر آنا چاہیے اور تعلق رکھنے والوں کو ایسا ہو کر رہنا چاہیے جس کو حافظ فرماتے ہیں ؎

یا مکن با پیلبانان دوستی ⁂ یا بنا کن خانہ برانداز پیل
یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی ⁂ یا فروشو جامہ تقوی بہ نیل

مدتوں سے یہ طریق مردہ ہو چکا تھا لوگ ہزارہا قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہو چکے تھے اس کو شریعت مقدسہ سے ایک جدا گانہ چیز سمجھ بیٹھے تھے اب الحمد للہ بالکل صاف بے غبار ہو چکا صدیوں کے لئے اصلاح ہو چکی اور پھر جب گڑبڑ ہو جائیگی پھر کوئی اللہ کا بندہ پیدا ہو جائے گا جو تجدید کر دیگا۔

ملفوظ ۲۳۰ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں بہت رعائتیں کیجاتی ہیں شیخ اکبر کا ایک رسالہ ہے آداب الشیخ والمرید مولوی محمد شفیع صاحب نے دیوبند سے اس کا ترجمہ شائع کیا ہے اس کو دیکھ کر پتہ چلا کہ حضرت کا مسلک اور طرز نہایت نرم اور ڈھیلا ہے مزاحاً جواب فرمایا کہ تم ڈھیلا (بیای معروف) بتلاتے ہو اور لوگ ڈھیلا (بیای مجہول) بتاتے ہیں کہ سخت ہے اس رسالہ کو ایک مولوی صاحب نے دیکھ کر مجھ سے کہا تھا کہ اس کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مشائخ طالبوں سے بڑی سختی سے کام لیتے تھے اور آپ کے یہاں تو بڑے سے بڑے کام بھی سہولت سے ہو جاتے ہیں چنانچہ اس رسالہ میں شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ شیخ کو چاہیے کہ آپس میں مریدوں کو نہ ملنے دے واقعی بڑی کام کی بات فرمائی حقیقت میں شیخ اکبر شیخ اکبر ہی ہیں اس لئے کہ آپس میں ملکر بیٹھ کر سوائے اس کے کہ وقت کو ضائع کریں اور ایران کی توران کی ہانکیں نتیجہ کچھ نہیں کہیں شاعری ہو رہی ہے لطیفے ہو رہے ہیں راز اور اسرار بیان کئے جا رہے ہیں اور اس قسم کی باتیں اس طریق میں بالکل سد راہ ہیں اور خصوص مبتدی کے لئے تو سم قاتل ہیں اس لئے کہ اس میں ضرورت ہے یکسوئی کی مزاحاً فرمایا کہ چاہیے پاس ایک سوئی نہ ہو مگر یکسوئی ہو۔ نیز اس طریق میں اوقات کا انضباط اور پابندی ضروری چیز ہے اس سے ایک خاص برکت ہوتی ہے اور کام ہوتا رہتا ہے اور ان مجالس کی بدولت نہ ذکر رہتا ہے نہ شغل نہ فکر نہ غور نہ مراقبہ نہ مکاشفہ نہ تلاوت قرآن نہ نفلیں نہ توجہ الی اللہ کچھ نہیں رہتا صرف مجالس ہی مجالس رہ جاتی ہیں اور اس وقت کثرت سے یہی ہو رہا ہے۔ حالانکہ طالب کی شان یہ ہونا چاہیے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ٭ کسے را باکسے کارے نباشد

ملفوظ ۱۶۸: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان تحریکات حاضرہ میں مصالح سے زائد مفاسد ہیں اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مفسدہ اور پچاس مصلحت ہوں تو وہاں مفسدہ غالب سمجھا جائیگا نہ کہ جہاں مفاسد غالب ہوں وہاں جواز کا حکم کیسے ہوسکتا ہے طیب اور خبیث کا مجموعہ خبیث ہی ہوگا۔

ملفوظ ۱۶۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہم کو **موالاتی** بتایا جاتا ہے حالانکہ ہم انگریزوں سے آج تک بھی نہیں ملے اور یہ **غیر موالاتی** کہلاتے ہیں کہ شب و روز ان سے خلا ملا رکھتے ہیں تعلیم بھی حاصل کی تو انگریزی۔ صورت اور شکل لباس طرز معاشرت، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، بولنا چالنا سب انگریزی یہ عجیب ترک موالات ہے۔ زمانہ تحریک میں ایک بہت بڑا الزام ہمارے سر پر رکھا گیا تھا کہ تمہاری تحریرات سے انگریزوں نے نفع اٹھایا۔ ان کو رسالوں کی صورت میں ہزاروں چھپوا کر سرحد پر بذریعہ ہوائی جہاز تقسیم کیا گیا۔ اس کا ہم سے کیا تعلق دوسروں کا فعل اور ہم پر الزام اس بدفہمی کا کسی کے پاس کیا علاج ہوسکتا ہے ہم نے تو اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کی اور شرعی مفسدہ اور مضرت سے بچایا کوئی اس کو اپنی غرض فاسدہ میں استعمال کرے ہم اس کے ذمہ دار کیسے ہوسکتے ہیں قرآن مجید ہی کو دیکھئے ہدایت کے لئے نازل ہوا مگر اہل باطل نے اس سے باطل کی تائید میں کام لیا تو اس کا ذمہ دار کون ہے ایک ثقہ شخص نے بیان کیا کہ جس وقت ندوہ کی بنیاد ڈالی گئی تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی شرکت کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ ندوہ کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حکومت کا مقابلہ کریں فرمایا کہ اگر ندوہ کا یہ بھی مقصد ہے تو نہیں کبھی اپنی جماعت کو شرکت کی اجازت نہ دونگا اور ان کو پامال نہ کراؤنگا یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے جہاد بالسیف بھی کیا تھا ان کی یہ رائے تھی بخلاف اس کے ان ناعاقبت اندیش لیڈروں نے مالابار میں جاکر موپلوں کی قوم کو اشتعال دلا کر حکومت سے لڑوایا ان کا جو کچھ انجام ہوا ظاہر ہے۔

پھر جب ان پر وقت پڑا ان بیچاروں کی نہ کسی لیڈر نے خبر لی اور نہ ان کے ہم خیال مولوی ہی ان کی امداد کو پہونچے ایسی ہی صورت یہ لوگ ہندوستان کی بنانا چاہتے تھے کہ عام مسلمانوں کو پھنسا دیتے اور خود انگریزوں کے ساتھ مل جاتے اب یہ عوام ہی گرفتار ہوتے، جیل خانوں میں جاتے پھانسیاں

ے بہشت وہی ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہو اور کسی کو کسی سے کوئی حاجت نہ ہو ۱۲ ب

پاتے ان کے بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوتیں مگر نہ کوئی ان کا خبر گیراں ہوتا اور نہ پرسان حال اسلئے کہ ان میں نہ کوئی تنظیم ہے نہ کوئی ضابطہ اور قاعدہ دین و دنیا دونوں کو برباد کیا مگر اللہ رسول کے احکام کے خلاف کیا احکام اسلام کو پامال کیا مسائل شرعیہ کی بے حرمتی کی اہل حق پر بہتان لگائے کیا ملا سوائے خسران اور حرمان کے پھر اس پر دعویٰ کہ ہم عقلاء ہیں ۔ میں تو کہتا ہوں کہ عاقل نہیں آکل ہیں ۔ عقل کی ایک بات بھی نہیں ہر وقت اکل کی فکر ہے اگر نصرانیوں سے اللہ و رسول کے واسطے ان کی جنگ ہوتی تو ان سے زیادہ دشمن اسلام یعنی ہندوؤں کو بغل میں نہ لیتے سب سے الگ رہ کر کام کرتے تدابیر مشروعہ پر عمل کرتے حدود کا تحفظ کرتے پھر دیکھتے کہ نصرت حق ساتھ دیتی اور اگر اس حالت میں بفرض محال سب کے سب بھی مٹ جاتے فنا ہو جاتے تب بھی ناکامی نہ تھی اس لئے کہ آخرت کا سنور جانا مسلمانوں کی اصل کامیابی ہے مگر وہاں تو مقاصد ہی اور ہیں ۔ دعوے اور نیتیں ہی کچھ اور ہیں پھر نقشے جمائے بیٹھے ہیں ۔ میں ان کی نبضیں بحمد اللہ بفضل ایزدی خوب پہچانتا ہوں سمجھے وہ مقاصد کیا ہیں وہ یہ ہیں کہ حکومت ہاتھ آئیگی کوئی بادشاہ بنے گا کوئی وائسرائے کوئی گورنر کوئی کمشنر کوئی کلکٹر خوب مال و جاہ کے مالک ہونگے اور دوسرے وہ یہ تھا کہ ان چیزوں کے یعنی ہمارے مقاصد کے اندر جو سد راہ ہیں یعنی احکام شرعیہ ان کا خاص انتظام کریں گے یعنی اپنی اغراض کے مطابق ان میں تاویل کریں گے اور نیتیں یہ ہیں کہ ان احکام کے بتلانے والے اور ان کے خلاف روک ٹوک کرنے والے فتویٰ دینے والے جو مولوی ملا ہیں ان کو ٹھیک کریں گے پھر جب یہ سب کام ہو جائیگا پھر آزادی سے بسر ہو گی جو اس مثل کا مصداق ہو گی بڈھا مرے یا جوان اپنا ہتھیا سے کام مردہ بہشت میں جائے یا دوزخ میں اپنے حلوے مانڈوں سے کام یہ تو پرانا مقولہ ہے بجائے اس کے یوں کہنا چاہیئے کہ اپنے کیک بسکٹ انڈوں سے کام ایک حکمران تھے یہ سب کرکے مزا دیکھ لیا ۔ حکومت دے بیٹھا ۔ یہ اللہ و رسول کے احکام کی پائمالی شریعت مقدسہ کی بے حرمتی بلا وجہ اہل حق اور اہل علم کا قتل خالی کیسے جاتا ۔ اب گداگری کرتا پھرتا ہے اور اس کے تخت پر کوئی اور ہی حکمران بنا بیٹھا ہے ۔ تم تو نئی حکومت حاصل کرنا چاہتے ہو ۔ وہاں آبائی اجدادی حکومت تھی اس کو ان خیالات کی بدولت دے بیٹھا تو نئی حکومت تو تم کیسے حاصل کر لو گے یہ مسلمان سلاطین اہل اقتدار کی حالت ہے ایسی حالت میں کوئی کسی کے بھروسہ کیا کام کرے ۔ عاجز عوام تو بیچارے کیا کر سکتے ہیں جب خواص پر اعتماد نہیں ۔ جب سلاطین کی یہ حالت ہو کہ وہ اپنے حدود میں احکام اسلام کا تحفظ تو کیا کرتے برعکس پامالی کرتے ہیں ۔ اسی طرح علماء کی یہ حالت کہ مسائل میں تحریف سے کام لیتے ہیں اور رؤسار

اور نوابوں کو ان چیزوں میں دلچسپی ہے ہی نہیں ۔ انہوں نے تو دین سے اس قدر روگردانی کی ہے کہ اپنے بچوں تک کو علم دین کی طرف آنے نہیں دیتے ۔ رہے عوام تو وہ ان کے تابع ہیں اب کام کرنے والا کون رہ گیا بس مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر کسی ایسے کام میں قدم رکھنے کو جی نہیں چاہتا جس کا تعلق ان جماعتوں سے ہو کیونکہ یہ سب کے سب بیکار ہیں اور قدرت ہی تو سب کچھ ہے مگر بظاہر ابھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی گردش ختم ہونے کا ابھی زمانہ نہیں آیا ۔

ملفوظ ۱۸۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان تحریکات میں شرکت کرنے والوں پر جو مجھ کو غصہ آتا ہے اس کا اصلی سبب ان کی محبت ہے اس طرح سے کہ اپنے ہو کر پھر حدود سے تجاوز ایسا کیوں کرتے ہیں مجھ کو مقاصد شرعیہ اور سلطنت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کی امداد اور تحفظ سے خدا نہ کرے کیسے اختلاف ہو سکتا ہے ۔ اختلاف صرف طریق کار سے ہے کہ وہ ایسا اختیار کیا گیا کہ جس میں احکام شرعیہ کی پامالی کی گئی ہے فلاں مولوی صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں بڑی مشکل میں ہوں ۔ میں کیا کروں میں اپنے دو بڑوں کے بیچ میں ہوں ایک میں مراد تھا اور حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ مراد تھے میں نے کہا کہ مولانا ہمارے سب کے بڑے ہیں مولانا ہی کے فرمانے پر عمل کرنا چاہیئے اور اگر میں سمجھا ہوتا تو میں خود بھی حضرت مولانا کے ساتھ ہو لیتا مگر چونکہ میری وجہ سے اور مخلوق خدا کے جانیکا اندیشہ ہے اور میں اسوقت تک اس کے انجام کو سمجھا نہیں نہ مجھ کو شرح صدر ہوا کہ یہ تحریک مسلمانوں کے لئے مفید ہے اس لئے میں معذور ہوں ورنہ میں بھی مولانا ہی کا اتباع کر لیتا اب مجھ کو یہ خوف ہے کہ اگر بدون سوچے سمجھے اور شرح صدر ہوئے میں شرکت کروں اور قیامت کے روز حق تعالی سوال فرمائیں کہ جس مسئلہ کو سمجھا نہیں تھا اس میں شرکت کر کے ہماری مخلوق کو کیسے پھنسا دیا تو میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہو گا بعض لوگوں نے تحریک خلافت ہی کے زمانہ میں مجھ سے کہا کہ تم پر ایک اعتراض یہ بھی ہے ان کی وجہ سے لاکھوں کام کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ورنہ ہم کامیاب ہو جاتے میں نے کہا کہ وہ لوگ غلط سمجھے میری وجہ سے لاکھوں نہیں بیٹھے میں ہی لاکھوں کی وجہ سے بیٹھا ہوں میں مقاصد شرعیہ کے بحمد اللہ خلاف نہ تھا مجھ کو اختلاف طریق کار سے تھا ۔ جو احکام شرعیہ کے خلاف اختیار کیا گیا تھا اور مذاق عام بھی ہو رہا ہے جو کام کر رہے ہیں اسی طرح کر رہے ہیں جو بیٹھے ہیں وہ بھی اگر کرتے اسی طرح کرتے یہ وجہ ہے میرے تقاعد کی نہ یہ کہ مقصود ہی سے خدا نکرے مجھ کو اختلاف ہے اگر یہ بات ہوتی تو ان کو کیوں اجازت دیتا ۔ فلاں مولوی صاحب پوچھ لو کہ میں نے ان کو شرکت کی اور مولانا کی اتباع کی اجازت دی یا نہیں سو ان کو کیوں اجازت

دینا۔ باقی اس پر بھی اگر کسی کو بغض وحسد ہی ہو اور خواہ مخواہ بہتان لگائے تو اس کا میرے پاس کیا علاج ایسی دھمکیوں میں آکر میں انشاء اللہ تعالیٰ نے مقاصد شرعیہ اور اصول شرعیہ کو نہیں چھوڑ سکتا اگر تمام عالم بھی ایک طرف ہو جائے تو بفضل ایزدی احکام شرعیہ کے خلاف قدم نہیں اٹھ سکتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے احسان ہے کہ شریعت ایک درجہ میری فطرت اور طبیعت بن گئی ہے میں اس کے خلاف پر عادۃً قادر نہیں اگر دوسرے خاص جذبات سے مجبور ہیں تو میں اس جذبہ سے مجبور ہوں۔ اب اس پر اگر کوئی خوش رہے تو فبہا اور ناخوش رہے تب فبہا۔ مان لو کہ میں نکما ہوں بیکار ہوں نہ ملک کے کام آیا نہ قوم کے کام آیا تو مجھ کو چھوڑ دو اور میں تو اس موقع پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں جو اس حالت پر بالکل چسپاں ہے ؎

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کم خالی ✤ چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

ملفوظ ۱۸۲ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب سے (جو بہت روز تک میرے پاس رہے اور تحریکات کے بعد مجھ سے بالکل بے تعلق ہو گئے گو میری طرف سے ممانعت نہ تھی) بہت عرصہ کے بعد کیرانہ میں ملاقات ہوئی۔ میں نے پہچانا بھی نہیں۔ اول مسجد میں ملاقات ہوئی ظہر کی نماز کے بعد پھر وہ ساتھ ساتھ مکان تک آئے نہ پہچاننے کی وجہ سے میں نے نہ کوئی بات کی نہ زیادہ التفات کیا جب مکان پر پہونچکر میرے پاس بیٹھ گئے اور انہوں نے خود کچھ خیریت وغیرہ دریافت کی تب میں نے پہچانا کہ فلاں مولوی صاحب ہیں۔ پھر فلاں مدرسہ کے معاملات شروع ہو گئے اس میں انجمن والوں کے ساتھ انہوں نے بڑا حصہ لیا مدرسہ کے خلاف اور اس درمیان میں آتے جاتے بھی رہتے میں نے ان کو ایک خط لکھا کہ میں تم سے اس وقت تک نہ ملوں گا جب تک کہ تم بذریعہ اشتہار اپنی غلطی کا اعتراف شائع نہ کرو اور اس کا تدارک نہ کرو تب سے آنا جانا ضابطہ کا بند ہو گیا۔ مجھ کو خدانخواستہ کسی سے بغض نہیں عناد نہیں وہ اگر اب بھی اس شرط کو پورا کر دیں میں پھر خادم ہوں مگر خلاف اصول میں ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتا کوئی لونڈیوں کا کھیل تھوڑا ہی ہے۔ میرے یہاں تو بحمد اللہ بڑی وسعت ہے ذرا تنگی نہیں کوئی یہاں رہ کر دیکھے تو معلوم ہو باقی دور بیٹھے بیٹھے بدون تحقیق اگر کوئی رائے زنی کیا کرے اور فتویٰ لگایا کرے میرے پاس اس کا کیا علاج۔

ملفوظ ۱۸۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایسے لوگ تو کثرت سے ہیں کہ جو ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک سے گھبرا جاتے ہیں مگر وہ لوگ بھی ہیں جو خود اس کی درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ یہی برتاؤ رکھا جائے۔ بعض لوگوں کے خطوط آتے ہیں کہ فلاں بزرگ سے ہمارا تعلق ہے

مگر جی چاہتا ہے کہ آپ سے تعلق ہو میں لکھتا ہوں کہ وہاں سے تعلق کیوں چھوڑتے ہو لکھتے ہیں کہ وہاں ڈانٹ ڈپٹ نہیں اور بدون اس کے اصلاح نہیں ہوتی اور یہ بات واقع میں بھی ہے اس پر ایک شخص کا واقعہ یاد آگیا کہ اس نے مجھ سے تنہائی میں اپنی حالت بیان کی کہ مجھ کو ایک گوالن سے عشق ہو گیا ہے میں دودھ اسی وجہ سے لیتا ہوں اس بہانے سے . . . دیکھ لیتا ہوں حالانکہ دودھ کی مجھ ضرورت نہیں میں نے کہا کہ وہاں جاؤ مت اس کو دیکھو مت اس محلہ سے بھی کبھی مت گذر ہمت اور قوت سے کام لو یہی اس کا علاج ہے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا اس کہنے پر میں نے اس کے ایک دھول رسید کی اور کہا کہ نکل یہاں سے نالائق وہ شخص چلا گیا۔ مجھ کو بعد میں خیال بھی ہوا کہ اس سے نہ کوئی تعلق تھا نہ واقفیت تھی ایسا کیوں کیا۔ مگر قریب ایک سال بعد وہ شخص فلاں مولوی صاحب سے ملا ان کو پہچان کر یہاں کی خیریت معلوم کی اور اپنا قصہ بیان کیا کہ میں وہ شخص ہوں انہوں نے دریافت کیا کہ اس حالت میں کوئی فرق ہوا کہنے لگا کہ اس دھول نے اکسیر کا کام دیا بجائے عشق کے اس عورت سے مجھ کو نفرت کا درجہ پیدا ہو گیا اور قطعاً اس مرض کا قلب سے ازالہ ہو گیا۔ ایک دوسرے شخص کا واقعہ ہے کہ ان کی کسی غلطی پر میں نے ملامت ڈپٹ کی تو انہوں نے ایک دوسرے صاحب سے کہا کہ دس برس کے مجاہدہ سے بھی مجھ کو وہ نفع نہ ہوتا جو چند منٹ کی ڈانٹ سے حاصل ہوا۔

ایک اور ذاکر شاغل کا واقعہ ہے کہ وہ مقیم تھے اور کئی بار وساوس کی شکایت کر چکے تھے میں ان کی تسلی کر دیتا تھا ایک روز میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ جی یہ چاہتا ہے کہ میں نصرانی ہو جاؤں میں نے سنکر ایک دھول رسید کی اور کہا کہ جا نالائق جو جی میں آوے وہی کر اسلام کو ایسے بیہودوں کی ضرورت نہیں اس وقت یہی ذہن میں آیا ان صاحب نے اور لوگوں سے بیان کیا کہ ایک ہی دھول میں اس خیال کا ازالہ ہو گیا اور تمام وساوس کا سد باب ہو گیا۔ ان واقعات میں خاص ایک بات ہے کہ اس وقت جو تدبیر حق تعالیٰ قلب میں ڈال دیتے ہیں وہی مفید ہوتی ہے اور وہ منجانب اللہ ہوتی ہے مگر ناحقیقت شناس لوگ ویسے ہی باتیں بناتے پھرتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں ایک بات ان معاملات کے متعلق میں یہ کہا کرتا ہوں کہ میرے مزاج میں شدت نہیں حدت ہے مزاج قدرتاً تیز ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں پیدا کیا گیا اب اس اثر کو کیسے مٹا دوں غیر اختیاری چیز ہے باقی الحمد للہ سختی نہیں البتہ لہجہ میرا مردانہ ہوتا ہے زنانہ نہیں ہوتا اور بعضے شیوخ کی زنانی بولی ہوتی ہے جس کا نام عوام نے خوش خلقی رکھا ہے۔ اس پر لفظی مناسبت سے ایک ہنسی کا قصہ یاد آگیا ایک مرتبہ قاری عبدالرحمان صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ریل میں سفر کر رہے تھے ایک گاؤں کے شخص کو جو اس ہی ڈبہ میں سوار تھا معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑے قاری ہیں تو اس نے قاری صاحب سے قرآن سننے کی درخواست کی۔ قاری صاحب نے اپنے اخلاق سے کچھ قرآن شریف سنایا تو وہ

گاؤں والا سن کر کچھ خوش نہ ہوا وجہ اس کی یہ تھی کہ پانی پت میں تجوید سے قرآن شریف پڑھنے کا اہتمام ہے لہجہ وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں سادگی سے پڑھتے ہیں اس لیے اس نے دیکھا کہ ان کے پڑھنے میں کوئی خاص بات تو ہے نہیں سننے والا لوٹ پوٹ تو ہوا نہیں۔ اب اس گاؤں والے کا خبط سنئے کہ قاری صاحب سے کہتا ہے کہ کچھ میں بھی سناؤں اور یہ کہہ کر خود بھی قرآن شریف پڑھکر سنایا تو اس طرف سے بھی کوئی داد نہ ملی اور اس کا احتمال ہی کب تھا تو اب وہ قاری صاحب سے خود کہتا ہے جیسا (تون یعنی تو پڑھے ہے۔ ویسا ہی میں پڑھوں ہوں (یہر ک) فرق یہ ہے کہ تو (جنانی) زنانی بولی میں پڑھے اور میں مردانی میں سلیس آواز کو زنانی بولی سے تشبیہ دی اور موٹی آواز کو مردانی بولی سے تو بوقت تنبیہ میرا لہجہ بھی دیہاتی مردانہ ہوتا ہے نازک زنانہ نہیں ہوتا اس لیے لوگ سمجھتے ہیں کہ سخت ہے اگر یہی مضامین نرمی سے کہوں تو کسی کو بھی ناگوار نہ ہو مگر اس کا اصل مقصود ہے یعنی ثمرہ اور نفع وہ مردانہ ہی لہجہ پر موقوف ہے باقی جوڑ کر میٹھی میٹھی باتیں بنانے سے اصلاح تھوڑا ہی ہو سکتی ہے۔

ملفوظ ۳۰۲:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج ایک خط آیا ہے انہوں نے اپنے کچھ حالات لکھ کر تعلیم چاہی تھی میں نے اس سے پہلے کچھ سوالات کئے تھے ان کا جواب آیا ہے لکھا ہے کہ کوئی سہل علاج اور تدبیر تحریر فرمائی جاوے دیکھئے یہ طالب ہیں قدم رکھنے سے قبل ہی سہولت کی درخواست کر رہے ہیں اگر کوئی شخص کسی عورت پر عاشق ہو جاوے اور وہ اس عورت سے درخواست کرے کہ اگر بسہولت تم مجھ سے مل سکو تو میں اس کی تدبیر کروں ورنہ دوسرے کام میں لگوں تو وہ کیا جواب دے گی اور یہ طالب صاحب تو خدا کے عاشق ہو کر سہولت ڈھونڈتے ہیں۔ مجنوں کو دیکھئے کہ لیلےٰ کے عشق میں کیا حال ہو گیا تو کیا خدا کا عشق لیلےٰ کے عشق سے بھی کم ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود ❊ گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

یہ آج کل کے طالب ہیں یہ ہیں وہ باتیں جن کی وجہ سے میں کھود کرید کرتا ہوں تاکہ معلوم تو ہو کہ اس کے جذبات و خیالات ہیں کیا جس پر مجھ کو سخت کہا جاتا ہے اور تنگی اور رد بھی سمجھتے ہیں کیا وہم کی باتیں ہیں مجھ کو بحمد للہ تجربہ ہے تجربات کی بناء پر ایسا کرتا ہوں۔

ملفوظ ۳۰۳:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جہاد نفس من وجہ جہاد کفار سے بھی زیادہ سخت ہے وہاں تو یہ ہے کہ ایک بار حملوا رنگی چلو خاتمہ ہوا اور یہاں ہر دم اور ہر وقت اور ہر سانس پر آرہ چلتا ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ❊ ہر زمان از غیب جانے دیگر ست

؎ جو حضرات خنجر تسلیم و رضا کے مارے ہوئے ہوتے ہیں ان کو ہر وقت غیب سے ایک حیات تازہ روحانی ملتی رہتی ہے ۱۲ ❊۔

جو لوگ جہاد نفس میں مشغول ہیں ان پر جو گذرتی ہے اس کو وہی جانتے ہیں قبر کا حال مردہ ہی کو معلوم ہے ان کی یہ حالت ہوتی ہے جس کو کہا گیا ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست ✧ حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

اور یہ جہاد محض عشاق کی شان ہے کہ وہ ہر وقت نفس کشی میں رہتے ہیں اس کی خواہشوں کو پامال کرتے رہتے ہیں دبانے رہتے ہیں بس اس میں جو ان کی حالت ہوتی ہے اس کو دوسرا کیا سمجھ سکتا ہے دل میں زخم اور گھاؤ ہو جاتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

در دل سینہ من زخم بے نشان زدہ ✧ بحیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدہ

تیر تو لگتا نظر نہیں آتا مگر زخم اور گھاؤ موجود ہے۔

ملفوظ ۱۸۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل شانت جس کا نام ہے یہ کبر سے ناشی ہے اس کا دنیا ہی میں بڑا سخت عذاب آدمی کو ہوتا ہے ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ اس سے لوگ غیر معتقد نہ ہو جائیں اس کی بزرگی بے رونق نہ ہو جائے الحمد للہ اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے قطعاً وہاں اس کا نام نہ تھا بلکہ ان بزرگوں کے بعد پانی پت میں مولوی غوث علی شاہ صاحب بھی غنیمت تھے گو بعض امور میں اپنے بزرگوں کے مسلک پر نہ تھے مگر نہایت سادہ اور بے تکلف تھے کچھ شریر لوگوں نے جمع ہو کر ایک کسبی عورت کو بہکایا کہ جب مولوی صاحب کے پاس بہت مجمع ہو اس وقت ایک مرغ لیجانا اور جا کر یہ کہنا کہ مولوی صاحب اس کو حلال کر دو وہ شرمندہ ہونگے اور بعضوں کو شبہ تعلق کا ہو جائیگا چنانچہ اس عورت نے اسی طرح ایک مرغ لیجا کر کہا کہ حضرت اس کو حلال کر دو اس وقت بڑا مجمع تھا مولوی صاحب کیا فرماتے ہیں کہ بی کہیں اور جاؤ میں نے تو ساری عمر کبھی نہ حلال کیا نہ حرام کیا یہ اشارہ تھا نکاح نہ کرنے کی طرف وہ عورت بڑی شرمندہ ہوئی اور چلتی بنی۔

ایک شخص مولوی صاحب موصوف کے پاس دس روپیہ لے کر آیا اور کہا کہ بھائی نے یہ روپیہ بھیجے ہیں اور لینے کو لکھا ہے۔ فرمایا کہ بھائی رشوت کی رسید نہیں ہوا کرتی اس شخص نے کہا کہ حضرت نے اس کو رشوت کیسے فرمایا۔ فرمایا کہ میاں رشوت تو ہے ہی یوں کون دیتا ہے سمجھتے ہیں کہ ہمارے متعلق کچھ اللہ میاں سے کہدیں گے پس تم جیسے سررشتہ دار کو دیتے ہو اسی طرح ہم کو بھی دیتے ہو سو یہ رشوت ہی تو ہوئی غرض مجذوبانہ مدعیانہ باتیں نہ تھیں۔

؎ تیرے پیر میں کبھی کانٹا بھی نہیں لگا تو ان بہادروں کی حالت کیا جانے جو سر پر تلوار کھاتے ہیں ۱۲ عفی عنہ

؎ میرے سینہ کے اندر تو نے ایسا زخم لگایا ہے جس کا کوئی نشان نظر نہیں آتا مجھے حیرت ہے کہ بغیر کمان کے کیسا تیر مارا ہے ۱۲ ✧

ملفوظ ۱۸۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علم تو خدا نے مسلمانوں ہی کو دیا ہے یہ دولت نہ ہندؤں کو نصیب نہ اہل یورپ کو۔ میں ایک مرتبہ بھوپال گیا۔ انگریزی خواں لڑکوں کے اصرار پر میں نے کالج میں بیان کیا۔ ایک مرہٹہ بڑی بڑی ڈگریاں ولایت سے حاصل کر کے آیا تھا وہ اس وقت کالج میں پرنسپل تھا وہ بھی وعظ میں شریک ہوا بعد ختم وعظ لوگوں سے کہا کہ میں نے ولایت میں بڑے بڑے لیکچراروں کو دیکھا جو نوٹ لکھ کر لاتے ہیں مگر پھر بھی اس شان اور اس ربط اور ایسے دلائل کے ساتھ تقریر کرتے نہیں جیسا کہ اس شخص کو دیکھا کہ مسلسل چار گھنٹے بولتا رہا اور کہیں نہ ربط ٹوٹا اور نہ تقریر میں ذرا الجھن ہوئی پھر جو دعویٰ کیا اس کو دلیل سے ثابت کر دکھایا یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک کتاب ہے سامنے جس کو پڑھ رہا ہے بیچارے نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ میں تو ایک معمولی طالب علم ہوں اہل علم کی اگر تقریریں سنے گا تب پتہ چلیگا۔

ملفوظ ۱۸۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بڑے بڑے متکبر یہاں آتے ہیں مگر بحمد اللہ سب آکر ڈھیلے ہو جاتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ میں اخلاق متعارفہ سے کام نہیں لیتا مخاطب کو جیسا مزاج دیکھتا ہوں ویسا ہی نسخہ تجویز کرتا ہوں جیسے طبیب جسمانی کہ اگر مریض کو شاہترہ اور چرائتہ اور حنظل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لئے وہی تجویز کرتا ہے اگر مریض بسبب مربہ آملہ کی ضرورت ہوتی ہے وہی تجویز کرتا ہے۔ مریض کی ایک ہی ٹانگ پر عمل نہیں کرتا۔ آخر میں حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہو گئی تھی ایک صاحب مجھ سے حضرت کا قول نقل کرتے تھے کہ متکبرین کو تھانہ بھون بھیجنا چاہئے ایسے لوگوں کا وہاں ہی علاج ہوتا ہے حالانکہ مولانا اس قدر وسیع الاخلاق تھے کہ نظیر ملنا مشکل ہے مگر متکبرین کے متعلق حضرت کی بھی یہی رائے تھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا اخلاق ضرب المثل ہے اپنی جماعت سے فرمایا کرتے تھے جس کا پیر کڑا نہ ہو اس مرید کی اصلاح نہیں ہو سکتی یہ تو زندوں کی رائے ہیں۔ اب اہل برزخ کی سنئے مولوی ظفر احمد صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں انہوں نے خواب میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ میں صاحب نسبت ہو جاؤں حضرت نے فرمایا کہ صاحب نسبت تو تم ہو مگر اصلاح کراؤ اور وہ بھی اپنے ماموں سے اس سے مراد میں ہوں غرض مردوں اور زندوں کی سب کی یہی رائے ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ آج کل بدون ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک کے اصلاح مشکل ہے آدمی ولی بزرگ قطب غوث ابدال سب کچھ بن سکتا ہے مگر انسانیت اور آدمیت مشکل ہے وہ بدون کسی کامل کی جوتیاں کھائے اس کی صحبت میں رہے نصیب نہیں ہوتی میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ بزرگی ولایت قطبیت غوثیت اگر لینا ہو تو یہاں پر مت آؤ کہیں اور جاؤ اگر انسان بننا اور آدمی بننا ہو یہاں پر آؤ مگر آج کل ہو کیا سکتا ہے

گھبراتے ہیں۔

ملفوظ ۱۸۸:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بدنام کرنے سے کیا ہوتا ہے بدنام کیا کریں بگاڑ سکتے ہیں بالخصوص چشتی تو نہ کسی کو بدنام کرنے کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ کسی کے نیک نام کرنے کی یہ تو عاشق ہیں۔ عاشق کو ان باتوں کی کیا پرواہ وہ تو پہلے سب چیزوں کو آگ لگا کر اور فنا کر کے طریق میں قدم رکھتے ہیں ان کا تو مذہب ہی دوسرا ہے یہ زندہ مردہ ہوتے ہیں اسی کو کہتے ہیں؎

گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلاں　　٭　　مانمی خواہیم ننگ و نام را

اور یہ تو بزبان حال اور ببانگ دہل یہ کہتے ہیں؎

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا　　٭　　اور جو خود ناکام ہو اس کو کسی سے کام کیا

ہیں علوم کا تو نقشبندیوں کے معتقد ہوں کیونکہ ان میں بڑے بڑے علماء گذرے ہیں چشتیوں میں اس قدر علماء نہیں گذرے مگر جانباز چشتیوں میں زیادہ ہوئے ہیں یہ بات دوسروں میں اس درجہ کی نہیں یہ خاص عشق شان ان ہی میں ہے یہی وجہ ہے کہ اہل ظاہر کی نظر میں چشتی زیادہ بدنام ہیں (ا)۔ اور عشق بھی ایسی چیز..... کہ ماسوا کو سب کو فنا کر دیتا ہے بس ایک ہی چیز نظروں میں رہ جاتی ہے۔ ان چشتیہ حضرات کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدا بھی اسی عالم میں ہوتے اور ظاہرا رہے بھی اسی عالم میں مگر حقیقتاً وہ دوسرے ہی عالم میں رہتے تھے۔

۲۵ / ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۱۸۹:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ عشق خوبصورتی پر تھوڑا ہی موقوف ہے وہ تو مناسبت کیوجہ سے ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے حسن و جمال پر موقوف نہیں طبیعت کے تناسب پر موقوف ہے پھر تو کچھ ہوا کرے وہ دل سے نہیں نکل سکتا اور آج کل تو اکثر میں نفس کی شرارت ہے عشق نہیں ہے فسق ہے جب تک شباب رہتا ہے یہ نشہ رہتا ہے سو یہ کوئی محبت نہیں یہ تو شہوت پرستی ہے نیز اگر چار وقت کھانے کو نہ ملے سب ختم تو آج کل کا یہ عشق گندم کھانے کا فساد ہے اسی کو فرماتے ہیں

؎ اگرچہ عقلاء ظاہر کے نزدیک ہماری حالت بظاہر ایسی ہے جس سے بدنامی ہوتی ہے مگر ہم ایسی نیک نامی نہیں چاہتے جس میں محبوب سے تعلق نہ ہو ۱۲ ٭۔

عشقہا یں نہ عشق ست آنکہ در مردم بود ✤ ایں فساد خوردن گندم بود

عشق تو اس کو کہتے ہیں جیسا مجنوں کا تھا کہ باوجود اس کے کہ لیلی بوڑھی ہوگئی تھی مگر اس کی وہی محبت رہی۔ کبھی اہل شہوت کو بھی یہ حالت پیش آئی ہے غرض نہایت خطرناک چیز ہے اس لئے اس کا علاج نہایت ضروری ہے وہ علاج یہ ہے کہ اس میں جو فعل اختیاری ہے جیسے دیکھنا باتیں کرنا قصداً خیال کرنا اس کو ترک کرنا چاہئے۔ بزرگوں کے حالات پڑھا کریں یعنی ان کی حکایات و قصص کبھی بہت غلبہ ہو تو کسی کریہ المنظر شخص کا تصور کر لیا کریں پہلے تو میں یہ بتلا دیتا تھا کہ محبوب سے لڑ پڑو۔ مگر تجربہ سے بعض جگہ یہ مضر ثابت ہوا کیونکہ محبوب کی ناراضگی سے اس قدر قلق ہوا کہ جان تک گنوا دینے کو تیار ہوگیا حتی کہ ایسی حالت میں خودکشی واقع ہوگئی۔ ادھر تو محبوب کی جدائی اُدھر ناراضی اس طرح سے بعض جگہ یہ مضر ثابت ہوا اس لئے اب یہ علاج نہیں بتاتا بلکہ اوپر والا علاج بتلاتا ہوں۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں کہ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ قرب سے سکون ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ ملنے سے جو سکون ہوتا ہے وہ عارض کیوجہ سے ہیجان کم ہو جاتا ہے جس کو سکون سمجھا جاتا ہے مگر اس کے بعد پھر جب جدائی ہوگی اس وقت جو ہیجان ہوگا وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوگا اس میں بعض کو یہ غلطی ہوتی ہے کہ محض نظر کو جس میں بدفعلی کا خیال نہ ہو پاک محبت سمجھتے ہیں مگر یہ خیال محض غلط ہے اہل تحقیق نے تصریح کی ہے کہ اہل شہوت کے تین درجے ہیں۔ قوم ینظرون[سے] وقوم یلمسون و قوم یفعلون اور بعض جگہ فعل پر قدرت نہ ہونیکی وجہ سے فعل کا خیال غالب نہیں ہوتا اس سے غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ہم شہوت سے مبرا ہیں اور محض صاحب نظر ہیں سو یہ بالکل غلط ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی فاقہ زدہ یا روزہ دار کے سامنے کھانا ہو اور وہ حسی یا شرعی قدرت نہ ہونیکی وجہ سے اس کی طرف التفات نہ کرے تو گیا اس کو اشتیاق نہیں مگر عارض کے سبب اس کا ظہور نہیں ہوا اور یہ عشق جس کو میں فسق سے تعبیر کر رہا ہوں علاوہ قبیح شرعی کے قبیح عقلی بھی تو ہے کیونکہ اس میں انتہائی مقصود وہ جگہ ہے کہ اگر محبوب کی وہ صورت نہ دیکھے اور پہلے ہی سے وہ مقام سامنے کر دیا جائے تو تھوک کر کھڑا ہو جائے۔

دہلی کے ایک شاعر بھنگن پر عاشق ہوگئے بالآخر وہ مل گئی جب پاس پہونچے تو اس قدر نفرت ہوئی کہ اٹھ کر بھاگ گئے اور پھر کبھی اس کا خیال نہیں آیا لطیف المزاج تھے اس وقت یہ تصور غالب ہوگیا کہ یہ بھنگی ہے پاخانہ اٹھانے والی بس اس تصور سے طبیعت کو نفرت ہوگئی اور ان اہل عشق میں بعضے تو ایسے ہیں کہ ان کو لڑکوں کی طرف میلان ہوتا ہے عورتوں کی طرف نہیں ہوتا اور بعضے ایسے ہیں کہ ان کو عورتوں کی طرف میلان ہوتا ہے لڑکوں کی طرف نہیں ہوتا اور بعض کو دونوں کی طرف تو ان اہل عشاق کی تین قسمیں

[سے] انسان پر جو عشق ہوتا ہے وہ حقیقت میں عشق نہیں ہوتا بلکہ گیہوں کھانے کا فساد یعنی مستی ہوتی ہے ۱۲ [سے] کچھ لوگ نظر بازی کرتے اور کچھ چوما چاٹی کرتے ہیں اور کچھ لوگ بدفعلی کرتے ہیں ۱۲ ✤ ..

ہوئیں اور یہ سب قسمیں فساق ہیں اور آثار کے اعتبار سے یہ مرض سب امراض سے اشد ہے اور نہایت ہی خبیث اور مبغوض و مردود مرض ہے جس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ۔

ملفوظ نمبر ۱۹۰: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ پر اللہ کا یہ فضل ہمیشہ میرے شامل حال رہا کہ کبھی کسی مخالف سے مخالف نے بھی سامنے کوئی بدتہذیبی نہیں کی ۔ کانپور میں جب میں اول اول گیا تو چند احباب کی فرمائش پر بیان کیا اور اس بیان میں مولود مروجہ کا بدعت ہونا تولاً و فعلاً ثابت کیا سامعین کثرت سے اسی ہی خیال کے لوگ تھے مگر کوئی ناگواری کی بات پیش نہیں آئی البتہ ان لوگوں کو رنج ضرور ہوا مگر کسی نے مخالفت کا قصد نہیں کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ عنوان بیان کا تحقیق کی صورت میں تھا گفتگو میں تہذیب اور دوسروں کی رعایت کرتے ہوئے حق کو ظاہر کیا دوسرے یہ کہ اپنی غرض کچھ نہ تھی کوئی اپنی مصلحت نہ تھی تحقیق دین کی غایت اور سننے والوں کی مصلحت تھی ۔ اسی لئے زمانہ قیام کانپور میں بدعتی امراء تک محبت کرتے اور خدمت کرتے تھے بڑی بڑی رقمیں دیتے تھے اس کا ظاہری سبب ان سے طمع کا نہ ہونا تھا ۔ ایک معتدبہ زمانہ اسی طرح گذرا کہ عمل مولد میں ان کا خلاف کرتا رہا میں جس وقت حج کو گیا تو واقعات سن کر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نرمی کی ضرورت ہے اس سے بعض اوقات عمل میں بھی ان کی موافقت کرتا رہا ایک زمانہ دراز اسی پر گذرا اس کے بعد تجربہ سے وہ پہلا ہی طریق نافع ثابت ہوا جس پر الحمد للہ اب تک قائم ہوں ۔ غرض کسی حالت میں بھی اہل بدعت کو بھی مجھ سے نفرت کا درجہ نہیں ہوا گو مسلک کا اختلاف ضرور رہا حقیقتاً تو ہر زمانہ میں اور صورۃً بھی بعض زمانوں میں ۔

ملفوظ نمبر ۱۹۱: ایک صاحب نے سوال کیا کہ مدعی اپنے حق کا عدالت میں مدعا علیہ پر دعویٰ کرتا ہے اور مدعی کا جو اس پر صرفہ ہوگا وہ مدعا علیہ کے ذمہ ہوگا یا نہیں ۔ فرمایا کہ مولانا سعد اللہ صاحب رامپوری کا تو یہ فتویٰ ہے کہ اس کے ذمہ نہیں اور میری اصلی رائے بھی یہی ہے اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی اور مولانا رشید احمد صاحب کا فتویٰ ہے کہ مدعا علیہ کے ذمہ واجب ہے کیونکہ اسکی تمرد سے مدعی کو نقصان پہونچا اگر یہ ایسا نہ کرتا اور مدعی کا حق ادا کر دیتا تو اس کی کیا ضرورت تھی اس نقصان کے برداشت کرنے کی سو موذیوں کو ایذا رسانی سے روکنے کا یہی ذریعہ ہو سکتا ہے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کچھ نہ دینا پڑے گا تو بڑا تمرد بڑھ جائے ۔

ملفوظ نمبر ۱۹۲: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ پرانے زمانہ میں دنیا دار لوگ تو دنیا کو دین پر مقدم رکھتے تھے مگر اب تو علماء ہی سب سے زیادہ ڈوبنے لگے پہلے لوگوں میں حمیت اور غیرت تھی اب یہ چیزیں مفقود ہیں ہمارے خاندان میں ایک بڑی بی کہا کرتی تھیں کہ بھائی پہلے کوئی کارڈ تھا کہ ایسے کریں گے

تو کوئی یوں کہے گا اور خدا کا ڈر تو اس وقت بھی کم ہی تھا مگر اب تو کوئی کو بھی کوئی میں (یعنی چھوٹے کنوئیں ہیں) ڈال دو یا بیباک ہو گئے آزاد ہو گئے نہ خدا کا ڈر رہا نہ کوئی کا ڈر۔ ایک لڑکی سے غلطی ہو گئی تھی وہ گنواری تھی لغزش سے حمل قرار پا گیا تھا اس کی نانی آئی اور الگ لیجا کر کہا کہ بیٹی میں کل کو تجھے غسل دینے آؤں گی۔ بس رات کو لڑکی نے سنکھیا کھا لیا ختم ہو گئی۔ صبح کو وہ غسل دینے آئیں آکر دیکھا معاملہ ختم ہے یہ کیفیت تھی غیرت اور حمیت کی اگرچہ بری شکل میں اس کا ظہور رہا غرض غلطیاں تو پہلے بھی ہوتی تھیں مگر اس کے ساتھ غیرت بھی تھی اب تو غیرت کا نام و نشان بھی نہیں رہا بے حیائی پر کمر باندھ رکھی ہے۔

ملفوظ ۱۹۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں اپنے نفس کے واسطے کچھ نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ میرا کوئی ظاہری دشمن نہیں۔ نہ میں غریبوں کو حقیر سمجھتا ہوں نہ امراء کی خوشامد کرتا ہوں یہی وجہ ہے کہ باوجود ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک کے سب کو گرویدگی ہوتی ہے اور یوں کوئی کوڑ مغز اور بدفہم اگر بد مزاج پر خاش ہو یہ دوسری بات ہے اور وہ بھی غیبت کی صورت میں باقی اہل فہم سب کچھ گوارا کرتے ہیں اور تعلق کے منقطع ہونے کو اپنے لئے موت سے بڑھ کر سمجھتے ہیں یہ سب فضل خداوندی ہے۔

۲۶/ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ ۱۹۴: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض جگہ دستور ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اس کے عزیز و اقارب قبر پر بیٹھ کر کچھ پڑھتے ہیں فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔

ملفوظ ۱۹۵: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں بعض لوگوں نے سماع موتیٰ پر اس سے استدلال کیا ہے کہ قبرستان میں جا کر سلام کرنا وارد ہے تو میت اگر نہ سنتا تو سلام سے کیا حاصل تھا دوسرے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ ایک امر تعبدی ہے جس سے مقصود میت کا اکرام اور اس کے لئے دعا ہے اور یہ نفع سننے پر موقوف نہیں اسی طرح یہ چیزیں یعنی غسل دینا اچھا اور صاف کفن دینا اچھی قبر کھودنا یہ سب سامان میت کا اکرام ہی تو ہے۔

ملفوظ ۱۹۶: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا اس روح کو برزخ میں دوسرا جسد عطا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس جسد کے بھی تعلق رہتا ہے اور قبر کا سوال و جواب اسی جسد مثالی کے ساتھ ہوتا ہے جو وہاں عطا ہوتا ہے اور اس جسد عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا درجہ ہے جیسے کوئی رضائی

اتار رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے تو اب چلنا پھرنا تو اس دوسری کے ساتھ ہوتا ہے مگر ایک گونا تعلق اس پہلی سے بھی رہتا ہے تو روح گو وہاں اس جسد مثالی کے ساتھ ہوگی مگر تعلق اس جسد عنصری کی ساتھ بھی ہو گا اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا لے یا بھیڑیا کھا لے یا آگ میں جل جائے کیا تب بھی حساب ہو گا سو یہ حساب اسی جسد مثالی کی ساتھ ہو گا جو عالم برزخ میں عطا ہو گا۔

ملفوظ ۱۹۷:- ایک صاحب نے سوال کیا کہ عالم برزخ میں اس جسد عنصری پر عذاب وغیرہ ہو گا یا مثالی پر۔ فرمایا کہ مثالی جسد پر باقی دوزخ میں اسی جسد عنصری پر عذاب ہو گا۔ عرض کیا کہ جنت میں بھی جسد عنصری ہو گا یا مثالی جسد ہو گا فرمایا کہ یہی جسد عنصری ہو گا عرض کیا کہ تو کیا جنت دوزخ میں مثالی جسد نہ ہو گا صرف عنصری ہی ہو گا۔ فرمایا مثالی بھی ہو گا اور اب دنیا میں بھی ہے چنانچہ جس وقت روح نکلتی ہے تو وہ مع مثالی جسد کے نکلتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے موتی ایک ڈبہ میں اور ڈبہ صندوق میں ہے تو موتی کو جس وقت نکالا جاتا ہے تو ڈبہ اور موتی دونوں ساتھ ہوتے ہیں اسی طرح روح اور مثالی جسد کو اس جسد سے مع نکال لیا جاتا ہے۔

ملفوظ ۱۹۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت اکسیر اعظم ہے بدون اس کے کچھ نہیں ہوتا خواہ اپنے کو کیسا ہی بڑا سمجھے ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ ایک کلمہ کہہ دیا ساری عمر کیلئے قلب پر نقش ہو گیا۔ اب انفکاک محال عادی ہے قلب کے اندر گھس جاتا ہے یہ حالت ہے اس کے اکسیر ہونے کی اور یہ چیز اگر بچپن ہی سے میسر ہو جاوے تو اور زیادہ عجیب ہے پھر وہ چاشنی ساری عمر رہے گی۔ مولانا فتح محمد صاحب میرے استاد تھے ان کی صحبت بچپن میں مل گئی اسی نے سب کام بنا دیا الحمد للہ دل میں اسی وقت ہی کی ترہیب اور تفہیم ہی کا اثر ہے دیکھنے میں مولانا فتح محمد صاحب بہت سادہ تھے کسی کمال باطنی کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا مگر دل اللہ کی محبت سے خشیت سے لبریز تھا اب تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نرے پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اہل اللہ اور رجال حق کی صحبت میں نہ رہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں اور خوب فرماتے ہیں ع

بے عنایات حق وخاصان حق ۔ گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

ملفوظ ۱۹۹:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ حب جاہ اور کبر کا مرض بھی دنیا اور دین دونوں کو برباد

ع بغیر حق تعالیٰ اور خاصان حق کی عنایتوں کے اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا بھی نامۂ اعمال سیاہ ہے ۱۲

کرنے والا ہے اور یہ مرض حماقت سے ناشی ہے فلاں مولوی صاحب یہاں پر رہتے تھے - مدرسہ دیوبند پر فتویٰ لگایا تھا کہ حیدر آباد دکن سے جو مدرسہ کو آمدنی ہے یہ بالکل حرام ہے - اور اب وہ ہی جناب ایک رافضی کی سفارش سے اسی حیدر آباد دکن سے وظیفہ پا رہے ہیں وہ بھی بہت خوشامدوں کے بعد وہ سب تقویٰ طہارت نذر ریاست ہوگیا اللہ بچائے اپنے قہر سے انسان کو چاہیئے کہ اپنی حالت پر ناز نہ کرے ہماری حقیقت ہی کیا ہے بلکہ ہمارا وجود ہی کیا ہے اور کس کو کیا خبر ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے بس نیاز پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے اسی میں خیر ہے ایسے متقی اور پرہیزگاروں سے جن کی ظاہری وضع تو نیکوں کی سی ہے اور دل کی یہ حالت ہے کہ فرعونیت سے پُر ہے رند ہی ہزار درجہ اچھے ہیں بس ان لوگوں کی وہی حالت ہے جس کو کوئی صاحب فرماتے ہیں ع

از بروں چوں گور کافر پر حلل ✤ واندروں قہر خدائے عز وجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید ✤ وز درونت ننگ می دارد یزید

۲۶/ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۳۰۰ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض نے نفی سماع موتیٰ پر اس آیت سے استدلال کیا ہے انک لا تسمع الموتیٰ مگر یہ استدلال بالکل ناتمام ہے اس لئے کہ اس آیت میں موتیٰ سے مراد تشبیہاً کفار ہیں پس اس آیت سے اتنا ثابت ہوا کہ جیسے کافر نہیں سنتے ایسے مردے بھی نہیں سنتے اور ظاہر ہے کہ کافروں کا نہ سننا بایں معنیٰ ہے کہ ایسا نہیں سنتے کہ سن کر قبول کرلیں پس اسی طرح مردے بھی ایسا نہیں سنتے کہ سن کر قبول کرلیں مثلاً کوئی جا کر قبرستان میں تبلیغ کرنے لگے تو وہ سن کر اس پر عمل کرنے لگیں پس اسی معنیٰ کر نہیں سنتے حاصل یہ کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک مشبہ بہ یعنی موتیٰ اور ایک مشبہ یعنی کفار سو مشبہ بہ کے سماع میں تو اختلاف ہے ہی مگر مشبہ کے سماع کا مشاہدہ ہے کہ مطلق

ع ظاہری حالت تو ایسی ہی سنوری ہے جیسے کسی کافر کی قبر پر عمدہ عمدہ غلاف چڑھے ہوتے ہیں مگر اندر حق تعالیٰ کے قہر میں مبتلا ہوتا ہے ظاہری حالت تو ایسی کہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے بھی بڑھی ہوئی ہے اور باطن ایسا کہ یزید کو بھی شرم آوے ۱۲

سماع ثابت ہے اور سماع قبول منفی ہے پس تصحیح تشبیہ کے لئے غیر مشاہد کو مشاہد کی طرف راجع کریں گے یعنی عدم سماع موتیٰ کا ویسا ہی ہے جیسے عدم سماع کفار کا اب آیت کا مطلب بے غبار ہو گیا اور کوئی شبہ نہیں رہا۔

ملفوظ ۲۰۱: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص فہیم ہو اور عقل سلیم رکھتا ہو تو شیخ کی تھوڑی سی تعلیم کے بعد طریق کی حقیقت کو سمجھ کر خلوت میں بیٹھ جائے اور کام میں لگ جائے انشاء اللہ تعالیٰ وہی تھوڑی سی تعلیم کفایت کریگی باقی بد فہم اور بد عقل کو دفتر کے دفتر بھی کفایت نہیں کر سکتے اس کو مدت دراز تک کام میں لگا رہنا ضروری ہے اور ہر حال میں کام کی فکر شرط ہے مگر اس وقت بڑے بڑے دینداروں کو دیکھا ہے۔ کہ بے فکری کے مرض میں مبتلا رہیں کہ وقت پر کام ہو جائیگا ابھی جلدی کیا ہے مگر ایسا سمجھنے والا ہمیشہ ٹوٹے میں رہتا ہے۔ بھائی آخر ہو کب جائیگا جب کرو ہی گے نہیں کیوں ان باتوں میں پڑ کر اوقات ضائع کرتے ہو یہ سب نفس کی شرارت ہے جو آج کے کام کو کل پر ٹالتا ہے پھر جب اگلی کل آتی ہے پھر وہی سبق دوہراتا ہے ساری عمر اسی طرح ختم ہو جاتی ہے۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم ✽ باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

ملفوظ ۲۰۲: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا مسجد یا مدرسہ کی رقم کسی کو قرض دینے میں علاوہ عدم جواز کے فضیحتا بڑا ہے اس میں بہت سے مفاسد ہیں ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اس میں دشمنی باہم پیدا ہو جاتی ہے۔ مقروض سے جب تقاضا کیا جاتا ہے اس کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کا ذاتی روپیہ ہے جو مجھ پر اس قدر تقاضا کرتا ہے میں بھی اس کی طرح ایک مسلمان ہوں میں اور یہ برابر ہیں جب موقع ہوگا میں خود صرف کر دونگا بلکہ اگر فی نفسہ جائز بھی ہوتا تب بھی ان مفاسد کیوجہ سے رد کرنا چاہیئے تھا۔

ملفوظ ۲۰۳: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ تقریباً عرصہ ایک سال سے ایک رسالہ ترتیب دے رہا ہوں وہ مراد حیلہ ناجزہ ہے جو ایک مدت دراز کے بعد الحمد للہ تیار ہو کر شائع ہو گیا، اسوقت تک تیار نہ ہو سکا اس کی وجہ وہی ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ دوسروں کے ہاتھ کے کام پر کیا بھروسہ آج کل سستی اور غفلت کا زمانہ ہے اور اس مرض میں علماء تک کو ابتلاء ہے آج کل وہ رسالہ وہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ گیا ہوا ہے وہاں کے علماء سے بعض جزئیات میں فتوی طلب کیا ہے مگر اس وقت تک کچھ پتہ نہیں کام لینے والے کی سستی یا کام کرنے والوں کی اور اس رسالہ کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ بعض اطراف میں آج کل عورتیں بکثرت مرتدہ ہو رہی ہیں مردوں کی غفلت اور ظلم کرنے کی وجہ سے

پریشان ہو کر مرتد ہو جاتی ہیں محض اس لئے کہ اس کے ظلم سے نجات پائیں اس رسالہ میں بعض فروع ہیں دوسرے مجتہدین کے قول پر فتویٰ حاصل کر کے مسلمان حاکم کے ذریعہ سے نافذ کرنے کی تجویز کی رائے دیگئی ہے اس کے متعلق یہاں پر مشورہ مشاہیر علماء حنفیہ سے مشورہ کیا اور یہ چاہا کہ اس پر بصورت فتویٰ دستخط کر دیں ان میں سے بعض نے تو قبول کر لیا اور بعض نے یہ کہا کہ اس رسالہ کا حاصل تو تقلید کو چھوڑ کر غیر مقلد کی گنجائش دینا ہے میں نے کہا کہ خواہ اسلام چھوٹ جائے ایمان برباد اور غارت ہو جائے مگر حنفیت نہ چھوٹے اور جیب کوئی مرتد ہو گیا تو کیا پھر بھی وہ حنفی رہیگا۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر کوئی معصیت میں بھی مبتلا رہے مگر کفر سے بچا رہے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کفر میں مبتلا ہو جائے نیز اگر دنیا میں سب غیر مقلد بھی ہو جائیں مگر رہیں مسلمان تو حرج ہی کیا ہے مسلمان تو ہونگے اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچائے اور یہ ارتداد تو کفر اصلی سے بھی آگے بڑھا ہوا درجہ ہے غرض اس رسالہ کا حاصل یہی ہے کہ مرد سے ایسی مظلوم عورتوں کو شریعت کے موافق الگ کرا دیا جائے اس میں اس کے مسائل اور اصول اور طریق منضبط کر دیئے گئے ہیں اور چونکہ بعض مسائل میں دوسرے اماموں کے یہاں زیادہ گنجائش ہے ان مسائل کو بھی لے لیا گیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ بہت مفید ثابت ہوگا اور اس سے ارتداد کا دروازہ بند ہو جائیگا اور نفاذ کی صورت ذہن میں یہ ہے کہ ممبران کونسل سے اس رسالہ کو کونسل میں پیش کرا کر منظور کرا لیا جائے جس سے وہ قانون ہو جائے اگر ایسا ہو گیا تو اس نفاذ میں بڑی سہولت ہو جاویگی اور پھر افتراق کے خوف سے عورتوں کے ساتھ عدل کے خلاف پھر کسی کی ہمت بھی مشکل ہی سے ہوگی۔

ملفوظ ۲۰۴:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میری تو جو کچھ بھی حالت ہے وہ کھلی ہوئی ہے میری ہر بات بحمد اللہ صاف ہوتی ہے اس میں کوئی پالیسی وغیرہ نہیں ہوتی اسی وجہ سے بعضے لوگ مجھ سے ناراض ہیں میں معاملات کو صاف رکھتا ہوں دوسروں سے بھی یہی چاہتا ہوں اور لوگوں کی عام عادات اس کے خلاف ہے وہ سیدھی سادی اور صاف بات کو بھی اینچ پینچ کر کے الجھا دیتے ہیں میں اس پر متنبہ کرتا ہوتا ہوں بس یہی لڑائی ہے اور یہی بناء میرے بدنام کرنے کی ہے ورنہ میں کسی سے کچھ مانگتا نہیں کسی کو ستاتا نہیں ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اصول صحیحہ کا میں بھی پابند رہوں اور تم بھی رہو اس طرز کے مفید ہونے کی تائید میں یہ دیکھ لیجئے کہ عرب کی اصلاح بڑے سے بڑا عاقل بھی کم از کم سو ڈیڑھ سو برس سے پہلے نہیں کر سکتا تھا مگر حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ہی روز میں کایا پلٹ کر دی جو قلوب ظلمتوں سے بھرے تھے اور بتوں کی پرستش اور کفر شرک کا

مرکز بنے ہوئے تھے ان کو نور سے معمور اور توحید و رسالت کا مرکز بنا دیا اس کا اصلی راز یہی ہے کہ اصول نہایت صحیح تھے اور پھر حضورؐ کی ہر حالت کھلی ہوئی تھی حتیٰ کہ جن واقعات کا تعلق ازواج مطہرات سے تھا وہ بھی کسی پر مخفی نہ تھا حضور نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی کہ کوئی معترض و مخالف کیا کہیگا یہی وجہ ہے کہ جو حضرات بھی آپ کی حالت کو دیکھ کر ایمان لائے وہ خود بھی نہایت پختہ اور جانباز ثابت ہوئے اور دوسروں کے لئے ایسے مفید ثابت ہوئے کہ تمام عالم کے اندر اسلام کا سکہ جما دیا یہ سب برکت اس کی تھی کہ ان حضرات کے سب کام اصول صحیحہ سے تھے جن میں ایک اصل عظیم یہ تھی کہ ان حضرات نے محض زبانی جمع خرچ نہیں رکھا بلکہ ہر مقصد کو عملی جامہ پہنا کر دکھلایا کہتے کم تھے کرتے زیادہ تھے برخلاف اسکے آج کل لوگ یہ چاہتے ہیں کہ نرے واعظوں اور لیکچروں سے مسلمانوں کی اصلاح کر لیں اور ان گرتے ہوئے مسلمانوں کو سنبھال لیں کام بہت اچھا ہے نیت بہت نیک مگر طریق کار غلط بدون عملی جامہ پہنائے اور بدون تدابیر صحیحہ پر عمل کئے اور کرائے کچھ نہیں ہو سکتا اگر نرے وعظوں اور لیکچروں سے کام ہوا کرتا تو اس کو تو کر کے دیکھ چکے۔ کیا نتیجہ برآمد ہوا مگر کسی کو اس طرف التفات ہی نہیں محض زبانی عمل درآمد ہو رہا ہے پھر اگر کہا جاتا ہے کہ تم خود تو عمل کر کے دکھلاؤ یعنی پہلے اپنی اصلاح کرو کیونکہ نہ تمہارا ظاہر ٹھیک ہے نہ باطن نہ صورت نہ سیرت اور مسلمانوں کے رہبر اور مقتدا بنتے ہو.. تو جواب میں کہتے ہیں کہ آپ ذاتیات پر حملہ کرتے ہیں ارے بھلے مانسو تم تو اللہ اور رسول کے احکام پر حملہ کرو بجائے احکام الٰہیہ کے اپنے دماغ سے تراشی ہوئی۔

باتوں پر عمل کرنے کے لئے دنیا کو مجبور کرو اسلام اور احکام اسلام کی پائمالی کرو مگر دوسرا تمہاری کسی حالت پر بھی نوٹ نہ لے اس حالت میں تمہیں دوسروں ہی کے کہنے کا کیا حق ہے دوسرا ہی تمہاری کیوں ماننے لگا وہ بھی یہی کہہ کر الگ ہو جائے گا کہ میری ذاتیات سے آپ کو کیا بحث چلو چھٹی ہوئی ایسی موٹی بات نہیں سمجھتے آدمی کچھ تو عقل سے کام لے بس ایسوں ہی کی بدولت اسلام مسلمان بدنام ہوئے ان کو بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ کوئی جلسہ کر لیا دو چار ریزولیشن پاس کر لئے کھلا ضرر تو اس کا یہ ہوا کہ ملک تباہ اور برباد ہو گیا امن کا تو نام نہیں رہا ہر شخص مشوش اور پریشان نظر آتا ہے مگر ان خانہ ساز لیڈروں کی بلا سے یہ تو اپنے نام نہاد عہدوں پر خوش ہیں ایسے ہی جماعت کی نسبت کسی نے خوب کہا ہے ؎

گر بہ میر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند ٭ ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

ملفوظ ۳۰۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ الحمدللہ میں خود بھی اپنی حالت سے بے خبر نہیں ہوں ہر وقت اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہتا ہوں اور جب کسی دوسرے کی غلطی پر مواخذہ کرتا ہوں یا متنبہ کرتا ہوں اس وقت بھی مجھ پر خود ایک خوف کا غلبہ ہوتا ہے کہ اگر مجھ پر مواخذہ ہو تو کیا کرے اور باوجود اس کے پھر دوسرے کیلئے جو کچھ علاج تجویز کرتا ہوں وہ اسی کے اصلاح کے لئے ورنہ ادنیٰ معذرت سے دل فوراً نرم ہو جاتا ہے اس لئے مجھ کو بھی تو خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ اسی طرح مجھ سے مواخذہ فرمائیں اور میں معذرت کروں اور وہ قبول نہ ہو تو پھر مواخذہ کا کیا جواب دے سکتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ جب حق تعالیٰ کے یہاں توبہ اور معذرت قبول ہوتی ہے تو بندوں کی کیا حقیقت اور کیا وجہ ہے کہ وہ قبول نہ کریں ان سب تصورات کے ساتھ پھر جو میں کچھ مواخذہ کرتا ہوں یا متنبہ کرتا ہوں وہ اکثر دل کی نفرت سے نہیں ہوتی بلکہ محض لہجے کی تیزی سے ہوتی ہے اور جو آثار سے ایک غصہ کی سی کیفیت ظاہر ہوتی ہے وہ بمصلحت اصلاح میرے قصد سے ہوتی ہے کوئی اضطراری کیفیت نہیں ہوتی اگر میں چاہوں تو ضبط بھی کر سکتا ہوں مگر ضبط کرنے سے دوسرے کی اصلاح نہ ہوگی غرض یہ سب کچھ دوسروں ہی کی مصلحت سے کرتا ہوں اس میں میری کوئی خاص مصلحت نہیں ہوتی اور یوں تو بشر ہوں کبھی مغلوب بھی ہو جاتا ہوں اور آخر بات تو یہ ہے کہ میں صاف کہتا ہوں کہ اگر میرا یہ ہی طرز کسی کو پسند نہ ہو تو بھائی یہاں مت آؤ اور کہیں جاؤ جہاں تمہاری خدمت گذاری اور ناز برداری ہوتی ہو یہاں آکر تو یہی گت بنے گی میں بالکل خادم ہوں مگر طریقہ سے خدمت لو اور بے طریقہ کام لینا چاہو تو میں کسی کا نوکر نہیں غلام نہیں کسی کو گھیرتا نہیں کسی سے کوئی طلب نہیں طمع نہیں حرص نہیں۔ جس خدمت کے قابل ہوں آپ کے سامنے موجود ہوں اور واقع میں میں کچھ نہ سہی مگر تم تو کچھ سمجھ کر آئے ہو اور اپنی غرض سے آتے ہو اس لئے تم کو یہ حق نہیں کہ آئے تو اصلاح کیلئے اور باتیں کرو ہیر پھیر کی یاد رکھو جب تک صاف صاف نہ کہو گے اور حالت بیان نہ کرو گے مجھ کو پتہ کیسے چلے گا بس یہی میری لڑائی ہے ورنہ کوئی زمین یا مکان یا باغ کی تقسیم تھوڑا ہی ہو رہی ہے اور میں اس میں کو خیانت سمجھتا ہوں کہ غلطی دیکھوں اور نظر انداز کر دوں تمہارا کام اصلاح کیلئے آنے کا تھا تم تو اپنا کام کر چکے اور میرا کام اصلاح کا ہے تو میں اس سے درگذر کروں کیا وجہ۔

۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۲۰۶: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ضرورت کی چیز وقت پر قلب میں ڈال دیتے ہیں یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کی برکت ہے ورنہ مجھ کو علم تو کچھ ہے نہیں کانپور میں جس مدرسہ میں تھا یہ مدرسہ جامع مسجد میں تھا **جامع العلوم** اس کا نام تھا جب اول مقرر ہوا ہوں اس وقت عمر بھی اتنی تھوڑی تھی کہ اکثر بڑی عمر کے طلباء مجھ سے پڑھتے ہوئے بوجہ کم عمری کے جھجکتے تھے اس زمانہ میں ایک معاملہ طلاق اور نفقہ کا عدالت میں کئی سال پڑا ہوا تھا اس کے متعلق مختلف تنقیحات تھیں انگریز جنٹ کے یہاں مقدمہ تھا اس کے متعلق عدالت میں ایک فتویٰ بھی داخل ہوا تھا جس پر بہت سے علماء کے دستخط تھے اور میرے بھی دستخط تھے اس نے فتویٰ دیکھ کر فریقین سے کہا کہ اپنے زمانہ سے یہ معاملہ عدالت میں ہے اور یہ شرعی معاملہ ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم اس مسئلہ کا فیصلہ فتویٰ کے موافق کرالو اور صورت اس کی انگریز حاکم نے یہ تجویز کی کہ جس عالم پر طرفین راضی ہو جائیں اور اس کا فتویٰ تسلیم کریں ان کا بیان عدالت میں ہو جائے اور اسی کے مطابق عدالت سے حکم نافذ کر دیا جائے دونوں فریق اس پر رضامند ہو گئے رہا یہ کہ وہ کون ایسا عالم ہے جس پر دونوں فریق متفق اور رضامند ہوں تو فتویٰ والے علماء کے نام دونوں فریق کو سنائے گئے اب کسی مفتی پر تو ایک فریق رضامند ہوا دوسرا نہیں ہوا اور کسی پر دوسرا رضامند ہوا پہلا نہیں ہوا میں بھی اس وقت کانپور رہی تھا میری عمر اس وقت بہت کم تھی میرا نام بھی لیا گیا تو دونوں فریق میرے نام پر متفق ہو گئے حاکم نے میرے نام سمن جاری کر دیا تاریخ مقررہ پر میں عدالت میں گیا میں کسی واقعہ کا گواہ نہ تھا صرف مسائل کی تحقیق مقصود تھی جس وقت احاطہ کچہری میں پہونچا تمام وکلاء بیرسٹر جمع ہو گئے اور دریافت کیا کہ آپ کہاں ۔ مدخواست کنندہ فریق کے وکیل صاحب بھی اس وقت کچہری میں موجود تھے میں نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان حضرات کی عنایت ہے سب نے مل کر اس امر کی کوشش کی کہ میری شہادت نہ ہو ان وکیل کو تمام مجمع نے مجبور کیا کہ ایک درخواست دو کہ ہم ان کی شہادت نہیں چاہتے انہوں نے مجبور ہو کر

غلو عاد کر بادر خواست دیدی کہ ہم ان کی شہادت نہیں چاہتے اور ساتھ ہی حاکم سے یہ بھی کہدیا کہ وہ اس وقت احاطہ کچہری میں موجود ہیں۔ حاکم نے کہا کہ ہم ضابطہ سے تو کچھ کہہ نہیں سکتے اس لئے کہ درخواست بھی گذر چکی اب مستثنیٰ کرنا واجب ہے ہم کو کوئی حق نہیں رہا بلکہ اگر وہ سمن پر بھی نہ آتے تب بھی ضابطہ کی کاروائی نہ کرتا مگر مشورۃً کہتا ہوں کہ اگر وہ اپنا بیان دیدیں تو اچھا ہے دو مسلمانوں کا جھگڑا ہے شریعت کا مسئلہ ہے یہ معاملہ طے ہو جائیگا۔ بشرطیکہ بخوشی منظور کریں لوگوں نے مجھے کہا مجھ کو بھی خیال ہوا کہ مسلمانوں کا معاملہ ہے پریشان ہیں اچھا ہے طے ہو جائیگا میں نے منظور کر لیا اب حاکم کی تہذیب دیکھئے حکم دیا کہ اور گواہوں کی طرح پکارا نہ جائے اور اجلاس تک پیادہ نہ آئیں سواری میں آئیں جہاں تک ہماری سواری آتی ہے وہاں تک سواری آئے اور حلف نہ دیا جائے غرض میں پہونچا اور سواری سے اتر کر اجلاس پر پہونچ گیا حاکم نے دیکھ کر اجلاس کے کٹہرے کے اندر بلا لیا اور اردلی کو حکم دیا کہ کرسی لاؤ مجھ کو اس کا علم نہ تھا میں دونوں کہنیاں میز پر رکھکر کھڑا ہو گیا بیان شروع ہوا اس وقت فضل خداوندی کا مشاہدہ کر رہا تھا مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مدرسہ ہے اجلاس نہیں اور ایک طالب علم سوال کر رہا ہے میں جواب دے رہا ہوں۔ تمام اجلاس کا کمرہ وکلاء اور بیرسٹروں سے پر تھا اس لئے کہ تمام کچہری میں شہرت ہو گئی تھی کہ اس کا آج بیان ہے پہلا سوال عدالت کی طرف سے یہ ہوا کہ تمہارا نام کیا ہے باپ کا نام کیا ہے میں نے بتلا دیا اس کے بعد سوال ہوا کہ آپ عالم ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اچھا سوال ہوا اگر کہتا ہوں کہ نہیں تو یہ ایشیائی مذاق کو کیا جائے کہیگا کہ سمن کی تعمیل غلط ہوئی اسپر عالم لکھا ہے دوسرے یہ کہ اس کی نظر میں اپنی ایک قسم کی اہانت بھی ہو گی کہیگا کہ آنے کی تکلیف ہی کیوں گوارا کی جاتی۔ اور اگر کہتا ہوں کہ عالم ہوں تو اپنے مذاق اور مسلک کے خلاف میں نے کہا کہ ہاں مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں یہ لکھ لیا گیا۔ دوسرا سوال اس سے بڑھ کر ہوا کہ کیا سب مسلمان آپ کو مانتے ہیں پھر سوچ میں پڑا اگر کہتا ہوں کہ نہیں تو اپنی سبکی اور اہانت غیر مسلم کے سامنے ہوتی ہے جس کو جی گوارا نہ کرتا تھا دوسرے یہ کہ اس کہنے کا مقدمہ پر اثر پڑیگا کسی نہ کسی فریق کے خلاف ہو گا۔ اس کو اس کہنے کی گنجایش ہو گی کہ وہ تو خود ہی کہہ رہے ہیں کہ سب نہیں مانتے لہٰذا ہم بھی نہیں مانتے اور کہتا ہوں کہ سب مسلمان مانتے ہیں تو آئے دن کانپور میں ہندو مسلمانوں میں جھگڑے فساد ہوتے رہتے ہیں میرا یہ اقرار عدالت میں درج رہے گا کوئی حاکم کہیگا کہ تم کو سب مانتے ہیں تو تم ہی اس کا انتظام کرو تم ہی سب مسلمانوں کے ذمہ دار ہو۔ میں نے کہا کہ ماننے کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک تصدیق کرنا یعنی سچا سمجھنا اور ایک تسلیم

کرنا یعنی کہنا ماننا تو تصدیق کے درجہ میں تو کوئی مسلمان ہمارے مبتلا ہوئے مسئلہ کو جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ رہا تسلیم کا درجہ سو ہماری حکومت تو ہے نہیں صرف اعتقاد پر مدار ہے سو کوئی مانتا ہے کوئی نہیں مانتا اس کے بعد نفس مسئلہ پر بیان ہوا جب میں بیان دیکر اجلاس سے باہر آیا تمام بیرسٹر وکلاء نے جمع ہو کر چہار طرف سے گھیر لیا۔ کہنے لگے کہ عجیب و غریب جواب ہوئے دوسرے سوال میں ہم بھی چکر میں تھے واقعی دوسرا سوال خلجان سے خالی نہ تھا مگر جواب بھی ایسا ہوا کہ ہماری سمجھ میں بھی نہ آیا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ سب عربی مدارس کی برکت ہے وہاں طلبہ اس قسم کے احتمالات نکالا کرتے ہیں یہ بات انگریزی پڑھنے یا انگریزی اسکولوں میں تعلیم پانے سے تھوڑا ہی حاصل ہو سکتی ہے اور کوئی عربی خواں اگر اس قسم کے پہلوؤں تک نہ پہونچ سکے تو اس کی وجہ تجربہ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعضے آدمی درسی کتابیں سمجھ کر نہیں پڑھتے ورنہ آگے کسی چیز کی ضرورت نہ رہے مگر آج کل عربی طلبہ بھی سمجھ کر نہیں پڑھتے طوطے کی طرح کتابیں رٹ لیتے ہیں اس لئے ان میں سمجھ پیدا نہیں ہوتی اور واقعی یہ جو بزرگوں نے درسی کتابیں انتخاب کی ہیں ان میں سب کچھ ہے یہ واقعہ میں نے اس کی تائید میں بیان کیا تھا کہ اوپر کہا تھا کہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ضرورت کی چیز وقت پر قلب میں ڈال دیتے ہیں دیکھئے اس حاکم کے اس سوال پر کہ کیا سب مسلمان آپ کو مانتے ہیں۔ کیسا جامع جواب قلب میں ڈال دیا۔ ایک دوسرا واقعہ اسی قبیل کا ہے۔ وہ یہ کہ یہاں وقف بل کے متعلق ایک وفد آیا تھا جو کہ تو مشتمل تھا سب انگریزی خواں بڑے بڑے بیرسٹر وکلاء منتخب شدہ تھے ان سے گفتگو ہوئی آنے سے قبل اول تو ان کا ایک خط آیا کہ ہم فلاں تاریخ کو تھانہ بھون پہونچیں گے یہ وفد تمام مشاہیر علماء سے ملاقات کرتا ہوا پھر رہا تھا اوقاف کے متعلق مسئلہ شرعی کی تحقیق کرنا ان کا مقصود تھا۔ میں نے ایک رئیس سے جو کونسل کے ممبر بھی ہیں اور وفد کے رکن بھی تھے بذریعہ خط معلوم کیا کہ اس وفد کی قانونی حیثیت کیا ہے انہوں نے لکھا کہ یہی حیثیت ہے کہ وہ سرکار کے فرستادہ ہیں کہ وقف بل کے متعلق علماء کی رائے معلوم کریں میرا یہ معلوم کرنا اس غرض سے تھا کہ جس درجہ کی ان کی حیثیت ہے اس حق کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ رہ جائے عدل کی حقیقت یہی ہے غرضیکہ وہ تاریخ آ گئی جس میں انہوں نے تھانہ بھون آنے کو لکھا تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ مدرسہ سہارنپور اور مدرسہ دیوبند کے علماء سے بھی گفتگو اس مسئلہ پر ہو چکی ہے آخر میں تھانہ بھون کو رکھا تھا یہاں پر اتفاق سے اس روز دو صاحب سرکاری عہدہ دار بھی پہلے سے قیام کئے ہوئے تھے جن کا مجھ سے دوستی کا تعلق ہے۔ ایک ڈپٹی کلکٹر تھے اور ایک اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس ہیں سو ان دونوں کو بھی جلسہ میں شریک

ہونیکی اجازت دیدی اور اپنے بعض اعزہ کو اسٹیشن پر بھیجدیا کہ تم جا کر لے آؤ اور ٹھہرنے کے متعلق مولوی شبیر علی کا مکان تجویز کیا غرض وہ آ گئے میں نے کہلا بھیجا کہ کھانا آپ میرے یہاں کھائیں گے انہوں نے قبول کر لیا اور میں نے یہ بھی کہلا کر بھیجا کہ اول اس کام سے فراغ مناسب ہے جس غرض سے سفر کیا گیا اس کے بعد کھانا نوش کیجئے یہ سب طے ہو کر میں خود ان کے فرودگاہ پر پہونچا اور ملاقات کر کے گفتگو کے لئے سب بیٹھ گئے میں نے صدر وفد کو ایک پرچہ پر چند شرائط بطور اصول موضوعہ کے لکھکر پیش کر دیں کہ بوقت گفتگو یہ شرائط پیش نظر رہیں اول یہ کہ سوال کے وقت جو بات یاد ہوگی عرض کر دونگا نہ یاد ہوگی فوری جواب سے عذر کر دونگا البتہ اگر کوئی تحریری یادداشت لکھ کر دیدی جاویگی بعد میں جواب بھیج دیا جاوے گا دوسرے یہ کہ صرف مسائل پوچھنے کا حق ہوگا دلائل پوچھنے کا حق نہ ہوگا ۔ دلائل پوچھنے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص عدالت میں حاکم سے پوچھے کہ اس قانون کی دلیل کیا ہے تو اس کا جو جواب حاکم دے گا وہی ہماری طرف سے سمجھ لیا جاوے تیسرے یہ کہ عقلیات میں گفتگو کرنیکا حق نہ ہوگا ۔ صرف نقلیات میں گفتگو کا حق ہوگا میں اگر شامی و درمختار عالمگیری کا مسئلہ بیان کر دوں تو اس سوال کا حق نہ ہوگا کہ اس کی حکمت عقلی کیا ہے اس لئے کہ ہم مقلد ہیں اور مسئلہ منقول ہے ۔ چوتھے یہ کہ ایک صاحب کو گفتگو کیلئے منتخب کر لیا جائے سب کے بولنے میں گڑبڑ ہوگی ہاں اس کی اجازت ہے کہ دوسرے اصحاب ان کی امداد کریں یعنی ان سے کہہ دیں جو کہنا ہو مجھ سے خطاب نہ کریں ۔ غرض اس پرچہ میں اسی قسم کے اصول موضوعہ کی یادداشت تھی اور وہ اصول موضوعہ ایسے مضبوط تھے کہ بجز تسلیم کے ان کا کوئی جواب نہ تھا ان ہی سے بہت باتوں کا جواب ہو گیا تھا اور میں نے جو ان کو خانقاہ میں نہیں بلایا اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر ان کو خانقاہ میں بلاتا تو مجھ کو ان کی تعظیم کیلئے کھڑا ہونا پڑتا اگر میں ان کے پاس جاؤنگا وہ میری تعظیم کو کھڑے ہونگے دوسرے اگر وہ یہاں پر آئیں گے تو میں ان کی وجہ سے محبوس ہونگا اور میں جاؤنگا تو وہ میری وجہ سے محبوس رہیں گے یعنی اگر وہ ہمارے پاس آئیں گے - - - - - - - - - - - - - - - وہ آزاد رہیں گے اور

میں پابند اور اگر میں ان کے پاس جاؤنگا تو میں آزاد ہونگا اور وہ پابند میں جب چاہونگا اٹھکر چلدونگا ایک یہ کہ ان کے پاس میرے جانے سے ان کے دل میں مسرت اور قدر ہوگی کہ ہمارا اتنا اکرام کیا کہ ہمارے پاس قصد کر کے آیا اور انہوں نے جو اپنی آمد کی اطلاع کی اطلاع ساتھ سوالات بھیجے تھے ان میں ایک سوال بڑا ٹیڑھا تھا اس کے متعلق یہاں پر میں نے وقت سے پہلے بھی بعض اہل علم احباب سے مشورہ کیا تھا کہ اگر یہ سوال ہوا تو کیا جواب ہوگا کسی کی سمجھ میں جواب نہ آیا ۔ سب چکر میں تھے

اور خود میری سمجھ میں بھی نہ آیا تھا میں نے دعا کی تھی کہ خدا کرے یہ سوال ہی نہ ہو مگر انہوں نے وہ بھی سوال کیا اور الحمد للہ کا ایسا فضل ہوا کہ فوراً جواب قلب پر وارد ہو گیا۔ اس واقعہ کے نقل کرنے سے میرا مقصود یہی جز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وقت پر کیسی تائید فرماتے ہیں وہ سوال و جواب آگے معلوم ہوگا اب گفتگو شروع ہوتی ہے خلاصہ مقصود اس وفد کا یہ تھا کہ اوقاف کے متولی بہت خیانت کرتے ہیں ہم ایسا قانون بنانا چاہتے ہیں کہ جس کی رو سے اوقاف کا حساب کتاب گورنمنٹ لیا کرے اور گورنمنٹ ہی کے ہاتھ سب انتظام ہے آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اس طرف سے گفتگو کے لئے ایک بیرسٹر ہائی کورٹ کے جو جج ہیں بہت ممتاز اور مشہور شخص ہیں منتخب ہوئے انہوں نے یہی سوال کیا میں نے کہا کہ گورنمنٹ کو اس میں مداخلت کرنا ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ یہ دیانات محضہ سے ہے جیسے نماز روزہ میں دخل دینا گورنمنٹ کو جائز نہیں اسی طرح اس میں بھی جائز نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ قیاس صحیح نہیں اس لئے کہ یہ مالیات میں سے ہے اور نماز روزہ مالیات میں سے نہیں میں نے کہا کہ اچھا زکوٰۃ اور حج تو مالیات میں سے ہیں اس میں دخل دینا کب جائز ہے اس پر انہوں نے طویل سکوت کے بعد کہا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور دے کر منکر ہو گیا بیوی نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور گواہ پیش کر کے طلاق کو ثابت کر دیا تو اب ظاہر ہے کہ اس میں بغیر گورنمنٹ کی امداد کے اور بدون عدالت میں جائے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا حالانکہ نکاح اور طلاق دیانات محضہ میں سے ہیں یہی تھا وہ سوال جس کا جواب ذہن میں باوجود غور اور دوسرے اہل علم سے استمداد کے نہ آیا تھا۔ مگر عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی سوال کے ساتھ ہی جواب ذہن میں القاء فرما دیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے غور نہیں فرمایا یہ معاملہ مرکب ہے دو چیزوں سے ایک دیانات محضہ سے ہے یعنی طلاق اور ایک اس کا ثمرہ یعنی طلاق کے بعد اس عورت کو حق آزادی کا حاصل ہو گیا۔ مگر عورت کے اس حق آزادی میں خاوند مزاحمت کر رہا ہے۔ مقصود اس میں گورنمنٹ سے مدد لینا ہے۔ مقصود بالذات طلاق دینے یا لینے میں گورنمنٹ سے مدد نہیں لی گئی اور حق آزادی دیانات محضہ سے نہیں بلکہ ایک حسی معاملہ ہے غرض ایک چیز تو ہے ثبوت طلاق اور یہ دیانۃً ہے اور ایک چیز ہے ضرر جو شوہر کے انکار سے اس عورت کو پہنچا اور وہ معاملہ ہے سو گورنمنٹ سے دیانت میں مدد نہیں لی بلکہ معاملہ میں مدد لی ہے اس پر انہوں نے کہا کہ وقف بھی گو دیانات محضہ سے ہے مگر متولی کی بد دیانتی اور بد انتظامی کی وجہ سے جو مساکین کو ضرر پہنچ رہا ہے اسمیں گورنمنٹ سے مدد لینا چاہتے ہیں پس یہاں بھی ایک ثبوت وقف ہے اور ایک دفع مضرت تو دفع کے لئے ہم گورنمنٹ سے مدد لیتے ہیں کیونکہ اس

ہیں اگر اس عورت کی طرح غربار و مساکین کو ضرر پہونچ رہا ہے میں نے کہا کہ آپ نے غور نہیں فرمایا اس میں مساکین کا ضرر نہیں اس لئے کہ ان کا حق پہلے سے متعین نہیں اور وہاں اس عورت کا حق معین ہو چکا تھا تو اس صورت میں عورت کا تو ضرر ہے مساکین کا کوئی ضرر نہیں ہاں عدم النفع ہے کہ ایک نفع مالی ان کو نہیں پہونچا اور فوت جلب منفعت اور چیز ہے اور لحوق مضرت اور چیز ہے یہ دونوں الگ الگ ہیں اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ میں آپ کو سو روپیہ کا نوٹ دینا چاہتا تھا کسی نے منع کر دیا تو اس میں آپ کا ضرر نہیں ہوا البتہ عدم النفع ہوا ہاں اگر کوئی شخص آپ کی جیب سے سو روپیہ کا نوٹ نکال لے یہ بیشک ضرر ہے اس تقریر پر چہار طرف سے خود ان کے رفیقوں کے زبان سے سبحان اللہ سبحان اللہ نکلا اور سب نے یہ کہا کہ عدم النفع اور ضرر کا فرق کبھی ساری عمر بھی نہ سنا تھا آج کانوں میں پڑا علاوہ تقریر کے اس پر بہت متعجب تھے کہ بوقت گفتگو طبیعت پر کسی کی وجاہت کا بالکل اثر نہ تھا اور ایک یہ کہ تقریر میں ربط نہیں چھوٹا - نیز تہذیب اعلیٰ درجہ کی ملحوظ رکھی اور مزاج میں ذرا تغیر نہیں ہوا - اس گفتگو کے ختم ہونے پر میں تو اٹھ کر چلا آیا مگر بعض احباب بیٹھے رہے ارکان وفد نے ان سے کہا کہ تمام جگہوں کے مشاہیر علماء سے گفتگو کرتے آ رہے ہیں مگر یہ لطف کہیں نہیں آیا اور نہ ایسی تحقیقات سنیں ہم کو یہ آج تک خبر نہ تھی کہ علماء میں بھی اس دماغ کے لوگ موجود ہیں ایسا جامع شخص ہماری نظر سے نہیں گذرا اور خاص بات یہ دیکھی کہ ہر دعوے کے ساتھ ایسی دلیل موجود تھی جس کا کوئی جواب ہمارے پاس نہ تھا ہم نے کسی کو ایسا جامع نہیں پایا اس وفد میں بعض بیرسٹر وکلار شیعی بھی تھے اور وہ شاعر بھی تھے انہوں نے کہا کہ علوم اور تحقیقات تو عجیب و غریب تھے ہی مگر ہم تو یہ دیکھ رہے تھے کہ اتنی دیر گفتگو ہوئی مگر کوئی لفظ تہذیب کے خلاف اس شخص کی زبان سے نہیں نکلا غرضیکہ ہر شخص محظوظ اور خوش تھا - میں نے یہ سنکر راوی سے کہا کہ انہوں نے ابھی علماء دیکھے کہاں ہیں میں تو علماء کی جوتیوں کی گرد کے برابر بھی نہیں اگر علماء کو دیکھیں تو معلوم ہو کہ علماء کی کیا شان ہوتی ہے -

خیر جو کچھ بھی ہوا اللہ کا شکر ہے کہ طالبعلموں کی آبرو رکھ لی اور وہ تو یہ چیزیں دیکھ رہے تھے - اور میں گفتگو کے وقت یہ دیکھ رہا تھا کہ ان کے قلب پر دین کی عظمت کس قدر ہے اگر دین کی عظمت کسی کے قلب میں ہو گو ہو بد عمل تو مجھ کو اس سے نفرت نہیں ہوتی ہاں بد عملی کی حالت پر رنج ضرور ہوتا ہے اور اس عظمت کا درجہ اعمال سے اس لئے بڑھا ہوا ہے کہ اعمال کی اصلاح تو ایک منٹ میں ہو سکتی ہے مگر قلب میں عظمت اور وقعت دین کی پیدا ہو جانا یہ اکتساب سے نہیں ہوتا یہ محض عطاء حق ہے - تجربات اور غور و فکر کے بعد ہی سمجھ میں آیا کہ یہ محض عطاء حق ہے اس میں اکتساب کو دخل نہیں -

وہ جس کو بھی اپنی رحمت کاملہ سے اس دولت سے سرفراز فرمادیں بڑی دولت ہے بڑی نعمت ہے اور میں اس وفد کو لینے کے واسطے تو اسٹیشن پر نہیں گیا تھا مگر رخصت کے وقت جب وہ لوگ اسٹیشن پر پہونچ گئے میں بھی کچھ دیر بعد پہونچ گیا دور سے دیکھ کر دوڑے اور بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کیوں تکلیف کی میں نے کہا کہ میں تو لینے بھی جاتا لیکن قصداً اس لئے نہیں گیا کہ اگر اس وقت جاتا تو وہ آپ کی جاہ کا اثر سمجھا جاتا اور اب رخصت کے وقت آنا چاہ کا اثر ہے اس پر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے غرض یہاں سے بظاہر بہت خوش ہو گئے اور مسئلہ کے متعلق ظاہراً خوب اچھی طرح سمجھ گئے آگے العیب عند اللہ اور حضرت یہ سب اللہ کی طرف سے ہے کسی کی کیا ہستی اور کیا وجود سب انہی کا فضل ہے اور اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت ورنہ یہاں تو نہ کچھ علم ہے نہ عمل ہے۔

ملفوظ: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو جن کو تقدس کا دعویٰ ہے ان میں بھی وہ باتیں نہیں جو پہلے سلاطین میں تھیں میں ان ہی چیزوں کو سب کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہوں اور سب میں دیکھنا چاہتا ہوں اور ان سب سے مراد وہ ہیں جو مجھ سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اپنا تعلق مجھ سے رکھنا چاہتے ہیں اور وہ دو چیزیں ہیں ایک تو دنیا سے بے رغبتی اور ایک خدا سے صحیح تعلق۔ سلطان شمس الدین التمش نے حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اگر حضرت اجازت فرمائیں تو خرچ اخراجات کے لئے خانقاہ کے نام کچھ وقف کر دوں اس پر قطب صاحب نے کہلا بھیجا کہ ہم کو تم سے محبت ہے اور اس لئے ہم یوں سمجھتے تھے کہ تم کو ہم سے محبت ہوگی۔ ہمارا گمان غلط نکلا اگر تم کو ہم سے محبت ہوتی تو ہمارے لئے ایسی چیز تجویز نہ کرتے جو خدا کے نزدیک مبغوض ہے یعنی دنیا۔ جس وقت حضرت قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب ہو تو خدام کو وصیت کی کہ ہمارے جنازہ کی نماز وہ پڑھائے جس کی تمام عمر قبل عصر کی نفلیں قضاء نہ ہوئی ہوں اور کبھی غیر محرم عورت پر نظر نہ کی ہو پھر انتقال ہو گیا جب جنازہ تیار ہو کر باہر آیا تمام علماء اور مشائخ کا کثرت سے مجمع تھا حضرت کے خدام نے اعلان کیا کہ حضرت یہ وصیت فرما گئے ہیں سب خاموش تھے نہ کوئی علماء میں اس صفت کا تھا اور نہ مشائخ میں اس وقت سلطان شمس الدین نے کہا کہ قطب صاحب نے مجھے رسوا کیا یہ دولت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطاء فرمائی ہے۔ باوجود بادشاہ ہونے کے غیر محرم پر تمام عمر نظر نہیں کی کیا ٹھکانا ہے کیا خبر ہے کسی کو کسی کی کہ اس کا خدا کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ ایک خانصاحب تھے لکھنؤ میں دنیا بھر کا بازیاں از قبیل فسق

دفجوران کے اندر موجود تھیں جب کوئی کہتا کہ خاں صاحب اب عمر رسیدہ ہو گئے قبر میں جانے کا وقت قریب آگیا اب تو توبہ کرلو۔ نماز پڑھو، روزہ رکھو پوچھتے کہ کہ نماز پڑھ کر روزہ رکھ کر کیا ملیگا لوگ کہتے کہ جنت ملے گی خاں صاحب کہتے کہ جنت کے واسطے اتنی مشقت میاں کوئی وقت آویگا ایک ہاتھ ادھر ایک ہاتھ ادھر کائی سی پھٹ جاوے گی کھٹ سے جنت میں جاکھڑے ہونگے جنت میں جانا کون مشکل کام ہے اس کو کوئی نہ سمجھتا جس وقت مولوی امیر علی صاحب ہنومان گڑھی پر جہاد کیلئے تشریف لے گئے ہیں بہت مسلمان تیار ہو گئے خاں صاحب بھی مولوی صاحب کے پاس پہونچے اور عرض کیا کہ مولوی صاحب ہم جیسے گنہگاروں کو بھی اللہ تعالے قبول فرمائیں گے مولوی صاحب نے فرمایا کہ خاں صاحب مانع کون ہے خاں صاحب نے صافہ باندھا اور ہاتھ میں تلوار لے کے میدان میں پہونچے ایک ہاتھ ادھر اور ایک ہاتھ ادھر چلانا شروع کر دیا ایک کثیر تعداد کافروں کو ختم کر دیا کسی کافر کا ہاتھ خاں صاحب پر پڑ گیا بس کائی سی پھٹ گئی اور کھٹ سے سیدھے جنت میں جا کھڑے ہوئے دیکھیے بظاہر تو فاسق تھے مگر باطن میں عاشق تھے اسی کو فرماتے ہیں ؎

ما بروں را ننگریم و قال را ٭ ما دروں را بنگریم و حال را

اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی حسین چہرہ پر سیاہ پوڈر مل دے تو یہ عارضی کالک ہے حقیقت میں تو حسین ہی ہے تو اسی طرح بعضوں کا اس قسم کا یہ عارضی ابتلاء ہوتا ہے مگر قلب میں خدا کی محبت ہوتی ہے اور یہی محبت وہ چیز ہے کہ کبھی نہ کبھی کام بنا دیتی ہے۔

ملفوظ ۲۰۸:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایسے ایسے بدفہم لوگ بھی دنیا میں آباد ہیں ایک شخص نے اعتراض کیا تھا کہ تم نے کتاب کا نام تو رکھا اصلاح الرسوم مگر اس میں بجائے اصلاح رسوم کا ابطال ہے تم نے اس نام میں بڑا دھوکا دیا میں نے جواب دیا کہ ہر چیز کی اصلاح جدا ہے مرض کی یہی اصلاح ہے کہ اس کا ازالہ کر دیا جائے

ملفوظ ۲۰۹:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہندوستان میں بعضے انگریزوں نے بیوفا قوموں کو بڑھایا اور وفاداروں کو گھٹایا مگر اس کا جو نتیجہ ہوا اس کو دیکھ کر اپنے کئے پر پشیمان ہیں اور اب ان کو گھٹانا چاہتے ہیں خواہ وہ خواہش پوری ہو یا نہ ہو اس خواہش کی ایک ذمہ دار حاکم

؎ ہم ظاہری حالت کو اور قال کو نہیں دیکھتے ہم باطن کو اور حال کو دیکھتے ہیں ۱۲

نے ایک مثال بھی بیان کی۔ گورکھپور میں ایک ریاست ہے وہاں پر ایک حاکم اعلیٰ نے دورہ میں منیجر ریاست سے بوقت ملاقات کچھ ملک کی سیاسی حالت پر گفتگو کی اور ایک حکایت بیان کی کہ ایک راہب درویش ایک حجرہ میں رہتے تھے ایک چوہیا نے اس حجرہ میں بچے دیئے اور تو سب بھاگ گئے ایک بچہ رہ گیا وہ بزرگ اس کو دودھ وغیرہ پلا دیتے۔ ایک روز بزرگ نے دیکھا کہ وہ بچہ آزردہ بیٹھا ہے۔ بزرگ نے وجہ آزردگی کی دریافت کی اس نے بیان کیا کہ آج ایک بہت بڑا بجوا میرے پیچھے پڑ گیا تھا آج تو جس طرح ممکن ہوا جان بچا لی مگر تا کے ایک روز وہ ضرور مجھ پر غالب آ جائیگا۔ اور مجھ کو ہلاک کر دیگا۔ بزرگ نے کہا کہ پھر تو کیا چاہتا ہے کہا کہ مجھ کو بلی بنا دو بزرگ نے خدا کی جناب میں دعا کی اور اس کے اوپر ہاتھ پھیرا وہ بلی ہو گئی دو چار روز کے بعد دیکھا کہ وہ بلی غمگین بیٹھی ہے بزرگ نے پھر وجہ دریافت کی کہا کہ آج میں محلہ میں گئی تھی ایک کتا سر ہو گیا بمشکل جان بچا کر بھاگی اگر یہی صورت رہی تو کب تک جان بچے گی۔
بزرگ نے کہا کیا چاہتی ہے کہا کہ مجھ کو کتا بنا دو بزرگ نے دعا کی اور اس پر ہاتھ پھیرا اب بجائے بلی کے کتا بن گیا۔ دس پانچ روز کے بعد دیکھا کہ پھر رنجیدہ بیٹھا ہے بزرگ نے وجہ دریافت کی کہا کہ آج میں جنگل چلا گیا تھا آج ایک بھیڑیا مجھ پر حملہ آور ہوا بزرگ نے کہا کہ پھر تو کیا چاہتا ہے کہا کہ مجھ کو بھیڑیا بنا دو بزرگ نے دعا کی اور اس پر ہاتھ پھیرا وہ بجائے کتے کے بھیڑیا ہو گیا پانچ سات یوم کے بعد دیکھا کہ پھر مغموم بیٹھا ہے۔ بزرگ نے وجہ دریافت کی کہا کہ آج میں جنگل میں گیا تو ایک شیر پھاڑ کھانے کو دوڑا بزرگ نے کہا کہ پھر کیا چاہتا ہے کہا کہ مجھ کو شیر بنا دو بزرگ نے دعا کی اور اس پر ہاتھ پھیرا بجائے بھیڑیئے کے شیر ہو گیا یہ شیر ہو کر جنگل پہنچا تو وہی شیر اس کو ملا جو بھیڑیا ہونیکی حالت میں ملا تھا اس جنگلی شیر نے اس شیر سے کہا کہ کیوں رے بہروپئے خوب روپ بدلتا ہے مجھ میں اور تجھ میں اب بھی فرق ہے تو ایک انسان کا بنایا ہوا شیر ہے اور میں خدا کا بنایا ہوا شیر ہوں دیکھ میں تجھ کو ابھی حقیقت دکھلاتا ہوں اس نے کہا کہ کسی صورت سے میری جان بھی چھوڑ سکتے ہو کہا کہ ہاں یہ چھوڑ سکتا ہوں اس شرط سے کہ پہلے اسے ختم کر کے آ کہ جس نے قدرت خدا وندی میں داخل دیا گو تصرف ہی کا سہی اور تجھ کو چوہے سے شیر بنایا یہ جنگل سے لوٹا اور بزرگ کے حجرہ پر گیا۔ بزرگ نے دیکھا کہ آج تو تیور بگڑے نکالے آ رہا ہے دریافت کیا کہ آج یہ کیا رنگ ہے کہا کہ تم کو ختم کر دونگا۔ بزرگ نے کہا کہ سابقہ احسانات کہاں گئے۔ کہا احسانات ایسی تیسی میں جائیں میری اپنی ہی جان کو بن رہی ہے وہی شیر ملا تھا جو بھیڑیا ہونیکی حالت میں ملا تھا اس نے اسی شرط پر چھوڑا ہے کہ جس

نے قدرت خداوندی میں دخل دیا ہے کہ تجھ کو چوہے سے شیر بنایا پہلے اس کو ختم کر کے آ تب
تجھ کو چھوڑ سکتا ہوں - بزرگ نے کہا کہ یہ بات ہے تو آؤ بھائی بیٹھو ذرا دم لو جو نیت ہے وہ
بھی پوری کر لینا یہ شیر بیٹھ گیا بزرگ نے موقع پاکر دعا کی اور اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ بجائے شیر کے وہی چوہیا
رہ گئی معاملہ ختم -

یہ حکایت بیان کر کے اس حاکم نے کہا کہ یہ ہمارا ہی قصور ہے کہ ہم ان بے وفاؤں (مراد ہندو ہیں)
کو پڑھا پڑھا کر یہاں تک لے آئے جس کے صلہ میں آج وہ ہمارے مقابلہ پر ہیں - واقع میں یہ
قوم نہایت احسان فراموش ہے مسلمانوں کو تو اس ہی سے سبق حاصل کر لینا چاہیئے - کہ انگریزوں
کی خدمات کے صلہ میں جو ان کے ساتھ برتاؤ کیا ظاہر ہے اور تمہارے ساتھ بھی چند مرتبہ کر چکے
ہیں مگر تم بھلا دیتے ہو - دیکھو ۱۸۵۷ء میں جو کچھ بھی ہوا ہندوؤں مسلمانوں سب کے مشورے سے ہوا تھا
مگر وقت پر مسلمانوں کو تباہ اور برباد کروا دیا - بڑے بڑے نواب اور رئیس مسلمان ان کی بدولت تختہ
دار پر سوار ہو گئے خوب تجربیاں کیں اب تحریک کانگریس میں مسلمانوں نے حصہ لیا قربانیاں کیں اس
کا صلہ شدھی کے مسئلہ سے ادا کیا اور آئے دن کے واقعات شاہد ہیں کہ ہر جگہ پر مسلمانوں کو جہاں
ان کی قلیل آبادی دیکھی پریشان کر دیا مگر ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی بعض بدفہم اور کم
سمجھ مسلمان ان کو اپنا دوست سمجھ کر ان کی بغلوں میں جا گھستے ہیں - ان ناعاقبت اندیشوں کو معلوم بھی
ہے کہ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے - اور جو نادان بھی ہو
اور دشمن بھی تب تو کیا کہنا ہے اور یہ تو بے بس ہیں اگر ان کو پوری قدرت ہوتی تو ہندوستان میں
مسلمانوں کی ساتھ معلوم نہیں کیا کرتے (چنانچہ تقسیم ہند کے وقت قدرت ہوئی تو کیا کچھ نہیں کیا) اور
اس عدم قدرت کی حالت میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ اطراف ہندوستان میں ہو رہا ہے ظاہر ہے اور
یہ سب مسلمانوں کے غیر منظم ہونے کی بدولت ہے اور ان سب خرابیوں کی اصل جڑ یہ کمبخت
جمہوریت ہے چنانچہ اسی بناء پر مقامی حکام کو انفرادی اختیارات نہیں یہاں سے ملک کی موجودہ حالت
لکھ کر بھیجتے ہیں ایک تو وہاں خبر پہونچنے کے لئے وقت کی ضرورت - پھر جو وہاں سیاسی جماعت ہے
معاملہ اس کے سپرد ہوا فیصلہ کے لئے تاریخیں مقرر ہوئیں بحثیں ہوئیں پھر کثرت رائے سے فیصلہ
ہوا لیکن یہاں سے خبر بھیجنے کے وقت جو فضا تھی اسی کے موافق طے ہوا مگر اس وقت یہاں کی حالت
بدل گئی اور اس لئے وہ نافذ ; حکام اس وقت مناسب نہیں ہے بس ملک تو تباہ ہوا مگر ان کی
جمہوریت نہ تباہ ہوئی ہزارہا لاکھوں مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اگر مسلمان ایسا کرتے

تو کہا جاتا وحشیانہ حرکت ہے۔ اور دوسرے کریں تو یہ فعل مدبرانہ عاقلانہ ہے۔ میں پھر بھی کہوں گا کہ یہ ساری عسرانی جمہوریت کی ہے اگر شخصیت ہوتی دن کے دن احکام کا نفاذ ہو سکتا تھا۔ ملک کا انتظام ہو سکتا تھا بدون شخصیت کے نہ کام ہو سکتا ہے نہ انتظام یہ تجربہ کی بات ہے جس درجہ مسلمانوں کے ساتھ اس وقت ظلم روا رکھا گیا اگر مسلمان ایسا کرتے تو تمام ملک کے غیر مسلم باغضب چیخ اٹھتے۔ مگر مسلمان اس گئے گذرے زمانہ میں بھی بلند حوصلہ ہیں اور باوجود ان سب باتوں کے خدا پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں، صبر و استقلال سے کام لے رہے ہیں اور یہ حدود سے گذر کر اب بھی ظلم نہیں کرنا چاہتے ایسی ظلم کی باتیں تو کفر کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔ ایمان کے ساتھ ان کا جمع ہونا مشکل ہے ان کو پھر خوف آخرت ہے اور جس قدر بیوفاؤں کے ساتھ حکومت نے رعایتیں کیں اگر مسلمانوں کے ساتھ کرتی تو یہ احسان سے دیکر سر بھی نہ اٹھاتے مسلمان تو نگی قوم احسان فراموش نہیں محسن کش نہیں یہ بھی تجربہ ہے مسلمانوں کی قوم اگر مار کھاتی ہے تو احسان سے ورنہ اور کوئی ہتھیار ان پر کارگر نہیں۔

ملفوظ: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں جو ایسے کاموں میں شرکت نہیں کرتا کہ جن سے دوسروں کا بھی تعلق ہو اس کی اصلی وجہ تو یہی ہے کہ ایسے کاموں میں اکثر حدود شرعیہ سے تجاوز کر کے چلنا پڑتا ہے لیکن ایک درجہ میں ایک دوسری وجہ بھی ہے کہ دوسروں کو کام سپرد کر کے اطمینان نہیں ہوتا کہ یہ انجام کو پہونچ جائیگا دوسروں کے سپرد کر کے انجام پا جانا آجکل عادۃً امر محال ہو گیا ہے معمولی معمولی کاموں میں رات دن مشاہدہ اس کا کرتا ہوں بیہیر الحمد بہ ہے اس وجہ سے جماعت کی ساتھ کام کرنے سے طبیعت کشتی ہو گئی، ورنہ یہ نے کریں کہ جس کام کا دوسروں سے تعلق ہو اور بدون دوسرے کی شرکت اور اعانت کے میں خود نہ کر سکوں اس میں قدم نہیں رکھتا ابھی ایک کام تھا کہ مردوں کی غفلت اور ظلم سے عاجز آ کر جو عورتیں کثرت سے مرتد ہو رہی ہیں اس کے متعلق ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس کا نام حیلۂ ناجزہ ہے سال بھر سے زائد ہو گیا آج تک تکمیل کو نہیں پہونچ سکا (الحمد للہ اس ملفوظ کے نظر اصلاحی کے وقت مکمل ہو کر شائع ہو گیا) وجہ وہی ہے جس کو میں کہہ رہا ہوں کہ اس میں دوسروں سے بھی بعض باتیں متعلق ہیں دوسروں کو اتنا اہتمام نہیں اور عام حالت ہو رہی ہے کہ کام میں مدد دینے والے بہت کم ہاں بے سوچے سمجھے اعتراض جتنے چاہو کرالو چنانچہ اس رسالہ کے متعلق بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ اس رسالہ کا حاصل تو یہ ہوا کہ حنفیت کو چھوڑ دو۔ منشاء اس اعتراض کا یہ ہے کہ اس میں بعض صورتوں میں دوسرے ائمہ کے مذاہب پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے میں کہتا ہوں کہ حنفیت نہ چھوٹے چاہے اسلام چھوٹ جائے جب اسلام اور ایمان ہی جاتا رہا تو وہ کیا ہوگا۔ حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی مقلد یا غیر مقلد دیکھئے کیا غضب ہیں۔ اگر یہ فتویٰ لیا جائے کہ ایک شخص یا مرتد ہوتا ہے یا غیر مقلدی اختیار کرتا ہے تو شرعاً کیا حکم ہے تو اس پر

کیا فتویٰ دیتے ہو۔ باقی میرا مقلد یا غیر مقلد ہونا رسالہ سے کیا پوچھتے ہو فلاں غیر مقلد مولوی صاحب سے پوچھو کہ وہ مجھ کو غیر مقلد سمجھتے ہیں یا غیر مقلدوں کا دشمن اس کا قصہ یہ ہے کہ خواجہ عزیز الحسن صاحب کے ایک عزیز غیر مقلد ہیں انہوں نے میرا وعظ لکھنؤ میں سنا ان کو نفع ہوا انہوں نے ان مولوی صاحب سے خط لکھ کر پوچھا کہ مجھ کو فلاں شخص کے وعظ سے نفع ہوا ہے اگر چند روز ان کے پاس رہوں تو کیسا ہے (اس سے مراد میں ہوں) انہوں نے لکھا کہ اس شخص کی صحبت میں برکت ہے مگر ساتھ ہی میں یہ خیال رکھنا کہ یہ شخص اہل حدیث کا سخت دشمن ہے۔ اب معلوم ہوا کہ میں کیسا غیر مقلد ہوں۔ تتمہ قصہ کا یہ ہے کہ میں نے یہ سن کر کہا کہ ان مولوی صاحب کی عقلمندی تو ملاحظہ ہو کہ اگر اہل حدیث حق پر ہیں تو ان کے دشمن کی صحبت میں برکت کیسی اس میں تو ظلمت ہو گی ہاں اگر اہل حدیث کے وہ معنی ہوں جو قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی فرمایا کرتے تھے کہ اہل حدیث تو ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں بلکہ حدیث النفس تو البتہ ایسے اہل حدیث النفس کے مخالف کی صحبت میں بے شک برکت ہو گی جب یہ حضرات ایسی موٹی بات کو بھی نہ سمجھے تو حدیث تو کیا خاک سمجھتے ہوں گے۔

ملفوظ ۲۱۱ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حدیث میں جو آیا ہے ایاکم وفساد ذات البین کہ آپس میں جھگڑا مت کرو اس میں آپس کی نا اتفاقی وفساد کی خرابی حضور پر مطلع فرمایا ہے مگر اس میں بھی ایک بڑی غلطی ہو رہی ہے کہ اہل حق سے کہتے ہیں کہ اہل باطل سے اتحاد رکھو فساد کا لفظ خود بتلا رہا ہے کہ اہل باطل کو حکم ہے کہ تم اہل حق سے فساد مت کرو اس لئے کہ فساد تو باطل میں ہے نہ کہ حق میں۔ ان استدلال والوں کو حدود کی بھی خبر نہیں بس یہ دیکھ لیا کہ قرآن میں حکم ہے ولا تفرقوا کہ افتراق نہ کرو مگر اس سے پہلا جملہ نہیں پڑھا حق تعالے فرماتے ہیں واعتصموا بحبل اللہ جمیعا یعنی جبل اللہ پر متفق رہو اس سے تفرق نہ کرو تو مفسد وہ ہے جو حبل اللہ سے الگ ہو۔ یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے لا تقربوا الصلوٰۃ سے اور آگے نہ دیکھا کہ وانتم سکاریٰ بھی ہے۔ ایک جگہ سیاق پر نظر نہ کی (بالمجانیۃ وبالموحدۃ)

ملفوظ ۲۱۲ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مردہ کے ایصال ثواب کو کون منع کرتا ہے ہاں صحیح طریقہ بتلایا جاتا ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ مقصود تو ثواب ہے اور ثواب موقوف ہے خلوص پر اور رسم کے اتباع اور تفاخر میں خلوص کہاں بس منع کرنیکا حاصل بھی ہے اور خلوص کی حالت میں بھی ایک صورت کو دوسری صورت پر ترجیح ہے بیان اس کا یہ ہے کہ ثواب کھانے کپڑے نقد سب کا پہونچتا ہے اب آگے دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی طریق سے اہل حاجت کو

پہونچا دیا جائے خدمت کر دیجائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کھانا پکایا جائے اور لوگوں کو کھلایا جائے تو اس دوسری صورت سے پہلی صورت افضل ہے جبکہ دوسری صورت میں بھی خلوص ہو اور اگر خلوص نہ ہو ریا تفاخر ہی ہو پھر تو ظاہر ہے کہ دوسری صورت بالکل ہی لغو اور فضول ہے صَرف بھی ہوا اور میت کو ثواب نہ پہونچا تو کیا اس کو منع نہ کیا جاوے اس کا فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں اور آج کل یہی غالب عادت ہے۔ عام طور پر یہی خیال ہوتا ہے کہ اگر کچھ نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ میاں فلاں کے ورثہ نے کچھ بھی نہ کیا اسی وجہ سے مخفی طریق سے صَرف کرنے کو جی قبول نہیں کرتا صَرف بھی ہوا اور کسی کو معلوم بھی نہ ہوا تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ ایصال ثواب کیسے ہوا۔ اگر یہ ریا کی نیت نہیں بلکہ خلوص ہے تب بھی مشورہ یہی ہے کہ مخفی طریق سے اہل حاجت اور ضرورت مند محتاج لوگوں کی امداد کر دیجائے اگر پانچ سیر غلہ پکا کر مستحقین کو کھلاتا ہے تو اگر وہ کسی کو بدون پکائے ہوئے دیدیا جائے تو یہ اچھا ہے اس میں مساکین کا زیادہ نفع ہے اور خلوص نیت کے بعد ایک بات اور بھی ہے جس کا لحاظ خصوصیت کے ساتھ اہل اثر کو زیادہ رکھنا چاہیے وہ یہ کہ ایک شخص تو سمجھدار ہے اس نے اپنی نیت کو درست کر لیا اور ریا اور تفاخر کی نیت سے عمل نہیں کیا مگر دوسرے جو اس سے استدلال کرینگے تو سب کی نیت میں خلوص نہیں ہوتا تو ایسے شخص کو وہ طرز اور طریق دیکھ کر یہ بات ہاتھ آئیگی کہ فلاں نے بھی تو ایسا کیا تھا اگر ہم بھی کرینگے تو حرج کیا ہے تو مخلص کا فعل غیر مخلص کے لئے سبب (گناہ کا) ہو گیا اس لئے اس ابہام سے بچنا چاہیے۔ ان سب باتوں کو دیکھ لیا جاوے اور اکثر بدعات اسی طرح جاری ہوئیں۔ اس لئے بہتر طریق وہی ہے کہ مخفی طریق پر خدمت کر دیجائے کہ ان میں ان مفاسد کی گنجائش ہی نہیں۔

ملفوظ ۴۲۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل عام طور پر مروج ہے کہ مساجد میں اشتہارات دیواروں پر چسپاں کر دیئے جاتے ہیں یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے مساجد میں بیع کرنا یا تجارت کا اعلان کرنا جس کے باب میں حدیث ہے ان المساجد لم تبن لهذا[1] افسوس ہے مساجد اللہ کی بڑی بے وقعتی اور بے حرمتی کی جا رہی ہے ہر قسم کے جلسے اور پنچایتیں تمام دنیا بھر کے قصے جھگڑے مساجد ہی میں طے ہوتے ہیں اس سے سخت اجتناب کی ضرورت ہے۔ ہمارے حیدرآبادی ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو دو چیزوں کی بڑی رعایت ہے ایک مسجد کی اور ایک عورتوں کی اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے

---

[1] مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں ۱۲ جامع

بنتے کہ ان کا کوئی ذمہ دار نہیں بڑے کام کی بات فرمائی دیکھئے فی زمانہ عورتوں پر بڑے ظلم کئے جا رہے ہیں ان کے حقوق کی قطعاً رعایت نہیں کیجاتی بڑی بے رحمی اور بے دردی کی بات ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ ہندوستان کی عورتیں بمقابلہ دوسرے ممالک کے حوریں ہیں۔ اگر خاوند چھوڑ کر چلا جائے اور دس برس بعد پردیس سے آئے تو مکان کے جس کونے میں چھوڑ کر گیا تھا وہیں آگر دیکھ لیگا۔ یہ ان کے اندر خاص بات ہے اس لئے خاص ضرورت ہے کہ ان کے حقوق کی پوری رعایت کیجائے حق تعالٰی فرماتے ہیں وعاشروھن بالمعروف۔ ترجمہ (اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو) اس کے بعد فرماتے ہیں فان کرھتموھن فعسٰی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔ اور بڑی خیر ان کا عفیف ہونا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ جو پھوڑ بھی جاتی ہیں وہ اکثر عفیف ہوتی ہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ جتنی سلیقہ والیاں ہیں وہ عفیف نہیں بلکہ جتنی پھوڑ ہیں وہ سب تقریباً عفیف ہیں منجملہ ان کے حقوق کے ایک یہ بھی ہے کہ باہر سے جس وقت گھر جائے تو خوش دلی اور بشاشت کے ساتھ داخل ہو کیونکہ گھر والوں کو اس سے بڑی وحشت اور تکلیف ہوتی ہے کہ منہ چڑھائے پیشانی میں بل پڑے ہوئے داخل ہو وہ بیچارے سہم جاتے ہیں کہ دیکھئے کیا عتاب نازل ہو اس لئے اتنا ضرور چاہیئے کہ متانت کے جس درجہ پر آدمی باہر رہے گھر میں اس درجہ پر نہ رہے۔ اور میں نے جوان عورتوں کو حور کہا ہے اس کی شرح یہ ہے کہ حق تعالٰی نے قرآن پاک میں حوروں کی شان میں فرمایا ہے فیھن قاصرات الطرف۔ اور بالکل یہی شان ہندوستان کی اکثر عورتوں کی ہے کہ دوسرے مرد پر ان کی نگاہ بھی نہیں جاتی بلکہ اس سے بڑھ کر ذہن بھی نہیں جاتا اس لئے ان کی صفت میں ارشاد ہے المحصنٰت الغٰفلٰت المؤمنٰت۔ یعنی یہ فواحش سے غافل اور محض بے خبر ہیں اور یوں مرد بھی کثرت سے فواحش سے بچتے ہیں مگر خاص طور کی غفلت انہیں کی شان میں ہے مردوں کی مدح میں غافلین نہیں فرمایا کیونکہ مردوں کے لئے بیداری ہی خوبی کی بات ہے کہ بدون بیداری کے انتظام کا کام نہیں ہوئے اور عورتوں کا زیور یہی غفلت ہے اور اب تم نئی نئی تعلیم دیکر ان کو بیدار کرنا چاہتے ہو تو یہ نصوص قرآنی کی مصادمت (مقابلہ) ہے اور ان کا عفیف ہونا اس حد تک ثابت ہے کہ فقہاء نے ایک جزئیہ لکھا ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی سے ہمبستری کرے اور اس میں غیر عورت کا خیال کرے تو وہ ہمبستری جائز نہیں مگر اس کے مقابل کہیں اس کا ذکر نہیں کیا کہ اگر عورت بوقت ہمبستری غیر مرد کا خیال کرے تو اس کو ذکر نہ فرمانا بین دلیل ہے اس کی کہ عورت کو ایسا خیال ہی نہیں آتا اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہ ہوئی۔

ملفوظ ۲۱۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مشائخ نے دو چیزوں کو اس طریق میں سخت راہزن

قرار دیا ہے ملاطفۃ المردان والرفق بالنسوان مگر آج کل بڑے بڑے مکار دین کے ڈاکو امردوں کو ساتھ لئے پھرتے ہیں اور واہی تباہی توجیہ اور تاویلیں کرتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ ان لوگوں کی توجیہ کہ ماپاک بازیم وصاحب ہنر نقل کرکے خوب فرماتے ہیں۔ زمن پرس فرسودۂ روزگار یعنی بات یہ ہے کہ مجھ سے پوچھو میں پرانا خرانٹ ہوں سارے جہاں کو دیکھے ہوئے ہوں آگے اسکا مفسدہ بیان فرمایا ہے بات یہ ہے کہ وجدان کا ادراک صاحب وجدان ہی کرسکتا ہے۔

ملفوظ ۲۱۵: ایک مولوی صاحب نے سوال کیا کہ حق تعالے نے فرشتوں سے فرمایا ہے کہ میں ضرور بناؤنگا زمین میں ایک نائب۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ کیا آپ ایسے لوگوں کو زمین میں پیدا کریں گے جو فساد کریں گے اس میں اور خونریزیاں کرینگے اور ہم برابر آپ کی تسبیح اور تقدیس کرتے رہتے ہیں حق تعالے نے ارشاد فرمایا انی اعلم مالا تعلمون (یعنی میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے) تو یہ مجمل جواب دیا اس کے بعد آدم علیہ السلام کو اسماء بتلا دیئے اور ملائکہ سے فرمایا انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صادقین فرشتوں نے عرض کیا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ حق تعالے نے فرمایا یا آدم انبئھم باسمائھم فلما انبأھم باسمائھم الخ یہاں سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر فرشتوں کو بھی بتلا دیا جاتا تو ان کو بھی یہ علم حاصل ہو جاتا تو اس میں آدم علیہ السلام کی کیا فضیلت ثابت ہوئی جواب میں فرمایا کہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ فرشتوں سے اخفار کیا گیا مگر فرشتوں میں خاص ان علوم کی استعداد نہ تھی اس لئے باوجود اعلانیہ تعلیم کے بھی ان علوم کو نہ سمجھ سکتے تھے جیسے استاد اقلیدس کے کسی دعوے کی تقریر دو طالبعلموں کے سامنے کرے مگر جس کو مناسبت ہے وہ تو سمجھے گا دوسرا نہیں سمجھے گا اگر کہا جاوے فلما انبأھم باسمائھم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی علم اسماء کی استعداد تھی اس کا جواب یہ ہے کہ انباء محض اخبار روایت کو کہتے ہیں جس کا درجہ تعلیم سے کم ہے پس اس سے علم حقائق اسماء کا حاصل ہو جانا لازم نہیں آتا حاصل یہ کہ علم اسماء کی استعداد بشر کے ساتھ خاص تھی فرشتوں کے اندر وہ استعداد ہی نہ تھی اب رہا یہ سوال کہ فرشتوں میں وہ استعداد رکھدیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بشر میں رکھنا اور فرشتوں میں نہ رکھنا یہ حکمت ہے جس پر کوئی اعتراض ہی نہیں ہو سکتا خلاصہ یہ کہ فرشتہ جیسا فرشتہ ہے ویسا ہی رہے اور آدمی

حاشیہ صفحہ ۱۷۹ کا عہ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرو، اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھدے۔ حاشیہ صفحہ ہذا عہ لڑکوں اور عورتوں سے محبت کرنا۔

جیسا آدمی ہے ویسا ہی رہے اس وقت یہ تفاوت ہو گا جس کا منشار اختلاف استعداد ہے جس کو مختلف محل میں پیدا کرنا محض حکمت ہے ایک بدعقیدہ صوفی نے اس سوال کے جواب میں یہ غضب کیا ہے اور اسکو لکھ بھی دیا ہے اور وہ رسالہ چھپ بھی گیا یہاں مدرسہ میں ہے یہ لکھا ہے کہ وہ استعداد غیر مخلوق اور قدیم اور مقتضا ذات ممکن کا ہے۔ اس واسطے یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالےٰ نے ایک میں استعداد رکھی اور ایک میں نہیں رکھی اس شخص نے اپنے زعم میں خدا تعالےٰ کو اعتراض سے بچایا ہے مگر بیچارہ خود ہی نہیں سمجھا، اب سوال اور رہا وہ یہ کہ جب فرشتے آدم علیہ السلام کے اخبار سے نہیں سمجھے تو فرشتوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو یہ علم حاصل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تقریر کی قوت سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سمجھ کر کہہ رہا ہے گو اس تقریر کو کوئی نہ سمجھے یہ ایسا ہے کہ جیسے اقلیدس کا ماہر اقلیدس کی شکل بیان کرے تو اس کو سمجھے گا تو وہی جو پہلے سے مبادی سے با خبر ہے اور جو مبادی ہی سے بے خبر ہے وہ سمجھیگا تو نہیں مگر اتنا سمجھ لیگا کہ یہ سمجھ کر کہہ رہا ہے آگے اس میں قصور سمجھنے والے کا ہے کہ نہیں سمجھا۔

ملفوظ ۲۱۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے ایک دوست حج کو گئے تھے انہوں نے سلطان ابن سعود کے سامنے میرا ایک رسالہ ہے التشرف اس کو پیش کیا سلطان ابن سعود نے رسالہ کو دیکھ کر کہا ھذا ایوا فقنا سو اگر اس رنگ کا تصوف پیش کیا جاوے تو نہ نجدی کوئی انکار کر سکتا ہے اور نہ وجدی اور نہ کوئی۔ البتہ ہندوستان کے بعضے غیر مقلد شاید پھر بھی انکار کریں۔

ملفوظ ۲۱۷: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کیا خواب میں صورت شیخ میں شیطان نہیں آسکتا فرمایا کہ حدیث میں تو ہے نہیں۔ مگر بعض صوفیہ کا قول ہے کہ شیخ کی صورت میں نہیں آتا ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ چونکہ شیخ فنا فی الرسول ہوتا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو فرمایا کہ اس دعوے کے مقدمات ہیں سو مقدمات میں اگر ایک میں بھی کچھ خدشہ ہو جائے تو پھر کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح محض کتابیں دیکھنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ زائد سے زائد معلومات بڑھ جائیں گی مگر فن سے واقفیت اور مہارت غیر ممکن ہے جب تک کہ کسی اہل فن کی صحبت میسر نہ آئی ہو اسی وجہ سے میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ طب کی کتابیں مریض کے لئے نہیں لکھی گئیں کہ وہ ان کو دیکھ کر اپنا علاج کر لیا کرے بلکہ طبیب کے لئے لکھی گئیں ہیں مریض کو بدون طبیب کا دامن پکڑے ہوئے مفر نہیں۔

ملفوظ ۲۱۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا یہ جو آج کل بعضے آدمی عملیات کے قبیل سے وظیفے پڑھتے ہیں اور بڑے بڑے مجاہدہ کرنے میں کہیں ترک حیوانات ہے۔ سوتے کم ہیں کھاتے کم ہیں حتیٰ کہ

طبی اصول کے موافق ان تغیرات سے بیمار ہوتے ہیں تو اس پر کہتے ہیں کہ آیت لوٹ گئی کیا عجیب تحقیق ہے بھلا کہیں آیت بھی لوٹا کرتی ہے وہ تو خود سیدھی ہے اور دوسروں کو بھی سیدھا کر دیتی ہے۔ دماغ تو اپنا لوٹا اور الزام آیت پر یہ سب دماغ کی خشکی اور توہمات کے آثار ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۲۲۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصلاح کے بعضے خاص طرق کی اس زمانہ میں ضرورت نہ تھی۔ مگر اب ضرورت ہے اس زمانہ میں طبیعتوں کے اندر سلامت تھی اب نفوس میں شرارت ہے اس ہی لئے میں نے اپنے بزرگوں سے جدا اصلاح کے متعلق نئی بدعت (بدعت لغتہً کہا) جاری کی ہے۔ روک ٹوک معاقبہ محاسبہ دار وگیر مواخذہ کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں بدون اس طرز کے اصلاح مشکل ہے اور یہی چیز میرے بدنام ہونے کا سبب ہوئی مگر بلا سے میں بدنام ہوں تم ہی نیک نام نہیں لیکن میری یہی بدنامی تو تمہاری نیک نامی کا سبب ہوئی میری بداخلاقی تمہاری خوش اخلاقی کا سبب ہوئی یہی میں چاہتا ہوں کہ سب کی طرف سے میں ہی دقار یہ ہوں تجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ تم نیک نام اور خوش اخلاق رہو میں کسی کی وجہ سے اپنے مسلک کو بدل نہیں سکتا اگر یہ طرز پسند نہیں تو میرے پاس نہ آؤ بلانے کون جاتا ہے۔

ملفوظ ۲۳۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کو بدعتی لوگ وہابی کہتے ہیں نہ معلوم یہ نسبت کہاں سے تراشی اور اس کی دلیل کیا ہے اس لقب کے متعلق ایک لطیفہ یاد آیا بریلی میں ایک مولوی صاحب تھے مولوی محمد یعقوب صاحب وہ ہمارے مولانا مملوک علی صاحب کے شاگرد تھے ان سے ایک غالی بدعتی مولوی صاحب نے کہا کہ تم وہابی کہنے سے کیوں برا مانتے ہو وہابی تو اللہ والوں کو کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ بہت اچھا ہم آپ کو کافر کہا کرینگے تم بھی اس میں یہ تاویل کر لیا کرو کہ حق تعالٰے فرماتے ہیں فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ تو کیا تم اس پر برا نہ مانو گے اس لئے کہ ہم اس نیت سے تھوڑا ہی کہیں گے اسی طرح تم بھی ہم کو اس نیت سے تھوڑا ہی کہتے ہو اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔

ملفوظ ۲۳۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک بدعقل بدعتی نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر احتجاج کیا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بعض مکتوبات میں قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں کچھ نہیں تو وہ بدعتی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم تو مولانا کو سچا سمجھتے ہیں خصوص جبکہ وہ قسم بھی کھائیں اس لئے ہم بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں یہ تم ہی کو مبارک ہو کہ مولانا کو صاحب کمال اعتقاد کرتے ہو اور ان کو جھوٹا سمجھتے ہو یا یہ حالت ہے بعض کے شرارت یا بھدے پن کی اور اس میں تماشہ یہ ہوا کہ اپنی ہی

جماعت کے ایک عالم صاحب کو اس پر شبہ ہو گیا کہ مولانا کو ہم تو صاحب کمال سمجھتے ہیں تو ان کے اس قول کے کیا معنی ہونگے ۔ مجھ سے اس شبہ کے متعلق سوال کیا میں نے کہا کہ تعجب ہے آپ کو شبہ ہوا ۔ حقیقت یہ ہے کہ کمالات دو قسم کے ہیں ایک کمالات واقعیہ حاصلہ ۔ ایک کمالات متوقعہ غیر حاصلہ سو حضرت کا ارشاد تو کمالات متوقعہ اور غیر حاصلہ کے متعلق ہے اور کمالات واقعیہ اور حاصلہ کی نفی نہیں فرماتے حاصل یہ کہ کمالات واقعیہ بمقابلہ کمالات متوقعہ کے گویا کمال معتد بہا ہی نہیں اور وہ ابھی حاصل نہیں کیونکہ عارفین کے کمالات میں ترقی ہوتی رہتی ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ میں کچھ نہیں اور ہم جو حضرت کے معتقد ہیں وہ اعتقاد کمالات واقعیہ اور حاصلہ کی بنا پر ہے یہ جواب سنکر بہت خوش ہوئے واقعی اب کوئی شبہ نہیں رہا ۔ باقی اس بدعتی کا یہ کہنا کہ ہم مولانا کو سچا سمجھتے ہیں کہ واقعی ہیں بھی کچھ نہیں ۔ محض شرارت ہے کیا مولانا کے سچا سمجھنے کی بس یہی ایک بات تھی ۔

ملفوظ ۲۲۲ :- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ جو آج کل ملک میں تحریک آزادی کی چل رہی ہے اس میں جو لوگ کام کرنے والے ہیں باستثنار بعض مخلصین کے اکثر کو کام کرنا مقصود نہیں محض نام چاہتے ہیں کہ ہم تو کرسی صدارت پر بیٹھے رہیں اور دوسرے جانیں دیتے رہیں اور میرا ان تحریکات سے جدا رہنا علاوہ عدم انطباق اصول شرعی کے ایک سبب یہ بھی ہے کہ کسی کے بھروسہ کام کرے لوگ تو خود جان بچاتے ہیں دوسروں کو پھنساتے ہیں ۔ ان کے ادعائی جذبات اور واقعی حالات کو دیکھ کر یہ شعر یاد آتا ہے ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ؛ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ان مشاہدات اور واقعات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ان بزرگوں نے لوگوں کو ہندوستان سے ہجرت کرائی اور خود یہیں جلوہ گر رہے اور سوال کرنے پر کہتے کہ اگر ہم بھی چلے جائیں گے تو ہجرت کون کرائیگا مولویوں کو اشتعال دلا کر فنا اور تباہ و برباد کرا دیا ۔ عربی النسل شجاع تھے جوش میں آگئے ادھر سے ان لیڈروں نے پھر جا کر بے چاروں کی خبر بھی نہ لی ۔ کیا کام کرنے والوں کی یہی باتیں ہوا کرتی ہیں اپنے چائے بسکٹ کیک مکھن فسٹ کلاس کے سفر نہ چھوٹیں قوم تباہ ہو یا برباد ہو ۔ ہندو بچلیں یا انگریز مردہ بہشت میں جائیں یا دوزخ میں پیر جی کو اپنے حلوے مانڈوں سے کام ۔ غیرت وحمیت دین کا نام نہیں بس زبانی بگھارتے پھرتے ہیں ۔

ملفوظ ۲۲۳ :- فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے اس پہلے خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ میں مجھکو اپنے مریض ہونے سے تو واقف ہو مگر تعیین مرض کی خبر نہیں ایک طویل خط ایسی ہی مہمل باتوں سے

بھرا تھا۔ میں نے جواب میں لکھدیا تھا کہ اس قدر بجر طویل لکھ کر ایذا دی اور حاصل کچھ بھی نہیں آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ میرے اندر غصہ کا مرض ہے اب راہ پر آئے کہ مرض کی بھی خبر ہوگئی اور خبر تو پہلے بھی تھی۔ کیا اپنا مرض انسان کو معلوم نہ ہو۔ مگر لوگ بے فکری سے بے تمیزی کی باتیں کرنے لگتے ہیں جو آدمیت کے خلاف ہے اور یہ درجہ بیعت سے پہلے سیکھنے کا ہے اس کی تعلیم شیخ کے ذمہ نہیں۔ ان خرافات کے واسطے شیخ نہیں۔ دیکھئے اگر کوئی شخص حوض پر پائجامہ کھول کر بیٹھ جائے کہ پیر جی ذرا میری آبدست لے دو اور وہ اس پر کہے کہ یہ کیا بدتمیزی ہے اور وہ یہ جواب دے کہ تمہارے پاس تمیز ہی سیکھنے تو آئے ہیں تو کیا یہ جواب نہ دیا جاویگا کہ ایسی تمیز سکھلانا شیخ کے ذمہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ موٹی موٹی باتیں پہلے سے سیکھ کر شیخ کے پاس آنا چاہیے البتہ جو باتیں دقیق ہیں ان کی تعلیم شیخ کا منصب ہے۔ اور موٹی باتوں میں غلطی کرنیکا سبب بے عقلی نہیں بلکہ بے فکری ہے جس کا علاج بالکل اختیاری ہے۔ اگر ذرا بھی فکر سے کام لیں تو اس قسم کی کوتاہیاں اور غلطیاں اور بدتمیزیاں اول تو ہوں ہی نہیں یا بہت کم صادر ہوں مگر یہ مرض بے فکری کا اس وقت عام ہوگیا ہے اور قریب قریب عوام وخواص سب کو اس میں ابتلاء ہے اس نے لوگوں کو خراب اور تباہ کردیا میں زیادہ تو فکر ہی پیدا کرنیکی کوشش کرتا ہوں۔

ملفوظ ۲۲۴: ایک مولوی صاحب کے جواب میں فرمایا مولانا رومی نے معتزلہ کا مذہب لکھا ہے کہ تجربہ سے عقول میں تفاوت ہوجاتا ہے اور اہل حق کا قول لکھا ہے کہ عقل فطری چیز ہے فطرۃً ایک کی عقل سے دوسرے کے عقل میں تفاوت ہوتا ہے فطرت ہی سے کسی میں زیادہ ہوتی ہے کسی میں کم

ملفوظ ۲۲۵: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مطلوبیت کے خواص جدا ہیں طالبیت کے جدا۔ مطلب یہ ہے کہ بعض شیوخ طالب اور مرید کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ دیکھنے والے کو شبہ ہوتا ہے کہ شیخ اپنی اغراض میں اس کا محتاج ہے اس لئے اس کی رعایت کرتا ہے سو یہ طالب کو مطلوب بنانا ہے۔ بس اس طرح طالب کو مطلوب بنانے سے مجھے طبعاً غیرت آتی ہے میں کیا کروں چنانچہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ الابقا ہمارے نام جاری کردو۔ یہ بھی تو نہیں لکھا کہ جاری کرادو۔ میں نے جواب میں لکھدیا ہے کہ دہلی جاکر جب میں الابقاء کی تجارت کرونگا اس وقت یہ فرمائش بھیجنا اب اگر یہ جواب نہ دیتا تو بتلایئے کیا دیتا مجھے ملتو بنو نہیں آتا۔

ملفوظ ۲۲۶: فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا تھا کانپور سے اس میں دریافت کیا تھا یوم میلاد منانا کرنا کیسا ہے میں نے جواب میں لکھدیا کہ خیر القرون میں کوئی اس کی نظیر پائی جاتی ہے

یہ اس لئے لکھا کہ اگر بدعت لکھدیتا تو بدعت کے لفظ سے لوگ گھبراتے ہیں اب اس سے جواب بھی ہوگیا اور راہیں پر سوال باقی رہا دیکھوں کیا لکھتے ہیں ۔

۲۹ / ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہارشنبہ

ملفوظ ۲۲۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاہان سلف باوجود اس کے کہ بعض کا دینداروں میں شمار نہیں مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی عظمت اور احترام ان کی رگ رگ میں رچا ہوا تھا خواہ جزئیات میں کچھ لغزش ہو جاتی ہو ۔ ایک مرتبہ نور جہاں قلعہ کی چھت پر سیر کر رہی تھی ایک دھوبی جا رہا تھا اس نے اوپر دیکھ لیا تو نور جہاں کو غیرت آئی اور اسکے گولی ماردی ۔ اس کے بعد دربار شروع ہوگیا اہل مقدمہ آنے شروع ہوگئے منجملہ اور اہل مقدمہ کے ایک دھوبن آئی جو بدحواس تھی دریافت کرنے پر کہا حضور قلعہ سے گولی چلی اور میرے خاوند کے لگی وہ مرگیا اب میں بیوہ ہوں میرا انصاف کرو ۔ بادشاہ نے نور جہاں سے پوچھا ۔ نور جہاں نے کہا کہ میری ہی گولی سے مرا ہے بادشاہ نے دھوبن سے کہا کہ اس نے تم کو بیوہ کیا ہے ۔ گردن جھکا کر کہا کہ یہ تلوار رکھی ہے تم میری گردن اڑا کر اس کو بیوہ کردو ۔ اس دھوبن نے معاف کردیا ۔ کیا ٹھکانا ہے کس قدر ان میں عدل مزاج میں تھا گو خاص یہ ہیئت انتقام کی قواعد پر منطبق نہیں مگر مادۂ عدل کا رسوخ تو اس سے ثابت ہوتا ہے اور یہ وہ بادشاہ ہے جس کا شمار دینداروں میں نہیں اور یہ واقعات بادشاہوں کے ہیں جو دنیا دار بلکہ فاسق فاجر کہلاتے ہیں یہ حکایت الامان اخبار ۳ / اگست ۱۹۳۲ء دہلی نے شائع کی ہے اور ایک ہندو کی تاریخ سے حوالہ دیکر لکھی ہے اس پر بھی متعصب مصنفین شاہان اسلام پر بہتان باندھتے ہیں اصل تو یہ ہے کہ یہ مصنفین اسلام ہی کے دشمن ہیں بعض قومیں چاہتی یہ ہیں کہ اسلام ہی دنیا میں نہ رہے رات دن کے واقعات شاہد ہیں کہ ہر محکمہ اور ہر دفتر میں مسلمانوں کو جس طرح تنگ کر رکھا ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہے ایک شخص مجھ سے کہتے تھے کہ ان لیڈروں وغیرہ کو جو کہ مخالف قوموں سے اتحاد گانٹھے پھرتے ہیں کیا خبر ہے ان کو ان سے سابقہ ہی کیا پڑتا ہے ہم سے کوئی پوچھے کہ ان کی وجہ سے ہم کن مصائب اور پریشانیوں کا شکار بنے ہوتے ہیں ۔ اور کوئی فریاد سننے والے نہیں بعضے حکام بھی ان کی حرکات

کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں مگر چشم پوشی کرتے ہیں۔ پھر اس پر فرمایا کہ معلوم نہیں یہ اس قدر مرعوب کیوں ہیں بس جی دونوں ایک ہی ہیں فرق تھوڑا ہی سا ہے۔

ملفوظ ۲۲۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ الحمد للہ ضروری ضروری کام سب ختم ہو گئے ایک دو باقی رہ گیا ہے وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ پورا ہو جائیگا اب کام کم کر دینے کا ارادہ ہے اب تحمل بھی نہیں ہوتا ہے تو اسکی دعا کیجئے کہ اسکے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نام لینے کی توفیق عطا فرما دیں۔ میں ساری دنیا کو تعلیم کرتا ہوں لیکن مجھ کو اس وقت تک بھی فارغ وقت نہیں

ملفوظ ۲۲۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اور لاکھ لاکھ شکر ہے بہت کام ہو گیا اور یہ برکت مشاغل و تعلقات سے جدا رہنے کی ہے ورنہ اگر مثلاً میں تجارت کرتا جیسے بعض مصنفین اپنی کتابیں چھپوا کر فروخت کرتے ہیں تو اس قدر رسائل جمع نہ ہوتے اور یہ شائع نہ کرتے پر خاص خدا تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی کا کلام اس کی حیات میں اس کثرت سے شائع ہوا ہو تجارت پر ایک قصہ یاد آیا ایک شخص نے خط لکھا کہ مجھ کو تو فرصت نہیں تم خرچ برداشت کرو تو میں کسی عالم سے حق المحنت دیکر لکھوا دوں اس پر اس نے لکھا کہ خدا کا خوف کرو اس قدر دین فروش مت بنو کتابیں چھاپ چھاپ کر تو اتنا روپیہ کمایا اور پھر بھی قناعت نہیں ایک کتاب لکھنے کی درخواست کی اس پر بھی روپیہ مانگا جاتا ہے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بہت دن کی بات ہے فرمایا کہ جی ہاں بہت دن کی بات ہے لیکن اگر ابھی کی ہوتی تب بھی ایسا جواب دینا کیا گناہ تھا کسی کا اجارہ ہے ایسا جواب دینا ایک شخص کی رائے ہے اس کا اظہار کرتا ہے اس میں کسی کو کیا دخل کہ ایسا جواب مناسب نہ تھا دوسرا جواب مناسب تھا۔

ملفوظ ۲۳۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک قصبہ ہے چرتھاول۔ وہاں میرے ایک سسرالی عزیز قتل ہو گئے تھے اس زمانے میں وہاں پر گیا تھا ان کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوا جب دفن کر کے واپس ہوئے تو میں ان کے مکان کی ڈیوڑھی میں تھا مکان میں سے عورتوں کے رونے اور جزع فزع کے الفاظ جو میرے کان میں پڑے بس ان الفاظ نے میرے قلب کا ستیاناس کر دیا اختلاج ہو گیا اور اختلاج سے ضعف اور ضعف سے ایک منکر وسوسہ مسلط ہو گیا جس کے دفعہ میں پریشانی بڑھ گئی اتفاق سے ایک عزیز کی موت کے سبب گنگوہ جانا ہوا حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا فرمایا کہ یہ حالت قبض کی ہے اس کے دفع میں زیادہ تندہی نہ کرنا چاہیئے اس سے زیادہ تسلط ہو جاتا ہے جب زیادہ پریشانی ہوئی تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سفر کرو تاکہ خیالات دوسری طرف متوجہ ہوں اور واقعی ایسی حالت میں سفر بھی مفید

ہوتا ہے دل بہلتا ہے فرحت ہوتی ہے اس کا خود مجھ کو تجربہ ہوا۔ اس حالت سے بہت پہلے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ سے رخصت کے وقت فرمایا تھا کہ تم کو ایک حالت پیش آویگی اس میں جلدی نہ کرنا اگر حضرت کی یہ وصیت نہ ہوتی تو معلوم نہیں میں پریشانی میں کیا کر گذرتا ایک مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس بلا سے نجات دی۔ ایک بار اور بھی دوسرے اسباب سے قلب میں ایک آگ پیدا ہو گئی تھی حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ حضرت نے تسلی کے بعض الفاظ ایک حاجی صاحب کے ہاتھ کہلا بھیجے ظہر کے وقت وہ الفاظ پہونچے تھے مغرب تک سکون ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی خاصیت رکھی ہے الفاظ میں بھی بعض خاصیتیں ہیں۔ اس تاثیر عنوان کی اصل سے بھی بہت سے مسائل تربیت کے متعلق نکلتے ہیں۔ اور بڑے بڑے اشکالات حل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس پر ایک واقعہ یاد آیا جو اسی پر مبنی ہے کہ عنوان کو بعض مقاصد میں بڑا دخل ہوتا ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں ایک طالب علم نے جو اس وقت موجز میں شریک تھے مولانا سے ایک قصہ ریاست رامپور کا بیان کیا کہ ایک شیخ تھے پیری مریدی کیا کرتے تھے ان پر ایک حالت طاری ہوئی جس میں وہ یوں سمجھ گئے کہ میں شیطان ہو گیا وہاں اس وقت مولوی شاہ ارشاد حسین صاحب موجود تھے اتفاقاً وہ پیر صاحب ان کے پاس بھی آئے اس وقت مولوی صاحب درس میں مشغول تھے ان پیر صاحب سے حسب عادۃ عامہ سوال کیا آپ کون ہیں انہوں نے کہا کہ میں شیطان ہوں مولوی صاحب نے جواب میں کہا کہ اگر شیطان ہو تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وہ فوراً وہاں سے اٹھ آئے ان الفاظ نے اور بھی انکا دل توڑ دیا اور خودکشی کا ارادہ کر لیا ایک مرید سے کہا کہ میں چونکہ شیطان اور مردود ہو گیا ہوں اس لئے اپنے وجود سے دنیا کو پاک کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی گردن جدا کرتا ہوں اس کے بعد تم دیکھ لینا اگر کھال ابھی رہ جائے اس کو جدا کر دینا غرضیکہ پیر صاحب نے ایک خلوت گاہ میں جا کر خودکشی کر لی اور بقیہ کھال کو مرید نے جدا کر دیا جس حالت میں مرید کھال جدا کر رہا تھا کسی نے دیکھ لیا پولیس میں اطلاع ہو گئی پولیس نے آکر گرفتار کر لیا۔ چالان ہو گیا اس نے کہا کہ میں خود چاہتا ہوں کہ میرا قصہ بھی ختم ہو پیر کے بعد زندگی تلخ ہو گی یہ خبر مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب کو بھی ہو گئی ان کا بیان ہوا کہ ابتداء واقعہ کی کیا ہوئی تب اس مرید کی جان بچی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنکر فرمایا کہ اگر مجھ کو یہ معاملہ پیش آتا تو میں یہ کہتا کہ اگر تم شیطان ہو تو کیا ہوا نسبت تو اب بھی قطع نہیں ہوئی اس لئے کہ شیطان بھی تو ان ہی کا ہے تو اس سے وہ قبض جاتا رہتا اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ

وہ نسبت تو شیطان کو حاصل نہیں جو مطلوب ہے پھر اس سے تسلی کیسے ہوتی اس کا جواب اسی اصل
سے ہو سکتا ہے جو بیان کر رہا ہوں کہ کبھی محض عنوان سے علاج ہو جاتا ہے جس کو مبصر ہی سمجھ سکتا ہے
کہ اس شخص کی استعداد کی خصوصیت سے یہ عنوان نافع ہو جاویگا۔ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔
سو یہاں پر گو نسبت مطلوبہ حاصل نہ ہو مگر خود اس عنوان سے ایک تسلی ہو جاتی اسی اصل کی ایک
فرع اور یاد آئی۔ ایک شخص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت عمل پر
دوام میسر نہیں ہوتا کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا فرمایا کہ یہ بھی تو ایک قسم کا دوام ہی ہے کہ کبھی ہوا اور کبھی
نہ ہوا اس مجموعہ پر تو دوام ہے کبھی ایسے عنوانات سے طالب کی تشفی ہو جاتی ہے طبیب ہی معالجہ
کے اصول کو جانتا ہے کہ یہ عنوان مفید ہوگا اس تسلی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے مریض کا دل
بڑھتا ہے اور عمل سہل ہو جاتا ہے پھر اس سے دوام مطلوب بھی میسر ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا
ہی کی ایک تقریر سے ایک حدیث میں اس کا ماخذ سمجھ میں آگیا وہ حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی منافق کے جنازے کی نماز پڑھائی حضرت عمر فاروق رضی اللہ
عنہ نے ادب کے ساتھ اختلاف کیا اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے استغفر لهم او لا
تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم حضور نے جواب ارشاد فرمایا
خیرنی فاخترت یعنی مجھ کو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا بلکہ اختیار دیا ہے اور فرمایا سازید علی
السبعین یعنی میں ستر سے زیادہ استغفار کرونگا۔ اب یہاں پر دو اشکال ہیں۔ ایک اشکال
یہ ہے کہ حضور تو اہل زبان ہیں اور افصح العرب اس درجہ کے ہیں کہ کفار خدا تعالیٰ کے کلام کی
فصاحت و بلاغت کو حضور کی طرف نسبت کرنے لگتے کہ یہ آپ کا کلام ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ
استغفر لهم او لا تستغفر لهم۔ تخییر کیلئے نہیں بلکہ تسویہ کیلئے ہے جس کی تصریح سورۂ منافقون
میں کر دی گئی ہے سواء علیہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم اسی طرح سبعین تحدید
کیلئے نہیں تکثیر کیلئے ہے چنانچہ سورۂ منافقون ہی میں اس کی بھی تصریح ہے بدون عدد کے لن یغفر اللہ
لہم واقع ہے جب معمولی اہل زبان اس کو سمجھ سکتا ہے تو حضورؐ نے تخییر و تحدید کیسے سمجھی۔ اس کا جواب
حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت رحمت
کی وجہ سے لفظوں سے تمسک فرمایا معنے کی طرف التفات نہیں فرمایا تو اس کے جواب تمسک بالالفاظ کا وہی
حاصل ہوا کہ اپنے عنوان سے کام لیا۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ قاعدہ۔ گو ماخذ مولانا کی تقریر سے
ایک حدیث میں سمجھ میں آگیا۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ عالم ہونا بھی آسان فاضل ہونا بھی آسان

مگر محقق ہونا مشکل ہے ظاہر علوم کے متعلق بھی اور باطنی علوم کے متعلق بھی حضرت مولنا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور لطیف جواب سنا گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں ایک بار مولنا کی خدمت میں حاضر تھا مولنا اکثر افادہ کی غرض سے بہت دیر دیر تک کلام فرمایا کرتے تھے راوی کہتے ہیں مجھ کو شبہ ہوا کہ کتابوں میں تو لکھا ہے کہ زیادہ بولنا اچھا نہیں اور حضرت بہت بولتے ہیں اور حضرت مولنا سے یہ شبہ ظاہر بھی فرمایا حضرت مولنا نے فرمایا کہ تقلیل کلام فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ فضول کلام نہ ہو۔ مگر مبتدی کو جو تقلیل کلام کی تعلیم کی جاتی ہے وہ اس لئے کہ فضول کلام سے بھی رک نہیں سکتا جب تک اس کو ضد کامل پر نہ لایا جاوے یعنی ترک کلام پر یا ایسی تقلیل پر جو قریب ترک کلام کے ہو اور اس پر ایک عجیب مثال فرمائی کہ دیکھو کاغذ کو جب موڑ کر رکھتے ہیں اور پھر سیدھا کرنا چاہتے ہیں تو سیدھا کرنے کیلئے الٹی طرف اتنا ہی موڑتے ہیں اسکے وہ اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے اگر پہلے ہی سیدھا کر کے چھوڑ دیں وہ مڑ جاویگا یہ ہے محقق ہونے کی بات پھر اس تذکرہ سے محظوظ ہو کر فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ شراب میں نشہ ہوتا ہے مگر اتنا نہیں ہوتا جتنا اپنے بزرگوں کے تذکرہ میں ہوتا ہے کیونکہ وہ دیر پا نہیں اور یہ عمر بھر نہیں اترتا۔

ملفوظ ۲۳۰ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صوفی ملے اموال کی مذمت اولاد کی مذمت کرنے لگے اور استدلال میں یہ آیت پڑھی انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ میں نے کہا کہ فتنہ کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے جو آپ کا ہے کہ یہ چیزیں ہر حال میں مضر ہیں دوسرے اس سے پہلے قرآن میں یہ بھی تو ہے ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم تو بیوی کو علی الاطلاق مذموم کیوں نہیں سمجھتے حسین ہی کیوں تلاش کیجاتی ہے جیسی بھی مل جائے اندھی ہو یا کانی ہو یا چڑیل چیچک منہ داغ ہو اس پر راضی رہنا چاہیے یہ غیر محقق لوگ ایسی باتیں لئے پھرتے ہیں محقق کا تو یہ مشرب ہے کہ خدا تعالیٰ کے نعمتوں کی قدر کرتے ہیں اور اذن شرعی کے بعد اس سے استغناء و اعراض نہیں کرتے جہاں رغبت کا حکم ہو اس پر عمل کرتے ہیں۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں　　٭　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

بات یہ ہے کہ نعمت ملنے کے وقت کسی کی نظر نعمت پر ہے اور کسی کی منعم پر اور غیر محقق اس فرق کو نہیں سمجھتا اس لئے وہ نعمت سے استغناء ظاہر کرتا ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ عارف کو ان دنیوی نعمتوں میں جنت کی نعمتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے اس لئے اس کی رغبت کرتے ہیں فقہاء کے ایک فتوے سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ شریعت نے مردوں کیلئے

چار انگل حریر کو جائز رکھا ہے اس میں فقہاء نے یہی حکمت بیان کی ہے کہ وہ حریر جنت کا نمونہ ہو جاوے یعنی تاکہ وہ داعی ہو طلب ثمار جنت کیطرف اور اس سے اسکے اسباب تحصیل یعنی اعمال صالحہ کا اہتمام پیدا ہو۔

ملفوظ ۲۲۳:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے پاس اعمال وغیرہ کا تو کچھ ذخیرہ نہیں صرف بزرگوں کی دعاء اور محبت ہی ہے میں جب حضرت مولٰنا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاتا تو فرماتے کہ جب تو آتا ہے دل زندہ ہو جاتا ہے یا تازہ ہو جاتا ہے ان میں سے ایک لفظ تھا اپنے بزرگوں کا محبت کرنا خوش رہنا خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کا ہر شخص کو اہتمام رکھنا چاہئے

ملفوظ ۲۲۴:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگوں کے کلام میں ایک خاص شوکت ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی شان تو بہت رفیع ہے مگر ان حضرات اہل اللہ کے کلام میں بھی ایک عجیب کیفیت ہوتی ہے جو کسی اور کے کلام میں نہیں ہوتی چنانچہ خود ان کے کلام کے رنگ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے کبھی پالیسی وغیرہ سے کام نہیں لیا یہی وجہ ہے کہ اس کا بہت جلد اثر ہوتا ہے۔ اب نقال لوگ چاہتے ہیں کہ نرے لیکچروں اور وعظوں سے مسلمانوں کی حالت سنبھال لیں یہ کیسے ممکن ہے بدون خلوص اور عمل کے کلام میں برکت اور اثر کا ہونا عادۃً محال ہے بدون اخلاص اور قول کو عملی جامہ پہنائے کچھ نہیں ہو سکتا سو اسکی طرف کسی کو بھی التفات نہیں محض زبانی عمل درآمد ہو رہا ہے بلکہ الفاظ بھی ان کے پاس کہاں رٹے ہی ہیں بس ان کو ہی رٹتے رہتے ہیں معنی سے وہ بھی عاری الفاظ پر ایک واقعہ یاد آیا۔ اتفاق سے ایک مولوی صاحب کی ملاقات ایک انگریز سے ہوئی اس انگریز نے کہا گنگ۔ مولوی صاحب نے کہا سنگ قافیہ ملا دیا جن صاحب کی معرفت اس انگریز نے ملاقات کی کوشش کی تھی ان مولوی صاحب نے کہا کہ کیا واہیات آدمی سے ملاقات کرائی جس نے ایک لغو حرکت کی انہوں نے کہا کہ وہ تو آپ کی تعریف کرتا تھا کہ مولوی صاحب بہت بڑا عالم ہے ہمنے پوچھا تھا کہ گنگ دریا کہاں سے نکلا ہے اس نے کہا کہ پہاڑوں سے سنگ کے یہ معنی سمجھا بس اسی رنگ کے ان لوگوں کے علوم ہیں جن پر ان کو ناز ہے پھر اس پر دعویٰ قرآن و حدیث کے سمجھنے کا۔ حضرت انبیاء علیہم السلام میں اصالۃً اور ان کے ورثہ میں وراثۃً یہی بات تو تھی کہ علم بھی کامل تھا اور عمل بھی اور پھر اس پر ہر کام اللہ کے واسطے ہوتا تھا۔ خلوص سے ہوتا تھا تو یہ چیزیں اپنے اندر پیدا کرو۔

ملفوظ ۲۲۵:- ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ عین غلطی پر تنبیہ اور مواخذہ

کرنے کی حالت میں بھی مجھ پر خود ایک خوف کا غلبہ ہوتا ہے کہ میرے افعال بھی تو سب قابل مواخذہ کے ہیں اسی لئے جہاں کسی نے طریقہ کے موافق معذرت کی فوراً نرم ہو جاتا ہوں اسلئے کہ مجھ کو بھی تو خوف ہے کہ کہیں حق تعالیٰ اسی طرح مجھ سے مواخذہ فرمائیں اور معذرت بھی قبول نہ ہو تو پھر میں ہی کیا جواب دے سکتا ہوں اور مواخذہ کا جو ظاہری کچھ اثر رہتا بھی ہے وہ بھی مخاطب ہی کی مصلحت اور خیر خواہی سے اور اگر تعلق نہ ہوتا تو اس کو تجویز اور تدبیر کیوں بتاتا اور اصلاح کیوں کرتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مواخذہ کے وقت لہجہ تیز ہو جاتا ہے سو یہ میری فطری بات ہے مگر آج کل صرف نرمی سے بولنے کو اخلاق سمجھتے ہیں چاہے اس کا حاصل کتنی ہی ایذار کی بات ہو مگر ہو نرم ہمارے ضلع کے کلکٹر کی حکایت ہے کہ معتوب کیلئے اردلی کو بہت نرمی اور تہذیب سے حکم دیتا کہ آپ کا کان پکڑ کر باہر نکال دو لہجہ نہایت نرمی کا ہوتا تھا سو وہ خلیق مشہور تھا۔ کیا خرافات ہے یہ تو اور بھی زیادہ تکلیف دہ بات ہے کہ بات تو نرم اور سزا سخت سو مجھ میں اس قسم کے اخلاق مروجہ نہیں نہ مجھ کو یہ پسند سو اگر کسی کو میرا یہ طرز ناپسند ہو وہ نہ آئے ہیں ایسے ہی موقع پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی ٭ جسکو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

ملفوظ ۲۳۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ صوفیہ کے جو علوم کشفیہ ہیں وہ ان احکام کے سامنے جو بذریعہ وحی کے پہونچے ہیں کوئی حقیقت نہیں رکھتے ان احکام کو چھوڑ کر کشفیات میں خوض کرنا نہایت مضر ہے مثلاً وحدۃ الوجود ہی کا مسئلہ ہے یا ایسے ہی مسائل ہیں بلا ضرورت ان کی تقریر کرنا خصوص عوام کے سامنے سخت مضر ہے اسی کو فرماتے ہیں ۔ ؎

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند ٭ از سخنہا عالمے را سوختند

ان کو تو جس حالت ابہام پر ہیں ایسے ہی رہنے دینا چاہئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے ابھموا ما ابھم اللہ تعالیٰ یعنی جس چیز کو خدا نے مبہم رکھا ہے تم بھی مبہم رکھو بڑی حکمت کی بات ارشاد فرمائی مگر اس کے برعکس آج کل ان مسائل میں بڑے غلو سے کام لیا جا رہا ہے

ملفوظ ۲۳۶ ایک مولوی صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جب سوال کرنا بھی نہیں آتا تو بولے ہی کیوں تھے اور کیا میرے پاس آپ یہاں پر مسائل فقہی کی تحقیقات کیلئے تشریف لائے ہیں کیا اس کام کیلئے مدرسہ دیوبند اور مدرسہ سہارنپور آپ کے نزدیک - - - - - ناکافی ہیں جو اس کے لیئے یہاں آنے کی ضرورت ہوئی۔ - - - - - - - -
آپ نے خواہ مخواہ بول کر ایذا پہونچا دی جب بولنے کا سلیقہ نہیں۔ معلوم نہیں آپ لوگوں کو کیا ہو گیا

آخر فہم کیا ہوا اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ نری کتابیں پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کسی کی جوتیاں سیدھی نہ کی ہوں۔ عرض کیا یہ میں معافی چاہتا ہوں اور آئندہ ایسی بات سے احتیاط رکھونگا فرمایا معاف ہے آئندہ ضرور ایسی باتوں کا خیال رہے اور اسوقت سے جب تک آپ کا قیام ہے ہرگز مجلس میں بیٹھ کر نہ بولیں نہ کسی قسم کا سوال کریں خاموش رہیں اگر آپ اپنا کچھ نفع چاہتے ہیں۔ زیادہ تحقیق کرنے والے اکثر محروم رہتے ہیں حاصل صرف ان کو ہوتا ہے جو اپنے کو مٹا کر رہتے ہیں۔

۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۲۳۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو فعل سبب ہو معصیت سے بچنے کا اس پر بھی اجر ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی سے ہمبستر ہوتا ہے اس کو ثواب ملتا ہے عرض کیا گیا کیا رسول اللہ اس میں ثواب کی کیا بات ہے فرمایا کہ اگر برے کام میں لگتا تو گناہ ہوتا اب برے کام سے بچا تو ثواب ملے گا مگر عوام ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے۔

ملفوظ ۲۴۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ذہانت بھی عجیب چیز ہے توضیح (ایک کتاب کا نام) میں حکایت لکھی ہے کہ بازار میں ایک لونڈی نہایت حسین بک رہی تھی ایک طالب علم دیکھکر فریفتہ ہوگئے مگر کریں کیا پلے کچھ نہیں تھا اور قیمت بہت علاوہ ترکیب یہ کی کہ ایک رئیس دوست سے گھوڑا جوڑا لیکر سوار ہوکر پانچ چار شاگردوں کو ساتھ لیکر رئیسانہ ٹھاٹ سے سوداگر کی دوکان پر پہونچے اور اس لونڈی کو خرید کر اسی مجلس میں آزاد کر کے نکاح کر لیا اور لیکر چلدیئے بڑے آدمی سے کون کہہ سکتا ہے کہ پہلے قیمت دیدو تب بیع کرونگا۔ اب صرف روپیہ قرض رہا جب ہوگا ادا کردیں گے عجیب ترکیب کی۔
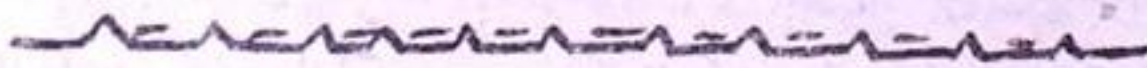
صفحہ ۸۰ کا۔ ۔ وہ لوگ بڑے ہی ظالم ہیں جنہوں نے آنکھیں بند کرکے باتیں کیں جس سے ایک عالم میں آگ لگادی ۱۲

۳۰ / ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۲۴۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے مسلمان نہایت ہی قوی الایمان اور شجاع ہوتے تھے محمد بن قاسم نے جس وقت ہندوستان پر چڑھائی کی کم و بیش غالباً کل چھ ہزار کے قریب آدمی تھے اور ان کی عمر اس وقت سترہ برس کی تھی اور بڑے بڑے بوڑھے تجربہ کار لوگ لشکر میں ہمراہ تھے مگر سب ان کی اطاعت کرتے تھے اور اس وقت ہندوستان میں کفر ہی کفر تھا ہر چہار طرف رجواڑے بھرے پڑے تھے مگر فتح پر فتح ہوتی رہی اور قلعہ پر قلعہ قبضہ میں آتے رہے پھر ان کو نہ کوئی کافی رسد پہونچا سکتا تھا نہ کمک پہنچ سکتی تھی اللہ اکبر کیسے متوکل لوگ تھے کہ کچھ پرواہ ہی نہ تھی سوائے ایک ذات پاک کے اور کسی پر نظر نہ تھی بڑے ہی قوی الایمان لوگ تھے اگر ایسے لوگ نہ ہوتے تو آج جو کچھ ہندوستان میں شعائر اسلام اور احکام اسلام کی پیروی کرنے والے ہیں یہ کہاں نظر آتے یہ سب ان حضرات کی خلوص نیت کے ثمرات ہیں اور اس کے برعکس ایک آج کل کام کرنے والے پیدا ہوئے ہیں۔ جن کے قلوب اغراض سے پر ہیں جاہ عزت کے دلدادہ حکومت اور دولت کے طالب دین و اسلام کے دشمن یعنی دوست نما دشمن ملک ایسوں ہی کی بدولت مصائب کا شکار بنا ہوا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی کشتی کے ناخدا بنے ہوئے ہیں ان کی باگ ان کی ہاتھ میں ہے ہزاروں مسلمانوں کے ایمان برباد کرا دیئے۔ طواغیت (شیاطین) مشرکین دشمنان اسلام و دشمنان توحید اور رسالت کو مسلمانوں کا ہمدرد اور خیر خواہ بتایا ان کی ہر بات کو جوان کے منہ سے نکلی قرآن و حدیث سے ثابت کرنیکی کوشش کی اس حماقت اور بدفہمی کی کوئی انتہا ہے۔ ان اعداء اسلام کے مکر و فریب سے جنہوں نے مسلمانوں کو بچانیکی کوشش کی اور آگاہ کیا ان پر قسم قسم کے الزامات اور بہتان باندھے گئے آخر جب ان میں سے بعض کی ساتھ رہکر اور اس کے جذبات دیکھے تو معلوم ہوا کہ واقعی یہ اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے مگر اس وقت جب کہ ہزاروں مسلمانوں کی جان و ایمان تباہ اور برباد کرا چکے تب اس کا ساتھ چھوڑا اور اس پر بھی اب تک بعض بدفہم مسلمان اسکو اسلام اور مسلمانوں کا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ رہے ہیں کیا ٹھکانا ہے اس غباوت کا۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ وہ چالاک اور مکار ہے عقل سے اس کو واسطہ نہیں۔

عاقل اگر ہوتا تو پہلے آخرت کی فکر کرتا - دیکھئے قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ
یعنی عورتوں کے مکر کو عظیم فرمایا اور حدیث میں ہے کہ عورتیں ناقص العقل ہیں تو معلوم ہوا کہ مکر اور چیز
ہے - اور عقل اور چیز ہے ایسے شخص کا بس نہیں چلتا اگر بس ہو نعوذ باللہ تو ایسا شخص تو مسلمانوں کے بچہ بچہ کو ذبح کرادے
اور جو کچھ اس وقت تک واقعات مسلمانوں کو پیش آئے یہ سب ایسوں ہی کی سازش اور تنظیم کا
نتیجہ ہے - اب اگر کوئی سنے اور نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج - افسوس تو مسلمانوں کی حالت پر ہے
کہ ان لوگوں کو اپنے دوست اور دشمن کی پہچان نہیں - بد نیت بد دین بد اخلاق لوگوں کے اتباع میں
فلاح ڈھونڈ ھتے ہو - اے مسلمانوں یاد رکھوں تمہاری فلاح اور بہبودی صرف حق تعالیٰ کے اتباع
اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے کیوں در بدر گداگری کرتے پھرتے ہو
تمہارے گھر میں خود خزانہ مدفون ہے تم کو خبر نہیں - تمہاری مثال اس بچے کی سی ہے کہ جس کے نام
سے بنک میں ایک لاکھ روپیہ جمع ہے مگر اس کو معلوم نہیں - تمہارے پاس ایک اتنی بڑی دولت ہے
کہ تمام عالم کے غیر مسلم اگرچہ وہ ہفت اقلیم کی سلطنت اور خزائن کے بھی مالک ہوں مگر اس دولت
کی گرد کو نہیں پہونچ سکتے جس سے تم کو خداوند جل جلالہٗ نے نوازا ہے وہ دولت دولت ایمان ہے
اس کی قدر کرو اس کی قوت کے جو ذرائع اور نسخے ہیں ان کو اختیار اور استعمال کرو اور وہ اعمال
صالحہ ہیں پھر دیکھو چند روز میں کیا سے کیا ہوتا ہے اور اعتقاد سے نہ سہی بطور امتحان ہی کر کے دیکھ لو
اسی کو فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش ⁂ آزموں را یک زمانے خاک باش

پھر خاک ہو جانے کے بعد تو یہ حالت ہوگی ؎

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ ⁂ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

ملفوظ ۲۴۴ - ایک دیہاتی شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے لڑکے کو فلاں مرض ہے اور اس کی یہ حالت
ہے حضرت ایک تعویذ دیدیں فرمایا کہ طبیب سے علاج کراؤ یہ تعویذ گنڈوں کا کام نہیں پھر حاضرین سے فرمایا
کہ ان دیہاتیوں میں عام ایک خاص مرض ہے کہ ہر مرض کو تو یہ اوپرا اثر (یعنی آسیب) سمجھتے ہیں اور بجز تعویذ
گنڈوں کے اور کوئی علاج نہیں کرتے - اب بعض اہل الرائے کے خیال میں تو یہ رائے ہے کہ کچھ پڑھ

۱؎ برسوں تک تو سخت قسم کا پتھر بنا رہا - آزمائش کیلئے چند روز کے لئے خاک بن جا ۲؎ موسم بہار میں
پتھر کب سر سبز ہوتا ہے خاک ہو جا تا کہ رنگ برنگ کے پھول کھلیں ۱۲

دیا ہوتا کوئی تعویذ گنڈا اپنا دیا ہوتا اس کی تسلی ہو جاتی مگر لوگ ایک پہلو کو دیکھتے ہیں دوسرے پہلو کو نہیں دیکھتے وہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ شخص اس کی وجہ سے اصل علاج سے بے فکر ہو جائیگا اگر واقع میں مرض ہی ہوا تو وہ بڑھ جائیگا اور میری اس تنبیہ سے کہ یہ مرض ہے دوسرے عامل کو بھی تلاش نہ کریگا اور اصل علاج کی طرف متوجہ ہو جائیگا۔

ملفوظ ۲۴۴: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مکان سے میت کا جنازہ اٹھانے سے قبل مکان ہی پر ایصال ثواب کیلئے کچھ تقسیم کر دیا جائے تو کیسا ہے فرمایا بہت مناسب ہے۔ عرض کیا کہ ہمارے یہاں رسم ہے کہ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر کچھ تقسیم کرتے ہیں اور نماز جنازہ ایک خاص مقام پر ہوتی ہے وہاں تقسیم کرتے ہیں فرمایا وہاں تقسیم کرنا اکثر زیادہ تفاخر کی نیت سے ہوتا ہے اس لیے مکان ہی پر کرنا مناسب ہے اور وہ بھی مناسب حاجتمندوں کو پہنچا دیا جائے اس کے بعد فرمایا کہ بعض بدعت اور سنت میں فرق کرنا نہایت ہی مشکل ہے۔ خصوص عوام کو اور یہی وجہ ہے کہ بدعت میں لوگوں کو زیادہ ابتلا ہو گیا ہے اور بعض دفعہ سنت غیر مقصودہ اور مقصودہ میں خلط ہو جاتا ہے ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھنا پڑے مبصر کا کام ہے ایک بزرگ نے حدیث میں دیکھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ جو کی روٹی بے چھانے آٹے کی کھاتے تھے اپنے مریدین سے فرمایا کہ آج سے ہم سنت کے موافق آٹے کی روٹی پکوا کر کھایا کریں گے بدون چھانے آٹا کو گوندھ کر پکاؤ چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر روٹی کھا کر سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ ان بزرگ سے عرض کیا گیا فرمایا کہ چونکہ ہم نے عملاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ مساوات کا دعویٰ کیا اس لیے یہ بات ہوئی اب سے حسب عادۃ چھانا کرو دیکھئے اہل اللہ کے ادب کی یہ حالت ہے کہ سنت مقصودہ و غیر مقصودہ میں امتیاز بھی فرما دیا اور اس فرق میں بھی کیا ادب کا عنوان اختیار فرمایا میں اس لیے کہتا ہوں کہ سنت پر عمل اور امتیاز پھر اس کی ساتھ ادب و حفظ حدود سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ خواص بھی سب فرق نہیں کر سکتے اور عوام تو کیا فرق کر سکتے۔

ملفوظ ۲۴۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ادب حقیقی جس کو اصل ادب کہتے ہیں وہ اہل اللہ کو میسر ہے اور لوگ تو صرف زبانی جمع خرچ رکھتے ہیں اور ادب کی حقیقت سے محض بے خبر اور نا آشنا ہیں اس پر ایک قصہ بیان فرمایا حضرت شاہ ابو المعالیؒ کے یہاں ان کے پیر شیخ محمد صادق صاحب محبوب الٰہی مہمان ہوئے شاہ صاحب موجود نہ تھے ان کی بیوی نے کچھ کھانے کا انتظام کرنا چاہا مگر گھر میں کچھ نہ تھا اور اس روز گھر میں فاقہ تھا ان بیچاری نے محلہ میں پڑوس میں کسی کو بھیجا کہ کہیں سے کچھ مل جاوے وہ خادم کئی بار آیا گیا شیخ نے اس آدمی سے دریافت کیا کہ تم بار بار کہاں آتے

جاتے ہو جو بات تھی اس نے کہدی شاہ صاحب نے ایک روپیہ دیا کہ اس کے گندم منگا لو چنانچہ گندم لائے گئے۔ آپ نے گھر میں سے ایک مٹکی منگا کر اس میں گندم بھر کر اور ایک تعویذ لکھکر اس میں رکھدیا اور فرمایا کہ جس قدر ضرورت ہوا کرے اس میں سے نکال لیا کرو اور کبھی مٹکی کو توڑنا مت اور نہ اس میں سے تعویذ نکالنا یہ فرما کر خود چلدیئے گھر میں کھانے پکانے کی رونق ہو گئی وہیں پانچ روز کے بعد شاہ ابوالمعالی صاحب مکان پر تشریف لائے دیکھا کہ گھر میں رونق ہو رہی ہے وجہ دریافت کی۔ بیوی نے کہا کہ حضرت شیخ آئے تھے وہ ایک روپیہ کے گندم ایک مٹکی میں بھر کر اور ایک تعویذ لکھ کر اس میں رکھ گئے ہیں اس سے یہ سب کام چل رہے ہیں اب شاہ صاحب کو خیال ہوا کہ تعویذ رہتا ہے تو توکل کے خلاف اور اگر نہیں رکھتا تو شیخ کے عطیہ سے اعراض۔ فرمایا کہ حضرت کے اس تبرک یعنی تعویذ کو ہم مستحق ہیں یہ مٹکی اور مکان اس کے مستحق نہیں یہ کہہ کر اور مٹکی منگا اس کو توڑ کر تعویذ تو ٹوپی میں رکھ لیا اور اناج خیرات کر دیا۔ دیکھئے توکل اور شیخ کے تبرک دونوں کے ادب کو کس طرح جمع کیا واقعی اہل اللہ ادب کے پتلے ہیں۔ پھر ادب کی تفسیر کی کہ ادب کہتے ہیں۔ رعایت حقوق کو۔ مگر آج کل ادب تعظیم و تکریم کو اور سامنے نہ بولنے کو اور نیچی گردن کر کے اوپر نہ اٹھانے کو اور پچھلے پیر دل ہٹنے کو ادب سمجھتے ہیں جو سب ڈھونگ ہے اصل چیز خلوص اور فکر ہے ان سے سب کام ٹھیک ہو جاتا ہے مگر آج کل یہی دونوں چیزیں لوگوں میں مفقود ہیں۔ ادب اور خلوص پر ایک اور واقعہ یاد آگیا دیوبند میں ایک صاحب تھے دیوانجی اللہ دیا۔ انہوں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی حضرت مولانا نے فرمایا کہ گنگوہ جا کر حضرت مولانا سے بیعت ہو جاؤ عرض کیا بہت اچھا۔ گنگوہ پہنچے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو کر دیوبند آگئے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پھر بیعت کی درخواست کی مولانا نے فرمایا کہ میں نے تو تم سے کہا تھا کہ گنگوہ جا کر مولانا سے بیعت ہو جاؤ عرض کیا کہ میں بیعت ہو آیا اور جہاں جہاں آپ فرمائیں گے وہاں جا کر بیعت ہو آؤنگا مگر دل سے بیعت ہونگا آپ ہی سے کیا ٹھکانا ہے اس تعلق اور محبت کا آخر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرما لیا دیکھئے کیا لطیف ادب اور اطاعت ہے۔

ایک اور واقعہ یاد آگیا بلگرام کے ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے مرید جو شاگرد بھی تھے حاضر ہوئے دیکھا کہ شیخ کا چہرہ مضمحل ہے قرینہ سے معلوم ہوا کہ کئی وقت کا فاقہ ہے اٹھ کر چلے گئے مکان پر گئے اور بہت سا کھانا اور کچھ نقد خوانیں لگا کر لئے گئے اور پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ تمہارا ہدیہ ایسے وقت میں آیا ہے کہ مجھ کو اسکی حاجت ہے مگر اس وقت لینا سنت کے خلاف ہے اس لئے کہ حدیث میں یہ تھا کہ

ما اتاک من غیر اشراف نفس فخذہ۔ اور یہاں یہ شرط نہیں پائی گئی کیونکہ جس وقت تم اٹھ کر گئے مجھے احتمال ہوا کہ شاید کچھ لینے جا رہے ہو اور اس احتمال کی وجہ سے مجھ کو انتظار رہا تو ہدیہ ایسے وقت میں آیا اس لئے میں نہیں لے سکتا مرید نے عرض کیا بہت اچھا حضرت جیسے خوشی ہو یہ کہہ اور ہدیہ اٹھا اور لیکر چلدیئے لوگوں نے بڑے دانت پیسے کہ یہ کیسا ہدیہ لایا کچھ بھی تو اصرار نہیں کیا کہتے ہی لیکر چلدیا مگر جب نظر سے اوجھل ہو گیا تو پھر لیکر آ گیا کہ لیجئے حضرت اب تو انتظار نہ رہا تھا اب قبول فرما لیجئے اب بتلایئے دوسرا ایسا کر سکتا ہے ہرگز نہیں کر سکتا جن کے قلب میں ادب اور اطاعت کا نور ہو وہی کر سکتے ہیں بس یہ ہے حقیقی ادب۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ بادشاہوں کا ادب آسان ہے اور اہل اللہ کا ادب مشکل ہے۔

ایک شخص شاعر جونپور کے یہاں آئے تھے انہوں نے یہاں سے جا کر ایک رسالہ بطور سفرنامہ کے لکھا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ جو تہذیب ہم نے ساری عمر کی کوشش میں حاصل کی تھی وہ وہاں جا کر بدتہذیبی ثابت ہوئی۔

ملفوظ ۲۴۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عارفین کا مذاق ہی جدا ہوتا ہے وہ مذاق غیر عارف کی سمجھ میں ہی آنا مشکل ہے یہ حضرات نہ فقر کو چھپا دیں نہ غنا کو چھپا دیں نہ عبادت کو چھپا دیں غیر عارف کے نزدیک تو عبادت کا ظاہر کرنا ریاء ہے اور عارفین کے نزدیک قصداً اخفاء عبادت ریاء ہے کیونکہ اگر سب ماسوا نظر سے غائب ہوتے تو یہ بات ہی کیوں قلب میں پیدا ہوتی کہ کوئی دیکھ نہ لے ان سے اخفاء کرنا چاہئے یہ نظر تو غیر اللہ پر ہوتی۔ سو عارف کی نظر میں سب ایسے ہوتے ہیں جیسے مسجد کے لوٹے چٹائی وغیرہ کہ ان کے سامنے نہ اظہار عبادت کا کوئی قصد کرتا ہے نہ اخفاء کا۔

ملفوظ ۲۴۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس راہ میں ہزاروں رہزن اور ڈاکو مخلوق خدا کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں انہوں نے جہل کے سبب تصوف کو ایسی بھیانک صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ بجائے رغبت کے اس سے نفرت پیدا ہو گئی مگر الحمد للہ اس وقت طریق بے غبار ہو گیا ہے اور ان مکاروں کی دکانداریاں پھیکی پڑ گئیں اب ان کے پھندوں میں جاہلوں کا آنا بھی آسان نہیں اور یہ سب برکت اس صفائی کی ہے جس کو لوگ تشدد سمجھتے ہیں اگر یہ تشدد ہی ہو تب بھی چودھویں صدی میں ایسے ہی پیر کی ضرورت تھی جیسا کہ میں ہوں لٹھ۔

یکم ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ ۲۴۵:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تمسخر سے کسی شخص کی کسی ہیئت یا حالت کا نقل کرنا اس سے مقصود اس کی تحقیر ہوتی ہے عند اللہ بڑی بات ہے ایسی حرکت سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے ایسا کرنے کا سبب خدا سے بےخوف ہونا ہے میں نے ایسے بھی بہت لوگ دیکھے ہیں کہ کسی کے ہکلانے کی نقل کی اور خود ہکلے ہو گئے بڑے خوف کی بات ہے۔

ملفوظ ۲۴۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ روزی کا مدار عقل پر نہیں ہے محض عطا حق ہے ایسے لاکھوں ہزاروں ہیں کہ دے بیوقوف ہیں مگر ان کو رزق عقل والوں سے ہزاروں درجہ زائد مل رہا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ۔ اس کا ملنا غیر اختیاری ہے اختیار میں نہیں بعض لوگ ساری عمر حالت افلاس میں گذار جاتے ہیں اگر کسی کو وسعت رزق میسر ہو جائے بڑی دولت ہے بڑی نعمت ہے قدر کرنا چاہیے اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ کفران نعمت نہ ہو جائے۔

ملفوظ ۲۴۷:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ مشہور ہے کہ بزرگوں کے پاس خالی جاوے خالی آوے فرمایا کہ بات تو ٹھیک ہے مگر اس کے معنی یہ تھے کہ خالی جاوے خلوص سے اور خالی آوے فیوض سے اب خلوص کی جگہ لوگوں نے فلوس کر لیا کہ خالی جاوے فلوس سے اور خالی آوے فیوض سے یہ دکانداری کی باتیں ہیں ان کھانے کمانے والوں کی بھی عجیب باتیں ہیں۔ ہر چیز میں اپنے مطلب کی بات نکالتے ہیں اور ہر چیز میں تصرف کرتے ہیں اپنی ہی محبوب چیز کو اس میں ٹھونس دیا۔ وہی مثال صادق آتی ہے کہ کسی نے کسی بھوکے سے پوچھا تھا کہ ایک اور ایک کیا ہوا اس نے کہا کہ دو روٹیاں۔

ملفوظ ۲۴۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگ انگریزی کے بہت دلدادہ تھے اور سمجھتے تھے کہ بدون انگریزی حاصل کئے روٹیاں ملنا مشکل ہے اب ہزاروں لاکھوں بی۔ اے ایف۔ اے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں کوئی دھیلے کو بھی نہیں پوچھتا۔ اکثر انگریزی خوانوں کے

میرے پاس خطوط آتے ہیں جن میں پریشانیاں لکھی ہوئی ہوتی ہیں علم دین اور علم دنیا کا اگر تقابل کیا جائے تب معلوم ہو کہ دنیا بھی دین ہی میں سہولت سے ملتی ہے دیکھئے علم دنیا کا تو نصاب خاص ہے اس کے قبل محض ناکارہ جس سے دنیا بھی نہیں ملتی اور علم دین کا کوئی نصاب نہیں وہ قلیل بھی دنیا ملنے کیلئے کارآمد ہے دیکھئے ادنیٰ درجہ تعلیم دین کا اذان ہے جو پانچ منٹ میں یاد ہو سکتی ہے اور پھر ساری عمر خود اپنی اور اپنے کنبہ کی گذر کے لئے کافی ہے یہ شخص کسی گاؤں یا قصبہ میں جا پہونچے اور خالی مسجد میں وقت پر اذان دینا شروع کر دے کسی سے نہ کچھ کہے نہ سنے دو چار روز میں بستی والوں یا محلہ والوں کو خود رحم آئیگا کہ بھائی بیچارے نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں انھیں کو مسجد میں رکھ لو لیجئے ہو گیا تقرر اور اگر کچھ ان کو ذرا سی بھی عقل ہے تو سارا گاؤں اطاعت کرنے لگے گا اور کوئی کام بدون میاں جی سے پوچھے نہ کریں گے چلو اچھی خاصی حکومت بھی ہاتھ میں آ گئی۔

ملفوظ ۲۴۹: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں اس انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں اکثر تہذیب کا نام و نشان نہیں ہوتا اس تعلیم کا اثر ہی یہ ہے جبکہ اس کے ساتھ علم دین نہ ہو یا کسی اللہ والے کی صحبت میسر نہ ہوئی ہو ایک صاحب ولایت سے بیرسٹری پاس کر کے آئے تاریخ آمد سے اطلاع دی بعض احباب اسٹیشن پر پہونچے باپ بھی بیچارے پدری شفقت کے جوش میں اسٹیشن پہ پہونچ گئے جس وقت گاڑی اسٹیشن پر پہونچی اور صاحب بہادر گاڑی سے اترے تو باپ سے مصافحہ کر کہتا ہے کہ دل تمہارا تم اچھا ہے باپ نے اسی وقت گالیاں دیں اور واپس آگئے تہذیب کی یہ حالت ہوتی ہے جس پر نازاں ہیں کہ ہم مہذب ہیں۔ مہذب تو خاک نہیں معذب ہیں اور معذب بھی بہ کسر ذال کہ دوسروں کو تکلیف پہونچاتے ہیں۔

ملفوظ ۲۵۰: ایک صاحب نے ایک تحریری استفتاء پیش کیا حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ میں نے دیکھ لیا ہے اس کا جواب لکھ کر کس کو دوں عرض کیا کہ میں خود آکر لیجاؤنگا فرمایا کہ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ میں وقت متعین کر دوں کہ فلاں وقت لیجانا نہ معلوم کب فرصت ملے اور کب اس کا جواب لکھا جائے اور آپ جس وقت آدیں وہ تیار نہ ہو۔ میں اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہوں۔ بعض لوگ تو ایسی جرأت کرتے ہیں کہ زبانی سوال کر کے پھر فوراً سائل کو جواب دیتے ہیں۔ اس میں بعض اوقات یہ خرابی ہوتی ہے کہ سائل کے دل میں ایک بات ہوتی ہے مگر کافی الفاظ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس سے ادا نہیں ہو سکتی اور جواب ملگیا بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک

جز اور بھی تھا جس کو مسئلہ میں دخل تھا اور وہ اس وقت، اس کے دل میں تھا جو بعد میں ظاہر ہوا اور سوال میں اس جز کے نہ ہونیکی وجہ سے فتویٰ غلط ہو گیا مگر وہ سائل دوسروں کے سامنے سوال دوسری طرح نقل کرتا ہے جس سے وہ جواب اس پر منطبق نہیں ہوتا اس لئے میں نے یہ معمول کرلیا ہے کہ میں کہدیتا ہوں کہ لکھوا کر لاؤ تاکہ اگر کسی کو دکھلاوے تو وہ سوال موجود ہو جواب کو منطبق تو پاوے پھر جب وہ لکھوا کر لاتا ہے تو اس کے سامنے جواب نہیں لکھتا اس کی وجہ یہ ہے کہ قلب پر ایک تقاضا سا ہوتا ہے عجلت میں نہ معلوم کیا لکھا جاوے آج کل لوگ اس میں قطعاً احتیاط نہیں کرتے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے ان باتوں کیوجہ سے مجھ کو لوگ شکی اور وہمی کہتے ہیں اور بدنام کرتے ہیں ۔ یہ احتیاط کرنا کیا کوئی معصیت ہے جس پر بدنام کیا جاتا ہے بلکہ معصیت کا اندیشہ تو عجلت اور بد احتیاطی میں زیادہ ہے

ملفوظ ۲۵۱:- ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت ایک زمین میں مکان کی بنیاد کھودی گئی اس میں تین یا چار قبریں پرانی نکل آئیں اس صورت میں وہاں مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں فرمایا کہ جب بہت پرانی قبر ہو اجازت ہے مکان بنا سکتے ہیں مردوں سے نہیں ڈرنا چاہئے ۔ مردوں سے بھی بھلا ڈرا کرتے ہیں ۔

ملفوظ ۲۵۲:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اخلاق رذیلہ اپنی ذات سے مذموم نہیں برے محل میں صرف کرنا مذموم ہے مثلاً شہوت ہے غضب ہے کیا یہ اپنی ذات میں مذموم ہیں ہرگز نہیں بلکہ ان میں حکمت ہے جس کا ظہور محل میں صرف کرنے اور غیر محل سے روکنے پر ہوتا ہے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں ؎

شہوتِ دنیا مثال گلخن است ∴ کہ ازد حمام تقوی روشن است

بلکہ جس شخص کے اندر جس قدر شہوت قوی ہوتی ہے اس کے احتساب (قابو میں رکھنے) سے اتنا زیادہ نور پیدا ہوتا ہے اور ایسے شخص کے احتساب سے جس کے اندر شہوت کمزور ہے ویسا نور نہیں پیدا ہوتا کیونکہ قرب خداوندی افعال اختیاریہ سے حاصل ہوتا ہے تو اختیار کا استعمال جس قدر اشق (شاق) ہوگا اتنا ہی قرب زائد ہوگا اس لئے ان رذائل کے ازالہ کی ضرورت نہیں صرف امالہ کی ضرورت ہے کہ غیر محل سے پھیر کر محل میں صرف کرے ۔

ملفوظ ۲۵۳:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل محبت اہل اللہ کو میں قریب قریب فرض عین کہتا ہوں

؎ شہوت دنیا کی مثال بھٹی کے ہے کہ اس سے تقویٰ کا حمام گرم ہے ۔

کیونکہ یہ زمانہ بہت پرفتن ہے بدون اس کے ایمان کا محفوظ رہنا مشکل ہے اور جو چیز ہر شخص کیلئے ایمان کے محفوظ رہنے کی شرط ہو اس کے فرض عین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی کیا اعتراض کر سکتا ہے

ملفوظ ۲۵۵:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج ایک صاحب کا گنگوہ سے خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ یہ معلوم ہوا کہ آپ نے قصبہ جلال آباد سے جبہ والوں کو بلایا بوقت زیارت بے ہوش ہو کر گر گئے یہ کہاں تک صحیح ہے۔ فرمایا کہ یہاں پر ایک صاحب ہیں جبہ والوں کو انہوں نے بلایا اور مشہور یہ ہو گیا کہ میں نے بلایا میں تو تبرکات کے ایسے اہتمام کو پسند نہیں کرتا کہ دور دور سے بلا کر زیارت کیجاوے کہ یہ افراط ہے اسی طرح تفریط بھی پسند نہیں اسی واسطے میں نے ایک رسالہ جبہ کے متعلق لکھدیا ہے اس میں افراط و تفریط اور درجہ اعتدال کو صاف صاف ظاہر کر دیا ہے اور بوجہ اختلاف احوال کے ایک عجیب مثال سے اس کے درجہ احترام کو ظاہر کیا ہے وہ مثال یہ ہے کہ جیسے کسی کا سید ہونا مختلف فیہ ہو تو بعض کا بھی ادب کرتے ہیں مگر نافی سیادت پر نکیر نہیں کرتے اور مثبت پر اعتراض نہیں کرتے۔ نیز درجات احترام کے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ اول درجہ کے احترام کے قابل تو احکام ہیں ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجزاء مبارکہ ان کے بعد صحابہ کرام و اہل بیت۔ اور ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملبوس شریف تو ہر چیز کو اپنے اپنے درجہ پر رکھنا چاہئے اور اکثر کو اس حفظ حدود کا قائم رکھنا بڑا مشکل کام ہے اس حفظ حدود پر ایک واقعہ یاد آیا۔ جب حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب نے ہجرت کر کے تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا اس وقت ان کے ایک شاگرد اجمیر میں تھے ان کو لکھا کہ ہم عرب کو جا رہے ہیں اور اجمیر راستہ میں ہے اور خیال یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے مزار کی زیارت کرتے ہوئے جائیں۔ ان شاگرد نے لکھا کہ میں یہاں پر انسداد بدعت کیلئے دور دراز سے قبروں کی زیارت کیلئے سفر کرنے کو منع کرتا ہوں اگر آپ یہاں تشریف لائے تو میری تمام محنت برباد جائیگی اور انتظام شریعت سب درہم برہم ہو جائیگا لوگ یہی سمجھیں گے کہ آپ اسی ارادہ سے یہاں تشریف لا رہے ہیں اس لئے یہاں یہاں تشریف لانا مناسب نہیں حضرت شاہ صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا کہ جو کچھ تم لکھ رہے ہو بالکل ٹھیک ہے لیکن حضرت ہمارے مشائخ میں سے ہیں ہم سے صبر نہیں ہو سکتا کہ مزار راستہ میں ہو اور ہم زیارت نہ کریں باقی تم نے جو لکھا ہے وہ بھی ضروری قابل رعایت چیز ہے تو اس کا انتظام یہ ہو سکتا ہے کہ میں وہاں تو آؤں اور زیارت کروں اور تم اس بھی تاریخ میں اپنے وعظ کا اعلان کر دینا اور اس میں قبروں کی زیارت کیلئے سفر کرنیکی

مذمت کرنا اور میں مجمع عام میں اس بیان کی تصدیق کر دونگا اور کہہ دونگا کہ مجھ سے اس سفر میں غلطی ہوئی کیا ٹھکانا ہے اس بے نفسی اور اللہ اور رسول کے عشق کا - یہ حضرات ہیں جو اللہ اور رسول کے واسطے جان و مال و آبرو سب فدا کر دیتے ہیں کیسی خوبصورتی سے خواجہ صاحب کے عشق کو اور شریعت مقدسہ کی مصلحت اور انتظام کو جمع کر دیا ۔ کیا دوسرا ایسا کر سکتا تھا یہ فہم ان ہی حضرات کو عطاء ہوتا ہے یہ حضرات جامع ہوتے ہیں ۔ زاہد خشک اور اہل ظاہر ان چیزوں کو سمجھ نہیں سکتے بس اعتراض ہی کرنا جانتے ہیں اور ان کے پاس ہے ہی کیا سوائے اعتراضات کے اور یہ سب چیزیں کسی کامل کی جوتیاں سیدھی کرنے ہی سے نصیب ہو سکتی ہیں نری کتابوں کے پڑھنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا جب تک کسی کی صحبت میں نہ رہا ہو ۔

ملفوظ ۲۵۵: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراض کر دینا کون مشکل کام ہے لیکن ہمیشہ اہل باطل منہ ہی کی کھاتے رہے ہے ۔ ایک مولوی صاحب سے ایک شیعی نے کہا کہ جتنے نئے فرقے مرزائی چکڑالوی وغیرہ نکلتے ہیں یہ سب سنیوں ہی میں نکلتے ہیں اور شیعوں میں سے کوئی فرقہ بھی نکلتے نہیں سنا مولوی صاحب نے کہا کہ جو آپ نے فرمایا بالکل صحیح ہے مگر اس کی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ یہ تو آپ تسلیم کریں گے کہ شیطان اپنا وقت بیکار تو کرتا نہیں ہمیشہ گمراہ کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے شیعی نے کہا کہ ہاں یہ سچی بات ہے ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ جب یہ تسلیم ہے تو اب سنئے کہ شیعوں کو تو انتہار مرکز گمراہی پر پہونچا کر بے فکر ہو گیا آگے کوئی درجہ گمراہی کا رہا ہی نہیں اور سنیوں کو حق پر سمجھتا ہے اس لئے ہمارے ہی پیچھے پڑا رہتا ہے اس شیعی سے کوئی جواب نہ بن پڑا - ان مولوی صاحب کو شیعوں سے بیحد نفرت ہے اس قدر کہ بعض جگہ غلو کی صورت بھی ہو جاتی ہے ۔ ایک روز کہنے لگے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ دنیا کے واسطے لڑے تھے ۔ میں نے کہا کہ یہ غلط ہے وہ حضرات دنیا کے طالب ہرگز نہ تھے بہت سے بہت یوں کہہ سکتے ہو کہ سلطنت کیلئے لڑے تھے مگر اس سلطنت کی طلب کیوں کی محض ابقاء شریعت اور حفاظت دین کے لئے کیونکہ ہر سلطنت تو دنیا نہیں آیت الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ الخ اس کی واضح دلیل ہے اسی سلسلہ سلطنت اور شہادت میں فرمایا کہ اودھ کی سلطنت کی تباہی اسی روز شروع ہوئی جس روز مولوی امیر علی صاحب شہید ہوئے ہیں ان کے مقابلہ میں اودھ کی سلطنت کا لشکر بھی تھا سنا ہے کہ جس روز ان کی شہادت ہوئی کسی نے بطور تفاؤل کے دیوان حافظ دیکھا یہ شعر نکلا ۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را ٭ چندان اماں نداد کہ شب را سحر کند

اس کے بعد جب پارلیمنٹ میں اودھ کی سلطنت کے انتزاع کا مشورہ ہوا وہ علی وہی تاریخ شہادت کی تھی اللہ والوں سے جنگ کرنا حقیقت میں خدا سے جنگ کرنا ہے ان کو اکیلا نہیں سمجھنا چاہئے انکے ساتھ بڑی زبردست قوت ہوتی ہے حضرت مرزا صاحب کو بھی شیعوں نے ہی شہید کیا ہے سنا ہے کہ جس روز مرزا صاحب شہید ہوئے ہیں اس روز صبح ہی سے یہ شعر زبان سے بار بار جاری ہوتا تھا ؂

سر جدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود ؎۱ ⁂ قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

ملفوظ ۲۵۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق ہے دوسرے مذاہب کے پیشوا بھی اس کے معترف ہیں۔ ایک پادری نے لکھا ہے کہ جس قدر عشق مسلمانوں کو اپنے پیغمبر سے ہے کسی دوسرے مذہبی شخص کو اپنے مقتداؤں سے نہیں اور جس قدر اپنی مذہبی کتاب یعنی قرآن کا عشق اور احترام مسلمانوں کو ہے کسی عیسائی کو انجیل کا نہیں اور یہی ادب بڑی چیز ہے اور بے ادبی نہایت ہی بُری چیز ہے۔ بے ادب ہمیشہ محروم رہتا ہے اسی کو فرماتے ہیں ؂

از خدا جوئیم توفیق ادب ؎۲ ⁂ بے ادب محروم گشت از فضل رب

ملفوظ ۲۵۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام خصوص خلفاء راشدین کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنا عند اللہ نہایت مبغوض ہے اور مردود فعل ہے گستاخ اور بے ادب کبھی مقصود تک راہ نہیں پا سکتا کبھی صورت تک مسخ ہو جاتی ہے بعض گستاخ فرقے اس باب میں بہت دلیر اور جری ہیں ہندوؤں کے چہرہ پر بھی وہ ظلمت اور بے رونقی نہیں جو ان گستاخوں کے چہرہ پر ہوتی ہے جس کا راز یہ ہے کہ کفر ایک باطنی لعنت ہے اس کا اثر باطن پر زیادہ ہوتا ہے اور گستاخی ایک ظاہری بیہودگی ہے اس کا اثر ظاہر پر زیادہ ہوتا ہے اور یہ سب بے ادبی اور گستاخیوں کے ثمرات ہیں اور ان گستاخوں میں سے بعض کے چہروں اور پیشانیوں پر گو سجدوں کے نشان نمایاں ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی کھرا پن بھی ہوتا ہے جس کو دیکھ کر وحشت ہوتی ہے ملاحت نہیں ہوتی۔

ملفوظ ۲۵۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرات چشتیہ کو کم فہموں نے زیادہ بدنام کیا ہے کہ ان کے بہت سے افعال خلاف سنت ہیں بات یہ ہے کہ یہ حضرات عشاق ہیں غلبۂ حال میں کسی ایسی

صفحہ ۹۱ کا

؎۱ تو نے دیکھا کہ پروانہ کے خون ناحق نے شمع کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ صبح ہی کر لیتی صفحہ ۱۰ ؎ میرا سر تن سے اس شوخ نے جدا کیا جو ہمارا یار اور ساتھی تھا چلو قصہ مختصر کر دیا ورنہ عشق کا درد سر تو بہت تھا ۱۲ ؎۲ ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق کی دعا کرتے ہیں کیونکہ بے ادب حق تعالیٰ کی مہربانی سے محروم رہتا ہے۔

بات کا صدور ہو جاتا تھا جو بظاہر سنت کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور حقیقت اس کی دوسری ہوتی تھی اسی غلبہ حال کے باب میں فرماتے ہیں ؎

بیت
گفتگوئے عاشقاں در کار رب ÷ جوشش عشق ست نے ترک ادب

اس لئے یہ حضرات معذور تھے ایک چشتی بزرگ سے کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت سماع آپ کے لئے تو جائز ہے فرمایا کہ جو چیز شریعت میں حرام ہے وہ سب کیلئے حرام ہے احترام شریعت کی یہ حالت تھی ایک روز حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ اس وقت ہم کچھ سنیں گے مگر اتفاق سے کوئی سنانے والا انہیں ملا فرمایا کہ مولنا حمید الدین صاحب کے مکتوب نکالو وہ نکالے گئے فرمایا یہی پڑھ کر سناؤ سنایا گیا۔ اس مکتوب کے شروع میں تھا از خاک پائے درویشاں گرد راہ ایشان بس یہ سن کر وجد ہو گیا۔ تین دن وجد رہا۔ نماز کے وقت ہوش ہو جاتا تھا اور پھر وہی کیفیت ہو جاتی تھی کوئی ایسا شورش کا مضمون بھی نہ تھا صرف تواضع انکسار و شکستگی کا مضمون تھا اس پر بھی ان حضرات کو لوگ بدنام کرتے ہیں میں جس وقت مکہ معظمہ سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے آیا ہوں تو ایک ایسی حالت طاری تھی کہ اس میں اکثر یہ شعر میرا یہ وظیفہ تھا ؎

اے بادشہ خوباں داد از غم تنہائی ÷ دل بے تو بجاں آمد وقت ست کہ باز آئی
اے درد تو ام درمان بر بستر ناکامی ÷ وے یاد تو ام مونس در گوشۂ تنہائی

یہ پڑھتا تھا اور مزے لیتا تھا بدون اس کے چین نہ تھا اور ہم تو ہیں کیا۔ مگر اکابر پر حال بھی قوی ہوتا ہے جس میں معذوری ہوتی ہے اور معذور پر ملامت نہیں۔

ملفوظ ۲۱۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل ان دکاندار جہلاء صوفیوں نے اللہ کی مخلوق کو گمراہ کر دیئے انکی اور سچے صوفی کی ایسی مثال ہے گو فحش مثال ہے مگر ہے منطبق۔ جیسے ایک بازاری عورت اور ایک گھر ستن سو وہ بازاری عورت کتنا سامان کرتی ہے لوگوں کو پھنسانے کا اور قسم قسم کے روپ میں رہتی ہے ناز و انداز دکھلاتی ہے پوڈر ملتی ہے اور شب و روز اسی فکر میں

ۓ حق تعالٰی کے بارے میں عاشقوں کی گفتگو جوش عشق کیوجہ سے ہوتی ہے نہ کہ بے ادبی کیوجہ سے ۓ اے شہنشاہ محبوباں اس ہجر کی حالت سے رہائی دیجئے بغیر آپ کے دل بے جان ہوا جاتا ہے۔ وقت ہے کہ آپ تشریف لے آدیں اے وہ ذات کہ آپ کا درد بھی بستر ناکامی پر درماں کا کام دے رہا ہے اور اس حالت ہجر میں آپ کی یاد ہی میری مونس ہے ۱۲ ÷

رہتی ہے کہ اس کو لاؤ اس کو لاؤ بخلاف گھر ستن کے کہ ایک ہی پر اکتفاء کئے بیٹھی رہتی ہے جس میں ایک استغنار دناز کی شان ہوتی ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد ❊ زیر بار اند درختاں کہ ثمرہا دارند

دلبر ماست کہ باحسن خداداد آمد ❊ دل فریباں نباتی ہمہ زیور بستند

ملفوظ ۲۶۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں الحمد للہ ہمیشہ مسائل کی رعایت کرتا ہوں سائل کی رعایت نہیں کرتا اس ہی وجہ سے مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے اس وقت چاہتے یہ ہیں کہ احکام ہمارے تابع ہوں کس قدر ظلم ہے بس میں ایسوں کا دماغ درست کرتا ہوں اس لئے بدنام ہوں۔

ملفوظ ۲۶۲:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک استفتاء آیا تھا کہ حضور کے روضہ مبارک کو شہید کرنا واجب ہے یا باقی رکھنا چاہیئے میں سخت پریشان ہوا حنابطہ کا جواب تو یہی تھا کہ مقابر سب ایک مگر اللہ تعالٰے نے مدد فرمائی اور دل میں ایک فرق ڈالدیا۔ اس فرق کی بنا پر میں نے جواب لکھا کہ نصوص میں ممانعت بناء علی القبر (پہلے قبر بنا کر اس پر تعمیر بنانا) کی ہے قبر فی البناء (تعمیر کے اندر قبر بنانا) کی ممانعت نہیں اور روضہ مبارک مفہوم ثانی کا مصداق ہے نہ کہ مفہوم اول کا پھر حضرات صحابہ و تابعین نے اس کو بلا نکیر باقی و محفوظ رکھا لہذا اس کا انہدام نہ واجب نہ جائز بھی نہیں خلاصہ یہ کہ وہ بناء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی وجہ سے نہیں بنائی گئی بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بناء سابق میں دفن کیا گیا۔ پھر صحابہ و تابعین و اتباع تابعین نے برابر اس کی حفاظت کی جب یہ مضمون النور میں شائع ہوا اور بمبئی میں حکیم محمد سعید صاحب کے پاس گیا ان کے پاس ایک عربی مولوی نے دیکھا اس کو وجد ہو گیا اور کہنے لگا کہ واقعی جواب یہ ہے مگر مجھ کو اس پر ناز نہیں میری حقیقت ہی کیا ہے اللہ تعالٰے جس سے چاہیں اپنا کام لے لیں۔

ملفوظ ۲۶۳:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو عبث اور فضول سے ہمیشہ نفرت ہے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ خطوط میں اشعار لکھا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے احباب کو خطوط میں اشعار لکھنے سے منع کر دیتا ہوں کہ اکثر فضول ہوتے ہیں یا اگر مضمون بھی فضول نہ ہوا تب بھی مبتدی ان کو فضول موقع پر لکھتا ہے۔ آج بھی ایک خط ایسا ہی آیا ہے میں نے لکھدیا ہے کہ چونکہ آپ کے پرچہ میں بہت ہی تکلف کی تحریر ہے اس لئے آئندہ ایسا تکلف نہ کیا جاوے ایسی باتیں عرفاً بڑی جگہوں میں کھپتی ہیں۔ میں تو ایک معمولی طالب علم ہوں جس کی سیدھی سادھی زندگی ہے اور ایسی ہی باتیں پسند بھی ہیں۔

ملفوظ ۲۶۶: فرمایا کہ ایک خط آیا ہے لکھا ہے کہ میری اس نازک حالت پر رحم فرمادیں میری مدد فرمادیں ان کو بیعت پر بہت اصرار ہے مطلب اس لکھنے سے یہ ہے کہ اس عنوان سے رحم آجاوے اور مجھ کو بیعت کر لیں۔ میں نے لکھدیا ہے کہ دیر جو کر رہا ہوں مدد ہی کر رہا ہوں کہ جہل سے نکال رہا ہوں۔

ملفوظ ۲۶۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل علم کیلئے یہ بات بہت ہی ناپسند ہے کہ وہ امراء سے خلط کریں اس لئے کہ عزبا کو جو کسی مصلح سے نفع ہو جاتا ہے امراء سے ملکر وہ بھی آیا گیا ہو جاتا ہے قلوب پر مصلح کا وہ اثر نہیں رہتا۔ مجھ کو حیدرآباد دکن میں ایک دوست نے مدعو کیا تھا تقریباً چودہ روز قیام رہا جس وقت یہاں سے حیدرآباد دکن کے لئے سفر کا ارادہ کیا ایک خاص ضرورت سے اس وقت دیوبند بھی جانا ہوا تو بعض احباب خاص اہل علم نے مشورہ دیا کہ نواب صاحب سے ملاقات ضروری ہے۔ میں نے کسی کو کوئی جواب نہیں دیا دل میں جو بات تھی اس کو ظاہر نہیں کیا غرض وہاں پر پہونچ کر غالباً پانچ سات ہی روز گذرے تھے کہ فلاں نواز جنگ صاحب کا ایک پرچہ آیا جس میں لکھا تھا کہ ایک عرصہ سے مجھ کو زیارت کا اشتیاق تھا مگر بدقسمتی سے تھانہ بھون کی حاضری نصیب نہ ہوئی خوش قسمتی ہم لوگوں کی کہ حضرت کا ورود اس شہر میں ہو گیا میں برائے زیارت حاضر ہونا چاہتا ہوں اور مجھ کو فلاں فلاں وقت اپنے فرض منصبی سے فرصت ملتی ہے (مطلب یہ ہے کہ اس کی رعایت سے مجھ کو وقت ملاقات کا بتلایا جاوے) میں ان صاحب سے واقف نہ تھا اس وقت مجلس میں بہت سے جنگ اور دولہ جمع تھے میں نے ان سے سوال کیا کہ یہ کون صاحب ہیں ان میں سے ایک صاحب نے کہ وہ بھی ایک بہت بڑے عہدے پر ممتاز تھے بتلایا کہ یہ نواب صاحب کی ناک کے بال ہیں۔ ارکان سلطنت میں سے ہیں میں نے اس پرچہ کے جواب میں لکھا کہ آپ کے پرچہ کے مضمون کو پڑھ کر بیحد مسرت ہوئی اس لئے کہ آپ کے دل میں دین اور اہل دین کی عظمت اور محبت ہے مگر نیچے کی سطر پڑھ کر افسوس کی بھی کوئی حد باقی نہیں رہی اس لئے کہ اس میں فہم سے کام نہیں لیا گیا جس سے ملنے کو زیارت کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا اس کو تو اپنے اوقات فرصت خلاف کر پابند کیا گیا۔ اور خود آزاد رہے۔ یہ کونسی تہذیب اور فہم کی بات ہے جو شخص پرچہ لیکر آیا تھا واپس ہو گیا کوئی دس منٹ کے بعد جواب لیکر آیا اس میں لکھا تھا کہ فی الوقت غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ بات میری بدفہمی کی ہے معافی کا خواستگار ہوں حضرت والا ہی اپنی ملاقات کے اوقات تحریر فرمادیں میں نے لکھا کہ اب بھی پورے فہم سے کام نہیں لیا گیا مردہ بدست زندہ کی طرح مہمان میزبان کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس لئے سفر میں اوقات کا ضبط ہونا غیر اختیاری ہے آپ ساتھ رہیں جس وقت مجھ کو فارغ دیکھیں ملاقات کر لیں۔ اس میرے جواب پر جواب آیا کہ بدفہمی پر بدفہمی ہوتی چلی جارہی ہے میں اب نہ تو اپنے اوقات کو ظاہر کرتا ہوں

اور نہ حضرت معلوم کرتا ہوں جس وقت فرصت ہو گی حاضر خدمت ہو کر زیارت سے مشرف ہو جاؤں گا اگر آپ کو فرصت نہ ہوئی لوٹ آؤں گا میں نے اس کا جواب یہ لکھا کہ اب پورے فہم سے کام لیا گیا جس سے اس قدر مسرت ہوئی کہ پہلے تو آپ کا میری زیارت کو جی چاہ رہا تھا اب میرا آپ کی زیارت کو جی چاہنے لگا اگر آپ کو فرصت ہو آپ تشریف لے آویں ورنہ مجھ کو اجازت فرمایئے میں خود حاضر ہو جاؤں یہ جواب لکھ کر میں نے اہل مجلس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ میرا طرز اس لئے تھا کہ یہ دنیا کے لوگ جس قدر بڑے ہیں اہل دین کو بیوقوف سمجھتے ہیں ان کو یہ دکھلانا تھا کہ اہل علم اور اہل دین کی یہ شان ہے تو پہلے تو تذلل سے بچنا مقصود تھا مگر جب وہ اپنی کوتاہی تسلیم کر چکے تو اب کھچنا تکبر تھا اللہ کا شکر ہے کہ دونوں سے محفوظ رکھا۔ کوئی پندرہ ہی منٹ غالباً گزرے تھے کہ خود وہی صاحب آ گئے۔ اہل مجلس میں سے بعض لوگوں نے دور سے دیکھ کر کہا کہ فلاں صاحب آ رہے ہیں میں اس وقت ڈاک لکھ رہا تھا برابر لکھتا رہا جس وقت انہوں نے مجلس میں پہونچ کر کہا السلام علیکم تب میں نے سلام کا جواب دیا اور کھڑے ہو کر مصافحہ کیا بیچارے بہت ہی مہذب تھے دو زانو ہو کر سامنے بیٹھ گئے میں نے اپنی برابر جگہ دے کر کہا بھی کہ اس طرف آ جایئے اس پر کہا کہ مجھ کو یہیں پر آرام ملے گا کچھ دیر تک میرے سوال پر نواب صاحب کی بیدار مغزی اور انتظام سلطنت کے واقعات بیان کرتے رہے اس کے بعد کہا کہ اگر نواب صاحب سے ملاقات ہو جائے تو بہت مناسب ہے میں نے سوال کیا کہ یہ آپ کی خواہش ہے یا نواب صاحب کی اس میرے سوال پر کچھ سکوت کے بعد کہا کہ میری ہی خواہش ہے میں نے سوال کیا کہ جس وقت آپ نے ملاقات کے مناسب نامناسب ہونے پر غور فرمایا ہو گا اس پر بھی ضرور غور فرمایا ہو گا کہ ملاقات سے نفع کس کا ہے کہا کہ نواب صاحب کا میں نے کہا کہ نفع تو نواب صاحب کا اور ملاقات کی ترغیب مجھ کو دی جا رہی ہے طالب کو مطلوب اور مطلوب کو طالب بنایا جا رہا ہے میں اگر ملاقات کو گیا تو میں طالب اور وہ مطلوب ہوں گے اس پر کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا کہ اب میں خود اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اس صورت میں کہ میں ملاقات کو جاؤں مضرت ہی مضرت ہے نفع کچھ نہیں یہ تو میں پہلے ہی عرض کر چکا کہ میں اگر ملاقات کو گیا تو وہ مطلوب اور میں طالب ہو نگا تو اس صورت میں ان کو تو مجھ سے کوئی نفع نہ ہو گا ہاں ان سے مجھ کو کچھ نفع ہو سکتا ہے اس لئے کہ جو چیز ان کے پاس ہے وہ مجھ کو ملے گی یعنی دنیا اور جو میرے پاس ہے وہ ان کو نہ ملیگا یعنی دین لیکن ان کے پاس جو چیز ہے وہ بقدر ضرورت بحمد اللہ میرے پاس بھی ہے اور جو چیز میرے پاس ہے وہ بقدر ضرورت بھی ان کے پاس نہیں تو ان کو چاہیئے کہ وہ مجھ سے ملاقات کریں مجھے ضرورت ان سے ملاقات کی نہیں۔ اور اگر میں گیا بھی اور جو ان کے پاس ہے وہ مجھ کو مل بھی گئی تو

تو اس صورت میں ایک خاص ضرر بھی ہے وہ یہ کہ اگر قبول کرتا ہوں اپنے مسلک کے خلاف اگر نہیں قبول کرتا آداب شاہی کے خلاف کیونکہ قبول نہ کرنے میں ان کی سب کی اہانت ہوگی اور جو کہ اس وقت میں انکے حدود میں ہوں وہ اس کی پاداش میں جو چاہیں میرے لئے تجویز کر سکتے ہیں تو نواب صاحب کا کوئی نفع نہ ہوگا اور میرا نقصان ہوگا۔ ایک یہ کہ امراء کی ملاقات کے لئے عرفاً شرط ہے کہ وہ معزز لباس کے ساتھ ملاقات کیجاوے جیسے چوغہ پٹکا وغیرہ۔ سو ایسا لباس نہ میرے بزرگوں نے کبھی اختیار کیا اور نہ میں خود استعمال کرتا ہوں اور نہ اس کو پسند کرتا ہوں تو میں کیوں اپنی اچھی خاصی جان کو مصیبت میں پھنساؤں۔ ایک یہ کہ میں اگر ملاقات کو گیا تو مجھ کو ان کے قواعد کی پابندی کرنا ہوگی اور اگر وہ میرے پاس آئے تو ان کو میرے قواعد کی پابندی کرنا ہوگی سو ان کو تو یوں ضرورت نہیں کہ وہ سلطان ہیں اور مجھ کو یوں ضرورت نہیں کہ میں ملا ہوں وہ بھی آزاد میں بھی آزاد میں اپنی آزاد جان کو وہاں جاکر کیوں مصیبت میں پھنساؤں کسی نے خوب کہا ہے ؎

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی ؛ چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

نیز یہ امر بھی شان سلاطین کے خلاف ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مدعو کئے ہوئے شخص سے ملاقات کریں اس میں کم فہم لوگ ان کو ننگ دلی کی طرف منسوب کرینگے کہ فلاں شخص نے مدعو کیا تھا نواب صاحب نے بھی ملاقات کرلی اس میں ان کی اہانت ہے کہ کیا خود نہیں مدعو کر سکتے تھے تو اس کو بھی جی گوارہ نہیں کرتا خلاصہ یہ کہ خیر اسی میں ہے کہ نہ میں ان کے پاس رہے ملاقات کو جاؤں اور نہ وہ میرے پاس اس نیت سے آئیں اگر ان کا جی چاہے تو تھانہ بھون سے مجھ کو بلالیں میں خاص شرائط طے کر کے آجاؤں گا کچھ عذر نہ ہوگا یہ سن کر نواز جنگ صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور یہ کہا کہ ان چیزوں پر تو ہم لوگوں کی نظر بھی نہیں پہونچ سکی غرض۔ کہ امراء سے علماء کا خلط کرنا اس میں امراء کا تو کوئی نفع نہیں اور اہل علم کے اور غرباء کے دین کا نقصان ہوتا ہے اس لئے علماء کیلئے میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔

ملفوظ ۲۶۵ فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں فاتحہ کا نہ قائل ہوں نہ عامل ہوں ہاں قیام فی المیلاد کا قائل ہوں مگر مجتنب رہتا ہوں۔ میں نے جواب میں لکھدیا ہے کہ قیام فی المیلاد میں اور فاتحہ میں فرق کیا ہے۔ اس پر فرمایا کہ میں نے اپنی طرف سے کوئی شرح نہیں کی۔ جب فرق نکالنے بیٹھیں گے یا فاتحہ کے بھی قائل ہو جائیں گے اور نہیں تو قیام فی المیلاد کو بھی چھوڑ دیں گے۔ دیکھئے اس پر کیا جواب آتا ہے میں بچوں کی طرح سے تعلیم کرتا ہوں یعنی جیسے وہ سبق میں خود حرف نکالتے ہیں استاد خود نہیں بتلاتے میں بھی نہیں بتلاتا ان ہی سے نکلواتا ہوں محض اس لئے کہ آئندہ کیلئے استعداد قوی ہو

طبیعت کو فکر اور غور کی عادت ہو بس اس ہی لئے مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ خشک ہے اور مجھ کو اس کی شکایت ہے کہ تم اس قدر تر ہو کہ تری میں ڈوب ہی مر رہے ہو۔

ملفوظ: ۲۶۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگ غیر ضروری یا غیر اختیاری باتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ایسا کوئی عمل بتلا دیا جائے کہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے یہ امر غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری کے پیچھے پڑنے سے اندیشہ باطنی ضرر کا ہے اور وہ ضرر یہ ہے کہ ایسی چیزیں موجب تشویش قلب ہو جاتی ہیں اور تشویش اس طریق میں سخت مخل مقصود ہے دوسرے اگر زیارت بھی ہو جائے تو بیداری میں تو ہوگی نہیں خواب میں ہوگی اور خواب میں ہونے سے نفع مقصود کیا ہوا کیونکہ اس سے کوئی اصلاح تو ہو نہیں سکتی جو کہ اصل مقصود ہے یوں مطلق زیارت حضورؐ کی بلاشبہ برکت کی چیز ہے مگر اس زیارت سے جبکہ اصلاح نہ ہو مقصود نفع کیا ہوا۔ آخر کیا کفار عرب کو حضورؐ کی زیارت نہیں ہوئی مگر نفع کیا ہوا۔ بعض لوگوں پر محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور اس اشتیاق کا داعی وہی محبت ہے مگر نری محبت سے بھی کیا ہوتا ہے جب تک کہ اطاعت نہ ہو دیکھئے ابوطالب کو حضورؐ سے کس درجہ محبت تھی اور حضور کو بھی ان سے تھی مگر ایمان نہ لائے باوجود حضورؐ کی کوشش کے بھی بوقت انتقال کلمہ نہ پڑھا پھر کیا نتیجہ ہوا وجہ یہ ہے کہ وہ محبت محض طبعی تھی جو کام نہ آئی اصل کار آمد چیز محبت عقلی ہے جو معین اتباع ہوتی ہے مگر آج کل ان حدود کی لوگوں میں رعایت ہی نہ رہی۔

ملفوظ: ۲۶۷ ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ مجھے ابہام (صاف صاف بات نہ کرنا) بیحد ناگوار ہوتا ہے اس سے بیحد تکلیف ہوتی ہے بہت ہی اذیت کی چیز ہے بڑا بار ہوتا ہے قلب مشوش ہوتا ہے اس سے دوسروں کو بہت تکلیف ہوتی ہے مگر اس وقت عام عادت ہو گئی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ لوگ قصد کرتے ہیں ایذاء کا۔ قصد تو ایذا کا نہیں کرتے مگر وہ کام کرتے ہیں جو سبب ہوتا ہے ایذاء کا اور وہ کام قصد سے ہوتا ہے اس ابہام کا موجب ایذاء ہونا اگر آپ کو معلوم نہیں تو نہایت ہی بے حسی ہے اور اگر معلوم ہے تو آپ نے اس کو اختیار کیوں کیا اصل سبب محض بے پروائی اور بے فکری ہے اگر نہ محبت ہو نہ عقیدت ہو نہ خوف ہو یہ اسباب ہو سکتے ہیں بے پروائی کے اگر ان میں سے ایک بھی ہو تو کبھی بے پروائی نہیں ہو سکتی۔ میں کمبخت کیا چیز ہوں کہ میں اس کا انتظار کروں کہ مجھ سے محبت ہو خود حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی طبعی محبت کرنا فرض نہیں اور غیر انبیاء سے تو نہ عقلی محبت فرض نہ طبعی محبت فرض اس صورت میں میں ایسی چیز کا

دوسروں سے کیسے طالب ہو سکتا ہوں کہ مجھ سے محبت کرو۔ چاہتا صرف یہ ہوں کہ اذیت نہ پہونچائیں اور جو شخص خود خشکی کا برتاؤ کرتا ہو جیسا میں اس پر یہ احتمال کرنا کہ وہ دوسروں کی محبت کا منتظر ہو گا یہ اسکی ناگواری کا سبب نہ ہو گا اور اس سے اس کو اذیت نہ ہوگی میرے اس طرز آزادی کو دیکھکر فلاں نظامی نے تو چھاپ دیا کہ یہ جو طرز اختیار کر رکھا ہے اس سے طریق کی اشاعت نہیں ہو سکتی میں نے سنکر کہا کہ تمہارے یہاں یہ بات ہو گی کہ طرز مانع اشاعت طریق ہے ہمارے یہاں تو یہی تدبیر اشاعت طریق کی ہے کیا میں اس طرز کو چھوڑ کر طریق کو ذلیل کر دوں۔ طریق کو طالب اور مخلوق کو مطلوب بناؤں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا مجھ کو غیرت آتی ہے اور یہ سب امور میرے فطری ہیں میں ان کے خلاف پر قادر نہیں ہوں لوگ چاہتے یہ ہیں کہ تابع بنکر خدمت کرے تو کیا میں ان کا نوکر ہوں غلام ہوں خدمت سے انکار نہیں آدھی رات بھی خدمت کو تیار رہوں۔ خادم ہوں مجھ سے خدمت لو مگر طریق سے۔ کسی کا غلام نہیں ہوں جو مجھ پر حکومت کرے مجھ کو تابع بنا کر خدمت لینا چاہتے ہو۔ اور میں واقع میں گو حقیر سہی ذلیل سہی گنہگار سہی سب ہی کچھ سہی مگر دوسروں کو اور خصوص ان کو جو محبت کا دعویٰ کر کے آتے ہیں عقیدت لے کر آتے ہیں ان کو کیا ہے کہ وہ میری ساتھ ایسا برتاؤ کریں ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کی میری پیدائش ہے تو اس حساب سے ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ کو اکتہر سال کی عمر ہو جائیگی تو آخر اتنی عمر کے تجربات بھی تو کوئی چیز ہیں۔ میں ان کو کس طرح چھوڑ دوں اور دوسروں کے کہنے پر چلنے لگوں۔ اگر کسی کو میرا یہ طرز ناپسند ہے تو میرے پاس مت آؤ جہاں چاپلوسی ہو اور خاطر تواضع ہو وہاں جاؤ ایسے بھی دنیا میں بہت ملیں گے میں کسی وجہ سے اپنے طرز اور مسلک کو نہیں چھوڑ سکتا کج طبع لوگوں کی اصلاح بدون اس طرز کے ہو نہیں سکتی۔ حضرت مولنا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس مرید کا پیر ٹرانہ ہو اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی آخر میں آکر حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی جو کہ مجسم اخلاق تھے یہ رائے ہو گئی تھی کہ ایسے متکبروں کو تھانہ بھون بھیجا جاوے وہیں ان کا دماغ درست ہو سکتا ہے یہ زندوں کی رائے ہیں۔ اب اہل برزخ کی رائے سنو مولوی ظفر احمد، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے کہ میں صاحب نسبت ہو جاؤں۔ فرمایا کہ صاحب نسبت تو تم ہو مگر اصلاح کی ضرورت ہے اور وہ اصلاح اپنے ماموں سے کرلو۔ زندوں کی مردوں کی سب کی یہی رائے ہے کہ آجکل اصلاح بدون اس طرز کے نہیں ہو سکتی آدمی ولی بن سکتا ہے غوث ابدال سب کچھ بن سکتا ہے لیکن آدمیت انسانیت اور چیز ہے

اور وہ بدون کسی کی جوتیاں سیدھی کئے ہوئے بلکہ جوتیاں کھائے ہوئے پیدا نہیں ہو سکتی اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ اسکی ساتھ اس کی بھی ضرورت ہے کہ اپنے مصلح کے سامنے جاکر سب اپنا کچا چٹھا کھول کر رکھدے پھر انکی تعلیم پر عمل کرے اس وقت منزل مقصود پر پہونچ سکتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو ✧ پیش مرد کاملے پامال شو

پھر ان کی تعلیم پر جو عمل کیا جاویگا اس میں ہر ناگوار کو گوارا کرنا پڑیگا یعنے اگر اپنے دعوے میں صادق ہے اور اس راہ میں قدم رکھا ہے تو سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ ہر چیز کیلئے تیار ہو جاوے اسکو عارف شیرازی فرماتے ہیں

؎ یا مکن با پیلبانان دوستی ✧ یا بنا کن خانہ برانداز پیل

یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی ✧ یا فرو شو جامہ تقوے بہ نیل

پھر اس پر انشاء اللہ تعالیٰ فضل ہے جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ جاھدوا کا حاصل یہ چیزیں ہیں۔ غور و فکر دعاء والتجاء دستی خدا کے سامنے الحاح زاری تواضع وانکسار عجز و خاکساری تکبر و نخوت کو دماغ سے نکال کر پھینک دیتا اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ مقصود میں کچھ دیر نہ ہوگی اگر یہ طریقہ اعتقاد سے اختیار نہیں کرتے تو ذرا بطور امتحان ہی کر کے دیکھا اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ ✧ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود ✧ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

ہر کجا دردے دوا آنجا رود ✧ ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

بہت مدت سے دوسری طرف لگے ہوئے تھے اب ذرا اس طرف متوجہ ہو کر تو دیکھو کیا ملتا ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں اور خوب ہی فرماتے ہیں سبحان اللہ ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش ✧ آزموں را یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ✧ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

؎ قال کو چھوڑ حال کو پیدا کر اور کسی مرد کامل کے آگے پامال ہو جا ؎ یا تو ہاتھی والے سے دوستی مت کرو یا گھر ایسا بناؤ جس میں ہاتھی آسکے یا تو عاشقی کا دعویٰ مت کرو یا پھر تقوے اور وقار وغیرہ کو چھوڑ دو۔ ؎ عقل اور سمجھ کو تیز کر لینا راہ سلوک نہیں حق تعالےٰ کا فضل اسی کی دستگیری کرتا ہے جو شکستگی اختیار کرتا ہے پانی ڈھال ہی کی طرف جاتا ہے جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو ہر حل کی وہیں ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں درد ہوتا ہے دوا کی وہیں ضرورت ہوتی ہے جہاں بیماری ہوتی ہے شفاء وہیں جاتی ہے۔ ؎ برسوں تک سخت پتھر کی طرح رہا آزمائش کیلئے کچھ دن خاک ہو کر دیکھ موسم بہار میں پتھر سرسبز نہیں ہوتا خاک ہو جا تو پھر رنگ برنگ کے مجوبیں پھول کھلیں گے ۱۲۔۔

ملفوظ ۲۷۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل درویشی کے لباس میں ہزاروں راہزن اور ڈاکو مخلوق کے دین پر ڈاکہ مارتے پھرتے ہیں قسم قسم کے شعبدے اور طلسم دکھا دکھا کر پھنساتے پھرتے ہیں۔ ادھر لوگوں میں بھی عقل اور فہم کا اس قدر قحط ہوگیا ہے کہ ایسے ڈاکوؤں کو درویش اور بزرگ سمجھ کر ان کے ہاتھوں پر اپنے ایمان اور دین کو خراب و برباد کرتے ہیں۔ بھوپال میں ایک ایسے ہی درویش پہونچے۔ بڑے بڑے دنیا داروں کو اپنے تصرف سے جذب کرتے پھرتے تھے۔ اس زمانہ میں وہاں پر حافظ ضامن صاحبؒ کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب تحصیلدار بھی تھے ان کے پاس بھی وہ درویش پہونچے اور جاکر ایک کونے میں کھڑے ہوکر توجہ سے تصرف شروع کیا حافظ صاحب کو اس کا احساس ہوگیا اور اس طرف متوجہ ہوکر یہ شعر پڑھا ؎

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں ؛ کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

شعر پڑھنا تھا کہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا بیہوش ہوگیا ہوش آنے پر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا اور یہ کہا کہ میں بھی حضور کا شغال رنگین (رنگا گیدڑ) ہوں رحم فرمایئے معاف فرمایئے حافظ صاحب نے کہا کہ جاؤ کیوں مخلوق کو گمراہ کرتے پھرتے ہو ان باتوں کو چھوڑو۔ اتباع سنت اختیار کرو پھر فرمایا کہ ایسے تصرفات مشق سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس کا بزرگی سے کیا تعلق یہ مسمریزم والے بھی کر لیتے ہیں اصل چیز احکام کا اتباع ہے بلکہ بعض اوقات یہ چیزیں منزل مقصود سے بعید کر دیتی ہیں اگر مضر مفضی بھی نہ ہوں مگر مقصود تو کسی بھی حال میں نہیں درجہ مقصودیت میں نہ کشف کی کوئی چیز ہے نہ کرامت نہ تصرف نہ کیفیت ان میں سے اگر کوئی چیز بھی نہ ہو مگر اتباع سنت ہو بس مقصود حاصل ہے۔

ملفوظ ۲۷۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مشغول الی اللہ کو فضول چیزوں کی فرصت کہاں ایک مرد اور عورت پر کوئی عاشق ہو جائے اس میں بہت کچھ بھول جاتا ہے۔ مگر یہ لوگ درویشی کا دعوی کرتے ہیں اور ہزاروں فضولیات میں ان کو ابتلاء رہتا ہے کانپور میں ایک ایسے ہی درویش نے دو سال میں ایک خرقہ اس طرح بنایا کہ درزیوں سے رنگ برنگ کے ٹکڑے جمع کر کے ان کو جوڑا اہتمام کی بھی کوئی حد ہے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اہتمام اور چیز ہے قصد اور چیز ہے ان دونوں میں فرق نہیں کرتے یہ الگ الگ دو چیزیں ہیں۔

بزرگوں کی ریس کرتے ہیں کہ بزرگوں نے خرقہ پہنا ہے تو کیا انہوں نے ایسے تکلف سے بنایا بھی ہے چند الفاظ یاد کر رکھے ہیں اور ان کو بزرگوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور حقیقت کی کچھ تحقیق نہیں کرتے۔

ملفوظ ۲۷۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصلاح اور تبلیغ کا کام نہایت ہی سخت ہے ہر شخص اسکا اہل نہیں ہوتا اس کام کو وہی کر سکتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے اس کا اہل بنایا ہو، حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا یہی راز ہے کہ اہل سے تبلیغ کا کام لیا اور وہ حضرات نہایت ہی عالی ظرف تھے ورنہ دوسرا تو ایک دن میں مایوس ہو کر اس کام سے بیٹھ جاتا۔ مگر حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی ساری عمریں اسی میں صرف فرمادیں اور وہی عالی ہمتی رہی دوسرے کا کیا حوصلہ ہے اور آپ یہیں دیکھ لیجئے کہ لوگ ستاتے ہیں میرے اصول اور قواعد کیوجہ سے بیحد خفا، ہیں برا بھلا بھی کہتے ہیں جب زیادہ گڑبڑ کرتے ہیں میں تنگ آکر تعلق چھوڑ دیتا ہوں، نباہ کی ہمت نہیں ہوتی حالانکہ تھوڑا سا غبار بھی نکال لیتا ہوں چنانچہ اگر ایسے شخص کا خط آتا ہے تو جواب میں کچھ لکھ پڑھ کر دل ٹھنڈا کر لیتا ہوں اگر سامنے ہوتا ہے ڈانٹ ڈپٹ کر لیتا ہوں شفاء غیظ کے بعد بھی بعض اوقات قلب پر ایسا اثر رہتا ہے کہ آئندہ اس سے خطاب کی ہمت نہیں ہوتی، مگر حضرات انبیاء علیہم السلام کے صبر کو دیکھئے کہ سب کچھ سنتے تھے اور سب کچھ سہتے تھے اور اوپر پھر اصلاح و تبلیغ کرتے تھے کیا ٹھکانا ہے اس اعلیٰ ظرفی کا اسی سے ان حضرات کی شان معلوم ہوتی ہے، فی الحقیقت یہ کام ان ہی حضرات کا تھا ہم تو ایکدن کی تبلیغ میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں حضرت نوح علیہ السلام سب سے بڑی عمر والے نبی ہیں۔ انہوں نے نو سو برس تبلیغ اور اصلاح کی اس میں صرف تقریباً اسّی مسلمان ہوئے۔ مگر ایک دن آپ کو مایوسی نہیں ہوئی اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نوحؑ نہ صد سال دعوت می نمود	دمبدم انکار قومش می فزود
ہیچ از دعوت عنان واپس کشید	ہیچ اندر غار خاموشی خزید

ملفوظ ۲۷۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کی عجیب شان ہے آپ کے گھر اکثر فاقہ کی نوبت رہتی تھی بیوی کہتیں کہ اب برداشت نہیں کچھ انتظام کیجئے فرماتے انتظام ہو رہا ہے، دریافت کرتی کہاں۔ فرماتے جنت میں اس کہنے پر وہ راضی ہو جاتیں کیا ٹھکانا ہے اس قوت ایمانیہ کا۔ حضرت کی بیوی کے پاس ایک چاندی کا ہار تھا حضرت جب مکان میں تشریف لاتے تو فرماتے کہ مکان میں سے دنیا کی بو آتی ہے مطلب یہ تھا کہ ہمارے گھر میں مال و دولت نہ ہونا چاہئے

؎ نوح علیہ السلام نے نو سو برس تبلیغ فرمائی اور ان کی قوم کا انکار برابر بڑھتا رہا مگر انہوں نے کیا کبھی تبلیغ چھوڑی یا کبھی کسی غار وغیرہ میں خاموش ہو کر بیٹھے ۱۲...

ایک مرتبہ حضرت شیخ کے یہاں ایک بزرگ مہمان تشریف لائے ان سے بیوی صاحبہ نے شکایت کی کہ ایک ہار میرے پاس ہے ۔ میں نے اس خیال سے رکھا ہے کہ شاید رکن الدین (صاحبزادہ) کی شادی میں دو چار مہمان آجائیں تو ان کو فاقہ کی تکلیف نہ ہو ۔ مگر شیخ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور مجھ کو دق کرتے ہیں ۔ ان کو منع کر دیجئے ۔ شیخ نے ان سے فرمایا کہ میاں تمہیں اپنی دنیا میں سے بو آتی ہے یا ساری مخلوق کی دنیا میں سے بو آتی ہے ۔ آج سے ان کو دق نہ کیجئے گا کیا آپ نے ساری دنیا کا ٹھیکہ لیا ہے اس کے بعد سے حضرت شیخ نے اس ہار کے متعلق بیوی سے کچھ نہیں فرمایا یہ حالت تھی بزرگوں کے احترام اور اتباع کی آج کل یہ باتیں مفقود ہیں ۔ بلکہ قریب قریب معدوم کے ہیں ۔

ملفوظ: ۲۷۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تارکان دنیا کی اولاد کو اکثر اتنی دنیا دیگئی کہ وہ صاحب ثروت صاحب عزت صاحب جاہ صاحب مال ہوئے مگر فطری یا نسلی اثر جو ان کو اللہ نے ان کو دیا ہے وہ انہیں پھر بھی باقی رہتا ہے اور وہ اثر اس قدر ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس کی اولاد میں ایک صاحب اچھے رئیس تھے مگر کھانا کھاتے ہوئے ان کے کان میں ایک سپیرے کی بین کی آواز پڑ گئی کھانا چھوڑ اس کے قدموں میں جا پڑے تڑپنے لگے جو مناسبت فطری خلقی اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے اس کا اثر رہتا ہی ہے ہمارے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فطری تواضع کی ساتھ خوش پوشاک بھی بہت تھے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مولانا کے مزاج میں تکلف ہے ۔ مگر واقع میں لطافت تھی ۔ اب مولانا کی فطری تواضع کا واقعہ سنئے ۔ ایک روز دیکھا گیا کہ مولانا نے بجائے کسی کپڑے وغیرہ کے بان کی رسی کا کمر بند ڈال رکھا ہے پوچھنے پر فرمایا اس وقت جلدی تھی کون تلاش کرتا ۔ اصل مقصود اس سے بھی حاصل ہے ۔ حضرت مولانا گنگوہی کے مزاج میں بیحد لطافت تھی ہر لطیف چیز پسند تھی مگر فطری تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدل سفر کر کے گنگوہ پہونچے جماعت کھڑی ہو چکی تھی نماز شروع ہونیکو تھی کہ لوگوں نے دیکھ کر خوشی میں کہا کہ مولانا آگئے مولانا آگئے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مصلے پر پہونچ چکے تھے یہ سنکر نگاہ اٹھا کر مولانا کو دیکھا تو مصلے سے واپس ہو کر صف میں آکر کھڑے ہوئے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نماز پڑھانے کیلئے فرمایا مولانا سیدھے مصلے پر پہونچے چونکہ پیدل سفر کر کے تشریف لیگئے تھے پاجامہ کے پائینچے چڑھے ہوئے تھے اور پیر گرد آلود تھے مگر غایت سادگی سے اسی ہیئت میں مصلے کیطرف چلے جب حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی محاذات (برابر) میں پہونچے تو مولانا نے صف میں سے آگے بڑھکر اپنے رومال سے پہلے پیر دونکی گرد صاف کی اور پھر پائینچے اتارے اور فرمایا اب نماز پڑھائیے اور خود صف میں آکھڑے

ہوئے مولنا محمد یعقوب صاحب نے نماز پڑھائی حالانکہ حضرت مولنا محمد یعقوب صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ جیسے استاد کا ادب کرتے ہیں اس کے بعد حضرت مولانا گنگوہی نے کسی سے فرمایا کہ مجھ کو اس سے بیحد مسرت ہوئی کہ مولنا نے میری خدمت سے انکار نہیں کیا۔ فرمایا بقول فرمائی سچ تو یہ ہے کہ ایسے حضرات اور ایسی جماعت نظر سے نہیں گزری جنہوں نے عالم کی سیاحت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عالم میں ایسی جماعت نہیں۔ سو میں نے تو ان حضرات کو دیکھا ہے ان حضرات کی طرز معاشرت میری آنکھوں میں ہے اس لئے وہی باتیں پسند ہیں اور اسی لئے آج کل کے جو یہ لوگ باتیں بناتے پھرتے ہیں میری نظر میں یہ ایک طفل مکتب کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتے اب معلوم ہوتا ہے کہ نا سمجھ بچے ہیں کھیل کود کرتے پھرتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اب تو اپنے بزرگوں سے نسبت ہونیکا نام ہی رہ گیا ہے کام ان کا سا ایک بھی نہیں۔

ملفوظ ۲۷۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سلف میں تو اس جاہ اور عزت کے متعلق اس کی کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح اس سے جان بچے اور کہیں بھاگ جاویں مگر آج کل اسی کے طالب ہیں مگر کیا اس جاہ کے لئے اپنے ہاتھوں مصیبت میں پڑنا کوئی اجر ہے ثواب ہے۔ ایک مولوی صاحب سے ان تحریکات حاضرہ کی شرکت کے متعلق گفتگو ہوئی تو انہوں نے یہ حکمت بیان کی کہ اگر ہندوستان کو کچھ حقوق مل گئے تو ہندو کہیں گے کہ تم نے کون سی قربانی کی تھی جو حقوق مانگتے ہو۔ تو محض اس حکمت کیوجہ سے نامشروع افعال کا بھی ارتکاب کیا گیا۔ استغفر اللہ تعجب ہے کیا علم دین بھی فاسد خیال کے تابع ہو جاتا ہے اور حقیقت میں زیادہ تر عوام کی گمراہی کا موجب ان اہل علم ہی کی شرکت ان تحریکات میں ہوئی۔

ملفوظ ۲۷۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض فساق و فجار بھی ذہین ہوتے ہیں اپنے معائب اور معاصی کی بہت ہی نہایت لطیف توجیہ کرتے ہیں جس سے دوسرے دل کو دھوکا ہو جاتا ہے۔ ایک شخص پیران کلیر میں ایک عورت کو لیکر ایک مکان میں اپنا منہ کالا کر رہا تھا اتفاق سے اور بھی مسافر آگئے ان کو بھی ٹھہرنے کیلئے مکان کی ضرورت تھی اس نے اس مکان کے اندر سے کنڈی لگا رکھی تھی ان لوگوں نے دستک دی تو آپ اندر سے کہتا ہے کہ میاں یہاں جگہ کہاں یہاں خود ہی آدمی پر آدمی پڑا ہے دیکھ لیجئے کیسا سچا آدمی تھا جھوٹ نہیں بولا کیسی ذہانت کا جواب ہے۔ ایک جگہ مجلس سماع ہو رہی تھی گانے والی شیخ مجلس کی مریدنی تھی شیخ پر وجد طاری ہوا تو اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف الگ ایک مکان میں لے گئے اور اس سے اپنا منہ کالا کیا اور آ کر مجمع میں اپنے اس خبیث فعل کی یہ توجیہ کی کہ جب آگیا جوش پھر نہ رہا ہوس دونوں جگہ چھوٹا سین　بولا جاہل بھی پیٹ بھر کر ہی تھے اور مزا اٹھا فرمایا کہ پیٹ بھرنے

ہی کیوجہ سے تو یہ ستیاں سوجھتی ہیں ، مگر اس پر بھی پیر پیر رہے مرید مرید رہے اور جب مرغے انڈے حلوے مانڈے اڑتے ہیں اور شادی نہ کرنے کو ترک دنیا سے تعبیر کرتے ہیں تو آخر یہ ذخیرہ کہاں نکلے ضرور ان بدمعاشیوں میں ابتلا ہوگا میں نے ایسوں ہی کے ڈھونگ کو مخلوق پر ظاہر کیا ان کی مکاریاں اور چالاکیاں لوگوں پر کھولیں اسی بنا پر مجھ سے خفا ہیں ناراض ہیں خیر ہوا کریں - اب تو بحمداللہ طریق اس قدر صاف اور واضح ہو چکا ہے کہ جاہلوں کو بھی بہکانا آسان نہیں - بڑا حصہ بہکانے کا اس جملہ سے تھا کہ طریقت الگ چیز ہے ، سو بحمداللہ تعالٰے عام لوگوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ طریق کوئی جدا گانہ چیز نہیں ہے وہ عین شریعت ہے صرف اصطلاحاً ظاہری اعمال کا نام شریعت ہو گیا اور باطن کے اعمال کا نام طریقت یہ اصطلاح میں دو نام ہیں مگر حقیقت میں ایک ہی چیز ہے. لیکن ہر حقیقت کے سمجھنے کیلئے توجہ اور فکر کی ضرورت ہے اگر کوئی شخص اس سے کام لے تو ہر بات سمجھ میں آجاتی ہے کوئی ضروری چیز اسلام میں ایسی نہیں ہے کہ انسان اس کو نہ سمجھ سکے باقی دقائق اور غوامض وہ تقاعد اسلام سے بھی نہیں جن کی بنا پر کوئی یہ دعوی کر سکے کہ شریعت اور چیز ہے جس کو کہکر کوئی جان بچالے -

ملفوظ ۲۷۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل یہ کاتب لوگ بھی بڑی ہی گڑبڑ کرتے ہیں اور اس کا سبب کم علمی ہے میری رائے میں نہایت ضروری ہے کہ کاتب اہل علم ہونے چاہئیں میری ایک کتاب چھپی تھی اس میں باری تعالٰے کی صفات میں عموم قدرت لکھا تھا اس کو کاتب نے لکھا عدم قدرت میں نے دیکھکر کہا کہ تم لوگ اور گالیاں دلواتے ہو - اس کا تو پہلے سے مجھ پر الزام ہے ہی کہ رسول کی تنقیص کرتے ہیں نعوذ باللہ منہ - اب کہیں گے اللہ میاں کی بھی تنقیص شروع کردی نعوذ باللہ منہ کیونکہ بہت سے عنایت فرما ہر وقت تاک میں لگے رہتے ہیں - ایک کاتب نے صغائر کبائر کو لکھا تھا صغاٹر کباٹر آپ ہمزہ کو ط سمجھے اور گڑبڑ کرتے تو یہ لوگ ہیں مگر سر پڑتی ہے مصنفین کے اس لئے میری رائے ہے کہ کاتب اہل علم ہوں پھر اس قسم کی گڑبڑ ہرگز نہ ہو -

۲ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ ۲۷۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج صبح بعد نماز فجر ہی ایک صاحب کا پرچہ لیٹر بکس سے نکلا نہایت ہی

بیہودہ تحریر بھی پڑھکر نہایت ہی طبیعت مکدر ہوئی میں بیچارہ تو کیا چیز ہوں محض ایک گنہگار آدمی ہوں بزرگ نہیں۔ صاحب ریاضت نہیں۔ صاحب مجاہدہ نہیں مگر یہ باتیں تو صاحب مجاہدہ صاحب ریاضت بھی برداشت نہیں کرسکتا میں تو پھر بہت برداشت کرتا ہوں چنانچہ باوجود کاتب پرچہ کے اس قدر بیہودگی کے میں نے ان کو صحیح راہ بتلا دیا وہ یہ کہ اپنی اصلاح کیلئے اور سے تعلق پیدا کرلیں اور میں نے یہ بھی لکھدیا ہے کہ اگر تم پوچھو گے تو میں کسی مصلح کا نام بھی بتلا دونگا اس پر کوئی جواب نہیں دیا اس پر مجھ کو زیادہ تغیر ہوا مگر میں پھر بھی مصلح کا نام بتلانے کیلئے تیار ہوں افسوس ہے فہم کا اس درجہ غلط ہو گیا ہے کہ جس کا کوئی حد وحساب نہیں آخر کہاں تک آدمی برداشت کرے خود تو بیحس ہیں ہی دوسروں کو بھی بیحس بنانا چاہتے ہیں شرم نہیں آتی۔ ان لوگوں کو اس کی فکر ہی نہیں کہ اپنے سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے جو جی میں آیا کرلیا جو منہ میں آیا بکدیا۔ جو قلم میں آیا لکھ مارا۔ فکر اور غور کا نام نہیں جیسے سانڈھ آزاد ہوتے ہیں۔ بس یہ حالت ہے آزادی اور بے فکری کی۔ حدیث شریف میں کامل اسلام کا مدار اس پر رکھا ہے کہ ہاتھ سے زبان سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔ ان بیہودوں نے چند چیزوں کو دین کی فہرست میں درج کرکے اور تمام تعلیمات اسلام کو دین کے فہرست سے خارج ہی کر دیا وہ چند چیزیں جو دین کی فہرست میں درج ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ تہجد۔ اشراق۔ چاشت۔ صلوٰۃ الاوابین در اگر صوفی ہوئے تو ذکر وشغل بھی بس ہو گئے قطب الاقطاب معاشرت کو تو دین کی فہرست سے خارج ہی سمجھتے ہیں بالکل یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو دین سے کیا تعلق حالانکہ یہ بھی دین کا بڑا حصہ ہے اور جس طرح نماز روزہ وغیرہ فرض ہیں یہ بھی فرض ہے مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ کہیں نہ اسکی تعلیم ہے نہ اس کا تذکرہ اور اہتمام حتیٰ کے مشائخ کے یہاں بھی بس یہی چند چیزیں تعلیم ہوتی ہیں جن کا ذکر کر چکا ہوں اب الحمدللہ صدیوں کے بعد طریق کی حقیقت واضح ہوئی اور روز روشن کی طرح مخلوق پر ظاہر ہو گئی پھر اس کو اپنے اغراض فاسدہ کیوجہ سے ناپید کرنا چاہتے ہیں مگر اب یہ انشاء اللہ تعالیٰ غیر ممکن ہے بفضل خداوندی صدیوں تک کسی نئی کوشش کی ضرورت نہیں اور جب ہو گی وہ اپنے دین کے محافظ ہیں وہ اپنے کسی اور بندہ کو پیدا فرمادیں گے سو اس حالت میں کہ فضل الٰہی سے اس طریق کا احیا ہو گیا ہیں کس طرح ایسے بدفہموں کے خاطر اپنے اصول و قواعد اور اپنے طرز اور مسلک کو چھوڑ دوں۔ مجھ ہی کو تو معلوم ہے کہ یہ اصول اور قواعد کس طرح منضبط اور مدون ہوئے ہیں ان کی تاسیس کے اسباب بیان کردں تو ایک اچھا خاصہ دفتر تیار ہو جائے ان لوگوں کو خبر نہیں اس لئے یہ ایسی ہی باتیں بناتے پھرتے ہیں۔ اور ایسی بیہودہ تحریر اور بے جوڑ باتیں کرکے دنیوی اغراض حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دین کو اس کا واسطہ بنانا چاہتے ہیں جو سخت قبیح ہے

مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ قرضدار تھے مریدین وغیرہ نے بہت چاہا کہ ہم چندہ کر کے ادا کر دیں فرمایا کہ یہ بے غیرتی مجھ سے ہرگز گوارہ نہیں ہو سکتی ہاں اتنا تو گوارا کر سکتا ہوں کہ ایک شخص تنہا ادا کر دے ایک ہی کا احسان ہو، باقی یہ صورت کہ تھوڑا تھوڑا جمع کیا جائے یہ کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتا غرض ہر شے میں حدود ہیں، مگر آج کل حدود چھوڑ کر دکانداروں نے طریق کو بدنام کر دیا کہاں تک کوئی اصلاح کرے کثرت سے کمے کرنے والے کمر باندھے پھرتے ہیں۔

ملفوظ ۲۷۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو یہاں تک خیال رکھتا ہوں کہ لفافہ میں جو خط لکھتا ہوں اس میں بھی اس کا خیال رہتا ہے کہ کہیں نشیب اور کہیں فراز نہ رہے۔ مناسبت کے ساتھ کاغذ موڑ کر رکھتا ہوں یوں جی چاہتا ہے کہ کسی کو بھی ذرا الجھن نہ ہو۔

ملفوظ ۲۷۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے عشاق اکثر فساق ہیں عشق اور ہی چیز ہے اب تو فسق کا نام عشق رکھ لیا ہے محض بوالہوس ہیں یہ گندم کھانے کا فساد ہے اسی کو ایک حکیم فرماتے ہیں ؎

ایں نہ عشقست آنکہ در مردم بود ❊ ایں فساد خوردن گندم بود[1]

ملفوظ ۲۷۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل جس کو دیکھو اِلَّا مَاشَاءَ اللہ بڑا بننے کی فکر میں ہے اور یہ مرض ایسا عام ہوا ہے کہ مشائخ اور علماء تک کو اس میں ابتلاء ہے۔ پہلے حضرات ایسے ایہام سے بچتے تھے اور ایہام تک کا تدارک کرتے تھے چنانچہ سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور شدت شوق میں یہ اشعار پڑھے ؎

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلہا ❊ تقبل الارض عنی وھی نائبتی[2]
وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت ❊ فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی

فوراً ہی حضور کا دست مبارک مزار مبارک سے ظاہر ہو گیا۔ انہوں نے دوڑ کر بوسہ دیا اور بیہوش ہو گئے اس وقت حضور کے دست مبارک کے نور سے سورج بھی ماند ہو گیا تھا لکھا ہے کہ اس وقت نوے ہزار آدمی کا مجمع تھا جس میں بڑے بڑے قطب اور غوث ابدال اوتاد بھی موجود تھے حاضرین میں سے ایک بزرگ

---

[1] جو عشق انسان کے ساتھ ہو وہ عشق نہیں ہے بلکہ گیہوں کھانے کا فساد ہے (اور پیٹ بھرنے کی مستی ہے [2] دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا کہ میری نائب ہو کر زمین بوسی کرے اب مجھ کو حاضری کی دولت میسر آئی ہے تو ذرا دست مبارک بڑھائیے تاکہ میں بوسے کے شرف سے محفوظ ہوں ۱۲۔

سے پوچھا گیا کہ اس وقت تم کو کچھ رشک ہوا تھا۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں بیچارہ کیا چیز ہوں اس وقت تو فرشتے رشک کر رہے تھے پھر جس وقت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوش آیا۔ اندیشہ ہوا کہ میں کہیں مخلوق کی نظر میں بڑا نہ ہو جاؤں تو تمام نوے ہزار کے مجمع کو اللہ کی قسم دیکر فرمایا کہ میں زمین پر لیٹا ہوں سب میرے اوپر سے پھاند کر جائیں کثرت سے لوگ ایسے بھی تھے جو اسی طرح گذر گئے مگر بعض بزرگ ایسے بھی تھے جنہوں نے یہ کہا کہ ہم اگر ایسا کرتے تو ہم پر خدا کا قہر نازل ہو جاتا یہ ہے بزرگوں کی شان کیا ٹھکانا ہے اس فنا اور بے نفسی کا کہ سماع کے ساتھ سخت کیا آج کل کے مشائخ جو اپنے عوامل سے بے فکر ہیں اس سے سبق حاصل کریں۔

ملفوظ ۲۶۹: فرمایا کہ کل غیر مقلد کا ایک سوال آیا ہے اس کا میں پہلے جواب دے چکا ہوں اس جواب کا تو کوئی ذکر نہیں کیا پھر وہی سوال کر دیا چاہیے یہ تھا کہ میرے جواب پر اول گفتگو کرتے یہ سب بے ضابطگیاں ہیں ان لوگوں کی۔ اور اس سوال میں میری کتاب کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں بھی کتر بیونت کی ہے بیچ میں سے عبارت ہی اڑا دی۔ ان سائل صاحب کا یہ دین ہے اور اس پر دعویٰ ہے عامل بالحدیث ہونیکا میں تو کہا کرتا ہوں کہ ان میں اکثر کی طبیعتوں میں فساد ہے اگر دین ہو اور نیت اچھی ہو تو اختلاف میں کوئی حرج نہیں اور نہ اس سے روکا جاتا ہے کہ تحقیق نہ کریں مگر دین تو مقصود ہی نہیں محض تعصب ہے۔

ملفوظ ۲۷۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ بڑے عادل ہوتے ہیں ہر چیز میں عدل و اعتدال کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ حالانکہ بہت نازک مزاج تھے مگر ان کے عدل کا واقعہ عرض کرتا ہوں کہ ایک روز آپ نے ایک مرید سے فرمایا تم اپنے بچوں کو لاؤ ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ مرید بیچارے سمجھے کہ حضرت نازک مزاج ہیں اور بچے شوخ ہوتے ہیں ممکن ہے کہ انکی بے ڈھنگی حرکات سے حضرت کو تکلیف ہو ٹال گئے کچھ روز کے بعد پھر فرمایا کہ میاں ہم نے تم سے بچوں کو لانے کیلئے کہا تھا تم لائے نہیں مرید نے پھر ٹال دیا کچھ روز کے بعد پھر یہی فرمایا تب مرید سمجھے کہ جان بچے گی نہیں انہوں نے بچوں کو نہلا دھلا صاف کپڑے پہنا اور حضرت کے مزاج کے مناسب ضروری آداب تعلیم کر کے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے ان لوگوں کو بہت بے تکلف بنانا چاہا مگر وہ گردن جھکائے آنکھیں نیچے کئے بیٹھے رہے حضرت نے ان باپ سے فرمایا کہ میاں ہم نے تم سے کہا تھا اپنے بچوں کو لانا عرض کیا حضرت یہ حاضر تو ہیں فرمایا کہ یہ بچے ہیں یہ تو تمہارے بھی باوا ہیں بچے تو ایسے ہوتے کہ کوئی ہماری کمر پر سوار ہو جاتا کوئی عمامہ لے بھاگتا۔ دیکھئے یہ حضرات کیسے عادل ہوتے ہیں طبیعت کے تابع نہیں ہوتے اصول کے تابع ہوتے ہیں اس لئے اگر بڑے عمر والے کوئی حرکت کرتے تو ان پر

دارو گیر کرنے اور بچوں نے شوخی نہیں کی تو اس کی شکایت کی کتنے بڑے عدل کی بات ہے۔

ملفوظ ۲۸۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرات چشتیہ کی شان ہی جدا ہے ان میں شان فنا کا غلبہ ہوتا ہے محویت ہوتی ہے ان کے قلب سے سب زائد چیزیں ھباءً منثورا (غائب) ہو جاتی ہیں ماسوا سب سے ذہول ہو جاتا ہے۔ اس واسطے میں نے اس گروہ کا نام بجائے اولیاء اور بزرگ کے عشاق رکھا ہے کیونکہ عشق کے جو کاروبار ہیں ان حضرات میں نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب ردولوی نے غالباً بیس برس تک جامع مسجد میں باجماعت نماز پڑھی مگر جامع مسجد کا راستہ تک یاد نہیں ہوا۔ بختیار نام خادم حق حق کہتا ہوا آگے آگے چلتا تھا یہ اس آواز پر جامع مسجد پہنچتے تھے۔ اور عجیب بات یہ کہ یہ تو حالت استغراق اور محویت کی تھی مگر ساتھ ہی اتباع کی یہ حالت تھی کہ نماز جامع مسجد میں باجماعت ادا فرماتے تھے آج کل کے بعض اہل ظاہر زاہد خشک ان حضرات پر معترض ہوتے ہیں۔ بڑی خطرناک بات ہے اس سے اندیشہ آخرت کے خراب ہو جانیکا ہے جو شخص اس راہ سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ بعض احوال میں ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ تمام تر توجہ دوسری طرف ہو جاتی ہے اس میں محویت ہو جاتی ہے اس لئے دوسری چیزیں نظر میں نہیں رہتیں۔ اس حالت میں وہ مجبور و معذور ہیں۔ چنانچہ بعض عبارتیں میری ہی پہلی لکھی ہوئی اب خود میری ہی سمجھ میں نہیں آتیں آج ہی کا واقعہ ہے کہ ایک فتویٰ میرا ہی لکھا ہوا نکل آیا بڑے غور و فکر سے بار بار دیکھا تب سمجھ میں آیا یہ معترضین محض نحوی ہیں اگر محوی ہو جائیں تو پھر ان کو کوئی اعتراض نہ رہے اور صاحب یہ تو خدا تعالیٰ کا عشق ہے اس طرف کی محویت ہے اس طرف کا استغراق ہے اس کے سامنے دوسری چیزیں کیا نظر میں رہ سکتیں۔ کسی عورت مردار پر کوئی عاشق ہو جاتا ہے اس کی نظر سے سب چیزیں اوجھل ہو جاتی ہیں مجنوں ہی کو دیکھ لیجئے کہ لیلیٰ کے عشق میں کیا کچھ نہ ہو گیا تھا خدا کی محبت خدا کا عشق اس سے بھی گیا گذرا اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق[عہ] مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود ؛ گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

حضرت عشق تو وہ چیز ہے کہ جب کسی دل میں آکر گھر کر لیتا ہے تو اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے جس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عشق[عہ] آں شعلہ است کو چوں برفروخت ؛ ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عہ مولیٰ کا عشق کیا لیلیٰ سے بھی کم ہوگا۔ اور کم! اسکے (مشیت کے بلّے کے) آگے مثل گیند کے ہونا اولیٰ نہ ہوگا ۱۲

تیغ لا در قتل غیر حق براند ✧ در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت ✧ مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

ملفوظ ۲۸۱ ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ انسانیت تو دنیا میں سے رخصت ہی ہوتی ہی جاتی ہے محض نفلوں کا پڑھنا اور تسبیح کا ہاتھ میں لینا ہی درکام جانتے ہیں۔ معلوم نہیں کیا یہ جانوروں میں رہے ہیں آدمیت انسانیت قریب قریب مفقود ہی ہوگئی۔ میں نے کونسی ایسی باریک بات کا سوال کیا تھا جس کا جواب نہیں دے سکے اچھی خاصی سیدھی سادی بات کو اینچ پینچ کر کے خود بھی پریشان ہوئے اور مجھ کو بھی بیٹھے بٹھلائے اذیت پہونچائی۔ یہی وجہ لوگوں کی محرومی کی ہے کیونکہ نفع موقوف ہے بشاشت اور انشراح قلب پر مجیب آتے ہی ستانا شروع کر دیا اذیت پہونچائی تو پھر کیا خاک نفع ہو اگر سو برس بھی صحبت میں رہے تب بھی اس صورت میں خاک نفع نہ ہوگا۔ بلکہ اگر پہلے سے بھی کچھ نفع ہوا ہو وہ بھی اس وقت سلب ہو جاتا ہے مگر اس کا ذرا اہتمام نہیں بس جو آتا ہے اور جس کو دیکھو ایک ہی مشین کے نکلے ہوئے آتے ہیں خدا معلوم بدفہمی کی تعلیم کا کوئی خاص اسکول ہے جہاں تعلیم پا کر آتے ہیں۔ یا سارے بدفہم میرے ہی حصہ میں آگئے ہیں میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ یا تو ان کو فہم کا قحط ہے یا مجھ کو فہم کا ہیضہ ہے تو اس حالت میں بھی قحط زدہ اور مریضہ میں مناسبت نہیں ہو سکتی۔ اب بتلایئے جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کون ہے کہاں سے آیا ہے کس غرض سے آیا ہے اس وقت تک میں کیا خدمت کروں کہ آنے والے مختلف اغراض لے کر آتے ہیں۔ میں اپنی طرف سے ایک شق کو کیسے متعین کر سکتا ہوں اور یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ اس شخص کی کس درجہ تعلیم ہے خورد و نوش کا کیا انتظام ہے یہاں پر کتنا قیام ہوگا اور یہ سب میں اس لئے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہر بات کی رعایت کرتے ہوئے مشورہ اور تعلیم دے سکوں۔ مگر اس میں بھی گڑبڑ کرتے ہیں۔ اینچ پینچ سے کام لیتے ہیں ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ جیسے صاحب غرض کے ساتھ کوئی کیا کرتا ہے نیز آنے والوں میں بعض اہل علم ہوتے ہیں ان کی رعایت سے علمی مضمون بیان کرتا ہوں مگر یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ معلوم ہو۔ میں اپنا ادب نہیں چاہتا تعظیم نہیں چاہتا مگر اتنا تو میرا حق ضرور ہے کہ اگر مجھے ستاویں نہیں

عہ عشق وہ آگ ہے کہ جب یہ بھڑکتی ہے تو معشوق کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ جب غیر حق کے فنا کرنے کے لئے لا کی تلوار چلائی تو دیکھو لا کے بعد کیا رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ الا اللہ رہ گیا۔ مبارک ہو اے عشق تجھ کو جو شرکت غیر کو جلائے۔ آلاسے ۱۲ ✧✧

میرا مقصود ہر بات سے یہ ہوتا ہے کہ میں نفع پہونچاؤں اور نفع موقوف ہے مناسبت پر اور مناسبت عادۃً موقوف ہے پورے تعارف اور علم حالات پر تو نفع کی اولین شرط خاص تعارف ہوا۔ مگر آج کل پیر دل کو بت سمجھ رکھا ہے کہ بت کی طرح بے حس ہوتے ہیں جیسے بت پر اگر کوئی چڑھاوا چڑھائے تب کچھ نہیں بولتا اور اگر اسکے جوتے لگائیں تب کچھ نہیں بولتا بس بے حس ہو کر تسبیح ہاتھ میں لئے گردن جھکائے آنکھیں بند کئے بیٹھا رہے۔ تب وہ پیر ہے سو یہاں یہ باتیں کہاں یہاں تو گھن کی چوٹ پڑتی ہے تب ٹیڑھا پن نکلتا ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اور شیخ ہیں میں۔ میخ ہوں اور جگہ برکت ہے میرے یہاں حرکت ہے اور جگہ دلجوئی ہے میرے یہاں دلشوئی ہوتی ہے اگر میرا یہ طرز اصلاح کسی کو ناپسند ہے تو وہ نہ آئے میرے پاس بلانے کون جاتا ہے اسی کے متعلق اکثر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

جس کو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں ؛ ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی

ملفوظ ۲۸۲: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ تو وہ راہ ہے کہ اگر ساری عمر بھی اس میں کھپا دے اور اسی میں لگا رہے پھر اس کے بعد بھی فضل ہو جائے تو سب کچھ مل گیا اس لئے کہ ہماری کیا عبادت اور کیا زہد و تقویٰ محض ان کے فضل ہی پر مدار ہے اور وہ فضل تو فرما ہی دیتے ہیں مگر لگا رہنا عادۃً شرط ہے اسی کو مولنا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش ؛ تادم آخر دمے فارغ مباش

تادم آخر دمے آخر بود ؛ کہ عنایت با تو صاحب سر بود

ملفوظ ۲۸۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آدمی سچا ہو اس میں مکر و فریب نہ ہو بس یہ ادا مجھ کو پسند ہے جس میں بھی یہ ادا ہو۔ اور متعارف اینچ پینچ اور مکر و فریب سے مجھ کو طبعی نفرت ہے مگر آج کل یہ محاسن میں داخل ہو گئے ہیں کہا جاتا ہے کہ بہت ہوشیار ہیں مگر مکاری اور چالاکی کو بیدار مغزی سے کیا تعلق۔

ملفوظ ۲۸۴: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ انگریزی خواں تو پہلے ہی سے آزاد اور بے فکر ہیں۔ مگر اب عربی خواں بھی انہی نئے طرز کے شکار ہو گئے بس اب تو عربی خواں ہوں یا انگریزی خواں عوام ہوں یا خواص سب ایک ہی حالت پر اور ایک ہی راستہ پر چلے جا رہے ہیں اور ان

؎ اس راہ میں تراش و خراش بہت ہیں آخر دم تک ایک کے لئے بے فکر مت ہو آخر کار آخر دم تک ایک گھڑی ایسی ہوگی کہ تجھ پر عنایت حق ہوگی ۔ ۱۲

سب کی ان موذی حرکات کا منشا بے فکری ہے اگر فکر اور غور سے کام لیں تو کبھی ایک دوسرے کو اذیت یا تکلیف نہیں پہونچ سکتی مگر فکر اور غور کی ان کو ضرورت ہی کیا - اس کی ضرورت تو جب ہو جب دین اور آخرت کی فکر ہو عام طور سے ایسی آزادی اور حریت کا سبق پڑھا ہے کہ خدا تعالےٰ سے اور ان کے احکام سے بھی آزاد ہو گئے جس غلامی سے نکلنے کیلئے یہ سبق یاد کیا تھا اسکی زنجیروں سے پھر بھی نجات نہ ملی اگر خدا کے غلام ہوتے انشاء اللہ پھر سب سے آزاد ہوتے مگر ان سے تو تعلق پہلے منقطع کر لیا اب پریشان پھرا کریں یہ ان تحریکات کی بدولت الحاد اور نیچریت کا بڑا زہر بلا اثر پھیل گیا اور زیادہ تر یہ اثر اہل علم کی شرکت سے ہوا ان لیڈروں کی تو کوئی سننے والا تھا نہیں عوام مسلمان بیچارے ان علماء ہی کیوجہ سے پھنسے مذہبی جذبہ تو ایسی چیز ہے کہ آدمی جان تک دیدیتا ہے، اور قطعاً پرواہ نہیں کرتا - موپلوں کو دیکھ لیجئے ان لیڈروں کی بدولت ان کا کیا حشر ہوا عربی النسل قوم تھی تقریروں سے ان میں اشتعال پیدا ہو گیا لڑ بیٹھے کچلے گئے بیچارے مدتوں تک بھی نہیں سنبھل سکتے -

جلد سوم قسط دوم تمام شُد

قرآن و سنت کی روشنی میں زندگی کے سیکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل

ملفوظات حکیم الامت رح

یعنی

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

مسلسل ترتیب کی ۱۳ قسط

مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

باہتمام: نسیم احمد

ناشر

ادارۂ فکر اسلامی دیوبند (یوپی)

نام کتاب ــــــــــــــــــــ ملفوظات حکیم الامت جلد ۳ قسط ۳

باہتمام ــــــــــــــــــــ نسیم احمد بن شمس الحسن صاحب مرحوم

سن طباعت ــــــــــــــــــــ ۱۹۸۹ء

طباعت ــــــــــــــــــــ محبوب پریس دیوبند

قیمت ــــــــــــــــــــ فی قسط /۱۰ روپے

ملفوظات حکیم الامت کی جلد ۳ قسط ۳ مسلسل ترتیب کا قسط ۱۳ ناظرین کے سامنے پیش ہے۔ کوئی بھی شخص ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتا ہے۔ فیس ممبری کچھ نہیں۔ ممبر بننے کے بعد ہر دو ماہ میں ایک ایک قسط /۱۰ روپے کی وی پی سے اور دو قسط ایک ساتھ /۲۰ روپے کی وی پی سے ارسال ہوگی، جس کا وصول کرنا آنجناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔ منیجر ادارہ

فہرست مضامین

۲ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نمازِ ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۲۸۵:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر سچے طالب اور مخلص سے کوتاہی بھی ہو جاتی ہے تو ناگواری نہیں ہوتی اور جس میں طلب و اخلاص بھی نہ ہو پھر اوپر سے ہو بے پروائی اور بے فکری تو اس کو کیسے کوئی گوارا کر سکتا ہے. مگر آج کل طبائع میں بہت ہی بے پروائی اور بے فکری بڑھ گئی ہے. اور یہی وجہ ہے کہ اکثر غلطیوں اور بدتمیزیوں کا صدور ہوتا ہے اور اس کا تحمل نہیں ہوتا.

ملفوظ ۲۸۶:- فرمایا کہ رنگون سے ایک خط آیا ہے لکھا ہے کہ ایک شخص دوسری جماعت باطلہ میں تھا اب اس نے رجوع کر لیا اور آپ کی کتابیں بھی دیکھتا ہے بہت زیادہ آپ سے عقیدتمند ہے اس لئے اسی عریضہ کے ذریعہ سے اس کو غلامی کا شرف بخشیں اور بیعت فرما کر سلسلہ میں داخل فرما دیں. یہ شخص مقدمہ جاریہ میں بھی زیادہ کوشاں ہے اور اہلِ حق کی طرف سے گواہ بھی ہے. میں نے لکھ دیا کہ آپ کے نزدیک یہ وجوہ تعجیلِ بیعت کے مقتضیات ہیں اور میرے نزدیک یہ وجوہ تاخیرِ بیعت کے مقتضیات ہیں. کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب الرائے ہے اور رائے کا بدل جانا مستبعد نہیں. اس لئے بہت انتظار کی حاجت ہے. مگر آج کل لوگوں کو بیعت پر زیادہ اصرار ہے اور کام کی جو بات ہے وہ محبت کا تعلق اور تعلیم کا اتباع ہے. اس کے بعد اگر بیعت بھی کر لی جاوے تو مضائقہ نہیں.

ملفوظ ۲۸۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر مرید کو شیخ سے محبت ہو تو اس کے سامنے کبھی تاویلیں یا اینچ پینچ نہیں کر سکتا. محبت وہ چیز ہے کہ ایسی سب باتوں کو فنا کر دیتی ہے. تاویلیں کرنا بالکل مرادف ہے عدم محبت کا مگر لوگ ایسی باتوں کو معلوم کرنا بھی نہیں چاہتے سن کر خفا ہوتے ہیں.

ملفوظ ۲۸۸:- فرمایا کہ آج ایک صاحب کا خط آیا ہے اس میں ایک عجیب اور نئی درخواست لکھی ہے ایسی درخواست کسی نے آج تک نہیں کی تھی لکھتے ہیں کہ میں آپ کا معتقد ہوں اور بہت زیادہ عقیدت رکھتا ہوں. اس لئے یہ عرض ہے کہ میں قرضدار ہوں آپ مجھ کو کیمیا کا نسخہ تبلادیں. اگر آپ نے جواب جلدی نہ دیا تو میرا دل پھٹ جائے گا. میں نے لکھ دیا ہے کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر

کسی نے مجھے سکھا دیا تو میں تم کو سکھا دوں گا۔ اور صورت اس کی یہ ہے کہ ایک کارڈ میں وقت مقرر کر کے کہ اتنے وقت تک اگر کسی نے سکھا دیا تو مجھ کو اطلاع کر دی جائے میرے پاس رکھ دو اگر اس وقت تک مجھ کو کسی نے بتلا دیا تو میں تم کو اطلاع کر دوں گا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ کہیں یہ شعر سن لیا ہے نہ معلوم کس نے لکھ مارا ہے کہ ؎

کیمیا و ریمیا و سیمیا　　　　این نہ باشد جز بذات اولیا

یہاں پر اولیا سے مراد اس قسم کے اولیاء ہیں جن کا سبق ہے اولیا (یعنی او فلاں شخص روپیہ بیبیہ لے آ) فضول چیزوں کے پیچھے پڑ کر لوگ اپنے بیش بہا وقت کو بیکار کھوتے ہیں تقدیر میں جس قدر ملنے والا ہے وہ تو مل کر ہی رہے گا۔ حدیث شریف میں آیا کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے دنیا ناک رگڑتی ہوئی اسکے قدموں میں آ کر پڑتی ہے۔ بس انسان کو چاہیئے کہ آخرت کی فکر میں لگے۔

۴ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

ملفوظ ۲۸۹: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میرے یہاں صاحب حاجت اور ضرورت مند کے لئے کوئی وقت متعین نہیں جس وقت حاجت لائے حتی الوسع پورا کر دیتا ہوں اگرچہ آدھی رات کو آئے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ میری بداخلاقی کا منشاء خوش اخلاقی ہے۔ میں طبعاً خود سب کی رعایت کرتا ہوں۔ پھر جب میں دوسروں کی رعایت کروں اور وہ اس کی قدر نہ کریں اور میری کوئی رعایت نہ کریں تو بتلایئے کہ اگر ناگواری نہ ہو تو اور کیا ہو۔ مزاحاً فرمایا کہ جب وہ ناگواری کی بات کرتے ہیں میں بھی ناگوار ہو جاتا ہوں (مراد مشابہ سانپ کے)

ملفوظ ۲۹۰: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس کے قلب میں اہل اللہ کی اور دین کی عظمت ہوئی یہ ضرور ایک روز رنگ لا کر رہتی ہے خالی نہیں جاتی۔ یہ خدا کی بڑی نعمت اور بڑی دولت ہے۔

ملفوظ ۲۹۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں سب سے بدتر اور رہزن اور سم قاتل مخلوق کو ستانا اور اس پر ظلم کرنا ہے خواہ کسی عنوان اور کسی طریق سے ہو۔ اس لئے اس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے۔

ملفوظ ۲۹۲:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ چھوٹے بچوں کی حرکات چونکہ بے ساختہ اور سادگی کے ساتھ ہوتی ہیں، مجھ کو بہت پیاری معلوم ہوتی ہیں۔ ایک روز ایک بچہ نے چھیڑنے پر مجھ کو کوسا کہ اللہ کرکے بڑے ابا مرجا۔ میں نے کہا کہ تو اپنے دل میں بڑا خوش ہوا ہوگا کہ میں نے بڑی بددعا دی. مگر واقع میں یہ تو دعا ہے۔ یہ کہنا ایسا ہے جیسے کوئی مسافر سفر میں ہو اور کسی بیابان دشت خار میں پریشان ہو اس کو کوئی یہ کہے کہ اللہ کرکے یہ اپنے گھر پہنچ جا۔ تو یہ کوسنا نہیں دعا ہے موت کے وقت مومن کو اگر طبعی تکلیف بھی ہو مگر اس کے ساتھ ہی عقلی خوشی بھی ہوتی ہے۔ یہ دونوں ایک وقت میں جمع ہوسکتی ہیں جیسے آپریشن کے وقت طبعی الم اور عقلی خوشی ایک وقت میں جمع ہوتی ہیں اور موت کے وقت بعض عشاق کی طبعاً بھی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مشتاقانہ یہ کہتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویران بردم ❊ راحت جاں طلبم وزپے جاناں بردم[1]

ملفوظ ۲۹۳:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ جو آج کل پختہ قبریں بناتے ہیں یہ لوگ میت پر جو رحمت کے اسباب ہوتے ہیں ان میں سے ایک سبب کو کم کردیتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ کوئی نبی کسی مقبرہ سے گزرے بعض اموات کو معذب دیکھا۔ پھر ایک مدت کے بعد جو گذر ہوا تو مغفور پایا وجہ پوچھی۔ ارشاد ہوا کہ عذاب کی وجہ تو اعمال بد تھے مگر جب ان کے کفن گل گئے ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں قبریں منہدم ہوگئیں اس حالت پر ہم کو رحم آیا ہم نے بخشدیا۔ پھر عقلی طور پر سمجھو کہ جب خود ہی نہ رہے اب پختہ قبر ہی میں کیا رکھا ہے۔ اور پختہ قبر تو محض بیکار ہے۔ اہل فنا کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ بعض برکات کی غیر ضروری چیزوں سے بھی بلکہ بعض اوقات غلبہ حال میں بعض ضروری چیزوں سے بھی ان کو دلچسپی نہیں رہتی۔ مولوی غوث علی شاہ صاحب پانی پتی نے عین جان کندنی کے وقت جب لوگوں نے اُن سے کہا کہ آپ کو کہاں دفن کریں مخدوم صاحب میں یا قلندر صاحب میں۔ جواب میں فرمایا کہ میں نے سب کے تلوے سہلالئے۔ اب مجھ کو نہ ضرورت مخدوم صاحب کی نہ قلندر صاحب کی، مجھ کو صرف جوار رحمت کافی ہے میری لاش کو کفن دے کر ایک چٹیل میدان میں رکھدینا۔ تاکہ چیل کوّے میری لاش کو کھائیں اور ان کا پیٹ بھر جائے شاید اسی سے حق تعالیٰ میری نجات فرمادیں۔

ملفوظ ۲۹۴:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی کی عمر غالباً چالیس سال کی بھی نہیں ہوئی۔ مولانا گو باقاعدہ کسی شیخ کے پاس نہیں رہے مگر رات دن چونکہ کتاب و سنت کی خدمت میں مشغول رہتے تھے، اس کی یہ سب برکت تھی جو ان کے حالات سے ظاہر ہے جس میں بڑی نعمت مقبولین سے محبت تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار ہوئے تو ایک روز فرمایا کہ

[1] وہ دن بڑی خوشی کا ہوگا جب اس ویران گھر سے میں روانہ ہونگا اور اس روانگی سے جان کی راحت حاصل کرونگا اور محبوب کی [illegible]۔

گڑیوں کو جی چاہتا ہے، ان کو خبر ہو گئی بڑے اہتمام کے ساتھ لکھنؤ سے گڑیاں بھیجیں۔ جس وقت مولانا نے "تحذیر الناس" لکھی ہے کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی بجز مولانا عبدالحی صاحبؒ کے۔ مولانا کو ہمارے بزرگوں سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔

۲۹۵ ملفوظ:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر ریاستوں کے لوگوں میں اب تک بھی سادگی خلوص مروّت اور محبت ہے مگر جہاں انگریزی کا غلبہ ہے وہاں نہ ادب ہے نہ خلوص نہ مروّت نہ سادگی ہر شخص فرعون بے سامان نظر آتا ہے۔ ریاستوں کی سادگی پر ایک واقعہ یاد آیا جس سے علماء کی سادگی کے ساتھ والیانِ ملک تک کی سادگی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا عبدالقیوم صاحب جو بھوپال میں تشریف رکھتے تھے، ایک مرتبہ بیگم صاحبہ ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوئیں۔ جب رخصت ہونے لگیں مولانا نے بیگم صاحبہ کے جوتے سیدھے کر کے رکھدیئے۔ بیگم صاحبہ بہت شرمائیں اور عرض کیا کہ مجھ کو آپ نے گنہگار کیا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے آپ کو بزرگ سمجھ کر جوتیاں سیدھی کی ہیں۔ بیگم صاحبہ نے کہا کہ مجھ کو آپ نے بزرگ کیسے سمجھا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مجھ کو آپ کے شہر میں اتنا عرصہ وعظ کہتے اور نکاحِ بیوگان کی ترغیب دیتے ہو گیا مگر اب تک ایک نکاح بھی نہیں ہوا۔ یہ تو میری بزرگی تھی اب آپ اپنی بزرگی آزما کر دیکھ لیجئے کہ بس اس کے متعلق ایک عام حکم دیدیں پھر دیکھیں اگر ایک بیوہ بھی نکاح سے رہ جائے اس سے آپ کی اور میری بزرگی معلوم ہو جائے گی۔ بیگم صاحبہ سمجھدار اور دیندار تھیں۔ اگلے ہی روز صبح کو دربار میں بیٹھ کر ایک دم حکم دے دیا اور ایک مناسب مدت معین کر کے اعلان کر دیا کہ اس مدت کے اندر کوئی بیوہ نکاحِ ثانی سے باقی نہ رہنے پاوے ورنہ سزا ہو گی۔ جناب ہفتہ ہی دو ہفتہ کے اندر اندر تمام بیواؤں کے نکاح ہو گئے۔ مولوی صاحب کی تدبیر کیسی کارآمد ہوئی۔ دیکھئے اس واقعہ میں رئیسہ کی سادگی تو یہ کہ ایک عالم کی زیارت کو خود آئیں اور مولانا کی سادگی یہ کہ ان کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھدیں (جس کے ذریعہ سے بیگم صاحبہ سے ایک دینی خدمت لے لی) اور یہ مولانا تھے بڑے ظریف، کسی نے اُن سے مسئلہ پوچھا۔ مولوی صاحب نے مسئلہ کا جواب دے دیا۔ اس نے حدیث سے دلیل طلب کی۔ فرمایا میں تو مسلم نہیں ہوں کہ حدیثیں دیکھ کر عمل شروع کیا ہو۔ میرے آباؤ اجداد سب مسلمان تھے ان کو جس طرح کرتے دیکھا کرنے لگا۔ اسی طرح انھوں نے اپنے بڑوں کو کرتے دیکھا۔ بس اسی طرح سلسلہ آ رہا ہے۔ باقی حدیث کا طلب کرنا تو مسلموں کا کام ہے۔ عجیب گہری بات فرمائی۔ یہ غیر مقلدوں پر تعریض تھی کہ باوجود قوتِ اجتہاد نہ ہونے کے بزرگوں کی تقلید نہیں کرتے۔

۲۹۶ ملفوظ:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اب تو ایک ریاست کا قصہ سُنا ہے کہ وہاں رئیس کا خانساماں ایک یورپین ہے۔ ان یورپ والوں میں جاں نثاری اور اُنس کا مادہ نہیں ہوتا، بخلاف ہندوستانی کے کہ وہ جاں نثار اور مونس ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ انگریز خانساماں معین وقت تک

تو نواب صاحب کے کھانے کا انتظار کرتا ہے۔ اس کے بعد باورچی خانہ بند کر کے چل دیتا ہے۔ یہ لوگ ردکھے ہوتے ہیں۔

۴ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ ۲۹۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کثرت سے مسلمانوں کے عقیدے بھی خراب ہو گئے ہیں۔ بزرگوں کو مختار کل سمجھتے ہیں۔ جو عقیدے ہندوؤں کے تھے وہ مسلمانوں کے بھی ہو گئے۔ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔ ایک مولوی صاحب تھے تو قدرے متشدد، مگر ایک بات بڑے کام کی کہی کہ اگر کسی بزرگ کو اعتقاد سے تو بندہ ہی سمجھے مگر معاملہ اللہ (معبود) کا سا کرے وہ بھی شرک میں داخل ہے۔ اور اس معاملہ سے جیسے حق تعالیٰ ناراض ہوں گے وہ خود بزرگ بھی ناخوش ہوں گے۔ جیسے حاکم کو جس ہیئت سے سلام کرنے کا قاعدہ ہے اگر اس ہیئت سے کوئی شخص اجلاس پر سرشتہ دار کو سلام کرے تو حاکم کو تو ناگوار ہو ہی گا مگر سرشتہ دار کو بھی یقیناً ناگوار ہو گا۔

ملفوظ ۲۹۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فارسی گو شرعی زبان نہیں عربی کی طرح مگر دین کا ایک بڑا حصہ بالخصوص تصوف کا اس زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے اس لیے دین سے ایک گونہ تلبس ہونے کی وجہ سے اس کی تحصیل کی ایک درجہ میں ضرورت ہے۔ آج کل یہ بڑی کوتاہی ہے کہ فارسی کو بالکل ہی لوگوں نے چھوڑ دیا حتیٰ کہ علماء تک نے اس کو چھوڑ دیا پڑھتے نہیں۔ پھر فارسی میں تصوف کے ذخیرہ ہونے کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں نے ایسی ہی کتابوں سے ملتقط کر کے ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام بھی عجیب ذہن میں آیا۔ السنة الجلية فی الچشتية العلية۔ اس رسالہ میں ان ہی حضرات کے اقوال و افعال سے شریعت کی ضرورت ثابت کی ہے۔ تاکہ ان حضرات کو سنت کا مخالف سمجھ کر ان کی شان میں گستاخی نہ کریں۔ اگر ایک ایک نسخہ اس رسالہ کا تمام سجادوں کے نام بھیج دیا جائے تو بہت نفع ہو۔ پھر خاص چشتیہ کے متعلق فرمایا کہ جیسے حنفیہ بدنام ہیں کہ یہ کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ حالانکہ سب میں یہی زیادہ حدیث کے متبع ہیں ایسے ہی چشتیہ بدنام ہیں کہ شریعت کے خلاف ہیں۔ اور ان کے اقوال افعال خلاف سنت ہیں۔ حالانکہ متبع سنت یہ حضرات سب سے زیادہ متبع شریعت ہیں۔ اور بھلا جن حضرات نے اپنی جان مال آبرو سب خدا اور رسول پر فدا کر دی ہو کیا

وہی شریعت کے خلاف ہوں گے۔ پھر اتباع شریعت کی اہمیت کے متعلق فرمایا کہ حضرت اویس قرنیؒ ساری عمر ماں کی خدمت کرتے رہے اور حضور کی زیارت نہ کر سکے۔ کیونکہ حضور کی زیارت فرض نہ تھی اور ماں کی خدمت فرض تھی۔ اس فرض کے لئے ساری عمر آتش فراق میں جلتے رہے۔ دیکھئے اتباع شریعت کس درجہ واجب الاہتمام ہے۔

ملفوظ ۲۹۹:- ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ تم کو خود کہنا چاہئے تھا کہ میں فلاں غرض سے آیا ہوں، میرے پوچھنے کا انتظار کیا معنی مجھ کو اس قدر فراغ کہاں۔ اگر پوچھنا میرے ذمہ ہو تو مجھ کو ہر وقت سب کاموں سے معطل ہو کر فارغ رہنا چاہیے۔ کیونکہ یہاں پر تو ہر وقت ہی آدمی آتے رہتے ہیں تو ہر وقت مجھ کو بیکار اور فارغ رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس صورت میں اگر کسی دوسرے کام میں مشغول رہوں اور اسی وقت دوسرا آدمی آجائے تو اسکی طرف متوجہ ہو جاؤں تو گویا بس اسی ایک کام کا ہو جاؤں تو یہ کیا نامعقول حرکت ہے۔ خدا معلوم لوگوں کی سمجھ کیا ہوئی۔

ملفوظ ۳۰۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جس قدر کوئی زیادہ انگریزی پڑھا ہوا ہوتا ہے اسی قدر تہذیب سے دور ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ ہے اور اس کے مقابل جس قدر عربی زیادہ پڑھا ہوا ہوگا اسی قدر زیادہ مہذب ہوگا۔ مگر انگریزی خواں اور عربی خواں کے اس موازنہ میں یہ ضرور ملحوظ رہے کہ جس درجہ کا ایک انگریزی داں ہو اسی درجہ کا دوسرا عربی داں ہو۔ یہ نہ ہو کہ عربی داں تو چھوٹے طبقہ کا ہو اور انگریزی داں عالی خاندان اور سید ہو بلکہ وہ انگریزی داں بھی چھوٹے ہی طبقہ کا ہونا چاہیے۔ اور اگر وہ انگریزی داں رئیس اور سید ہو تو یہ عربی خواں بھی رئیس اور سید ہو تب موازنہ کر لیجئے، ہمارے دعوے کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ مجھ کو تو ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ اور موازنہ میں لوگ یہ بے انصافی کرتے ہیں کہ انگریزی داں تو ایک شہری اور عالی خاندان لیتے ہیں اور عربی داں ایک دیہاتی چھوٹے طبقہ کا لیتے ہیں۔ اور موازنہ کر کے کہتے ہیں کہ دیکھئے عربی خواں بدتہذیب اور پست خیال ہوتے ہیں اور انگریزی خواں مہذب اور بلند خیال ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۳۰۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں اپنا ادب نہیں کراتا، اپنی تعظیم نہیں کراتا، ابتداءً ڈانٹنا نہیں مارتا نہیں۔ ہاں بضرورت یہ کرتا ہوں جیسے ایک پیر نے ایک سانپ کو مشورہ دیا تھا۔ ضرب المثل کے طور پر ایک قصہ ہے۔ ایک سانپ کسی پیر کا مرید ہو گیا تھا۔ تمام جنگل میں سانپ کے مرید ہونے کی خبر مشہور ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ اس نے کسی کو کاٹنے سے توبہ کر لی ہے۔ اب جانوروں نے ستانا شروع کیا اور وہ صبر کرتا تھا۔ ایک روز پیر صاحب کا ادھر سے گذر ہوا دیکھا سانپ تمام زخمی ہو رہا ہے۔ مکھیاں لپٹ رہی ہیں چیونٹیاں چمٹ رہی ہیں۔ پیر نے پوچھا کیا حال ہے۔ عرض کیا حضرت یہ سب بیعت کی برکت ہے۔ سب جنگل میں میری توبہ کی خبر ہو گئی سب مطمئن ہو گئے کہ

یہ کسی کو کچھ کہے گا نہیں اس لیئے سب جانور ستانے لگے۔ پیر نے فرمایا کہ ارے نادان میں نے کاٹنے ڈسنے سے تو بہ کرائی تھی یا پھنکارنے سے بھی۔ ذرا پھنکار دیا کر اپنی حفاظت کے لیئے پھنکار نا ضروری چیز ہے۔ تو میں بھی مخاطب کی بدتمیزی سے بچنے کے لیئے پھنکار دیتا ہوں۔ اس کی ضرورت ہے۔ اگر ایسا نہ کروں تو چہار طرف سے اس قدر ہجوم ہو جائے کہ ضروری کاموں سے بھی رہ جاؤں۔

ملفوظ ۳۰۲:۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حیوٰۃ المسلمین میں آٹھویں روح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہے۔ اگر اس کو روزانہ پڑھ لیا جایا کرے تو ایک بڑے پیمانہ پر حضور کی محبت اور متابعت انشاء اللہ تعالیٰ پیدا ہو جائے گی۔ بعض لوگوں کے خطوط آتے ہیں کہ ہم پڑھتے ہیں اس سے حد نفع ہوا۔

ملفوظ ۳۰۳:۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ مجھ کو ہر کام ہر بات میں ہر شخص کی مصلحت اور رعایت تو منظر رہتی ہے حتیٰ کہ اگر دو مبلغ ایک ساتھ کہیں بھیجتا ہوں تو خرچ دونوں کو الگ الگ دیتا ہوں تاکہ ایک کو دوسرے کی محتاجی نہ رہے۔ اگر باہم کھٹ پٹ ہو جاوے تو دونوں الگ ہو جاویں۔ ایک دوسرے کو پریشان نہ کر سکے اور جب تک اجتماع رہے بشاشت سے رہے۔ ایسے معمولات پر بعضے برا مانتے ہیں۔ کیا یہ برا ماننے کی بات ہے۔ ظالمو قدر کرنا چاہیئے کہ سب کی مصلحت اور راحت کا کس قدر خیال رکھتا ہوں۔

ملفوظ ۳۰۴:۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب ہی ذات تھی۔ مدعیانِ محبت نے تو مولانا کو پہچانا ہی نہیں اور اسی نہ پہچاننے کی وجہ سے پرانے پرانے لوگ جو قبروں میں پیر لٹکائے بیٹھے ہیں اور نقہ ہیں وہ شیخ العالم کو شیخ الہند کہتے ہیں۔ ہمارے اعتقاد میں تو وہ شیخ الہند والسند والعرب والعجم ہیں۔

ملفوظ ۳۰۵:۔ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میری رائے ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ بھی بلا توسط کسی تفسیر کے مثل دوسرے متون کتابوں کے محقق استاذ سے سبقاً سبقاً پڑھنا چاہیئے ایسا نہ ہونے سے طلبہ کو قرآن مجید سے مناسبت نہیں ہوتی۔ اور بڑی گڑبڑ ہوتی ہے یہ خود ایک مستقل مقصود ہے۔ اہلِ مدارس کو اس طرف توجہ کرنا چاہیئے۔

ملفوظ ۳۰۶:۔ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر کسی ظالم کے مقابلہ میں قدرت ہو تو ضَرْبٌ بِضَرْبٍ پر عمل ہو۔ اگر قدرت نہ ہو تو صَبَرَ یَصْبِرُ پر عمل ہو۔ یہ بیچ کی صورت جس کو ستیہ گرہ کہا جاتا ہے اس کا کوئی ماخذ سمجھ میں نہیں آتا۔

۵ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۳۰۷:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عیدین میں نہ قبل الخطبہ نہ بعد الخطبہ دعا معمول تو ہے نہیں۔ لیکن اگر کہیں معمول ہو مگر التزام نہ ہو تو کلیات شرعیہ کی بناء پر کوئی حرج بھی نہیں۔ ایسی چیزوں کی بحث میں نہ پڑنا چاہئے جس میں شرعاً وسعت ہے اہتمام کے لائق اور بہت باتیں ہیں لوگ ان کے چھوڑنے پر آمادہ نہیں جن میں کھلم کھلا دین کی تحریف کر رہے ہیں۔

ملفوظ ۳۰۸:- ایک سلسلۂ گفتگو میں جو تبرکات کے متعلق تھی فرمایا اگر غیر محترم کا کوئی احترام کرے یہ برا نہیں بشرطیکہ حد کے اندر ہو۔ اور اگر محترم کا احترام نہ کرے یہ برا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کی حد پر رکھنا چاہئے۔

ملفوظ ۳۰۹:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا فضل ہے کہ مجھ کو کبھی ڈھونگ کرنا آیا ہی نہیں، اور اگر آتا اور کرتا بھی تو ظاہر پرستوں کی نظر میں جن کا آج خاص غلبہ ہے میری بڑی امتیازی شان ہو جاتی مگر اب کچھ بھی نہیں۔ اس لئے مختلف فیہ مسئلہ ہو رہا ہوں مگر اپنے بزرگوں کا یہی طرز دیکھا اور یہی پسند ہے۔

ملفوظ ۳۱۰:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے آنے سے پہلے ہندوستان کی نہایت گندگی کی حالت تھی۔ پیشوا بھی سلاطین بھی سارے ہی بندۂ شہوت و غضب بنے ہوئے تھے۔ اور اس کے مقابلہ میں یہ زمانہ مہذب ڈاکوؤں کا ہے جس کے سبب اب پہلے سے بھی زیادہ حالت خراب ہے اور یہ ایسے مہذب ہیں جن کو میں معذب کہا کرتا ہوں۔ گذشتہ جاہلیت کا زمانہ کفر کے زور و شور کا تھا۔ اب الحاد کا زور ہے۔ لیکن کفر خالص میں جو بر رنگ مذہب ہو ایک قوت بھی ہوتی ہے مگر الحاد میں یہ بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے آدمی بزدل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے قلب کا کوئی مرکز نہیں۔ اس لئے الحاد نہایت ہی بری چیز ہے۔

ملفوظ ۳۱۱:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایسی فضول باتیں یا تو ان کو یاد رہیں جن کا حافظہ قوی ہو، یا جن کو دلچسپی ہو۔ یہاں دونوں باتیں نہیں۔ اب یاد رہنے کی کیا صورت ہے۔

ملفوظ:۔ ۳۱۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض بزرگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے معتقدین کے اس قدر معتقد ہوتے ہیں کہ وہ جو بھی کہدیں آمنّا اور صدّقنا کہہ کر اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں. مگر الحمدللہ ہمارے حضرات اس سے منزہ ہیں مگر اتنا تفاوت ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو پوری شکایت سن کر فرما دیتے کہ تم غلط کہتے ہو، وہ شخص ایسا نہیں، میں اس کو خوب جانتا ہوں. اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ شروع ہی سے نہ سنتے تھے. اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سنتے تھے اور کچھ نہ فرماتے تھے. ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا حضرت پر کسی کی شکایت سنکر کچھ اثر ہوتا ہے. فرمایا، ہوتا ہے. اور وہ اثر یہ ہوتا ہے کہ میں سمجھ جاتا ہوں کہ ان دونوں میں لڑائی ہے. پھر اپنا مذاق بیان کیا کہ میرے یہاں احتمال تو ہو جاتا ہے مگر اس کو زبان سے نکالنا یا اس پر جزم کرنا یا اس کے اقتضاء پر عمل کرنا بحمداللہ تعالیٰ یہ نہیں ہوتا. ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر کوئی منکر بات سن کر نبی کی جانب دونوں احتمال ہوں تو معصیت ہے اور اگر غیر نبی پر دونوں جانب احتمال ہو تو معصیت نہیں، البتہ برے پہلو پر عمل جائز نہیں، نہ اعتقاداً نہ قولاً نہ فعلاً. البتہ اگر بمصلحت زجر کہدے کہ میں سزا دینے میں زیادہ تحقیق بھی نہ کروں گا تو کہدینا جائز ہے مگر اس پر عمل جائز نہیں. اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت یاد آئی. ایک موقع پر زجر کے لئے یہ فرمایا کہ میں انتظاماً بھی پیٹ دوں گا. اور اس انتظام کے متعلق ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں فوج کے لوگ بازار میں سودا خریدنے جاتے اور وہاں کسی بات پر دوکاندار سے جھگڑا ہو جاتا، عدالت میں مقدمہ آتا. اکثر فوجی کی زیادتی ثابت ہوتی اس کو سزا ہو جاتی. کسی مخبر نے بادشاہ سے شکایت کی کہ حضور تمام جیل خانہ فوجیوں سے بھر گیا. اور سب قصہ سنایا. سن کر حکم فرمایا کہ اب سے ایسے مقدمات ہمارے پاس بھیجدیئے جایا کریں. ایسا ہی ہوا. اب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیا کہ جہاں جھگڑا ہوا، مجرم کے ساتھ اس موقع کے ارد گرد کے پچاس پچاس دکانداروں کو سزا کر دی. بس جنگ موقوف ہو گئی. وہ مصلحت یہ تھی کہ پہلے تو سب تماشہ دیکھتے تھے، صلح کوئی نہیں کراتا تھا. اس کے بعد سے جب کبھی جھگڑا شروع ہوتا تمام بازار والے کھڑے ہو کر جھگڑے کو بند کرا دیتے کہ میاں ہم بھی تمہارے ساتھ جائیں گے، بس امن ہو گیا. مگر مولانا نے یہ محض زجر کے لئے فرما دیا باقی کبھی اس پر عمل نہیں کیا. اور ایک موقع پر شکایت کے بعد عمل بھی جائز ہے. اور وہ موقع وہ ہے جہاں وہ عمل بدون شکایت بھی جائز ہے. جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو نماز پڑھنے کے متعلق شکایت سننے کے بعد باوجودیکہ تحقیق سے واقعہ غلط معلوم ہوا مگر پھر بھی اس مصلحت سے معزول فرما دیا کہ امیر اور مامور میں اختلاف رہنا بہت سے مفاسد کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے. سو ظاہر ہے کہ کسی کو معزول کر دینا بدون کسی سبب خاص کے جائز ہے.

۳۱۳ ملفوظ:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مفید اور مستفید میں توافق و مناسبت نہ ہو تو استفادہ کا نظام خراب ہو جاتا ہے اور اس وقت اسلم یہی ہے کہ علیحدگی ہو جاوے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام نے اسی اصل پر علیحدہ فرما دیا ورنہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نعوذ باللہ کون سی معصیت کی تھی۔ بس بنا وہی عدم مناسبت تھی یہاں بھی وہی اوپر والے ملفوظ کی قید ہے کہ جہاں بلا کسی وجہ کے بھی علیحدہ کرنا جائز ہو سو یہ احتیاط کا پہلو ہے۔

۳۱۴ ملفوظ:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر مشائخ کے یہاں کچھ مقربین رہتے ہیں وہ جس سے چاہیں شیخ کو راضی کر دیں جس سے چاہیں ناراض کر دیں مگر بحمد اللہ ہمارے حضرات کے یہاں کسی کو اتنا دخل نہ تھا، نہ محض روایات کا اثر ہوتا تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس قدر شکایتیں ہوتیں کہ مولانا کو اپنے متعلق اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں حضرت خفا نہ ہو جائیں، مگر حضرت نے یہ کہہ کر کہلا بھیجا کہ میں نے جو کچھ ضیاء القلوب میں لکھا ہے وہ الہام سے لکھا ہے میرا وہ الہام بدلا نہیں۔ اور مجھ کو تم سے اللہ کے لئے محبت ہے۔ اور جیسے اللہ کو بقا ہے ویسے ہی حُبّ فی اللہ کو بھی بقا ہے تم بے فکر رہو مجھ پر ان شکایتوں کا کچھ اثر نہیں۔

پھر اسی سلسلہ میں اپنے مجمع کے دوسرے بزرگوں کے مختلف ابواب کے واقعات بیان فرمائے۔ ایک واقعہ مدرسہ والوں کا اور حاجی عابد حسین صاحب کا بیان کیا کہ جب حاجی صاحب میں اور مدرسہ والوں میں اختلاف ہوا۔ بیچ والوں نے یہاں تک کہا کہ مدرسہ والے مولود کو حرام کہتے ہیں۔ یہ سن کر حاجی صاحب نے فرمایا کہ پھر اب تو ضروری ہو گیا، تا کہ مدرسہ والوں کی عملاً مخالفت ہو جاوے۔ ایک مرتبہ اسی زمانے میں میرا دیوبند جانا ہوا اور یہ اختلاف دیکھ کر پریشان ہوا کہ حاجی صاحب سے ملوں یا نہ ملوں۔ آخر میں نے حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ احمد صاحب سے عرض کیا کہ میں مدرسہ میں رہا ہوں اور اس زمانہ میں حاجی عابد حسین کی خدمت میں بھی آنا جانا تھا اب نہ ملنا بے مروتی ہے لیکن بشرط جواز۔ سو اگر ان سے ملنا شرعاً جائز ہو تو میں مل لوں۔ حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ضرور مل لو۔ اس میں ایک حکمت بھی ہے وہ یہ کہ مخالفت کم ہو جائیگی۔ دیکھئے اختلاف کی حالت میں حضرت مولانا نے کس قدر رعایت فرمائی۔

دوسرا واقعہ ایک طالب علم کا حاجی عابد حسین کے ساتھ بیان فرمایا۔ اس نے حاجی صاحب کو ڈکاندار، مکار منہ پر کہا۔ اس وقت حاجی صاحب خاموش ہو گئے اور رات کو حاجی صاحب اس طالب علم کے حجرہ پر گئے اور معافی چاہی اور فرمایا کہ تم عالم نائب رسول ہو۔ تمہارا ناراض ہونا رسول کا ناراض ہونا ہے۔ مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ حضرت زبان سے حکایت بیان کر دینا تو آسان ہے مگر دل کو ٹٹول کر دیکھو ایسا کر بھی سکتے ہو۔ یہ حالت تھی ان بزرگوں کی۔

تیسرا واقعہ حضرت مولانا فتح محمد صاحب نے ان ہی حاجی صاحب کا بیان کیا کہ ایک ڈپٹی صاحب حاجی صاحب

کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوئے کہ حاجی صاحب اٹھ کر حجرہ بند کر کے چلدیئے تھے. ڈپٹی صاحب سامنے آگئے تو اُن سے کھڑے کھڑے بات کی. اتنے میں مولانا فتح محمد صاحب جو اس وقت مدرسہ کے معمولی طالبعلم تھے، کچھ عرض کرنے کے لیئے پہنچے، تو حاجی صاحب اپنی نشست کی جگہ بڑھے کہ بیٹھ کر کہیں جو کہنا ہو. مولانا نے عذر کیا کہ میں پھر آجاؤں گا. فرمایا کہ شاید ڈپٹی صاحب کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا اس سے آپ کو دھوکا ہوا ہوگا. مگر کہاں سگ دُنیا اور کہاں آپ نائب رسول. ظاہر ہے کہ یہ بات بلا بزرگی کے ہو نہیں سکتی. اللہ اور رسول کی عظمت کس درجہ قلب میں تھی، حقیقت میں یہ مجمع ہی عجیب و غریب تھا.

چوتھا واقعہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ کا بیان فرمایا کہ مولانا طالب علموں کو توجہ دیا کرتے تھے. یہ واقعہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے سُنا. ناراض ہو کر فرمایا کہ یہ لوگ یہاں پڑھنے آئے ہیں یا فقیر بننے آئے ہیں. مولانا نے توجہ بند کر دی. واقعی یہ حضرات حکیم ہوتے ہیں. ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مثنوی کا سبق پڑھنا چاہا. مجھ پر بہت عنایت فرماتے تھے. حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نے سُن لیا. مجھ کو بلا کر پوچھا سُنا ہے کہ حضرت مولانا سے تم مثنوی پڑھنا چاہتے ہو. میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، فرمایا کہ مولانا کو مدرسہ میں بیٹھا رہنے دو. ورنہ جنگلوں میں چڑھ جائیں گے یہ ارشاد بھی حکیم ہونے پر مبنی تھا. فرمایا کہ وہ وقت بھی عجیب تھا. مدرسہ کی در و دیوار سے اللہ اللہ نکلتا معلوم ہوتا تھا. جدھر دیکھو بزرگ ہی بزرگ نظر آتے تھے. اس وقت گو عدد میں مجمع کم تھا. کم تو بے شک کم ہی تھا مگر کیف زیادہ تھا. اب سب کچھ ہے مگر وہ بات نہیں. ماشاء اللہ تعمیر بھی بہت بڑی ہے، کتب خانہ بھی بہت بڑا ہے، آمدنی بھی بہت زیادہ ہے، مجمع بھی کثرت سے ہے مگر وہ چیز جو اس وقت تھی وہ نہیں. گویا جسد بے روح نہیں. بس اس وقت سارا مدرسہ خانقاہ بنا ہوا تھا.

۵ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۳۱۵:- فرمایا کہ پہلے ایک صاحب کا خط آیا تھا. اس میں کچھ حالات لکھے تھے. میں نے اس پر لکھا تھا کہ پھر مجھ سے کیا چاہتے ہو. آج جواب میں ایک شعر لکھتے ہیں وہ یہ ہے

نہ پوچھو کہ میں تم سے کیا چاہتا ہوں　　میں تم سے تمہاری رضا چاہتا ہوں

میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ بہتر، اب میں کچھ نہیں پوچھتا. جاننے دو قصہ ختم کرو تمہارے ہی اس

کہنے پر عمل کرتا ہوں کہ نہ پوچھو۔ تو بس نہیں پوچھا۔ اس پر فرمایا کہ کیا کام کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ محض مسخرہ پن ہے۔ شاعری بگھارنی شروع کر دی۔ کیا طالب کی یہی شان ہوتی ہے۔

ملفوظ ۳۱۶:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ذوق بہت ہی ذہین شاعر تھا۔ ان کا نام ابراہیم تھا۔ مرنے کے وقت کسی نے کہا آپ اپنی تاریخ خود ہی کہتے جائیے۔ ہم تاریخ گو کی تلاش میں کہاں پریشان پھریں گے۔ ذہانت دیکھئے فی البدیہہ کہتے ہیں کہ ہماری تاریخ تو شیخ سعدی کہہ گئے ہیں۔ بلغ العلیٰ بکمالہ۔ کیا ٹھکانا ہے اس ذہانت کا۔

ملفوظ ۳۱۷:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو ستانے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک دوست اور ایک دشمن۔ سو دشمن سے تو صبر ہو سکتا ہے۔ فلاں خانصاحب نے مجھ کو ہمیشہ گالیاں دیں مگر کبھی ذرہ برابر بھی قلب پر اثر نہیں ہوا۔ لیکن دوست سے صبر نہیں ہو سکتا کہ معتقد اور طالب ہو کر تو آ دیں خواہ دین کے یا دنیا کے اور پھر پریشان کریں۔ اس کی موافقت کرتے ہوئے غیرت آتی ہے کہ طالب کو مطلوب بنایا جائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور کے دروازہ پر آئے۔ حضور نے دریافت فرمایا کون ؟ عرض کیا اَنَا یعنی میں۔ اس پر حضورؐ خفا ہوئے۔ حالانکہ یہ ہو سکتا تھا کہ حضورؐ باہر تشریف لا کر دیکھ لیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس واقعہ کو سن کر مجھ کو رعایت و موافقت کا مشورہ دینے والے حضور کے برتاؤ کے متعلق کیا کہیں گے۔ حالانکہ اعداء کے معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس درجہ کا صبر فرمایا۔ ان مدعیان محبت کی حماقت تو ملاحظہ ہو کہ معتقد بھی بنتے ہیں اور میرے مصلحانہ تنبیہ پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔ یہ دونوں جمع کیسے ہو گئے۔ البتہ میں اگر شریعت کے خلاف کچھ کرتا ہوں تو اس پر یہ حق ضرور ہے کہ مجھ کو ٹوکیں مطلع کریں۔ مگر تمیز کے ساتھ، مہذب طریقہ کے ساتھ نہ کہ اعتراض کے لہجہ میں۔ کیونکہ دعوے اعتقاد کے ساتھ اعتراضات جمع نہیں ہو سکتے۔

۶ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

ملفوظ ۳۱۸:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ زمانہ آج کل بڑا ہی پُر فتن زمانہ ہے۔ تدیّن کا تو نام ہی لوگوں میں نہیں رہا۔ اِلّا ماشاء اللہ بدون تحقیق جو جی میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں۔ گنگوہ سے جبّہ کے موجودہ جلال آباد کے متعلق سوالات آئے ہیں۔ وہاں پر دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک کو اثبات میں غلو ہے ایک کو نفی میں

عموماً خود مجتہد اور محقق بننے کو جی چاہتا ہے دوسرے کے اتباع سے عار آتی ہے۔ میں خدام جبہ کو اپنے شغف سے کبھی نہیں بلاتا مگر گھر والے ایک جائز فرمائش کرتے ہیں، میں منع نہیں کرتا۔ نہ میں نے اب جلال آباد سے یہاں بلایا۔ ایک اور صاحب ہیں انھوں نے بلایا تھا۔ میں خود اس درجہ غلو کو پسند نہیں کرتا کہ دور دور سے بلا کر زیارت کا اہتمام کیا جاوے۔ دوسرے اگر میں ایسا کروں بھی تو میرا فعل حجت نہیں۔ اگر میں فرضاً حد سے آگے بڑھتا ہوں، برا کرتا ہوں۔ مجھ سے شرعی حکم معلوم کرو پوچھو اور عمل کرو۔ مگر لوگوں کو ایک مشغلہ ہاتھ آجاتا ہے اس خط میں ایک مضمون یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سُنا ہے کہ تم زیارت کے وقت بے ہوش ہو کر گر گئے۔ یہ بھی محض جھوٹ ہے۔ میں نہ گرا نہ پڑا۔ غیر محققین کا تو یہ مذاق ہے کہ معدوم کو موجود کر لیتے ہیں اور محققین کا یہ مذاق ہے کہ اگر کسی میں کوئی نقص موجود بھی ہو حُسنِ ظن سے تاویل کر کے اس کو معدوم کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ صبح کے وقت میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا، کچھ سماع کا ذکر آگیا۔ میں نے عرض کیا کہ اب تو فلاں مولوی صاحب کو سماع میں بہت ہی غلو ہو گیا ہے سفر میں بھی قوال ساتھ رہتے ہیں۔ حضرت کچھ نہیں بولے۔ میں سمجھا کہ حضرت خوش ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ سماع خود حضرت کے مذاق کے خلاف تھا۔ مگر عصر کے بعد حضرت نے سماع کے متعلق ایک تقریر فرمائی۔ اور فرمایا کہ میں فلاں مولوی صاحب کو معذور سمجھتا ہوں دیکھیے حضرت نے تاویل کر کے نقص سے ان کا کیسا تنزیہ فرما دیا۔

ملفوظ ۳۱۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں اختلاف سے بُرا نہیں مانتا البتہ تہذیب کے خلاف کرنے سے بُرا مانتا ہوں۔ باقی اختلاف کا مجھ پر بحمد اللہ ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا۔

ملفوظ ۳۲۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو ایک یہ بات ہی ناپسند ہے کہ دوسروں کو بہکا بہکا کر مرید کرانے کے لئے لاتے ہیں۔ بڑی غیرت معلوم ہوتی ہے۔ قریب ہی زمانہ ہوا کہ ایک مولوی صاحب نے جامعہ ملیہ والوں کو یہاں پر کھینچنا شروع کیا۔ مجھ کو بے حد ناگوار ہوا۔ میں نے منع کر دیا بلکہ وہاں ایک دوسرا امر بھی طبعاً مانع ہے۔ وہ یہ کہ ان میں اور ہم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جامعہ ملیہ والے ہم سے بہت دور ہیں۔ ہاں محمد علی مرحوم سے باوجود یکہ وہ اس کے بانی ہیں، مجھ کو محبت ہے۔ ایک تو وہ نہایت مہذب اور خوش نیت تھے۔ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ وضوح حق کے بعد اہل باطل کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں جو کسی خاص صاحب کے متعلق تھا فرمایا کہ وہ تو مہتمم ہیں، ان کو تو ضرورت ہے مدارات کی مگر مجھ کو کیا ضرورت ہے مدارات کی۔ ہاں میں اہانت بھی خدانخواستہ کسی کی نہیں کرتا۔ مجھ کو یہ بھی گوارا نہیں۔

ملفوظ ۳۲۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نہ کسی کی اہانت رکھتا ہوں اور نہ کسی کے فیصلہ میں پڑتا ہوں۔ دونوں سے مجتنب رہتا ہوں۔ اپنا معمول قولاً و عملاً ظاہر کر دینے کے لئے ایسی ہی

صفائی کی ضرورت ہے۔ اور یہی بات اکثر لوگوں میں نہیں ہے۔ اسی کو میں روتا ہوں۔ اس کے بعد امانت کے قصہ سے مجتنب رہنے کی مناسبت سے فرمایا کہ میں جس وقت ڈھاکہ گیا تو نواب صاحب نے سوال کیا کہ مدرسہ دیوبند اور سہارنپور سے اکثر روئداد یں آتی ہیں سو یہ مدارس کیسے ہیں؟ میں نے کہا کہ مدارس اسلامیہ کو جیسا ہونا چاہیئے ویسے ہیں۔ یہ الفاظ اس قدر جامع اور مؤثر تھے کہ انھوں نے ایک معقول رقم تجویز کر کے میرے سپرد کرنا چاہی مگر مجھ کو ہاتھ میں لیتے ہوئے طبعاً شرم معلوم ہوئی۔ باوجودیکہ یہ اپنے ہی مدرسہ ہیں اور انکار کرنے میں مدرسوں کا نقصان تھا۔ اس لیئے میں نے یہ کہا کہ سفر میں حفاظت رقم کی مشکل ہے۔ آپ بیمہ کے ذریعہ سے دونوں جگہ بھیجدیجئے چنانچہ یہی ہوا۔ میرے نزدیک مولویوں کو مالیات میں پڑنا مناسب نہیں۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ احباب کو جو مجھ پر اس قدر اعتماد ہے اس کی زیادہ یہی وجہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان قصوں میں نہیں پڑتا۔

ملفوظ ۳۴۲:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ روپیہ میں چونکہ تصویر ہوتی ہے اس لیئے وہ کوئی احترام کی چیز نہیں۔ مگر چونکہ اس میں ایک دوسری حیثیت بھی ہوتی ہے اور وہ حیثیت اس کا خدا کی نعمت ہونا ہے۔ اس لیئے جس ہاتھ میں روپیہ ہوتا ہے میں اس ہاتھ میں جوتا نہیں لیتا۔ کیونکہ خدا کی نعمت کی قدر کرنا چاہیئے۔ اس کے قابل قدر ہونے کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کی بھی ضرورت ہے کہ کچھ نقد اپنے پاس جمع رکھے تاکہ حاجت کے وقت تنگی اور تشویش نہ ہو۔ اور اس تنگی سے دین میں خلل نہ ہو۔ تو روپیہ کو حفاظت دین کا ذریعہ بنانا اس کی اعلیٰ درجہ کی قدر دانی ہے۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ اس قدر، قدر کرو کہ دین کی بے قدری ہونے لگے۔ اگر دونوں کو جمع نہ کر سکو تو پھر اس کو دین پر نثار کر دو۔ اور اگر جمع کر سکو تو اس کی شرط یہی ہے کہ دین محفوظ رہے۔ حقوق واجبہ ادا ہوتے رہیں۔ ورنہ پھر وہ مال وبال جان بلکہ وبال ایمان ہو جائے گا۔ حاصل یہ کہ خوشی سے دونوں کو جمع کرو۔ مگر حد سے تجاوز نہ ہو، حقوق کا خیال رہے۔ پھر مال رکھنے کی اور اس کے طلب کرنے کی اجازت ہے، بلکہ بعض حالتوں میں ضروری ہے۔ یہ اسباب معقول وہ چیز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھوک میں دعا کی رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔ اور اس حیثیت سے معاش کا طلب کرنا زہد نہیں بلکہ مطلوب ہے اور اس سے استغنا خلاف ادب ہے۔ خوب فرمایا ہے ؎

چونکہ طمع خواہد زمن سلطان دیں | خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

ملہ جب حق تعالیٰ ہم سے طمع چاہیں تو قناعت پر خاک ڈالو۔

خلاصہ یہ کہ نعمت کی قدر ہونی چاہیئے مگر نہ اتنی کہ منعم کی بے قدری ہونے لگے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا راز فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں۔ عاشق ذاتی و عاشق صفاتی نہیں۔ جب تک آرام میں رہتے ہیں کچھ محبت رہتی ہے۔ اور تکلیف میں کچھ بھی نہیں رہتا۔ یہی مذاق جب زیادہ بگڑ جاتا ہے تو پھر وہ حالت ہو جاتی ہے جس کو فرماتے ہیں۔ فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن واذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن۔ اور نعمت مالی کی بے قدری کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اسراف دوسرے بخل۔ اسی لیئے اسراف کی بھی ممانعت ہے اور بخل کی بھی ممانعت ہے۔ یعنی غیر مستحق کو تو پہنچا دیا جو اسراف میں ہوتا ہے یا مستحق کو بھی نہیں پہنچایا جو بخل میں ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں نعمت الٰہی کی بے قدری کی پھر بخل اور اسراف میں بھی ایک فرق ہے۔ یعنی بخل بھی برا ہے مگر اسراف اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ اسراف بعض اوقات افلاس کا سبب ہو جاتا ہے اور افلاس کفر کا۔ بخل سے کفر نہیں ہوتا۔ اس لیئے میں عوام کے خیال کے خلاف اسراف کو زیادہ برا سمجھتا ہوں، جس کی وجہ ظاہر ہے کہ بخیل کو حاجات میں پریشانی نہیں ہوتی۔ اور مسرف کو ہو جاتی ہے۔ اس پریشانی میں اپنا دین چھوڑ دیتا ہے۔

ملفوظ ۲۲۳:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل عورتوں کے حقوق میں نہایت ہی کوتاہی ہو رہی ہے جو بڑے ظلم اور بے دردی کی بات ہے۔ اپنی عفیف و شریف بیویوں کی چھوٹی چھوٹی بے تمیزیوں سے تنگ ہوتے ہیں اور تنگ ہو کر ان کے حقوق ضائع کرتے ہیں۔ بڑی بے سمجھی کی بات ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جس قدر بد تمیز عورتیں ہیں سب عفیف ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ ایک ہی صفت ایسی ہے کہ اس کے سامنے اور سب چیزیں گرد ہیں۔ اس عفت کی صفت میں ہندوستان کی شریف عورتیں حوریں ہیں۔ اگر ان کو گھر میں چھوڑ کر کہیں غائب ہو جاؤ اور اس حالت میں نہ تو ان کو خرچ دو، نہ ان کی خبر لو، نہ ان کو اپنی خبر دو۔ لیکن اگر تم بیس برس کے بعد دفعۃً آجاؤ تو جس کونے میں اس مظلومہ کو چھوڑ گئے تھے وہیں پڑی دیکھو گے۔ عورتوں میں یہ ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی صفت ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ عموم الفاظ میں فرماتے ہیں۔ فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا و یجعل

لہ سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو اکرام و انعام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھا دی۔ اور جب اس کو آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی۔ لہ اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شیٔ کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھدے۔

اللہ فیہ خیرا کثیرا"۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ پھوڑپن عفت کی شرط ہے۔ ایسا نہیں عفت اور سلیقہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ لیکن پھوڑپن اور عدم عفت عادۃ" ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی عفت میں جس قدر مست ہے کہ اس کو تکلف اور تصنع اور عرفی سلیقہ کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ بخلاف غیر عفیف کے کہ اس کا اصل سرمایہ ہی مکر و فریب ہے مرد کو لبھانا ہے۔ ناواقف نے اس کا نام سلیقہ رکھا ہے۔ اور اسی پر عش عش ہے۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک شخص کی بیوی نہایت حسین تھی مگر اس شخص کا تعلق ایک بازاری عورت سے تھا۔ ایک روز بیوی نے اپنی خادمہ سے کہا کہ ایک تو یہ بات دیکھ کر آکر کیا وہ عورت مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ دوسرے یہ دیکھنا کہ یہ اس کی کس بات پر مر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ نہایت بدشکل عورت ہے۔ اور یہ کہ جب یہ پہنچتا ہے تو پانچ سات جوتیاں سر پر لگا کر کہتی ہے کہ بھڑوے تو اب تک کہاں تھا۔ بیوی نے کہا کہ آج آنے دو میں ٹھیک کر دوں گی۔ پھر معاف کرا لوں گی۔ غرض وہ گھر آیا۔ بیوی نے جوتہ ہاتھ میں اور چار پانچ کھوپڑی پر رسید کیے اور کہا بھڑوے تو اب تک کہاں تھا۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ بس گھر میں اسی کی کمی تھی۔ جب گھر میں یہ لطف موجود ہے اب باہر کبھی نہیں جاؤں گا۔

ملفوظ ۳۴۴:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ معبر ہونا بزرگی کے لوازم میں سے نہیں۔ ابو جہل بڑا معبر تھا۔ بس جس طرح بزرگ کا طبیب ہونا ضروری نہیں ایسے ہی بزرگ کا معبر ہونا ضروری نہیں۔ دو چیزوں میں مناسبت معلوم ہو جانے یہ حقیقت ہے تعبیر کی۔ اور یہ ایک مستقل فن ہے بزرگی سے اس کو تعلق نہیں۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خواب کی تعبیر دی حضور نے فرمایا کہ کچھ صحیح اور کچھ غلط ہے۔ اگر یہ بزرگی کے لوازم سے ہوتی تو حضرت صدیق رضؓ سے زیادہ کون بزرگ ہوگا۔ پھر استطرادا" بعض تعبیروں کا ذکر فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خواب میں اپنے دانت ٹوٹ جانے کو بیان کیا۔ فرمایا کہ دانت سخت ہوتا ہے تمہاری سختی دور ہو جائے گی۔ ایک اور شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے فلاں بزرگ کو دیکھا ہے کہ برہنہ ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مجمع میں ایسا خواب بیان نہیں کیا کرتے۔ نہ معلوم لوگوں کے ذہنوں میں کیا کیا آیا ہو گا۔ سمجھے ہوں گے کہ وہ تقوے سے عاری تھے حالانکہ تعبیر میں دنیا سے بے تعلقی کی طرف اشارہ ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھ کو تو اس فن سے بالکل ہی مناسبت نہیں۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ خواب میں رکھا کیا ہے۔ بیداری کی باتیں ٹھیک ہونی چاہئیں۔ مگر آج کل لوگوں کو اس میں بے حد انہماک ہو گیا ہے۔

۷ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۳۲۵:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج کل بدعتی لوگ اکثر بد دین ہوتے ہیں، دوسروں پر تو الزام ہے کہ یہ بزرگوں کی اہانت کرتے ہیں اور اپنی حرکات کو نہیں دیکھتے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے حنفیہ کے دلائل میں ایک حدیث کی کتاب لکھی ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بخاری سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ کیا یہ بزرگوں کی تنقیص اور اہانت نہیں ہے۔ حقیقت میں ان کے دل میں علماء کی قطعاً وقعت نہیں۔ وجہ یہ کہ بدعت سے قلب میں قساوت اور ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ کتنی بڑی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے۔ جرأت تو دیکھئے کہ یہ کتاب بخاری سے بھی اصح ہے۔ یہ کتاب میرے پاس بھی تقریظ کیلئے بھیجی گئی تھی۔ میں نے انکار لکھ کر واپس کر دی۔

ملفوظ ۳۲۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بچوں کی تعلیم کے باب میں بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ نااہل استاد تعلیم دینے کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔ نہ تو تعلیم ہی بچوں کی ہوتی ہے نہ تربیت۔ ایک بڑی کوتاہی یہ ہو رہی ہے کہ بچہ کو مانوس بنا کر تعلیم نہیں دیتے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ گستاخی کے درجہ تک مانوس ہونا مقصود ہے مگر یہ بھی نہیں کہ متوحش بنایا جائے تو حش کی حالت میں بچہ پڑھ نہیں سکتا۔ اس ہی لئے ضرورت ہے کہ بچہ کو مانوس بنایا جائے۔ مانوس ہونے کی حالت میں نہایت سہولت سے پڑھ سکتا ہے۔ مگر یہ معلم لوگ اکثر سنگدل اور کم عقل ہو جاتے ہیں۔ تعلیم کے لئے ترحم اور عقل کی ضرورت ہے۔ اور مزاحاً فرمایا کہ کبھی کبھی اکل کی بھی ضرورت ہے یعنی بچوں کو کچھ کھانے کو بھی دیدیا کریں۔ مگر آج کل بچوں کو گدگدا تو دیتے نہیں محض غلغلہ سے کام لیتے ہیں۔ سو اس سے کیا کام چلتا ہے۔ نیز معلم کے لئے تقوے کی بھی ضرورت ہے اس میں تقوے کو بھی بڑا دخل ہے۔ اس سے برکت ہوتی ہے تعلیم میں۔

ملفوظ ۳۲۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ امامت کی حالت میں استغراق غیر مطلوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز ہونا چاہیے کہ بچہ کے رونے کی بھی خبر ہوتی ہے۔ البتہ انفرادی حالت میں استغراق نافع ہے۔ اب اس کا عکس ہو رہا ہے کہ تنہائی میں تو نماز جلدی جلدی پڑھتے ہیں اور امامت میں خوب دیر لگاتے ہیں کہ اگر استغراق نہیں تو استغراق کی نقل ہی سہی۔ جس کی غرض بھی صحیح نہیں کہ اظہار حسن قرأت و اظہار حسن صلوٰۃ بھی مطمح نظر ہے۔ گو مقتدیوں کو تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔ ان حدود کو سمجھنا چاہیے تمام احکام

کی طرح امامت میں بھی عقل صحیح کی ضرورت ہے۔ ایک مسافر شاہ صاحب نے کانپور میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ اول رکعت میں سورہ ق پڑھی اور وہ بھی ترتیل کے ساتھ۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ بعضے لوگ بے ہوش ہو کر گرنے کو ہو گئے۔ ایک شخص کو قے ہو گئی۔ یہ شاہ صاحب پیری مریدی کا بھی سلسلہ رکھتے تھے۔ اس کے مقابل محققین کی عادت سنئے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نہایت خوش الحان تھے مگر فجر کی نماز میں سورہ اذا الشمس اور اذا السماء انفطرت وامثالہا پڑھتے تھے۔

ملفوظ ۳۲۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے غیر مقلد محض خشک اور کھرے ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے ایک غیر مقلد عالم سے پوچھا کہ یہ حنفی فاسق ہیں یا کافر؟ کہا کہ فاسق ہیں کافر نہیں۔ سائل نے کہا کہ یہ لوگ امام کے ساتھ سورۂ فاتحہ کو قصداً ترک کرتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ بلا فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی۔ اور تارک صلوٰۃ کے متعلق حدیث میں ہے من ترک الصلوٰۃ متعمدًا فقد کفر۔ تو اس حساب سے تو ان کو کافر ہونا چاہیے۔ کہنے لگے اس میں تاویل ہو سکتی ہے۔ سائل نے کہا کہ ایسی تاویل تو لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں بھی ہو سکتی ہے مگر آپ تو اس میں کوئی تاویل نہیں کرتے تو پھر فقد کفر میں کیوں کرتے ہیں۔ اور ان کو فاسق کیسے کہتے ہیں۔ جواب نہیں بن پڑا۔ یہ تمام خرابی بے اصولی کی ہے۔ علم بے اصول ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہاں نہ علم ہوتا ہے نہ سمجھ، نہ تدین، جو جی میں آیا ہانک دیا۔ ان بے اصول علوم کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے جو ملا دو پیازہ کے ساتھ مناظرہ کرنے بیٹھا تھا، ملا جی کی طرف ایک انگلی سے اشارہ کیا۔ ملا جی نے دو انگلیوں سے اشارہ کر دیا۔ اس نے تھپڑ دکھلایا۔ انہوں نے گھونسہ دکھلایا۔ اس نے دوسروں سے اقرار کیا کہ ملا جی نے میرے ایسے سوالوں کا جواب دیا کہ کسی نے نہیں دیا۔ لوگوں نے شرح پوچھی اس نے کہا کہ میں نے کہا تھا کہ اللہ ایک۔ ملا دو پیازہ نے کہا کہ دوسرا اس کا رسول بھی ہے پھر میں نے اشارہ کیا کہ پنجتن پاک برحق ہیں۔ ملا نے کہا کہ وہ سب متفق ہیں۔ پھر ملا جی سے پوچھا گیا۔ کہا کہ وہ کہتا تھا میں تیری ایک آنکھ پھوڑ دوں گا۔ میں نے کہا کہ میں تیری دونوں آنکھ پھوڑ دوں گا۔ اس نے کہا کہ میں تیرے تھپڑ ماردوں گا۔ میں نے کہا گھونسہ ماروں گا۔ بس یہ ارشادات وکنایات علوم تھے۔ ایک دوسرا واقعہ یاد آیا۔ مولوی نور الحسن کاندھلوی مولوی فضل حق صاحب کے شاگرد تھے۔ ان کے ایک عزیز سرشتہ داری پر مامور تھے۔ ایک انگریز ان کا افسر تھا۔ یہ ان کی پیشی میں تھے۔ مولوی نور الحسن صاحب ان کے یہاں مہمان ہوئے۔ اس انگریز کو معلوم ہوا کہ ان کے یہاں ایک عالم مہمان آئے ہیں۔ اس انگریز نے ان سے کہا کہ ہم سے بھی ملاقات کرا دو۔ انہوں نے مولوی صاحب سے کہا۔ انہوں نے سرشتہ دار صاحب کی رعایت سے ملاقات کرنا قبول کر لیا۔ ملاقات ہوئی۔ بیٹھتے ہی انگریز نے کہا کہ ہم کچھ پوچھ

سکتا ہے۔ انہوں نے کہا پوچھئے۔ وہ کہتا ہے کہ گنگ۔ انہوں نے کہا کہ سنگ۔ بس ملاقات ختم ہو گئی۔ مولوی صاحب نے سررشتہ دار سے کہا کہ تم نے کس جاہل سے ملاقات کرائی۔ وہ بولے کہ وہ تو تمہارے علوم کی تعریف کر رہا تھا کہ مولوی صاحب بہت بڑا عالم ہے، ہم نے پوچھا تھا کہ گنگ دریا کہاں سے نکلا۔ اس نے کہا پہاڑوں سے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے تو قافیہ ملایا تھا۔ ایسے ہی بعضوں کے علوم کی کیفیت ہے۔ بے جوڑ باتیں کیا کرتے ہیں نہ قرآن کو سمجھیں نہ حدیث کو۔ ہانکنے سے غرض۔

۳۲۹ ملفوظ: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لڑکوں کو جس قدر مکتب اور مدرسہ جانے سے وحشت ہوتی ہے اس قدر وحشت خوف موت سے بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے سخت ضرورت ہے کہ ان کو مانوس بنا کر تعلیم دی جائے۔ تاکہ وحشت دور ہو۔ مگر آج کل کے استاد بجائے مانوس بنانے کے بچوں کو اس قدر مارتے ہیں کہ اور وحشت بڑھ جاتی ہے۔ سو یہ طرز بہت ہی بُرا ہے۔ پھر ایک حکایت بیان فرمائی کہ مامون رشید یا ہارون رشید کا واقعہ ہے، صحیح یاد نہیں رہا۔ اُن میں سے کسی کا لڑکا مکتب میں پڑھنے جاتا تھا۔ ایک لڑکا ان کا غلام تھا وہ بھی پڑھتا اور مدرسہ میں ضروری خدمت بھی کرتا تھا۔ اس غلام کا انتقال ہو گیا۔ اس پر بادشاہ کو خیال ہوا کہ لڑکے کو رنج ہوا ہوگا۔ کہا کہ بیٹا تمہارا خادم مر گیا۔ ہم کو بڑا رنج ہے۔ کہا کہ ابا جان اچھا ہوا مکتب سے چھوٹ گیا۔ اس وحشت کی کوئی انتہا ہے۔

۳۳۰ ملفوظ: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصانِ حق کی علامات اور ان حضرات کی صحبت کی برکت کو اہلِ بصیرت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی ۔۔۔ نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

اسی کا ترجمہ گلزار ابراہیم میں مولوی ابوالحسن صاحب نے کیا ہے اور خوب کیا ہے ؎

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور ۔۔۔ کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

اس کی تائید میں ایک قصہ نقل فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا رفیع الدین صاحب کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ مولانا رشید احمد صاحب سے کمالات باطنی میں کسی طرح کم نہیں، بس اتنا فرق ہے کہ وہ ظاہری عالم بھی ہیں یہ عالم نہیں۔ ایسا ادراک اہلِ بصیرت ہی کو ہو سکتا ہے اور اس کو وہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہم لوگوں کو ان کمالات کا کیا خاک پتہ علم ہو سکتا ہے۔ البتہ اتنا یاد ہے کہ کیسا ہی رنج اور غم اور پریشانی ہوئی حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر بیٹھے اور سکون ہوا۔ اتنی برکت تو صحبت کی یاد ہے جو ایک درجہ میں علامت بھی ہے۔ اس برکت کا ایک اور واقعہ یاد آیا، میں نے ایک بار مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سوال کیا کہ تو شّل کی حقیقت کیا ہے۔ مولانا نے پوچھا سائل کون ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اشرف علی۔ تعجب سے فرمایا تم پوچھتے ہو۔ اور کچھ نہیں فرمایا۔ میں نے بھی دوبارہ عرض کرنے کو خلافِ ادب سمجھا۔ مگر یہ حضرت کی

برکت ہے کہ بدون کسی ظاہری ذریعہ کے اللہ تعالیٰ نے اسکی حقیقت منکشف فرما دی۔ مقبولین کی صحبت سے علمی مشکلیں بھی حل ہو جاتی ہیں، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال　　مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

اور جو تحقیق منکشف ہوئی وہ یہ ہے کہ توسل کے معنی تقرب کے ہیں وابتغوا الیہ الوسیلۃ میں بھی وسیلہ کے معنیٰ قرب کے ہیں یعنی اعمالِ صالحہ سے قرب حاصل کرو۔ بعض نے ناواقفی سے پیر کے معنیٰ مراد لے لئے ہیں، جو محض غلطی ہے۔ آگے تقرب کی دو قسمیں ہیں۔ بالاعمال اور بالاعیان۔ پس یہی دو قسمیں توسل کی بھی ہیں۔ اور کلام توسل بالاعیان میں ہے۔ ابن تیمیہ توسل بالاعیان کو جائز نہیں کہتے۔ اور جہاں منقول ہے اس میں تاویل کرتے ہیں کہ مراد ان اشخاص سے دعا کرانا ہے۔ اور توسل بالاعمال کو وہ بھی جائز کہتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے جن میں تین شخصوں کے توسل بالاعمال سے پتھر کا غار پر سے ہٹ جانا مذکور ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر توسل بالاعمال اور توسل بالاعیان کی ایک ہی حقیقت ثابت ہو جاوے تو پھر توسل بالاعیان کے ناجائز ہونے کی وجہ کیا۔ بس وہ حقیقت مشترک ان کے ذہن میں نہیں آئی۔ اس لئے ایک کو جائز ایک کو ناجائز لکھدیا۔ پس وہ حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ فلاں عمل یا فلاں شخص آپ کے نزدیک مقبول ہے اور ہم کو اس سے تلبس ہے عمل میں صدور کا اور عین میں محبت کا اور آپ کا وعدہ ہے کہ جو شخص ہمارے مقبول سے تلبس رکھے یعنی اس عمل کو اختیار کرلے اور اس شخص سے محبت رکھے ہم اس پر خاص رحمت نازل فرماتے ہیں۔ بس ہم اس رحمتِ خاص کے طالب ہیں۔ بس یہ حقیقت ہے توسل کی جو اعیان اور اعمال دونوں میں مشترک ہے۔ پس جب توسل بالاعمال کی جو حقیقت ہے وہی توسل بالاعیان کی بھی ہوئی۔ تو پھر توسل بالاعیان میں کیا حرج ہوا۔ اور یہ حقیقت احیاء و اموات دونوں میں مشترک ہے نہ کہ دعا کرانا جو احیاء کے ساتھ خاص ہو اور نہ اعیان سے استغاثہ کہ ناجائز ہو۔

ملفوظ ۳۳۱:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ادب تو صوفیہ اہلِ حق پر ختم ہے۔ یہ چیز ان میں سب سے بڑھ کر ہے خواہ کبھی صورۃً خلافِ ادب کا بھی شبہ ہو جاوے جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ۔

گفتگوئے عاشقاں در کارِ رب　　جوششِ عشق ست نے ترکِ ادب

بے ادب ترنیست زوکس در جہاں　　با ادب ترنیست زوکس در نہاں

پھر صوفیہ کے ادب کی ایک حکایت بیان فرمائی کہ حضرت شاہ ابو المعالیؒ کے یہاں ان کے شیخ مہمان ہوئے۔ یہ سفر میں تشریف لے گئے تھے۔ بیوی نے چاہا کہ خاوند کے شیخ آئے ہیں۔ کچھ خدمت ہو۔ گھر میں فاقہ تھا۔ مجبور تھیں، محلہ سے قرض بھی نہ ملا۔ شیخ کو معلوم ہو گیا۔ بازار سے ایک روپیہ کے گیہوں منگا کر ایک مٹکی میں بھر کر ایک تعویذ لکھ کر اس میں رکھدیا اور کہدیا کہ اس مٹکی کو خالی نہ کرنا جتنی ضرورت

ہوا اس میں سے نکال لیا کرو شیخ تو تشریف لے گئے۔ کچھ روز کے بعد شاہ ابوالمعالی صاحب مکان پر تشریف لائے۔ کئی روز تک کھانے پینے کی فراغت دیکھ کر وجہ دریافت کی۔ کہا گیا کہ آپ کے شیخ تشریف لائے تھے اور سارا قصہ بیان کیا۔ اب اگر تعویذ کو باقی رکھتے ہیں تو ان کے زہد اور توکل کے خلاف اور اگر ہٹاتے ہیں تو شیخ کا ادب مانع کہ صورت اعراض کی ہے۔ فرمایا کہ اس تعویذ کا مستحق ملیکا نہیں اس کا مستحق ہمارا سر ہے۔ اور یہ کہہ کر سر میں باندھ لیا غلہ ختم ہو گیا اور پھر وہی فقر و فاقہ ہونے لگا۔ واقعی اس شان کا ادب یہ صوفیہ ہی پر ختم ہے۔

پھر فقر و فاقہ کی مناسبت سے ایک تمہید کے بعد ایک واقعہ بیان فرمایا۔ تمہید یہ تھی کہ بعضے لوگ جو بزرگ زادوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ یہ بُری بات ہے۔ ان میں بھی کچھ نہ کچھ بزرگ زادہ ہونے کا اثر ہوتا ہے۔ پھر واقعہ بیان فرمایا کہ الٰہ آباد میں ایک صاحب تھے وکیل۔ اور یہی دلیل کافی ہے ان کے دُنیا دار اور غیر متقی ہونے کی مگر بزرگوں کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے یہاں ایک عجیب رسم تھی کہ جس روز گھر میں فاقہ ہوتا تو چھوٹے چھوٹے بچے ہنستے کھیلتے کودتے پھرتے تھے کہ آہا ہا جی ہمارے گھر شیخ جی آئے، جنھوں نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا وہ ان کے یہاں کئی روز سے مہمان تھے۔ کہتے ہیں کہ گھر سے ایک روز کھانا آنے میں دیر ہوئی۔ یہ انتظار میں تھے کہ بچوں کو دیکھا وہ بھی کہتے پھرتے تھے۔ یہ سمجھے کہ مہمان کی وجہ سے کھانا تکلف کا پکا ہوگا۔ اس لئے تیاری میں دیر ہوئی۔ مگر جب بہت ہی دیر ہو گئی تو انھوں نے ان کے نوکر سے پوچھا کہ میاں یہ کیسے شیخ جی ہیں۔ نہ تو خود نظر آئے اور نہ کھانا ہی آیا۔ اپنے ساتھ ہمیں بھی بھوکا مار دیا۔ نوکر نے کہا کہ شیخ جی کہاں ہیں یہ فاقہ کو شیخ جی کہتے ہیں۔ ان کے خاندان میں یہ رسم ہے۔ دیکھئے دنیا دار ہو کر بھی یہ حالت تھی، صرف بزرگوں کی نسل کی برکت ہے۔ تو صحبت میں کیسا اثر ہوگا۔ جو لوگ اہل اللہ کی صحبت میں نہیں رہتے ہیں ان میں واقعی بہت کمی ہوتی ہے۔ اور ان حضرات کی صحبت کی برکت سے بڑے نفع کی چیزیں میسر ہو جاتی ہیں۔ اور خصوص اس پُر فتن زمانہ میں تو بزرگوں کی صحبت بہت ہی ضروری چیز ہے۔

ملفوظ ۳۳۲:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں اگر کسی سے کسی غلطی پر مواخذہ کرتا ہوں اور وہ معذرت پیش کرتا ہے میں فوراً نرم ہو جاتا ہوں۔ پگھل جاتا ہوں۔ دل میں بھی کوئی شکایت نہیں رہتی۔ پھر اس کے بعد بھی اگر کچھ تجویز کرتا ہوں وہ بھی اس کے مصالح کی بناء پر تجویز کیا جاتا ہے اس واقعہ کے اثر کی بنا پر نہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس واقعہ کا اثر ہے سو یہ بالکل غلط ہے۔ میرے مزاج میں بحمد اللہ درشتی نہیں درستی ہے۔ عین غصہ کی حالت میں بھی میں مغلوب نہیں ہوتا، جو کچھ کہتا ہوں وہ قصد سے کہتا ہوں۔ اور جو کرتا ہوں قصد سے کرتا ہوں۔ سخت نہیں مضبوط ہوں۔ جیسے ریشم کا رسہ، نرم تو اس قدر کہ جس طرف چاہو موڑ لو توڑ لو، جہاں چاہے گرہ لگا لو۔ اور مضبوط

اس قدر کہ اگر اس میں ہاتھی کو باندھ دو تو وہ جنبش نہیں کر سکتا۔ تو الحمد للہ سخت نہیں ہوں نرم ہوں مگر مضبوط ہوں۔ لوگ مضبوطی اور سختی کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ اس ریشم کے ڈورے کی مثال سے سختی اور مضبوطی کا فرق اچھی طرح واضح ہو گیا۔ دوسرے یہاں آنے والے میرے ساتھ کون سے نرمی اور رعایت کا برتاؤ کرتے ہیں جو مجھ سے مکافات کی توقع رکھتے ہیں۔ میں ان بے ہودگیوں پر متنبہ کرتا ہوں تو مجھ کو سخت سمجھتے ہیں۔ میں معاملہ کو صاف رکھنا چاہتا ہوں اور آنے والے الجھانا چاہتے ہیں۔ سو میں تو سخت ہو گیا اور یہ کیا ہوئے۔ آخر انصاف بھی کوئی چیز ہے۔ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ میں ظالم کی ہر شخص نصرت کرتا ہے۔ مظلوم کی کوئی اعانت اور دستگیری نہیں کرتا۔ یہ بھی مرض عام ہو گیا ہے۔ اور یہ سب کچھ دین سے غفلت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۵۱ ہجری

مجلس خاص بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۲۳۳: ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ مخالف کی بدتمیزی تو سہی جاتی ہے مگر مدعی عقیدت، مدعی محبت کی بدتمیزی نہیں سہی جاتی۔ پھر بدتمیزی کے بھی درجات ہیں، جس کا بدتمیزی ہونا کھلا ہوا ہو اس کی برداشت اور بھی مشکل ہے۔ جیسے بعضے لوگ موٹی موٹی باتوں میں الجھتے ہیں۔ سیدھی اور صاف باتوں کو اینچ پینچ کر کے ٹیڑھا بنا دیتے ہیں۔ اگر یہاں آ کر کوئی شخص پوری بات کہہ دے تو میری طرف سے ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگتی۔ میں تو خدمت کے لئے ہر وقت تیار بیٹھا رہتا ہوں۔ مگر اس پر بھی پریشان کرتے ہیں۔ بتلائیے اس حالت میں غصہ آوے یا نہ آوے۔ مجھے اگر پوری بات معلوم ہو جائے خواہ تحریر سے خواہ تقریر سے تو مجھے خدمت سے عذر نہیں۔ باقی صاحب حاجت تو کچھ نہیں اور میں ہی خود کھود کرید کروں اس سے مجھے غیرت آتی ہے کہ کام تو اس کا اور پوچھوں میں۔ مگر عموماً اسی کو خوش خلقی سمجھا جاتا ہے سو ان ہی اخلاق مروجہ اور متعارفہ کی وجہ سے لوگ تباہ اور برباد ہوئے ہیں اور بزرگوں کے یہاں تو ڈھیلا پن (بیائے معروف) برتا جاتا ہے۔ مزاحاً فرمایا کہ میرے یہاں ڈھیلاپن (بیائے مجہول) برتا جاتا ہے۔ بس یہی وجہ لوگوں کے خفا ہونے کی ہے۔ مگر ہو اکریں، میں تو کسی کی وجہ سے خِلاف (بکسر خاء) نہیں کروں گا۔ صاف صاف کہوں گا، کھول کر کہوں گا۔ لوگ اپنے معائب کو حماقتوں کو بلی کے گو کی طرح چھپاتے پھرتے ہیں۔

یہاں آ کر اُن کا پول کھل جاتا ہے۔ ظاہر ہے جب کوئی شخص طبیب سے بھی مرض کو چھپائے تو علاج ہو چکا اور اچھا ہو چکا۔ میں ان کی نبضیں پہچانتا ہوں۔ میرے پاس بحمداللہ ان کے امراض کی دارو ہے۔ جیسا مرض ویسی ہی تجویز اور ویسی ہی دوا۔ اس پر کوئی منہ بنائے اور گالیاں دے اور بدنام کرے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ صدیوں کے بعد اصلاح کا باب مفتوح ہوا ہے۔ یہ بدفہم اس کو مسدود کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دیہاتی کہلاتے ہیں اور دیہاتی ہی ہونے کا عذر کرتے ہیں۔ مگر بڑے ہوشیار ہوتے ہیں۔ مجھ کو اکثر ان سے یہ پوچھنے کا بھی اتفاق ہوا کہ آتے ہی پوری بات کیوں نہیں کہدی بھی کس بات کا انتظار تھا، تو جواب میں کہتے ہیں اجی میں باٹ (یعنی انتظار) دیکھوں تھا کہ جب یہ پوچھیں گے بتا دوں گا۔ تو یہ تصریحات میرے پاس موجود ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ یہ قصداً ایسا کرتے ہیں۔ میں محض تخمین سے نہیں کہتا جن کو واسطہ نہیں پڑتا وہ بیچارے کیا جانیں۔ مجھ کو تو رات دن واسطہ پڑتا ہے، نیز مجھے ان کی بے ہودگیوں کے منشاء کی بھی خبر ہے۔ وہ منشاء نہایت مذموم اور بُرا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ مُلّانوں کو حقیر سمجھتے ہیں، نظرِ تحقیر سے دیکھتے ہیں۔ سب جگہ باہوش۔ مُلّانوں کے پاس آ کر جاہل اور بے وقوف بنتے ہیں۔ یہ اعلیٰ درجہ کی چالاکی ہے۔ حاصل اس عادت کا وہی ہے جس کو میں بیان کر رہا ہوں کہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خود ان کا کام ہے ہماری چاپلوسی کرنے کا۔ اس لئے یہ خود ہی پوچھیں گے، سو ان کا مرض میں ہی پہچانتا ہوں۔ میں ہی علاج بھی کرتا ہوں۔ دوسرے کو رائے یا اعتراض کا دخل دینا دخل در معقولات سے کم حیثیت نہیں رکھتا۔

ملفوظ ۴۳۴:- فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے اس میں ایسے ہی بیکار سوالات کئے ہیں۔ چنانچہ تربیت کے تحت میں سے دریافت کیا ہے کہ کیا مسلم اور غیر مسلم کی غیبت میں کچھ فرق ہے۔ اگر ہے تو کیا۔ اور دونوں کی غیبت سے اجتناب ایک ہی درجہ میں ضروری ہے یا کیا۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ کیا غیر مسلم کی غیبت کی آپ کو کچھ ضرورت ہے جو فرق معلوم کیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ لوگ مقصود سے بہت دور پڑے ہوئے ہیں، غیر مقصود اور غیر ضروری چیزوں میں زیادہ ابتلا ہو رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں مقصود پر لگانا۔ بس اس میں الجھتے ہیں۔

ملفوظ ۴۳۵:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے حکام غیر مسلم بھی شریف خاندان کے افسر آتے تھے۔ ایک طالب علم نے ایک انگریز حاکم کا عجیب فیصلہ مجھ سے بیان کیا۔ ایک مقام پر مقلدین اور غیر مقلدوں میں کسی مسجد کے اندر آمین بالجہر پر جھگڑا ہو گیا۔ اس انگریز حاکم نے تحقیقات کی اور تمام واقعہ کو سمجھ کر فیصلہ دیا اور لکھا کہ آمین کی تین قسمیں ہیں۔ ایک آمین بالجہر، یہ اہل اسلام کے ایک فرقہ کا مذہب ہے اور اس میں حدیثیں وارد ہیں۔ اور ایک آمین بالسر، یہ بھی ایک

فرقہ کا مذہب ہے۔ اس کے ثبوت میں بھی حدیثیں وارد ہیں۔ تیسری آمین بالشریہ آج کل غیر مقلد فرقہ کا مذہب ہے، اس کا ثبوت کسی حدیث میں نہیں، لہٰذا اس کو بند کیا جاتا ہے۔ کیسی عجیب تحقیق ہے۔

ایسا ہی ایک اور فیصلہ ہے وہ بھی ایک انگریز ہی افسر کا ہے۔ ایک شخص نے بھوپال میں ایک ہندو عورت کو اس کی درخواست پر مسلمان کر لیا۔ ایک مسلمان حاکم کے اجلاس میں مقدمہ دائر ہوا۔ اس نے اس مسلمان کرنے والے کو اغوا میں سزا دی۔ اپیل ہوا۔ حاکم انگریز تھا۔ اس نے فیصلہ لکھا کہ فلاں حاکم فلاں عہدیدار نے اس کو مقدمۂ اغوا میں سزا دی۔ حالانکہ اغوا اور ارشاد میں فرق ہے ہر شخص اپنے مذہب کو حق سمجھتا ہے، اس کی ترغیب دینا اغوا نہیں ہو سکتا، خیر خواہی اور ارشاد کہا جائے گا۔ ہاں اگر زیور کی وجہ سے یا کسی جائداد وغیرہ کی وجہ سے نفسانی خواہش کے لئے ایسا ہوتا تو اغوا ہوتا، اور وہ جرم تھا۔ مجھے اس پر بھی افسوس ہے کہ میں نے ایسا حاکم حکومت کے واسطے کیوں منتخب کیا جس کو اغوا اور ارشاد میں فرق معلوم نہیں۔ یہ دونوں فیصلے عجیب ہیں۔ ایسی انتظامی باتوں میں ان لوگوں کا دماغ خوب کام کرتا ہے۔ باقی حقیقی علوم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ یہ خاص مسلمانوں ہی کا حصہ ہے اس میں انگریز اور ہنود دونوں پیچھے ہیں۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ ۳۳۶:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ عام یورپین تو حکومت کے دلدادہ ہیں انھیں مذہبیت سے دلچسپی بہت کم ہے۔ یہ نیچرل پارٹی ہے جیسے مسلمانوں میں ایک نیچرل پارٹی ہے البتہ ان کے جو مذہبی لوگ ہیں وہ بڑے متعصب ہوتے ہیں۔ ان میں ایک تو کفر کی ظلمت ہوتی ہے اور ایک تعصب کی ظلمت ہوتی ہے۔ وہ ظلمت ان کے چہروں سے نمایاں ہوتی ہے۔

ملفوظ ۳۳۷:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ظاہری صورت کی درستی کی ضرورت کی جو تعلیم کی جاتی ہے اس پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ میاں صورت چاہے جیسی رہے باطنی عقائد درست ہونے چاہئیں۔ حالانکہ ظاہر کو باطن میں بڑا دخل ہے۔ پھر ظاہر میں بھی تو اس میں بڑی ذلت ہوتی ہے اگر اس ذلت کو کوئی محسوس نہ کرے یا کسی کی حِس ہی باقی نہ رہی ہو تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج۔ بھائی اکبر علی مرحوم کے پاس ایک تحصیلدار اور ایک تھانہ دار ملنے آئے۔ تھانہ دار مسلمان تھے۔

تحصیلدار ہندو تھے۔ مگر تحصیلدار کی تو لبیں کٹی ہوئیں داڑھی بڑھی ہوئی۔ اور تھانہ دار صاحب کے سب صاف۔ بھائی مرحوم کے ملازم نے پان لا کر تحصیلدار کے سامنے رکھ دیئے، اس پر تھانہ دار ہنسا۔ ملازم ہوشیار تھا سمجھ گیا اس نے پان اٹھا کر تھانہ دار کے سامنے رکھ دیئے۔ بھائی مرحوم نے تھانہ دار سے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے ایک ذلیل آدمی معمولی حیثیت کا ملازم اس نے آپ کو کافر سمجھا، محض آپ کی ظاہری صورت کی وجہ سے۔ تھانہ دار بہت محجوب اور ذلیل ہوا۔ یہ تو داڑھی منڈوانے والوں سے کلام تھا۔ لیکن داڑھی رکھنے والوں کو بھی یہ حق نہیں کہ منڈانے والوں کی دل سے تحقیر کریں، کیا خبر کس کا انجام کیسا ہو۔ چنانچہ ایک داڑھی منڈوانے والے کا واقعہ ہے کہ کسی زمانہ میں گوالیار میں فوج کے لئے قانون تھا کہ چاہے داڑھی منڈائی جائے یا رکھی جائے آزادی تھی، جس کا جی چاہے رکھے جس کا جی چاہے منڈائے۔ قریب قریب سب لوگ رکھتے تھے مگر ایک شخص جو مسلمان ہی تھا وہ منڈایا کرتا تھا، لوگ ملامت کرتے، وہ کہتا کہ گنہگار ہیں اللہ معاف کریں، کچھ روز بعد حکومت کی طرف سے حکم ہو گیا کہ داڑھی منڈوانا فوج پر لازم ہے۔ سب نے منڈوا دی۔ اس شخص سے بھی کہا گیا کہ لو بھائی مبارک ہو تمہارا ہی چاہا ہو گیا۔ دریافت کیا کہ کیا ہوا۔ کہا کہ حکم ہو گیا داڑھی منڈانے کا۔ کہنے لگا کہ اگر قانون ہو گیا تو اب نہیں منڈائیں گے۔ پہلے تو نفس پرستی تھی اور اب خدا کے مخالف کی اطاعت ہے چاہے کچھ بھی ہو، چنانچہ ملازمت سے خارج کر دیا گیا مگر کچھ پروا نہیں کی۔ اتنا قوی الایمان تھا۔ اب آدمی کسی کو کیا حقیر سمجھے پھر کسی کو دل سے حقیر نہ سمجھے اور انجام کے معلوم نہ ہونے پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ لکھنؤ میں ایک خاں صاحب تھے، عمر رسیدہ ہو گئے تھے مگر دنیا کی تمام بازیاں ان میں جمع تھیں۔ ملنے والے چھوٹے بڑے ملامت کرتے کہ خاں صاحب ضعیفی کا وقت آ گیا، قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہیں۔ اب تو ان معصیتوں سے توبہ کر لو، نماز پڑھا کرو، روزے رکھا کرو۔ کہتے کہ ان کے کرنے سے کیا ہو گا۔ لوگ کہتے جنت ملے گی۔ خانصاحب کہتے کہ بس جنت کے لئے اتنی محنت، جنت تو ایک لمحہ میں مل جاوے گی۔ لوگ دریافت کرتے وہ کس طرح۔ خاں صاحب کہتے کہ کوئی موقع ہو، اور ایک ہاتھ ادھر ایک ہاتھ ادھر، بس سامنے سے کالی سی کھٹی چلی جائے گی اور کھٹ سے جنت میں جا کھڑے ہوں گے۔ اس راز کو کوئی نہ سمجھتا۔ اتفاق سے مولوی امیر علی صاحب نے جب ہنومان گڑھی میں جہاد کا فتویٰ دیا اور کثرت سے تمام مسلمان میدان میں پہنچ گئے۔ خانصاحب کو بھی معلوم ہوا، پہنچے مولوی صاحب کے پاس اور جا کر کہا کہ مولانا ہم جیسے گنہگاروں کی بھی کچھ پرسش ہو سکتی ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ خاں صاحب مانع کون چیز ہے۔ خاں صاحب سر پر صافہ باندھا اور کمر سے تلوار لگا دھم سے میدان میں پہنچے اور تلوار کے ہاتھ ادھر ادھر چلائے ہوئے ستر اسّی لاشیں ڈال دیں کسی کافر کا ہاتھ ان پر پڑا، شہید ہو گئے۔ اور کھٹ سے پلک جھپکتے ہیں جنت میں جا کھڑے ہوئے۔

یہ تھا وہ راز جس کو کوئی نہ سمجھتا تھا۔ ان خاں صاحب کی قوت ایمانیہ دیکھئے کہ باوجود اس قدر موانع کے ایمان کتنا قوی تھا۔ اس ہی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ معاصی سے نفرت کرو مگر عاصی سے نفرت نہ کرو، کبھی ایک سکنڈ اور ایک منٹ میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔

ملفوظ ۳۳۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصانِ حق ادب کے پتلے ہوتے ہیں۔ ہر چیز کو اس کی حد پر رکھتے ہیں اور اس کے حقوق کو ادا کرتے ہیں۔ عدل اور اعتدال ان کا خاص شعار ہوتا ہے بالکل اس کے مصداق ہوتے ہیں، جیسا کہ روایات میں آیا ہے خیر الامور اوسطہا۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب سے خدمت لیتے تھے مگر عالم اور سید اور بوڑھے سے خدمت نہ لیتے تھے۔ ان صفات کا خاص ادب فرماتے تھے، ہر چیز کے لئے ان کے یہاں میزانِ عدل ہوتی ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ سے ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت عالم افضل ہے یا سید۔ فرمایا کہ ایک بات تو ہم جانتے ہیں کہ ایک جاہل سید ہم کو لاکر دو۔ دس سال کے بعد عالم بنا کر تم کو دیدیں گے۔ اور ہم تم کو ایک غیر سید دیتے ہیں تم بیس برس میں اس کو سید تو بنا دینا۔ اتنا فرق تو ہم کو معلوم ہے۔ عجیب جواب ہے۔ نہ سید کی بے ادبی ہوئی نہ عالم کی۔ شاہ صاحب کے اکثر ایسے ہی جواب ہوتے تھے۔

ملفوظ ۳۳۹:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کس قدر ہوئی۔ فرمایا کہ غالباً چوراسی سال کی۔ حضرت کے قویٰ پہلے ہی سے کمزور تھے۔ اور بہت پتلے دُبلے تھے۔ پھر ایک سوال پر فرمایا کہ میری پیدائش ۱۲۸۰ھ کی ہے یعنی غدر سے سات برس بعد کی اور میاں جی صاحب قدس سرہٗ کی وفات غدر سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ میں نے حضرت میاں جی صاحب قدس سرہٗ کو نہیں دیکھا۔ سوال یہ تھا کہ آپ نے میاں جی صاحب کو تو نہیں دیکھا۔

ملفوظ ۳۴۰:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت چالیس برس کی عمر جب ہو جاتی ہے آگے عمر کا حصہ محض نفع ہی نفع میں ہے۔ کیونکہ پھر استیلاء ضعف سے حیات موسوم ہی ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ اسکے مقابل یہ بھی تو مشہور ہے کہ چالیس برس تو خطرہ ہے پھر خطرہ نہیں۔ کیونکہ اب تو بچے اور جوان ہی زیادہ مرتے ہیں اور بوڑھے کم۔ مزاحاً فرمایا کہ بوڑھوں کی تو ویسے بھی رعایت کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ آخرت میں بھی۔ حضرت یحییٰ بن اکثم جو بخاری علیہ الرحمہ کے شیخ ہیں، انتقال کے بعد جب ان کی پیشی ہوئی تو حق تعالیٰ نے سوال فرمایا کہ ارے بدحال بوڑھے فلاں دن یہ کیا فلاں دن یہ کیا یہ خاموش تھے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر سوال ہوا کہ جواب کیوں نہیں دیتا۔ عرض کیا کہ اے اللہ کیا جواب دوں یہ واقعات سب صحیح ہیں۔ مگر میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔ سوال ہوا کیا سوچ رہا ہے۔ عرض کیا کہ یہاں کا تو یہ حال سُنا نہ تھا۔ ارشاد ہوا کیا سُنا تھا۔ عرض کیا کہ میں نے ایک حدیث میں پڑھا تھا اور اس کو مع سند پڑھا۔

ان اللہ یستحی من ذی الشیبۃ المسلم یعنی اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے شرماتے ہیں اور میں معاملہ اس کے برعکس دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا کہ تم نے صحیح سُنا اور صحیح پڑھا، جاؤ آج صرف بوڑھے ہونے کی وجہ سے تم پر رحمت کی جاتی ہے۔ جنت میں تو یہ بوڑھا ہونا بھی بڑی رحمت کا سبب ہے لوگ بوڑھوں کی قدر نہیں کرتے۔

ملفوظ ۳۴۱:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ عنایت فرماؤں کی بدولت میں تو اس قدر بدنام ہوں کہ اگر اب نیک نام بھی بننا چاہوں تو شاید تقیہ پر محمول ہو۔ مگر ضرورت ہی کیا ہے نیک نام ہونے کی ؎

گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلاں ــــ ما نمی خواہیم ننگ و نام را

ملفوظ ۳۴۲:- فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ میں حزب البحر کی اجازت چاہتا ہوں محض خوشنودی حق کے لئے۔ میں نے لکھا ہے کہ جس وقت حزب البحر نہ تھی اس وقت خوشنودی حق کا کیا طریقہ تھا۔ اس پر فرمایا کہ قرآن شریف وحدیث کو لوگ چھوڑ کر ان چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہاں اگر ہر چیز اپنے درجہ پر رہے تو برکات کا کس کو انکار ہے۔

ملفوظ ۳۴۳:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگوں کو کوئی بات ہاتھ لگ جائے اس کو بیٹھے ہوئے فضول کہل کئے جائیں گے یہ سب آخرت سے بے فکری کی باتیں ہیں۔ اگر آخرت کی فکر ہو تو کبھی انسان عبث اور فضول میں نہیں پڑ سکتا اور پڑنا تو بڑی چیز ہے اس کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ گنگوہ سے ایک صاحب کا خط آیا تھا اس میں تقریباً سولہ سوال تھے۔ لکھا تھا کہ ہم نے سُنا ہے کہ تم جُبّہ والوں کو گھر بلاتے ہو (یہ جُبّہ والے جلال آباد کے رہنے والے ہیں) زیارت کراتے ہو۔ زیارت کے وقت بے ہوش بھی ہو گئے تھے۔ میں نے لکھ دیا کہ ہم سے مسائل شرعی پوچھو، ہمارے افعال کی تحقیق کیوں کرتے ہو۔ اگر میں ایسا کرتا بھی ہوں تو میرا فعل کوئی حجت نہیں۔ حجت صرف احکام شرعیہ ہیں خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئے۔ اول تو یہی غلط ہے کہ میں بلاتا ہوں۔ میں نے کبھی بھی آج تک نہیں بلایا، اور نہ زیارت کے وقت بے ہوش ہوا۔ اگر کوئی قصبہ والا بلا لیتا ہے تو گھر والوں کی فرمائش پر زیارت بے شک کرا دیتا ہوں اور کھانا کھلا دیتا ہوں، بہر حال وہ لوگ آخر مہمان تو ہیں ہی سب ہی بستی والے خدمت کرتے ہیں۔ اگر میں نے بھی کھانا کھلا دیا تو اس میں کونسا جُرم ہے۔ اب رہا جُبّہ کے ادب کے متعلق، سو اس کے لئے یقین شرط نہیں احتمال بھی کافی ہے۔ جیسے مختلف فیہ سید کی کوئی عزت یا احترام کرے، گو اس کی سیادت کی سند صحیح اور قوی نہ ہو تب بھی کیا گناہ ہے بلکہ اقرب الی الاحتیاط ہے اور وہ احترام بھی محض حضورؐ کے ساتھ نسبت ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے یہی یہاں بھی سمجھ لیا جاوے۔

ملفوظ ۳۴۳: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جب حق تعالیٰ کسی کو اپنا بناتے ہیں اس کے اسباب بھی ویسے ہی جمع فرما دیتے ہیں۔ ان اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اہل اللہ اور خاصان حق کی کسی پر نظر شفقت ہو جاوے اور صحبت میسر آ جاوے تو بہت ہی بڑی چیز ہے۔ ان کی تو اگر کوئی جوتیاں بھی کھائے تو وہ بھی محروم نہیں رہتا۔ جوتیاں کھانے کی برکت کا ایک قصہ یاد آیا۔ مولوی رحم الٰہی صاحب منگلوری نہایت نیک اور سادہ بزرگ تھے مگر نہایت ہی جوشیلے اور جذبۂ حق قلب میں تھا۔ ایسے بزرگوں کے اکثر دنیادار لوگ مخالف ہوا ہی کرتے ہیں۔ اہل محلہ نے محض بہ نیت شرارت یہ حرکت کی کہ جس مسجد میں آپ نماز پڑھتے تھے اس کے اور ان کے مکان کے درمیانی حصہ میں کہ بمنزلہ ساحت (میدان) مشترکہ کے تھا، ناچ کی تجویز کی۔ ایک طوائف کو بلایا گیا، شامیانہ لگایا گیا۔ غرض خوب ٹھاٹ کے ساتھ انتظام ہو کر مجلس رقص شروع ہو گئی۔ مولوی صاحب مکان سے عشاء کی نماز کے لیے مسجد کو چلے۔ راستہ میں یہ طوفان بے تمیزی۔ خیر چلے تو گئے خاموش مگر نماز پڑھ کر جو واپسی ہوئی پھر وہی خرافات موجود، برداشت نہ کر سکے۔ ماشاء اللہ ہمت اور جرأت دیکھئے کہ نکال جوتہ اور لے ہاتھ میں، بھری مجلس کے اندر بیچ میں پہنچ کر اس عورت کے سر پر بجانا شروع کر دیا۔ اہل محلہ میں شرارت سہی مگر علم اور بزرگی کا ادب ایسا غالب ہوا کہ بولا کوئی کچھ نہیں۔ رقص و سرود سب بند ہو گیا۔ اب لوگوں نے جن کی یہ شرارت تھی اُس طوائف سے کہا کہ تو مولوی صاحب پر دعویٰ کر اور روپیہ ہم خرچ کریں گے، شہادتیں ہم دیں گے۔ اس عورت نے کہا میں دعویٰ کر سکتی ہوں۔ روپیہ میرے پاس بھی ہے، شہادتیں تم دے سکتے ہو مگر ایک مانع موجود ہے وہ یہ کہ مجھ کو ان کے اس فعل سے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ والا ہے اور اس کے قلب میں ذرہ برابر دنیا کا شائبہ نہیں۔ اگر اس میں ذرا بھی دنیا کا لگاؤ ہوتا تو مجھ پر اس کا ہاتھ اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ تو اس کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ ہے جس کی مجھ میں ہمت نہیں، کیسی عجیب بات کہی، یہ اتنی سمجھ ایمان ہی کی برکت ہے۔ لوگ ایسے آوارہ لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں، مگر ایمان والے میں کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوتی ہے جو ایک دم اس کی کایا پلٹ کر دیتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ عورت مولوی صاحب کے پاس پہنچی اور عرض کیا کہ میں گنہگار ہوں، نابکار ہوں، میں اپنے اس پیشہ سے توبہ کرتی ہوں اور آپ میرا نکاح کسی شریف آدمی سے کرا دیں تاکہ آئندہ میری گذر کی صورت ہو جائے۔ مولوی صاحب نے توبہ کرایا اور کسی بھلے آدمی کو تلاش کر کے نکاح پڑھا دیا۔ دیکھا بزرگوں کے جوتوں کی برکت برسوں کی معصیت اور کبائر سے ایک دم اللہ کی طرف متوجہ کر دیا۔

ایک دوسرا قصہ دینی سیاست کی ایسی ہی تاثیر کا یاد آیا۔ ایک ذاکر شاغل شخص یہاں پر مقیم تھے جو اکثر وساوس کی شکایت کیا کرتے۔ میں ان کی تسلی کر دیتا پھر اس کا زور ہوتا اور میں سمجھا دیتا یہی سلسلہ چل رہا تھا ایک روز مجھ کر پاس آ کر کہنے لگے اب تو جی میں آتا ہے کہ عیسائی ہو جاؤں

میں نے ایک دھول رسید کیا اور کہا نالائق ابھی عیسائی ہو جا۔ اسلام کو ایسے بے ہودوں اور ننگ اسلام کی ضرورت نہیں، بس اٹھ کر چلے گئے۔ بس دھول نے اکسیر کا کام دیا، ایک دم وہ خیال دل سے کافور ہو گیا۔ اس کے بعد پھر کبھی وسوسہ تک نہیں آیا۔ مزاحاً فرمایا دھول سے دھول جھڑ جاتی ہے اور مطلع صاف بے غبار ہو جاتا ہے۔ یہ میرا اثر نہ تھا۔ شرعی تعزیر کا اثر تھا۔ ایک اور قصہ ہے کہ ایک شخص کہیں باہر سے میرے پاس آیا وہ ایک گھوسن پر عاشق ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا واقعہ بیان کیا۔ میں نے تدبیر بتلائی کہ نہ اس محلہ میں جاؤ نہ اس کو دیکھو اور ضروری کام کی طرف مشغول رہا کرو۔ کہنے لگا کہ میں تو اس کے یہاں سے دودھ خریدا کرتا ہوں حالانکہ دودھ کی مجھ کو ضرورت نہیں۔ اس کے دیکھنے کی وجہ سے خریدتا ہوں۔ میں نے اس سے بھی منع کیا، کہا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس کے بھی ایک دھول رسید کی اور کہا کہ نکل یہاں سے دور ہو۔ جب علاج نہیں کرتا پھر مرض لے کر کیوں آیا۔ چلا گیا۔ اس کے بعد مجھ کو خیال ہوا کہ میں نے ایسا کیوں کیا غیر شخص تھا تعارف تک بھی نہ تھا مگر اس وقت حق تعالیٰ نے دل میں یہی ڈالا تقریباً کوئی سال بھر کے بعد فلاں مولوی صاحب سے وہ شخص ملا۔ اس نے ان کو پہچان کر مصافحہ کیا۔ اور یہاں کی خیریت معلوم کی۔ انھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہا کہ میں وہ شخص ہوں۔ یہ سمجھ گئے پوچھا کہ اب اس مرض کا کیا حال ہے۔ مجھ کو دعائیں دے کر کہا کہ ان کی دھول نے سب کام بنا دیا، دھول کے لگنے کے ساتھ ہی۔ بجائے عشق اور محبت اور رغبت کے ایک دم اس کی طرف سے نفرت پیدا ہو گئی۔ حق تعالیٰ جس کے لئے جو مناسب جانتے ہیں بعض اوقات قلب میں وہی ڈالدیتے ہیں اور وہی نافع ہوتا ہے اس میں کسی کو کیا دخل۔ پھر فرمایا یہ مرض عشق صورت کا نہایت ہی پلید ہوتا ہے۔ برسوں کے مجاہدہ سے بھی نہیں زائل ہوتا۔ ساری عمریں بعضوں کی اسی خباثت میں ختم ہو گئیں۔ جس پر حق تعالیٰ اپنا فضل فرما دیں اور اپنی رحمت سے نواز دیں وہی بچ سکتا ہے۔

ملفوظ ۳۴۵:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے گھر میں چاہے ماں ہی ہو مگر بدون پکارے اور کسی سمجھدار کے بلائے گھر میں نہیں جانا چاہیے۔ بڑی بدتمیزی کی بات ہے بدون پکارے جانا۔ بعض مرتبہ محلہ کی عورتیں یا برادری کی عورتیں گھر میں آجاتی ہیں۔ بدون پکارے جانے سے بے پردگی ہوتی ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ میرے گھر میں تو صرف ماں ہی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم ماں کو ننگی بھی دیکھنا پسند کرتے ہو۔ عرض کیا کہ نہیں، فرمایا تو پکار کر جاؤ ممکن ہے کہ ننگی ہو۔ کیسی پُر مغز اور پاکیزہ اور نور بھری تعلیم ہے۔ غیر آسمانی مذاہب ایسی تعلیم سے کورے ہیں۔

ملفوظ ۳۴۶:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ خیر و برکت کہاں سے ہو دُنیا سے ادب ہی اُٹھ گیا۔ اس ادب نہ ہونے کی وجہ سے بھی بہت سی پریشانیاں اور بے برکتیاں مخلوق کے گلوگیر

ہو گئی رہیں۔ اور میری مراد ادب سے ادب متعارف یعنی تعظیم نہیں بلکہ حقیقی ادب مراد ہے۔ وہ یہ کہ ہر شی اپنی حد پر رہے جس کے لوازم میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ بس یہ ادب ہے صرف تعظیم و تکریم حقیقی ادب نہیں، ہاں کسی محل میں یہ تعظیم بھی ادب ہے جبکہ رعایت حدود تعظیم کو مقتضی ہو۔ چنانچہ ایسا ادب اللہ کے نام کا ہونا چاہیئے جیسے نواب ٹونک نے اپنے آرام کے لیئے ایک مکان بنوایا تھا۔ اس میں مستری نے یعنی معمار نے نواب صاحب کی دینداری کے خیال سے اُن کو خوش کرنے کی غرض سے ایک اونچے مقام پر لفظ اللہ لکھ دیا۔ جب مکان تیار ہو گیا، تو نواب صاحب نے آکر دیکھا، نام پاک پر بھی نظر پڑی تو فرمایا کہ یہ اب رہنے کا مکان نہیں رہا۔ اس میں رہنا بے ادبی ہے بلکہ ادب کی جگہ ہو گئی۔ اس مکان میں وہ رہ سکتا ہے جو ہر وقت اللہ اللہ کرے۔ اب یہ عبادت گاہ رہی اور رہنے کے واسطے دوسرا مکان بنایا جائے اور اس مکان میں نواب صاحب جاکر نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ تو ایسا ادب تو اللہ ہی کے نام کا ہونا چاہیئے۔ باقی مخلوق کا ادب اس کے حقوق کی رعایت ہے جس کی روح راحت رسانی ہے۔ مگر اب وہ زمانہ ہے کہ نہ بیٹے کو باپ کا ادب، نہ باپ کو بیٹے کا ادب، نہ شاگرد کو استاذ کا ادب، نہ استاذ کو شاگرد کا ادب، نہ مرید کو پیر کا ادب، نہ پیر کو مرید کا ادب، نہ بیوی کو خاوند کا ادب، نہ خاوند کو بیوی کا ادب۔ ان مواقع میں ادب سے وہی ادب مُراد ہے یعنی راحت رسانی اور تعظیم و تکریم مراد نہیں۔ اور ادب بایں معنیٰ صرف چھوٹوں کے ذمہ بڑوں ہی کا نہیں بلکہ بڑوں کے ذمہ چھوٹوں کا بھی ہے اور وہ ادا کرنا ہے حقوق کا۔ اور ادائے حقوق کے لیئے لازم ہے راحت رسانی۔ پس ہر شخص کو اس کے خیال رکھنے کی ضرورت ہے مگر افسوس کہ اس باب میں عوام تو عوام، خواص تک بکثرت کوتاہی کرتے ہیں، صرف چند چیزوں کو لوازم بزرگی سمجھ رکھا ہے اور معاشرت کو دین کی فہرست سے بالکل ہی نکال دیا۔ حق تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں۔

ملفوظ ۳۴۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کی عجیب مثال دی کہ دنیا سانپ ہے تو اس کو وہ پکڑے جو منتر جانتا ہو۔ صحابہ اس کا منتر جانتے تھے اس لیئے وہ ان کو مضر نہیں ہوئی۔ اور ہم منتر جانتے نہیں، اس لیئے ہم کو اس سے بچنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ڈس نہ لے۔ اس دار الامتحان اور دار الحزن میں بہت ہوشیار ہو کر رہنے کی ضرورت ہے۔ ذرا غفلت ہوئی اور اس نے اپنا وار کیا اس لیئے ہر وقت خدا سے دعا کرتا رہے ڈرتا رہے اور دین کے کام میں لگا رہے اور عمر بھر اسی مجاہدہ میں رہے کیونکہ یہ وہ راہ ہے کہ اس سے تمام عمر بھی فراغ کی امید کرنا بڑی بے عقلی ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش　　تا دم آخر دمے فارغ مباش

ملفوظ ۳۴۸:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہر چیز کے احکام اور حدود ہیں ان سے نہ گذرنا چاہیئے مگر بعضے حدود ایسے ہیں کہ ان کے سمجھنے کے لیئے خاص ذکاوت کی ضرورت ہے ذکاوت کی کمی سے بعض اشکالات کا حل بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس پر ایک قصہ یاد آیا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید نے ایک مدعی مولوی صاحب سے امتحاناً دریافت کیا کہ اگر کوئی پلنگ پہ پاؤں لٹکا کر بیٹھ جاوے اور ایک شخص نیچے بیٹھا قرآن شریف پڑھ رہا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ انھوں نے کہا بے ادبی ہے ناجائز ہے۔ مولانا نے سوال کیا کہ سُرین کے اونچے ہونے سے یہ بے ادبی ہے اگر ہے تو کھڑے ہونے میں بھی اونچے ہوتے ہیں، ایسی جگہ کھڑا ہونا بھی جائز نہ ہونا چاہیئے۔ اور اگر پیروں کی وجہ سے بے ادبی ہے تو پاؤں تو اب بھی نیچے ہیں۔ پھر کیوں ناجائز ہے۔ مولوی صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اگر وہ ذکی ہوتے تو یہ جواب دیتے کہ ادب نہ سُرین کا ہے نہ پاؤں کا، اس کا مدار عُرف پر ہے جو ہیئت عُرفاً بے ادبی ہو وہ جائز نہیں۔ سو عُرف میں کھڑا ہونا تو بے ادبی نہیں اور چارپائی پر بیٹھنا بے ادبی ہے۔

ملفوظ ۳۴۹:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہر چیز میں خدا کی حکمت اور رحمت رکھی ہوئی ہے حتی کہ بیماری اور مصیبت میں بھی، کیونکہ اگر انسان ہمیشہ تندرست رہے تو کبھی دنیا سے جانے کو جی چاہے۔ اگر چاہے بھی تو تکلف کے ساتھ۔ اور بیماری وغیرہ کی وجہ سے دنیا سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ اپنے اصلی گھر کو جائیں تاکہ راحت نصیب ہو یہ کتنی بڑی رحمت اور حکمت ہے۔

ملفوظ ۳۵۰:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بعضے لوگ تعزیت میں حدود سے گذر کر کلام کرنے لگتے ہیں کہ بجائے تسلی دینے کے غم کو برانگیختہ کرتے ہیں اور اس کو ہمدردی سمجھتے ہیں۔ میں الحمدللہ تعزیت میں عرف کو قطعاً چھوڑ دیتا ہوں اور اپنے غم کا اظہار نہیں کرتا ہوں۔ اور اہل عرف کا ایسا کرنا صرف اپنی مصلحت سے ہوتا ہے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ ان کو مرنے پر رنج نہیں ہوا۔ سو وہ موقع اپنی مصلحت کا نہیں بلکہ دوسروں کی (یعنی غمزدوں کی) مصلحت کا ہے کہ اس واقعہ غم کی حکمتیں اور اس کا رحمت ہونا بیان کیا جاوے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ عجیب بات ہے کہ مریض کی بیماری سے بہت جی کُڑھتا ہے اور مرنے پر اتنا نہیں کڑھتا۔ اس لیئے کہ مُردے کو تو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی ہے جس سے ہمدردی کی جائے۔ اور بیمار کی تکلیف محسوس ہوتی ہے اس لیئے اس کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے۔

ملفوظ ۳۵۱:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ سرکشی تمرد اس دربار میں بیحد ناپسند ہے۔ ان کے دربار میں تو عاجزی، عبدیت، انکساری، بندگی، تواضع، خضوع یہ چیزیں پسند ہیں۔

ملفوظ ۳۵۲:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جب تک نعمت خداوندی کو عطا سمجھ کر استعمال کرتا رہے گا کبھی زوال نہ ہوگا۔ اور جب اپنا استحقاق سمجھے گا۔ چونکہ اس عطا کی بے قدری ہوگی اسلیئے

زوال اس کے ساتھ ساتھ ہوگا جو بڑے خوف کی بات ہے۔

ملفوظ:- ۳۵۳ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت من[1] قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ میں اتنا ہی کلمہ مراد ہے یا پورا مع محمد رسول اللہ کے۔ فرمایا کہ پورا کلمہ مراد ہے۔ اور یہ فرمانا ایسا ہے جیسے یہ کہا جائے کہ لیٰسین پڑھ لو تو کل سورۂ لیٰسین مراد ہوگی۔ بعض لوگوں کو اس مسئلہ میں بڑا دھوکا ہوا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نجات کے لیے صرف توحید کافی ہے اگرچہ رسالت کا منکر بھی ہو وہ اس سے شاید اپنے دعوے کی تائید کریں کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ حالانکہ قواعد سے یہاں پورا کلمہ مراد ہے۔ ایک جواب تو یہ ہے اور میں نے اس کا ایک اور بھی جواب دیا ہے۔ وہ یہ کہ جو رسالت کا منکر ہے وہ کبھی موحد اور لا الٰہ الا اللہ کا معتقد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ انکار رسالت سے وہ خدا تعالیٰ کی ایک صفت کمال کا منکر ہے یعنی صدق کا اس نے خدا کو جھوٹا سمجھا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کلام پاک میں فرماتے ہیں محمد رسول اللہ اور وہ اس کی تکذیب کرتا ہے تو توحید کہاں رہی جسکے معنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں یکتا ماننا۔ میں نے ایک ایسے ہی اعتقاد والے کو اس کی دلیل کے جواب کے لیئے دس برس کی مہلت دی تھی۔

۹ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

ملفوظ:- ۳۵۴ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس تحریک خلافت میں اگر مسلمانوں کی جماعت الگ ہوتی تو انکی لغزشوں سے یہ سمجھ کر چشم پوشی بھی کی جا سکتی کہ مقصود تو دین ہے خیر کوئی خفیف سی لغزش بھی ہوگئی مگر اب تو ہندوؤں کے ساتھ ان کی اغراض خلاف شرع ہیں۔ مقصود دین نہیں محض دنیا ہے یعنی صرف حکومت، جاہ، عزت اور مال کی طلب ہے تو ایسی حکومت تو فرعون نے بھی شداد نے بھی، نمرود نے بھی قارون نے بھی کی تھی۔ اُن کی ہی حکومت کو کیوں مردود سمجھتے ہو۔ صرف اسی وجہ سے تو کہ حدود دینیہ سے گذر کر کی تھی، سو تم بھی ویسی ہی حکومت کے طالب ہو جس میں نہ احکام کی پروا نہ حدود شرعیہ کی رعایت تو دونوں میں فرق کیا ہوا۔ اور پھر اس حالت میں شرکت نہ کرنے والوں پر قسم قسم کے فتوے لگائے

[1] جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

جاتے ہیں۔ استقبال اور جلوس اور جلسوں کے اندر ر جے کے نعرے لگاتے ہیں جو کفار کے شعار میں سے ہے۔ ایک صاحب نے اس کے معنیٰ بیان کئے کہ جے بمعنی فتح کے ہے، اس میں کیا حرج ہے مگر یہاں معنیٰ سے بحث ہے یا یہ بات دیکھنے کی ہے کہ کفار اس کو کس موقع پر کہتے اور پکارتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ عبادت غیر اللہ کے موقع پر پکارتے ہیں۔ .... چنانچہ گنگا پر سے گذرنے کے وقت جے پکارتے ہیں۔ سو اس کی حقیقت عرفیہ شعار کفر ہے حقیقت لغویہ کا اعتبار نہیں جس طرح زنّار کی حقیقت لغویہ کیا ہے ایک تاگہ۔ اور قشقہ کی حقیقت لغویہ کیا ہے ایک رنگ مگر عادۃً و عرفاً شعار کفر ہے اس لئے احکام شرعیہ میں علامات کفر سے سمجھے جائیں گے۔

اسی سلسلہ میں اس کا ذکر ہوا کہ بعضے لوگ ان حقائق کو سمجھتے نہیں اور بد اعتقاد ہو جاتے ہیں۔ اسی کے متعلق ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ احمقوں کا تو نکل جانا ہی مناسب ہے۔ باقی جو شخص حقیقت کو سمجھ کر حق کو قبول کرے اس سے مجھ کو اس حیثیت سے تو خوشی ہوتی ہے کہ ایک شخص حق پر آگیا باقی اس حیثیت سے ذرہ برابر بھی خوشی نہیں ہوتی کہ ہماری جماعت بڑھی۔

اسی سلسلہ میں اس کا ذکر آگیا کہ بعضے بد اعتقاد ضرر رسانی کی فکر میں بھی ہو جاتے ہیں۔ اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک روز ایک ہندو راجپوت پرانی عمر کا آدمی یہیں کا رہنے والا مجھ کو جنگل میں مل گیا۔ کہنے لگا کہ کچھ خبر بھی ہے تمہارے لئے کیا کیا تجویزیں ہو رہی ہیں۔ تم اکیلے مت پھرا کرو۔ میں نے کہا کہ ہاں مجھ کو اسکی بھی خبر ہے اور اس کے ساتھ اور بات کی بھی خبر ہے جس کی تم کو خبر نہیں۔ کہنے لگا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ یہ ہے کہ بدون خدا کے چاہے ہوئے کسی سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس پر کہا کہ بس جی پھر تمہیں کیا ڈر تم جہاں چاہو پھرو۔ یہاں پر بعض لوگوں نے محبت کی وجہ سے میرے لئے یہ انتظام سوچا کہ یہ عشاء کے بعد تنہا جاتا ہے چپکے سے ایسے طور پر کہ اس کو معلوم نہ ہو اس کے ساتھ ہو لیا کرو۔ جب گھر میں پہنچ جایا کرے چلے آیا کرو۔ ان ہی میں سے ایک شخص نے کہا کہ اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو خدا کی حفاظت پر بھروسہ اور اعتماد نہیں، تب وہ انتظام خود ہی موقوف کر دیا۔

اسی اختلاف کے سلسلہ میں ایک صاحب کے سوال پر فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کی بیٹھک میں بعض لوگ بیٹھے ہوئے مجھ پر طعن و اعتراض کر رہے تھے۔ حضرت نے سن لیا فرمایا کہ تمہیں خبر بھی ہے کہ تم ایسے شخص کی برائی کر رہے ہو جس کو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں۔ حضرت کے یہ الفاظ غلبۂ شفقت اور محبت کی بنا پر تھے مجھ کو تو ان الفاظ کے نقل سے بھی گرانی ہوتی ہے۔ میں کیا اور میری ہستی کیا کجا حضرت کجا میں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھ کو وحی آتی ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہوں وحی سے کہہ رہا ہوں۔ میری بھی ایک رائے ہے اس کی بھی ایک رائے ہے، دونوں طرف صحت کا احتمال ہے

واقعی حضرت اس اختلاف کی حقیقت سے بحمد اللہ پوری طرح باخبر تھے، یہ بیچارے کیا جانیں۔ اور ایک شخص کے سوال پر حضرت مولانا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہمیں اس پر بھی فخر ہے کہ ایسا شخص جو ہندوستان بھر سے متاثر نہ ہوا وہ بھی ہماری جماعت میں سے ہے۔ نیز جب حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اختلاف کی خبریں پہونچنے لگیں تو یہ فرمایا کہ تولاؤ پھر میں ہی کسی قدر اپنی رائے کو چھوڑ دوں۔ ایک صاحب نے جبکہ حضرت مولانا مالٹا سے تشریف لائے اور میں زیارت کے لئے دیوبند حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ حضرت وہ (یعنی میں) یہاں آیا ہوا ہے۔ اس وقت حضرت اس مسئلہ کے متعلق کچھ فرما دیں۔ یہ حضرات کیسے عادل ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ میرا لحاظ کرتا ہے اس لئے میری گفتگو کرنے پر بولے گا نہیں تنگی ہوگی۔ سو میں تنگ کرنا نہیں چاہتا۔ نیز گفتگو سے رائے بدلا نہیں کرتی واقعات سے بدلتی ہے باقی اس پر یقین ہے کہ جب اس کی رائے بدلے گی وہ خود اعلان کر دے گا۔ اسی حاضری میں ایک صاحب نے دیوبند ہی میں مجھ سے کہا کہ زمانہ غدر میں آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بزرگ کھڑے ہوئے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ بزرگوں کے اتباع میں تم بھی کھڑے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں یہ بھی معلوم ہے اور اس سے آگے بھی معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں۔ وہ یہ کہ آخر میں بیٹھ بھی گئے تھے۔ اور آخری قول یا فعل ناسخ ہوا کرتا ہے تو تم منسوخ پر عامل ہو اور میں ناسخ پر۔ اب بتلاؤ اپنے بزرگوں کا متبع کون ہے تم یا ہم؟ پھر کچھ نہیں بولے۔ اور اس تحریک میں جس قدر بے برکتی تھی اس کی وجہ بانی کی نیت ہے۔ خبر بھی ہے کہ بانی اس کا کون ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک غیر مسلم، اگر اس صورت میں کامیابی بھی ہو گئی تو ہندوؤں کی کامیابی ہوگی۔ اور نفع بھی اس صورت میں ہندوؤں ہی کو ہوگا اور مسلمانوں نے جو اس کا ساتھ دیا اس کا آخیر نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے سوختہ، ہنڈیا کو تو پکا دیتا ہے اور خود فنا ہو جاتا ہے۔ یہی حشر مسلمانوں کا ہوا۔ اور ہو گا کہ ان کی سالہا سال کی مردہ کانگریس کو تو زندہ کر دیا اور خود ختم ہو گئے۔ اس پر اگر کوئی خیر خواہی کی غرض سے مسلمانوں کو سمجھائے اور حقیقت بتلائے کہ یہ بانی عدو اسلام ہے تو کوئی نہیں سنتا مگر اب آنکھیں کھلیں۔ جب اس نے کھلم کھلا زہر اگلا اور مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ یہ ان مسلمانوں کی عقلیں ہیں اور بیدار مغزی ہے پھر ایسے بدفہم راہبر اور پیشوا بنے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں عام مسلمانوں کی باگ ہے ایسے لیڈر ان کی کشتی کے ناخدا کہلاتے ہیں۔ اللہ ہی حافظ ہے ان کے بیڑے کا سوائے دعا کے اور کیا چارہ ہو سکتا ہے۔ اللہ ہم سب کو دین کامل اور فہم کامل نصیب فرمائیں۔

۹ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۳۵۵:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اصول صحیحہ سب کی راحت کی چیز ہیں۔ میرے یہاں اصول ضرور ہیں مگر ایسے نہیں کہ کوئی آسانی سے عمل نہ کر سکے۔ ہاں اگر کوئی اصول کو من حیث الاصل ہی مشکل سمجھے، یہ دوسری بات ہے۔ پھر یوں تو نماز میں، روزہ میں، حج میں، زکوٰۃ میں سب میں اصول ہیں۔ کوئی شعار اسلام بھی اس سے خالی نہیں۔ کیا اس بنا پر ان کو بھی مشکل کہو گے، تو پھر آیت یرید اللہ بکم الیسر اور حدیث الدین یسر کا کیا جواب دو گے؟ جو اس کا جواب دو گے وہی میری طرف سے سمجھ لیا جاوے۔ میرے یہاں کے اصول اور قواعد اپنی اور دوسروں کی راحت کے واسطے ہیں حکومت کے لئے نہیں۔

ملفوظ ۳۵۶:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس قسم کی ضروریات کی تعلیم اور اہتمام حضرت ہی کے یہاں ہے دوسری جگہ اس کا نام و نشان بھی نہیں۔ بہت سے بہت ذکر و شغل کی تعلیم کر دی جاتی ہے۔ فرمایا کہ جی ہاں۔ اور یہی تو وجہ ہے کہ یہاں آ کر لوگوں کو ایک نئی چیز نظر آتی ہے اور اس سے وحشت ہوتی ہے۔ حالانکہ سلف میں اس سے بھی زائد سخت تعلیمات مشائخ کے یہاں ہوتی تھیں۔ اس زمانہ میں تو صحیح طریق نہایت ہی بری طرح بدنام ہوا۔ کیونکہ لوگ حقیقت کو عُرف کے تابع کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور یہ عادت مذمومہ محض رکانداروں کی وجہ سے اپنے پیٹ بھرنے کی غرض سے شائع ہوئی ہے۔ مگر ان کی غرض پوری ہونے کے بعد کچھ ہی ہوا کرے، مُردہ بہشت میں جائے یا دوزخ میں اپنے حلوے مانڈوں سے کام۔

ملفوظ ۳۵۷:- ایک صاحب کی غلطی پر مؤاخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آخر تم لوگوں کو ہو کیا گیا۔ سب ایک ہی مدرسہ سے تعلیم پا کر آتے ہیں۔ عوام ہوں یا خواص سب ایک ہی مرض کے شکار بنے ہوتے ہیں، پوری بات کہتے ہوئے دم نکلتا ہے۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کا رُعب اور ہیبت اس قدر ہے کہ جو لوگ حضرت سے بے تکلف ہیں ان تک پر عین تا ہے۔ لوگ مدد تو کس شمار میں ہیں۔ فرمایا کہ میں اس کی تکذیب نہیں کرتا۔ مگر میرے پاس اس کا کیا علاج ہے۔ خیالات کا تو کوئی علاج نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ من رآہ بداھۃ ھابہ ومن خالطہ احبہ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

دفعۃً دیکھنے سے تو ہیبت چھا جاتی تھی۔ اور جب آپ سے میل جول بڑھتا تھا تو آپکی محبت بڑھتی تھی۔ باقی بظاہر تو میرے یہاں کوئی اہتمام ہیبت کا نہیں، نہ پہرہ ہے نہ چوکی نہ فوج نہ پلٹن۔ غیر اختیاری چیز کا میں بھی کوئی علاج نہیں کر سکتا۔ جو چیز اپنے اختیار میں ہے ہنسنا بولنا تو دادر کے حالات وحاجات پوچھنا، میں اس میں ذرا دریغ نہیں کرتا۔ پھر بھی بد مزاجی کے اندیشہ سے وحشت اس کا کیا علاج اور اس کے خلاف اگر میں آنکھ بند کیے منہ چڑھائے خاموش بیٹھا رہتا۔ لیکن غلطیوں کا اصلاح نہ کرتا تو نیک نام مشہور ہوتا۔ لیکن میں چاہتا یہ ہوں کہ دوستوں کے حالات کی مجھ کو معرفت ہو اپنی کہوں ان کی سنوں مگر اس میں میری اعانت نہیں کرتے اور اصل بات اور ہے وہ یہ کہ لوگوں کے ذہن میں بزرگی کا ایک خاص نقشہ ہے وہ یہاں منطبق نہیں ہوتا۔ میں طالب علموں کی طرح رہتا ہوں۔ درویشی مجھے آتی جاتی نہیں، نہ میں نے سیکھی میں تو اپنی کھلی حالت رکھتا ہوں تاکہ کسی کو دھوکا نہ ہو۔ لوگ اس کے خوگر نہیں۔ بس یہ وجہ ہے باہمی تناسب کی۔

ملفوظ ۳۵۸:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل اقوام اور انساب بدلنے کا مرض بھی عالمگیر ہو گیا ہے۔ عرفی شرفاء پر الزام تھا کہ یہ غریب قوموں کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں۔ مگر وہ خود ہی اس جرم کے مرتکب بنے ہوئے ہیں۔ آخر اس کی کوشش کیوں ہے کہ کوئی اپنے کو قریشی کہلانا چاہتا ہے کوئی انصاری بننے کو تیار ہے جس قوم میں یہ عرفاً داخل ہیں اگر ان کو حقیر نہیں سمجھتے تو اس سے نکلتے کیوں ہیں۔ ایک طالب علم قوم سے ڈوم تھا مگر پردیس میں جا کر اپنے کو سید ظاہر کیا اور اپنا نام بھی بدلا، ہندی سے عربی نام بنایا جو اسی کا ترجمہ تھا۔ ایک نومسلم شخص نے جن کے بزرگ برہمن تھے، اس کی تحقیق کی تھی کہ ان کے باپ دادا بزور شمشیر مسلمان ہوئے تھے یا اپنی خوشی سے۔ اگر بزور شمشیر مسلمان ہوئے تھے تو بڑی ذلت کا کام کیا۔ اور اگر خوشی سے مسلمان ہوئے تھے تو ان کی اولاد میں ہونے کو فخر کا سبب سمجھا جائے گا۔ غرض یہ خرافات ہیں جن میں لوگوں کو آج کل ابتلاء ہو رہا ہے۔ کیا یہ باتیں روک ٹوک کی نہیں، یہ تو ان کے متعلق کلام تھا جو اپنی مشہور قوم سے نکل کر بڑی قوموں میں ملحق ہوتے ہیں۔ اب ایک کلام ان کے متعلق بھی ہے جو عرفاً بھی شریف قوموں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ کلام ایک سوال ہے وہ یہ کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جس کو دیکھو بس صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا علوی یا سید یا انصاری۔ کیا ان ہی چند حضرات صحابہ کی اولاد چھنٹ چھنٹ کر ہندوستان میں آئی تھی اور کسی قبیلہ کے کوئی بزرگ نہیں آئے کوئی طلحی ہوتا کوئی انسی ہوتا کوئی ابوہریری ہوتا۔ معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ آئے تھے یہ سب مگر مشہور ہونے کی وجہ سے سب ان ہی میں مدغم ہو گئے۔ البتہ اگر کسی کی نسبت متواتر ہو۔ اور جامع شرائط تو اتر ہو اس کے متعلق کلام نہیں۔ یہ تو خاص انساب کے دعوی کے متعلق کلام تھا۔ اب ایک قوم کو جو دوسری اقوام پر شبہات اور اعتراضات ہیں، ان کا نام بھی عرض کرتا ہوں مثلاً

بعضے غریب قوموں کا خیال ہے کہ یہ ہم کو نظر تحقیر سے دیکھتی ہیں جو محض وہم ہی وہم ہے اور یہ وہم اس سے ہوا کہ بعض باتیں کسی قوم کی طرف عوام میں منسوب ہیں تو کسی موقع پر ان کے بیان کرنے سے یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ مقصود ان کا تحقیر ہے، حالانکہ وہ لوگ خود اپنی قوم کی طرف بھی موقع پر بعضی چیزوں پر منسوب کراتے ہیں۔ سو اس سے کوئی قوم بھی مستثنیٰ نہیں۔ مثلاً شیخ زادوں ہی کی قوم کو دیکھ لیا جاوے کہ وہ بہت سے موقعوں پر بے تکلف یہ کہدیتے ہیں کہ یہ شیخزادے بڑے فطرتی ہوتے ہیں۔ یہاں فطرت کے معنی چالاکی اور مکاری ہیں تو اس حالت میں یہ دوسری قومیں جن کو اہل عرف چھوٹا سمجھتے ہیں خواہ مخواہ برا مانتی ہیں کہ ہماری قوم کی نسبت بعض نقائص کا خیال ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک مرتبہ خود فرمایا کہ یہ شیخزادوں کی قوم بڑی ہی خبیث ہوتی ہے۔ ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت آپ بھی تو شیخزادے ہیں۔ تو بے تکلف فرمایا کہ میں بھی خبیث ہوں سبحان اللہ ان حضرات میں کبر کا نام و نشان نہ تھا۔ میں نے اس طالب علم کو دوسرے وقت ڈانٹا کہ ایسی گستاخی کی بات نہیں کیا کرتے۔ غرض حضرت کی یہ بے تکلفی تھی اور انکسار تھا۔ خلاصہ یہ کہ یہ حالت ہو رہی ہے افراط و تفریط کی۔ اور صاحب اصل نسب تو یہ ہے کہ سب ابن التراب (مٹی کے بنے ہوئے) ہیں۔

ملفوظ ۳۵۹:- ایک نو وارد شخص کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ گھر سے شیخ چلی کا سا حساب لگا کر چلتے ہیں، کہ جاویں گے یوں تعظیم و تکریم ہوگی، یوں ادب و احترام ہوگا، کھانا کھلایا جائے گا، چائے بسکٹ حلوے انڈے دستر خوان پر ہوں گے۔ اب یہاں آکر وہ نظر نہیں آتا تو متوحش ہوتے ہیں۔ ایک شخص یہاں پر آئے کہنے لگے کہ حضرت مولانا رائے پوری کے یہاں تو صبح کو چائے اور حلوا کھانے کو ملتا تھا۔ مزاحاً فرمایا اور یہاں اور ہی جلوہ دیکھنے میں آیا۔ یہ طالب ہیں جن کو تعظیم و تکریم، ادب و احترام کی تلاش ہے۔ چائے بسکٹ حلوے انڈے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ یہاں تو بجائے انڈے کے ڈنڈے ہیں۔ اگر کھانے ہوں تو آ جاؤ نہیں گھر بیٹھو۔ ایک شخص نے لکھا تھا کہ آپ نے میرے خط کا اس لیے جواب نہیں دیا۔ کہ میں نے جواب کے لیے ٹکٹ نہ بھیجے تھے۔ ایک مولوی صاحب سے ہم فتوے پوچھا کرتے تھے وہ برابر اپنے پاس سے ٹکٹ لگا کر جواب دیتے تھے۔ ایک ڈپٹی کلکٹر ہیں انھوں نے لکھا تھا کہ آپ نے فلاں مسئلہ میں موافقت بھی کی تو فلاں بریلوی خان صاحب کے ساتھ۔ منشاء ان سب باتوں کا صرف یہ ہے کہ اپنے تابع رکھ کر خدمت لینا چاہتے ہیں۔ یہاں یہ باتیں ہیں نہیں اسی وجہ سے خفا ہیں خبر ہو اگر ہوں خفا۔ کیا کوئی ان کا نوکر ہے۔ اگر طریقہ سے خدمت لی جائے آدھی رات خدمت کو حاضر ہوں اور بے طریقہ یہاں خدمت کی تو کیا امید ہے بات بھی نہیں کی جاوے گی۔

ملفوظ ۳۶۰:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہر چیز میں اعتدال کی ضرورت ہے، بغض میں بھی اعتدال چاہیے اور محبت میں بھی اعتدال چاہیے حدود سے گذرنا نہ عداوت میں پسندیدہ ہے نہ محبت میں پسندیدہ ہے۔ مگر اعتدال اس زمانہ میں عنقاء ہوگیا ہے جس کو دیکھو افراط و تفریط میں مبتلا ہے۔ میں چاہتا یہ ہوں کہ ہر شخص اعتدال پر رہے۔ یہی لوگوں سے میری لڑائی ہے۔ اسی وجہ سے مجھ کو بدنام کرتے ہیں کہ سخت گیر ہے اور آپ بہت نرم گیر ہیں۔ تمہاری ہر بات سے دوسروں کو تکلیف پہنچے یہ نرم گیری ہے۔

۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

ملفوظ ۳۶۱:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو تو فضول چیزوں سے طبعی نفرت ہے خواہ وہ کسی سے دوستی ہی کا تعلق کیوں نہ ہو۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ جو شخص صلح سے گھبراتا ہو وہ کسی سے جنگ کیا کرے گا۔ میری طبیعت سب جھگڑوں سے گھبراتی ہے خواہ وہ کسی کی موافقت ہو یا مخالفت ہو بقول مولانا رحمہ ؎

خود چہ جائے جنگ و جدل نیک و بد ۔۔۔ کیں دلم از صلح ہا ہم می رمد[1]

کانپور میں جس زمانہ میں مدرسہ جامع العلوم میں تھا بعض مخالفین نے مدرسہ کے متعلق قسم قسم کی شہرتیں دیں۔ آئے دن کا ایک مشغلہ ہوگیا حتیٰ کہ اعتراض کے پرچے اہل مدرسہ کے نام آنے لگے۔ ایک روز میں نے مدرسہ کی جماعت سے جس میں مہتمم مدرسہ و ممبران مدرسہ اور بعض خیر خواہان مدرسہ سب ہی موجود تھے۔ مشورہ کیا، سب نے بالاتفاق کہا کہ جمعہ میں سب آجائیں گے اس میں اس کے متعلق بیان کرکے ان معترضین پر رد کرنا چاہیے۔ میں نے کہا یہ مفید نہیں۔ وہ اس رد کا جواب دیں گے ایسی تدبیر کرنا چاہیے جس سے ہمیشہ کے لئے انسداد ہو جاوے۔ پوچھا گیا وہ کیا تدبیر ہے میں نے کہا کہ وہ کرنے کی ہے کہنے کی نہیں جب وہ ہو گی دیکھ لینا اس کے بعد میں نے مخالفین کے نام کی ایک فہرست مرتب کی اور اس فہرست کی پیشانی پر لکھا کہ آپ حضرات سے مدرسہ کے متعلق کچھ مشورہ کرنا ہے۔ فلاں دن فلاں وقت تشریف لے آئیے۔ مخالف بہت خوش ہوئے کہ اب اعتراضات کرنے کا خوب موقع ملے گا۔

[1] نیک و بد کے متعلق لڑائی جھگڑے کی تو کہاں گنجائش ہے میرا دل تو صلح کے تعلق سے بھی کھاتا ہے ۱۲

وقت مقررہ پر سب جمع ہو گئے۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا کہ آپ حضرات کو اس لئے تکلیف دی گئی کہ اس وقت تک ہم لوگ مدرسہ کا کام کرتے تھے اور اپنے کو اس کام کا اہل سمجھتے تھے مگر عقلاء کے اتفاق سے معلوم ہوا کہ ہم اس کے اہل نہیں اور غیر اہل کو کام کرنا خیانت ہے۔ لہٰذا ہم لوگ مدرسہ کو آپ حضرات کے حوالے کرتے ہیں۔ مدرسہ کی آمد و خرچ و باقی کا حساب سمجھ لیجئے، جائزہ لے لیجئے کتابوں پر قبضہ کر لیجئے، طلبہ کا رجسٹر لے لیجئے۔ اگر اس وقت آپ نے حساب نہ لیا اور مدرسہ کے نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا تو آئندہ ہم کسی کام کے کسی بات کے ذمہ دار نہ ہوں گے اور فلاں وقت مدرسہ سے الگ ہو جائیں گے ہمارے بستر بندھے رکھے ہیں۔ سب کے ہوش اڑ گئے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سب نے معافی چاہی اور نہایت خوشامد کے لہجے میں بالاتفاق کہا کہ ہم آئندہ کچھ نہ بولیں گے اور کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کریں گے۔ مدرسہ کا کام آپ ہی کریں اور جس طرح چاہیں کریں۔ میں نے کہا کہ خیر ہم کو اس سے بھی انکار نہیں مگر کام کرنے کے لیے روپیہ کی ضرورت ہے اور مدرسہ میں روپیہ ہے نہیں پھر کام کیسے کریں۔ سب نے کہا کہ ہم روپیہ بھی دیں گے۔ چنانچہ فوراً ہی کافی روپیہ کا انتظام کیا۔ مہتمم بھی محو حیرت تھے اور ممبران بھی کہ عجیب بات ہے روپیہ بھی مخالفین سے لیا اور آئندہ کے لئے اعتراضات کا دروازہ بھی بند کر دیا۔ یہ سب اس لئے کیا کہ قیل و قال مذاق کے خلاف تھا اس لیے دو ٹوک بات کہدی جس کا اللہ تعالیٰ نے اثر ظاہر فرما دیا۔ غرض ملانوں کی خرجی میں تو سب کچھ ہے۔ مگر بے محل اس کا اظہار نہیں کیا جاتا اس سے لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ یہ لوگ بے حس ہیں۔ اس پر ایک شعر یاد آ گیا ؎

مصلحت[1] نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

ملفوظ ۳۶۲:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ متقدمین میں خادم دین پر اعتراض کرنا سخت حماقت ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے پکی پکائی روٹی میں عیب نکالنا جو بہت آسان ہے مگر ذرا پکا کر دیکھے تب حقیقت معلوم ہو۔ آج ذرا کوئی نئی سی صورت پیش آ جائے اس کا ایک مسئلہ بھی حل نہیں ہوتا۔ ان حضرات نے لاکھوں کروڑوں مسائل حل کر دیئے۔

ملفوظ ۳۶۳:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ چند طالب علم تھے اس پر اعتراض کرتے تھے کہ اسلام نے مفقود الخبر کے متعلق کوئی مخلص نہیں بتلایا مگر امام مالک ؒ کے مذہب پر اس کا مخلص موجود ہے سو وہ مذہب بھی تو اسلام ہی میں داخل ہے تو اسلام پر کوئی اعتراض نہیں رہا۔ اب رہا حنفیہ کا مذہب اور اس پر اعتراض کہ حنفیہ کے یہاں اس کا کوئی مخلص نہیں تو حنفیہ نے بھی ضرورت کے وقت مالکی مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دے دی ہے بعض قیود کے ساتھ تو اب حنفیہ پر بھی اعتراض نہ رہا۔ یہ سب مباحث مفصل رسالہ

---

[1] راز کا ظاہر کرنا خلاف مصلحت ہے۔ ورنہ ایسی کوئی چیز نہیں جو رندوں کی مجلس میں نہ ہو ۱۲

حیلہ ناجزہ میں ضبط کر دیئے گئے ہیں۔

ملفوظ ۳۶۴:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں یہ بزرگوں کے معتقدین تو اس قدر حدود سے تجاوز کیے ہوئے ہیں اور ان کے مقابل ایک جماعت ہے کہ وہ حضرت مخدوم صاحب کے وجود ہی کی منکر ہے کہ اس نام کے کوئی بزرگ ہی نہیں ہوئے۔ پیرانِ کلیر میں جو مخدوم صاحب مدفون ہیں یہ ان کے متعلق اس جماعت کا خیال ہے۔

ملفوظ ۳۶۵:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ میں کسی کے کام یا بات میں دخل نہیں دیتا اور مشورہ بھی بہت کم دیتا ہوں۔ اس لیے کہ لوگ مشورہ کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اس کو حکم سمجھ کر عمل کرتے ہیں۔ مشورہ لے کر سوچنے سمجھنے سے فارغ ہو جاتے ہیں خود فکر و غور نہیں کرتے۔ اب آگے اس میں دونوں پہلو محتمل ہیں۔ اگر نفع ہوا تو اعتقاد میں غلو ہو جاتا ہے کہ فلاں کے تصرف سے ایسا ہو گیا۔ اور اگر نقصان ہوا تو دل میں خیال ہوتا ہے کہ فلاں شخص کے کہنے پر عمل کیا تھا۔ اس سے یہ نقصان پیش آیا سو مجھ کو یہ بھی گوارا نہیں۔ غرض اس میں ہر پہلو پر مضرت ہی کا اندیشہ ہے۔

ملفوظ ۳۶۶:- ایک صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں ایک پرچہ پیش کیا۔ ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ یہ تو کوئی ایسی راز کی بات نہ تھی۔ یہ لو پرچہ اور زبانی کہو۔ میں بھی موجود، تم بھی موجود، پھر زبانی نہ کہنے میں کیا مصلحت ہے اس پر وہ صاحب خاموش رہے۔ فرمایا جواب دو بات کو ختم کرو مجھ کو اور بھی کام ہیں، صرف تم کو ہی لیے کیسے بیٹھا رہوں۔ میرے پاس اتنا زیادہ اور فضول وقت نہیں، جو کہنا ہو زبانی کہو، تاکہ معاملہ ایک طرف ہو۔ اس پر بھی وہ صاحب کچھ نہ بولے خاموش ہی رہے۔ فرمایا کہ دیکھو پھر شکایت کرو گے اور بدنام کرتے پھرو گے۔ اب کی مرتبہ میں اور کہتا ہوں کہ جو کہنا ہو کہہ لو ورنہ پھر میں اسی طرح کہوں گا جیسے میں ایسے موقع پر کہا کرتا ہوں۔ اب تغیر ہونے والا ہے اور جس علت کی بناء پر تم نے پرچہ پیش کیا ہے زبانی نہیں کہا، میں تمہاری اس علت کو بھی سمجھ چکا ہوں۔ اب گولر کا پیٹ پھوٹنے والا ہے پھر بھنگے ہی بھنگے اڑتے نظر آئیں گے۔ یہ فرما کر اہل مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب آپ لوگ دیکھ لیں مجھ کو بدخلق سخت گیر بتلایا جاتا ہے۔ اب ان معترض صاحبوں کو بلا کر دکھلایا جائے کہ کون سخت گیر اور کون نرم گیر ہے۔ دور سے بیٹھے ہوئے فتوے لگاتے ہیں۔ اب میری رعایت ملاحظہ ہو اور ان کی زیادتی۔ آخر بشر ہوں کہاں تک صبر کروں۔ اب تغیر نہ ہو تو اور کیا ہو۔ اس پر بھی وہ صاحب خاموش رہے۔ تب حضرت والا نے فرمایا کہ منشاء تمہارے اس فعل کا محض کبر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اور لوگوں پر میری بے ہودگی میری حماقت میرا جہل ظاہر نہ ہو۔ کیا آپ نواب صاحب کے بیٹے ہیں اور سب آپ کے نوکر اور غلام ہیں کہ زبان بند کیے بیٹھے ہو۔ کیا دوسروں کو یہ سمجھتے ہو کہ یہ سب بے وقوف ہیں۔ ارے بے ہودہ کسی بات کا تو جواب دے۔ بُت بنا کیوں بیٹھا ہے۔ کیا دوسروں کا دماغ دوسروں کا وقت بیکار ہے۔ ایک مشغول آدمی کو اپنی

طرف متوجہ کر کے جینا سے بیٹھ گیا۔ ایسے ایسے بد نصیب یہاں آ کر مرتے ہیں۔ ارے کیا گھر سے نہ بولنے کی قسم کھا کر چلا تھا۔ جب یہ خیال تھا تو آیا ہی کیوں تھا۔ خواہ مخواہ ستایا اور پریشان کیا چل اٹھ یہاں سے دور ہو اب کیوں دیوار سا بنا میرے سامنے بیٹھا ہے۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی، معافی کا خواستگار ہوں۔ فرمایا اب کیوں بولا۔ اب زبان کہاں سے آ گئی۔ لتاڑ پڑی تو بولنا شروع کر دیا۔ تو اب بیت کی شان اب کیوں ٹوٹی۔ اس سے پہلے تو کچھ اور ہی سمجھے بیٹھا تھا۔ دماغ میں جو خناس تھا وہ کچھ کچھ نکلا۔ اب معافی چاہتا ہے۔ پہلے نظر نہیں آتا تھا، چل نکل یہاں سے، خبردار جو کبھی یہاں آ کر قدم رکھا۔ عرض کیا کہ اگر حضرت مجھ کو جان سے بھی مار دیں گے نہ تو جاؤں گا اور نہ آنا چھوڑوں گا اور آئندہ ایسا نہ کروں گا جو آپ فرمائیں گے اس کا اتباع کروں گا اور جو پوچھیں گے اس کا جواب دوں گا فرمایا اچھا میں ابھی اس کا امتحان کرتا ہوں، بتلاؤ یہ پرچہ کیوں پیش کیا زبانی کیوں نہیں کہا۔ عرض کیا اس کی وجہ تو وہی ہے جو حضرت نے بیان فرمائی کہ کسی کو معلوم نہ ہو اور کام ہو جائے۔ ممکن ہے کہ دس آدمیوں میں میری ہیٹی ہو۔ فرمایا اب اس کا جواب دو کہ ضروری سوالوں پر بھی بولے کیوں نہیں تھے۔ عرض کیا کہ اس کے متعلق میں یہ سمجھ رہا تھا کہ کہہ سن کر خود ہی خاموش ہو جائیں گے۔ بولنے پر ممکن ہے کہ کوئی اور بات زبان سے بے ہودہ نکل جائے اور اس پر بھی مواخذہ ہو۔ فرمایا کہ خیر ستایا تو بہت مگر سچ بولا۔ اس وجہ سے معاف کرتا ہوں۔ اور اس وقت مسجد میں یا اور جہاں آرام ملے خانقاہ کے اندر مہمان خانہ ہے آرام کرو۔ اور بعد نماز ظہر مجلس میں آ کر بیٹھنا، اس میں بھی ایک شرط ہے وہ یہ کہ مکاتبت مخاطبت کچھ نہ ہو۔ خاموش بیٹھے رہنا۔ اچھا یہ بھی بتلاؤ کے روز قیام کرو گے۔ عرض کیا کہ تین روز۔ فرمایا کہ اب یہاں زمانۂ قیام میں نہ تو بولنا اور نہ کوئی پرچہ لکھنا۔ پھر واپس جا کر خط وکتابت سے اپنے حالات کی اطلاع کرنا۔ عرض کیا ایسا ہی کروں گا۔ فرمایا جس شخص کے پاس اپنی حاجت لے کر جائے اور اس کو مانوس بنانا ہو اور اپنی طرف متوجہ کرنا ہو تو اس کو چاہیے کہ پہلے دن وہاں کے قواعد معلوم کرے اور جیسا قاعدہ معلوم ہو اس پر کاربند رہے۔ ہر کام اصول کے ماتحت ہو۔ اسی میں خیر ہے۔

ملفوظ: ۳۶۷ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کام تو کام کے طریقہ سے ہوتا ہے۔ معلم کی طرف سے تعلیم ہو اور متعلم کی طرف سے قبول اور عمل ہو، یہ ہے ضروری چیز، اور متعارف بیعت تو ایسی ضروری چیز نہیں، محض برکت کی چیز ہے مگر تعجیل اس میں کسی طرح مناسب نہیں۔ میں تو آنے والوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم میرا کچا چٹھا دیکھو، میری حالت کو دیکھو میں تمہاری حالت کو دیکھوں اس کے بعد اگر طرفین سے مناسبت ہو تو بیعت کا بھی مضائقہ نہیں۔ آج کل کام کرنے کو تو لوگ تیار نہیں، بیعت پر مُصر ہیں۔

ملفوظ: ۳۶۸ ایک صاحب نے حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی۔ فرمایا کہ ابھی میں بیان کر چکا ہوں۔ آپ تو سُن رہے تھے کہ اس میں تعجیل سے کام نہ لیا جائے اور یہاں کے قیام کے زمانہ

ہیں آپ کو بیعت کی درخواست بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ میرے قواعد کے خلاف ہے۔ آپ وطن پہونچ کر جو رائے قائم ہو اس رائے سے اور اپنے دوسرے حالات سے اطلاع کرنا۔ بیعت کے متعلق جو اصول بمنزلہ اصول موضوعہ کے ہیں، میں وہ اصول آپ کو لکھوں گا اس سے تعلیم کے مبادی طے ہو جاویں گے۔ بدون ان کے طے ہوئے کام چلنا مشکل ہے۔ اور یہ سب وطن کی مکاتبت سے ہو گا۔ باقی یہاں کے قیام کے زمانہ کی نیت تو صرف یہ ہونا چاہیئے کہ دیکھیں طرفین سے مناسبت بھی ہے یا نہیں۔ اور اس کا علم اس طرح ہوتا ہے کہ میں تم کو دیکھ لوں تم مجھ کو دیکھ لو تاکہ نہ مجھے دھوکا ہو آپ کی نسبت اور نہ آپکو دھوکا ہو میری نسبت۔ یہ ہیں اصول، جو شخص ان اصول میں بھی اتباع نہ کرے اور اپنی ہی رائے پر رہے اُسی پر اصرار ہو تو وہ محروم رہے گا۔ نیز یہ بھی جان لینے کی بات ہے کہ ہمارے یہاں نہ چھو چھپا ہے نہ پھون پھاں، نہ رموز نہ اسرار، نہ نکات نہ لطائف، نہ کشف و کرامت، نہ تصرف، نہ ہو حق، نہ کو دکھاند، نہ شور و غل کچھ نہیں۔ سیدھی سیدھی باتیں ہیں۔ طالب علمی رنگ ہے، لوگوں نے تصوف کو ایک عجیب چیز بنا دیا۔ میں نے اس کو ایک معقول چیز بنا کر پیش کر دیا۔ اور اب تو بحمد اللہ جاہلوں کا بھی ان دوکانداروں کے پھندوں میں آنا آسان نہیں۔ بڑے مزے اڑا ئے۔ اب وہ حلوے مانڈے اگلنے پڑ رہے ہیں۔

ملفوظ ۳۶۹:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جن کیفیات میں مادہ شرط ہے، وہ نفسانی ہیں اور جن میں مادہ شرط نہیں وہ روحانی ہیں۔ عقلی خشیت، عقلی محبت یہ سب خالص روحانی چیزیں ہیں۔ اس میں بھی بڑے بڑے لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے۔

ملفوظ ۳۷۰:- ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ چونکہ فہم میں سلامتی نہیں اس لئے مبادی ہی کے طے ہونے میں بہت وقت صرف ہو جاتا ہے۔ اور موٹی موٹی باتوں کا بھی لوگوں کو مطلق خیال نہیں۔ مثلاً اسی کی پروا نہیں کہ کسی کو ہم سے تکلیف نہ پہونچے۔ اور میری تعلیم کا ایک بڑا حصہ یہ بھی ہے کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔ اسی کو ایک صاحب نے رنگون میں اس عنوان سے کہا تھا کہ اس کی تعلیم کا تو حاصل یہ ہے کہ یہاں بھی آرام سے رہو اور وہاں بھی آرام سے رہو۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

ملفوظ ۳۷۱:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل خوابوں کا بازار خوب گرم ہے، بیداری کی ایک بات بھی نہیں۔ خواب کو بڑی مہتم بالشان چیز، اور تعبیر دینے کو بزرگی کے لوازم میں سے سمجھتے ہیں، حالانکہ نہ ہر معبّر کا بزرگ ہونا ضروری اور نہ ہر بزرگ کا معبّر ہونا ضروری۔ اس کو بزرگی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک مستقل فن ہے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ ابو جہل بہت بڑا معبّر تھا۔ بعض لوگوں کو تعبیر سے فطری مناسبت ہوتی ہے خواہ بزرگ ہو یا نہ ہو، اور بعض کو نہیں ہوتی۔ چنانچہ مجھ کو

اس فن سے مناسبت نہیں۔ ہمارے حضرات میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو اس سے خاص مناسبت تھی۔ حضرت کی ایک عجیب تعبیر یاد آئی۔ حضرت سے ایک شخص نے اپنا خواب بیان کیا کہ میری گود میں ایک چھوٹی سی لڑکی ہے مگر بہت وزنی ہے جس کو میں اٹھا نہیں سکتا۔ میں اس فکر میں ہوں کہ اس کو کہیں رکھ دوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک کتیا ہے میں نے اس کا پیٹ چاک کرکے اس میں اس لڑکی کو رکھ کر سی دیا اور گھر کو چل دیا۔ مگر چونکہ اس کتیا کے پیٹ میں میری لڑکی رکھی ہوئی تھی اس لئے میں اسکو بار بار مڑ کر دیکھتا تھا کہ ساتھ بھی ہے یا نہیں۔ تھوڑی دیر وہ میرے ساتھ رہی پھر غائب ہو گئی جس کا مجھ کو قلق ہے۔ یہ خواب تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس وقت تعبیر سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر کسی وقت آنا شاید سمجھ میں آجاوے پھر دوسرے وقت آیا فرمایا کہ بغیر فکر بے ساختہ سمجھ میں آگئی۔ لڑکی کا وزنی ہونا مادہ منویہ کا زور ہے جو ناقابل برداشت تھا۔ اور وہ کتیا بازاری عورت ہے۔ تم نے اس سے منہ کالا کیا اس کو حمل قرار پا گیا جس سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اس عورت نے چند روز تمہارا ساتھ دیا مگر اب وہ تم سے بے زار ہے۔ یہ واقعہ تھا جس کو سن کر وہ شخص سرنگوں ہو گیا۔ اور مجھ کو اس فن سے مناسبت نہیں مگر اتفاقاً کبھی ذہن پہنچ بھی جاتا ہے۔ چنانچہ میرے ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا کہ موضع سوجھڑو جو مظفر نگر کے قریب ایک موضع ہے وہاں پر ایک پٹرول رہتے تھے۔ انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ نعوذ باللہ میں ایک زوجہ مطہرہؓ سے ہمبستر ہوا۔ صبح کو بوجہ دیندار اور نیک ہونے کے اُن پر وحشت تھی اور یہ سمجھے کہ میں مردود ہو گیا۔ ان میرے دوست نے جنھوں نے مجھ سے اس کو روایت کیا مشورہ دیا کہ یہ خواب تھانہ بھون لکھدو۔ انھوں نے لکھا۔ میں نے یہ لکھا کہ اول تو خواب حجت شرعیہ نہیں۔ اس لئے اس کی تعبیر کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے تعبیر بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ لکھ کر پھر اس کے بعد میں نے یہ لکھا کہ میں یہ لکھ ہی رہا تھا کہ تعبیر سمجھ میں آگئی۔ اور وہ یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی مسئلہ میں شیعی مسئلہ کے معتقد ہیں اور وہ مسئلہ استنجے کے متعلق ہے۔ یہ خواب اس کا اثر ہے۔ اس تعبیر کے پہنچنے پر انھوں نے کہا کہ یہ بالکل صحیح تعبیر ہے۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ شیعوں کے قول کے موافق ڈھیلے سے استنجا پاک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اسی پر عامل بھی تھا۔ اور جس عضو سے بے ادبی کا عمل دیکھا استنجا کا تعلق بھی اسی عضو سے تھا۔ پھر اس روز سے وہ تائب ہو گئے۔ تو یہ حقیقت میری سمجھ میں آجانا اتفاقی امر تھا۔ غرض خواب میں جو واقعہ نظر آتا ہے یہاں اس کے اور معنیٰ ہوتے ہیں اور عالم رویا میں دوسرے معنیٰ ہیں یہ ایک مستقل فن ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک خواب مع تعبیر نقل فرمایا کہ مولوی محمد منیر صاحب نے خواب دیکھا کہ بریلی کی طرف سے کچھ بطیں ہمارے گھر میں آئی ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ خواب بیان کیا حضرت نے تعبیر فرمائی کہ بریلی کی ملازمت آوے گی۔ اور تنخواہ کی نسبت فرمایا کہ کہو تو گیارہ روپیہ کی تعبیر دوں

اور اگر مٹھائی دو تو بیس روپیہ کی تعبیر دوں۔ انھوں نے کہا کہ مٹھائی لے لیجئے اور بیس روپیہ دلوا دیجئے۔ چنانچہ بیس روپیہ کی تنخواہ پر بریلی کے اسکول میں ملازمت مل گئی۔ اور گیارہ اور بیس کی حقیقت یہ فرمائی کہ لبط عربی لفظ ہے اور ط مشدد ہے اور فارسی میں بلا تشدید مستعمل ہے تو اول استعمال پر ط کو مکرر لینے پر اٹھارہ کا عدد حاصل ہوگا اور دو ب کے، سب بیس ہوئے۔ اور ثانی استعمال پر نو ط کے اور دو ب کے، کل گیارہ ہوئے۔ یہ معبر کے اعتبار پر ہے مگر پھر بھی خواب ایسی چیز نہیں کہ اس پر کسی چیز کا مدار ہو۔ اگر کوئی ساری عمر خواب نہ دیکھے نہ خواب کو سمجھے تو حرج کیا ہے۔ اصل چیز تو عبدیت ہے، اللہ تعالیٰ یہ اصلی دولت نصیب کرے۔

ملفوظ:- ۳۷۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس کو حق تعالیٰ فراغ نصیب فرما دیں بڑی دولت ہے بڑی نعمت ہے۔ لیکن اگر یہ نہ ہو اس میں بھی حکمت ہے۔ غرض جس حال میں رکھیں وہی رحمت ہے۔ اپنی تجویز سے کچھ نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو پیش آوے اس پر راضی رہنا چاہیئے۔ حاصل یہ کہ ہر حال میں تجویز سے تفویض بہتر ہے۔ بعض اوقات جس چیز کو راحت کے لئے تجویز کرتا ہے وہی آلۂ کلفت ہو جاتی ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

گر گریزی بر امید راحتے ہم ازانجا پیشت آید آفتے[1]

ملفوظ:- ۳۷۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ بات اسلامی ہی تعلیم کے اندر ہے کہ وہ سب کے حقوق کی حفاظت کی تعلیم کرتی ہے اور کسی غیر اسلامی مذہب میں ایسی تعلیم کا نام و نشان بھی نہیں حتیٰ کہ عین قتال کے وقت بھی دوسروں کی رعایت کا قانون مقرر ہے۔ مثلاً اگر کوئی غیر مسلم جس نے مسلمانوں کو سخت ضرر پہنچایا ہو جس وقت اس پر قدرت ہو اور کلمہ پڑھ لے تو حکم ہے کہ فوراً ہاتھ روک لو۔ ایسا مذہب تلوار کے زور سے کب پھیل سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہر تلوار کے وقت دوسرے کو سپر دیدی گئی ہے۔ ایک حکیم نے تو عجیب بات لکھی کہ بعد میں تو بزور شمشیر مسلمان ہوئے مگر جنھوں نے اول شمشیر چلائی وہ کس کی شمشیر کے زور سے مسلمان ہوئے تھے اُن پر کس نے شمشیر اٹھائی تھی۔ اصل اشاعت اسلام کی اسکی تعلیم و تہذیب سے ہوئی، وہ تعلیم ہی ایسی ہے جس کے بدون تہذیب حقیقی آ ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ جہاں نرمی اور تواضع میں تہذیب ہو وہاں نرمی کی جاوے گی اور جہاں دبانے میں تہذیب ہو گی، وہاں دبائیں گے۔ پس حقیقی مہذب مسلم ہی ہو سکتا ہے غیر مسلم میں کبھی حقیقی تہذیب نہیں آ سکتی۔ اور یہ مشاہدہ ہے مگر آج کل مسلم کی بھی قسمیں ہو رہی ہیں۔ یہ نیچری بھی اپنے کو مسلم ہی کہتے ہیں مگر تعلیم انگریزی کی بدولت بکثرت اس قدر غیر مہذب ہیں کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں۔ سو یہ بد تہذیبی انگریزی تعلیم کی بدولت پیدا ہوئی ہے۔ اس سے کوئی دھوکا نہ کھا دے کہ مسلم غیر مہذب کیسے ہوا۔

---

[1] اگر تم راحت کی امید میں کہاگ دوڑ کرو گے تو بعض اوقات وہیں سے کوئی آفت پیش آجاتی ہے۔

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

ملفوظ ۳۷۴:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کسی بات یا کام کے دونوں شقوں میں کوئی شرعی محذور نہ ہو تو میں کبھی اپنے دوستوں کو نفیاً یا اثباتاً اس پر مجبور نہیں کرتا۔ دونوں طرف ان کو آزادی دی جاتی ہے۔ جس شق پر چاہیں عمل کر لیں، بحمد اللہ میرے یہاں بڑی وسعت ہے، ناحق مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ میں سخت ہوں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ میں سخت نہیں بالکل نرم ہوں، مگر مضبوط ہوں۔ اور اس پر ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ جیسے ریشم کا رسہ کہ نرم تو اس قدر کہ جس طرف چاہو موڑ لو اور جہاں چاہے گرہ لگا لو، مگر مضبوط اس قدر کہ اگر اس سے ہاتھی کو بھی باندھ دیا جائے تو جنبش نہیں کر سکتا۔ لوگ مضبوطی کو سختی سمجھتے ہیں، جو سخت غلطی ہے۔

ملفوظ ۳۷۵:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ گنگوہ سے بھی جلال آباد کے جُبّہ کے متعلق سوالات آئے تھے۔ میں نے لکھ دیا کہ ان واقعات کو کسی مقصود کے نہ اثبات میں دخل ہے نہ نفی میں اس لئے اس کی تحقیق فضول ہے، احکام شرعیہ پوچھو اور میں نے اس کا درجہ بتلانے کو یہ بھی لکھ دیا کہ جیسے مختلف فیہ سید کا۔ اگر کوئی ادب کرے تو کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ احکام شرعیہ سے تجاوز نہ کرے اور اگر کوئی اس کی سیادت (سید ہونے) کی نفی کرے مگر اہانت نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ بس اس جُبّہ شریف کے متعلق سمجھ لیا جائے۔ میں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک عریضہ لکھا جس میں سب واقعات کی کیفیت لکھ کر استفسار کیا۔ حضرتؒ نے جواب میں لکھا کہ اگر منکرات سے خالی زیارت میسر ہو سکے تو ہرگز دریغ نہ کریں۔ باقی احکام کا ادب مقدم ہے تبرکات کے ادب پر۔ جیسے حضرت اُویس قرنیؓ کا واقعہ ہے کہ والدہ کی خدمت کی مشغولی سے کہ حکم شرعی تھا ساری عمر حضورؐ کی زیارت جو تمام برکات کی اساس تھا نہیں کر سکے، تو دیکھئے انھوں نے حضورؐ کے احکام کو مقدم رکھا حضورؐ کی زیارت پر، یہ تو احکام عامہ تھے، اب رہا میرا جزئی معاملہ جس کی نسبت اس خط میں پوچھا گیا ہے سو اگر میں ایک دفعہ بھی زیارت نہ کروں تو اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی اور اگر پچاس مرتبہ کروں تو اس سے اس کا اثبات نہیں ہو سکتا۔ محتمل کیسا تھا حقیقت کا سا معاملہ نہ کرنا وہاں ہے جہاں امارات (علامات) تکذیب کی ہوں اور جہاں امارات کی تکذیب نہ ہوں وہاں (حقیقت کا سا معاملہ) کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ملفوظ:- ۳۷۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ میں خطاب خاص سے سفارش کرنے کو آج کل اچھا نہیں سمجھتا۔ اس سے دوسرے پر بار ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ میں جس وقت ڈھاکہ گیا تو میں نے نواب صاحب سے کہا کہ میرا آپ کا تعلق اب لوگوں کو معلوم ہو گیا لہٰذا سفارشیں بھی کرائیں گے۔ تو میں سفارش کر دیا کروں یا نہیں اور اجازت کی صورت میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجبور نہ ہوں۔ آپ اپنی مصلحت پر عمل فرمائیں بڑے سمجھ دار آدمی تھے۔ کہنے لگے کہ آپ ضرور سفارش کر دیا کریں اور میں ایک پر بھی عمل نہ کروں گا تاکہ جلدی آپ کا پیچھا چھوٹ جائے۔

ملفوظ:- ۳۷۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حکومت اور سلطنت مسلمانوں کو تو اطاعت الٰہیہ ہی کی بدولت نصیب ہو سکتی ہے۔ دیکھئے اگر کسی سے کوئی چیز مانگنا ہو تو اس کو راضی کرنے سے زیادہ امید ہے ملنے کی یا ناراض کرنے سے اور یہ سب چیزیں حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں تو ان کو راضی کر کے مانگو۔ مگر عجیب بات ہے کہ لوگوں کے خیال میں شریعت پر عمل کرنے سے تو ناکامی ہوتی ہے اور خلاف کرنے میں کامیابی۔ کیا خرافات ہے البتہ کفار کا دوسرا معاملہ ہے کہ وہاں استدراج ہے۔

ملفوظ:- ۳۷۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب حق تعالیٰ کسی پریشانی سے اپنے بندے کی خلاصی چاہتے ہیں تو اس کے اسباب بھی ویسے ہی مہیا فرما دیتے ہیں۔ قلوب تو ان کے قبضہ میں ہیں غیر مشروع اسباب اور غیر مشروع سفارش کی حاجت نہیں۔ ایک میرے دوست کا واقعہ ہے ان کو پانچ سو روپیہ کی ضرورت تھی، بیچارے قرضدار تھے۔ انھوں نے مجھ سے بعض امراء کے نام بلا تعیین سفارش چاہی۔ میں نے کہا کہ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ کون لوگ اس قابل ہیں جو امداد کر سکتے ہیں۔ تم نام بتلا دو۔ میں حدود کے اندر لکھ دوں گا۔ انھوں نے غالباً تین نام بتلائے۔ میں نے ان مواقع پر خط لکھ دیئے جن کا مضمون ایک ہی تھا، کہ میرے ایک دوست ہیں ان کو اتنی رقم کی ضرورت ہے۔ وہ مجھ سے سفارش چاہتے ہیں لیکن میں نے یہ خیال گرانی کے عذر کر دیا ہے لیکن آزادی کے ساتھ بطور مشورہ آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر میں ان کے متعلق آپ سے سفارش کر دوں تو آپ پر گرانی تو نہ ہوگی۔ تو اگر گرانی ہو بے تکلف بتلا دیجئے۔ میں آپ کے انکار کی ان کو اطلاع نہ کروں گا اپنے طور پر عاذر کر دوں گا۔ ان دوست نے کہا کہ بھلا اس طرح کون اجازت دیتا ہے۔ ایسی تحریر کا تو وجود اور عدم برابر ہے۔ میں نے کہا کہ کچھ ہی ہو، میں تو اس سے آگے نہیں لکھوں گا۔ غرض تینوں جگہ اس مضمون کے خطوط گئے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت۔ بجائے جواب خط کے ایک جگہ سے پچاس ۵۰ روپے، ایک جگہ سے دو سو ۲۰۰ روپے اور ایک جگہ سے اڑھائی سو ۲۵۰ روپے کی چلتی ہوئی کتابیں۔ غرض تینوں جگہ سے پانچ سو روپیہ آگیا۔

ایک صاحب نے مجھ سے سفارش چاہی کہ بھوپال میں جو فلاں شخص جلال آباد کے رہنے والے

ایک بڑے عہدے پر ہیں ان کو لکھ دو کہ میرے لڑکے کو کوئی ملازمت مل جائے۔ میں نے ان کو بجائے سفارش کے جس میں احتمال گرانی کا تھا، یہ لکھا کہ فلاں شخص ایسی سفارش چاہتے ہیں۔ اگر گرانی نہ ہوتی میں تم سے سفارش کر دوں۔ ان بیچاروں نے مجھ کو اطلاع بھی نہیں دی اور لڑکے کو ملازم کرا دیا۔ غرض کام کا ہونا خلاف شرع کے ارتکاب پر موقوف نہیں۔

ملفوظ ۳۷۹:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں روپیہ پیسہ کے لینے دینے کے معاملہ میں حتی الامکان احتیاط کے پہلو پر عمل کرتا ہوں۔ مثلاً میرا معمول ہے کہ ہدیہ ایسے شخص سے نہیں لیتا جس سے بے تکلفی کا تعلق نہ ہو۔ اسی طرح ایسے شخص سے لیتے ہوئے مجھ کو حجاب ہوتا ہے جس نے مجھ سے دین کی خدمت نہ لی ہو کہ میں اس سے دنیا کیسے اینٹھوں یا خدمت دین کی لی ہو مگر بے تکلفی ابھی تک پیدا نہیں ہوئی اور اس میں جو خرابیاں فی زمانہ پیدا ہو گئی ہیں وہ میرے مشاہدہ اور تجربہ میں ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب سے میرا دینی تعلق تھا وہ مالیگاؤں میں کچھ کاروبار کرتے تھے اتفاق سے وہ یہاں پر آئے۔ میں نے اُن سے ضروری سوالات کئے مگر بجائے جواب کے سکوت محض۔ مجھ کو تعجب ہوا۔ ایک اُن کے رفیق تھے۔ انھوں نے کہا کہ یہ معذور ہیں یہ تو تمہارا نام تک نہیں سُن سکتے، بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اور پھر انھوں ہی نے ان کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک دس روپیہ کا نوٹ بطور ہدیہ مجھ کو دیا۔ میں نے اپنے اصول کے خلاف مروت کی بناء پر اس خیال سے کہ کہیں رنج میں بے ہوش نہ ہو جاویں وہ نوٹ لے لیا۔ اب آگے سُنیئے۔ انھوں نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا، میں نے بتلا دیا۔ اس پر کہتے ہیں کہ القاسم میں تو اس طرح لکھا ہے۔ میں نے کہا کہ میں دنیا بھر کا ٹھیکہ دار تھوڑا ہی ہوں۔ جو مجھ کو معلوم تھا بتلا دیا۔ القاسم کا میں جواب دِہ نہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ جو شخص ضروری تعارف کے متعلق بات نہ کر سکتا تھا اب معارضہ کی بات کیسے کرنے لگا۔ سوچنے سے معلوم ہوا کہ یہ برکت اس نوٹ کی ہے کہ اپنے کو اس احسان کی بناء پر قواعد سے مستثنیٰ سمجھ لیا۔ اس کے بعد میں نے وہ دس روپیہ کا نوٹ واپس کر دیا کہ پہلے اس کو لو اس کے بعد پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ اب جواب دوں گا۔ بس نوٹ کا واپس کرنا تھا پھر زبان بند ہو گئی۔ میرا تجربہ ہے کہ جب میں کسی کے ساتھ اپنے اصول اور قاعدہ کے خلاف برتاؤ کرتا ہوں اور رعایت سے کام لیتا ہوں آخیر میں پچھتانا پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں خرابی مروت سے لے لینے کی ہوئی۔ اس لئے میں ان معاملات میں اصول کا سختی کے ساتھ پابند رہنا چاہتا ہوں۔

ایک واقعہ اس سے بھی عجیب وغریب سنئے۔ اس حالت میں، میں اپنے تجربات اور مشاہدات کو دوسروں کے کہنے سے کیسے چھوڑ دوں اور مٹا دوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار میں مرادآباد گیا تھا وہ زمانہ جنگ بلقان کا تھا۔ اس وقت ترکوں کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی۔ میں نے وعظ میں بھی جو شاہی مسجد میں ہوا تھا اس کے متعلق کچھ بیان کیا۔ اس بیان کے بعد ایک پنشنر تحصیلدار نے چندہ بلقان میں ترکوں کی امداد

کے لیے وہاں کی انجمن ہلالِ احمر کو سو روپے دیدیے۔ اس وقت میں مسجد ہی میں تھا۔ جب میں اس مجمع پر گذرا اور پوچھنے پر معلوم ہوا بس میرا اس میں اتنا قصور ہوا کہ میں نے ان کے دینے کی خبر سُنکر یہ کہا جزاک اللہ مگر میرا یہ کہنا سر ناک اسٹر ہوگیا۔ قصہ یہ ہوا کہ انھوں نے انجمن کے منتظمین سے کہا کہ وہاں سے اس سو روپیہ کی خاص رسید منگا کر دو۔ چونکہ یہ معمول کے خلاف تھا۔ اس لیے اہلِ انجمن نے اس طرف التفات نہیں کیا۔ جب وہاں کامیابی نہ ہوئی، ان تحصیلدار صاحب نے مجھ کو لکھا کہ میں نے تمہارے کہنے سے یہ روپیہ دیا تھا۔ لہٰذا تم رسید منگا کر دو۔ میں نے اہل انجمن کو لکھا کہ یہ کیا واہیات ہے۔ ان کو اچھی طرح سمجھا کیوں نہیں دیتے۔ مگر وہ اپنے اس مہمل درخواست پر مُصر رہے اور مجھ کو لکھا کہ میں عدالت میں دعویٰ کروں گا۔ میں نے ان کا سو روپیہ اپنے پاس سے انجمن والوں کے پاس بھیجدیا کہ میری طرف سے ادا کر دو۔ وہ اس سے شرمائے اور اپنی ذاتی رقم سے ادا کرنا چاہا۔ اس کو میں نے منظور نہیں کیا۔ بہت روز تک اس میں قیل و قال رہی، آخر ان صاحب نے ہی دیا اور سو روپیہ ان کو دیدیے گئے۔ اور سو روپیہ ایک دینی کام میں صرف کر دیے گئے۔ اس کے بعد اس سے زیادہ عجیب ایک واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ یہاں ایک عالم ملنے آئے تھے، ان سے اس کا ذکر آیا۔ وہ بزرگ صاحب درس بھی تھے ذاکر شاغل بھی تھے، صاحب افتاء بھی تھے مگر حیرت ہے کہ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے فضول اپنا روپیہ دیا، بلقان کا چندہ تو تمہارے پاس آتا ہی تھا، اس میں سے سو روپیہ ان کو دیدیتے۔ کیونکہ یہ سب روپیہ حکماً ایک ہی ہے۔ اگر تحصیلدار کا روپیہ محفوظ ہوتا تو اس کو جس طرح واپس کرنا جائز ہوتا دوسری رقمیں بھی اس چندہ کی اس روپیہ کے حکم میں تھیں اس طرح اس میں سے بھی دینا جائز تھا۔ میں نے لاحول پڑھی۔ کیونکہ خود یہ مقدمہ ظاہر الفساد تھا کہ سب رقمیں بحکم واحد تھیں۔ دیکھیے یہ گڑبڑ علماء میں ہے۔ یہ سب آخرت سے بے فکری کی باتیں ہیں شکر ہے کہ توفیقِ ایزدی سے میں ان معاملات میں ہمیشہ احتیاط کا پہلو اختیار کرتا ہوں۔

ملفوظ ۳۸:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ اپنی غرض کے لیے۔ ایسی ترکیبیں نکالتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ گویا مجتہد العصر اور علامۂ زماں یہی ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے کچھ روپیہ کی سفارش بعض اُمراء سے کرنے کی درخواست کی۔ میں نے کہا خطاب خاص میں گرانی کا احتمال ہے۔ کہنے لگے آخر تم طالبین کو مجاہدہ کی تلقین کرتے ہو۔ اس میں بھی گرانی ہوتی ہے۔ تو اگر یہ روپیہ بطور مجاہدہ دینے کے لیے کہا جاوے تو کیا حرج ہے۔ میں نے کہا کہ سبحان اللہ، یہ خوب تاویل نکالی۔ اول تو یہ کیا ضرور ہے کہ ان مخاطبین کی تربیت میرے متعلق ہو۔ دوسرے یہ کیا ضرور ہے کہ ان کو مجاہدہ مالیہ ہی کی ضرورت ہو۔ تیسرے اگر ہو بھی تو اس میں کیا ضرورت ہے کہ وہ روپیہ نقداد

میں اسی قدر ہو۔ چوتھے اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ آپ ہی کو دیا جائے، تب ہی مجاہدہ پورا ہوگا۔ مساکین یا ذوالقربیٰ کو اپنے ہاتھ سے دینے سے بھی تو مقصود حاصل ہو سکتا ہے۔

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

ملفوظ ۳۸۱:- ایک نو وارد صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا یہ میں سب کچھ اسلئے کہہ رہا ہوں تاکہ معاملہ صاف ہونے سے دل صاف ہو جاوے۔ کیونکہ اگر میرے دل میں تم سے رکاوٹ رہی تو تم کو کوئی نفع نہ ہوگا۔ یہ اس طریق کا خاصہ ہے اور مقصود ہے نفع۔ باقی مریدوں کی تکثیر سے نہ مجھ کو فوج بھرتی کرنا مقصود ہے اور نہ تم کو موج کرنا مفید ہے کہ اپنی خواہش پوری کرو، بلکہ میرا کام تعلیم کرنا ہے اور تمہارا کام اس تعلیم کا اتباع ہے پھر کہاں موج اور کہاں چین اور راحت۔ اس راہ میں تو قدم رکھنے سے پہلے اس کے لئے تیار ہو جانے کی ضرورت ہے۔

؎ در رہ[1] منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

پھر اس شرط کے پوری ہونے کے بعد اس کی ضرورت ہے کہ کوئی مربی سر پر ہو۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

یار[2] باید راہ را تنہا مرو بے قلاؤ ز اندریں صحرا مرو

اور پھر نرے اس سے بھی کام نہیں چل سکتا جب تک کہ اپنا کچا چٹھا اس مربی کے سامنے پیش نہ کر دے۔ اس کو حافظ رح فرماتے ہیں ؎

ما[3] حالِ دل را با یار گفتیم نتواں نہفتن درد از حبیباں

ایک اور بات بھی سمجھ لینے کے قابل ہے کہ میں نہ پیروں کی سی وضع رکھنا چاہتا ہوں، نہ بادشاہوں کی سی، ہاں طالب علموں کی سی رکھنا چاہتا ہوں، ہر معاملہ میں سیدھی سادی زندگی پسند ہے

---

[1] لیلیٰ کی طلب کی راہ میں جان کے لئے بہت سی مشکلات تو ہیں ہی، مگر پہلا قدم رکھنے کی شرط مجنوں ہونا ہے۔

[2] راستہ طے کرنے کے لئے ساتھی کی ضرورت ہے تنہا مت چلو۔ اس جنگل میں بغیر رہبر کے مت جاؤ۔

[3] ہم نے دل کا حال، یار سے کہہ دیا، کیونکہ طبیب سے مرض کو چھپایا نہیں جا سکتا۔

اس ہی طریق پر اپنے بزرگوں کو دیکھا اور یہی پسند ہے۔ اور میں دعویٰ تو نہیں کرتا مگر بفضلِ ایزدی اکثر واقع یہی ہوتا ہے کہ جو جس کے لئے تجویز کرتا ہوں وہ بالکل اس کی حالت کے مناسب ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ غلطی بھی ہوتی ہو مگر بہت کم شاذ و نادر۔ تو خدا نے مجھ کو پہچان دی جس میں میرا کوئی کمال نہیں، ان ہی کا فضل ہے۔ میں اس نعمت سے کام نہ لوں یہ کفرانِ نعمت ہے۔ اور طالب کو ضروری چیز نہ تبلاؤں، خیانت ہے۔ سنۃ اللہ یہی ہے کہ جو کام جس کے سپرد ہو وہ اس کو انجام نہ دے، مستحقِ سزا ہے۔ اپنے فرض سے غفلت نہایت ہی سخت جرم ہے۔ اس لئے میں ضرورت کی چیز پر آگاہ کر دیتا ہوں۔ اس سب کے بعد بھی نفع کی جو بڑی شرط ہے وہ مناسبت ہے۔ جب ایک شخص کو مجھ سے مناسبت نہ ہو تو میں کیا کر لوں۔ یہ امر تجربہ کیا ہوا ہے۔ باقی میں تعلیم میں کسی کی تحقیر نہیں کرتا۔ کسی کو اپنے سے ادنیٰ نہیں سمجھتا۔ پھر وہ عدم مناسبت خواہ طالب کی وجہ سے ہو یا میری وجہ سے یا تھوڑی تھوڑی دونوں طرف سے ہو۔ غرض ہر حال میں مناسبت تو نہ ہوئی جو اس طریق میں نفع کے لئے اعظم شرائط میں سے ہے اور مجھے خود اس کا رنج ہوتا ہے مگر کیا کروں بدون شرائط کے تعلق پیدا کرنا بیکار ہے، کوئی فوج تھوڑا ہی جمع کرنا ہے کہ بیٹھا ہوا بھرتی کیا کروں۔ اور محض اس رعایت سے کہ یہاں سے جا کر نہ معلوم کس کے ہاتھ میں پھنس جاوے۔ کسی کی بیجا مدارات کرنا مجھ کو تو اس سے غیرت آتی ہے کہ طالب کو مطلوب بنایا جائے، ایسی حالت میں تو دور ہی رہنا مناسب ہے۔

۳۸۲ ملفوظ:- فرمایا کہ آج ایک مبتدع کا جوابی رجسٹری خط آیا ہے لکھا ہے کہ علمِ غیب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تھا یا نہیں۔ اور رجسٹری سے مقصود یہ ہے کہ انکار نہ کر سکیں کہ خط ہم کو نہیں ملا۔ میں نے لکھ دیا کہ کبھی سوال ہوتا ہے "استفادۃً"، کبھی امتحاناً، کبھی اعتراضاً۔ اخیر کی دو صورتوں میں جواب دینا ہی فضول ہے۔ ہاں پہلی صورت میں جواب دینا ضروری ہے۔ یعنی استفادہ کی صورت میں۔ مگر مجھ کو یہ اطمینان نہیں کہ آپ "استفادۃً" سوال کر رہے ہیں۔ لہٰذا پہلے مجھ کو یہ اطمینان دلائیے کہ آپ "استفادۃً" ہی سوال کر رہے ہیں۔ دیکھئے کیا جواب آتا ہے۔ میرے ضوابط کا حاصل یہ ہے کہ میں خود بھی گرانی اور بار سے بچنا چاہتا ہوں اور دوسروں کو بھی بچانا چاہتا ہوں۔ اس کا نام تشدد رکھا ہے۔ دنیا میں کیسی بے حسی پھیلی ہے۔ اور جوابی رجسٹری کی غایت مذکورہ کا ترتب بھی محلِ کلام ہے۔ اس لئے کہ اس سے یہ تو نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس مضمون کا خط تھا تو وصول کنندہ پر حجت ہی کیا ہوئی۔

۳۸۳ ملفوظ:- ایک مولوی صاحب کے سوال پر فرمایا کہ بعض بزرگوں کو مکشوف ہوا کہ ہندوستان میں بھی بعض انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں۔ بر اس ایک مقام ہے

انبالہ سے آگے وہاں پر ایک احاطہ ہے اس میں مزارات ہیں گل قبروں کے نشان نہیں رہے مگر بعض کے محفوظ ہیں۔ مولانا رفیع الدین صاحب وہاں ایک مرتبہ تشریف لے گئے اور چند طلباء بھی ہمراہ تھے۔ مولانا وہاں مراقب ہوئے تھے۔ میں نے خود مولانا سے تو سُنا نہیں مگر انہوں نے اپنے ایک مرید حسینی نام سے بیان کیا۔ ان مرید نے مولانا کے داماد مولوی ضیاء الحق سے بیان کیا۔ مولانا کے داماد نے مجھ سے بیان کیا کہ مولانا نے مراقبہ کی کیفیت یہ بیان کی کہ مراقبہ میں ان حضرات کی ارواح مکشوف ہوئیں اور ان سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک بزرگ کا نام خدر یا خضر معلوم ہوا۔ اور ایک ان کے بیٹے تھے ابراہیم اور اپنا زمانہ کرنا بتلایا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ کوئی راجہ کرن گذرا ہے جس کو تقریباً اس وقت دو ہزار برس ہوئے۔

ملفوظ ۳۸۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ سب کچھ بڑے میاں کی برکات ہیں۔ مراد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ دیکھنے میں بظاہر تھانہ بھون کے ایک معمولی عزت رسوخ معلوم ہوتے تھے مگر وہ شخص زمانہ کا مجدد تھا، امام تھا، محقق تھا، مجتہد تھا۔ معاصرین میں حضرت کے کمالات کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ متأخرین میں ایسا شخص گذرا ہے جس میں روح متقدمین کے زمانہ کی تھی۔ حضرت بالکل سلف کا نمونہ تھے۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔ اور اس میں کچھ بُعد نہ سمجھا جاوے۔ نبوّت ہی تو ختم ہوئی ہے ولایت تو ختم نہیں ہوئی۔ بعض متأخرین بعض متقدمین سے افضل ہوئے ہیں۔ ایک شخص نے کہا تھا کہ اس زمانہ میں علماء میں رازی اور غزالی پیدا نہیں ہوتے۔ میں نے کہا کہ ہمارے بزرگوں کی تحقیقات مدوّنہ کو غزالی، رازی کی مصنفات سے موازنہ کر کے دیکھ لیجئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ رازی اور غزالی سے کم ثابت نہ ہوں گے۔ بلکہ عجب نہیں کہ بہتر ہی ہوں۔

ملفوظ ۳۸۵: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ عجیب جامع کمالات تھے۔ مولانا کا علم بالکل لدنی تھا۔ مولانا میں حق تعالیٰ نے علمی کمالات بڑے عالی درجہ کے جمع کر دیئے تھے۔ یہ عطاءِ حق ہے جس پر بھی فضل ہو جاوے۔ یہی شان حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، بلکہ اپنے تمام مجمع سے نرالی شان تھی۔ مجھ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے طبعاً زیادہ مناسبت ہے باقی محبت سب سے ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ میں انتظامی شان اور حضرات سے بالاتر تھی، خلاصہ یہ کہ امام وقت تھے۔

۱۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

ملفوظ ۳۸۶: ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا نرے تحصیل علم سے دوسرے کی تربیت کا کام نہیں کر سکتا، فرمایا نہیں کر سکتا۔ جیسے طب پڑھ کر مطب نہیں کر سکتا۔ فن کی مناسبت الگ چیز ہے علم اور چیز ہے۔ فرشتوں نے جو تمنا کی تھی کہ ہم خلیفہ ہو جائیں وہ ہو نہیں سکتے تھے۔ اس لئے کہ خلافت کے لئے جن علوم سے مناسبت کی ضرورت تھی فرشتے اس سے خالی تھے۔ وجہ یہ کہ فرشتوں کے خواص اور ہیں انسان کے خواص اور ہیں۔ ان علوم کے لئے استعداد بشری شرط تھی۔ اس لئے فرشتے ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے تھے، بلکہ بتلانے سے بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے جواب میں تفصیل بھی نہیں فرمائی۔ یہ فرمایا کہ انی اعلم مالا تعلمون۔ ہم وہ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔

ملفوظ ۳۸۷: فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ یہ غلام آنجناب کو مثل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کے جانتا ہے۔ میں نے لکھدیا ہے گو بلا دلیل ہے مگر تمہارے لئے اس میں اثر دلیل ہی کا ہے۔ ایسے موقع پر ہر طرف نظر کرنی پڑتی ہے۔ اگر تواضع کا خیال کرتا ہوں تو اس کا نفع بند ہوتا ہے۔ اگر نہیں کرتا تو تواضع فوت ہوتی ہے۔ اس میں بحمد اللہ دونوں شق کی رعایت ہو گئی۔ اس ہی لئے ضرورت ہے کہ معلم جامع بین الاضداد ہو۔

ملفوظ ۳۸۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل عموماً حکومتوں میں ملک کے انتظام کے لئے انتخاب کا معیار تعلیم ہے مگر اس سے نہ ضروری انتظام ہو سکتا ہے نہ رعایا کو راحت اور آرام مل سکتا ہے۔ معیار انتخاب خدا کا خوف ہونا چاہیئے یعنی جس کے دل میں خدا کو خوف ہو اس کو اس کام کے لئے انتخاب کرنا چاہیئے مگر اہل یورپ خصوصاً ایسا کیا کریں گے۔ ان کے یہاں خدا ہی نہیں۔ اکثر اہل یورپ انگریز، دہریہ اور ملحد ہیں جیسے مسلمانوں میں بھی دہری اور ملحد ہیں۔

ملفوظ ۳۸۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر آنے والوں کو محض ملاقات مقصود ہو تو وہ موقوف ہے خلوص اور محبت پر یعنی جب آدے اس میں مقصود صرف ملاقات ہو نہ کوئی غرض دنیاوی ہو نہ اخروی اصلاح وغیرہ۔

ملفوظ: نمبر ۳۹۰ ایک صاحب مجلس میں بہت ہی تواضع کی صورت بنائے بیٹھے تھے. اتفاقاً حضرت والا کی نظر ان پر پڑ گئی. دیکھ کر فرمایا کہ ایسی تواضع جو حد سے آگے بڑھی ہوئی ہو وہ محمود نہیں. گو نیت آپ کی تصنع کی نہیں مگر بظاہر صورت ایسی ہے جس سے تکلف معلوم ہوتا ہے اور ایسی ہیئت سے خود میرے قلب پر بار ہوتا ہے کہ ایک شخص بندھا بیٹھا ہے، کچھ حس وحرکت ہی نہیں کرتا. ہر چیز کے حدود ہیں اصول ہیں. مجلس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کسی میں امتیازی شان نہ ہونا چاہیئے، خصوص جس سے دوسروں پر بار ہو یا اس حرکت کی وجہ سے اس طرف سب کی نظریں پڑیں اور توجہ ہو جاوے. سو اس اصل پر آپکی نشست کی ہیئت آداب مجلس کے خلاف ہے. ہمیشہ ایسی باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے.

ملفوظ: نمبر ۳۹۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب فلاں مولوی صاحب کو لے کر آئے تھے مجھ سے کہا کہ ان کو بیعت کر لیجئے. میں نے کہا کہ یہ گھر سے آپ سے بیعت ہونے کی نیت سے چلے تھے. مناسب بھی ہے کہ آپ بیعت کرلیں. اور اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی ہے. وہ یہ کہ اس طریق میں نفع موقوف ہے مناسبت پر اور ان کو آپ سے مناسبت ہے مجھ سے نہیں. وہ اس طرح کہ آپ خادمِ قوم ہیں یہ بھی خادمِ قوم، اور میں نادمِ قوم ہوں. میں نے کوئی قوم کی خدمت نہیں کی. اس لئے آپ ہی کا بیعت کرنا مناسب ہے.

ملفوظ: نمبر ۳۹۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دو صاحب جن میں ایک انگریزی کے تعلیم یافتہ دوسرے مولوی ہیں. دونوں مصنف بھی ہیں اور قومی کاموں میں حصہ بھی لیتے ہیں، یہاں پر آئے تھے. اور ایک دوسرے عالم کے واسطہ سے کہ وہ صاحب سلسلہ بھی ہیں بیعت کی درخواست کی. میں نے اُن سے کہدیا کہ ان قومی قصوں جھگڑوں سے یکسو ہو کر کام میں لگنا میرے یہاں طریق کی شرط ہے یعنی دو کام ایک وقت میں نہیں ہو سکتے. بعضے لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں. ان میں سے ایک صاحب کہنے لگے کہ ہم اگر کچھ روز کے لئے ان تعلقات کو منقطع کر کے کام میں لگ جائیں اور پھر اس کے بعد ان کاموں میں مصروف ہو جائیں کیا اس کی گنجائش ہے. میں نے کہا کہ کام کا سوال کیا ہے. اب اس کا جواب بھی کام کا سنئے. وہ یہ ہے کہ اس طریق میں جسطرح تعلقات مضر ہیں ایسے ہی عزمِ تعلقات بھی مضر ہیں. اس لئے کہ جب یہ عزم کرے گا کہ یہ ایک دو سال پورے ہوں تو پھر ان دھندوں میں پھنسوں. یہ تو بالکل ایسا ہی رہے گا جیسا کہ تعلقات کو چھوڑا ہی نہیں. کیوں کہ اس صورت میں بھی یکسوئی میسر نہ ہوئی جو شرط ہے نفع کی. اس سے کام نہیں ہو سکتا. کام تو اس طرح ہوتا ہے کہ اپنے دل سے ہمیشہ کے لئے زوائد کو رخصت کر دیا جائے. پھر کام کرنے کے بعد جو حالت ہو میں اس کو دیکھ کر جو تجویز کروں اس کو اختیار کیا جائے. حتیٰ کہ اگر میں یہ کہوں کہ خادمِ نفس بنو تو خادمِ نفس بنو. اگر میں کہوں کہ خادمِ روح بنو تو خادمِ روح بنو. اگر میں یہ کہوں کہ خادمِ قوم بنو تو خادمِ قوم بنو. اگر میں کہوں کہ خادمِ ملک بنو تو خادمِ ملک بنو. اگر میں کہوں کہ خادمِ حجرہ بنو تو خادمِ حجرہ بنو. اگر میں کہوں کہ خادمِ مسجد بنو تو خادمِ مسجد بنو. اگر میں کہوں کہ

خادم مدرسہ بنو (خادم) مدرسہ بنو۔ میں اگر کہوں کہ کچھ بھی نہ بنو تو کچھ بھی نہ بنو۔ اس طریق میں اپنی رائے کو دخل دینا تو سم قاتل ہے۔ ساری عمر کے لئے اپنے کو مردہ محض سمجھ کر اس راہ میں قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں تو فنا پہلے ہے بعد میں اور کچھ ہے۔ اپنی رائے کو اپنے جذبات کو اپنے خیالات کو اپنے علم کو اپنی شجاعت کو اپنی جاہ کو اپنی عزت کو اپنی آبرو کو سب کو فنا کر کے اس راہ میں قدم رکھو تب کچھ مل سکتا ہے۔ دیکھئے کوئی شخص کسی عورت مردار پر عاشق ہو جاتا ہے تو سب کو فنا کر دیتا ہے اس پر نثار کر دیتا ہے، مجنوں کو دیکھ لیجئے کیا کچھ فنا نہیں کر دیا تھا اور کیا کچھ تکلیفیں نہیں اٹھائیں تو کیا خدا کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہے۔ افسوس ہے ان لوگوں کی حالت پر کہ خدا کے عاشق بننے کا دعویٰ اور پھر غرض کی حفاظت بھی، دونوں کو خلط کرنا چاہتے ہیں۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

اس طریق میں قدم رکھنے سے پہلے تو اس کی ضرورت ہے جس کو فرماتے ہیں ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اور اس آمادگی کے بعد پھر ضرورت ہے کسی کامل رہبر کی، کیونکہ بدون کسی راہبر کے سرپر ہوئے اس راہ کا طے ہونا ایسا دشوار ہے کہ قریب محال کے ہے إلا نادراً والنادر کالمعدوم۔ اور نرا دشوار ہی نہیں بلکہ بدون راہبر کے قدم رکھنا خطرناک ہے وہ اس راہ کا واقف کار ہے۔ بس اس کے سامنے بیدست وپا ہو کر جا پڑو۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

یار[1] باید راہ را تنہا مرو بے قلاوز اندریں صحرا مرو

اور نرے جا پڑنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کے سامنے اپنا کچا چٹھا کھول کر نہ رکھ دو کیونکہ بدون اظہار مرض کے علاج کیسے ہوگا۔ اسی کو حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ما حال[2] دل را با یار گفتیم نتواں نہفتن درد از حبیباں!

اگر یہ سب کر لیا تب دیکھنا کہ کیا سے کیا ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ ایک دم کایا پلٹ ہو جائے گی۔ اگر اعتقاد نہیں ہوتا تو بطور امتحان ہی کر کے دیکھ لو۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

سالہا[3] تو سنگ بودی دل خراش آزموں را یک زمانے خاک باش

---

[1] راستہ کے لئے رہبر کی ضرورت ہے، تنہا مت چلو۔ اس جنگل میں بغیر رہبر کے مت جاؤ۔
[2] ہم نے دل کی حالت دوست سے بیان کی، کیونکہ دوستوں سے درد کو چھپایا نہیں جا سکتا۔
[3] برسوں تک تو سخت پتھر بنا رہا، آزمائش ہی کے لئے چند روز خاک بن جاؤ۔

پھر خاک ہونے کے بعد یہ حالت ہوگی جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ[1] خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

اور یہ حالت کیوں نہ ہو وہ ذات ہی ایسی ہے کہ بندہ کی ادنیٰ توجہ سے بڑی رحمت فرما دیتے ہیں۔ وہ راہ ہمارے ہی نزدیک تو دشوار ہے ان کے نزدیک سب آسان ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست[2] با کریماں کارہا دشوار نیست

اور راز اس صحبت کی ضرورت کا یہ ہے کہ اس طریق کا مدار ہے عشق اور محبت پر اور یہ پیدا ہوتی ہے اہل محبت کی صحبت سے۔ جب محبت پیدا ہو گئی تو سب ماسوا ھباءً منثورا ہو جاتا ہے۔ اور کوئی ماسوا قلب میں نہیں رہتا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق[3] آں شعلہ ست کو چوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اسی کا ترجمہ مولانا ابو الحسن صاحب نے گلزار ابراہیم میں کیا ہے اور خوب کیا ہے ؎

عشق کی آتش ہے ایسی بد بلا دے سوا معشوق کے سب کو جلا

جب سب نکل گیا پھر وہ تجلی فرماتے ہیں۔ کسی نے اس مضمون کو خوب ادا کیا ہے ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

ملفوظ ۳۹۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تکبر تو ناجائز ہے میں ایسی تواضع کو بھی ناجائز سمجھتا ہوں جس سے دوسرے کے مقصود میں خلل پڑے۔ اگر سب ایسی ہی تواضع کریں تو مستفیدین کہاں جائیں۔ غرض حد سے گذرنے کے بعد کسی چیز میں بھی نور نہیں رہتا۔

ملفوظ ۳۹۴: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہم لوگوں کے کسی کام میں بھی سلیقہ نہیں رہا، کچھ ایسی بے حسی چھا گئی ہے۔ آمدنی کو دیکھو تو اس میں جائز ناجائز کی پرواہ نہیں۔ خرچ کو دیکھو تو اس میں موقع محل کا کہیں پتہ نہیں۔ اس کے متعلق میرٹھ کے ایک رئیس ایک عجیب بات کہا کرتے تھے کہ لوگ بڑے بیوقوف ہیں جو چیز غیر اختیاری ہے یعنی آمدنی اس کی تو فکر کرتے ہیں اور جو چیز اختیاری ہے یعنی کم خرچ کرنا اس کی فکر نہیں کرتے۔ بڑے کام کی بات کہی۔ واقعہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی آمدنی کچھ کم نہیں بشرطیکہ طریقہ سے ضرورت میں صرف کریں تو کبھی پریشانی نہ ہو گو کبھی خواہشوں میں تنگی ہو۔ سو وہ قابل برداشت ہے پریشانی قابل برداشت نہیں۔

---

[1] موسم بہار میں پتھر کب سر سبز ہوتا ہے، خاک بن جا تا کہ طرح طرح کے پھول کھلیں۔
[2] تو یہ مت کہہ کہ اُس بادشاہ تک ہماری رسائی نہیں ہے کیونکہ کریموں کو کوئی کام دشوار نہیں وہ خود اپنی طرف کھینچ لیں گے۔
[3] عشق وہ آگ ہے جب یہ بھڑکتی ہے تو محبوب کے سوا سب کو جلا دیتی ہے۔

ملفوظ ۳۹۵:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر مسلمان اصولِ صحیحہ اور احکامِ شرعیہ کا اتباع کریں تو ساری دنیا بھی مل کر ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا۔ اسی ڈبہ میں چند دیہاتی مسلمان بیٹھے ہوئے تحریکاتِ حاضرہ کے متعلق آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور اپنی اپنی کہہ رہے تھے، میں بھی سن رہا تھا۔ ایک ان میں سے خاموش بیٹھا سن رہا تھا۔ جب سب اپنی اپنی کہہ چکے تو وہ شخص بولا اپنی اپنی تو تم کہہ چکے اب میری بھی سن لو، کیوں اتنے بکھیڑے کیے۔ اگر مسلمان دو باتوں کی پابندی کرلیں تو ساری دنیا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ایک بولا کہ بتلا وہ کیا بات ہے۔ کہتا ہے کہ ایک رہو اور نیک رہو۔ دیکھیں پھر کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ کیسی عجیب بات کہہ گیا آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ دو جملوں میں تمام احکامِ شرعیہ کا خلاصہ بیان کرگیا۔ ان دیہاتیوں کا دماغ بڑا صحیح ہوتا ہے۔ الفاظ تو بوجہ بے علمی کے ان کے پاس ہوتے نہیں مگر بات پُرمغز ہوتی ہے۔ واقعی اصولِ صحیحہ جو وقتاً فوقتاً احباب کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ ایسی ہی چیز ہیں کہ ان سے دنیا میں بھی راحت ہوتی ہے اور آخرت میں بھی راحت ملے گی۔ چونکہ مسلمانوں نے اصولِ صحیحہ کو چھوڑ دیا اس وجہ سے پریشان سرگرداں ہیں۔ دوسری قوموں نے اس اصول کی قدر کی اور ان کو اختیار کیا وہ راحت اٹھا رہے ہیں۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں، جو بھی ان کو اختیار کرے گا راحت پائے گا جیسے سڑک اعظم ہے دونوں طرف درخت ہیں، بیچ میں پختہ ہے کلکتہ سے پشاور تک ہے جو بھی اس پر چلے گا راحت پائے گا۔ اس میں یہ قید نہیں کہ چلنے والا بھنگی ہے یا چمار ہے یا سید ہے یا شیخ مغل ہے یا پٹھان ہندو ہے یا نصرانی مسلم ہے یا غیر مسلم، ایسے ہی اصولِ صحیحہ پر جو بھی عمل کرے گا وہی راحت پائے گا کسے باشد۔

ملفوظ ۳۹۶:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرات اہل اللہ حکیم ہوتے ہیں ان کے یہاں ہر چیز کی صحیح میزان ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ خود سلطان التارکین سید التارکین تھے مگر دوسروں کے لیے ان کی حالت کے موافق تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنی جائداد غیر مشروط وقف کرنا چاہا، حضرت سے مشورہ کیا۔ حضرت نے اس طرح وقف کرنے سے منع فرمایا۔ یہ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کے بہلانے کو بھی کچھ اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ کیسی حکیمانہ بات ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے حضرت سے ملازمت چھوڑ دینے کا اور توکل کرنے کا مشورہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مولانا ابھی تو آپ پوچھ ہی رہے ہیں۔ پوچھنا دلیل ہے تردد کی اور تردد دلیل ہے خامی کی اور خامی کی حالت میں ملازمت چھوڑنا موجب پریشانی اور تشویش قلب کا ہوگا اور جب پختگی کی کیفیت قلب میں پیدا ہو جائے گی تو اور لوگ منع کریں گے اور تم رسے توڑا کر بھاگو گے۔ وہ وقت ہے ترکِ اسباب کا اور یہ پختگی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر نصیب ہوتی ہے۔ غرض حضرت مولانا کو تو

ملازمت کے چھوڑنے کو منع فرمایا مگر خود حضرت کا توکل بدرجہ کمال بڑھا ہوا تھا۔ ایک نواب صاحب کو جو اپنی ریاست کا انتظام کر کے خود مہاجر بن کر مکہ رہنا چاہتے تھے، حضرت نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ یہاں جو آؤ تو اپنے خرچ کے لیئے تو ریاست سے کچھ رقم منگا لینے کے انتظام میں کوئی مضائقہ نہیں، گو فی حد ذاتہ یہ بھی بے ادبی ہے اور ایسی مثال ہے جیسے کوئی کسی بڑے کریم کا مہمان ہو کر آوے اور بغل میں کھانا دبا کر لائے تاکہ میزبان کے گھر بیٹھ کر کھا دیں گے۔ ظاہر ہے کتنی بڑی بے ادبی ہے لیکن ایک عارض کی وجہ سے اس کی اجازت ہے۔ وہ عارض یہ ہے کہ تم ابتداء سے اسباب کے خوگر ہو اور اس عادت کے بعد اسباب کا ترک کرنا موجب تشویش ہوگا۔ اس لیئے ایسی رقم تو منگا لیا کرو لیکن خیر خیرات کرنے کی غرض سے یہاں کچھ نہ منگانا۔ کیونکہ اس کا انتظام اور تقسیم یہ خود خلاف جمعیت خاطر ہے جو صاحب طریق کے لیئے سخت مضر ہے۔ اور گو یہ فعل فی نفسہ سخاوت ہے لیکن ہر شخص کی سخاوت جدا ہے یہ زاہد کی سخاوت ہے اور عاشق کی سخاوت دوسری ہے جو اس سے اکمل ہے اور یہ شعر تحریر فرمایا ؎

نان[1] دادن خود سخائے صادق ست جان دادن خود سخائے عاشق ست

ملفوظ ۳۹۷:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ نقشبندیوں میں علماء زیادہ گذرے ہیں اور چشتیوں میں عشاق زیادہ گذرے ہیں مگر آج کل جو اپنے کو عشاق کہتے ہیں یہ تو فساق ہیں، ان میں عشق نہیں فسق ہے۔ اور یہ سب پیٹ بھرنے کا فساد ہے۔ اگر ایک وقت کھانے کو نہ ملے تو سب عشق ختم ہو جاوے۔ اسی کو کہا ہے ؎

ایں نہ عشق ست آنکہ در مردم بود ایں فساد خوردن گندم بود

ان کی حالت نقالی بے اصل کی بالکل اس طوطے کی سی ہے جو رات دن ذکر حق کیا کرتا تھا۔ ایک روز ایک بلی نے آدبوچا اس وقت اس کی وہ حالت ہوئی جس کو کسی شاعر نے مع اس کی تاریخ موت کے لکھی ہے ؎

میاں مٹھو جو ذاکر حق تھے رات دن ذکر حق رٹا کرتے
گربۂ موت نے جو آدابا مضطرب ہو کے اور گھبرا کے
چونچ میں داب کر سر کلہیا کچھ نہ بولے سوائے ٹے ٹے

ٹے ٹے سے تاریخ موت نکلتی ہے یعنی بارہ سو تیس، ایسے ہی ان لوگوں کا عشق ہے کھانے کو ملتا رہے، ہو حق سب ہے اور اگر ایک وقت نہ ملے سب عشق وشق ختم۔ کیونکہ نقل بے اصل کو ثبات کہاں۔ ان لوگوں کی حالت نہایت ہی ناگفتہ بہ ہے فسق و فجور پر اترے ہوئے ہیں اور دوسروں کو جو کہ احتیاط کریں بدنام کرتے ہیں کہ یہ بزرگوں کے مخالف ہیں ان کی رسوم سے روکتے ہیں۔

[1] روٹی دینا یہی سخاوت ہے اور عاشق کی سخاوت جان دینا ہے۔

ملفوظ ۳۹۸: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کیا حضرت شیخ احمد صابر رح بھی عالم تھے فرمایا نہیں علم کے بدلے کا بھی عشق ہی مل گیا تھا ان پر زیادہ غالب استغراق تھا جسم ان کا ناسوت میں تھا اور روح ملکوت میں۔ اگر ایسے غلبہ میں کوئی امر ظاہراً حد سے آگے نظر آوے تب بھی ان پر اعتراض کر کے اپنی عاقبت خراب کرنا ہے یہ حضرات معذور تھے حالات دیکھنے سے یقیناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات ظاہراً تو اس عالم میں تھے مگر حقیقت میں اس عالم میں نہ تھے اس لئے ان عشاق کی حالت ہی جُدا تھی۔

ملفوظ ۳۹۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہلِ باطن کو آرائش ظاہر کی کیا ضرورت، اس میں خود ہی سب چیزیں آرائش کی موجود ہیں۔ میں تو جب کسی کو بناؤ سنگار سے رہتا ہوا دیکھتا ہوں تو فوراً سمجھ جاتا ہوں کہ یہ شخص کمال سے کورا ہے کیونکہ فضول میں وہی شخص پڑتا ہے جو کمال سے کورا ہوتا ہے، اسی کو کہا ہے ؎

نباشد اہلِ باطن درپئے آرائشِ ظاہر بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را

اور ایسے شخص کی تو خود یہ حالت ہوتی ہے جس کی شان میں کہا گیا ہے ؎

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ با حُسن خداداد آمد

ملفوظ ۴۰۰: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہت بڑے شیخ ہیں ظاہر کے بھی اور باطن کے بھی، حالانکہ ہر فن کی صرف ایک ایک کتاب پڑھی۔ اور باوجود اس کے ہر فن سے کامل مناسبت تھی۔ بات یہ ہے کہ نورِ فہم تقوے سے پیدا ہوتا ہے: ایسے شخص کو مختصر درس بھی کافی ہو جاتا ہے۔

ملفوظ ۴۰۱: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ان حضرات کو اس ناپائدار اور فانی دنیا سے ذرہ برابر تعلق نہیں ہوتا۔ حضرت قطب صاحب رح کے پاس سلطان شمس الدین التمش نے لکھا کہ میں اپنے اتنے مواضع کی آمدنی آپ کی خانقاہ کے نام زد کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اجازت ہو جواب میں تحریر فرمایا کہ شمس الدین ہم کو تم سے محبت ہے۔ اور ہم سمجھتے تھے کہ تم کو بھی ہم سے محبت ہوگی، مگر آج معلوم ہوا کہ تم کو ہم سے محبت نہیں۔ اگر محبت ہوتی تو ہمارے لئے وہ چیز تجویز نہ کرتے جو خدا کے نزدیک مبغوض ہے یعنی دنیا۔ کیا ٹھکانا ہے ان حضرات کی اس فانی سے نفرت کا۔ حالانکہ حضرت سلطان شمس الدین کی خود حالت بزرگی کی ایسی تھی کہ حضرت قطب صاحب نے بوقت انتقال وصیت کی تھی کہ ہمارے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے جس میں یہ تین باتیں ہوں۔ ایک تو یہ کہ عصر سے قبل کی چار رکعت

۱؎ اہلِ باطن ظاہری بناؤ سنگار میں نہیں رہتے۔ باغ کی دیوار جس پر حقیقی پھول کھل رہے ہوں اس کو نقاش کی کیا ضرورت ہے ۱۲

۲؎ محبوبانِ مجازی سب بناؤ سنگار کے محتاج ہیں۔ ہمارا محبوب وہ ہے جس کو خداداد حسن حاصل ہے ۱۲

کبھی اپنی ساری عمر میں قضا نہ کی ہوں اور دوسرے یہ کہ کبھی اپنی ساری عمر میں کسی غیر محرم عورت پر نظر نہ کی ہو۔ تیسری میں بھول گیا۔ جس وقت جنازہ تیار ہو کر آیا تو بڑے بڑے علماء اور مشائخ کا مجمع تھا اور سلطان شمس الدین بھی موجود تھے۔ قطب صاحب کے خدام نے بآوازِ بلند اس کا اعلان کیا کہ حضرت کی یہ وصیت ہے جس میں یہ صفتیں ہوں وہ نمازِ جنازہ پڑھائے۔ بڑے بڑے لوگ ششدر اور حیران رہ گئے تب سلطان شمس الدین نے کہا کہ قطب صاحبؒ نے مجھے رسوا کیا، الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ نعمتیں دی ہیں اور نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ایک یہ بھی سلاطین تھے کیا ٹھکانا ہے کہ ساری عمر غیر محرم پر نظر نہیں کی۔ دوسری حکایت دُنیا سے نفرت کی حضرت پیرانِ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آئی۔ آپ کی خدمت میں شاہ سنجر نے لکھا کہ اگر اجازت ہو تو اپنے ملک نیمروز کا کچھ حصہ خانقاہ کے نام زد کر دوں۔ جواب میں یہ تحریر فرمایا ؎

چوں چترِ سنجری رُخِ بختم سیاہ باد | در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب | من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

ملفوظ ۴۰۲:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ قلب کی یکسوئی کا اس قدر اہتمام ضروری ہے کہ غیر اللہ سے دوستی کی تو کیا گنجائش ہے دشمنی کے تعلقات سے بھی اپنے دل کو مشوش نہ کرے۔

ملفوظ ۴۰۳:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ لوگوں کے قلوب میں مال کی قدر ہے جان کی قدر ہے مگر وقت کی قدر نہیں۔ ایک برف کا تاجر منادی کرتا پھرتا تھا کہ بھائی مجھ پر رحم کرو۔ میں برف کا تاجر ہوں۔ جس کا سرمایہ ہر وقت گھٹتا ہی رہتا ہے جلدی خرید لو تاکہ اس کا بدل محفوظ ہو جاوے۔ بس یہی حالت ہماری عمر کی ہے کہ ہر وقت عمر گھٹتی چلی جاتی ہے اگر اس کا کچھ بدل کما لیا نفع میں رہا، ورنہ خسارہ ظاہر ہے۔ لوگوں کو وقت کی ایسی بے قدری ہے کہ اگر کسی سے دو پیسے مانگے جائیں تو سوچ کر دیگا۔ لیکن اگر دو گھنٹے مانگے جائیں تو چار گھنٹے دینے کے لئے تیار ہو جاوے گا۔

ملفوظ ۴۰۴:- ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ دوستوں کی طرف سے ایذا ہو اس کی برداشت نہیں ہوتی، دشمنوں کی ایذا کی برداشت ہو جاتی ہے۔ فلاں خانصاحب نے مجھ کو ساری عمر کا دُکھ دیا مگر کبھی قلب پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا اگر جو لوگ اپنے ہو کر ایسا کریں اس کی شکایت ہے بلکہ مخالفین کی تو اس قدر رعایت کرتا ہوں کہ میں نے خود ہی دوستوں کو منع کر رکھا ہے کہ میری وجہ سے اپنے تعلقات ان مخالفین سے بھی خراب نہ کریں۔

ملفوظ ۴۰۵:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ زمانۂ تحریک خلافت میں لوگوں نے کچھ کسر اٹھا کر نہیں رکھی، جو کچھ نہ کرنا تھا کیا اور جو نہ کہنا تھا وہ کہا۔ اور میں بیچارا کس شمار میں ہوں اللہ اور رسول کے احکام کو اس فانی اور ناپائیدار دنیا مُردار کے پیچھے چھوڑ بیٹھے۔ ایسے شعائرِ اسلام

کو ہندوؤں پر قربان اور نثار کرنے کو تیار ہو گئے جن کو ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی جانیں قربان کر کے بزرگوں نے ہندوستان میں قائم کیا تھا۔ اس وقت کچھ ایسا جن سر پر سوار تھا کہ کوئی کسی کی سنتا ہی نہ تھا اور زیادہ تر اہل علم کی شرکت سے لوگوں کے ایمان برباد ہوئے۔ طواغیت کفر کے پھندے میں ایسے پھنسے کہ یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ مسلمانوں کی عقل دیکھو کہ اُن طواغیت کی مکاری اور چالاکی کو نہ سمجھے۔ حالانکہ موٹی بات تھی کہ جو شخص توحید اور رسالت کا منکر ہو پھر وہ اسلام اور مسلمانوں کا ہمدرد کیسے ہو گا۔ قیامت آجائے کبھی ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر جب ان لوگوں نے گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلا تب اُن کی خیر خواہی اسلام اور ہمدردی اسلام کا تمام راز کھل گیا اور یہ خیر خواہی کا سبق پڑھایا ہوا تھا لیڈران قوم کا جس میں بعض مولوی بھی شریک ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا وہ طوفان بے تمیزی برپا ہوا کہ الامان الحفیظ۔ البتہ جن پر فضلِ ایزدی تھا وہی اس بلا سے بچ سکے۔

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہارشنبہ

ملفوظ ۴۰۶: ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی فراست بھی کشف کے اقسام سے ہے۔ فرمایا جی ہاں۔ کشف بالمعنی الاعم کے اقسام سے ہے۔ ذوق سے ایک چیز معلوم ہو جائے اسی کو فراست کہتے ہیں۔ اس میں اطاعت اور تقوے کو زیادہ دخل ہے اس سے اس میں برکت ہوتی ہے نور پیدا ہوتا ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی آنکھ بند کر کے بھی کھائے تب بھی ذوق سے رکھا کڑوا میٹھا نمکین پھیکا ہونا معلوم ہو جاتا ہے مگر اس کو بھی اس کے درجہ پر رکھا جاتا ہے اس کی وجہ سے حدودِ شرعیہ کو نہیں توڑ سکتے۔ اس کی بناء پر وہ کام کر سکتے ہیں کہ اگر کشف بھی نہ ہوتا تب بھی اس کا کرنا جائز ہوتا۔ بس ایسے ہی کام کو کر سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وحی کے مقابلہ میں سب چیزیں ہیچ ہیں۔ اصل چیز وحی ہے۔

ملفوظ ۴۰۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں اعظم شرائط نفع کے لئے مناسبت ہے بدون مناسبت کے نفع نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی حکومت سے صرف اسی مصلحت سے معزول کیا کہ حاکم و محکوم میں مناسبت نہ ہونا محقق ہو گیا۔ ورنہ اہلِ کوفہ کی تمام تر شکایات محض غلط ثابت ہو گئی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کو حضرت خضر علیہ السلام نے اسی بناء پر اپنے سے جدا کیا یعنی عدم مناسبت پر جس کو موسیٰ علیہ السلام نے بھی جائز رکھا ورنہ آپ بھی تو نکیر کر سکتے تھے کہ مجھ کو بلا وجہ کیوں جدا کرتے ہو. مگر کچھ نہیں بولے. حضرت زینبؓ کو جو حضرت زیدؓ نے طلاق دی اس کی بھی وہی وجہ تھی یعنی عدم مناسبت. سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ طلاق کے بعد حضورؐ کی طرف سے نکاح کے متعلق جس وقت حضرت زینب کو پیام گیا. انھوں نے یہ عرض کیا کہ میں استخارہ کروں یعنی خدا سے مشورہ کروں تو کیا نعوذ باللہ حضور کے اندر کوئی نقص تھا. (توبہ توبہ) بلکہ وجہ صرف یہی تھی کہ حضرت زینب کو اپنے اندر احتمال تھا کہ شاید میں حضور کے حقوق ادا نہ کر سکوں، تو عدم مناسبت کا شبہ ہوا اس لئے ایسا جواب دیا یہ کھلی ہوئی نظیر ہے. وجہ اس شرط کی یہ ہے کہ اس طریق میں نرا ضابطہ کام نہیں دیتا بلکہ جانبین سے انبساط انشراح کی ضرورت ہے. اور یہی حاصل ہے مناسبت کا.

حضرت شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلطان جی کے شیخ ہیں. ایک مرتبہ حضرت فریدالدینؒ نے فرمایا کہ فصوص کا نسخہ صحیح نہیں ملتا. حضرت سلطان جی کی زبان سے یہ نکل گیا کہ حضرت صحیح نسخہ فلاں جگہ ہے. حضرت شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واقعی بدون صحیح نسخہ کے مطلب سمجھنا مشکل ہے. بات رفت گذشت ہوئی. جب حضرت شیخ کی خدمت سے اٹھ کر باہر آئے حضرت شیخ کے صاحبزادے نے سلطان جی سے کہا کہ خبر بھی ہے حضرت نے کیا بات فرمائی. تمہاری بات میں حضرت شیخ کی استعدادِ علمی کی نقص کا ایہام تھا. کہ گویا غلط نسخہ سے وہ کام نہیں چلا سکتے. اس لئے ضرورت ہوئی صحیح نسخہ کے پتہ دینے کی. بس پھر کیا تھا حضرت سلطان جی کی تو جان نکل گئی. اور حاضر ہو کر معافی چاہی مگر معافی نہیں ہوئی، تب صاحبزادہ کو شفیع لے گئے تب معافی ہوئی. اس معافی کے بعد بھی حضرت سلطان جی عمر بھر فرماتے رہے کہ جب کبھی اپنے اس کلمہ کا خیال آجاتا ہے تو کانٹا سا کھٹک جاتا ہے کہ میں نے ایسی بیہودہ بات شیخ کے سامنے کیوں کہی. اور وجہ ندامت کی یہ تھی کہ اگر فکر سے کام لیتے تو حضرت سلطان جی لے سکتے تھے. تو اس کا رنج تھا کہ بے فکری سے کیوں کام لیا. ایسی لطیف باتیں فکر سے تعلق رکھتی ہیں. مگر آج کل فکر کا نام ونشان نہیں.

ملفوظ ۸۰۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو سب کام پیر کے سپرد کر دیا جاتا ہے. وجہ اس کی یہ ہے کہ اصلاح تو مقصود نہیں جو اصل چیز ہے اور اپنے کرنے کی چیز ہے بلکہ یہ حساب لگا رکھا ہے کہ پیر دنیا میں سب مشکلات کا حل کرنے کے لئے ہے اور آخرت میں وہی ذریعہ نجات ہو جائے گا. چاہے سب سے پہلے. بیچارہ پیر صاحب ہی کو فرشتے پکڑ کر لیجائیں اور وہ مرید ہی سے کہے کہ بھائی میں تمہاری خدمت کرتا تھا مجھ کو بھی جنت میں ساتھ لے چلو. مگر باوجود اس احتمال کے ان کے ذہن میں اور ہی حساب ہے جو محض بلا دلیل ہے.

ملفوظ ۴۴۰:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے دیوبند میں بیعت کی درخواست کی تھی۔ میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ زمانۂ تحصیل علم میں اس قسم کے خیال کو شیطانی وسوسہ سمجھو، گو ظاہری عنوان اس کا موحش ہے مگر اس کے عواقب پر نظر کی جاوے تو عجیب حکیمانہ بات ہے۔ میں حالانکہ اس وقت اس کی حقیقت نہیں سمجھا مگر الحمد للہ یہ سنکر بھی حضرت کے ساتھ تعلق بھی محبت بھی عقیدت بھی ویسی ہی رہی جیسی بیعت کے بعد ہو سکتی تھی۔ میں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ واقعہ لکھا۔ میرے لکھنے پر حضرت نے خط سے بیعت فرمایا۔ پھر جس وقت میں مکہ معظمہ گیا اس وقت حضرت نے دست بدست بیعت فرما لیا۔ اور یہ تو ظاہری صورت کے متعلق واقعہ تھا۔ باقی اصل روح بیعت کی تو یہ ہے کہ شیخ قصد کرلے کہ میں تعلیم کیا کروں گا۔ اور طالب یہ قصد کرے کہ میں اتباع کیا کروں گا۔ پھر اس سلسلہ کے شروع کرنے کے بعد اگر عدم مناسبت ثابت ہو جاوے اور شیخ کہے کہ دوسرے سے رجوع کرو تو اس مشورہ کو بھی قبول کرنا چاہیئے بلکہ اگر باوجود عدم مناسبت کے شیخ یہ مشورہ نہ دے تو وہ شیخ نہیں اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ مگر اس وقت ایسے شیوخ بہت ہی کم ہیں۔ ایسی سیدھی اور صاف بات کو محض اپنی دکانداریوں کی وجہ سے اپنے مصنوعی رنگ میں چھپا رکھا ہے۔ سو سمجھ لینا چاہیئے کہ دین کو ذریعہ بنانا دنیا کا نہایت مبغوض اور مردود فعل ہے، ایمان والے کی شان کے خلاف ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تھا تو اب توبہ کر لینی چاہیئے۔ وہ بڑی کریم رحیم ذات ہے معاف کر دیں گے۔

ملفوظ ۴۴۱:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل ہر شخص محقق مجتہد بننا چاہتا ہے۔ اول تو اصلاح کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اور اگر کرتے ہیں تو بے ڈھنگے پن سے۔ یہ سب طریق کی بے خبری اور ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ایسی ہی بے ڈھنگی بات کی نسبت کسی نے خوب کہا ہے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

ایک عالم صاحب نے لکھا تھا کہ تکبر کی حقیقت اور اس کے آثار کیا ہیں۔ میں نے لکھا کہ علاج کراتے ہو یا سیکھتے ہو۔ کیونکہ اگر تکبر کی حقیقت اور آثار بتلا دیئے جاتے تو اپنی موجودہ حالت کے تکبر ہونے نہ ہونے کا مدار تو خود ان ہی کی رائے ہوتی جس کا کیا اعتبار۔ عالم تھے غلطی کو سمجھ گئے اور لکھا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ اور بہت ہی معذرت کے بعد لکھا کہ مجھے یہ دریافت کرنا چاہیئے تھا کہ تکبر کا علاج کیا ہے۔ میں نے لکھا یہ بھی طریقہ نہیں، کیونکہ ابھی اسی کی تشخیص نہیں ہوئی کہ موجودہ حالت تکبر ہے یا نہیں۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنی موجودہ حالت لکھ کر یہ پوچھنا چاہیئے کہ اگر یہ کوئی مرض ہے تو اس کا کیا علاج ہے، مگر طریق کے قواعد و آداب ہی مفقود ہو گئے۔ لوگوں کو بالکل اس سے بے خبری ہے۔ الحمد للہ اب مدتوں کے بعد یہ اصلاح کا طریق زندہ ہوا ہے ورنہ مردہ ہو چکا تھا۔ عوام تو بیچارے کیا

چیز ہیں خواص تک اس سے بے خبر تھے۔

ملفوظ ۱۴۱:- فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں نے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا ہے اب حالت یہ ہے کہ دماغ بے حد کمزور ہے چکر آنے لگے ہیں۔ ایک طبیب صاحب نے فرمایا کہ قرآن شریف حفظ کرنا چھوڑ دو۔ میں نے کہا کہ اگر میں ایسا کروں گا تو قیامت کے روز اندھا ہو کر اٹھوں گا دو عالموں سے پوچھا انہوں نے فرمایا کہ کوئی گناہ نہیں۔ اب حضرت سے درخواست ہے کہ ایک تعویذ میرے لیے روانہ فرما دیں۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اس تعویذ سے پہلے تم کو سلامت فہم کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر میں تعویذ لکھ دیتا تو یہ ایک بہت بڑا ضرر ہوتا جو اب عقیدوں کی خرابی سے ہو رہا ہے وہ یہ کہ آج کل اکثر تعویذ پر بھروسہ ہو جاتا ہے کہ ہمارے پاس ایک چیز ہے خدا پر توکل اور بھروسہ نہیں رہتا اور یہ عقیدہ کی خرابی ہے جو بہت بڑا ضرر ہے اور ایک عملی ضرر ہے کہ اس کے بعد پھر نہ طبیب سے رجوع کرتے ہیں اور نہ خود کوئی تدبیر کرتے ہیں۔

ملفوظ ۱۴۲:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی کنہ کا کوئی ادراک نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس میں کلام کرنا خطرناک چیز ہے اور متکلمین نے جو اس میں کلام کیا ہے وہ بضرورت کلام کرتے ہیں۔ وہ ضرورت یہ ہے کہ اول سلف کے خلاف اہل بدعت نے اس کا مشغلہ بنایا اور رائے سے کچھ کتر بیونت کرنے لگے۔ اس کے رد کے لیے متکلمین کو بولنا پڑا، ورنہ بلا ضرورت کلام کرنے کو اکابر نے اچھا نہیں سمجھا۔ ایک شخص کا واقعہ سنا ہے کہ وہ ایک طویل سفر کر کے شیخ ابوالحسن اشعری سے ملنے آئے۔ چونکہ کبھی پہلے ملاقات ہوئی نہ تھی اس لیے پہچانتے نہ تھے۔ اتفاقاً اول ان سے ہی ملاقات ہوئی ان ہی سے دریافت کیا کہ میں ابوالحسن اشعری سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس وقت یہ بادشاہ کے بلائے ہوئے ایک مناظرہ کی مجلس میں جا رہے تھے۔ فرمایا کہ آؤ ہمارے ساتھ ہم ان سے ملاقات کرا دیں گے۔ یہ ساتھ پہنچ گئے۔ تمام مذاہب کے علماء موجود تھے کسی خاص مسئلہ کی تحقیق کے لیے۔ سب کی تقریر ہوئی۔ ابوالحسن خاموش بیٹھے رہے۔ سب کے بعد جو ان کی تقریر ہوئی تو سب کو پست کر دیا۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو ان مسافر نے ان سے کہا کہ ابوالحسن اشعری سے کب ملاؤ گے۔ فرمایا وہ میں ہی ہوں۔ یہ مسافر بے حد خوش ہوا کہ میں نے جیسا سنا تھا اس سے بدرجہا افضل و اکمل پایا۔ اور عرض کیا کہ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ کہ اگر آپ پہلے ہی اس مسئلہ پر تقریر فرما دیتے تو ان میں سے پھر کسی کی بھی تقریر کرنے کی ہمت نہ ہوتی سو آپ نے پہلے ہی کیوں نہ فرما دیا۔ اس کا کیسا عجیب جواب فرمایا کہ جن چیزوں میں سلف نے کلام نہیں کیا ان میں بلا ضرورت کلام کرنا بدعت ہے۔ اس لیے میں نے اول کلام نہیں کیا اور جب اہل بدعت کا کلام ظاہر ہو چکا اب اس کے رد کی ضرورت ہو گئی۔ اور ضرورت کے وقت کلام کرنا بدعت نہیں۔ سبحان اللہ کیسی پاکیزہ بات فرمائی۔ یہ شان ہوتی ہے اہل تحقیق کی تو کیا عام کلام کرنے والے اپنے کو ان محققین پر

قیاس کر سکتے ہیں۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کار پاکان را قیاس از خود مگیر … گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ملفوظ ۳۱۴: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اہل طریق کی حالت بالکل اہل برزخ کے مشابہ ہوتی ہے کسی پر کوئی کیفیت طاری ہے کسی پر ایک حالت کا غلبہ ہے کسی پر ایک حالت کا غلبہ مگر عاشق ہونے میں سب ایک ہیں۔ جانبازی سرفروشی سب میں ہے اور ان احوال کی دوسروں کو کیا خبر کہ ان پر کیا گذرتی ہے۔ دوسروں کو تو یہ نظر آتا ہے کہ کھا بھی رہے ہیں پی بھی رہے ہیں ہنس بھی رہے ہیں مگر ان کا ہنسنا ایسا ہے جیسے مشہور ہے کہ توا ہنس رہا ہے مگر کوئی ہاتھ تو لگا کر دیکھے ہنسنے کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ یہ کھانا پینا ہنسنا بولنا سب ظاہری حالت ہے مگر اندر آرے چل رہے ہیں۔ اسی حالت کو اور اس کے آثار کو مختلف عنوانات سے بزرگوں نے تعبیر کیا ہے۔ ایک فرماتے ہیں ؎

اے ترا[1] خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست … حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

دوسرے فرماتے ہیں ؎

ایں[2] چنیں شیخے گدائے کو بکو … عشق آمد لاابالی فاتقوا

تیسرے فرماتے ہیں ؎

نشود[3] نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت … سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

چوتھے فرماتے ہیں ؎

ناخوش[4] تو خوش بود بر جان من … دل فدائے یار دل رنجان من

حضرت بایزید کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ غلبۂ سکر میں یہ فرماتے تھے سبحانی ما اعظم شانی مریدوں نے عرض کیا کہ حضرت غلبہ کی حالت میں یہ کلمہ فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ میں برا کرتا ہوں۔ اب کی مرتبہ اگر ایسا کلمہ میری زبان سے نکلے تو چھریاں لے کر بیٹھ جاؤ، مجھ پر حملہ کر کے ختم کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ان بزرگ پر پھر غلبہ ہوا اور زبان سے وہی "مااعظم شانی" نکلا۔ مریدین نے چہار طرف سے حسب الحکم حملہ کیا مگر خود ہی سب زخمی ہو گئے۔ بزرگ کو ہوش ہوا اور زخمیوں کو دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ حملہ نہیں کیا۔ عرض کیا گیا واہ حضرت اچھی تدبیر بتلائی ہمیں ہی ختم کرایا ہوتا اور تمام واقعہ

---

[1] تیرے پیر میں کبھی کانٹا بھی نہیں لگا، تو ان بہادروں کی حالت کا کیا اندازہ کر سکتا ہے جو سر پر تلواریں کھاتے ہیں ۱۲

[2] ایسا شیخ ذلت اور عشق کی بدولت گلی گلی کا فقیر بنا پھرتا ہے۔ عشق کو کسی کی پرواہ نہیں ذرا اس سے بچتے ہی رہنا ۱۲

[3] خدا کرے دشمن کو یہ نصیب ہو کہ آپکی تلوار سے ہلاک ہو۔ آپ کی خنجر آزمائی کے لئے تو دوستوں کے سر حاضر ہیں ۱۲

[4] آپکی ظاہری ناگوار بات بھی مجھ کو دل و جان سے گوارا ہے ایسے ستانے والے محبوب پر میری جان فدا ہے ۱۲

ظاہر کیا۔ فرمایا تو بس اس سے معلوم ہوا کہ وہ بات میں نہیں کہتا اگر میں کہتا تو سزا کا مستحق ہوتا۔ کہنے والا کوئی اور ہی ہے پھر اس کی توجیہ میں فرمایا کہ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت کوہ طور پر حاضر ہوئے تو شجر طور سے آواز آئی اِنِّیْ اَنَا اللہُ" جب شجر میں مظہر ہونے کی اہلیت ہو سکتی ہے تو اگر انسان مظہر ہو جاوے تو اس میں کیا بُعد ہے۔ اب آگے ایسی حالت کے کمال یا نقص ہونے کا سوال یہ دوسری بات ہے۔ سو کمال ایسی حالت کا نہ ہونا ہی ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی فرماتے ہیں۔ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بہ فریاد آمد۔ اینجا مردانند کہ دریا ہا فرو برند و آروغ نزنند۔ چنانچہ محققین نے یہی کہا ہے کہ منصور کامل نہ تھے ایک معذور شخص تھے ان کو نہ ماجور (مستحق اجر) کہو نہ (مستحق گناہ) مازور کہو۔ پس ایک ماجور ہے جو سب سے افضل ہے ایک مازور ہے یہ بُرا ہے اور ایک معذور ہے نہ صاحب فضیلت نہ قابل ملامت۔ پس منصور اسی درجہ کے تھے ان پر تشنیع خطرناک بات ہے۔ دیکھئے اگر کسی شخص پر اللہ بخش گنگوہی (ایک جن کا نام ہے) کا اثر ہو جاوے تو اس کے افعال کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ یہ معذور ہے مثلاً کسی عورت پر اثر ہو اور اس نے خاوند کے جوتہ پھینک کر مارا تو اس کو معذور سمجھ کر کچھ نہ کہے گا اگر منصور پر اللہ بخش نہ تھا تو اللہ بخش سے زیادہ تھا تو اسکو معذور کیوں نہیں سمجھا جاتا۔ بات یہ ہے کہ اہل غلو کو ان حضرات سے بغض ہے ورنہ توجیہ تو بہت قریب ہے۔

ملفوظ:- ۴۱۴ ایک صاحب نے حضرت والا سے تعویذ کی درخواست کی اور یہ نہیں کہا کہ فلاں چیز کا تعویذ دیدیجئے۔ اس پر فرمایا کہ نام بھی تو لیا ہوتا کہ کس چیز کا تعویذ۔ میرا جی بے اصول اور ادھوری بات سے گھبراتا ہے۔ یہی میری بدنامی کا راز ہے۔ لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ اور وجہ اس سمجھنے کی یہ ہے کہ بے قاعدہ کاموں کے لوگ عادی ہو گئے ہیں۔ اس عادت کے غلبہ سے اس کی قبرائی دل سے نکل گئی۔ دیکھئے اگر یہ پہلے ہی پوری بات کہدیتے تو مجھ پر گرانی کیوں ہوتی۔ مگر اس پر بھی حضرت والا نے تعویذ لکھ کر دیدیا اور فرمایا آئندہ اس کا خیال رہے کہ پوری بات کہدی جایا کرے۔ اور یہ قاعدہ میں خاص اپنے ہی لئے نہیں بتلا رہا ہوں بلکہ جہاں بھی جاؤ اور کسی سے کوئی کام لو یا کوئی بات کہو پوری کہو۔ اس کے بعد ان صاحب نے عرض کیا کہ ایک تعویذ اور فلاں حاجت کیلئے دیدیجئے۔ فرمایا کہ اگر یہ بات پہلے سے کہدیتے تو میں اس ہی تعویذ میں دونوں کی رعایت کر دیتا مگر تم لوگوں میں تو یہ مرض ہے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بات کہنے کا۔ اب دوسرا تعویذ نہیں مل سکتا اپنے کئے کو خود بھگتو مجھ کو کیا ضرورت کہ خلاف اصول فعل تو تمہارا اور بھگتوں میں۔ اب تم خود بھگتو، میں جتنی رعایت کر رہا ہوں آپ بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اول تو میں پہلے ہی تعویذ نہ دیتا کیونکہ ادھوری بات کہی تھی مگر تمہاری وقتی ضرورت سمجھ کر دیدیا۔ اب تم انگلی پکڑ کے پہونچا ہی پکڑنے لگے۔

ملفوظ:- ۴۱۵ فرمایا کہ ایک خط آیا ہے لکھا ہے کہ غیبت سے بچنے کا کیا طریقہ ہے۔ اگر معلوم ہو جائے ممنون ہونگا۔ میں نے لکھدیا ہے کہ استحضار اور ہمت۔ اس پر فرمایا کہ یہ سب کام کرنے کے ہیں بدون ہمت کے کچھ نہیں ہوتا یہاں وظیفوں کا کام نہیں، جیسا عام لوگوں کا خیال ہے۔

۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلسِ خاص بوقتِ صبح یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۴۱۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مواعظ کی جو فہرست تیار ہو گئی اس کا نام مرآۃ المواعظ ہے۔ چھپ بھی گئی اس سے بڑی سہولت ہو گئی۔ بڑے کام کی چیز ہے اور اب خیال ہے کہ ایک فہرست مسائل تصوف کی تیار ہو جائے یہ بھی بڑے کام کی چیز ہو جائے گی اس کا کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ قرآن و حدیث سے کس قدر مسائل تصوف کے ثابت ہیں۔ اس لئے یہ بھی بڑے کام کی چیز ہو گی۔ خدا کرے یہ بھی پوری ہو جائے (چنانچہ بعد میں یہ بھی مکمل ہو کر چھپ گئی عنوانات التصوف اس کا نام ہے) خدا کا فضل ہے کہ سب کام بقدرِ ضرورت پورے ہو گئے۔ جی چاہتا ہے کہ اب تصنیف کا کام چھوڑ دوں اسلئے کہ اب تحمل نہیں تکلیف ہوتی ہے مگر کوئی نہ کوئی چیز ایسی سامنے آجاتی ہے کہ اس کی وجہ سے کام کرنا پڑتا ہے گو تعب ہوتا ہے مگر کرتا ہوں۔

ملفوظ ۴۱۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فلاں مدرسہ میں ایک وقت میں اکابر کی ایسی جماعت تھی کہ ہر قسم کی خیر و برکات موجود تھیں۔ ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی۔ اس وقت تعمیرات اتنی بڑی نہ تھی، کتب خانہ اتنا زبردست نہ تھا، آمدنی ایسی زائد نہ تھی، جماعت کثیر نہ تھی مگر ایک چیز اتنی بڑی تھی کہ مدرسہ خانقاہ معلوم ہوتا تھا۔ ہر چہار طرف بزرگ ہی بزرگ نظر آتے تھے۔ در و دیوار سے اللہ اللہ کی آوازیں آتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اب سب کچھ ہے اور پہلے سے ہر چیز زائد ہے مگر وہ ہی ایک چیز نہیں جو اس وقت تھی، گویا جسد ہے روح نہیں۔ میں نے مہتمم صاحب سے کہا تھا کہ اگر اسی موجودہ حالت پر مدرسے نے ترقی بھی کی تو یہ ترقی ایسی ہو گی جیسے مر کر لاش پھول جاتی ہے جو کہ ضخامت میں ترقی ہے مگر پھولنے کے بعد وہ جس وقت پھٹے گی اہل محلہ اہل بستی کو اس کا تعفن پاس نہ آنے دے گا۔ اسی زمانہ خیر و برکت میں ایک مرتبہ مدرسہ میں ایک انجمن قائم ہوئی تھی، فیض رساں اس کا نام رکھا گیا۔ ایک لڑکا تھا فیض محمد، اس کے نام پر انجمن کا نام رکھا گیا تھا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنا فرمایا کہ خبیثو ایک ایک آدھ سب کو ٹھیک کروں گا میں انجمن قائم کراؤں گا اور سب نالائقوں کو نکالوں گا۔ بس فیض کے بجائے حیض جاری ہو گیا۔ اور اب تو اسی جگہ ایک دو کیا بیسیوں انجمنیں ہیں، تعلیم و تربیت تو ختم

ملک کا انتظام قوم کی خدمت سیاسی معاملات کا ہر وقت شغل ہے۔ لیکن ایک وقت میں دو کام ہونا کیسے ممکن ہے۔ بس نتیجہ یہی ہوگا کہ علم ختم ہو جاوے گا اور ملک دارالخلافۃ خالی رہ جاوے گی۔ دو کام ہونے کے جمع نہ ہونے پر یاد آیا۔ میں نے دیوبند میں بزمانہ طالب علمی حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تک تحصیل علم سے فراغ نہ ہو اس قسم کے خیال کو شیطانی وسوسہ سمجھنا۔ اس وقت تو سمجھ میں نہ آیا تھا مگر اب سمجھ میں آیا کہ شیطان کا ایک کید یہ بھی ہے کہ بڑے حسنہ کو چھڑا کر چھوٹی حسنہ میں لگا دیتا ہے۔ ذکر و شغل عبادت ہے مگر مندوب، اس میں لگ کر اگر فریضہ علم متروک ہو گیا کتنا بڑا دینی ضرر ہے اور دین کو ضرر پہنچانا یہ عین مقصود ہے شیطان کا۔ ہم نے تو ان حضرات کو دیکھا ہے اور اب تو نہ اساتذہ کا ادب نہ مہتمم صاحب کا ادب نہ پیر کا ادب نہ باپ کا ادب۔ آزادی کا وہ زہریلا اثر پھیلا ہے کہ سب ہی کو مسموم کر دیا۔ الا ماشاء اللہ۔ سُن سُن کر دل کو رنج ہوتا ہے کہ یا اللہ ایک دم میں کیسی کایا پلٹ ہو گئی۔ اس وقت اساتذہ خود طلباء سے دبتے ہیں نہ معلوم کس وجہ سے اور وہ کیا اغراض ہیں جن کی وجہ سے طلباء کا اساتذہ پر غلبہ ہو گیا۔ ضرور دال میں کالا ہے۔ اس قسم کی باتیں کانوں میں پڑتی ہیں۔ ایک معتبر اور ثقہ راوی کی زبانی معلوم ہوا کہ زمانہ فساد میں ایک طالب علم مدرسہ کا ایک استاد کے پاس آیا اُستاد بیمار تھے اُن کو کچھ وظیفہ تو حیدرآباد سے ملتا تھا اور کچھ تنخواہ مدرسہ سے۔ مدرسہ کا ان کے ذمہ کچھ قرض بھی تھا۔ تنخواہ اس میں وضع ہو جاتی تھی اور کسی عارض کی وجہ سے حیدرآباد دکن سے وظیفہ بند ہو گیا۔ اس صورت میں خرچ کی تنگی ظاہر ہے۔ اس طالب علم نے بعد مزاج پرسی کے ایک رومال میں ایک بندھی ہوئی رقم جس کی تعداد پانچ سو روپیہ تھی پیش کی اور یہ ظاہر کیا کہ تنخواہ وہاں وضع ہوتی ہے اور وظیفہ کسی وجہ سے بند ہے آپ کو خرچ کی تنگی ہے آپ تکلیف نہ اٹھائیں اس کو صرف کر لیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم طالب علم ہو مسافرانہ تمہاری حالت ہے نہ معلوم کس وقت اور کب یہاں سے چلدینے کا ارادہ کر لو تو میں اتنی رقم کس طرح ادا کر سکوں گا۔ اس طالب علم نے کہا کہ آپ اس کی فکر نہ کریں آپ صرف کر لیں میں واپسی کی نیت سے پیش نہیں کر رہا ہوں۔ اب بتلائیے کہ طالب علم اور پانچ سو روپیہ اور وہ بھی واپسی کی نیت سے نہیں۔ اگر رئیس کا لڑکا بھی ہو تب بھی ایسا کرنا مشکل ہے۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کی وجہ سے اساتذہ پر طلباء کا غلبہ ہے۔ اب چاہے انجمن قائم کریں یا کمیٹیاں قائم کریں اسباق پڑھیں یا نہ پڑھیں کون پوچھ سکتا ہے اور کون مواخذہ کر سکتا ہے۔

ملفوظ:- ۳۱۸ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعضی حکومتوں میں سلاطین کی شان نہیں ہوتی، تجار ہوتے ہیں۔ حکومت اس طرح نہیں ہوا کرتی۔ ایسی حکومت میں ایک بڑی کمی یہ ہوتی ہے کہ حُبّ دنیا کی وجہ سے اس میں استغنا نہیں ہوتی تو ایسی حکومت

خواہ کتنی ہی بڑی قاہر سلطنت ہو مگر لوگوں پر اس کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا۔ اس کا اصلی سبب وہی حبِ دنیا ہے کہ زوالِ حکومت کے اندیشہ سے رعایا کی اغراض غیر صحیحہ میں یہی تابع ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ سلطنت خواہ رہے یا جائے تو کیا مجال تھی کہ کوئی زبان بھی کھولتا اور جو شخص یہ سمجھے گا حکومت وہی کر سکتا ہے ورنہ خسر الدنیا والآخرۃ کا ظہور ہو گا۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ حبُّ الدنیا راس المعاصی ہے اور معصیت میں خاصیت ہے مسخ عقل کی، یہ تجربہ کی بات ہے۔ آخر خلفاء راشدین میں کیا بات تھی زیادہ تجربہ بھی نہ تھا اور بھی کوئی ایسی ظاہری ممتاز بات نہ تھی۔ مگر ہر بات میں نور ہوتا تھا پھر دیکھ لیجئے کیسی حکومت کر گئے کسی نے دم تک نہیں مارا۔ وہ طاقت اخلاص کی تھی۔

ملفوظ ۴۱۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شہوت پرست آدمی کبھی بہادر نہیں ہو سکتا۔ اس کی عقل مغلوب ہو جاتی ہے اور بزدل ہو جاتا ہے۔ محمد ابن قاسم نے جس وقت ہندوستان پر چڑھائی کی اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ سال کی تھی۔ ایک راجہ کا قلعہ فتح کیا۔ اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ محمد ابن قاسم کو دیکھ کر عاشق ہو گئیں۔ نکاح کی درخواست کی صاف انکار کر دیا اور یہ کہا کہ ہم کو کوئی اختیار نہیں۔ ہم اپنے امیر کے پاس تم کو بھیجدیں گے وہاں سے جو حکم اور فیصلہ ہو ویسا کیا جاوے گا۔ یہ شجاعت کا خاصہ ہے کہ ان لڑکیوں کی طرف التفات نہیں ہوا۔ یہ قوت قلب کا اثر تھا۔ اور قوتِ قلب ہی حاصل ہے شجاعت کا۔ محمد ابن قاسم صحابی نہیں، شیخ نہیں، ایک نوجوان لڑکے تھے حجاج بن یوسف کے داماد تھے جو مشہور ظالم ہے مگر اس وقت کے ظالموں کی بھی یہ حالت تھی۔ یہی حجاج بن یوسف جس کے مظالم سب دنیا جانتی ہے کہ کتنا بڑا ظالم تھا۔ ہر رات میں تین تین سو رکعت نفل پڑھنے کا اس کا معمول تھا۔ ایک بزرگ نے حجاج بن یوسف کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ کیسی گذری کہا کہ جتنے بے گناہ میں نے قتل کئے سب کے بدلے ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا اور حضرت سعید بن جبیر کے بدلے ستر مرتبہ قتل کیا گیا اور اس وقت بھی عذاب میں مبتلا ہوں۔ دریافت کیا کہ اب نجات کے متعلق کیا امید ہے۔ کہا کہ جو سب مسلمانوں کو امید ہے۔ نجات ضرور ہو گی بخشا ضرور جاؤں گا۔ اسی کا واقعہ ہے کہ جس وقت اس کی جان کندنی کا وقت تھا تو اس وقت یہ کہا کہ اے اللہ ساری دنیا یہ کہتی ہے کہ حجاج نہیں بخشا جا سکتا۔ ہم تو جب جانیں کہ آپ مجھ کو بخشدیں۔ اس واقعہ کی اطلاع ایک بزرگ کو کی گئی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ بڑا ہی چالاک تھا۔ یہ چالاکی سے جنت بھی لے مرے گا۔

ملفوظ ۴۲۰:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں بہائم میں عقل ہونے کے متعلق فرمایا کہ بہائم کے مکلف نہ ہونے سے ان پر عدمِ عقل کا حکم لگا دیا جاتا ہے مگر یہ استدلال صحیح نہیں ممکن ہے کہ

عقل ہو مگر بقدر مکلف ہونے کے نہ ہو۔ کیونکہ عقل کی کچھ مقدار ہے شریعت کی نظر میں۔ اور اس مقدار کی علامت احکام میں بلوغ کو قرار دیا گیا ہے۔ دیکھئے انسان کے نابالغ بچوں میں اچھی خاصی عقل ہوتی ہے مگر اتنی نہیں کہ جس سے وہ احکام کے مکلف ہوں تو اسی طرح اگر جانوروں میں عقل ہو مگر اتنی نہ ہو کہ جس سے وہ احکام کے مکلف ہوں تو اس میں کیا محذور ہے۔ چنانچہ بہت سے واقعات اور مشاہدات ایسے ہیں کہ ان کو دیکھ کر اضطراراً جانوروں میں وجود عقل کو تسلیم کرنا پڑے گا ان سے ایسی ایسی باتیں اور کام صادر ہوتے ہیں جن کا تعلق عقل سے ہے حواس ان کے لئے کافی نہیں۔

ملفوظ ۴۲۱:۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ پرانے لوگوں میں دین کا بزرگوں کے ادب کا پھر بہت اثر تھا۔ اس وقت کے بگڑے ہوئے ان نئے سنورے ہوؤں سے اچھے تھے۔ مولوی شبلی صاحب کا واقعہ ہے کانپور میں ان کا لیکچر ہوا۔ مولوی فاروق صاحب جو ان کے استاد تھے وہ اس وقت کانپور کے ایک مدرسہ میں مدرس تھے وہ بھی اس بیان میں شریک تھے۔ جب بیان ختم ہو چکا تو استاد کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ استاد نے محض سادگی سے پیر پھیلا دیئے کہ شبلی پیر دکھ گئے ہیں ذرا دبا دیجئے بس دبانے لگے اور کوئی اثر ناگواری کا ظاہر نہیں ہوا۔ یہ اثر تھا پرانے ہونے کا اور پہلے بزرگوں کی صحبت کا۔ اب یہ باتیں کہاں۔ یورپ کے مذاق نے ناس کر دیا نہ ادب رہا نہ تہذیب مسلمانوں نے بھی وہی طرز معاشرت اختیار کر لیا، حتیٰ کہ اعتراف جرم پر بھی جو معافی مانگی جاتی ہے وہ بھی معافی نہیں صرف واپس لینے کے الفاظ پڑھ دیئے جاتے ہیں۔ یہ اس تعلیم انگریزی کے کرشمے ہیں۔ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت سنی ہے کہ ایک باپ بیٹے کرسی پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ بیٹے نے انگڑائی لی اس میں جو پیر پھیلائے تو اس کے جوتے باپ کی داڑھی میں لگ گئے کسی نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے باپ ہیں تو بیٹے ابھی کچھ نہ بولے تھے خود باپ ہی بولے کہ حرج کیا ہوا۔ یہاں تک بے حسی بڑھ گئی ہے۔

ملفوظ ۴۲۲:۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا بیعت سے پہلے کچھ شرائط ہیں ان کی تکمیل کے بعد بیعت کا مضائقہ نہیں اور بدون شرائط بیعت کی درخواست کرنے کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کہے کہ نماز پڑھا دو اس سے کہا جائے کہ پہلے وضو کر لو وہ نماز کے لئے شرط ہے وہ کہے مہربانی کر کے وضو کو حذف کر دو۔ اور نماز پڑھا دو۔ سو وہ شرائط بیعت بھی مثل وضو کے ہیں جو قبل بیعت کے مکمل کرنے چاہئیں۔ دوسرے بیعت اسلام میں کوئی واجب بھی تو نہیں۔

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

ملفوظ نمبر ۴۲۳: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ قبروں پر مٹی ڈالنے کی رسم گو جائز ہے مگر کچھ پسندیدہ بھی نہیں۔ ایک شخص نے لکھنؤ میں عجیب بات کہی کہ موت تو مٹانے ہی کے واسطے ہے خواہ مخواہ لوگ قبروں کو اجالتے ہیں۔ ایک شخص نے اس سے بھی عجیب بات کہی کہ یہ جو قبروں کو پختہ بناتے ہیں۔ بعد تامل اس کا منشاء مُردے سے محبت کا نہ ہونا ہے۔ اس لیے کہ کچی قبر رہنے سے تو اس کی حفاظت کے خیال سے جانا بھی ہو جاتا ہے۔ وہاں پہونچکر توفیق فاتحہ کی بھی ہو جاتی ہے اور پختہ بناکر تو بے فکر بن جاتا ہے۔ اور ایک بات بھائی اکبر علی صاحب مرحوم نے بڑی نفیس کہی کہ اگر سب مُردوں کی قبریں پختہ بنائی جائیں تو زندوں کے رہنے کو تو دنیا میں جگہ بھی نہ ملتی تو اس بناء پر تو یہ مسئلہ عقلی بھی ہے کہ قبریں کچی ہوں۔ مگر اہل ہوی کو بیٹھے بیٹھے ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں جن سے ضروریات دین کو نظر انداز کرکے فضولیات میں مشغول ہو گئے۔

ملفوظ نمبر ۴۲۴: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک امرتسری غیر مقلد صاحب نے آیت استوی علی العرش کی تفسیر پر خواہ مخواہ کا اعتراض کرکے گڑ بڑ مچائی اس وجہ سے مجھ کو رسالہ تجدید العرش لکھنا پڑا۔ میں چاہتا نہیں تھا کہ اس پر رسالہ لکھوں اس لیے کہ یہ ذات وصفات میں کلام ہے اور میں اس کو بہت ہی خطرناک سمجھتا ہوں۔ مگر اللہ سے دعا کی تو اس کا معنون اور عنوان ایسا سمجھ میں آگیا کہ سلف میں سے کسی سے اس کا خلاف منقول نہیں گو بعینہ جزئیاً بھی منقول نہ ہو۔ کیونکہ عموماً مفسرین نے قواعد شرعیہ وعربیہ کی رعایت کے ساتھ بہت سی تفسیریں کی ہیں کہ عموماً علماء حق نے ان پر نکیر نہیں کیا تو ایسی تفسیر کی جواز پر گویا اس پر اجماع ہو گیا کہ کسی مقتضی شرعی کی وجہ سے اصل تفسیر کے مناسب اگر تفسیر کردی جائے تو جائز ہے اس کا ماخذ خود حدیث شریف میں آیا ہے جیسا اس رسالہ میں منقول ہے اور اس کو فرق مبتدعہ کی تفسیر پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ خلف اہل سنت نے سلف کی تفسیر کی نفی نہیں کی۔ اپنی تفسیر کو درجہ احتمال میں رکھتے ہیں اور بدعتی سلف کے اقوال کی نفی کرتے ہیں اور اپنی تفسیر جو کہ معارض ہے سلف کی تفسیر سے حق اور سلف کی تفسیر کو باطل سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ تفسیر بالرائے کی فرد ہے اور علماء سلف تو بڑی چیز ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے قلب میں تو عام علماء کا حتی کہ غیر مقلدین علماء

کا بھی جو واقع میں علماء کہلائے جانے کے قابل ہیں، ادب ہے۔ اور اس ادب ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میری مدد فرماتے ہیں۔ بے ادب کو حقیقت تک کبھی راہ نہیں ملتا۔ میں نے ان معترض کے ساتھ ضروری چیز میں تو موافقت کی جیسا میرا مذاق ہے کہ حق بات کو بچہ سے بھی قبول کر لیتا ہوں۔ یعنی میں نے پہلے تفسیر کے متن میں متاخرین کی تفسیر کو لیا تھا اور حاشیہ میں سلف کی تفسیر کو مگر ان کے مشورہ سے میں نے اس کا عکس کر دیا۔ اب آگے انھوں نے زیادتی شروع کی کہ خلف کی تفسیر کا بالکل ابطال اور نفی کی جاوے۔ سو چونکہ اس میں تضلیل اور تجہیل تھی ایک مقبول جماعت کی اس لیے میں نے اس میں ان کی موافقت نہیں کی۔ اور اس کی مزید تحقیق میں رسالہ لکھنا پڑا مگر وہ راضی نہیں ہوئے۔

ملفوظ ۴۲۵:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جس زائد کام میں دوسرے کی مدد کی ضرورت ہو اس کو کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس لئے کہ ساتھ ہو جانے والوں سے یہ امید نہیں کہ آخر تک عہد پورا بھی کریں گے۔ علاوہ شرعی اصول اور احکام کے معارضہ کے کہ یہ تو اصل بنا تھی۔ یہی میری عدم شرکت خلافت کی ایک وجہ یہ بھی تھی جس سے میں تحریک خلافت میں شرکت نہیں کر سکا۔ مجھ کو لوگوں کی حالت کا اندازہ ہے تجربہ ہے۔ میں تجربات اور مشاہدات کو کیسے مٹا دوں۔ میں رات دن دیکھتا ہوں کہ اگر چھوٹے سے چھوٹا کام کسی کے سپرد کر دیتا ہوں تو بیٹھا انتظار کرتا رہتا ہوں۔ اور جس کے سپرد کیا گیا ہے اس کو پروا بھی نہیں ہوتی۔ اس قدر پستی دنات لوگوں میں آ گئی ہے جس کے یہ آثار ہیں کہ ایک کام کی ضرورت تو اس وقت ہے مگر ان کو چار پانچ دن تو مشورہ ہی کے لئے چاہئیں۔ پھر بعد مشورہ طے ہو جانے کے کچھ دن ٹال مٹول کیلئے چاہئیں۔ سو ایسے کام اس طرح تھوڑا ہی ہوتے ہیں۔ پھر ایک یہ ہوتا ہے کہ اب تو جوش ہے ہلڑ شروع کر دیا مگر جب ہوش آئے گا ایک بھی نظر نہ آئے گا۔ جن لوگوں نے غدر کے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں ان سے پوچھو پناہ مانگتے ہیں کہ خداوہ دن نہ دکھلائے۔ بہت سے علماء کو ان کے معتقدین نے آمادہ کیا مگر جب وقت آیا سب غائب۔ بیچارہ مولوی صاحب ہی پر آفت آئی۔ ان بچوں کو ابھی خبر ہی کیا ہے۔ سب سے پہلے دین کے قلب میں راسخ ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد آگے قدم رکھنا چاہیے۔ سو ابھی یہاں رسوخ ہی کے نام صفر ہے۔ اس لئے ان کی کوئی بات قابل اعتماد نہیں۔

ملفوظ ۴۲۶:- ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ کیا بات یہاں ہی آ کر تم لوگوں میں تمام تر بیوقوفی اور جہل تازہ ہو جاتا ہے۔ کیا ساری دنیا ایسے ہی بدفہموں سے آباد ہے۔ میرے ہی پاس چھینٹ چھینٹ کر آتے ہو یا تعلیم حماقت کا کوئی مدرسہ ہے جن میں تم لوگ تعلیم پا کر آتے ہو۔

میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو خود رنج ہوتا ہے کہ ایک شخص دور دراز سے سفر کر کے خرچ کر کے آیا اور میری طرف سے اس کے ساتھ ایسا برتاؤ ہو دل دکھتا ہے۔ مگر کلفت کہاں تک برداشت کروں۔ ہاں اگر آپ ہی فرمائیں کہ کلفتیں اٹھایا کرا ذیتیں سہا کر تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ مگر آپ کا جو مقصود ہے آنے سے وہ اس صورت میں حاصل نہ ہوگا یعنی نفع، کیونکہ وہ موقوف ہے بشاشت پر۔ اور جب اذیتوں کو برداشت کیا تو بشاشت کہاں بلکہ انقباض ہوگا۔ اور انقباض میں تعلق رکھنا ہی طبعاً دشوار ہے۔ دیکھئے آخر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا واقعہ کیا ہوا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حاضری کی اجازت دینے پر قادر نہ تھے، ضرور قادر تھے، مگر پھر بھی حضور کا یہ فرمانا کہ ساری عمر مجھ کو صورت نہ دکھلائیں اسی مصلحت سے تھا کہ ان کو دیکھ کر حضور کو کلفت ہوتی۔ اور اس میں حضرت وحشی کا نقصان تھا۔ میں نے یہی واقعہ ایک اور صاحب کو لکھ کر ان سے تعلق خاص رکھنے سے معذوری ظاہر کی۔ انہوں نے بھی بہت ستایا تھا۔ وہ صاحب جواب میں لکھتے ہیں کہ حضرت وحشی نے تو قتل کیا تھا۔ میں نے قتل تھوڑا ہی کیا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اور استدلال غلط ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ بے شک حضرت وحشی کا جرم تمہارے جرم سے زیادہ عظیم تھا مگر انھوں نے کفارہ بھی تو ایسا ہی زبردست کیا تھا کہ اسلام لے آئے تھے۔ اور تم نے اس درجہ کا کفارہ کو نسا کیا۔ بس لاجواب ہوئے۔ جب تک ذہن میں تاویل رہی ہانکتے رہے۔ آج کل بولنا بھی کمال میں داخل ہو گیا مگر اس طریق میں چون وچرا اور قیل وقال سے کام نہیں چل سکتا۔ بڑی ضرورت اس کی ہے کہ جس سے تعلق محبت کا کیا جاوے اس کو کلفت نہ پہنچائی جاوے۔ نہ معاملہ سے نہ زبان سے اور یہ غور وفکر سے ہو سکتا ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ لوگوں نے فکر وغور کرنا قطعاً ہی چھوڑ دیا۔ میں تحدث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ میں الحمد للہ جس طرح دوسروں کے لئے اصلاح کے طریق سوچتا رہتا ہوں اسی طرح اپنی اصلاح کے بھی طریق سوچتا رہتا ہوں۔ اور سب مسلمانوں کو مرتے دم تک اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا ضروری ہے اور اسی میں خیر ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دم آخر دمے فارغ مباش

دیکھئے اگر کوئی شخص بیمار ہو اور لوگ اس کو بے فکر دیکھیں تو ہر چہار طرف سے اس پر لتاڑ پڑتی ہے جس سے وہ اپنے فکر میں لگ جاتا ہے اور لتاڑ کرنے والوں کو وہ مریض بھی اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتا ہے۔ مگر اصلاح دین کے لئے نہ کوئی لتاڑ کرتا ہے اور نہ لتاڑ کرنے والے کو کوئی خیر خواہ اور ہمدرد سمجھتا ہے۔ بہرحال اس بیمار کی صحت کی امید ہے۔ اور جو شخص بیمار تو ہے مگر وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو تندرست سمجھے ہوئے ہیں۔ ایسے شخص کی صحت کی امید بھی نہیں ہو سکتی سوائے ہلاکت کے۔ پھر اس کے ساتھ اس راہ میں اس کی بھی سخت ضرورت ہے کہ کوئی اسکے سر پر ہو

اور وہ جو تعلیم کرے یہ اس کا اتباع اور اس پر عمل کرے ورنہ بدون طبیب کا نسخہ پئے ہوئے نفع کی امید ایسی ہی ہے جیسے بدون نکاح کئے ہوئے اولاد کی امید، پھر جس شخص کا اتباع کلید طریق ہے وہ بھی اس کا اہل ہونا چاہئے۔ ورنہ ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دیدینا بھی سخت مضر ہے۔ ہزاروں راہزن اس راہ میں لٹیرے ڈاکو بنے پھرتے ہیں۔ لباس ان کا درویشانہ ہے۔ وضع ان کی صوفیانہ ہے۔ صورت ان کی عالمانہ ہے مگر اقوال اور افعال ان کے جاہلانہ، یوں ہی کچھ اڑنگ بڑنگ ہانک دیا کہ یہ رموز ہیں، اسرار ہیں، حقائق اور معارف ہیں مگر بالکل بے خبر اور جاہل جنہوں نے طریق کو ایسا بدنام کیا کہ لوگوں کو خود طریق ہی سے وحشت ہوگئی۔ انھوں نے تصوف کو ایک بھیانک صورت بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ مگر بحمد اللہ اب وہ بے غبار مثل آفتاب کے روشن نظر آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ صدیوں تک اس کو کسی کی خدمت کی ضرورت نہیں رہی۔ اور اگر فرضاً ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے کسی خاص بندے کو پیدا فرمادیں گے۔

ملفوظ ۲۲۲:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو تو اس پر تحدثاً بالنعمۃ فخر ہے کہ میں نے آج تک کسی پر تنگی نہیں ڈالی۔ اللہ کا شکر ہے میں تو خاص اپنے گھروں میں بھی کوئی ایسی فرمائش نہیں کرتا کہ جس سے گھر والوں پر گرانی یا تنگی ہو۔ بعض مرتبہ گھر والے کہتے ہیں کہ کبھی تو کوئی کھانے پکانے کے متعلق فرمائش کر دیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ اچھا تم چند چیزوں کا نام لو میں فرمائش کر دوں گا۔ وہ نام لیتی ہیں میں ان میں سے ایک کی تعیین کر دیتا ہوں۔ تو وہ میری فرمائش اور تجویز تھوڑا ہی ہوئی۔ میں تو محض انتخاب کنندہ بن جاتا ہوں۔ باقی صورۃً فرمائش ہونے میں یہ مصلحت ہے کہ اس سے اجنبیت کا شبہ جاتا رہا۔ اور حقیقۃً فرمائش نہ کرنے سے گرانی کا شبہ جاتا رہا۔ یہ باتیں ہیں جس کی بناء پر مجھ کو وہمی اور شکی کہا جاتا ہے۔ اگر ایسے احتمالات کا استحضار جس میں دوسروں کی راحت کی رعایت ہو وہم اور شک ہے تو ایسا وہم اور شک یقیناً محمود ہے۔ حضرت ان معاملات میں بلکہ ہر معاملہ میں ضرورت ہے تدبر اور تفکر کی اور بدون فکر اور غور کے تو اکثر جائز، ناجائز کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ مجھ کو بحمد اللہ ان اشخاص کی حالت معلوم ہے جو مجھ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ ان میں غور و فکر کر کے ان کے مصالح کی رعایت کرتا ہوں جس کو میں ہی جانتا ہوں دوسروں کو کیا خبر۔ دوسرے تو اعتراض کرنا فتوے لگانا ہی جانتے ہیں۔ مثال کے طور پر گھروں ہی میں دیکھ لو، روزانہ نئے نئے قصے پیش آتے ہیں۔ مثلاً کوئی مہمان ایسے وقت آگیا جبکہ گھر کھانا پک چکا ہو اور سب کھا چکے ہوں۔ اب گھر والوں کو میں اس وقت تکلیف نہیں دیتا تو اس کا اثر یہ ہے کہ وہ ان مہمانوں کا بھی نہایت بشاشت اور خوشدلی سے کھانا پکاتی ہیں، جو جبر کی حالت میں ممکن نہ تھا۔ اس کے علاوہ جبر ان امور میں جائز بھی تو نہیں تو اب ایسے امور کی رعایت کرنا یہ وہم اور شک کی باتیں ہیں یا فہم اور یقین کی۔

ملفوظ ۴۲۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی کی سفارش کرنا تو صرف مستحب ہے اور اگر جس سے سفارش کی جاوے اس کو سفارش سے تکلیف ہو تو اس سے بچنا واجب ہے۔ اور عقلی شرعی مسئلہ ہے کہ جلب منفعت سے دفع مضرت زیادہ اہم ہے۔ مثلاً کسی کو ایک روپیہ دیدینا تو واجب نہیں مگر لاٹھی نہ مارنا واجب ہے۔ اس لیے ایسی سفارش کہ مخاطب کو گرانی ہو ناجائز ہے۔ یہ اخلاق کا باب نہایت دقیق ہے۔ اکثر لوگ اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بتلانے والے بھی نہ رہے۔ سب ایک ہی ڈھرے پر پڑے ہوئے چل رہے تھے۔ اب بحمد اللہ ذرا آنکھیں کھلی ہیں۔ گو اب بھی بہت لوگ آنکھ کھول کر پھر بند کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں مگر انشاء اللہ اب کھل ہی کر رہے گی یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون یہ نور تمام ہی ہو کر رہے گا۔

ملفوظ ۴۲۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصلاح کا باب نہایت ہی نازک ہے ہر شخص اصلاح نہیں کر سکتا۔ جیسے ہر شخص طبیب نہیں بن سکتا اور علاج نہیں کر سکتا۔ صالح بننا سہل ہے مصلح بننا مشکل ہے۔ جیسے تندرست ہونا آسان ہے معالج بننا مشکل ہے۔

ملفوظ ۴۳۰:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ محض محبت طبعی سے کام نہیں چلتا محبت عقلی کی ضرورت ہے۔ ابو طالب کو حضور کے ساتھ طبعی محبت تھی مگر عقلی نہ تھی وہ کچھ بھی کام نہ آئی۔ اگر ان کو عقلی محبت ہوتی تو سب سے پہلے وہ ایمان لاتے۔

ملفوظ ۴۳۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصلاح بدون طلب صادق اور بدون اپنے ارادہ کے نہیں ہو سکتی۔ اس طریق میں اپنے کو بالکل مٹا کر قدم رکھنا پڑتا ہے یہ کوئی آسان کام نہیں اور پھر ساری عمر کی ادھیڑ بن ہے۔ یہ بھی نہیں کہ اس کے لیے کوئی مدت یا وقت مقرر ہے بلکہ اگر عمر نوح بھی کسی کو عطا ہو تب بھی اس ادھیڑ بن سے فراغ نصیب نہیں ہو سکتا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دم آخر دمے فارغ مباش

ملفوظ ۴۳۲:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں آدمی صاحب نسبت تو ہو سکتا ہے مگر اصلاح اور چیز ہے۔ اس اصلاح کا کام وہ کر سکتا ہے جو سارے عالم کی نظروں میں خار بنے اپنے اخلاق خراب کرے دوسروں کے سنوارے۔ اس سنوارنے ہی کی بدولت اس کو ایسی نوبت آتی ہے کہ لوگ اس کو بد خلق سمجھتے ہیں۔ اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ میری بد خلقی کا منشاء خوش خلقی ہے۔ مولوی ظفر احمد نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے کہ میں صاحب نسبت ہو جاؤں۔ فرمایا کہ صاحب نسبت تو تم ہو مگر اصلاح کی ضرورت ہے اور اگر اصلاح کراؤ تو اپنے ماموں سے کرانا۔ مولوی ظفر احمد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں۔ مولانا کی ہجرت کے بعد اس طرف رجوع کیا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کرتے تھے کہ جس مرید کا پیر تڑا نہ ہو اس مرید کی اصلاح نہیں ہو سکتی. حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مجسم اخلاق تھے آخر میں یہ فرمانے لگے تھے کہ ان متکبروں کو تھانہ بھون بھیجنا چاہیے. وہاں ان کے اخلاق اور دماغ درست ہو سکتے ہیں. تو غرض مُردوں اور زندوں سب کی یہی رائے ہے کہ اصلاح بدون اس خاص طریق اور طرز کے نہیں ہو سکتی جس کو میں نے اختیار کر رکھا ہے بدون رگڑے کہیں برتن قلعی کے قابل ہو سکتا ہے. مربی بننا آسان نہیں پہلے مُربا بنے تب کہیں مربی ہو، مُربا جانتے ہی ہو کس طرح بنتا ہے. اول سیب کو بازار سے خرید کر لاتے ہیں پھر اس کا چاقو سے چھلکا الگ کرتے ہیں. پھر اس کو چاقو کی نوک سے کوچتے ہیں اسلئے تاکہ مٹھائی اندر تک اثر کر سکے پھر اسکو پانی میں جوش دیتے ہیں پھر قوام کر کے اس میں ڈالتے ہیں. پھر ایک بوتل میں بند کر کے یا مرتبان میں ایک وقت مقررہ تک رکھتے ہیں. جب کہیں مُربا بنتا ہے اور اس مرض کے لئے نافع ہوتا ہے جسکے لئے طبیب نے تجویز کیا تھا. اب چاہتے یہ ہیں کہ کچھ کرنا دھرنا نہ پڑے اور سب کچھ ہو جائے. یاد رکھو کہ بدون ارادہ اور طلب اور ہمت کے تو اگر کوئی لقمہ بنا کر بھی منہ میں دیدے تو وہ بھی حلق سے نیچے نہیں اتر سکتا. اس میں بھی ضرورت ہے ہمت اور طلب کی.

ملفوظ ۳۴۳:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ روح طریق کی یہ ہے کہ آدمی میں عبدیت پیدا ہو اس سے روحانیت کو قوت ہوتی ہے وہ اپنے مرکز کا ادراک کرتی ہے اس سے نفس کو اضمحلال ہوتا ہے. اس سے شانِ فنا کو غلبہ ہو جاتا ہے. یہ سب خاصیتیں ہیں عبدیت کی اور عبدیت افعال سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ انفعالات سے گو بوالہوس آج کل بکثرت انفعالات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں.

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

ملفوظ ۳۴۴:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ادب تو اس زمانہ میں آیا گیا ہو گیا تعظیم و تکریم کو ادب سمجھتے ہیں. حالانکہ ادب کی حقیقت کا حاصل راحت رسانی ہے کیونکہ اصل حقیقت حفظ حدود ہے اور حفظ حدود کے لوازم میں سے راحت مگر اب تو ادب کی تفسیر صرف یہ رہ گئی ہے کہ جھک کر سلام کرنا، مخدوم کی طرف پشت نہ کرنا، پچھلے پیروں ہٹنا، نگاہ کو نیچے سے اوپر نہ کرنا، بولنے کی ضرورت ہو تو اس قدر آہستہ بولے کہ اپنا کہا ہوا آپ بھی بمشکل سُن سکے اور اسی قسم کی لغویات ہیں. حالانکہ اصل ادب اور حقیقت ادب وہی

ہے جو ابھی مذکور ہوا. یعنی حفظ حدود و ادائے حقوق، جس کو باعتبار حاصل کے راحت رسانی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں اور اس معنی کے اعتبار سے یہ ادب صرف چھوٹوں ہی کے ذمہ نہیں کہ وہ بڑوں کے حقوق کو ادا کیا کریں بلکہ بڑوں کے ذمہ بھی ہے کہ چھوٹوں کے حقوق ادا کریں. غرض تعظیم و تکریم اور چیز ہے ادب اور چیز ہے اور تعظیم و تکریم بھی اگر محل اور حد پر ہو تو اچھی اور ضروری چیز ہے. ادب کے اس نوع پر ایک حکایت یاد آگئی. ایک سب جج صاحب کسی مقام پر تعینات تھے مگر ایک مدت سے گھر پر خرچ نہ بھیجتے تھے. وجہ اس کی یہ تھی کہ وہاں کسی عورت سے تعلق پیدا ہو گیا تھا اس میں غلطاں پیچاں ہو گئے تھے. ان کے باپ زندہ تھے. وہ غصہ میں اس مقام پر پہنچے جہاں یہ تعینات تھے. اول مکان پر پہنچے. محلہ والوں سے تحقیق ہوا کہ واقعہ سچا ہے. اس وقت سب جج اجلاس پر تھے. باپ نے صبر بھی نہ کیا کہ اجلاس سے تو آنے دیتے وہیں. اجلاس پر پہنچے. ہاتھ پکڑ کر کرسی سے زمین پر ڈال کر جوتا بجانا شروع کیا. لوگ دوڑے تو سب جج کہتے ہیں کہ خبردار کوئی کچھ نہ بولے یہ میرے قبلہ و کعبہ ہیں، میرے والد ہیں، ان کو ہر قسم کا حق ہے. جب فراغت ہوئی تو عورت سے قطع تعلق کیا. والد صاحب سے معافی چاہی اور خرچ بھیجنا شروع کر دیا. اس موقع کا ادب یہی تھا. ایک واقعہ مشہور ہے کہ کسی بندر گاہ پر سمندر کے کنارے وائسرائے کی کسی تقریب کا جلسہ تھا. ایک جہاز آکر کھڑا ہوا اور مسافر اتر کر چلنے شروع ہوئے. راستہ مسافروں کے گذرنے کا جلسہ گاہ کے سامنے ہی سے تھا. وائسرائے کے میر منشی مسافروں کی طرف دوڑے. ایک لنگوٹ بند مسافر کے قدموں پر گرے اور نہایت تعظیم سے اپنے ساتھ لائے. سب لوگوں کو حیرت ہوگئی کہ یہ کون شخص ہے جس کے اثر سے میر منشی نے اتنے بڑے جلسہ کو چھوڑ کر وائسرائے کی موجودگی میں یہ معاملہ کیا. وائسرائے نے ان میر منشی صاحب سے دریافت کیا یہ کون ہیں. عرض کیا کہ حضور یہ میرے باپ ہیں. معلوم ہوتا ہے راستہ میں کسی جزیرہ میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا. وائسرائے کے دل میں اس واقعہ سے میر منشی کی بڑی وقعت ہوئی اور گورنمنٹ سے ترقی کی سفارش کی اور جلسہ گاہ سے اپنی گاڑی میں باپ بیٹے کو بٹھلا کر اپنی کوٹھی یا بنگلہ تک پہنچایا.

ملفوظ ۵۳۴:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی باہر بلاتا ہے تو میں بدون داعی کے سفیر کے تنہا سفر نہیں کرتا. کیونکہ اس حالت میں کوئی مجھ سے پوچھے کہ کہاں جاتے ہو تو مجھ کو اس جواب سے بڑی غیرت آتی تھی کہ فلاں جگہ جا رہا ہوں. اس جواب سے یہی سمجھیں گے کہ یہ ملا لوگ بھیک مانگتے مارے مارے پھرتے ہیں اور داعی کے ساتھ ہونے میں یہ مصلحت ہے کہ جو کوئی سوال کرتا ہے میں کہہ دیتا ہوں کہ اس سے پوچھ لو. وہ کہتا ہے کہ فلاں جگہ بلایا گیا ہے. میں جب ڈھاکہ گیا تو نواب سلیم اللہ خانصاحب نے مدعو کیا تھا. ان کے بجائے پہلے سے انتظام کے لئے کلکتہ آگئے تھے. نواب صاحب نے ان کو تار دیا کہ ہم یہاں پر فلاں شخص (یعنی احقر) کے استقبال کا اس پیمانہ پر انتظام کرنا چاہتے ہیں جیسا وائسرائے وغیرہ کا ہوتا ہے. میں نے جواب لکھ دیا کہ

یہ خلافِ شریعت ہے۔ اس میں جھنڈے اور گولے اور خدا معلوم کیا کیا خرافات ہوتے۔ ہزاروں سیکڑوں روپیہ کا خون ہو جاتا۔ غرض اس میں اسراف اور تفاخر دونوں ہوتے۔ پھر تار آیا کہ صرف مسلمانوں کا مجمع ہوا اور کثرت سے ہو اور اس قسم کی کوئی بات نہ ہو اس کی بھی اجازت ہے یا نہیں۔ میں نے لکھوا دیا کہ خلافِ طبیعت ہے پھر کوئی گڑبڑ نہ ہوئی۔ نواب صاحب نہایت ہی سلیم الطبع تھے۔ میں جس وقت تک ڈھاکہ رہا نواب صاحب نہایت معمولی کپڑوں میں رہے۔ کسی معتمد کے دریافت کرنے پر نواب صاحب نے کہا کہ مہمان کے کپڑوں سے اچھا کپڑا پہننا خلافِ ادب ہے۔ اس معتمد نے یہ بھی دریافت کیا کہ کھانا آپ ساتھ کیوں نہیں کھاتے۔ کہا کہ میری مجال ہے کہ ایک دسترخوان پر برابر بیٹھ کر کھانا کھاؤں۔ پھر میری واپسی میں بھی کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ اسٹیشن پر میرے پہنچنے کے بعد آئے ایک دو خاص خادم ہمراہ تھے اور ملاقات کر کے واپس ہو گئے نہایت ہی سمجھدار اور فہیم شخص تھے۔

ملفوظ ۴۳۶:۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر فہم سلیم ہو تو باریک سے باریک بات بھی نہایت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔ اور کورمغز بدفہم کی سمجھ میں موٹی سے موٹی بھی نہیں آتی۔ بعضے لوگ یہاں کوئی حالت لے کر آتے ہیں اور سیدھی بات ہے کہ گھر سے کوئی خیال عذر دل میں لے کر چلے تھے وہ آکر کہہ دینا چاہیے۔ چلو چھٹی ہوئی۔ مگر اب یہ ہوتا ہے کہ یہاں آکر اس میں تکلف کے حاشیے لگاتے ہیں۔ سیدھی اور صاف بات کو اُلجھاتے ہیں۔ میں اس کی تہ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ یہ کنارے کنارے لئے پھرتے ہیں۔ بس اسی میں لڑائی ہوتی ہے جھگڑا پڑتا ہے اُلٹ پلٹ ہوتے ہیں۔ پھر وہ قصہ ہو جاتا ہے کہ جیسے جال میں کوئی شکار پھنس جائے تو جتنا تڑپتا ہے اُسی قدر زیادہ اُلجھتا اور پھنستا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ جس قدر ہوشیار بنتے ہیں اور چالاکی اختیار کرتے ہیں اسی قدر حماقت کا اظہار ہوتا ہے۔

ملفوظ ۴۳۷:۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس راہ میں بدون راہبر اور شیخ کامل کے سر پر ہوئے قدم رکھنا خطرہ سے خالی نہیں۔ اس راہ میں بعض حالات اور واقعات ایسے پیش آتے ہیں کہ اگر تحقیق سے کام نہ لیا جائے تو سارا معاملہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ سر پر کوئی ہو اور وہ اس ضیق سے نکالے۔ اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو
بے قلاوز اندریں صحرا مرو

ملفوظ ۴۳۸:۔ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یوں تو آپ مجھ سے بھی بہتر سمجھنے والے ہیں۔ مگر اس طریق میں بدون کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اور اپنے حالات پیش کئے ہوئے اور اس کا اتباع کئے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچنا ہی مشکل ہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردے کاملے پامال شو

ملفوظ ۴۳۹:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یورپین اقوام دنیا کے کاموں میں بڑے ہوشیار ہوتے ہیں۔ مادیات سے ان لوگوں کو بہت مناسبت ہے مگر روحانیت اور عقلیت سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ اکلیات سے تعلق ہے ہر وقت اکل کی فکر ہے حتیٰ کہ ان کے اخلاق کی غایت بھی وہی اغراض معاشیہ ہیں۔ اسی لئے ایسی چالاکی سے بات کرتے ہیں کہ آدمی فوراً مسخر ہو جاتا ہے جس کا اثر بعض اوقات نادان کے دین پر بھی پڑ جاتا ہے۔ اسی لئے میں تو فتوی دیتا ہوں اور یہ محض تجربہ کی بناء پر ہے کہ ان سے بلا ضرورت ملنا بھی نہ چاہیے۔

ملفوظ ۴۴۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصلاح کا طریق ہی جدا ہے اس کے لئے بعض اوقات سیاست کی صورت اختیار کرنا پڑتی ہے ورنہ خدا نخواستہ مجھ کو کسی سے بغض نہیں عداوت نہیں بلکہ بے حد رعایت اور سہولت کرتا ہوں حتیٰ کہ اگر مجھ کو خط و کتابت سے وجداناً یہ معلوم ہو جائے کہ سالک میں طریق کا سلیقہ پیدا ہو گیا تو میں اجازت تک دے دیتا ہوں کسی سے کوئی ضد تھوڑا ہی ہے مگر کام تو طریقہ سے ہی ہوتا ہے اور وہ طریقہ بھی صرف معاملہ تک ہے باقی عقیدہ میرا آنیوالوں کے ساتھ وہ ہے جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں آنیوالے حضرات کی قدموں کی زیارت کو ذریعہ نجات سمجھتا ہوں کیوں کہ میرا اچھا ہونا تو کسی دلیل سے بھی ثابت نہیں اور میرے پاس آنیوالے مجھ کو اچھا سمجھ کر اللہ کا نام لینے کیلئے آتے ہیں اسلئے یہ یقیناً اچھے ہیں سو غور کیجئے کہ جس شخص کا آنیوالوں کے ساتھ یہ عقیدہ ہو کیا وہ اُن کو نظر حقیر سے دیکھ سکتا ہے مگر اصلاح میں کیسے رعایت کر سکتا ہوں اس میں رعایت کا انتظار اور خواہش ایسی ہے کہ جیسے مریض طبیب سے رعایت چاہے کہ مجھ کو فلاں دوا نہ دینا بڑی مہربانی ہوگی حالانکہ مرض کے لئے وہی مفید ہے مگر اکثر لوگ اب تو یہ چاہتے ہیں کہ ہر کام جی چاہا ہو ایک خاص حساب لگا کر گھر سے چلتے ہیں کہ جاؤں گا ظاہر تو واضح ہو گی ظہر کی مجلس میں بیعت ہو جاؤں گا اور عصر کے وقت ولایت اور قطبیت کا سارٹیفکٹ ملجائے گا پھر واپس آ کر خود مستقل شیخ اور سب کچھ بن کر بیٹھ جائیں گے مگر یہ سب محض تخمینات ہیں جس میں شیخ چلی کے کارخانہ سے زیادہ واقعیت نہیں

ملفوظ ۴۴۱:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سلامتی اس میں ہے کہ شغل سے خالی نہ رہے خواہ دنیا کے کسی جائز میں مشغولی ہو۔ ہر حال میں شغل بے شغلی سے اچھا ہے۔ تجربہ ہے کہ جب انسان بالکل خالی ہوتا ہے اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ پھر اشغال میں سب سے بہتر تو عارف کی صحبت ہے ورنہ پھر تو نوم وغفلت محضہ ہو جس میں قوی مدرکہ محض معطل رہیں۔ غرض بیکاری سے یہ سب چیزیں بہتر اور افضل ہیں۔

ملفوظ ۴۴۲:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کامل کے لیے تو تکلم افضل ہے اور ناقص کے لیے سکوت افضل ہے۔

ملفوظ:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت نہ تو بہت زیادہ بولتے تھے اور نہ بہت کم بولتے تھے۔ تکلم میں اعتدال تھا اور نہایت مختصر اور جامع تقریر ہوتی تھی۔ اور اگر کسی نے تقریر کے بعد کہا کہ حضرت ذرا پھر فرما دیجئے تو ارشاد فرماتے کہ اجی یہاں کوئی مدرسہ تھوڑا ہی ہے۔ یہ کرنے کے کام ہیں۔ جب کچھ کروگے سمجھ میں آجاوے گا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح کا سکوت بھی طویل ہوتا تھا اور تقریر بھی بہت مبسوط ہوتی تھی۔ اکثر پوچھنے پر تقریر فرماتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ ایک سے دوسری پیدا ہو جاتی تھی اور دوسری سے تیسری اور تیسری سے چوتھی۔ مجمع برا ذخیرہ ہو جاتا تھا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مولوی معتقد صاحب نے شبہ کیا کہ آپ طویل کلام کرتے ہیں اور بزرگوں نے تقلیل کلام کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا کہ بزرگوں نے اصل میں فضول کلام سے ممانعت فرمائی ہے۔ اور مقصود مبتدی کو منع کرنا ہے۔ اور اصل منشا اس کا غیر مشروع کلام کی عادت کا ترک کرانا ہے اور اس میں بدون زیادہ تقلیل کے کامیابی نہیں ہوتی ورنہ مطلق قلت کلام مقصود نہیں۔ اس عارض کے لیے اس کی تاکید کی گئی ہے۔ اور اس کی ایک مثال فرمائی کہ دیکھو مڑے ہوئے کاغذ کو سیدھا کرنے کے لیے اس کے مخالف جانب پر کاغذ کو موڑتے ہیں تب وہ سیدھا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ذمیمہ کے ترک کرانے میں اس کی ضد کے اختیار کرنے میں مبالغہ اور اہتمام کی تعلیم کی جاتی ہے۔ پھر اس سلسلہ میں مولانا کے کچھ معمولات کا بیان ہونے لگا کہ ایسی بے تکلف اور سادہ طبیعت تھی کہ اکثر ایسی باتیں فرما دیا کرتے تھے کہ رات کو مجھ کو یہ مکشوف ہوا۔ اور ایک بار یہ فرمایا کہ میری زبان پر کوئی لفظ غلط نہیں۔ اگر کسی کتاب کے خلاف ہونے کی کسی کو شبہ ہو تو اس کو تتبع کیا جائے کسی دوسری کتاب میں میری تائید نکلے گی۔ اور وہی راجح ہوگا۔ حضرت مولانا میں اتنی سادگی تھی کہ جس طرح اپنے کمالات بے ساختہ بیان فرما دیتے اسی طرح اپنے نقائص بھی صاف صاف فرما دیا کرتے۔ اور اپنے معتقدین اور شاگردوں کے سامنے ایک بار فرمایا کہ میرا سلوک ادھورا رہ گیا۔ اگر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ چاہیں تو میری تکمیل ہو سکتی ہے مگر یہ کبھی توجہ ہی نہیں کرتے اور میں اپنے حضرت حاجی صاحب سے تکمیل کرا سکتا ہوں۔ مجھ کو کسی کی کیا پروا۔ لیکن اگر میں جانے کو کہتا ہوں تو یہ یعنی مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ مدرسہ چھوڑ کر جانا جائز نہیں۔ بس جی معلوم ہوتا ہے یوں ہی ادھورا مر جاؤں گا۔ مگر اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضری ہو گئی اور پیاس بجھ گئی۔ ایک بار جوش میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح کی نسبت فرمایا کہ یہ بہت بخل کرتے ہیں۔ اگر میں ایسا ہوتا جیسے یہ ہیں تو جنگل کے بالدیوں کو جو مویشی چراتے پھرتے ہیں ایسا بنا دیتا جیسے یہ ہیں۔

ملفوظ:- ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ رعایت اس کی ہوتی ہے جو ہماری بھی تو رعایت کرے مگر اس کی فکر ہی نہیں۔ اور یہ بے فکری ایسی چیز ہے کہ دوسرے کو

جس قدر اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے وہ اسی بے فکری کی بدولت پہنچتی ہے اگر فکر ہو اہتمام ہو خیال ہو تو کبھی دوسرے کو اذیت نہ پہنچے۔ لیکن لوگوں کی بے فکری اور بے پروائی کی اصلاح کہاں تک کی جاوے۔ عادتیں پڑی ہوئی ہیں چھوٹنا مشکل ہے۔ اس بے حسی کا کیا علاج کہ نہ اپنی تکلیف کا احساس نہ دوسرے کی تکلیف کا احساس۔

ملفوظ ۴۴۵:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فقہاء نے ذکر جہر میں قید لگائی ہے کہ نائم اور مصلی کو تکلیف نہ ہو۔ ایسی آواز سے ذکر ہو۔ اسی اصل پر یہاں ۱۲ بجے دن کے بعد اذانِ ظہر تک ذکر جہر کی اجازت نہیں۔ اسی طرح شب کو عشاء کے بعد سے تہجد کے وقت تک اس کے بعد پھر اجازت ہے۔ اور یہ قانون اس لئے ہے کہ کسی کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ پھر اجازت کے وقت بھی جہر مفرط کی اجازت نہیں، تاکہ کسی کی نماز میں خلل نہ پڑے اور نیند کے وقت گنگناہٹ سے بھی اجازت نہیں ذہن ذہن میں پڑھے جو دہن سے باہر نہ ہو۔

ملفوظ ۴۴۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں ایک طاغوت کی نسبت فرمایا کہ بڑا ہی چالاک ہے اس نے اپنا توا تو سیدھا کر لیا دوسرے تو سوراج سوراج کی مالا ہی رٹتے رہے وہ سوراج حاصل کر کے الگ بھی ہو گیا اُس کے کئی کارخانے دیسی کپڑے کے کھل گئے۔ انگریزی مال کا بائیکاٹ کرانے کا یہی سبب تھا ورنہ اس کو نہ انگریزوں سے نفرت نہ اُن سے کوئی جنگ اپنا اور اپنی قوم کا خیر خواہ ہے اور اپنا مفاد اپنی قوم سے بھی مقدم رکھتا ہے۔

ملفوظ ۴۴۷:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ توکل کی حقیقت ہے حق تعالیٰ پر نظر رکھنا خواہ بدون اسباب کے خواہ اسبابِ ظاہرہ کے ہوتے ہوئے کیونکہ بدون اسباب کے بھی مطلوب کے ترتّب پر وہ قادر ہیں۔ دیکھئے مکڑی جالا بنا کر بیٹھ جاتی ہے تو جانور وہیں آکر پھنستے ہیں وہ جالا کہیں اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر پاتا۔ شکاری جنگل میں جال لگاتا ہے تو شکار خود آکر پھنستا ہے وہ جال اڑ کر نہیں پھنساتا پھرتا۔ بس مسبب الاسباب پر نظر رکھنا یہی حقیقت ہے توکل کی۔ اس کے بعد خود ترکِ اسباب کی اجازت یا عدم اجازت یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قوی القلب کو اسبابِ ظنیہ کے ترک کی اجازت ہے لیکن اسبابِ یقینیہ کا ترک مطلقاً اور ضعیف القلب کو اسبابِ ظنیہ کا بھی ترک ناجائز ہے۔

ملفوظ ۴۴۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب تک انسان اپنی زیب و زینت اور تنعم میں رہتا ہے اس میں کمال نہیں پیدا ہوتا۔ یہ تن آرائی اور تن پروری دلیل ہے نفس پروری کی، جس کے انجام کی نسبت فرماتے ہیں ؎

عاقبت ساز د ترا از دیں بری ۔۔۔ ایں تن آرائی و ایں تن پروری

ملفوظ ۴۴۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آدمی کو اپنی فکر چاہیئے دوسروں کی فکر میں پڑنا اور اپنی خبر نہ لینا بڑے خطرہ کی بات ہے۔ خوب کہا گیا ہے تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔ میرے ماموں منشی امداد علی صاحب تھے تو آزاد اور مسلک بھی ہم لوگوں سے کسی قدر مغائر تھا۔ صاحب سماع بھی تھے اور تصوف میں قدرے غلو بھی تھا مگر بہت باتیں بڑی کام کی ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ بھائی کہیں دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت میں اپنی گٹھڑی مت اٹھوا دینا کیسے کام کی بات فرمائی مگر مشرب کے اختلاف سے ان کی صحبت سے مجھ میں ایک خاص سوزش اور شورش پیدا ہو گئی تھی جس کا میں تحمل نہیں کر سکا۔ غیبی امداد نے ایک خاص صورت سے دستگیری فرمائی کہ میں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا فرمایا کہ ان کی صحبت میں مت جایا کرو خارش پیدا ہو جائے گی۔ اہل تعبیر کے نزدیک خارش کی تعبیر بدعت ہے۔ پھر میں نے ادب کے ساتھ حاضری ترک کر دی۔

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

ملفوظ ۴۵۰:- ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حرام چیز اس دربار میں قبول نہیں ہوتی اور حلال چیز بشرط خلوص قبول ہوتی ہے۔ یہی قربانی کا معاملہ ہے اگر حلال سے کرے گا قبول ہو گی حرام سے کرے گا قبول نہ ہو گی۔

ملفوظ ۴۵۱:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس دربار میں ہر چیز کی میزان ہے ہر کام ہر بات میں عدل ہے حجاج اتنا بڑا ظالم گذرا ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی اس نے بند ہوا کر قتل کرائے ہیں۔ ایک شخص اس کی غیبت کر رہا تھا ایک بزرگ نے کہا کہ وہاں کسی سے ذاتی عداوت نہیں ہر شے میں عدل ہے سو جس طرح حجاج سے اس کے ظلم پر مواخذہ ہو گا۔ اسی طرح تم جو اس پر ظلم کر رہے ہو۔ اس کا تم سے مواخذہ ہو گا۔ وہاں پر ایک عمل کا اثر دوسرے عمل پر نہیں پڑتا۔ ہماری تو یہ حالت ہے کہ اگر ایک شخص سے ہم ناراض ہیں تو اس کی ہر بات سے ہم خفا رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے یہاں یہ بات نہیں وہاں تو یہ ہے کہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ جو بھی حد سے گذرے گا اسی سے مواخذہ ہو گا گو جس شخص کے معاملہ میں وہ حد سے گذرا ہے وہ بھی مبغوض ہو۔

ملفوظ ۴۵۲: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ذات معاملہ کا تو مقتضا یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کو سو روپیہ سود پر دیا پھر سود میں کچھ وصول ہوا تو ذات معاملہ کی رو سے یہ وصول شدہ اصل ہے اتنی مقدار اصل سے کم ہو گئی، مگر چونکہ نیت سود کی ہے لہذا اس کے احکام اخروی یعنی گناہ و سزا سود کے سے ہونگے۔ یہ بات اکثر اذہان کے اعتبار سے نہایت دقیق بلکہ ادق ہے۔

ملفوظ ۴۵۳: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی کے ساتھ اختلاف وغیرہ کچھ ہو مگر ادب یعنی حفظ حدود کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔ الحمد للہ کہ میں اس کا خاص خیال رکھتا ہوں کہ امر حق بیان بھی ہو جائے اور کسی کی اہانت بلا ضرورت نہ ہو۔ مجدد صاحبؒ ابن عربی کے اقوال کا زور شور سے رد کرتے ہیں۔ مگر خود انکو کچھ نہیں کہتے بلکہ ان کو مقبول کہتے ہیں یہ ہے ادب۔ مگر ابن القیم ابوالحسن اشعری کے باب میں بہت بے باک ہیں جو غلو ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں تو بہت ڈرتا ہوں۔ ان فقیروں کو کچھ کہتے ہوئے کیونکہ وہاں یہ کون دیکھتا ہے کہ کون بڑا مولوی ہے وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم سے اس بندہ کا کیسا علاقہ ہے۔ ممکن ہے کہ اس متکلم سے اس متکلم فیہ کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ صحیح اور قوی ہو اس لئے ادب کی سخت ضرورت ہے۔ نیز اس میں احتیاط بھی ہے کیونکہ اگر کوئی شخص قابل ادب نہ ہو اور اس کا ادب کر لیا جائے جہاں دین کا کوئی ضرر نہ ہو تو کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر قابل ادب ہے اور اس کے ساتھ بے ادبی کی تو اس پر مواخذہ ہوگا۔ میں اپنے ادب طبعی کو کیا عرض کروں۔ ابو طالب حضور کے چچا ہیں تو حضور کے انتساب کی وجہ سے ہمیشہ حضرت ابوطالب زبان پر آتا ہے۔ باقی عقیدہ جو ہے وہ ہے تو ہر چیز اپنی جگہ پر رہنی چاہیے۔ عقیدہ عقیدہ کی جگہ ادب ادب کی جگہ بے جگہ استعمال کرنا ایسا ہے جیسے ایک گاؤں میں ایک شخص اتفاقاً کھجور کے درخت پر چڑھ گیا مگر اترا نہ گیا سارا گاؤں جمع ہو گیا مگر اوپر سے اتارنے کی تدبیر کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ تب گاؤں والوں نے بوجھ بجکڑ کو بلایا۔ وہ آئے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر نیچے غور کیا اور سر ہلایا۔ گویا سمجھ گئے اور حکم دیا کہ ایک مضبوط رسہ لاؤ۔ رسہ آیا کہا کہ اس میں پھندا لگاؤ اور پھینک دو۔ اس سے کہا کہ تو پکڑ لینا اور پھندا کمر میں لگا لینا۔ اس غریب نے بوجھ بجکڑ کی تعلیم پر عمل کیا۔ جب کمر میں بندھ گیا تو نیچے کے لوگوں سے کہا کہ لگاؤ جھٹکا۔ لوگوں نے جھٹکا دیا۔ پٹاخ سے نیچے آپڑا۔ ہڈی پسلی ٹوٹ گئیں۔ بھیجہ نکل کر دماغ سے الگ گیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کیسی تدبیر کی وہ تو مر گیا۔ کہا کہ مر گیا اس کی قسمت، میں نے تو سینکڑوں آدمی اس تدبیر سے کنویں سے نکلوائے ہیں۔ بس آج کل کے عقلاء اسی رنگ کے ہیں کہ قیاسات فاسدہ سے ہر شئے کو بے محل استعمال کرتے ہیں جس کا انجام ہلاکت ہے۔ اگر علم صحیح اور عمل صحیح کی ضرورت ہو تو اس کی صورت صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ احیاء میں سے کسی کو اپنا متبوع بنالے۔ کیونکہ بدون احیاء سے تعلق رکھے اور اس کی صحبت کے نرا کتابی علم بھی کافی نہیں۔ اکثر اہل علم کو بھی ٹھوکریں کھاتے دیکھا ہے۔ اور جب خود ہی حقیقت کو نہیں سمجھتے تو دوسروں کی

کیا رہبری کیا کریں گے۔ اس حالت میں ان کی بالکل ایسی مثال ہو گی جیسے ایک گاؤں کے قریب سے ایک ہاتھی گذر رہا تھا۔ سارا گاؤں جمع ہو گیا۔ کسی کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ یہ کیا چیز ہے۔ تب بوجھ بجکڑ بلائے گئے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کیا چیز جا رہی ہے بوجھ بجکڑ پہلے تو روئے، اور پھر ہنسے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو تم نے بھی نہ بتلایا کہ یہ کیا چیز ہے اور روئے اور ہنسے کیوں۔ بوجھ بجکڑ بولے کہ رویا تو یوں کہ میرے بعد تم کو ایسی باتیں کون بتایا کرے گا میرے سامنے کوئی بھی اس قابل نہ ہوا جو مجھ کو اطمینان ہو جاتا اور ہنسا یوں کہ معلوم مجھ کو بھی نہیں کہ یہ ہے کیا چیز۔ اسی طرح نری کتابیں پڑھنے سے کیا ہوتا ہے مگر آج کل یہ مرض ہو گیا ہے کہ اصل کتب بھی نہیں رہی۔ اس کا بھی ترجمہ کافی سمجھا جانے لگا جس سے جہل کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی۔ ایک غیر مقلد صاحب جب امامت کرتے تو داہنے بائیں ہلا کرتے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا حدیث میں امام کے بارے میں ہلنے کا حکم ہے اُنھوں نے کہا کہ ہم نے تو ایسی کوئی حدیث پڑھی نہیں جس کا یہ مطلب ہو۔ ذرا ہم کو تو دکھلاؤ۔ آپ ایک اردو کی کتاب لائے جس میں احادیث کا ترجمہ تھا اس میں امام کے متعلق حدیث تھی من ام منکم فلیخفف یعنی امام کو ہلکی پھلکی نماز پڑھنا چاہیے۔ آپ نے ترجمہ میں لفظ ہلکی کو اس طرح پڑھا ہل کے یعنی حرکت کر کے۔ یہ حالت ہو گئی ہے آجکل کے لوگوں کی۔ خیر یہ تو محض کودن کی حکایت ہے مگر افسوس ہے کہ اچھے پڑھے لکھے لوگ بھی اس جہل میں مبتلا ہیں کہ ضروری اصول و فروع تک پر عبور نہیں۔ پھر دعویٰ مجتہد ہونے کا۔ بس ایسے ہی مجتہدوں نے دین میں گڑبڑ مچائی ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند ‏ ‏ ‏ ‏ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جاست ‏ ‏ ‏ ‏ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد ‏ ‏ ‏ ‏ بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

میں نے تو اس اجتہاد کا ایک نہایت سلیس اور واضح میدان امتحان کے لئے تجویز کیا ہے کہ بیس سوال ایسے تجویز کیے جائیں جن کا حکم فقہاء کے کلام میں نہ دیکھا ہو اور پھر ان کو کتاب و سنت سے خود مستنبط کرے اسکے بعد خود بخود معلوم ہو جاوے گا کہ یہ شخص ان کے روبرو محض طفلِ مکتب ہے۔ میں زبردستی اپنے دعوے کو منوانا نہیں چاہتا امتحان کر لیں اس حقیقت پر نظر کر کے کہا کرتا ہوں کہ میں مسائل میں تو مقلد ہوں مگر خود تقلید میں محقق ہوں اور تحقیق کے بعد ہی تقلید اختیار کی ہے اس لئے مجھے کبھی اپنے فہم پر اطمینان نہیں ہوتا جب تک کہ فقہاء کی جزئیات نہ دیکھ لوں۔ ہمیشہ اپنے پر بدگمان ہی رہتا ہوں اور یہ غیر مقلد ہمیشہ اپنے پر نیک گمان اور دوسروں پر بدگمان رہتے ہیں جو محض حدیث کے خلاف ہے۔ خیر اسی میں ہے کہ اپنے نفس پر کبھی گمان نیک نہ رکھے اور ایسا شخص ہر موقع پر احتیاط کرے گا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے الحزم سوء الظن کی عجیب تفسیر فرمائی ہے ای بنفسہ یعنی اپنے نفس پر بدگمان رہے اور عقل کا تقاضا

بھی یہی ہے کہ آدمی اپنی فکر میں لگے دوسرے کی فکر میں کیوں پڑے۔ دوسرے پر جو مکھیاں بھنک رہی ہیں اس پر تو اعتراض اور اپنے بدن میں کیڑے پڑ رہے ہیں ان کی پروا نہیں۔ ایک بزرگ کی عادت تھی کہ کسی کو بُرا نہ کہتے تھے۔ ہر شخص میں کوئی نہ کوئی خوبی نکال لیتے تھے۔ کسی نے فرمایا کہ آپ یزید کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ شاعر بہت اچھا تھا اور واقعی ہر شخص میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے انھوں نے وہ محاسن جمع کر رکھے تھے۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی شیطان کی نسبت پوچھتا تو کیا کہتے۔ میں نے کہا کہ وہ یہ جواب دیتے کہ مظہر مضل ہونے میں کامل تھا۔ چنانچہ اپنی ضلالت کی آن کا کیسا پکا تھا۔ ایک بزرگ نے چلتے ہوئے دیکھا کہ شارع عام پر ایک سارق کو سولی پر لٹکا رکھا ہے۔ پوچھا یہ کس جرم میں سزایاب ہوا۔ عرض کیا کہ حضرت اس نے ایک مرتبہ چوری کی تو ہاتھ کاٹا گیا۔ دوسری مرتبہ چوری کی تو پاؤں کاٹا گیا۔ اب تیسری مرتبہ چوری کی تو حاکم نے سولی کا حکم دیدیا۔ ان بزرگ نے اس کی لاش کے پاس جاکر اس کے قدم چومے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ اتنے بڑے شیخ اور اس سارق کے قدم چومے۔ فرمایا اس کے قدم نہیں چومے اسکی استقامت کے قدم چومے ہیں۔ کاش ہم کو خیر میں ایسی استقامت ہو جیسی اس کو شر میں تھی۔

ملفوظ: ۴۵۴ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عبث اور فضول میں تو وہ پڑے جس کو ضروریات سے غفلت ہو اور ضروریات کی فکر نہ ہو۔ دین اور آخرت کی فکر کرنیوالے کو کبھی فضولیات کی فرصت نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے یہ دل کی لگی اور ضرورت اور فکر ایسی چیز ہے کہ اگر کسی کا لڑکا مر جاوے اور ابھی اس کی تجہیز و تکفین نہ ہوئی ہو اس حالت میں اس سے کوئی اقلیدس کی شکل سمجھنے کی درخواست کرے وہ کیا کہے گا۔ بس یہی اہل اللہ کی ہر وقت حالت ہے انکو اسکی فرصت کہاں کہ کسی پر کفر کا فتویٰ دیں۔ دوسری مثال سمجھئے کہ اگر کسی کی کشتی بیچ سمندر میں ڈانواں ڈول ہو گیا اس حالت میں اسکو مناظرہ کی سوجھے گی۔ اسکی نظر تو صرف کشتی پر ہو گی۔ حضرت رابعہ بصریہؒ سے کسی نے پوچھا کہ کبھی تم نے شیطان پر لعنت بھی کی ہے۔ فرمایا کہ مجھے اپنے محبوب کی یاد ہی سے فرصت نہیں جو دشمن کی ذکر کروں اور اس کی برائی کروں بزرگوں کی یہی تعلیم ہے ؎

گرایں مدعی دوست بشناختے
بہ پیکارِ دشمن نہ پرداختے

ملفوظ: ۴۵۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل زمانہ مکاروں کا ہے۔ پہلے زمانہ میں بدعتی لوگ بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے اور باوجود غلطی کے پھر ان میں ایک قسم کا دین کا اثر تھا۔ اور اب تو کثرت سے مکار دوکاندار فاسق فاجر کبائر تک میں مبتلا ہیں۔ کھانے کمانے کے خوب ڈھنگ یاد ہیں۔ ایک مکار شخص دیہات میں دورہ کرتا تھا اور اس نے عوام کو معتقد بنانے کے لئے یہ مکر گانٹھ رکھا تھا کہ جو شخص دعوت کرتا یہ مراقب ہو کر کہتا کہ یہ دعوت حلال ہے یا حرام ہے۔ جہلا میں صاحب کشف مشہور ہو گیا حالانکہ محض کورا تھا۔ اُس نے معیار اس کو قرار دے رکھا تھا کہ داعی کی

حالت غریبی کی دیکھی تو حلال کہدیا ورنہ حرام کہدیا۔ کیونکہ اکثر غریبوں کی کمائی حلال ہوتی ہے۔ اسی دورہ میں پٹھانوں کی ایک بستی میں پہنچا وہاں کسی ذہین آدمی کو شبہ ہوگیا اس نے امتحان کے لئے یہ ترکیب کی کہ ایک جولاہہ سے اس کی دعوت کرائی اور ایک رنڈی سے اس کی حرام کمائی کا ایک روپیہ قرض دلاکر دعوت کا سامان اُس سے خرید اگیا۔ یہ سب انتظام کرکے وہ جولاہہ دعوت کے لئے آیا۔ دعوت سُنکر وہ مکار مراقب ہوا اور کہنے لگا کہ سبحان اللہ نہایت پاکیزہ اور مطہر دعوت ہے۔ پھر جب کھانا تیار ہوکر سامنے آیا۔ اس وقت پھر اس سے کہاگیا کہ ذرا پھر مراقبہ کرلیجئے۔ اس وقت بھی اُس نے یہی کہا۔ جب کھانا کھاچکا، پھر کہا گیا۔ کہنے لگا کہ کھانا کھاکر بہت انوار محسوس ہوئے۔ پھر تو پٹھانوں نے جوتہ لیکر وہیں مارنا شروع کیا کہ بدمعاش یہ تو زنا کے روپیہ سے دعوت کی گئی ہے تجھ کو انوار نظر آرہے ہیں۔ ایک اور پیر کی حکایت ہے ایک کھٹیاری ان کی مرید تھی۔ پیر جاکر اسکے مہمان ہوئے۔ بیٹھے بیٹھے ڈنڈا لے کر بھاگے اور کہاکہ دور ہو خبیث نکل یہاں سے۔ مریدنی نے پوچھا میاں صاحب کیا بات تھی۔ کہاکہ خانہ کعبہ میں کتا گھس آیا اسکو نکالا ہے۔ مریدنی نے دیکھاکہ پیر تو بہت ہی پہنچے ہوئے ہیں مگر ان کا امتحان ضرور چاہیے۔ تھی بڑی شوخ اس نے خشکہ ابالا اور گھی شکر نیچے کر دیا اور چاول اوپر کرکے پیر کے سامنے رکھدیا۔ پیر بولے نہ کچھ مٹھائی نہ گھی، کہاکہ میاں صاحب اتنی دور کا کتا تو نظر آگیا اور سامنے رکابی میں چاولوں کے نیچے کا گھی شکر نظر نہ آیا۔ پیر بہت شرمندہ اور محجوب ہوئے۔ یہ دکاندار ایسی ہی باتیں کرتے پھرتے ہیں۔ ایک اور پیر کا واقعہ یاد آیا۔ میں ایک مقام پر بلایا ہوا گیا۔ وہاں وعظ ہونا بھی تجویز ہوا۔ وہاں پر ایک پیر آتے جاتے تھے۔ میرے میزبان ان کے مرید بھی تھے۔ ان کو معلوم ہوا کہ فلاں شخص کا وعظ ہے۔ فکر ہوئی کہ کبھی ایسی کوئی بات نہ کہدے کہ مرید بد اعتقاد ہو جاویں۔ ایک بدعتی مولوی کو ساتھ لے کر مناظرہ کے لیے آئے۔ مجھ کو غالباً سب قصہ معلوم ہو چکا تھا۔ میں نے وعظ میں بیان کیا کہ آج کل کے جو پیر ہیں انکو اکثر کو علم نہیں ہوتا بے علم ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے پیروں سے مسائل تو مت پوچھا کرو۔ اگر نہ بتلایا شرمندہ ہوں گے۔ اگر غلط بتلایا گناہگار رہوں گے اسلئے علماء سے پوچھا کرو۔ لیکن چونکہ ان کو بزرگوں سے نسبت ہے اور اس نسبت کے سبب ان کا حق بھی ہے اس لئے ان کی خدمت ضرور کرنا چاہیے۔ نیز یہ کوئی معیشت کا کام بھی نہیں کر سکتے۔ معذور ہیں اس لئے حاجتمند ہونے کے سبب بھی مستحق ہیں۔ جب پیر صاحب کو اطمینان ہوگیا کہ ہماری آمدنی میں کوئی کھنڈت نہیں ڈالی بے فکر ہو گئے اور بس مناظرہ ختم ہو گیا۔ ان لوگوں کی عجیب عجیب حکایات ہیں علمی بھی عملی بھی تو سُن لیں اب علمی سُنئے۔ ایک ایسے ہی جاہل نام کے مولوی نے وعظ میں ایاک نعبد و ایاک نستعین کی یہ تفسیر کی کہ قیامت کے روز حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہونگے تو اہل حشر حق تعالی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے کہیں گے ایاک نعبد اور حضور کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے کہیں گے وایاک نستعین۔ یہ خرافات ہیں ان جاہلوں کی جن کو علوم میں شمار کرتے ہیں اور سنتے والے سر دُھنتے

اور محظوظ ہوتے ہیں کہ کیا نکتہ فرمایا گویا نعوذ باللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک لسنتعین کا مخاطب قرار دیکر آلہ بنایا۔ میں اس کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ ہم تو حضور کو عبد کہتے ہیں اور کامل اور تم آلہ کہتے ہو اور ناقص تو بتلاؤ تنقیص کون کرتا ہے۔ کانپور میں ایک صوفی نما رئیس حضرت معاویہؓ کی شان میں گستاخی کرتا تھا، مجھ سے ایک صاحب نے کہا کہ اگر اس کی اصلاح ہو جاوے تو بہت مناسب ہے۔ میں ان صاحب کے ساتھ گیا انہوں نے اس رئیس سے کہا کہ میں اس کو لایا ہوں۔ آپ اپنے سب شبہات رفع کر لیجئے۔ کہنے لگے شبہ ہی کیا موٹی بات اور تاریخی بات ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت علی کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ اور حدیث میں آیا ہے مَنْ سَبَّ اصحابی فقد سبنی۔ اور حضرت علی صحابی ہیں تو حضرت معاویہ اس وعید کے مورد ہوئے۔ میں نے کہا کہ گو حدیث میں یہ الفاظ نہیں مگر اس مضمون سے انکار نہیں، لیکن یہ مضمون ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میری اولاد کو کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھے گا تو اس کی آنکھیں نکال ڈالوں گا تو اس تو بیخ کا محل دوسری اولاد نہیں بلکہ غیر لوگ ہیں۔ بس اسی طرح یہاں پر غیر اصحاب مراد ہیں خود اصحاب مراد نہیں۔ اور یہاں دونوں صحابی ہیں۔ لہٰذا حضرت معاویہ اس وعید کے محل نہیں خاموش محض ہو گئے اور شرمندہ ہو کر کہنے لگے آپ ذہانت سے کام لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ پھر کیا غباوت سے کام لیا جاوے۔ اور اگر کسی کو لفظ مَن کے عموم سے شبہ ہو تو یہ سمجھ لو کہ اس عموم میں دلائل شرعیہ سے ایک قید لگائی جاوے گی کہ وہ عموم مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو۔ اس لئے یہاں بھی یہ عموم غیر اصحاب کے لیے رہ گا۔ جب وہ لاجواب ہو کر مجلس میں خفیف ہوئے اور معزز آدمی کو ذلیل کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اللہ نے جس کو عزت دی کسی کو حق نہیں اس کو ذلیل سمجھنے کا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بعضے فقرا امراء کی تحقیر کرتے ہیں مگر یہ تکبر ہے۔ اس لئے میں نے انکی عزت بڑھانے کو ان سے ایک درخواست بھی کر دی۔ کیونکہ وہ عامل بھی تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھ کو نیند کی کمی کی شکایت ہے اسکی کوئی تدبیر کر دیجئے۔ وہ خوش ہو گئے اور کچھ روز تشتری لکھ لکھ کر مجھ کو پلائی۔

اسی رعایت اہل وجاہت پر ایک واقعہ یاد آیا کہ یہاں پر وقف بکیٹی کا ایک وفد مسائل معلوم کرنے کیلئے آیا تھا اس میں بڑے بڑے بیرسٹر تھے۔ میں نے ان کو مولوی شبیر علی کے مکان پر ٹھہرایا اور خود وہاں جا کر گفتگو کی اس گفتگو میں ان کے مراتب کا خاص لحاظ رکھا کسی قسم کی اہانت ان کی گوارا نہیں کی گئی۔ ان پر اس کا بے حد اثر ہوا۔ ان کے آنے کے وقت میں اسٹیشن پر نہیں گیا تھا مگر رخصت کے وقت جب وہ لوگ اسٹیشن پر پہنچ چکے۔ میں بعد میں تنہا اسٹیشن پہنچا وہ شرمانے لگے۔ میں نے کہا کہ میں تو آنے کے وقت بھی جاتا مگر میرا وہ جانا جاہ کے تحت میں ہوتا اور اب جاہ (یعنی محبت) کے تحت میں ہے۔ میں ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں کہ مخاطب کی کسی قسم کی اہانت نہ ہو۔ کسی کو حق کیا ہے دوسرے کو ذلیل اور حقیر سمجھنے کا۔

ملفوظ ۴۵۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ مجھ کو سخت مزاج کہتے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ میں سخت نہیں بلکہ نرم ہوں مگر مضبوط ہوں اور اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ جیسے ریشم کا رسہ نرم تو اس قدر کہ جس طرف کو چاہو موڑ لو جہاں چاہے گرہ لگا لو۔ اور مضبوط اس قدر کہ اگر ہاتھی کو بھی اس میں باندھ دو تو جنبش نہیں کر سکتا۔ تو اسی طرح میں ہوں تو نرم مگر الحمد للہ مضبوط ہوں کسی کے اثر سے اپنے اصول کو توڑ نہیں سکتا۔ مضبوطی کو لوگ سختی سے تعبیر کرتے ہیں جو سخت غلطی ہے آدمی کو سمجھ سے کام لینا چاہئے۔ دوسرے مجھ ہی پر سب الزام ہیں۔ ایذاء دینے والوں کو کوئی نہیں دیکھتا کہ یہ بھی کچھ کہتے ہیں یا نہیں۔ میں تو اسکی سخت کوشش کرتا ہوں کہ کسی کو کچھ نہ کہوں مگر لوگ سیدھی سادی اور صاف باتوں کو الجھن میں ڈال کر ٹیڑھا بناتے ہیں خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور مجھ کو بھی پریشان کرتے ہیں اس پر بولنا پڑتا ہے۔

ملفوظ ۴۵۷: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ رسم و رواج کا اس زمانہ میں اس قدر غلبہ ہے کہ حقیقت تو بالکل گم ہی ہو گئی اور اس رسمی تہذیب اور ادب سے مجھ کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ نیت تو کرنے والے کی تکلیف دینے کی نہیں ہوتی مگر صورۃً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی کسی کو بنایا کرتا ہے۔ زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ اس کا خاص اہتمام کرے اور اس کی سعی اور کوشش کرے کہ کسی کو اذیت نہ پہنچے۔ حقیقت ادب کی یہ ہے ادب اصل میں نام ہے حفظ حدود کا۔ اور حفظ حدود کا خاصہ ہے کہ سب کو راحت ہوتی ہے۔ اور جس طرح نمایشی تہذیب سے بچنا ضروری ہے ایسے ہی یہ بھی لازم ہے کہ بے ادب بھی نہ بن جائے۔ ہر چیز میں اعتدال کی ضرورت ہے اور یہ بات بدون کسی کی جوتیاں سیدھی کئے ہوئے حاصل ہونا مشکل ہے۔ خصوص اس طریق میں تو ایک قدم بھی بدون شیخ کامل کے سر پر ہوئے رکھنا خطرہ سے خالی نہیں۔ سخت ضرورت ہے کہ اس راہ کا واقف کار سرپر ہو اس کی تعلیم پر عمل ہو۔ اپنے تمام ارادوں اور تمناؤں اور خواہشوں کو فنا کر کے شیخ کے سپرد کر دے پھر اس راہ میں قدم رکھے اور جگہ تو بعد میں فنا ہے اور یہاں پہلے فنا ہے۔ غرض پہلی شرط اس راہ میں قدم رکھنے سے یہ ہے کہ ایسا بن جائے کہ ؎

دررہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں　　شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

ملفوظ ۴۵۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل یہ ہے کہ کام پیچھے شروع کرتے ہیں پہلے ثمرات کے طالب ہوتے ہیں۔ ارے میاں کیا ثمرات لئے پھرتے ہو۔ یہی کیا تھوڑا ثمرہ ہے کہ کام میں لگ جانے کی توفیق عطا فرما دی گئی۔ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ ذکر کرتا ہوں مگر کوئی نفع نہیں معلوم ہوتا۔ فرمایا کہ یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ ذکر میں لگے ہوئے ہو۔ واقعی یہ حضرات حکیم ہوتے ہیں۔ کیسی عجیب بات فرمائی۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ذکر میں مزا نہیں آتا۔ میں نے کہا کہ مزا ذکر میں کہاں، مزا تو مذی میں ہوتا ہے جو بیوی سے ملاعبت کے وقت خارج ہوتی ہے۔ یہاں کہاں مزا ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ لوگ ان چیزوں کو مقصود سمجھتے ہیں حالانکہ یہ سب غیر مقصود ہیں۔ یہ سب

طریق سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اس طریق سے لوگوں کو از حد درجہ اجنبیت ہوگئی ہے۔ عوام تو بیچارے کس شمار میں ہیں، خواص بلکہ اخص الخواص تک کو ایسی غلطیوں میں ابتلا ہے۔ لکھنؤ میں ایک پیر تھے جو عالم بھی تھے۔ میرے ایک دوست میرے کہنے سے ان سے ملے۔ پیر صاحب نے دریافت کیا کچھ ذکر شغل کرتے ہو۔ انہوں نے سب بتلایا۔ پیر صاحب دریافت کرتے ہیں کہ شغل کے وقت کچھ نظر بھی آتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ بھی نہیں۔ فرماتے ہیں بس تو ثواب لیے جاؤ باقی نفع کچھ نہیں۔ مجھ کو سُنکر حیرت ہوئی کہ اتنا بڑا شخص اور یہ عقیدہ، کیا علاوہ ثواب کے اور بھی کوئی چیز مقصود ہے۔ اس لئے کہ ثواب کی حقیقت ہے رضاءِ حق اور اعمالِ صالحہ واجبہ سے یہی مقصود ہے کہ قربِ حق اور رضاءِ حق حاصل ہو۔ سو وہ اور کیا چیز ہے جس کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ مقصود ان بزرگ کا وہی کیفیات تھیں جن کو آج کل معراجِ کمال سمجھا جاتا ہے مگر ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ طریق مُردہ ہو چکا تھا۔ لوگ اس کی حقیقت سے بے خبر ہو چکے تھے۔ اب مدتوں کے بعد بحمد اللہ روزِ روشن کی طرح ایسا زندہ ہوا ہے کہ اس کا ایک ایک مسئلہ قرآن و حدیث سے ثابت ہو چکا۔ اب معترضین اگر تصوف پر کسی قسم کی نکتہ چینی کریں تو محض محرومی ہے۔ دلائل سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ مقصود اعمالِ اختیاری ہیں۔ ظاہرہ اور باطنہ عرف اصطلاح میں یہ تمائیز کر دیا گیا ہے کہ اعمالِ ظاہرہ کا نام شریعت ہے اور اعمالِ باطنہ کا نام طریقت باقی اعمال کے علاوہ جو اشغال و ریاضات وغیرہا کی جو تعلیم دی جاتی ہے وہ مقصود نہیں بلکہ مقصود کی معین ہے۔ اور اس کا درجہ محض تدابیر طبیہ کا درجہ ہے۔ وہ فی نفسہ طاعات نہیں اس لئے ان کو بھی بدعت نہیں کہہ سکتے جیسے تدابیر طبیہ کو کوئی بدعت نہیں کہتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ تدابیر ہر سالک کے لئے اختلافِ احوال سے مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک خانصاحب نوعمر اور انگریزی تعلیم یافتہ مگر سمجھدار یہاں آئے تھے۔ تین روز یہاں پر رہے۔ اس کے بعد وطن پہنچ کر مجھ کو لکھا کہ میرے اندر کبر کا مرض ہے۔ میں نے لکھا کہ یہی مضمون درمیان میں کچھ وقفہ دے کر پانچ مرتبہ مجھ کو لکھدو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا بفضلہ تعالیٰ مرض جاتا رہا۔ غالباً پانچ خط پورے بھی نہیں ہوئے تھے چار ہی آئے تھے مرض کا ازالہ ہو گیا۔ تو یہ تدبیر ان کے مناسب تھی عام نہیں۔ اور میرے اس لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ جو تین روز یہاں رہکر گئے ان کی طبیعت کا مجھ کو اندازہ ہو گیا کہ غیور طبیعت ہے اور فہم میں سلامتی ہے۔ اس مضمون کو بار بار اعادہ کرنے سے خود طبیعت میں غیرت آویگی کہ ایک ہی بات کو بار بار پیش کرنا اور اس کو دفع نہ کرنا شرم کی بات ہے۔ چنانچہ یہی ہوا تو اب کوئی معترض صاحب سے پوچھے کہ اس میں کونسی بدعت کی بات ہے۔ اگر ہے تو طبیب جسمانی کی تدابیر بدعت کیوں نہیں۔ مابہ الفرق دونوں میں کیا ہے جبکہ ہم ان تدابیر کو بھی مقصود بالذات سمجھ کر اختیار نہیں کرتے۔ اس میں جو بات ہے جس کے سبب نفس ایک کو اختیار کرتا ہے دوسرے کو بدعت کہتا ہے میں اس کو ظاہر کیے دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ امراضِ جسمانی کو تو امراض سمجھا جاتا ہے اس لئے طبیب

جسمانی کی تدابیر کو بدعت نہیں کہتے اور اس کو ازالہ مرض کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور امراض نفسانی کو امراض ہی نہیں سمجھا جاتا اسلئے طبیب روحانی کی تدابیر کو بدعت کہتے ہیں تاکہ اس کے ٹالنے کا بہانہ مل جاوے۔ اور یہ سب علمی و عملی غلطیاں ان جاہل اور دکانداروں کی بدولت ہوئیں جس سے خود طریق بھی بدنام ہو گیا۔ اب الحمدللہ حقیقت کھل گئی۔

ملفوظ ۴۵۹:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جیسے چھوٹوں کو بہت امور میں بڑوں کی ضرورت ہے ایسے ہی بڑوں کو بھی بہت امور میں چھوٹوں کی ضرورت ہے۔ خود رائی نہ بڑوں سے پسند نہ چھوٹوں سے۔ مزاحاً فرمایا کہ ہاں اگر دونوں اپنے کو خود رائی سمجھیں تو یہ بات نہایت پسندیدہ ہی کیا بلکہ اصل مقصود ہے مگر آج کل یہی مرض خود رائی اور کبر کا زیادہ تر عام ہو گیا ہے۔ یہ نفس کمبخت بڑا ہی دشمن ہے کسی کو اس پر اطمینان نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ وہ چیز ہے اس نے بڑوں بڑوں کو پلک جھپکتے میں کہیں سے کہیں پھینک مارا ہے۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ شیطان کو تو یہ کہتے ہو کہ وہ ہم کو بہکاتا ہے مگر شیطان کو کس نے بہکایا تھا کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ یہ نفس صاحب ہی کے ذکر سنتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس کا شر شیطان سے بڑھا ہوا ہے۔ بلکہ جو لوگ صاحب مجاہدہ اور صاحب ریاضت کہلاتے ہیں ان کو بھی مطمئن اس نفس سے نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم نفس کشی کر چکے ہیں اب اسکی کوئی اندیشہ نہیں اس لئے کہ یہ کبھی اسباب نہ ہونے کی وجہ سے دبا رہتا ہے اور اسباب ہونے پر یہ نہایت ہی سرکش ثابت ہوتا ہے۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ مجاہدات ریاضات سے رذائل کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ امالہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے بے فکری کسی وقت نصیب نہیں ہو سکتی اور نہ بے فکر ہونا چاہیئے۔ دشمن ہر وقت تاک میں ہے۔ اس نفس ہی کے متعلق مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نفس اژدہاست او کے مُردہ است ۔۔۔ از غم بے آلتی افسردہ است

ملفوظ ۴۶۰:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل فضول باتوں اور کاموں میں لوگ اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں۔ حتی کہ بزرگوں کی خدمت میں جا کر بھی اس فضول سے باز نہیں آتے۔ اپنا تو وقت ضائع کرتے ہی ہیں ان کا بھی کرتے ہیں۔ الحمدللہ میرے یہاں یہ بات نہیں ہے اور زیادہ تر حصہ فضول اور عبث کا دوسروں کی حکایت اور شکایت میں ہوتا ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ آدمی اپنی فکر میں لگے۔ اپنی فکر چھوڑ کر دوسروں کے درپے ہونا اس کی ایسی مثال ہے کہ اپنے بدن پر تو سانپ بچھو لپٹے ہیں اس میں کیڑے پڑ رہے ہیں ان پر تو نظر نہیں اور دوسروں پر جو مکھیاں بیٹھ گئی ہیں اس کو تکتے پھرتے ہیں۔ اور یہ مرض آج کل اس قدر عام ہو گیا ہے کہ جس طبقے کو دیکھو

ان کو اس میں ابتلا ہے۔ زمیندار، حکام، محکومین، علماء، صوفیہ، درویش سب کے سب اس مرض میں مبتلا ہیں۔ افسوس ان لوگوں کو وقت کی قدر کیوں نہیں۔ آخر ادھر ادھر کی باتوں سے کیا غرض۔ میں تو اس موقع پر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم — از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

کیا معلوم نہیں کہ ایک ایک منٹ اور ایک ایک سکنڈ ہاتھ سے خالی نکل جانا جس میں ذکر اللہ نہ ہو کیسی بد نصیبی ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی — شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

ملفوظ ۴۶۱: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ عشاق کی تو شان ہی جدا ہوتی ہے ان کی ہر ادا کسی اور ہی چیز کا پتہ دیتی ہے ایسے ہی لوگوں کو مخلوق دیوانہ اور پاگل بتاتی ہے۔ دیوانہ تو ہیں مگر یہ بھی معلوم ہے کہ کیسے دیوانہ اور کس کے دیوانہ ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم — مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اور فرماتے ہیں ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد — مر عسس را دید درخانہ نہ شد

ان کے قلوب پر آرے چل رہے ہیں تمہیں کیا خبر کہ وہ کس گرفتاری میں ہیں مگر وہ آرے چلنا ان کے لئے چین ہے راحت ہے اور وہ بزبانِ حال یہ کہہ رہے ہیں ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

دیکھئے ایک مردار عورت پر کوئی عاشق ہو جائے تو کیا حالت ہو جاتی ہے۔ مجنوں ہی کا واقعہ دیکھ لیجئے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود — گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

حالانکہ اس عورت کا عاشق فانی اور وہ خود فانی اور یہ تو خدا کا عشق ہے جو خود باقی ان کا عشق باقی اس لئے وہ سب مجبوریوں سے زیادہ تو ان کے عشق میں تو جو کچھ بھی حالت بن جائے تھوڑی ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عشق با مردہ نباشد پائدار — عشق را با حیّ و با قیوم دار
عشقہائے کز پئے رنگے بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود
عاشقی با مردگان پایندہ نیست — زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست
غرق عشقے شو کہ غرق ست اندریں — عشقہائے اولین و آخریں

اور گو ہمارا منہ نہیں کہ ہم اس ذات بیچون و بیچگون کے عشق کا دعوی کریں اور نہ ہم میں ایسی استعداد کہ وہاں تک ہماری رسائی ہو تو پھر اس نام کے عمل سے کامیابی کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا تو پھر کوشش بیکار مگر پھر بھی مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ بیشک ہماری کوشش سے اس جگہ رسائی نہیں ہوگی بلکہ انکے فضل سے تو ہو سکتی ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں :-

تو مگو مارا بدان شہ بار نیست	با کریماں کارہا دشوار نیست

میرے اس کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے کیئے اگر کچھ نہ ہوگا تو وہ ایسے کریم ہیں کہ وہ سب کچھ خود کر دیں گے۔ اٹھ کر چلنا شروع تو کر دو پھر خود رحمت حق آغوش میں لیلے گی۔ اس ہی لئے ضرورت ہے کہ کام میں لگا رہے پھر سب کچھ آپ ہو رہے گا۔ اس کام میں لگے رہنے کو فرمایا ہے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی	شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

ملفوظ ۴۶۲ :- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ قرب کے لیے ظاہر اور باطن دونوں کی تکمیل اور درستی کی ضرورت ہے۔ یہ افراط و تفریط ہے کہ بعض نے ظاہر سے انکار کر دیا اور بعض نے باطن سے انکار کیا۔

ملفوظ ۴۶۳ :- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل افعال رذیلہ کا ہر شخص شکار بنا ہوا ہے۔ اس کا زیادہ تر سبب اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت سے محروم رہنا ہے۔ صحبت بڑی چیز ہے اور اس کی قدر اس لیے نہیں رہی کہ آخرت کی فکر نہیں ورنہ آخرت کی فکر میں رہنے والا اپنے کو اس سے کبھی مستغنی نہیں سمجھ سکتا۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بے عنایات حق و خاصان حق	گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

اور میں تو اس زمانہ میں صحبت اہل اللہ کو فرض عین کہتا ہوں۔ یہ زمانہ ہی بڑا نازک ہے اور تو کیا ایمان ہی کے لالے پڑ رہے ہیں اور اس کی حفاظت ان حضرات کی صحبت ہی سے ہو سکتی ہے تو جو چیز سبب ہو ایمان کی حفاظت کا اس کے فرض عین ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔

ملفوظ ۴۶۴ :- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس نیچریت کی بدولت زیادہ تر لوگوں کی دینی حالت برباد ہوئی۔ ان کے یہاں ہر چیز کا معیار اور مدار محض عقل ہے لیکن موٹی بات ہے کہ مخلوق احکام خالق کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے اور عقل بھی تو مخلوق ہی ہے وہ کہاں تک پرواز کرے گی۔ کہیں نہ کہیں جاکر اسکی دوڑ ضرور ختم ہو جائے گی۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را	بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اس لئے سخت ضرورت ہے کہ ان سب چیزوں کو وحی کے تابع بنا کر کام میں لگے۔ بدون وحی کے اتباع کے راہ کا ملنا کارے دارد۔ پس اصل چیز ہے وحی اور اگر نری عقل پر مدار رہے تو عقل کا ایک اقتضا تو یہ بھی

ہے جیسا ایک شخص نے کہا تھا وہ اپنی ماں سے بدکاری کیا کرتا تھا۔ کسی نے کہا ارے خبیث یہ کیا حرکت ہے، تو کہتا ہے کہ جب میں سارا ہی اس کے اندر تھا تو اگر میرا ایک جزو اس کے اندر چلا گیا تو حرج کیا ہوا۔ یہ حکم بھی تو عقلیات میں سے ہو سکتا ہے۔ ایک شخص گوہ کھایا کرتا تھا اور منع کرنے پر کہا کرتا تھا کہ جب یہ میرے ہی اندر تھا تو پھر اگر میرے ہی اندر چلا جاوے تو اس میں کیا حرج ہے تو ان چیزوں کو عقل کے فتوے سے جائز رکھا جاوے گا۔ ایسے ہی آج کل کے عقلاء ہیں۔ غرض عقل کا اتباع بدون وحی کے کرنا بالکل ان ہی واقعات کا مصداق ہے چنانچہ اب بھی نتیجہ یہی ہو رہا ہے اور ہوگا کہ گوہ کھا دیں گے اور کھا رہے ہیں۔ ایسی ہی عقل کی نسبت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

آج کل کے عاقل محض آکل ہیں۔ عقل کی ایک بات بھی نہیں ہر وقت اکل کی فکر ہے۔ ارے کیوں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہو۔ جب تک وحی کا اتباع نہ کرو گے میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ راہ نہیں مل سکتا۔ راہ ملنے کا طریق صرف انقیاد اور اطاعت ہے۔ جب تک وحی کے سامنے اپنی عقل کو اپنی راؤں کو نہ مٹاؤ گے اور فنا نہ کرو گے اس وقت تک ہرگز ہرگز منزلِ مقصود کا پتہ نہ چلے گا۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

اور جب انقیاد اختیار کرو گے پھر یہ حالت ہو جائے گی ؎

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ہر کجا درد بے دوا آنجا رود

ملفوظ ۴۶۵:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اتباعِ حق اور اتباعِ سنت بڑی چیز ہیں۔ اس سے دوسرے پر بھی اثر ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ہرقل کا ایک قاصد آیا اس نے مدینہ منورہ میں آکر لوگوں سے دریافت کیا جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت کو قصر خلیفہ اے حشم تا من اسپ و رخت را آنجا کشم

یہ جواب ملا ؎

قوم گفتندش کہ او را قصر نیست مر عمر را قصر جان روشنے ست

یہ اتباع اور تقوے کے برکات ہیں جس سے سب سر جھکا دیتے ہیں اسی کو فرماتے ہیں ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

اور فرماتے ہیں ؎

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

ملفوظ ۴۶۶:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی عقل نہ ہونے کی وجہ سے نیک ہو تو یہ بھی خدا کی رحمت ہے۔ بہت بڑا انعام ہے شاید عقل ہوتی تو اس کو شرارت میں صرف کرتا اس کی بھی قدر کرنا چاہیے۔

ملفوظ ۴۶۷:- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہندوؤں کے یہاں مُردے جلائے جاتے ہیں کیا اس کی کچھ اصل ہے۔ فرمایا کہ ہمارے حیدرآبادی ماموں صاحب نے اس کے متعلق ایک عجیب بات کہی۔ کوئی تاریخی بات تو ہے نہیں تخمینی ہی ہے مگر ہے جی کو لگتی۔ اس میں ایک مقدمہ کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ اصل مقتضا فطرت کا یہ ہے کہ کسی شے کے ناکارہ ہو جانے کے بعد اس کو اس عنصر میں ملا دیا جائے جو اس میں غالب ہو تو انسان میں چونکہ خاکی عنصر غالب ہے اس کو دفن کر کے خاک میں ملا دیتے ہیں۔ اور ہندوؤں کے پیشواؤں میں اکثر دیوتا جنات میں سے ہوئے ہیں ان میں نار غالب ہے تو عجب نہیں کہ ان کی شریعت میں یہ حکم ہو یا فلسفی طور پر قومی رسم ہو کہ ان کو بعد موت آگ میں جلا دیتے ہیں مگر شریعت محمدیہ چونکہ عام ہے اسلئے اس وقت جنات کے لیئے بھی کوئی حکم خاص نہیں۔

ملفوظ ۴۶۸:- ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بہت دن تک حکمت یونانی اور ڈاکٹری کے نسخہ استعمال کر کے دیکھ لیئے اب تو چند روز کے لیئے حکمت ایمانی کا سبق پڑھ کر دیکھ لو ذرا معلوم تو ہو اس راہ کی ہوا تو لگے یا ساری عمر یوں ہی گذار کر خدا کے سامنے جا کھڑے ہو گئے ؎

چند خوانی حکمت یونانیاں ۔۔۔ حکمت ایمانیاں راہم بخواں
صحت ایں حس بجوئید از طبیب ۔۔۔ صحت آں حس بجوئید از حبیب
صحت ایں حس ز معموری تن ۔۔۔ صحت آں حس ز تخریب بدن
علم نبود غیر علم عاشقی ۔۔۔ مابقی تلبیس ابلیس شقی!

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

ملفوظ ۴۶۹:- فرمایا کہ اس کے قبل بریلوی خانصاحب کے ایک شاگرد نے ایک کتاب تقریظ کے لیئے بھیجی تھی۔ میں نے لکھ دیا کہ مفصل دیکھنے کی ہمت نہیں اور مجمل مطالعہ تقریظ کے لیئے کافی نہیں۔ کیونکہ تقریظ شہادت ہے اس لیئے اس میں واقعہ کی پوری کیفیت معلوم ہونا شرط ہے۔ اس کے جواب میں آج ان کا دوسرا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ عام رواج علماء کا یہی ہے کہ ایک آدھ مقام دیکھ کر تقریظ لکھ دیتے ہیں۔ اب غور کیجیئے کہ جب یہ شہادت ہے تو بدون پورا دیکھے کیسے شہادت لکھ دوں۔ بعضے لوگ جیسے خود بد احتیاط ہیں اور رسم و رواج کے پابند ہیں۔ ایسا ہی دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں۔ اور پھر کتاب کی

بھی دوسری جلد بھیجی جو فقہیات میں ہے جس میں بدعت و سنت کا کوئی اختلاف نہیں، پہلی جلد نہیں بھیجی جو معلوم ہوا کہ عقائد میں ہے اور اس میں عقائد بدعیہ کی تائید کی ہے۔ اس کو بھیجتے تب تقریظ لکھنا۔ اس میں سوائے مزخرفات کے اور کیا ہوگا۔ تو اس کا تو ایک ادنیٰ ساجز و دیکھ کر بھی رائے لکھی جا سکتی تھی اس وجہ سے نہیں بھیجی۔ دوسرے ان بزرگ کو ایسی فرمائش کرتے شرم نہ آئی۔ ساری عمر تو گالیاں دیں اب تقریظ لکھوانے بیٹھے ہیں جس کا ایک سبب ہے۔ وہ یہ کہ مصنف نے اس کتاب کو حیدر آباد کے ایک بڑے عہدہ دار کے نام سے معنون کیا ہے۔ اور ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں۔ تو میری تقریظ سے یہ نفع حاصل کرنا چاہتے تھے کہ ان کے بہت سے نسخے خرید لیں۔ اگر میں تقریظ لکھدیتا تو اس کو کون دیکھتا ہے کہ یہ تقریظ کس جلد پر ہے، یہی مشہور کیا جاتا کہ کتاب پر تقریظ ہے تو اس میں ان عقائد کی بھی تصویب ہوتی۔ باقی یہ جو لکھا ہے کہ کچھ کتاب دیکھ کر تقریظ لکھدی جاتی ہے تو جن پر اعتماد ہوتا ہے انکی ہر بات پر اطمینان ہوتا ہے۔ اس اعتماد پر لکھدی جاتی ہے گو مجھ کو تو یہ پسند نہیں۔

ملفوظ نمبر ۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ خواہ مخواہ مجھ کو ان قصوں میں پھنساتے ہیں (کسی معاملہ میں فیصلہ کرنے کی درخواست کی گئی تھی) یہ کون سی محبت ہے کہ ایک بے تعلق شخص کو خلجان میں مبتلا کیا جاوے۔ پھر یہ کہ اگر وہ فیصلہ کسی کے خلاف ہوا تو میں اس فیصلہ کا نفاذ کس طرح کروں گا۔ عدالت تو سمن جاری کر سکتی ہے پکڑ کر بلوا سکتی ہے۔ میرے پاس کون سی قوت ہے جس سے یہ انتظام ہو سکے۔ مانع اول کی تائید میں فرمایا کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ، کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا کہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ مت کیجیو اور یتیم کے مال کی تولیت مت کیجیو، ان کے لئے تو یہ تجویز فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کے لئے سلطنت تجویز فرمائی، تو ہر ایک کا جدا حال ہے۔ ان قصوں میں پڑنے سے ایک مانع یہ ہے کہ فریقین کے اختلاف کے وقت اس میں شہادت ہوگی۔ اور شہادت میں شرط یہ ہے کہ ثقہ ہو۔ اور اس وقت حالت یہ ہے کہ صورت تو ثقہ مگر اندر بے ایمانی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے تو اس کا پتہ ہی چلنا مشکل ہے۔ اس کا کیا اطمینان ہوگا کہ یہ شخص قابل شہادت کے ہے یا نہیں۔ اور میں تو کیا بلا ہوں، کیا امید کروں کہ میرے سامنے کوئی جھوٹ نہ بولے گا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعضے لوگ جھوٹا حلف کر لیتے تھے۔ حضور کے سامنے اور جھوٹا حلف، کیا ٹھکانا ہے اس بے ادبی اور گستاخی کا۔ خلاصہ یہ کہ نزاعیات میں دو چیزیں ہیں، ایک تو شرعی حکم وہ تو معلوم ہے اور ذہن میں ہے اور ایک ہے اختلاف، تو فیصلہ میں زیادہ تر امر اہم اس کا معلوم کرنا ہے سو اس کا علاج نہ کسی کے ذہن میں ہے نہ مقدمہ کی مثل دیکھ کر آ سکتا ہے۔ تو اگر اختلاف رہا تو پھر تجویز اور تنفیذ دونوں میں کیا کر سکوں گا۔ مسلمانوں کی خدمت سے انکار نہیں مگر قدرت میں بھی تو ہو اور طالب علموں کو ایسے قصوں میں پڑنے سے سلف نے بھی منع فرمایا ہے۔ چنانچہ امام محمد صاحب نے وصیت فرمائی ہے کہ

علماء کسی دستاویز پر دستخط یا گواہی نہ کریں۔ شامی نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے اور وجہ اس کی غور کرنے سے یہ ہے کہ اہل علم کو ایسے طریق پر رہنا چاہیے کہ وہ سب کی نظر میں یکساں ہوں۔ کسی کے مخالف اور موافق نہ سمجھے جائیں، ورنہ ان کو ایک فریق میں شمار کر لیا جاوے گا اور ان سے جو نفع عام ہو رہا ہے وہ بند ہو جاوے گا۔ دیکھئے یہ اجازت اس وقت تھی جس کی بناء پر امام صاحب نے فرمایا اور اب تو ویسے بھی لوگ علماء سے بدظن ہیں۔ اب تو بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔ پھر ان سب کے علاوہ خاص میری طبیعت اور حالت کا بھی یہی مقتضا ہے۔ چنانچہ اگر آپ یہاں پر دو چار روز رہ کر دیکھیں تو معلوم ہو کہ میں سوائے ایک کام کے اور کسی کام کا نہیں ہوں۔ اور تحریکات حاضرہ میں جو میں شریک نہیں ہوا اس کی ایک وجہ تو یہی تھی کہ اس مجموعہ کو شریعت کے خلاف سمجھتا تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ خلاف طبیعت بھی تھا۔ ہر وقت دوسروں کی احتیاج، ہر وقت یہ فکر کہ دیکھئے کہیں جماعت میں سے کوئی کم نہ ہو جائے، یہ نہ ہو جائے وہ نہ ہو جائے۔ اور جو اہل علم ان تحریکات میں شریک ہوئے ان میں سے اکثر کسی کام کے نہیں رہے یعنی جو ان کے فرائض تھے اس کے کام کے نہ رہے البتہ ایک کام کے رہ گئے کہ جو طواغیت کفر کے زبان سے نکلے اُسے قرآن و حدیث سے ثابت کر دیں اور آگے ختم۔

ملفوظ ۱۴۷۱:- فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ کثرت مشاغل کی وجہ سے اوقات پر کام نہیں ہوتے۔ اس طریق کی تسہیل کی کوئی تدبیر تحریر فرمائی جاوے۔ میں نے لکھ دیا کہ سہل کی کیا تسہیل ہوتی۔ مطلب یہ کہ طریق صحیح خود اس قدر سہل ہے کہ اس کی تسہیل کی درخواست تحصیل حاصل کی درخواست ہے۔

ملفوظ ۱۴۷۲:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مولوی سعید احمد صاحب مرحوم سے (یہ میرے بھانجے تھے) مجھ کو سارے خاندان سے زیادہ محبت تھی، جس روز اُن کا انتقال ہوا جمعہ کا دن تھا۔ دفن کے بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں پڑھی وعظ بھی ہوا۔ اس روز کچھ مہمان بھی تھے ان کو کھانا بھی کھلایا خود بھی کھایا۔ باقی دل پر جو گذر رہی تھی وہ گذر رہی تھی۔ ایک شخص نے کہا کہ ایسے وقت میں وعظ کیسے کہا۔ میں نے کہا کہ جس وقت دل دُکھا ہوا ہو دردمند ہو اس وقت تو وعظ زیادہ مفید ہوتا ہے۔

ملفوظ ۱۴۷۳:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں معترضین کو اور اعتراضات کو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہوں۔ ہزاروں روپیہ صرف کرنے پر بھی یہ بات نصیب نہ ہوتی جو یہ لوگ مفت میں کرتے ہیں۔ گو ان کی نیت اچھی نہ ہو مگر مجھ کو تو اپنے زلات سے آگاہی ہو جاتی ہے اور اس مضمون کی تصحیح ہو جاتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ مخالف سے وہ کام لے رہے ہیں جو بعض اوقات اپنے بھی نہیں کر سکتے۔

ملفوظ ۴۴۴:- ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرات میں یہ ایک خاص بات تھی کہ وہ جامع مراتب اعتدال تھے نہ متکبر تھے نہ تصنع کے متواضع۔ سادگی کے ساتھ ان میں استغناء کی شان تھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی دینی ضرورت سے ایک مرتبہ ریاست رام پور تشریف لے گئے۔ نواب صاحب کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا تشریف لائے ہیں۔ نواب صاحب نے مولانا سے ملاقات کے لئے تشریف لانے کی درخواست کی۔ مگر مولانا تشریف نہیں لے گئے اور یہ عذر فرمایا کہ ہم دیہات کے رہنے والے ہیں، آدابِ شاہی سے ناواقف، نہ معلوم ہم سے کیا گڑبڑ ہو جائے جو آدابِ شاہی کے خلاف ہو۔ اس لئے مناسب نہیں۔ نواب صاحب نے جواب میں کہلا کر بھیجا کہ آپ تشریف لائیں آپ سے آداب کون چاہتا ہے، ہم خود آپ کا ادب کریں گے۔ ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ مولانا نے پہلے تو انکسار کا جواب دیا تھا جب اس پر اصرار ہوا پھر ضابطہ کا جواب کہلا کر بھیجا کہ عجیب بات ہے اشتیاق تو آپ کو اور آدیں میں۔ غرضکہ مولانا تشریف نہیں لے گئے اور باوجود اس فطری آزادی اور استغناء کے روڑکی میں دوسرا رنگ ظاہر ہوا کہ مجسٹریٹ کے بلانے پر ملنے سے انکار نہیں کیا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ روڑکی میں دیانند نے حضرت مولانا سے مناظرہ کا اعلان کیا۔ حضرت مولانا کو اطلاع ہوئی۔ آپ اس زمانہ میں ضیق النفس سے سخت علیل تھے۔ مگر باوجود اس کے روڑکی تشریف لے گئے اور بھی چند خدام ہمراہی میں تھے۔ آپ نے سب سے فرمایا کہ کھانا سب بازار سے کھا دیں۔ کسی پر بار نہ ڈالیں۔ وہاں کے مجسٹریٹ کو تشریف آوری کی خبر پہنچی سنتے ہی اول یہ کہا کہ ایسے ہی روٹیاں کھانے والے مولوی ہوں گے۔ لوگوں نے واقعہ بازار سے کھانا کھانے کا بیان کیا تب اس کے دل میں قدر ہوئی اُس نے مولانا سے تشریف آوری کی درخواست کی۔ یہ مولانا کی عادت کے بالکل خلاف تھی۔ مولانا دنیا کے بڑے لوگوں سے ملتے نہ تھے حتیٰ کہ نواب صاحب سے ملاقات نہیں کی۔ مگر مجسٹریٹ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ یہاں مصلحتِ دین کو اپنی فطری عادت پر مقدم فرمایا اور وہ مصلحت مکالمہ سے معلوم ہو گی۔ اس نے روڑکی آنے کی وجہ دریافت کی۔ مولانا نے فرمایا کہ دیانند دعوتِ مناظرہ دیتا پھرتا تھا۔ اس سے مناظرہ کے لئے آیا ہوں۔ اب جب میں آگیا تو وہ انکار کرتا ہے۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ ہم اس کو بلائیں گے۔ غرضکہ دیانند کو بلایا اور دریافت کیا کہ مناظرہ کیوں نہیں کرتے۔ دیانند نے کہا کہ فساد کا خوف ہے۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ فساد کا تم خوف مت کرو۔ فساد کے ہم ذمہ دار ہیں۔ مولانا نے فرمایا اگر مجمع میں فساد کا اندیشہ ہے تو اس وقت تو مجمع نہیں، اب سہی۔ دیانند نے کہا اس وقت تو میں اس ارادہ سے نہیں آیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ارادہ تو فعل اختیاری ہے اب ارادہ کر لو مگر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوا۔ یہ شان ہے ہمارے بزرگوں کی۔ نہ تکبر کہ باوجود مصلحت کے مجسٹریٹ سے بھی نہ ملیں اور نہ تذلل کہ خواہ مخواہ نواب صاحب کی ملاقات کو سبب عزت اور فخر کا سمجھیں۔ ان حضرات کی نظر میں مقصودِ اصلی دین ہی تھا۔ دین کی وجہ سے تو مجسٹریٹ سے مل لئے اور دنیا کی وجہ سے بڑے سے بڑے نواب کو بھی منہ نہ لگایا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں بڑے بڑے لوگ لوٹتے اور غبار بھرے بوریوں پر آکر بیٹھتے تھے اور ان میں جو دین کے لئے آتے ان کی رعایت بھی ہوتی تھی پس یہ حدود تھے۔ اسی رعایت حدود کے تحت میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بزرگوں کا ارشاد ہے "نعم الامیر علیٰ باب الفقیر" پس جو امیر فقیر کے دروازہ پر آگیا وہ صرف امیر نہیں نعم الامیر ہے۔ اس کے نعم ہونے کی قدر کرنا چاہیئے البتہ متکبر امراء سے بالکل ہی خلط کرنا نہیں چاہئے۔ اس میں بہت مفاسد ہیں جن میں بڑا مفسدہ یہ ہے کہ یہ علم دین اور اہل دین کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں۔ میرا ایسے امراء کے ساتھ اس قسم کا خشک برتاؤ کرنا اس کا اصلی ۔۔۔ یہی ہے کہ ان کے معاملہ کا منشا اور نیت نہایت ہی فاسد ہے۔

ایک مرتبہ نواب صاحب ڈھاکہ نے علماء دیوبند کا ایک وفد طلب کیا اور مجھ کو بھی خط لکھا۔ میں نے تو عذر کر دیا اور وفد تیار ہوگیا۔ اور وفد کے اہل علم احباب خاص کے اصرار پر میں نے بھی تیاری کر لی۔ مگر میں نے یہ شرط کر لی کہ میں کرایہ نہ نواب صاحب سے لوں گا نہ مدرسے سے خود اپنے کرایہ سے جاؤں گا۔ دوسرے یہ کہ چونکہ نواب صاحب سے عذر کر چکا ہوں اس لئے ان کے یہاں نہ ٹھہروں گا کسی مؤذن یا امام مسجد کے یہاں ٹھہروں گا۔ اگر نواب صاحب خاص طور پر دعوت کریں گے تو اس وقت جیسا مناسب ہوگا۔ جب کلکتہ پہنچے تو جو صاحب نواب صاحب کی طرف سے منتظم تھے ان سے ایک گفتگو میں بے لطفی ہوگئی۔ اس وقت وہ شرائط کام آئیں۔ چنانچہ میں اپنے کرایہ سے کلکتہ ہی سے واپس ہوگیا۔ اور الہ آباد ہوتا ہوا گھر آگیا۔ تو ان منتظم صاحب نے جو بے اصول گفتگو کی منشا ان کا وہی فساد خیال تھا۔ اس لئے اسلم یہی ہے کہ ان متکبر امراء سے بالکل ہی آزاد اور مستغنی رہنا چاہیئے بخصوص اس وجہ سے بھی کہ اہل علم کو تو ان امراء سے کوئی نفع ہوتا نہیں اور غرباء کو جو نفع اہل علم سے ہو سکتا ہے وہ آیا گیا ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے علماء سے عام غرباء کو بدگمانی ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان متکبروں کیساتھ آن بان ہی سے رہنا چاہیئے۔ میں جب حیدرآباد دکن گیا تھا۔ ایک دوست نے مدعو کیا تھا۔ دیوبند میں بعض احباب اہل علم سے میں نے مشورہ کیا تھا کہ کوئی ایسی تدبیر بتلایئے کہ نواب صاحب سے ملاقات نہ ہو مگر کوئی تدبیر کافی معلوم نہیں ہوئی۔ پھر حیدرآباد پہنچ کر بعض امراء نے اس کا اہتمام کرنا چاہا کہ نواب صاحب سے ملاقات ہو میں نے انکار کر دیا کہ ان کو تو کچھ نفع نہیں۔ اس لئے کہ میں کھل کر ان کو خطاب نہیں کر سکتا اور دب کر خطاب کرنے سے اثر نہیں ہوتا۔ اور عوام کو مضرت ہی مضرت ہے۔ ان کو بدگمانی ہو جاتی ہے۔

غرض ان امراء سے مل کر دین کا نقصان ہی ہوتا ہے۔ ہاں اگر وہ خود تواضع و خلوص کے ساتھ طالب ہوں تو پھر نفع بھی ہو سکتا ہے اور جب ان کو تو طلب نہ ہو اور علماء ان کے دروازوں پر جاکر گداگری کریں تو وہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز ہمارے پاس ہے۔ یہ اس کے طالب ہیں تو پھر اگر وہ تحقیر کا برتاؤ کریں تو ان کی کوئی شکایت نہیں۔ اس لئے کہ طالب دنیا کے ساتھ تو ایسا برتاؤ کیا ہی جاتا ہے

اور اگر اس حالت میں بھی اس کی تحقیر نہ کریں تب وہ قابلِ مدح اور علماء و مشائخ قابلِ مدح ہیں۔ اسی بناء پر ہمارے حیدر آباد والے ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ فلاں مقام کے امراء تو جنتی ہیں اور مشائخ اور فقراء دوزخی۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ امراء تو فقراء سے تعلق رکھتے ہیں دین کی وجہ سے اور فقراء امراء سے تعلق کرتے ہیں دنیا کی وجہ سے اور طالبِ دین جنتی ہے اور طالبِ دنیا دوزخی پھر دنیا کے لئے امراء سے ملنے میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ جب آدمی کسی سے اپنی غرض وابستہ سمجھتا ہے اس وقت اس سے لچتا اور دبتا ہے۔ اور جب اپنی کوئی غرض متعلق نہ ہو تو پھر لچنے اور دبنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے میں علماء کو امراء کے ساتھ شان اور آن بان سے دیکھنا چاہتا ہوں جس کو حافظ فرماتے ہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مےِ گلگوں باشی ؛ بے زر و گنج و بصد حشمت قاروں باشی

ہمارے بزرگوں کا بحمد اللہ یہی طرز رہا ہے کہ بے غرضی کی وجہ سے بات صاف معاملہ صاف کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، دین کی وجہ سے سب سے یکساں تعلق اور دنیا کی وجہ سے کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔

ملفوظ ۴۷۵:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں آج کل یہ مرض بھی عام ہو گیا ہے کہ دنیوی مقاصد اور سائنس کے مسائل کو زبردستی قرآن پاک میں ٹھونسنا چاہتے ہیں جو نہایت ہی خطرناک بات ہے اور یہ اس کو فخر سمجھتے ہیں۔ میں ہمیشہ اس طرز سے منع کرتا ہوں۔ قرآن پاک کا یہی فخر ہے کہ اس میں غیر دین کچھ نہیں ہے۔ میں نے اکثر وعظوں میں اس مضمون کو نہایت بسط اور شرح کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس طرز کا مضر ہونا ثابت کیا ہے۔ لوگ دین محض کی باتوں کو کہتے ہیں کہ یہ خشک مضامین ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ تمہارے تر مضامین ایسے ہیں کہ جن میں آگے چل کر ڈوب ہی مرنا پڑے گا۔ بہت سے دشمن دوست نما ہوتے ہیں کہ دوستی کے پردے میں دشمنی کرتے ہیں۔ یہ طرز اسلام کے ساتھ دوستی نہیں دشمنی ہے اگر آج ایسی چیزیں تم نے قرآن پاک سے ثابت کر دیں اور کل کو وہ تحقیق کے بعد غلط ثابت ہوئیں، تو یہ تو قرآن کی تکذیب کا سامان کر رہے ہو۔ قرآن پاک کا تو یہی کمال ہے کہ اس میں غیر دین نہ ہو۔ جیسے طب اکبر کہ اس کی طبی کتاب ہونے کا یہی معیار ہے کہ اس میں امراض کی پہچان اور نسخوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر اس میں جوتہ سینے کی ترکیب کو داخل کر دیا جائے تو یہ اس کا نقص ہوگا۔ ایسے ہی قرآن پاک ہے کہ اس میں طب روحانی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور جو لوگ اسلام کے ساتھ دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں اور واقع میں دشمنی کرتے ہیں انکی وہی مثال ہے ؎

یکے بر سرِ شاخ و بن می برید ؛ خداوند بستان نگہ کرد و دید (الی آخرہ)

ملفوظ :- ۴۷۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل افراط و تفریط میں عوام کو تو کیا خواص تک کو ابتلا ہے۔ اس کے متعلق دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو مباحات میں حد سے زیادہ وسعت کرتے ہیں۔ اور ایک وہ جو مباحات میں حد سے زیادہ تنگی کرتے ہیں اور یہ دونوں مذموم ہیں۔ محمود حالت یہ ہے کہ خیر الامور اوسطہا۔ مگر اعتدال اس زمانہ میں قریب قریب گم ہی ہو گیا۔ مثلاً کپڑے کا اہتمام بعض کو اس قدر ہے کہ ہر وقت بازاروں میں گشت کرتے رہتے ہیں۔ چھانٹ چھانٹ کر خریداری ہوتی ہے دور دور سے نمونے منگائے جاتے ہیں۔ دوستوں کو جمع کر کے انتخاب کرایا جاتا ہے۔ خصوص عورتوں کے اندر یہ مرض بہت ہی زیادہ ہے۔ اور اسی طرح ان لوگوں میں بھی جو فیشن کے دلدادہ ہیں ان جنٹلمینوں اور عورتوں کے خواص میں قریب قریب کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا، بلکہ ایک درجہ میں انھوں نے عورتوں کو بھی مات کر دیا۔ کپڑے کا میل اور رنگ کی موزونیت کاٹ تراش ان کا ایک مستقل مشغلہ ہو گیا۔ بناؤ سنگار، مانگ چوٹی، کنگھی ان کا ہر وقت کا سبق ہو گیا۔ یہ تو لباس کے متعلق کلام تھا۔ اسی طرح کلام کے متعلق افراط و تفریط ہو گیا۔ یعنی بعض کو تو کلام کا اس قدر قحط ہے کہ ہر وقت منہ چڑھائے بیٹھے رہتے ہیں۔ جیسے کوئی فرعون بے سامان، بے سامان اس لئے کہا کہ فرعون کے پاس تو بڑائی کے سامان تھے اور ان کے پاس سامان بھی نہیں اور پھر فرعون بنے ہوئے ہیں۔ ضروری کلام کرنے میں بھی بخل ہے اور بعض کو کلام کا اس قدر ہیضہ ہو جاتا ہے کہ ضرورت بلا ضرورت ہر وقت مشین کی طرح باتوں کا پہیہ گھومتا ہی رہتا ہے۔ کہیں حکایتیں ہیں کہیں اخبار ہیں کہیں ملک اور سیاست پر گفتگو ہے۔ اور یہ مذاق زیادہ تر اخباروں کی بدولت بگڑا ہے۔ غرض چوبیس گھنٹے میں شاید ہی کچھ وقت اور کاموں کے لئے ملتا ہو ورنہ سب ان ہی خرافات میں ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عمارات میں بعض کو حدود سے تجاوز ہو رہا ہے۔ مکان بنوانے کا خاص شوق ہے۔ بڑے اہتمام اور انہماک کے ساتھ اس میں اپنے اوقات اور روپیہ کو صرف کرتے ہیں، اس کی آرائش میں کہیں سے گلدستے آ رہے ہیں کہیں سے فوٹو منگائے جا رہے ہیں۔ کہیں نقشوں کے لئے لکھا جا رہا ہے۔ اسی طرح بعض کو باغات کا شوق ہے وہ ہر وقت اس کی پرورش اور اوس اور پھول پھلواری کے اندر مصروف ہے۔ اس ہی ادھیڑ بن میں وقت اور عمر کو صرف کیا جا رہا ہے آخرت کی مطلق فکر نہیں۔ اور ان اہل فضول میں سے یہ نیچری جنٹلمین بیچارے خصوصیت کے ساتھ بڑی مصیبت میں ہیں۔ کیونکہ کہنے تو ہیں اپنے کو آزاد مگر ہزاروں پابندیوں کا شکار بنے ہوئے ہیں اور ہزاروں بیڑیوں اور ہتکڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جب کہیں جائیں گے تو کم از کم ایک، دو گھنٹے کنگھی چوٹی سنگار ہو گا۔ کہیں کوٹ ہے تو یہ فکر ہے کہ اس کے ساتھ واسکوٹ کیسی ہونا چاہئے۔ پھر اس پر ہیٹ یا ترکی ٹوپی کیا موزوں ہو گی۔ اور موزے کیسے اور کس رنگ کے ہوں۔ بوٹ سفید رنگ کا ہو یا سیاہ رنگ کا اور

اور کم از کم آدھ گھنٹہ داڑھی کی صفائی کے لئے چاہیے کہیں کوئی کیل نہ رہ جائے۔ مزاحاً فرمایا کہ دیکھنا تو آخرت میں بھی داڑھی کی تو کیا سر پر بھی نہ رہے گی۔ میں تو جب کسی کو بناؤ سنگار سے رہتا ہوا دیکھتا ہوں تو سمجھ جاتا ہوں کہ یہ شخص کمال سے کورا ہے اس لئے فضول میں مبتلا ہے۔ نیز صاحب کمال کو ظاہر کے سنوارنے کی ضرورت بھی نہیں، کسی نے خوب کہا ہے ؂

نباشد اہل باطن درپئے آرائش ظاہر　　بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را

کیونکہ جب کسی کو خداداد حسن اور کمال عطا ہوتا ہے تو اس کے اندر خود ایک شان استغنا کی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کو کسی ظاہری اہتمام کی ضرورت نہیں رہتی جس کو خداداد حسن و جمال مل چکا ہو اسکو پوڈر کی کیا ضرورت بقول حافظؒ ؂

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند　　دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد

اور ایسی تن آرائی اور تن پروری کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے ؂

عاقبت سازد ترا از دیں بری　　ایں تن آرائی و ایں تن پروری

اور ان کے مقابل ایک وہ لوگ ہیں جو مباحات میں اب قدر تنگی کرتے ہیں جس سے کفران نعمت کا درجہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ان کے یہاں وسعت مباحات کی بدولت اسراف کا درجہ پیدا ہوا تھا تو ان کے یہاں کفران نعمت کا درجہ پیدا ہو گیا۔ دوسری جانب حد سے زیادہ چل پڑے خود رائی بھی کمبخت ہے بُری چیز ۔۔۔ یہ سب فساد اس خود رائی کا ہے۔ اب لوگوں کی حالت سُنئے، کسی نے اچھا کھانا چھوڑ دیا۔ کسی نے ٹھنڈا پانی چھوڑ دیا، حتیٰ کہ بعض نے بیوی بچوں کو چھوڑ دیا۔ بعض نے آبادی اور گھر کو چھوڑ کر جنگل اور پہاڑوں کو اپنا مسکن بنا لیا۔ منشاء ان چیزوں کا نفس کی شرارت ہے کہ اس سے شہرت ہو جاتی ہے۔ وہ مثل صادق آتی ہے کہ روپیہ کو روپیہ کماتا ہے تو اس صورت میں دنیا کو دنیا سے کمایا جاتا ہے۔ یہ سب دنیا ہی ہے۔ عام لوگ ان باتوں کی سبب بزرگی سمجھنے لگتے ہیں اور تارک دنیا سمجھ کر گرویدہ اور معتقد ہو جاتے ہیں پھر خوب روپیہ کماتے ہیں۔

ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا تھا کہ ٹھنڈا پانی پیتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ یہ تو صغریٰ ہے اور کبریٰ کیا ہے کہ ٹھنڈا پانی پینا منع ہے ناجائز ہے یہ سب خرافات ہیں مگر ان باتوں کو درویشی میں داخل کر رکھا ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے پانی ٹھنڈا پیو کہ روئیں روئیں سے الحمد للہ نکلے۔ کیسی محققانہ اور حکیمانہ بات فرمائی۔ واقعی یہ حضرات حکیم ہیں۔ اور حضرت ہی فرمایا کرتے تھے کہ خوب کھاؤ پیو اور خوب نفس سے کام لو اور صاحبو! آخر نفس کے بھی تو کچھ حقوق ہیں یہ سب افراط تفریط ہے مگر لوگوں کو ان باتوں میں مزا آتا ہے حالانکہ یہ دونوں حالتیں مذموم ہیں۔ جب خدا نے ہمارے لئے ایک چیز کو جائز فرما کر حکم دیا کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا تو کھاؤ پیو، ہاں اس کا خیال

رکھو کر وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ بھی فرمایا ہے۔ اس افراط و تفریط کے متعلق مولانا نے خوب کہا ہے ؎

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی　　　چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیا میں نہ تو انہماک کے ساتھ مشغول ہو کر اس میں بالکل ہی کھپ جاؤ اس لئے کہ ایسی حالت میں اس دنیا سے جدا ہونے کے وقت سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے اور یہ اس لئے کہ جو چیز محبوب ہوتی ہے اس کے جدا ہونے کے وقت جو شخص اس محبوب سے جدا کرنے والا ہوتا ہے اس سے قلب میں دشمنی ہو جاتی ہے تو کہیں بوقت موت اور جان کندنی کے قلب میں حق تعالیٰ کے ساتھ دشمنی نہ ہو جاوے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے اور نہ اتنا غلو کرو کہ دنیا کو بالکل ہی ترک کر دو یا کسب دنیا کو بالکل چھوڑ دو۔ اعتدال یہ ہے کہ ضرورت کے وقت کسب کو تو نہ چھوڑو کہ اس سے حدود میں رہ کر دین میں مدد ملتی ہے اور حدود سے گذر کر جو درجہ حُبِّ دنیا کا ہے اس حُبِّ دنیا کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ یہ بڑی بے وفا ہے اس نے کسی کو اچھوتا نہیں چھوڑا۔ سب کو داغی بنا دیا۔ اور یہ داغی ہونا باغی ہونے کی یعنی حدود سے گذرنے کی وجہ سے ہوا۔ کیا دنیا سے محبت کر کے آخرت سے محبت کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہو۔ جب تم کو اس فانی اور ناپائدار مُردار دنیا کی معمولی چیزوں سے استغناء نہیں۔ اور ان کی ضرورت ہے بلکہ بلا ضرورت بھی اس میں انہماک کا درجہ ہے اور اس کی طلب اور اس کی محبت میں تم اس قدر چور اور مست ہوئے کہ آخرت کو بھلا دیا اور اس کے حصول میں تم نے اپنی جان مال عزت آبرو سب کچھ فنا کر دیا تو اگر کسی کو آخرت اور اللہ رسول کے ساتھ ایسا ہی شدید تعلق ہو اس طرف انہماک ہو تو تم اس کو دیوانہ بتلاتے ہو۔ اور اگر یہی بات ہے تو صاحبو تم بھی دیوانہ ہو اور وہ طالب آخرت بھی دیوانہ ہے مگر فرق ان دونوں کی دیوانگی میں یہ ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم　　　مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

حاصل یہ کہ خالق کو چھوڑ دینا اس کے احکام سے منہ موڑ لینا اصل دیوانگی تو یہ ہے اور یہی دیوانگی قابلِ ملامت اور قابلِ لعنت ہے اور خدا کو راضی کرنا ان سے تعلق کو جوڑنا ان کے احکام کی پابندی کرنا اول تو وہ دیوانگی نہیں اور اگر ہے تو ہزاروں لاکھوں ہوشیاریاں اور بیداریاں ایسی دیوانگی پر قربان ہیں۔ اگر اس دیوانگی کی اور اپنی دیوانگی کی حقیقت معلوم ہو جائے تو بزبانِ حال یہ کہنے لگو ؎

ایں ندانستند ایشاں از عمی　　　درمیاں فرقے بود بے منتہا

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ملفوظ ۴۷۷:- ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آخر تم لوگوں کو ہوا کیا، آتے ہی کیوں ستانے لگتے ہو سیدھی اور صاف بات کو الجھا دیتے ہو۔ کیا بدفہمی کا کوئی خاص مدرسہ ہے جہاں تم سب کے سب تعلیم پا کر آتے ہو۔ صورت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور صورت ہیں اور اندر سے

گوبر بھرا ہے، کہاں تک تم لوگوں کی اصلاح کی جائے۔ اگر کوئی باریک اور دقیق بات ہو اور اس میں کوئی غلطی ہو جائے تو ایک درجہ میں معذوری ہے کہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اور ان موٹی موٹی باتوں میں الجھنا کہ جن کو ہر وقت ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور ان میں یہ گڑبڑ کرنا حیرت ہے مجھ کو تو بدنام کیا جاتا ہے اور اپنی حرکات کو نہیں دیکھتے کہ ہم آکر کیا کرتے ہیں۔ بلاوجہ اس وقت طبیعت کو مکدر کیا اور ایک سیدھے سوال کو ایچ پیچ میں ڈال کر اپنی بدعقلی اور بدفہمی کا ثبوت دیا۔ میں نے یہی تو سوال کیا تھا کہ یہ سفر کس نیت سے کیا، جس پر آپ فرماتے ہیں کہ مجھ کو خبر نہیں۔ جب اتنی بھی خبر نہیں تو آگے کیا پتھر پڑیں گے۔ میں ایسے بدفہم اور کم عقل سے تعلق رکھنا نہیں چاہتا خواہ مخواہ اس وقت بدمزگی پیدا کی۔ کیا اس میں بھی کسی کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ بس اب یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر مصلح کا نام دریافت کرو گے میں بتا دونگا اس لئے کہ اصلاح تو فرض ہے اور یہ فرض نہیں کہ میں ہی اصلاح کروں۔ بات یہ ہے کہ اصلاح موقوف ہے مناسبت پر، بدون مناسبت کے نفع نہیں ہو سکتا۔ اور مناسب مجھ کو تم سے نہیں ہو سکتی۔ ان صاحب نے اپنی غلطی کی معافی چاہتے ہوئے عرض کیا کہ مجھ کو مصلح کا نام بتلا دیا جائے۔ حضرت والا نے ایک پرچہ پر مصلح کا پورا پتہ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ اب معاملہ یکسو ہونے سے قلب ایک دم صاف ہو گیا۔ تمام کلفت جو ان سے پہنچی تھی بحمد اللہ زائل ہو گئی۔ اس لئے کہ اس میں انھوں نے عقل سے کام لیا۔ یہ ہے میری حالت جس پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے۔

ملفوظ ۴۷۸: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بدون ذکر اللہ کے حقیقی راحت میسر نہیں ہو سکتی۔ اور یہی وجہ ہے اور میں اس پر قسم بھی کھا سکتا ہوں کہ اہل اللہ کے برابر کسی کو راحت نہیں مل سکتی، ان کو وہ دولت عطا فرمائی گئی ہے کہ دوسروں کو نصیب نہیں، گو ظاہری تکالیف میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور دوسرے برابر ہیں۔ مگر ان کے دل سے پوچھو کہ ان کو اس میں بھی کیسی راحت ہے۔ مدار راحت کا قلب ہے اور قلب میں ان کے پریشانی نہیں اس لئے وہ بزبان حال یہ کہتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من
دل وندائے یار دل رنجان من

ملفوظ ۴۷۹: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو بدنام کرنے اور مجھ پر تہمت لگانے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ مجھ کو اپنے مذاق کے تابع بنانا چاہتے ہیں لیکن میں ان کو اپنے مذاق کا تابع بنانا نہیں چاہتا بلکہ اصول صحیحہ کا تابع بنانا چاہتا ہوں اور خود بھی اصول صحیحہ کا تابع رہتا ہوں۔ لوگ اس کو تشدد سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ میرے اس طرز میں بھی ایک بڑا نفع ہے۔ وہ یہ کہ فہیم لوگ تو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں اور بدفہم تعلق نہیں رکھتے اس سے راحت ملتی ہے اور ضروری کام بھی سب ہوتے رہتے ہیں، ورنہ عوام کا ہجوم ہوتا اور کام بھی کچھ نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ میں نے خیال کیا کہ لاؤ میں ہی ان اصول کو چھوڑ دوں مگر پھر خیال آیا کہ اس میں اپنی مصلحت تو ہو گی کہ لوگ زیادہ محبت کرنے لگیں گے مجمع زیادہ ہونے لگے گا،

معتقد زیادہ ہو جاویں گے، نذرانہ زیادہ ملنے لگے گا، شہرت زیادہ ہو جائے گی مگر آنیوالوں کی صحیح خدمت نہ ہوگی، وہ جس خیال سے آتے ہیں اس سے ان کو محرومی رہے گی اور یہ ایک قسم کی خیانت ہو گی۔ اور اب تو ماشاءاللہ ہر کام اصول سے ہو رہا ہے۔ میں خود بھی ان اصول کے تابع رہتا ہوں اور دوسروں کو بھی ان کا تابع رکھتا ہوں۔ نہ میں خود دوسروں کے تابع ہوتا ہوں اور نہ دوسروں کو اپنا تابع بنانا چاہتا ہوں۔ اس حالت میں جس کا دل چاہے تعلق رکھے جس کا نہ چاہے نہ رکھے ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

اور ایسے موقع پر میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں، کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

میں جیسا ہوں اپنا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیتا ہوں۔ اگر کسی کو پسند آوے تعلق رکھے ورنہ چھوڑ دے۔ میں نے کسی کے بلانے کا یا تعلق رکھنے کا اشتہار تھوڑا ہی دیا ہے جس کو مناسبت ہو آوے ورنہ مت آوے کیونکہ اس طریق میں نفع صرف مناسبت پر موقوف ہے۔ فلاں مولوی صاحب، فلاں مولوی صاحب کو لے کر آئے تھے کہ ان کو مرید کر لو۔ میں نے صاف کہدیا کہ سب سے اول یہ سمجھ لیجئے کہ میں نہ تو متکبر ہوں کہ کمال کا مدعی ہوں۔ اور نہ عرفی متواضع کہ تصنع سے یہ عذر کرنے لگوں کہ میں اس لائق نہیں بلکہ ایک سچ بولنے والا آدمی ہوں سادگی سے سب باتیں صاف صاف عرض کر دوں گا۔ وہ یہ ہے کہ میں کامل نہیں مگر طالبین کی ضروری خدمت بفضلہ تعالیٰ کر سکتا ہوں۔ لیکن اس طریق میں نفع کے لئے شرط اعظم مناسبت ہے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ ان صاحب کو مناسبت کس سے ہے، تو ظاہر ہے کہ آپ حضرات میں تو باہم مناسبت ہے۔ کیونکہ آپ بھی خادم قوم ہیں اور یہ بھی خادم قوم اور میں نادم قوم ہوں کہ قوم کی کوئی خدمت نہیں کی غرض مدار مناسبت پر ہے باقی کامل نہ آپ نہ میں مگر ان کی خدمت دونوں کر سکتے ہیں۔ بس یہ ہے کچا چٹھا اور ہمارے بزرگوں کا بھی مذاق تھا کہ ان میں نہ مصنوعی تواضع تھی نہ تکبر تھا، خصوص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں یہ صفت خاص شان کی تھی، حتیٰ کہ اپنے کمالات بھی بیان فرمایا کرتے تھے اور اپنے نقائص بھی۔

ملفوظ ۸۴۴:- ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کبھی تواضع بھی بصورت تکبر ہوتی ہے۔ بعض لوگ اسلئے تواضع کرتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں میں ممدوح ہو جائیں۔ سو اس نیت سے تواضع اختیار کرنا یہ بھی تکبر ہے۔ ایسے ہی اشتباہات کے سبب اس راہ میں راہبر کی سخت ضرورت ہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو
بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

جب ایسا راہبر مل جاوے تو تم اپنا کل کچا چٹھا اس کے سامنے کہہ دو اور وہ جو کہے اس کا اتباع کرو

اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو ۔۔۔ پیش مردے کاملے پامال شو

اور یہ طریقہ اگر خلوص سے بھی اختیار نہ کرو تو بطور امتحان ہی کے کر کے دیکھ لو۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش ۔۔۔ آزموں را یک زمانے خاک باش

ملفوظ ۴۸۱: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ اہل تحریکات بڑے خوش ہوتے پھرتے ہیں کہ ہماری تدبیر سے لوگوں کے دلوں سے حکومت کا خوف جاتا رہا مگر یہ بات کچھ خوش ہونے کی نہیں بلکہ خطرہ کی ہے۔ کچھ معلوم بھی ہے کہ امن کی جڑ خوف ہی ہے اور امن خود مطلوب چیز ہے۔ ایک شخص کہنے لگے کہ حکومت کا رعب تو نہیں رہا۔ میں نے کہا کہ سلیم الطبع لوگوں کے لئے تو یہ بے شک مفید ہے مگر بدمعاشوں کے لئے تو سخت خطرناک ہے۔ ان کے لئے تو رعب ہی کی ضرورت ہے۔ انتظام میں ہیبت کو خاص دخل ہے

ملفوظ ۴۸۲: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہیبت اور رعب خداداد ہوتا ہے اکتسابی نہیں ہوتا وہ موہوب ہوتا ہے۔ اگر کسی کو عطا ہو اس کی بھی قدر کرنا چاہئے وہ بھی ایک بہت بڑی دولت اور نعمت ہے جو محض خداوندی عطا ہے۔ دیکھ لیجئے دو کمبل پوش یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام تن تنہا فرعون کے پُر شوکت دربار میں پہنچے مگر تمام دربار پر ہیبت چھا گئی اور بالکل اس وقت اس کا ظہور ہو رہا تھا جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ۔۔۔ ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

جہانگیر بادشاہ سے حضرت مجدد صاحب کی شکایتیں کی گئیں۔ بادشاہ نے آپ کو بلایا اور دربار میں جو تخت تھا اس کے سامنے ایک عارضی کھڑکی لگوائی، تاکہ کھڑکی میں داخل ہونے کے وقت سر کو جھکانا پڑے۔ مگر مجدد صاحب نے بجائے سر کے کھڑکی میں پہلے پیر داخل کئے اور اس طرح سے بادشاہ کی طرف پیر ہوئے۔ مشہور ہے کہ سخت سزا کا حکم دے دیا مگر ایک ولایتی مولوی صاحب کی سفارش پر صرف قید کر دیئے گئے۔

ملفوظ ۴۸۳: فرمایا کہ ایک تحریر آئی ہے جس میں چند سوالات بطور استفتاء برائے حصول فتویٰ آئے ہیں۔ منجملہ ان سوالات کے ایک سوال یہ بھی تھا کہ ترکاری بیچنا یا پارچہ بافی وغیرہ اس قسم کے پیشے اگر حضرات انبیاء علیہم السلام سے ثابت نہیں ہیں تو ان پیشہ والوں کو کیا وجہ کہ دائرۂ اسلام سے خارج نہ کہا جاوے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ بھلا ان دونوں میں تلازم کیا ہے۔ پھر اسی سوال میں لکھا تھا کہ اگر اس قسم کے پیشے حضرات انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہیں، تو ان پیشہ والوں کو ذلیل کیوں سمجھا جاتا ہے بلکہ بشرط اتقاء حسب آیت کریمہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم الآیہ

ان کو معزز سمجھنا ضروری ہے۔ اس کا جواب حضرت والا نے یہ عطا فرمایا کہ اس آیت میں کرامت دنیوی عرفی مراد ہے یا کرامت عند اللہ۔ یعنی دوسرا احتمال ہوتے ہوئے معاملات دنیویہ میں احتمال اول کے لزوم کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ پھر اس پر حضرت والا نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔ فرمایا کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو یہ وارد ہے کہ وہ فلاں کام کیا کرتے تھے، مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنایا کرتے تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق یہ آیا ہے کہ کان نجاراً یا مثلاً اکثر انبیاء علیہم السلام کے متعلق آیا ہے کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کام ان انبیاءؑ کے پیشے تھے۔ کیونکہ کوئی کام کرنا یا اس کام کے ذریعہ سے ضرورت کے وقت روزی حاصل کر لینا یہ اور بات ہے اور اس کام کا پیشہ ہو جانا یہ اور بات ہے۔ پیشہ تو یہ ہے کہ وہ شخص اس کام کی دوکان کھول کر بیٹھ جائے اور اعلان کرے کہ جس کو جو فرمائش کرنا ہو کرے میں پورا کروں گا۔ اور لوگ اس سے فرمائش کیا کریں اور وہ لوگوں کی فرمائش پوری کیا کرے، پیشہ یہ ہے۔ باقی اگر کوئی شخص میں کوئی ہنر ہو اور آزادی کے ساتھ جب جی چاہے اپنے گھر بیٹھ کر وہ کام کر لیا کرے اور اس سے مال حاصل کر لیا کرے تو یہ پیشہ نہیں کہلائے گا۔ بعض بڑے بڑے حکام بعض کام جانتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں اور بعض اوقات اس کے ذریعہ سے روپیہ پیسہ بھی کما لیتے ہیں مگر وہ کام ان کا پیشہ نہیں ہو جاتا۔ سلطان عبد الحمید خاں مرحوم لکڑی کا کام بہت اچھا جانتے تھے تو کیا وہ عرفی بڑھئی ہو گئے۔ اور کیا ان کو بڑھئی سمجھ کر کوئی شخص ان حکام سے یا سلطان عبد الحمید خاں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ صاحب ہمارا یہ کام کر دو۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق جو یہ وارد ہے کہ وہ لوہے کا کام جانتے تھے تو اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس اپنا کھرپا لے کر پہنچ جاتا کہ لیجئے یہ میرا کھرپا بنا دیجئے۔ اور کیا ان کا یہ التزام تھوڑا ہی تھا کہ وہ اس فرمائش کو ضرور ہی پورا کریں۔ یہ فرق ہے پیشے اور عدم پیشے میں۔ تو بعض حضرات انبیاء علیہم السلام سے جو بعض کام ایسے منقول ہیں وہ بطور پیشے کے نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا بجز تبلیغ کے کوئی پیشہ نہ تھا۔ اور کبھی کبھار اگر کسی نے کوئی کام کر لیا تو وہ بطور پیشے کے نہیں کیا۔ مثلاً ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ وارد ہے کہ حضور نے کبھی کبھی بکریاں چرائی ہیں تو وہ بطور پیشے کے نہیں۔ اور جو حدیث میں قراریط کا لفظ آیا ہے اس حدیث سے باجرت چرانے پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ جو اس سے پیشے کو ثابت کیا جاوے۔ کیونکہ قراریط کے لفظ کے متعلق اختلاف ہو گیا ہے کہ یہ قیراط کی جمع ہے یا کسی مقام کا نام ہے۔ اور اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ تو آج کل کے پیشہ ور لوگ جو بعض حضرات انبیاء علیہم السلام کے کاموں کو اپنے پیشوں کی سند میں بیان کرتے ہیں، یہ ان کی غلطی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو تو حق تعالیٰ نے ہر ایسے کام سے محفوظ رکھا ہے جو عام

نظروں میں موجب ہتک سمجھا جاتا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے پیشے عام طور پر معزز نہیں سمجھے جاتے۔ لہٰذا کسی نبی سے کوئی پیشہ ثابت نہیں ہوا خواہ مخواہ لوگ گڑبڑ کرتے ہیں۔ اور اپنے اغراض اور جاہ کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کو تختہ مشق بنانا چاہتے ہیں۔ یہ جاہ کا مرض بھی نہایت ہی مذموم مرض ہے۔

ملفوظ:۔ ۴۸۴ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت کی اسی واسطے ضرورت ہے تاکہ رذائل کا امالہ ہو کر حدِ اعتدال پر آجائیں۔ یہ افراط و تفریط اسی وقت تک ہے جب تک کہ اصلاح نہیں ہوئی، مگر اصلاح ہوتی ہے کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے سے اور لوگوں کو اس سے عار آتی ہے۔ اور یہ سب خرابیاں آخرت کو بھلا دینے اور دنیا کے ساتھ محبت کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ورنہ آخرت کی فکر وہ چیز ہے کہ ان سب چیزوں کو بھلا دیتی ہے۔

جلد سوم قسط سوم تمام شد

ناشر:۔ اِدارۂ فکرِ اسلامی دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴

قرآن وسنت کی روشنی میں زندگی کے سیکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل

ملفوظات حکیم الامت رح

یعنی

جلد نمبر ۳ — قسط نمبر ۴

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

مسلسل ترتیب کی قسط نمبر ۱۴

مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

باہتمام: نسیم احمد

ناشر:- ادارۂ فکر اسلامی دیوبند

نام کتاب ————	ملفوظات حکیم الامتؒ جلد سوم، قسط چہارم
باہتمام ————	نسیم احمد بن شمس الدین صاحب مرحوم
سن طباعت ————	۱۹ ء ـ ۱۴ ھ ـ
طباعت ————	محبوب پریس دیوبند
کتابت ————	محمد سفیان عثمانی معروفی
قیمت: ————	فی قسط ۱۰ ر روپے

ملفوظات حکیم الامت کی قسط چہارم ـ ناظرین کرام کے سامنے پیش ہے ـ انشاء اللہ ـ دو ماہ بعد قسط پنجم پیش کی جائے گی ـ کوئی بھی شخص ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتا ہے ـ فیس ممبری کچھ نہیں ـــــ ممبر بننے کے بعد ہر ماہ ایک ایک قسط ۱۰ر کی وی پی سے ارسال ہوگی ـ جس کا وصول کرنا آنجناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا ـ

منیجر ادارہ

فہرست مضامین ملفوظات حکیم الامت جلد سوم قسط چہارم

تمت بالخیر

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(ملفوظ ۴۸۵) ایک نووارد شخص سے ان کے ضروری حالات معلوم کرنے کیلئے حضرت والا نے چند بار دریافت فرمایا مگر وہ صاحب بولے ہی نہیں حضرت والا نے فرمایا کہ سنئے اگر آپ کے پاس کوئی اجنبی شخص آئے تو آپ کو اس آنیوالے سے تعارف کیلئے جن چیزوں کی معلوم ہونے کی توقع ہوتی ہے ان ہی کی مجھکو بھی آپ سے توقع ہوگی۔ آخر مجھکو کیسے معلوم ہو کہ تم کون ہو۔ تعارف موقوف ہے بتلانے پر اور نفع موقوف ہے تعارف پر اور یہ اس صورت میں ہوگا نہیں جو صورت آپنے اختیار کی کہ جیب شاہ بنکر بیٹھ گئے تو نفع بھی نہ ہوگا۔ پھر یہاں رہنا نہ رہنا برابر ہے لہذا تشریف لے جایئے کیوں خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہوئے اور مجھکو بھی اذیت پہنچائی اب اگر ایسے لوگوں کی اصلاح کی جائے تو ان کو ناگوار ہوتا ہے۔ مزاحاً فرمایا کہ میں بھی تغیر مزاج کی وجہ سے ناگوار ہو جاتا ہوں (یعنی مثل سانپ) اب بتلایئے کہ کونسی ایسی باریک بات تھی کہ جسکا یہ جواب نہیں دے سکے۔ ہے دماغ میں گندگی یا نہیں۔ بس ایسے بد دماغوں کا دماغ میں ہی درست کرتا ہوں۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو مجسم اخلاق تھے ایسے موقع پر یہ فرمانے لگے تھے کہ اسکو تھانہ بھون بھیجو متکبروں کا علاج وہاں ہوتا ہے۔

(ملفوظ ۴۸۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ماشاء اللہ ہماری طرف کے علماء میں بناوٹ نہیں اور طرف کے علماء اور مشائخ تو سلاطین کی طرح رہتے ہیں یہاں پر بحمد اللہ سادگی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حدیث کا درس فرما رہے تھے صحن میں بارش آگئی تمام طلباء کتابیں لیکر مکان کی طرف کو بھاگے حضرت مولانا سب کی جوتیاں جمع کر رہے تھے اور اٹھا کر چلنے کا ارادہ تھا لوگوں نے دیکھ لیا۔ سبحان اللہ ان حضرات میں نفس کا تو شائبہ بھی نہیں تھا نہایت سادگی اور بے نفسی تھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ایک لوہار نے دعوت کی اتفاق سے کھانے کے وقت تک زور سے بارش ہوتی رہی وہ سمجھا کہ ایسے میں کیا تشریف لا دینگے اسلئے نہ کھانا پکایا نہ بلانے آیا مولانا شام کو خود ہی کمبل اوڑھ کر اس کے مکان پر پہنچ گئے وہ بڑا شرمندہ ہوا اور عرض کیا کہ میں نے تو بارش کی وجہ سے کچھ سامان بھی نہیں کیا فرمایا آخر گھر کے لئے کچھ پکایا ہوگا۔ گھر کیلئے ساگ روٹی تھی وہی بیٹھ کر کھا لیا ان حضرات کی کوئی بات امتیازی نہ ہوتی تھی۔ یہ سب اتباع سنت کی برکت اور اسی کا غلبہ تھا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موضع ابلیا متصل دیوبند میں ایک شخص نے آموں کی دعوت کی اور چلتے وقت کچھ آم ساتھ کر دیئے۔ لوگوں نے مولانا کو اس حال میں دیکھا کہ سر پر آموں کی پوٹلی رکھے ہوئے بر سر بازار آ رہے ہیں لوگ لینے کے لئے دوڑے فرمایا کہ یہ تو میرا ہی سامان ہے اس کو مجھے ہی لے جانے دو۔ یہ بے نفسی کی باتیں ہیں ان حضرات کی مولانا

مظفر حسین صاحب کو میں نے دیکھا نہیں سنا ہے کہ ایک مرتبہ کسی گاؤں کے قریب سفر کر رہے تھے۔ ایک ضعیف العمر شخص کو کوئی بوجھ سر پر لادے ہوئے دیکھ کر اس سے کہہ سنکر خود اپنے سر پر لے کر گاؤں تک پہنچا دیا انتہائی بے نفسی ہے میں کہا کرتا ہوں کہ یہ حضرات باوجود اس فضل و کمال کے اپنے کو مٹائے ہوئے ہیں۔ آجکل کے لوگوں کو دیکھو نہ کوئی فضل ہے نہ کمال ہے اس پر کوئی شیخ الحدیث بنے ہوئے ہیں کوئی شیخ التفسیر کوئی امام التفسیر کوئی امیر الهند کوئی امام الهند یہ سب نیچریت کی ساخت ہے اپنے بزرگوں میں ایسے ایسے باکمال لوگ گذرے ہیں مگر یہ القاب تھے زائد سے زائد مولانا ورنہ اکثر مولوی صاحب مگر آج کل ہر چیز میں نئی تعلیم کا اثر اور جھلک پائی جاتی ہے مجھکو تو ان چیزوں سے طبعی نفرت ہے۔

(ملفوظ ۸۸۲) ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں اسی وجہ سے مرید نہیں کرتا بے ڈھنگے لوگوں سے طبیعت پریشان ہوتی ہے اب بتلائیے پرچہ میں لکھا ہے کہ جو ذکر بتلایا تھا وہ برابر کرتا ہوں یہ کئی سال کے بعد خبر دی ہے کیا یہی طریقہ ہے علاج کا کہ حکیم جی سے نسخہ لکھوالیا اور پانچ برس تک وہی پیتے رہے۔ ایک شخص کو کسی نے وضو کرا کر نماز پڑھوا دی تھی پھر وہ شخص پانچ سال کے بعد اسی مقام پر آئے پوچھا نماز پڑھتے ہو کہا کہ برابر پڑھتا ہوں پوچھا وضو بھی کرتے ہو کہا کہ آپ اس روز کرا نہیں گئے تھے۔ صاحب مذکور الصدر سے حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ تمکو ابھی ابھی کئی مرتبہ ہدایت کی گئی کہ زور سے بولو منہ کھولکر بولو۔ عرض کیا کہ میری آواز ہی اسقدر ہے دریافت فرمایا کہ کبھی اذان بھی دی ہے عرض کیا کہ دی ہے فرمایا کہ اتنی ہی آواز سے دی ہے عرض کیا کہ اس سے زائد آواز سے فرمایا کہ اتنی آواز سے یہاں کیوں نہیں بولتے۔ عرض کیا کہ حضرت کے سامنے بولتے ہوئے آواز نہیں نکلتی فرمایا کہ جب میں حکم کر رہا ہوں کیوں نہیں نکلتی عرض کیا کہ اب زور لگا کر نکالوں گا فرمایا ہاں زور لگا کر نکالو اور منہ کھول کر صاف بات کہو یہ گُن گُن سمجھ میں نہیں آتی ایک اس کا ہمیشہ خیال رکھو کسی کا سلام و پیام مت لاؤ کسی کی دی ہوئی چیز مت لاؤ اس میں بڑی خرابی ہے وہ یہ کہ اس سے طبعاً اثر ہوتا ہے کہ یہ فلاں صاحب کے ملنے والے ہیں ان کی رعایت کرنا چاہئے طالب کو ایسی بات نہیں کرنا چاہئے جس میں مصلح پر گرانی یا بار کا شبہ بھی ہو یہ اس طریق کے آداب ہیں اگر کوئی پیام بھی دے صاف کہدو کہ وہاں اجازت نہیں لوگ طالبوں سے ڈاک کا کام لیتے ہیں کیا واہیات ہے۔

(ملفوظ ۸۸۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اسراف جسقدر اپنی ذات میں مذموم ہے بخل اس قدر مذموم نہیں اسراف اکثر سبب ہو جاتا ہے افلاس کا اور افلاس بعض اوقات سبب ہو جاتا ہے کفر کا اور بخل سبب کفر کبھی نہیں ہوتا اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ اسراف بخل سے زیادہ مذموم ہے مگر آجکل لوگوں نے اسراف کا نام سخاوت رکھ لیا ہے اور چونکہ افلاس کبھی کفر تک مفضی ہو جاتا ہے جیسا کہ اسراف کے مذموم ہونے کی لم میں بیان کیا گیا اسی لئے ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ ہر شخص کیلئے ترک اسباب معاش کو پسند نہ فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک بار حضرت سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے عرض کیا کہ اگر حضرت اجازت فرما دیں تو میں ملازمت چھوڑ دوں اسوقت حضرت مولانا مطبع مجتبائی میں ملازم تھے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولانا پوچھنا دلیل ہے تردد کی اور تردد دلیل ہے خامی کی اور خامی کی میں حالت

میں ملازمت چھوڑنا موجب تشویش قلب ہوگا اور تشویش بعض اوقات مضر دین ہو جاتی ہے اور جب کیفیت رسوخ کی پیدا ہو جائے گی لوگ تمکو ردکیں گے اور تم رسے تو ڑ کر بھاگو گے وہ وقت ہوگا ترک اسباب کا۔ حضرت نے عدم رسوخ کو خامی فرمایا۔ شیخ کی صحبت میں رہنا اسلئے بھی ضروری ہے کہ وہ اس کیفیت رسوخ کے پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جتبک وہ نہ پیدا ہو خامی ہے۔ یہ حضرات مبصر ہوتے ہیں ہر شخص کی حالت کے مطابق نسخہ تجویز کرتے ہیں اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے زمانہ کے امام تھے مجتہد تھے اس فن کے محقق تھے اور بدون فن کے جانے ہوئے کوئی اصلاح نہیں کرسکتا شیخ کے لئے فن کا جاننا نہایت ضروری ہے متقی ہونا یا ولی ہونا شرط نہیں البتہ اگر یہ باتیں بھی ہوں تو تعلیم میں برکت ہوگی مگر اصلاح کے لوازم سے نہیں جیسے طبیب جسمانی کا طب کا عامل ہونا ضروری نہیں ہاں فن سے واقف ہونا ضروری ہے فن ایک مستقل چیز ہے۔ آجکل لوگوں نے ہر چیز میں خلط کر رکھا ہے نہ یہ خبر کہ ولایت اور بزرگی کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر کہ شیخ کسے کہتے ہیں یہ سب عدم واقفیت کی دلیل ہے۔

(ملفوظ ۴۸۹) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فن کے جاننے کی ضرورت یہ ہے کہ ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں جبکہ دیوبند پڑھتا تھا مجھ پر خشیت کا غلبہ ہوا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جاکر عرض کیا کہ حضرت خشیت کا بیحد غلبہ ہے کوئی ایسی بات فرمایئے جس سے تسلی اور اطمینان ہو سنکر فرمایا کہ توبہ کرو توبہ کرو کیا کفر کی درخواست کرتے ہو اتنا حضرت کا فرمانا تھا کہ میں چونک گیا اور معلوم ہوگیا کہ تسلی تو علامت احتمال مواخذہ ہے ہو سکتی ہے اور عدم احتمال خود منافی ایمان کے ہے یہ ہے فن سے واقف ہونے کی ضرورت۔ غیر ماہر فن بیچارہ خدا معلوم کیا اڑنگ بڑنگ بانکتا اس ہی وجہ سے کامل کی صحبت کی خاص ضرورت ہے بدون راہبر کامل کے اس راہ میں قدم رکھنا خطرہ سے خالی نہیں اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو　　　بے قلاوز اندریں صحرا مرو

(ملفوظ ۴۹۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر شیخ کی تعلیم پر عمل نہ ہو اور اسکے کہنے پر اطمینان نہ ہو اگر ساری عمر بھی جکی پیسے گا ذرہ برابر نفع نہ ہوگا اس طریق میں انقیاد محض کی سخت ضرورت ہے ہاں یہ جائز ہے کہ اسکو شیخ تسلیم نہ کرے۔ لیکن تسلیم کر لینے کے بعد پھر چون و چرا کرنا اپنی رائے کو دخل دینا یہ دلیل محرومی کی ہے یہ تعلق بڑا ہی نازک ہے اسکے آداب ہی جدا گانہ ہیں۔

(ملفوظ ۴۹۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شیخ طالب کیواسطے وہ تدابیر اختیار کرتا ہے جس سے اس کا دل بڑھے مایوسی پاس نہ پھٹکے بعض لوگ اسکو معمولی چیز سمجھتے ہیں جو بڑی غلطی ہے یہ ایسا ہے جیسے طبیب جسمانی مریض کی تسلی تشفی کرتا ہے اور اس سے طبیعت کو قوت ہوتی ہے اور وہ مرض کا مقابلہ کرتی ہے اگر اس پر کوئی شبہ کرے کہ شاید شیخ مصلحت دل جوئی کے لئے تسلی کر دیتا ہو اور واقع میں وہ حالت تسلی کی نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسکے معنے تو یہ ہوئے کہ وہ شیخ کو مہمل سمجھتا ہے یا خائن سمجھتا ہے یہ شبہ ایسا ہے جیسے ملحدین کہتے ہیں کہ جنت دوزخ کوئی چیز نہیں محض ڈرانے اور رغبت دلانے کے واسطے قرآن و حدیث میں خلاف واقع جنت و دوزخ کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ جنت کی رغبت ہو اور اسکی طمع سے اور دوزخ کا خوف ہو اس کے اثر سے اعمال صالحہ اختیار کریں۔ باقی واقع میں

دوزخ جنت کچھ نہیں (نعوذ باللہ) میں کہا کرتا ہوں اگر بفرض محال واقع میں بھی ایسا ہوتا تب بھی تمکو اس کی نفی کرنا چاہئے ورنہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ دوزخ جنت کچھ نہیں تو ترغیب اور ترہیب کی مصلحت ہی فوت ہو جاویگی اور یہ بغاوت ہے کہ جس چیز کو خدا تعالیٰ نے مصلحت کی وجہ سے اختیار فرمایا تم اس مصلحت میں مخل ہو تو یہ خود ایک بڑا زبردست جرم ہوا جس کی سزا ہلاکت ابدی ہوگی۔ یہ ملحدین بھی بڑے ہی کوڑ مغز اور بدفہم ہوتے ہیں اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔

(ملفوظ ۴۹۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے شیوخ طالب کی بہت چھان بین کر کے بیعت کرتے تھے آجکل تو وہ امتحان کی باتیں ہی نہیں رہیں بے امتحان ہی طریق سے گھبراتے ہیں۔ دیکھئے میں آنیوالوں کی ہر کام میں ہر بات میں اس قدر رعایت رکھتا ہوں اور کبھی امتحان نہیں لیتا مگر معمولی معمولی باتوں سے گھبراتے ہیں مثلاً میں بالکل سیدھی اور صاف بات کہتا ہوں جس سے نہ خود الجھن میں پڑوں اور نہ آنیوالے کو الجھن میں ڈالوں تو خفا ہوتے ہیں مزاحاً فرمایا کہ اگر ضروری چیزوں کا خفار کھتا تو خفا نہ ہوتے۔

(ملفوظ ۴۹۳) ایک نوواردصاحب کی غلطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ تمکو تکلیف پہونچاتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ جو آتا ہے ایک سے ایک بڑھ کر آتا ہے کیا تمہاری حماقتوں اور بدفہمیوں کا میں ہی شکار بننے کو رہگیا آخر کہاں تک صبر کروں کوئی حد بھی ہے تم تو نواب کے بیٹے ہو جو چاہو کرو اور میں تمہارا غلام ہوں۔ آتے ہی دل مکدر کر دیا طبیعت کو منقبض کر دیا اب نفع کیا خاک ہوگا یہ کونسی ایسی باریک بات تھی جسکا جواب نہ بن پڑا۔ ابھی تو سوال کیا تھا کہ قیام کے رہنے گا اسکو اس قدر ایچ پیچ میں ڈالدیا اگرچہ مگرچہ ہی میں رہے اور بات کا جواب نہ دیا جس سے متوہم ہوتا ہے کہ جیسے اس سوال میں میری کوئی غرض تھی اسلئے جواب سے اعراض کیا گیا۔ عرض کیا کہ میں اپنی غلطی کا حضرات والا سے معافی کا خواستگار ہوں فرمایا کہ معاف کو معاف ہی ہے خدانخواستہ میں کوئی انتقام تھوڑا ہی لے رہا ہوں مگر کیا غلطیوں پر آگاہ بھی نہ کروں۔ تمہاری طرح میں بھی تمہارے عیوب کو چھپائے رکھوں اگر ایسا کروں اور کرنے پر قادر بھی ہوں تو پھر تمہاری اصلاح کیسے ہوگی میری اس میں کوئی مصلحت نہیں تمہارا ہی نفع ہے۔ عرض کیا کہ میں غلطی کو سمجھ چکا اب آئندہ انشاء اللہ ایسا نہ کروں گا فرمایا کہ ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ اپنی کسی بات سے اپنے کسی کام سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔ یہ ہے سلوک کا جزو اعظم۔

(ملفوظ ۴۹۴) فرمایا کہ ایک بی بی کا خط آیا ہے خاوند کے دستخط کرا کر خط بھیجا ہے۔ میرا یہی معمول ہے کہ عورت کے خط پر جبتک خاوند کے یا خاوند نہ ہونے کی صورت میں کسی محرم کے دستخط نہ ہوں اس وقت تک جواب نہیں دیتا۔ اتنا لکھدیتا ہوں کہ اپنے خاوند کے دستخط کرا کر بھیجو۔ اس میں بڑے مفاسد کا انسداد ہے چنانچہ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جب بدون اجازت خاوند کی پیر کو خط نہیں لکھ سکتے تو اور تو کس کو لکھنا جائز ہوگا ادھر اس سے خاوند کا راضی ہونا معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اس تعلق خط و کتابت یا بیعت وغیرہ سے بددل تو نہیں اسلئے کہ کبھی خاوند اور بیوی کے عقائد میں یا مسلک میں اختلاف ہوتا ہے۔ نیز اس کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں نزاع کا احتمال ہے ہر معاملہ میں ہر پہلو پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور اپنی توجہ اور تصور سے اس بندی کو اپنی بیعت میں قبول فرمائیں

میں نے لکھدیا ہے کہ ہمارے طریق میں تصور نہیں تصدیق ہے۔

(ملفوظ ۱۹۵) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرے تمام اصول اور قواعد کا منشا دوسروں کی اور اپنی اصلاح ہے اور یہ کہ طرفین کو راحت رہے باقی ان اصول اور قواعد سے حکومت کرنا مقصود نہیں اور نہ مجھکو ان اصول پر فخر اور ناز ہے بلکہ ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں اور برابر اپنی اصلاح کی فکر میں بھی رہتا ہوں الحمد للہ میری نیت نفسانیت کی بالکل نہیں ہوتی اسی کا اثر ہوتا ہے محض اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اور بدون اس طرز کے جسکا نام اصلاح ہے اس کا ہونا مشکل ہے۔

(ملفوظ ۱۹۶) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ شاہ محمد غوث گوالیری نے مؤکلات کو تابع کیا تھا ایک بار ان کو حکم دیا کہ شاہ عبدالقدوس صاحب قدس سرہ گنگوہی کو یا اس سلسلہ کے اور کوئی بزرگ تھے انکو یہاں لے آؤ۔ مؤکل پہونچے حضرت شیخ مشغول تھے مؤکلوں پر ہیبت طاری ہوگئی شیخ نے دفعۃً دیکھا تو کچھ اشخاص نہایت قوی ہیکل کھڑے ہیں دریافت فرمایا کہ کون عرض کیا کہ ہم مؤکل ہیں پوچھا کیسے آئے عرض کیا کہ شاہ محمد غوث گوالیری نے بھیجا ہے وہ زیارت کے مشتاق ہیں اگر ارشاد ہو بہت آرام سے حضرت کو وہاں پہنچا دیں۔ فرمایا کہ انکو ہی لے آؤ وہ مؤکل واپس گئے اور شاہ محمد غوث گوالیری کو لیکر چلے انھوں نے کہا بھی کہ تم تو میرے حکم بردار ہو۔ کہنے لگے کہ اوروں کے مقابلہ میں باقی شیخ کے مقابلہ میں ہم ان کے حکم بردار ہیں۔ غرض انکو لیکر گنگوہ حاضر ہو گئے۔ شیخ نے بہت ملامت کی کہ یہ کیا واہیات مشغلہ ہے انھوں نے اسی مجلس میں توبہ کی۔ اور حضرت شیخ سے بیعت ہوئے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک جولاہہ آیا کہ میری لڑکی پر اللہ بخش کا خلل ہے آپ چلئے فرمایا کہ میں عامل نہیں ہوں اس نے بہت اصرار کیا آپ تشریف لے گئے اسنے سلام کیا اور حضرت کی تشریف آوری پر شرمندگی ظاہر کی اور عرض کیا کہ اگر صرف اپنا نام لکھ کر بھیجدیتے تو میں چلاجاتا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ آپ کے سلسلہ والوں کو کبھی نہ ستاؤں گا۔

(ملفوظ ۱۹۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رح اپنے زمانہ میں طریقت کے امام تھے مجتہد تھے۔ محقق تھے مجدد تھے۔ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شکایت کی کہ ذکر کرتا ہوں مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا فرمایا کہ یہ کیا تھوڑا فائدہ ہے کہ ذکر کرتے ہو اور تمکو ذکر کی توفیق دیدی گئی بس کام کرنیوالے کی یہ شان ہونی چاہئے

یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

آجکل کرنا دھرنا تو کچھ نہیں ایک ہی دن کام کر کے ولایت اور قطبیت کی تلاش ہو جاتی ہے حالانکہ یہ وہ طریق ہے کہ اگر ساری عمر بھی اس میں کھپ جائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ کیا حاصل ہوا بلکہ یہ معلوم ہو کہ کچھ حاصل نہیں ہوا تو بس سب کچھ حاصل ہو گیا یہی حالت نہایت مبارک ہے اس حالت پر ہزاروں کامیابیاں قربان ہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ یہ دولت ہے کیا یہ وہ چیز ہے کہ تمام مجاہدات اور ریاضات سے یہی مقصود ہے۔

---

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

(ملفوظ ۴۹۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ گانا نہایت ہی خطرناک چیز ہے خصوص جبکہ گانیوالی عورت ہو اس سے دل ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور یہی حکمت ہے کہ شریعت نے اس سے منع کیا ہے آفت کی چیز ہے اس سے عشق صورت پیدا ہو جاتا ہے اثمھما اکبر من نفعھما کی طرح اس میں بھی نفع سے زیادہ مضرت ہے بعضوں کی تو گانا سننے سے جان نکل گئی ہے اور میں تو حسین بچوں سے قرآن شریف خوش الحانی کے ساتھ سننا بھی جائز نہیں سمجھتا جس میں نفس کی آمیزش ہو۔ اس نفس کی آمیزش پر یاد آیا میں ایک مرتبہ الہ آباد گیا وہاں پر ایک درویش ملے جو صاحب سماع تھے مجھ سے سماع کے متعلق سوال کیا میں نے کہا یہ بتلائیے کہ اس طریق سلوک کی حقیقت اور حاصل کیا ہے کہا کہ اس میں اصل چیز مجاہدہ ہے۔ میں نے کہا کہ مجاہدہ کسے کہتے ہیں کہا کہ مخالفت نفس کو۔ میں نے کہا کہ گانا سننے کو آپ کا جی چاہتا ہے کہا کہ چاہتا ہے میں نے کہا کہ ہمارا بھی چاہتا ہے مگر ہم نہیں سنتے اور تم سنتے ہو۔ ہم جی چاہا نہیں کرتے اور تم تو کرتے ہو ہم نفس کی مخالفت کرتے ہیں اور تم اس کی موافقت کرتے ہو بتلاؤ ہم صاحب مجاہدہ ہیں یا تم ہم درویشی کے قریب ہیں یا تم ہم صوفی کہلائے جانے کی قابل ہیں یا تم۔ اس پر بہت مسرور ہوئے اور یہ کہا کہ آج حقیقت سماع کی معلوم ہوئی، میں تو کہا کرتا ہوں کہ پہلے اہل سماع اہل سماء تھے اور آجکل کے اہل ارض ہیں اور بعض کیا بلکہ اکثر تو فسق و فجور میں ابتلاء ہے کھلم کھلا امرد اور عورتوں سے ملوث رہتے ہیں اور پھر درویش کے درویش اور صوفی کے صوفی درویشی کیا فولادی ہے یار جسٹری کی دستاویز ہے کہ کسی طرح ٹوٹتے ہی کو نہیں کہتی مگر پھر بھی آجکل یہ جہلاء ایسے ہی راہزنوں اور ڈاکوؤں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور لوگ ان کو بزرگ اور ولی سمجھتے ہیں ایسوں ہی کی نسبت حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

کار شیطان میکنی نامت ولی
گر ولی این است لعنت بر ولی

واقعی یہ لوگ اسی کے مصداق ہیں اللہ تعالیٰ کی ہزاروں مخلوق کو انہوں نے گمراہ کیا۔ بڑے ہی جری ہیں۔

(ملفوظ ۴۹۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں پر بعضے نااہل آتے ہیں بڑا ہی جی تنگ ہوتا ہے۔ اہل فہم ایک ہی ہوں افادہ استفادہ کے لئے وہی کافی ہیں ورنہ دونوں طرف تنگی ہی ہوتی ہے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک طوطی اور کوّے کو قفس میں بند کر دیا تھا طوطی کو تو وحشت تھی ہی کہ کوّے کے ساتھ بند ہوں مگر کوّے کو بھی وحشت تھی کہ میں کہاں اس کے ساتھ پھنسا ایسے ہی آنے والوں کو تو وحشت ہوتی ہی ہے کہ کہاں آکر پھنسے مجھکو بھی وحشت ہوتی ہے کہ کن کج فہموں سے پالا پڑا۔

(ملفوظ ۵۰۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب نظر ہے ان کا فتویٰ ہے من کسر مسلم بربطا

او طبلا او مزمارا او دفا فھو ضامن اور وجہ اسکی یہ لکھی ہے کہ الامر بالمعروف بالید الی الامراء لقدرتھم وباللسان الی غیرھم یعنی آلات لہو کو توڑ ڈالنا واعظ کو یا کسی عامی کو جائز نہیں اگر کوئی توڑ دالے گا تو ضمان لازم آئے گا کیونکہ یہ کام سلطان کا ہے وہ ایسا احتساب کر سکتا ہے توڑ پھوڑ سکتا ہے سزا دے سکتا ہے امام صاحب کے اس فتوے میں کس قدر امن اور فساد سے تحفظ کیا گیا ہے حاصل یہ ہے کہ یہ اختیارات سلطان کے ساتھ خاص ہیں ورنہ اگر عوام کو ایسی گنجائشیں دی جادیں رات دن عوام میں جدال و قتال رہا کرے۔ ایک انگریز نے لکھا ہے کہ سلطنت کسی فقہ پر نہیں چل سکتی بجز فقہ حنفی کے یہ ایک سیاسی تجربہ کار کا قول ہے۔

(ملفوظ ۵۰۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں جب کسی کو بناؤ سنوار کرتے دیکھتا ہوں فوراً سمجھ جاتا ہوں کہ یہ شخص کمال سے کورا ہے اور فضول میں پھنسا ہوا ہے بات یہ ہے کہ ذکر اللہ سے باطن کی تعمیر ہوتی ہے اور ظاہر پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس کی زینت کا اہتمام نہیں رہتا۔

(ملفوظ ۵۰۱) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آجکل بارش کی بڑی کمی ہو گئی اب تو نہر وغیرہ کا انتظام بھی ہے پہلے تو مدار ہی زراعت کا بارش پر تھا اسوقت کمی نہ تھی فرمایا کہ کمی کی وجہ تو تم خود بیان کر رہے ہو پہلے خدا پر بھروسہ خدا پر نظر تھی اور اب نہر اور ندی پر ہے اور بعض اہل تجربہ نے یہ بیان کیا ہے کہ جب سے باغات کٹ گئے اور کم ہو گئے اس وقت سے بارش کم ہو گئی۔ قانون قدرت یہ ہے کہ جس کی ضرورت ہوتی ہے حق تعالیٰ اسکے اسباب زیادہ پیدا فرماتے ہیں۔ چنانچہ بن میں بارش زیادہ ہوتی ہے۔ شاداب پہاڑوں میں کثرت سے بارش ہوتی ہے وہاں بھی درخت خودرو کثرت سے ہیں اور ایک سبب قلت باراں کا کثرت معصیت بھی ہے اس سے بھی بچنا چاہئے۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

(ملفوظ ۵۰۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا تھا اگر تمہاری حکومت ہو جائے تو انگریزوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرو میں نے کہا کہ محکوم بنا کر رکھیں کیونکہ جب خدا نے حکومت دی تو محکوم ہی بنا کر رکھیں گے مگر ساتھ ہی اس کے نہایت راحت اور آرام سے رکھا جائے گا اسلئے کہ (انھوں) نے ہمیں آرام پہنچایا ہے اسلام کی بھی تعلیم ہے اور اسلام جیسی تعلیم تو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں مل سکتی اسلئے کہ یہ خدائی تعلیم ہے اس میں غیر مسلموں تک کے حقوق مقرر کئے گئے حتیٰ کہ عین قتال کے وقت حکم ہے کہ اگر کوئی کافر کلمہ پڑھ لے تو اس پر سے تلوار ہٹا لو گو یہ بھی شبہ ہو کہ دل سے نہیں پڑھا کیا ٹھکانا ہے اس وسعت اور قوت کا ایسا حکم کوئی بشر نہیں کر سکتا یہ خدا ہی کا کام ہے وہ جانتے سمجھتے ہیں کہ دھوکہ دینے والا کیا بگاڑ سکتا ہے جب چاہیں گے پھر مغلوب کر دینگے۔ اسلام ایسی ہی تعلیمات

سے پھیلا ہے تلوار سے نہیں پھیلا۔ تلوار تو صرف اس واسطے ہے کہ کوئی اسلام کی قوت کو مغلوب نہ کر سکے۔ غرض اسلام کی ہر تعلیم نہایت دلکش ہے غیر مسلم قومیں تک ان سب باتوں کو سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب نے میرا ایک فتویٰ بعض ملازمتوں کے ناجائز ہونیکا کراچی میں انگریز جج کے سامنے پیش کر دیا کہ وہ بھی تو یہی فتویٰ دے رہا ہے وہ مجرم کیوں نہیں اور میں مجرم کیوں ہوں حاکم نے جواب دیا کہ اس کا فتویٰ ایک سوال کا جواب ہے ایک شخص مسئلہ پوچھ رہا ہے ان کا فرض ہے کہ وہ دین کا مسئلہ بتلائیں ان کی نسبت بیان حکم ہے سلطنت کا اضرار مقصود نہیں۔ اور تم سلطنت کو ضرر پہنچانا چاہتے ہو۔ تحریکات کے زمانہ میں میرا ایک ایسا ہی فتویٰ بڑے جلی قلم سے ایک سرخی قائم کر کے شائع کر دیا۔ ایک انسپکٹر پولیس تحقیق کو آئے میں نے اس فتویٰ کا سن رسالہ نکال کر دکھلا دیا کہ چالیس برس ہو گئے جب وہ لکھا تھا اور اب تو اور زیادہ ہو گئے۔ اور مسئلہ کا تو حق یہ ہے کہ اگر بادشاہ بھی پوچھے تو جو مسئلہ ہے وہی بتایا جائے گا۔

(ملفوظ ۵۰۴) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تحریکات کے زمانہ میں میرے متعلق یہ مشہور کیا گیا تھا کچھ سو روپیہ ماہانہ گورنمنٹ سے پاتا ہے ایک شخص نے ایک ایسے ہی مدعی سے کہا کہ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ خوف سے متاثر نہیں لیکن طمع سے متاثر ہے بلکہ خوف سے تو گورنمنٹ ہی متاثر ہوئی۔ چنانچہ نہیں اور نہیں سو روپیہ بھی نہیں دیتی تو اب اس کا امتحان یہ ہے کہ تم نوسو روپیہ دیکر اپنے موافق فتویٰ لے لو۔ اگر وہ قبول کر لے تو وہ بات صحیح ہے ورنہ وہ بھی جھوٹ ایک صاحب کی ایسے ہی ایک شخص سے اور گفتگو ہوئی۔ مدعی صاحب عالم بھی تھے انکو قسم دیکر پوچھا کہ ایمان سے بتلاؤ کیا یہی بات تمہارے دل میں بھی ہے کہا کہ حاشا و کلا دل میں ہرگز یہ بات نہیں انہوں نے کہا کہ پھر زبان سے کیوں کہتے ہو کہا کہ اپنی آواز کو زوردار بنانے کیلئے۔ میں نے سنکر کہا کہ چلو روٹیاں پھر بھی ہماری بدولت مل رہی ہیں۔ بڑا ہی پر فتن زمانہ تھا۔ قتل کی دھمکیاں خطوط میں آئیں اور نام پتہ اس پر سب کچھ لکھا تھا بعض احباب نے کہا کہ ایسے خطوط عدالت میں پیش کر دو۔ میں نے کہا کہ مسلمان کی نالش غیر مسلمان کی عدالت میں پیش کر دوں غیرت آتی ہے اور اگر ایسا ہوا بھی تو گھر بیٹھے شہادت کی دولت نصیب ہو گی میرا ضرر کیا ہے اسی زمانہ میں ایک شخص ہندو راجپوت جو ضعیف العمر تھا مجھکو جنگل میں مل گیا کہنے لگا کہ مولوی جی کچھ معلوم بھی ہے تمہارے متعلق کیا کیا تجویزیں ہیں۔ میں نے کہا ہاں معلوم ہے اسکی ساتھ ایک اور بات بھی معلوم ہے وہ یہ کہ بدون خدا کے چاہے کوئی کچھ نہیں کر سکتا کہا کہ تو پھر تمہارے لئے گھر جنگل سب برابر ہے جہاں چاہو پھرو اور واقعہ بھی یہی ہے کہ تیرے محافظ وہی ہیں۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(ملفوظ ۵۰۵) ایک صاحب کو حضرت والا نے ان کی فرمائش پر تعویذ دیدیا ان صاحب نے عرض کیا کہ اسکو موم جامہ کر کے

باندھا جائے فرمایا کہ ضروری نہیں موم تو محض اس لئے کر دیا جاتا ہے کہ اگر پانی لگ جائے تو حروف دھل نہ جائیں عرض کیا کہ تعویذ لے کر دریا بھی عبور کرنا پڑیگا شاید بغیر موم جامہ کے تعویذ کا اثر جاتا رہے فرمایا کہ یہ محض غلط مشہور ہے یہ تو سنا ہے کہ سحر کا اثر دریا سے جاتا رہتا ہے کیونکہ وہ سفلی عمل ہوتا ہے ناپاک اثر پاک چیز سے زائل ہو سکتا ہے بخلاف اسماء الٰہیہ کے کہ ان کا اثر عرش تک ہوتا ہے ۔ دریا بچارے سے کیا زائل ہوتا۔

(ملفوظ ۵۰۶) ایک صاحب چھ برس کے لڑکے کے علم دین حاصل کرنیکا شوق بیان کر رہے تھے اس پر حضرت والا نے فرمایا طبائع ہیں مگر آجکل اس کے قدردان بہت ہی کم ہیں چنانچہ ایک طالب علم انگریزی تعلیم یافتہ کا خط آیا تھا غالباً پرسوں ہی آیا تھا لکھا تھا کہ میری شادی ہونیوالی ہے یا ہو چکی ہے لڑکی والے یا تو نکاح نہیں کرتے یا رخصت نہیں کرتے اور لڑکے والے سے کہتے ہیں کہ ہم کس سے شادی کریں تمہارا لڑکا تو دیوانہ ہے باپ نے لڑکے سے کہا کہ بیٹا زیادہ نماز روزہ مت کیا کر جس سے تم دیوانہ مشہور ہو جاؤ گے اب تو یہ حالت ہے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے ۔

(ملفوظ ۵۰۷) فرمایا کہ آج منتظم جامع مسجد دہلی کا ایک استفتا آیا ہے لکھا ہے کہ یہاں پر مسجد میں سیاسی جلسے ہوتے ہیں اس میں جھگڑے فساد تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے حتیٰ کہ چھریاں تک چل جاتی ہیں ۔ میں نے ایک الگ پرچہ پر سب احکام اور آداب مسجد لکھدیئے ہیں اور لکھدیا کہ اس میں تمہارے سوالوں کا جواب ہے ، اور تمہارے استفتے پر اسلئے نہیں لکھا کہ دوسرے لوگ اس جواب کو اپنے مخالفت میں سمجھ کر اس کی رد کی فکر میں لگ جائیں گے اور بے سمجھے ایک حدیث اس کے مقابلہ پر لائیں گے وہ حدیث یہ ہے کہ حبشی فن حرب کی مشق کی غرض سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد میں کھیلے ہیں اگر ہم جواب میں یہ کہیں گے کہ اس وقت جہاد کی تیاری تھی وہ لوگ یہ کہیں گے کہ ہم بھی جہاد کی تیاری کر رہے ہیں اگر ہم کہیں گے کہ تمہاری نیت جہاد کی نہیں فساد کی ہے وہ کہیں گے کہ ہماری نیت جہاد کی ہے فساد کی نہیں اس کا فیصلہ کون کریگا اور اب مستقل مضمون کو اپنے رد میں نہ کہیں گے اسلئے نزاع نہ کرینگے پھر فرمایا کہ آجکل خدا کے گھر کا بالکل احترام نہیں رہا جہاں شرعی سزا دینے کی بھی ممانعت ہے وہاں یہ لوگ جھگڑے فساد حتیٰ کہ قتل خونریزی تک کرنے لگے ۔

(ملفوظ ۵۰۸) ایک صاحب نے سوال کیا کہ مسجد کے فرش پر محض گذر جانے کی نیت سے آنجانا اس کا کیا حکم ہے فرمایا فقہا نے مکروہ لکھا ہے اگر کبھی اتفاقاً ایسا ہو جائے تو مضائقہ نہیں مگر عادات کرنا برا ہے مسجد کا بہت ہی احترام آیا ہے ۔ آجکل لوگوں میں حس نہیں رہا ان باتوں کی قطعاً پروا نہیں کرتے ۔

(ملفوظ ۵۰۹) ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص خیرخواہی سے تہذیب کے لہجے میں ہمارے خلاف میں بھی کچھ لکھے تو جواب دینے کو جی چاہتا ہے ورنہ نامعقول تحریر کا جواب دینے کو جی نہیں چاہتا خدا معلوم کیا بات ہے آجکل اہل علم میں سے بھی تہذیب رخصت ہو گئی بعض لوگ نری معقول پڑھتے ہیں اسلئے نامعقول رہتے ہیں اور ان انگریزی تعلیم یافتہ طبقے میں تو تہذیب کا نام و نشان بھی نہیں رہا الا ماشاء اللہ ایک ایسے ہی صاحب سے دہلی میں ملاقات ہوئی انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ کے مدرسہ کے طلبہ میں کچھ لیاقت بھی ہوتی ہے ۔ میں نے کہا کہ لیاقت کا مفہوم

میری سمجھ میں نہیں آیا پہلے لیاقت کا معیار سمجھنا چاہتا ہوں پھر بتلاؤں گا کہ اس قسم کی لیاقت ان میں ہے یا نہیں وہ سمجھ گئے کہ میں ان کو مدعی بنانا چاہتا ہوں پرانے آدمی تھے اور کچھ تہذیب بھی تھی ٹال گئے میں بھی خاموش ہو گیا۔ خدانخواستہ زک دینا تھوڑا ہی مقصود تھا۔

(ملفوظ ۵۱۰) ایک صاحب کے سلسلہ گفتگو میں حضرت والا نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ شان کرم اور شان احسان خاص مسلمانوں کا حصہ ہے ان کے مسخر کرنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ ان کے ساتھ احسان کیا جائے اور انکو دبانے سے تو ان میں اور اشتعال پیدا ہوتا ہے۔

(ملفوظ ۵۱۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں جس زمانہ میں کانپور میں تھا میرے ایک عزیز ماموں زاد بھائی تھے۔ جو فتحپور ہسوہ میں پڑھاتے تھے فارسی کے استاد تھے کانپور میں ملنے آیا کرتے تھے ان کی قابلیت کی وجہ سے مدرسہ والوں نے چاہا کہ انکو مدرسہ میں رکھ لیا جائے۔ میں نے کہا کہ نہ بھائی میں پسند نہیں کرتا کیونکہ عزیزوں کے ساتھ تو اگر رعایت کروں تو کسی کو کچھ شکایت نہیں اور اسکو احسان سمجھا جاتا ہے اگر مواخذہ کروں تو انکو ناگواری نہیں ہوتی مگر آپس والوں کے ساتھ ہر قسم کے معاملات باعث مفسدہ ہوتے ہیں۔

(ملفوظ ۵۱۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دوسرے مذاہب کے مقتدا بھی اکثر مقدس نہیں ہوتے صرف صورت ہی کا تقدس نظر آتا ہے اور الحمد للہ اہل اسلام میں دعویٰ اتنا نہیں تقدس کا جس قدر حق تعالیٰ نے انکو تقدس عطا فرمایا کہا ہیکہ یہ سب خدا کے الطاف سے ہے۔

(ملفوظ ۵۱۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خدا کی نعمتیں بیحد اور بے شمار ہیں وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا کہاں تک زبان شکر کر سکتا ہے ادھر سے اوا نواتی نہیں مگر سب کام حق تعالیٰ حسب مصلحت تو ہمیشہ اور دلخواہ بھی اکثر پورے فرمادیتے ہیں یہ خدا کی نعمت اور تائید نہیں تو اور کیا ہے۔

(ملفوظ ۵۱۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ امرتسر کے ایک غیر مقلد نے بے ڈھنگا اعتراض کر کے ذات وصفات پر ایک رسالہ لکھوایا جس کا نام ہے **نخل بید العرش**۔ مجھ کو ساری عمر بھی کبھی اسقدر خوف نہیں معلوم ہوا جس قدر اس بحث کے لکھنے ہوئے معلوم ہوا اس قدر تکلیف ہوئی کہ یہاں تک خیال ہوا کہ اگر میں جاہل ہی رہتا تو اچھا ہوتا۔ جاہلوں کے جہل پر رشک ہوتا تھا مگر تائید غیبی اور فضل خداوندی شامل رہی کہ افراط و تفریط سے محفوظ رکھا اور ایک کام کی چیز ہو گئی انشاء اللہ مخلوق کو نفع ہوگا۔

(ملفوظ ۵۱۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ راحت اور آرام کی زندگی تو ان ہی حضرات کی تھی جس کی وجہ سے سادگی اور بے تکلفی ہے حضرت امام شافعیؒ ایک رئیس کے یہاں مہمان تھے ان رئیس کی عادت تھی کہ نوکر کو کھانوں کی فہرست لکھوا دیا کرتے تھے کہ اسوقت یہ کھانے تیار ہونگے۔ رئیس وہ فہرست لکھوا کر اور نوکر کو دیکر کہیں چلے گئے امام شافعیؒ صاحب نے وہ فہرست نوکر سے لیکر ایک کھانا جو مرغوب تھا اس فہرست میں بڑھا دیا نوکر نے وہ کھانا بھی پکایا جب دسترخوان پر کھانا آیا تو رئیس نے دیکھا کہ ایک کھانا زائد ہے نوکر سے دریافت کیا کہ یہ تو ہمنے نہیں لکھا تھا پھر کیوں تیار ہوا اسنے کہا کہ یہ امام شافعی صاحب نے بڑھایا تھا جو آپکے مہمان ہیں میزبان اسقدر خوش ہوا کہ یہ شخص غلام تھا اسکو خوشی میں آزاد کر دیا کہ مہمان کی فرمائش سے کھانا پکایا دیکھئے یہ مسرت بے تکلفی کی بدولت میسر ہوئی۔

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

(ملفوظ ۵۱۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ افسوس جتنی ضروری چیزیں ہیں آجکل ان سب سے ذہول اور غفلت ہے چنانچہ آجکل بڑی ضرورت کی چیز صحبت ہے اہل اللہ اور خاصان حق کی یہ صحبت میرے نزدیک اس زمانہ میں فرض عین ہے۔ بڑے ہی خطرہ کا وقت ہے جو چیز مشاہدہ سے ایمان کے حفاظت کا سبب ہو اسکے فرض عین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے ایسی چیز کا اہتمام تو ابتداء ہی سے ہونا چاہئے مگر لوگوں کو اس کی طرف سے بڑی غفلت ہے۔ پھر صحبت نیک کے نہ ہونے کے ثمرات نمونہ کے طور پر بیان فرمائے چنانچہ ایک ثمرہ یہ ہے کہ اس وقت یہ حالت ہو گئی ہے کہ استادوں کے ساتھ استہزا قرآن و حدیث میں تحریف اس وقت منتہائے کمالات یہ ہو گیا ہے کہ تقریر اور تحریر ہو اور اپنے کو اپنے استادوں اور بزرگوں کی برابر خیال کرنے لگے گو ابھی تک یہ بات زبان سے تو نہیں کہی مگر آئندہ کہنے بھی لگیں گے۔ یہ سب اسکا ثمرہ ہے کہ اس کی تعلیم دی گئی ہے کہ حکومت کی مخالفت کرو۔ حکومت کوئی چیز نہیں۔ یہ حکم بعض حالات میں فی نفسہ تو برا نہیں تھا مگر لوگوں میں قیاس فاسد کا مادہ تھا طبائع میں سلامتی نہ تھی حدود کا خیال نہ تھا اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ استاد بھی کوئی چیز نہیں پیر بھی کوئی چیز نہیں۔ باپ بھی کوئی چیز نہیں۔ غرض اعتدال کسی چیز میں نہ رہا۔ نہ اصول رہے نہ قواعد رہے اسی لئے سر پر کسی کامل کی رہنے کی ضرورت ہے وہ فطریات کا ازالہ نہیں کرتا امالہ کرتا ہے کیونکہ اس چیز کو قطعاً نابود کر دینا خلاف حکمت ہے صرف اسکے رہتے ہوئے اعتدال کی ضرورت ہے تو حکومت کی مخالفت کے بھی حدود ہیں ان کی پرواہ نہیں کی گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے بزرگوں کی بھی مخالفت شروع کر دی اقوال میں افعال میں صورت میں سیرت میں طرز معاشرت لباس میں اخلاق میں سب میں ایک دم کایا پلٹ ہو گئی۔ چنانچہ اس وقت مدارس دینیہ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علیگڈھ کالج ہے۔ خیالات بدل گئے۔ لباس بدل گئے صورتیں ہی بگڑ کر ہو گئیں۔ یہاں تک کہ جو جماعت مشائخ کی طرف منسوب سمجھی جاتی ہے اس کی حالت گندی ہو گئی۔ اس پر ایک واقعہ یاد آیا ایک لڑکے کو اس کے چند دوست لائے کہ میرے پاس آئے وہ ایک بازاری عورت کے ہاتھ میں پھنس گیا تھا۔ میں نے اس کو بے تکلف کرنے کیلئے الگ لے جا کر نہایت دلجوئی کے ساتھ اس سے واقعات دریافت کئے اس نے کہا کہ میں اسکے چھوڑنے کو تیار ہوں مگر میں نے اس سے وفاداری کا عہد کر لیا ہے اسنے یہ کہا تھا کہ مردوں کا کچھ اعتبار نہیں مجھ سے کوئی اچھی مل گئی تو اس سے تعلق پیدا کر لو گے میں نے اس کی تسلی کی اسنے کہا کہ پیران کلیر چل کر حضرت مخدوم صاحب کے مزار پر عہد کر و چنانچہ وہاں گئے اور ایک مجاور نے مزار پر ہم سے عہد لیا اب خلاف کرنے میں اندیشہ وبال کا ہے۔ دیکھئے مجاور صاحب کی حرکت ہے یہ اپنے کو بزرگوں کی طرف منسوب کرنیوالے لوگ ہیں۔ میں

نے اس لڑکے سے اس اندیشہ کے ازالہ کیلئے یہ کہا کہ تمہارا ہمارے متعلق خیر خواہی کرنے کا اور سچ بولنے کا کیا خیال ہے کہا کہ مجھکو ہر طرح پر آپ پر اطمینان ہے میں نے کہا کہ میں تمکو یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم نے اس قسم اور عہد کو توڑ دیا تو تم پر کوئی وبال نہ ہوگا اور اگر نہ توڑا تو ہزاروں وبال آئیں گے یہاں پر بھی اور آخرت میں بھی اس نے کہا کہ مجھکو اطمینان ہوگیا مگر ایک بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ میں جاکر اسکو اطلاع کر دوں تاکہ وہ دھوکہ میں نہ رہے۔ میں نے کہا کہ اس کی اجازت ہے مگر اس شرط سے کہ اور کوئی بات تو نہ کرو گے اور اس کے علاوہ اور کچھ نہ بولو گے اور نہ اسکے بعد اس کے پاس جاؤ گے اور ان قیود کی ساتھ اجازت دینا اس وجہ سے تھا کہ اس میں جذبہ تھا وفاء عہد کا اسکو فنا نہیں کرنا چاہیئے اس اجازت سے وفاء عہد کے ملکہ کو باقی رکھا گیا اب بظاہر تو یہ شبہ تھا کہ مقدمہ معصیت کی اجازت دیدی مگر وفاء عہد کی دولت کو باقی رکھنے کیلئے ایسا کیا گیا اور معاصی کا انسداد قیود سے کر لیا گیا چنانچہ وہ لڑکا گیا اور اسکو اطلاع کرنے کے بعد پھر اس طرف رخ نہیں کیا۔ بعض اوقات کسی بڑے منشا پر نظر ہونے سے ظاہر کے خلاف کسی موہم کا ارتکاب ہو جاتا ہے لیکن حقیقت واضح ہونے کے بعد وہ شبہ زائل ہو جاتا ہے چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی چور کو بادشاہ نے سولی کا حکم دیا اور عبرت کے لئے لاش چھوڑ دی گئی۔ ایک بزرگ کا اس طرف کو گزر ہوا دیکھا کہ دار پر ایک لاش لٹکی ہے ان بزرگ نے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہے کسی نے عرض کیا کہ اس نے ایک مرتبہ چوری کی تو ہاتھ کاٹا گیا دوسری مرتبہ چوری کی تو پیر کاٹ دیا گیا۔ اب تیسری مرتبہ پھر چوری کی تو سولی دی گئی ان بزرگ نے اس لاش کے قدم چومے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنے بڑے شیخ اور اس سارق کے قدم۔ فرمایا کہ میں نے اس کے قدم نہیں چومے اس کی استقامت کے قدم چومے ہیں اور فرمایا کہ جیسی اسکو نہ میں استقامت تھی کاش ہمکو خیر میں استقامت ہوتی۔ بزرگوں کی باتیں بزرگ ہوتی ہیں۔ معمولی باتوں میں علوم ہوتے ہیں۔

(ملفوظ ۵۱۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرات چشتیہ بدنام ہیں کہ یہ بعضے امور مثل سماع وغیرہ خلاف سنت کرتے ہیں اور نقشبندیہ متبع سنت ہیں لیکن غور نہیں کرتے کہ چشتیہ محققین نقشبندیہ سے بھی زیادہ متبع سنت ہیں چنانچہ اور چشتیوں نے کسی ایک چیز کو بھی لوازم طریق سے نہیں کہا جو سنت میں منقول نہ ہو حتٰی کہ سماع بھی ان کے یہاں لازم طریق نہیں گو بعض عوارض سے بعض حالات میں اسکی اجازت دی ہے۔ اور نقشبندیوں نے تصور شیخ کو اور ذکر لطائف کو لوازم طریق سے قرار دیا ہے مگر پھر بھی حضرات چشتیہ بدنام ہیں چنانچہ حنفیہ سب سے زیادہ متبع سنت ہیں مگر کم فہموں نے پھر بدنام کیا ہے،

(ملفوظ ۵۱۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض بات بڑی نازک پیش آجاتی ہے اسوقت عجب کشمکش ہوتی ہے۔ یہاں ایک نیک شخص تھے نیم عالم بھی حافظ بھی ان کا ایک معاملہ تھا جس کا ایک ہندو قانون گو سے واسطہ تھا اس پر چار روپیہ رشوت کے ٹھیرے دفع مضرت کیلئے رشوت دینا جائز بھی ہے یہ مسئلہ انکو معلوم تھا اسلئے وعدہ کر لیا جب کام ہوگیا میرے پاس آئے کہ کام تو ہوگیا اب کوئی مضرت بھی نہیں تو اب رشوت دوں یا نہ دوں میں نے کہا کہ اصل تو یہی ہے کہ دیا جائے مگر اس کا اثر دیکھا جائے کہ اس میں مسلمانوں کی خصوص مقدسین کی بدنامی ہے یہ غیر مسلم سمجھیں گے کہ ایسے بزرگ بھی بے ایمانی کرتے ہیں اس لئے اگر تم دیکر توبہ کر لو تو یہ اقرب الی المصلحت ہے۔ ایک یہ کہ اسوقت نہ دینے

میں آئندہ ان مظلوم غرباء کا نقصان ہوگا جن کا کام ادھار پر ہو جاتا تھا اور نقد ہر وقت میسر نہیں ہوتا ایسی دقیق اور پیچیدہ باتیں پیش آجاتی ہیں معطیین کو اور خادمان امت کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔

(ملفوظ ۵۱۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آدمی کسی کو کیا ذلیل اور حقیر سمجھے اگر ایک حسین شخص کے منہ پر کالک لگی ہے اور ایک قبیح المنظر کے منہ پر پوڈر مل دیا تو حقیقت میں یہ کالک بری ہے مگر جس کے کالک لگی ہے وہ حسن میں تم سے افضل ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ مبتلائے معاصی کسی خاص خوبی کے سبب واقع میں تم سے افضل ہو اور قبح محض رنگ معصیت سے ہو اس لئے امر بالمعروف کے وقت بھی مخاطب کی تحقیر نہ کی جاوے۔

(ملفوظ ۵۲۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طبیب کی اسلئے ضرورت ہوتی ہے کہ جزئی احوال پر کلیات کو منطبق کرتا ہے ایسے ہی محقق اور شیخ کامل کا کام ہے اس لئے خود تم کو اپنی رائے پر اعتماد نہ چاہئے۔

(ملفوظ ۵۲۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ معصیت کے ساتھ اعمال صالحہ تو جمع ہو سکتے ہیں فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ + ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ لیکن نور قلب اور معاصی ایک جگہ جمع نہیں ہوتے معاصی اسمیں مخل ہیں۔

(ملفوظ ۵۲۲) ایک صاحب نے حضرت والا سے اپنے کسی دنیوی معاملہ میں مشورہ لینا چاہا فرمایا کہ اگر میں ان جھگڑوں فضول کو پسند کرتا تو گھر کی جائداد بھائی کے ہاتھ کیوں بیع کر دیتا میں بھی آج زمیندار ہوتا مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اب بھی زمینداروں سے اچھا ہوں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ آدمی زمیندار کیوں بنے آسماندار کیوں نہ بنے تو خدا کا شکر ہے اپنے بزرگوں کی جوتیوں کی برکت سے ہم آسماندار ہیں۔ اور یہ سب ان ہی حضرات کی توجہ اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

(ملفوظ ۵۲۳) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایک عقل ہی بیچاری کیا وہاں تو تمام ہی قوتیں گرد ہیں وہاں تو فضل ہی سے کام چلتا ہے نہ علم پر مدار ہے نہ عمل پر نہ حال پر نہ کمال پر نہ زہد اور تقوے پر۔ یہ چیزیں تو ناز کی ہیں وہاں تو نیاز کی ضرورت ہے۔

(ملفوظ ۵۲۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ الحمد للہ میں تو اپنی کھلی ہوئی حالت رکھتا ہوں تاکہ کسی کو دھوکہ نہ ہو کسی راز کو اپنے پوشیدہ نہیں رکھنا چاہئے اس پر کوئی معتقد رہے یا غیر معتقد رہے۔ ایک یہ کہ میں کبھی کسی سے کسی قسم کی فرمائش نہیں کرتا ایک یہ کہ جو شخص کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور وہ کام جائز ہوتا ہے اسکو اپنے مشورہ سے نہیں بدلتا مباح اور جائز امور میں میری طرف سے دوستوں کو بالکل آزادی ہے میرے ان تمام اصول اور قواعد کا خلاصہ اور روح یہ ہے کہ میری وجہ سے کسی کے قلب پر کوئی گرانی یا تنگی نہ ہو اور یہی میں دوسروں سے چاہتا ہوں کہ وہ بھی مجھکو نہ ستاویں نہ اذیت اور تکلیف پہنچاویں جس طرح میں ان کی رعایت کرتا ہوں وہ بھی میری رعایت پیش نظر رکھیں یہی وجہ ہے کہ امیر و کبیر اور غریب سب بیفکر ہو کر مجھ سے ملتے ہیں کسی کو یہ کھٹک نہیں ہوتی کہ شاید یہ ہم سے کسی نفع کا طالب ہو۔ جب چاہو آؤ جب چاہو جاؤ اس میں میرا وہی مسلک ہے جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ حضرت کے دربار کی یہ شان تھی ؂

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو　　دار و گیر و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

اگر یہ بات نہ ہوتی تو بعض لوگوں کو تعلق رکھنے میں رکاوٹ ہوتی تو جو نفع دینی انکو اب پہنچ سکتا ہے وہ بند ہو جاتا۔
ایک قصہ یاد آیا یہاں سے قریب ایک موضع ہے وہاں ایک رئیس تھے مجھ سے بھی دوستی کا تعلق تھا اور اپنی ساری جماعت کے معتقد تھے انکو اپنے متوفی بیٹے کی کچھ نمازوں کا فدیہ دینا تھا اور وہ بڑی رقم تھی تو انھوں نے کسی سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ مسئلہ بھی صرف یہاں سے پوچھا محض اس احتمال سے کہ اگر کسی اور سے پوچھونگا تو کوئی اپنے مدرسہ کیواسطے نہ کہہ بیٹھے۔ ان کے بیٹے کا جب انتقال ہوا تھا یہاں سے اپنے ایسے لوگوں نے تعزیت کیلئے جانا چاہا جن کا تعلق مدرسہ سے تھا۔ میں نے منع کر دیا کہ ایک کارڈ سے تعزیت کر لو اگر مدرسہ سے تم لوگوں کا تعلق نہ ہوتا تو مضائقہ نہ تھا اب چونکہ مدرسہ سے تعلق ہے ممکن ہے کہ انکو یہ خیال ہو کہ مدرسہ کیلئے آئے ہیں کہ مدرسہ کو کچھ ملے گا غیرت آتی ہے۔
بس ان باتوں کی بدولت میں بدنام ہوں وہمی اور تنگی کہا جاتا ہوں کیا یہ وہم اور شک ہے جہاں ذلت یقینی ہو میرے تو تجربات اور مشاہدات ہیں ان کو کیسے مٹا دوں اور دوسروں کے کہنے سے کیسے چھوڑ دوں۔

ملفوظ ۵۲۵ ایک نو وارد صاحب آئے اور مصافحہ کر کے اس قدر قریب بیٹھے کہ اسکی وجہ سے حضرت والا کو خطوط کے رکھنے میں تنگی ہوئی اسپر حضرت والا نے انکی اس غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے اور کس غرض سے اور کب تک قیام رہے گا اس پر وہ صاحب خاموش رہے حضرت والا نے دوبارہ پھر دریافت فرمایا کہ جواب دو اور جو کچھ کہنا ہو کہہ لو مجھکو اور بھی کام ہیں وہ صاحب پھر بھی خاموش رہے فرمایا کہ ابھی تک تو میں صبر کر رہا ہوں اب عنقریب تغیر ہو جائیگا آخر صبر کی بھی تو حد ہے گو تمہاری بدعقلی اور بدفہمی اور خاموشی کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی دیکھو پھر تسکا نہیں کرتے پھر دگے۔ اس پر عرض کیا کہ میں معافی کا خواستگار ہوں مجھ سے غلطی ہوئی فرمایا کہ معافی کو خدانخواستہ انتقام تھوڑا ہی لے رہا ہوں مگر کیا تمہاری اس غلطی پر تم کو اطلاع بھی نہ کروں یہ بتلاؤ کہ اس غلطی کا سبب بدفہمی ہے یا بے فکری۔ عرض کیا کہ بدفہمی ہے۔ فرمایا چلو چھٹی ہوئی اس صورت میں تو اصلاح کی بھی امید نہیں اسلئے کہ فکر تو اختیاری ہے اگر بیفکری سبب ہوتا تو فکر اختیاری ہے اس کا تدارک ہو جاتا اور بدفہمی غیر اختیاری ہے اس کا کوئی تدارک ہی تمہارے قبضہ میں نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں جب کسی سے یہ پوچھتا ہوں کہ بدفہمی اس کا سبب ہے یا بیفکری تو یہ سمجھ کر کہ ایسی بات کہی جاوے کہ جو غیر اختیاری ہے تاکہ جرم کی نوعیت ہلکی ہو جائے معذور سمجھا جاوے اکثر یہی جواب دیتے ہیں کہ بدفہمی اس سے جرم میں اضافہ ہو جاتا ہے اسلئے کہ اختیاری فعل کا دفع بھی اختیاری ہوتا ہے اور غیر اختیاری کا دفع بھی غیر اختیاری ہوتا ہے اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ یہ جواب دینے والوں کی ہوشیاری اور نفس کی شرارت ہے کہ بدفہمی کو سبب قرار دیتے ہیں حالانکہ زیادہ سبب بیفکری ہی ہوتا ہے یہاں بھی چالاکی سے کام نکالنا چاہتے ہیں انکی نبضیں خوب پہچانتا ہوں یہی وجہ ہے کہ مجھ سے لوگ خفا ہیں میں انکی پول کھولتا ہوں ان کے امراض کو ان پر ظاہر کرتا ہوں مگر اس اظہار سے خدانخواستہ تحقیر یا تذلیل مقصود نہیں ہوتی بلکہ آگاہ کرنا اور اصلاح کرنا مقصود ہوتا ہے اور کسی کو کیا حق ہے کہ کسی کی تحقیر یا تذلیل کرے اور مجھ جیسا شخص تو کبھی ایسا کر ہی نہیں سکتا اسلئے کہ میرا خیال آنے والوں کے ساتھ وہ ہے جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں آنیوالوں کی زیارت کو اپنی نجات کا ذریعہ

سمجھتا ہوں اور مریدوں کی نسبت یہ فرماتے تھے کہ اگر پیر مرحوم ہوگا وہ مرید کو جنت میں کھینچ لے جائیگا اور اگر مرید مرحوم ہوگا تو پیر کو کھینچ لیجائے گا سو جس شخص کا یہ خیال ہو وہ کسی کو کیا حقیر سمجھ سکتا ہے بہرحال میں آنیوالوں کو اپنے سے افضل اور بہتر سمجھتا ہوں اور یہ جو کچھ آنیوالوں کے ساتھ میرا طرز ہے یہ محض ان کی ہی مصلحت اور اصلاح کی وجہ اختیار کرتا ہوں اس پر بھی مجھکو اپنے اس طرز پر ناز نہیں بلکہ ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں اور خود بھی اصلاح کی فکر میں بھی لگا رہتا ہوں کیونکہ نفس ایسی چیز ہے کہ اس سے کبھی بیفکری نہیں ہو سکتی اور نہ بیفکر ہونا چاہئے اس کی طرف سے اگر ذرا بھی بیفکری اور غفلت ہوئی فوراً اسنے وار کیا اس کی تو ہر وقت ہی دیکھ بھال جانچ پڑتال کرتا رہے تو خیر ہے ورنہ اسنے بڑوں بڑوں کے زہد اور تقوی اور عبادتوں کو پلک جھپکنے میں خاک میں ملا دیا۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نفس اژدرہاست او کے مردہ است ازغم بے آلتی افسردہ است

بس یہ اسباب نہ ہونے کی وجہ سے دبا رہتا ہے ذرا اس کو راستہ ملا اور شیر کی طرح سامنے مقابلہ پر اکھڑا ہوتا ہے غرضکہ میرا جو طرز ہے وہ اپنے نفس سے مامون ہونے کی بناء پر نہیں بلکہ محض دوسروں کی اصلاح کی وجہ سے ہے ورنہ اگر اصلاح کا کام چھوڑ دوں تو پھر اس کندھے اترو اور اس کندھے بیٹھو اور اب اسباب متعددہ کے سبب عنقریب ہیں اصلاح کا کام بند کرنیوالا ہوں اور یہ تو مجھکو آسان ہے کہ میں اصلاح کا کام چھوڑ دوں مگر یہ مشکل ہے کہ اصلاح کے کام کو جاری رکھتے ہوئے اپنے طرز اور مسلک کو بدل دوں۔ مجھ سے کسی کی ناز برداری اور چاپلوسی نہیں ہو سکتی مجھکو غیرت آتی ہے کہ طالب کو مطلوب بناؤں اور اگر محض میری ہی ذات کا معاملہ ہوتا میں ایسا بھی کر لیتا مگر طریق کو کیسے طالب بنادوں اور اگر کسی کو میرا یہ طرز ناپسند ہے میرے پاس نہ آؤ۔ میں بلانے کب گیا تھا میں تو ایسے موقع پر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی جسکو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

اب مدتوں کے بعد اصلاح کا باب مفتوح ہوا ہے طریق بالکل مردہ ہو چکا تھا۔ ناعاقبت اندیش اسکو پھر بند دیکھنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھر گڈمڈ ہو جائے مگر اب مشکل ہے مایفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ وھو العزیز الحکیم۔ اور اس چودھویں صدی میں ایسے ہی پیر کی ضرورت تھی جیسا کہ میں لٹھ ہوں۔ بڑے بڑے مکاروں کی دوکانیں پھیکی پڑ گئیں بڑے بڑے حلوے مانڈے اڑاتے تھے اب ان میں کھنڈت پڑ گئی اب جاہلوں کو بھی جال میں پھانسنا آسان نہیں رہا۔ اور یہ سب خدا کا کام ہے اپنا کام جس سے چاہے لیں مجھکو اس پر ناز نہیں اور نہ کسی کو ہونا چاہئے۔

ملفوظ ۵۲۷ ایک سلسلہ گفتگو میں بعض طواغیت کفر کی نسبت فرمایا کہ بڑا ہی چالاک اور دشمن اسلام ہے اس نے مسلمانوں کو دھوکا دیا خیر یہ بات تو معمولی ہے کہ دشمن اپنی سی کیا ہی کرتا ہے اس کا کام تو نقصان پہونچانیکا ہوتا ہی ہے حق تعالی بھی فرماتے ہیں ان الشیطان للانسان عدو مبین مگر افسوس تو مسلمانوں کی حالت پر ہے کہ انہوں نے دوست

دشمن کو نہ پہچانا مسلمانوں کی قوم بہت ہی بھولی ہے اور زیادہ تر دھوکہ عام مسلمانوں کو ان لیڈروں کی وجہ سے ہوا یہ نا عاقبت اندیش مسلمانوں کی کشتی کے ناخدا بنے ہوئے ہیں ان کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے انھوں نے ہزاروں مسلمانوں کے ایمان کو تباہ و برباد کیا۔ دیکھ لیجئے مشاہدات اور واقعات اس کے شاہد ہیں ج کے نعرے لگائے قشقے پیشانی پر لگائے ہندوں کی ارتھی کو کندھا دیا ان کے مذہبی تہواروں کا انتظام مسلمان والنٹیروں نے کیا یہ تو ایمانی نقصان ہوا۔ اور جانی نقصان سنئے۔ ہزاروں مسلمان ان فصوں کی بدولت موت کے گھاٹ اتر گئے ہجرت کرائی ہزاروں مسلمان بے خاندان ہو گئے۔ مکان جائداد غارت ہو گئیں بڑی بڑی ملازمتیں چھوڑ دیں۔ مولویوں کی قوم کو تباہ کرا دینے کا ان ہی کا کام تھا اب پچاسوں برس بھی وہ نہیں سنبھل سکتے اور جس بری طرح وہ پیسے گئے ہیں سنکر دل کانپ اٹھتا ہے۔ یہ سب ان لیڈروں کی بدولت مسلمانوں کو نقصانات کا شکار ہونا پڑا اگر ان کے کیک بسکٹ انڈے چاء اور فسٹ کلاس کے سفر میں کوئی فرق نہ آیا لاکھوں روپیہ جو بیوہ عورتوں نے چکی پیس پیس کر اور مسلمانوں نے اپنے اخراجات میں تنگی کر کے دیا سب غتر بود کر دیا جلسے بدون پنڈالوں کے نہیں ہو سکتے ان میں ہزاروں روپیہ مسلمانوں کے خون پسینے کی کمائی کا برباد کیا اور پھر دوسروں پر طعن ہے کہ یہ قوم کی خبر گیری نہیں کرتے رہبری نہیں کرتے ایسوں ہی کی بدولت قوم اور ملک تباہ ہوا کسی نے خوب کہا ہے ؎

گر بہ میر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند　　　　ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

پھر عوام کیلئے نام دنہاد علماء کی شرکت زیادہ نقصان کا سبب ہوئی جب علماء ہی پھسل گئے دوسروں کی کیا شکایت چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

(ملفوظ ۳۸۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طریق کی حقیقت سے ناواقفیت کی نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے علماء بیچارے تو کیا ہیں جو مشائخ کہلاتے ہیں وہ اس سے بے خبر اور لاعلم ہیں۔ یہ ایک مستقل فن ہے بدوں اسکے جانے ہوئے ہمیشہ آدمی ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے راہ نہیں ملتا۔ اودھ میں ایک عالم تھے میں بھی ان سے ملا ہوں بہت ہی سادہ مزاج اور نیک تھے پہلے ہمارے ہی بزرگوں کے معتقد تھے آخر میں اگر دوسروں کا رنگ غالب آ گیا تھا۔ ایک صاحب ذی علم یہاں سے تعلق رکھنے والے اسی نواح میں رہتے تھے اور میرے کہنے سے ان اودھ والے بزرگ سے ملتے تھے ایک بار ان بزرگ نے ان صاحب سے پوچھا کہ تم ذکر و شغل کرتے ہو انہوں نے کہا کرتا ہوں پوچھا کہ کچھ نظر بھی آتا ہے انہوں نے کہا کہ نظر تو کچھ بھی نہیں آتا کہنے لگے کہ خیر ثواب لئے جاؤ باقی نفع کچھ نہیں مجھکو یہ سنکر حیرت ہوئی کہ عالم ہو کر ایسی بات تمام اعمال سے مقصود تو یہی ثواب ہے اور ثواب سے مقصود ہے حق تعالیٰ کا قرب اور ان کی رضا اس کے علاوہ اور وہ کونسی چیز ہے جو ان کے پیش نظر ہے اور جسکو نفع کہہ رہے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ اصل مقصود با تحصیل ثواب ہے جو سبب ہے قرب اور رضا کا اور اصل مقصود با لتحذیر عذاب و عقاب ہے جو سبب ہے بعد حق اور عدم رضا کا بس یہی ہے جو کچھ ہے پھر نہ معلوم وہ کیا چیز ہے جسکے متعلق عالم ہو کر ایسی بات کہی یہ سب طریق سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔ یہ طریق بڑا ہی نازک ہے اس میں بہت ہی بڑے سنبھل کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے اس ہی لئے میں

کہا کرتا ہوں کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے قبل اتباع کے لئے کسی شیخ کامل اور راہبر کامل کو تلاش کر لو۔ بدون راہبر کے اس راہ میں قدم رکھنا خطرہ عظیم ہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرد ۔ بے قلاؤز اندریں صحرا مرد

(ملفوظ ۵۲۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نری بیعت سے کیا ہوتا ہے جبتک کہ تعلیم کا اتباع نہ ہو اور آجکل جو لوگوں نے بیعت کی رسم جاری کر رکھی ہے اس کا درجہ محض رسم کا ہے۔ اسی طرح محض پاس رہنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا یہ رہنا تو مثل رہن کے ہے جیسے کسی کے پاس کوئی زمین رہن ہو کر ہر وقت قبضہ سے نکل جانے کا اندیشہ ہے کام جو چلتا ہے وہ بیع سے چلتا ہے رہن سے کام نہیں چلتا بیعت اسی بیع سے مشتق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بک جائے فنا ہو جائے دوسرے کا ہو جائے اور اپنے حالات اور کچا چٹھا اسکے سامنے رکھدے مولانا فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو ۔ پیش مردے کاملے پامال شو

(ملفوظ ۵۲۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل یہ مرض بھی عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص عالم اور مجتہد بننا چاہتا ہے اور جب کوئی مسئلہ خود سمجھ میں نہیں آتا تو مولویوں سے پوچھ پوچھکر جواب دیتے ہیں حالانکہ جو شخص عالم نہ ہو اس پر دوسروں کو تبلیغ اور ہدایت کرنا ضروری نہیں ایسے شخص کو دوسروں کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے اپنی خبر لینا چاہئے اور اگر کوئی پوچھے صاف کہدے کہ ہم مولوی نہیں مولویوں سے پوچھو اس میں حرج کیا ہے آخر طبیب نہیں ہو اگر کوئی کسی مرض کے متعلق تم سے نسخہ پوچھے کیا جواب دو گے اس میں اور اس میں کیا فرق ہے۔ اسی طرح مثلاً تم وکیل نہیں ہو اگر کوئی تعزیرات ہند کی کسی دفعہ کے متعلق سوال کرے کیا جواب دو گے وہی یہاں جواب دیکر الگ ہو جاؤ اور اب تو وہ زمانہ ہے کہ مولویوں کے مسئلہ بتانے پر بھی لوگوں کو اس کا انتظار ہوتا ہے کہ اس حکم میں حکمت کیا ہے یہ سب خرابی نیچریت کی بدولت لوگوں میں پیدا ہوئی ہے وہ ہر احکام میں حکمتیں تلاش کرتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے بذریعہ تحریر سوال کیا تھا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے میں نے جواب میں لکھا کہ کافر عورت سے زنا کیوں حرام ہے۔ ایسوں کا یہی جواب ہونا چاہیے علماء کے ڈھیلا (بکسر الہاء والیاء المعروفۃ) ہونے سے عوام کا دماغ خراب ہوا۔ علماء کو ڈھیلا (بکسر الہاء والیاء المجہولۃ) ہونا چاہئے تاکہ عوام کے دماغ درست ہوں۔ ایک شخص نے خط سے پوچھا تھا کہ فلاں مسئلہ میں کیا حکمت ہے۔ میں نے لکھا کہ سوال عن الحکمت میں کیا حکمت تم تو ہم سے خدائی احکام کی حکمتیں پوچھتے ہو ہم تمہارے ہی کام کی حکمت تم سے پوچھتے ہیں ایسا دماغ خراب ہوا ہے حضرت مجدد صاحب نے فرمایا کہ احکام میں اسرار اور حکمتیں تلاش کرنا مرادف ہے انکار نبوت کا۔ یہ ایک علامت ہے اسکی کہ یہ شخص نبوت کا پورا اعتقاد نہیں رکھتا محض عقل کا اتباع کرتا ہے ورنہ مصلحت عقلیہ کی تفتیش کی کیا ضرورت تھی۔

(ملفوظ ۵۳۰) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے خواہ مصلی مسجد میں ہو یا میت ہو فقہا نے دونوں کو مکروہ کہا ہے۔

(ملفوظ ۵۳۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ سب ایک ہیں گو بظاہر مختلف الاحوال معلوم ہوتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام

سب ایک ہیں اور ظاہر میں مختلف الاحوال معلوم ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے لانفرق بین احد من رسلہ اس کی مولانا رومی نے یہ مثال لکھی ہے کہ ایک بھینگے سے استاد نے کہا کہ طاق میں بوتل رکھی ہے وہ لے آؤ وہ گیا تو ایک کی دو نظر آئیں کہنے لگا وہاں تو دو ہیں کونسی لاؤں استاد نے کہا کہ ایک ہی ہے لے آ کہا کہ نہیں دو ہیں استاد کہا کہ ایک توڑ دے ایک لے آ اسنے جو ایک کو توڑا تو دونوں ٹوٹ گئیں کیونکہ واقع میں تو ایک ہی تھی ایسے ہی اہل اللہ ایک ہی ہیں یہ اپنی نظر کی خرابی سے دو نظر آتے ہیں لہذا ایک کا انکار سب کا انکار ہے۔

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم پنج شنبہ

(ملفوظ ۵۳۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ رسالہ السنتہ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ جو میں نے لکھا ہے اسکے بعد اور کسی رسالہ کے لکھنے کا ارادہ نہ تھا تالیف کا سلسلہ قطع کر دینے کا ارادہ تھا مگر ایک غیر مقلد صاحب کی عنایت سے ایک رسالہ اور لکھنا پڑا تمہید الفرش فی تحدید العرش جس میں استواء علی العرش کی بحث ہے گو صفات کے باب میں کلام کلام کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے اس سے ہمیشہ میں خود بھی منع کرتا ہوں اور اپنے بزرگوں کو بھی اس سے بچتے دیکھا ہے باقی متقدمین نے جو اس میں کچھ کلام کیا ہے وہ منع کے درجہ میں تھا متاخرین نے دعوی کے درجہ میں کر لیا اور اب تو اس میں بہت ہی غلو ہو گیا۔ بلاضرورت اس میں کلام کرنے کو میں خود بدعت سمجھتا ہوں مگر بضرورت کلام کرنا پڑتا ہے۔ سلف کا یہی عمل تھا اس کے متعلق ایک حکایت سنی ہے کہ ایک شخص شیخ ابوالحسن اشعری سے ملنے آئے اتفاق سے یہی مل گئے ان ہی سے پوچھا کہ میں ابوالحسن اشعری سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں کہا کہ آؤ میں ملاقات کرا دوں گا میرے ساتھ چلو ابوالحسن اس وقت خلیفہ کے دربار میں جا رہے تھے وہاں ایک مسئلہ کلامیہ پر اہل بدعت سے کلام کرنا تھا مناظرہ کی صورت تھی وہاں پہنچے۔ وہاں سب نے تقریریں کیں بعد میں ابوالحسن اشعری نے جو تقریر کی اس نے سب کو پست کر دیا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو اس وقت ان مہمان سے کہا کہ تم نے ابوالحسن اشعری کو دیکھا اسنے کہا کہ نہیں فرمایا کہ میں ہی ہوں وہ شخص بیحد مسرور ہوا اور کہا کہ جیسا سنا تھا اس سے زائد پایا۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی آپ نے سب سے پہلے گفتگو کیوں نہیں کی اگر آپ پہلے گفتگو کرتے تو ان میں سے کوئی تقریر نہ کر سکتا ابوالحسن اشعری نے اس کا جو جواب دیا میں اس جواب کی بنا پر ابوالحسن اشعری کا معتقد ہو گیا کہا کہ ان مسائل میں بلاضرورت گفتگو کرنیکو بدعت سمجھتے ہیں لیکن اہل بدعت جب کلام کر چکے تو اب ہمارا کلام کرنا ضرورت کی وجہ سے ہوا بدعت نہ رہا پھر فرمایا کہ میں اس جواب سے ابوالحسن کا بیحد معتقد ہوں۔ دو وجہ سے ایک اسلئے کہ اپنے بزرگوں سے اعتقاد بڑھا دوسرے یہ کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ متقدمین نے بلاضرورت ایسے مسائل میں کلام نہیں کیا بضرورت کلام کیا اس سے میرے اس خیال کی

تائید ہوئی جو میں پہلے سے سمجھے ہوئے تھا کہ یہ کلام بضرورت مدافعت تھا درجہ منع میں اسی طرح اس رسالہ میں میرا کلام کرنا بھی بضرورت ہوا اور حیرت ہے کہ ابو الحسن اشعری اتنے تو محتاط پھر ان پر ضلالت اور بدعت کا فتویٰ دیا جاوے اور جنہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے انہوں نے خود استواء علی العرش کی ایسی تقریر کی ہے جس سے بالکل تجسیم و تمکن کا شبہ ہوتا ہے گو ان کی مراد تجسیم نہیں لیکن ظاہریت کے ضرور قائل ہیں مگر خیر اس کی تو بلا کیف گنجائش ہے لیکن اس کے ساتھ جو استواء کو صفت مانتے ہیں اس میں ان پر ایک سخت اشکال ہوتا ہے کہ عرش یقیناً حادث ہے جب عرش نہ تھا ظاہر ہے کہ اس وقت استواء علی العرش کا تحقق بھی نہ تھا۔ عرش کے بعد اس کا تحقق ہوا تو اگر استواء علی العرش صفات میں سے ہے اور صفت حادث نہیں ہو سکتی تو اس وقت قبل عرش استواء کے کیا معنے تھے تو اس وقت بھی وہی معنی کیوں نہ سمجھو یہ بڑی ہی لطیف بات ہے اللہ نے دل میں ڈالدی اور چونکہ ان مسائل میں کلام کرنے کو خطرناک سمجھتا ہوں اس لئے اس رسالہ کے لکھنے کے وقت قلب کو اس درجہ تکلیف ہوئی کہ میں ہر ہر جاہل کو دیکھ کر تمنا کرتا تھا کہ کاش میں بھی جاہل ہوتا تو اس مبحث میں میرا ذہن نہ چلتا یہ حالت مجھ پر گذری ہے مگر معترض صاحب نے نہایت بیباکی سے جو زبان پر آیا کہدیا اور جی میں آیا لکھ لیا یہ بھی خیال نہیں ہوا کہ میں زبان سے کیا کہہ رہا ہوں اور اس کا اثر کیا ہے پھر بھی میں نے ان کی نسبت کوئی بات سخت نہیں لکھی بہت ہی قلم کو روک کر مضمون لکھا ہے اور اس مسئلہ میں بہ نسبت متکلمین کے حضرات صوفیہ کے اقوال سے بہت بڑی امداد ملی مگر ان ہی غیر مقلد صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ تم شر القرون کے صوفیہ کی حمایت کرتے ہو میں نے اسکو تو کوئی جواب نہیں دیا مگر کہتا ہوں کیا شر القرون میں سب اہل قرون شر ہی ہوتے ہیں اگر یہ بات ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم شر القرون کے محدثین کی حمایت کرتے ہو اگر وہ یہ کہیں کہ محدثین خود شر نہ تھے تو ہم کہیں گے کہ صوفیہ بھی سب خود شر نہ تھے۔

(ملفوظ ۵۳۲) ایک صاحب کے سوال میں جواب فرمایا کہ بدعتی تو ایسے ہیں جیسے گھر کے کچھ لوگ بگڑ گئے کیونکہ بزرگوں کے معتقد تو ہیں اور غیر مقلد ایسے ہیں جیسے غیر ہوتے ہیں کیونکہ بزرگوں ہی کو نہیں مانتے چنانچہ بدعتی بے ادب نہیں ہوتے انکو بزرگوں سے تعلق ہے مگر غلط تعلق کا ایسا ہی فرق ہے جیسے آریہ اور سناتن دھرمی میں۔ آریہ بظاہر موحد معلوم ہوتے ہیں سناتن دھرمی غیر موحد مگر سناتن دھرمی مذہبی مقتداؤں کا ادب کرتے ہیں اور آریہ نہیں کرتے۔ باقی آریہ کا موحد ہونا تو مجھکو تو اس میں بھی کلام ہے اسلئے کہ یہ تینؔ کو یعنی مادہ اور روح اور پرمیشور کو قدیم بالذات مانتے ہیں تو توحید کہاں رہی اور سناتن دھرمی قائل تو ہیں بہت سے معبودوں کے مگر ان کو واجب اور قدیم بالذات نہیں مانتے۔

(ملفوظ ۵۳۳) ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بھائی اور جگہ تو بزرگی تقسیم ہوتی ہے مگر یہاں آدمیت تقسیم ہوتی ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ میں نے تو قاعدہ لغداوی لے لیا ہے اور بڑے کاموں کیلئے بڑے لوگ موجود ہیں تو چھوٹا کام کس کو پسند آوے گا اسی لئے میں یہ بھی کہا کرتا ہوں دوستوں سے کہ میرے پاس آنے کی کسی کو ترغیب مت دو کیونکہ میں آنیوالوں کو پسند نہیں آسکتا اور اگر موجودہ حالت میں کسی کو پسند آگیا تو

پھر اتنا پسند ہونگا کہ دنیا میں پھر میرے علاوہ کوئی پسند نہ آئے گا۔ اسی طرح اگر ناپسند ہوا تو اس قدر ناپسند ہوں گا کہ مجھ سے زیادہ دنیا میں کوئی ناپسند نہ ہوگا۔ ایک شاہ صاحب نے ترغیب دیکر ایک شخص کو یہاں پر بھیجدیا واپس جاکر ان سے کہا کہ مجھکو کہاں بھیجدیا وہ تو مجذوب ہیں غنیمت ہے مجذوب کہا مجنون نہیں کہا۔ بات یہ ہے کہ ہم سے دلجوئی ہوتی نہیں اور نہ دلجوئی کی ضرورت ہے بلکہ دلشوئی کی ضرورت ہے اور وہ زمانہ پہلے تھا کہ صرف دلجوئی سے دلشوئی ہو جاتی تھی طالب اہل فہم تھے رعایت سے اطاعت بڑھتی تھی اور اب زمانہ بدفہمی کا ہے اب وہ زمانہ نہیں رہا اب دلجوئی سے شبہ ہوتا ہے کہ اس میں کوئی غرض ہے اس لئے دلجوئی کرتے ہوئے غیرت آتی ہے۔ ایسے لوگوں کی غذا تو استغنا ہی ہے اعراض اور تحقیر تو بری بات ہے۔ میں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ بعض درویش بڑے درجہ کے لوگوں کی قصداً تحقیر کرتے ہیں مگر یہ بھی تکبر ہے لیکن استغنا اور چیز ہے اس کی ضرورت ہے اور خود یہ بڑے لوگ بھی بشرط فہیم ہونے کے اسی کی قدر کرتے ہیں چنانچہ نواب محمد یوسف صاحب کا قصہ سنا ہے کہ انکو ایک صاحب ایک بزرگ کی طرف متوجہ کرتے تھے مگر وہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف زیادہ مائل تھے ان صاحب نے اس کی وجہ پوچھی نواب صاحب نے جواب دیا کہ وہ دوسرے بزرگ تو میری خاطر کرتے ہیں اور مولانا دیوبندی میں اپنے سے ایسی کشیدگی پاتا ہوں جیسے مجھ میں سے مولانا کو دنیا کی بدبو آتی ہے تو یہ دلیل ہے ان کے اللہ والے ہونے کی۔ غرض اعتدال یہ ہے کہ امراء اگر مہمان ہوں اور اپنے پاس آئیں تو ان کے آسائش کا تو خیال کرنا چاہئے تاکہ تکلیف نہ ہو اور اہانت اور تحقیر بھی نہیں کرنی چاہئے لیکن لپٹنا بھی نہیں چاہئے۔ بس اسمیں نہ تکبر ہوگا اور نہ تذلل۔

(ملفوظ ۵۲۵) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مشائخ کے اوراد و وظائف اگر وہ کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوں اور انکو برکت کے لئے پڑھا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔

(ملفوظ ۵۲۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہر طبقہ میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں بدفہم اور اہل فہم بھی ایک غیر مقلد نے عجیب بات کہی تھی انھوں نے مجھ سے مشائخ کے معمولات پوچھے۔ میں نے کہا کہ حدیث کے معمولات ہوتے ہوئے ان معمولات کی کیا ضرورت ہے کہنے لگے کہ سنت کے انوار تو حدیث کی دعاؤں سے حاصل ہوتے ہیں گو عشاق کے برکات بھی حاصل کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(ملفوظ ۵۲۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شریعت مقدسہ کے احکام کی تعلیم پر عمل کرنے سے قلب کے اندر سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے جو بڑی دولت اور نعمت ہے اور یہ محض بیان سے سمجھ میں آنا دشوار ہے عمل کرکے دیکھنے کی چیز ہے لوگ تو اسکے منتظر ہیں کہ سمجھ میں آدے تو عمل کریں اور سمجھ میں جب آویگا جب عمل کریں جیسے ایک اندھے حافظ جی کی حکایت ہے گو فحش ہے مگر تفہیم کے لئے گوارا کی جاتی ہے۔ مکتب کے لڑکوں نے حافظ جی کو نکاح کی ترغیب دی کہ حافظ جی نکاح کر لو بڑا مزہ ہے حافظ جی نے کوشش کرکے نکاح کیا اور رات بھر روٹی لگا لگا کر کھائی مزا کیا خاک آتا صبح کو لڑکوں پر خفا ہوتے ہوئے آئے کہ سسرے کہتے تھے کہ بڑا

مزا ہے بڑا مزا ہے ہم نے روٹی لگا کر کھائی ہمیں نہ تو نمکین معلوم ہوئی نہ میٹھی نہ کڑوی۔ لڑکوں نے کہا کہ حافظ جی مارا کرتے ہیں۔ آئی شب حافظ جی نے بیچاری کو خوب زدو کوب کیا دے جوتہ دے جوتہ تمام محلہ جاگ اٹھا اور جمع ہوگیا اور حافظ جی کو برا بھلا کہا پھر صبح کو آئے اور کہنے لگے کہ بسمروں نے دق کر دیا۔ رات ہم نے مارا بھی کچھ بھی مزا نہ آیا اور رسوائی بھی ہوئی تب لڑکوں نے کھول کر حقیقت بیان کی کہ مارنے سے یہ مراد ہے اب جو شب آئی تب حافظ جی کو حقیقت منکشف ہوئی صبح کو جو آئے تو مونچھ کا ایک ایک بال کھل رہا تھا اور خوشی میں بھرے ہوئے تھے تو حضرت بعض کام کی حقیقت کرنے سے معلوم ہوتی ہے ایک ہندو کسی بڑے سرکاری عہدہ پر مقرر ہیں انھوں نے کہلا کر بھیجا تھا کہ ہیں متردد رہوں اطمینان اور سکون میسر نہیں ہوتا کوئی تدبیر بتلائی جاوے کہ جس سے سکونِ قلب اور اطمینان قلب میسر ہو۔ دیکھئے یہ کتنی بڑی دولت اور نعمت ہے اس شخص سے کوئی پوچھے اور سکون اور اطمینان کی قدر معلوم کرے کہ کیا چیز ہے میں نے کہلا بھیجا کہ کثرت سے اھدنا الصراط المستقیم پڑھا کرو جب سے ایسا موقع نہیں ہوا۔ ایک اور صاحب کو ایسے ہی مشورہ کے ساتھ ایک اور بات کہلا کر بھیجنے کا ارادہ ہے کہ جیسے تم نے اب تک اپنی مذہبی تعلیم پر عمل کر کے دیکھا اور اطمینان قلب میسر نہیں ہوا اسی طرح ہماری شریعت کی تعلیم پر عمل کر کے دیکھو جسطرح اس پر عمل کر کے نتیجہ کے منتظر رہے اسی طرح اس پر بھی عمل کر کے نتیجہ دیکھو اگر اس کے بعد بھی اطمینان نہ ہو تو ہم ذمہ دار ہیں۔ حق تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور اطمینان میسر ہوگا نہ ہونے کی وجہ نہیں اور اس کے سوا اور کوئی چیز قلب کو اطمینان اور سکون دلانے والی ہے ہی نہیں الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں ؎

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست	جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

اور اس کی بھی ضرورت نہیں کہ اعتقاد کے ساتھ عمل ہو بلکہ امتحان ہی کے طور پر کر کے دیکھ لو ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش	آزموں را یک زمانے خاک باش
در بہاراں کے شود سرسبز سنگ	خاک شو تا گل بر دید رنگ رنگ

بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ بدون عمل کے انکی کیفیت نہیں معلوم ہو سکتی۔ جیسے خدا تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں ایسی ہیں کہ بدون کھائے ان کا مزا نہیں معلوم ہو سکتا اگر کھانے کے بعد کڑوا معلوم ہو تو تھوک دینا مت کھانا مگر منہ تک تو لے جاؤ اسی سے حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔

(ملفوظ ۴۰۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے پاس اس کی سند متصل ہے کہ مولانا مظفر حسین صاحب ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ حاجی صاحب اس وقت کے بزرگوں میں سے نہیں ہیں بلکہ پہلے بزرگوں میں سے ہیں اور حقیقت یہی ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے جنید اور بایزید تھے۔ فن طریقت کے امام اور مجتہد تھے یہ ان ہی کے سب برکات ہیں جو خاص انکے سلسلہ میں نظر آتے ہیں

صدیوں کے بعد ان ہی کی بدولت اس طریق کی تجدید ہوئی۔ طریق مردہ ہو چکا تھا اب پھر زندہ ہوا ہے یہ سب ان ہی کی برکت ہے۔ حضرت کی عجیب شان تھی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ علماء میں بھی متقدمین کے رنگ کے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے ہیں نے کہا کہ تمہارا خیال غلط ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ان سے بڑھکر اس وقت موجود ہیں ان حضرات کی تحقیقات دیکھ لی جاویں اور اس وقت کے بعض محققین کی بھی تحقیقات دیکھ لی جاویں معلوم ہو جائیگا کہ اب بھی رازی اور غزالی بلکہ ان سے اکمل موجود ہیں فرق یہ ہے کہ وہ زمانہ غلبہ خیر کا تھا اب غلبہ شر کا ہے مگر یہ نہیں کہ اس وقت علوم اور کمالات کا خاتمہ ہو چکا ہے سو بفضلہ تعالیٰ رازی اور غزالی اب بھی موجود ہیں۔

(ملفوظ ۵۳۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں نفع کی شرط اعظم مناسبت ہے بدون اسکے نفع نہیں ہو سکتا پھر مناسبت کے بعد منزل مقصود پر پہنچ کیلئے اعتقاد اور اتباع شرط ہے یہ بڑی غلطی ہے کہ بعضے آدمی مشائخ کے یہاں جا کر محض ان کے پاس رہنے کو کافی سمجھ کر عمل نہیں کرتے یہ ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کے پاس جا کر رہے اور جو وہ نسخہ تجویز کرے یا پرہیز بتلائے اس پر عمل نہ کرے سو یہ تو ایک درجہ میں محض تفریح اور مشغلہ ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ اکثر مشائخ بھی آجکل مجلس آرائی کو پسند کرتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ شیخ کے بہت لوگ معتقد ہیں مگر ان باتوں سے کیا نتیجہ محض وقت کا ضائع کرنا ہے الحمد للہ میرے یہاں یہ باتیں نہیں سو اسی لئے مجھ سے خفا ہیں چاہتے یہ ہیں کہ خوب خاطر تواضع ہو ہر وقت شیخ دست بستہ ہاتھ جوڑے ان کے سامنے کھڑا رہے مگر مجھ کو تو اس سے غیرت آتی ہے کہ طالب کو مطلوب بنایا جائے کام اس کا غرض اس کی اور چاپلوسی دوسرے کریں۔

(ملفوظ ۵۴۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شیخ وہ ہے جو شفقت کے ساتھ فن کا ماہر اور محقق ہو۔ اس راہ میں بڑی بڑی سخت گذار گھاٹیاں پڑتی ہیں اسلئے بدوں شیخ کامل کے اس راہ کا طے ہونا مشکل ہے بدون شیخ کامل کے ساری عمر گذر جاتی ہے مگر حقیقت سے بے خبر رہتے ہیں۔ ٹھوکریں ہی کھاتے رہتے ہیں۔ اسی لئے میں اول طالب کو بیعت اور تعلیم کے قبل طریق کی حقیقت سے باخبر بنا دیتا ہوں تب آگے چلتا ہوں کیونکہ جب خبر ہی نہ ہو گی کہ مقصود کیا ہے اور طریق کیا ہے آگے چلے ہی گا کیا اس باخبر بنانے کو چونکہ اس میں بیعت و تلقین میں دیر لگتی ہے لوگ [illegible] بنا سمجھتے ہیں جو محض بد عقلی اور بد فہمی ہے۔

(ملفوظ ۵۴۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس زمانہ میں کسی دوسرے کے بھروسہ کوئی کام کرنا نہایت نادانی اور بے عقلی کی بات ہے ساری بلا ایک [illegible] کے سر پڑ جاتی ہے اور پہلے سے جو خدمت دین کی کر رہا تھا اس سے بھی جاتا رہتا ہے خصوص ان متعارف کمیٹیوں اور مجلسوں کا قائم کرنا اور ان سے کسی کام کے ہو جانے کی توقع رکھنا طلب محال ہے زائد وقعت نہیں رکھتا۔ غیر مسلموں کے ساتھ ملکر کام کیا تھا مگر سر کے بل گرے دوسروں کا اعتبار کیا۔ پرائے کندھے بندوق چلانا ہے۔ اور وجہ بے اعتباری کی یہ ہے کہ ان کی محبوبہ مرغوبہ دنیا ہے۔

دین تو ان کا مقصد ہو ہی نہیں سکتا۔ پس جس وقت ان کا مقصود پورا ہو جائے گا۔ الگ ہو جائیں گے پھر مسلمان خواہ مریں خواہ جئیں ان کی بلا سے مگر مسلمانوں کی قوم ایسی بھولی ہے کہ ہر ایک کی آواز پر لبیک کہہ کر ساتھ ہو لیتے ہیں۔ دوست دشمن کی ان کو قطعاً پہچان ہی نہیں بھلا جو شخص توحید اور رسالت کا منکر ہو وہ اسلام اور مسلمانوں کا کیا خیر خواہ اور ہمدرد ہو سکتا ہے عجب معما ہے یہ ایسی کونسی باریک بات تھی جو سمجھ میں نہیں آئی مگر غرض دنیوی وہ بلا ہے کہ جب سامنے آکھڑی ہوتی ہے پھر کچھ نظر نہیں آتا۔

چون غرض آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

چوں دہد قاضی بدل رشوت قرار کے شناسد ظالم از مظلوم زار

(ملفوظ ۵۴۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی کو اپنی عبادت اور زہد و تقویٰ پر ناز نہیں ہونا چاہئے اسکو عطیہ حق اور توفیق خداوندی سمجھ کر اس کا شکر کرنا چاہئے اسی وقت تک خیر ہے ورنہ بڑے بڑے اس ناز کی بدولت رہ گئے ہیں۔ نیاز پیدا کرنا چاہئے اور عبادت ہی پر کیا منحصر ہے جتنی چیزیں ہیں مثلاً مال ہے جاہ ہے عقل ہے فہم ہے قوت ہے حکومت ہے حسن و جمال ہے علم ہے عمل ہے یہ سب چیزیں جو فخر اور تکبر اور ناز کا سبب بن جاتی ہیں اور ان ہی کی بدولت آدمی تکبر میں پھنس جاتا ہے ان میں سے ایک بھی اسکے قبضہ میں نہیں پھر ان پر ناز کیسا بلکہ تواضع اور عبدیت اختیار کرنا چاہئے جو خدا کے نزدیک مقبول اور محمود ہے۔

(ملفوظ ۵۴۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دنیا کے اندر ایک بہت بڑا نقص اور عیب وہ ہے جسکو امام غزالی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے اور عجیب بات فرمائی ہے کہ دنیا میں اگر کوئی بھی عیب نہ ہو تو یہ کیا تھوڑا عیب ہے کہ وہ ایک دن ہاتھ سے نکل جانے والی ہے۔

(ملفوظ ۵۴۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل کمال کو زیب و زینت کی ضرورت نہیں انکو ان فضولیات کی فرصت کہاں اسی لئے جب میں کسی کو زیب و زینت کا شائق دیکھتا ہوں فوراً سمجھ جاتا ہوں کہ یہ شخص کمال سے فی الحال بھی خالی ہے اور آئندہ بھی حصول کمال کی طرف متوجہ نہیں اہل کمال کو ان چیزوں کی کیا ضرورت ان کی تو یہ شان ہوتی ہے۔

نباشد اہل باطن در پئے آرائش ظاہر بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ با حسن خدا داد آمد

(ملفوظ ۵۴۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ خود بھی اصول صحیحہ کا تابع رہوں اور دوسرے بھی ان کے تابع رہیں اور اکثر لوگ اسی میں الجھتے ہیں چاہتے یہ ہیں کہ بے اصول اور بے قاعدہ چلیں۔ میں چلنے نہیں دیتا اس پر خفا ہوتے ہیں وحشت ہوتی ہے جا کر بدنام کرتے ہیں مگر میں ان کی وجہ سے اپنے تجربات کو کیسے مٹادوں میرے اصول حکومت کے واسطے نہیں اپنی اور دوسروں کی راحت رسانی کیواسطے ہیں اگر یہ اصول اور قواعد نہ ہوتے تو بجز ان مہربانوں کے شغل کے اور کسی کام ہی کا نہ رہتا اور یہ جسقدر کام ہوا ہے کچھ بھی نہ ہوتا اب میں تصنیفات

کا کام کرنے والا ہوں شاید کچھ فرصت مل جائے مگر پھر بھی اور کام اسقدر رہے کہ نمٹائے نہیں نمٹتا۔ چاہتا ہوں کہ کام کم ہو تاکہ کچھ وقت اللہ اللہ کرنے کو ملے ابھی تک تو دوسروں ہی کو تبلیغ کی ہے اب جی چاہتا ہے کہ سب وقت اللہ اللہ میں گذرے مگر یہ لوگ آکر وقت کو بیکار برباد کرتے ہیں۔ بس یہی میری لوگوں سے لڑائی ہے وقت کو تو ضروری ہی کاموں میں صرف کرنا چاہئے کیا خبر ہے کس وقت رحمت متوجہ ہو جائے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی — شاید کہ نگاہ کند آگاہ نباشی

(ملفوظ ۴۶۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل آزادی اور حریت کی ایسی زہریلی ہوا چلی ہے کہ قلوب میں دین کی عظمت اور وقعت قطعاً نہیں رہی اور یہ مرض خصوصیت سے نیچریوں میں زیادہ ہے۔ حکومت سے باپ سے استاد سے پیر سے ان سب سے تو آزاد ہوئے ہی تھے خدا اور رسول سے بھی آزاد ہو گئے۔ بیدھڑک احکام شرعیہ کی مخالفت اور نصوص کی تحریف کرتے ہیں اور ذرا نہیں ڈرتے جو جس کے جی میں آتا ہے کرتا ہے جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتا ہے ہر حکم شرعی کو عقل کی کسوٹی پر کستے ہیں پھر اگر عقل سلیم ہوتی ہے تو معلوم ہو جاتا کہ ہر حکم موافق عقل کے ہے مگر خود ہی بدعقل ہیں اسلئے ہر حکم میں شبہ اور اس پر اعتراض کرتے ہیں اور اس مرض کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہیں ان کی صحبت سے اللہ اور رسول کی محبت پیدا ہوگی اور محبت وہ چیز ہے کہ تمام شبہات کو ھباءً منثوراً کر دیتی ہے بدون اس کے شبہات کا ازالہ غیر ممکن ہے۔

(ملفوظ ۴۶۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے اب کچھ عرصہ سے آنیوالوں کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ یہاں پر زمانہ قیام میں مکاتبت اور مخاطبت کچھ نہ ہو اس کا منشاء طرفین کی راحت رسانی ہے اور مقصود اس سے یہ ہے کہ خاموش رہنے سے اور وقتاً فوقتاً کی صحبت سے اپنے مطلوب کی حقیقت سے باخبر ہو جائیں گے اور مطلوب کے تعین سے اور طریق کے سمجھ لینے سے حصول میں بڑی سہولت اور آسانی ہو جاتی ہے اس کے سوا میرا اور کوئی مقصود نہیں اور اس قید پر عمل کرنے سے جو لوگوں کو نفع ہوا انھوں نے وطن واپس ہو چکر لکھا کہ دس برس مجاہدہ سے بھی یہ بات نصیب نہ ہوتی جو دس روز وہاں خاموش رہنے سے نصیب ہوئی اور نفع ہوا لیجئے شہادتیں بھی موجود ہیں اور طریق کے سمجھنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ اس طریق سے لوگوں کو اس قدر اجنبیت ہو چکی ہے کہ عوام تو عوام خواص تک اس کی حقیقت سے بیخبر ہیں بعض باتیں ذہن میں جمع کر لی ہیں جنکو بزرگی کے لوازم سے سمجھتے ہیں اور مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود بنا رکھا ہے اور اس طریق سے کوئی مناسبت ہی نہیں رہی ایک عالم شخص کی مجھ سے خط وکتابت ہوئی میں نے ان کو غالب صحیح سمجھ کر دو لفظوں میں تمام طریق کا لب لباب اور خلاصہ بیان کر دیا مگر انھوں نے اس کی کوئی قدر نہ کی اور قدر نہ کرنیکی وجہ طریق کی حقیقت سے بیخبری ہے میں نے یہ لکھا تھا کہ حقیقت طریق کی یہ ہے کہ انفعالات مقصود نہیں افعال مقصود ہیں۔ افسوس اسکو نہ سمجھے اور لکھا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ طریق نہایت مشکل ہے اب بتلایئے کہ وہ دوسری چیز اور کیا ہے جسکو مقصود کہا جا سکتا ہے۔ چاہتے یہ ہیں کہ کرنا دھرنا کچھ نہ پڑے اور سب کچھ ہو جائے سو یہ کیسے ممکن ہے ہاں یہ درجہ ممکن ہے جیسے ایک شخص نے کہا تھا کہ میں شہزادی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور آدھا کام تو ہو گیا ہے آدھا باقی ہے کسی نے

پوچھا کہ آدھا کیا ہو گیا اور آدھا کیا باقی ہے کہا کہ میں تو راضی ہوں وہ راضی نہیں سو ایسے حساب سے تو کام نہیں چلتا کام کرنا چاہئے اور کام بھی ساری عمر کا ہے جب تک زندگی ہے کام میں لگا رہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش | تا دم آخر دمے فارغ مباش

اگر کام کو کام کے طریقہ سے کرے تب معلوم ہو کہ تصوف کس قدر آسان اور سہل چیز ہے دور سے ہوا نظر آتا ہے اور یہ مشکل نظر آنا بھی دکانداروں کی بدولت ہوا ورنہ اسکی اصل حقیقت صرف شریعت کی تکمیل ہے۔ سہولت تعبیر کے لئے اہل فن نے اس کا ایک اصلاحی لقب قرار دے لیا ہے جس کو طریقت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی اصلاح میں اعمال ظاہرہ کا نام شریعت اور اعمال باطنہ کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔ ان جاہلوں کی بدولت دو نظر آنے لگے جیسے ایک استاد نے ایک بھینگے شاگرد سے کہا تھا کہ فلاں طاق میں ایک بوتل رکھی ہے اٹھا لاؤ وہ لینے گیا تو اسکو ایک کی دو نظر آئیں کہا کہ کونسی لاؤں دو ہیں استاد نے کہا کہ ایک کو توڑ دو اور ایک لاؤ وہ ایک جو توڑی دونوں ٹوٹ گئیں کیونکہ حقیقت میں تو وہ ایک ہی تھی دو نہ تھیں ایسے ہی یہاں ہے کہ یہ ایک ہی چیز ہے دو نہیں ہیں سمجھ کا قصور ہے جیسے وہاں نظر کا قصور تھا۔ صرف اصطلاح میں رذائل باطنہ۔ حسد۔ کبر۔ بخل۔ ریا۔ کینہ وغیرہ اعمال باطنہ کی اصلاح کو طریقت اور تصوف کہلاتا ہے اور اعمال ظاہرہ کی دیکھ بھال اور اصلاح کو شریعت کہنے لگے ہیں ورنہ ایک ہی چیز ہے اور وہ شریعت ہی ہے سو شریعت میں کون سا جزو دشوار ہے سو تصوف کو دشوار سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے۔

(ملفوظ ۵۴۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل تکبر کا مرض ہر شخص میں عام ہو گیا ہے الا ماشاء اللہ اس بلا سے بچنے کی کسی کو فکر نہیں اب اس مرض کے وجوہ مختلف ہیں کسی میں یہ کبر حسن و جمال کی وجہ سے ہے کسی کے اندر علم و فضل کی وجہ سے ہے کسی کے اندر زہد تقوے کی وجہ سے ہے کسی کے اندر قوت و شجاعت کی وجہ سے ہے غرضکہ یہ بلا ہے قریب قریب سب ہی میں اور خصوصیت سے لیڈروں میں تو کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے یہ تو اس مرض کا پورا شکار بنے ہوئے ہیں ان میں کبر کی ساتھ حسد کا مرض بھی مل گیا ہے اسلئے مصلحین اور علماء امت پر شب و روز انکو اعتراض ہے۔ ان کے ان سب اعتراضات کا اصل راز وہی کبر و حسد و حریت ہے کہ ہمکو کوئی کہنے والا نہ رہے سوائے ہمارے نہ کوئی مصلح رہے اور نہ مولوی یہ تو کبر و حسد ہوا پھر کھلے بندوں جو چاہے کرتے پھریں یہ حریت ہے۔ اول تو انگریزیت کے دلدادہ تھے اور دل سے اس پر فریفتہ اب کچھ روز سے دین کی وجہ سے تو نہیں ہاں قوم کی فلاح اور بہبود کی غرض سے بزعم خود خدمت مذہب کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو اب سب کچھ خود ہی بننا چاہتے ہیں۔ مفسر بھی محدث بھی فقیہ بھی کسی نے خوب کہا ہے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی | تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی | چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

(ملفوظ ۵۴۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر طالب آجکل مطلوب بننے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اول تو اصلاح کی فکر ہی نہیں

اور اگر کسی کو ہوتی بھی ہے تو مطلوبیت کی شان اپنے اندر لیکر بے ڈھنگے پن سے اذیت پہونچانا تکلیفیں دینا شروع کر دیتے ہیں مشائخ کے یہاں جا کر اپنا ہی وظیفہ پڑھوانا چاہتے ہیں مگر ان کا بھی کوئی قصور نہیں مشائخ ہی نے وہ طرز اختیار کیا ہے کہ طالب کو خود محسوس ہوتا ہے کہ میں مطلوب ہوں تو پھر نااہلوں کے دماغ خراب نہ ہونگے تو اور کیا ہوگا غیرت نہیں آتی شیخ کہلاتے ہیں اور طالبوں کی غلامی کرتے ہیں طریق کو ذلیل کرتے ہیں مجھکو ان باتوں سے سخت نفرت ہے اول تو یہ میری طبعی بات ہے کہ جی چاہتا ہے کہ جو درجہ جس چیز کا ہے وہ اسی درجہ پر رہے میں خدمت تو کرونگو ہر وقت تیار ہوں خادم ہوں مجھ سے خدمت لو مگر کسی کا نوکر یا غلام نہیں ہوں کہ طالب کے تابع ہو جاؤں علاوہ اس کے اس طرز میں طریق کی بیوقعتی بے عظمتی بھی تو ہے اسلئے مجھ سے طریق کو طالب نہیں بنایا جاتا جیسا بعضے بنا دیتے ہیں اور اس کا نام اخلاق تواضع رکھا ہے ایسے اخلاق اور ایسی تواضع سے اللہ بچائے صاف کیوں نہیں کہتے کہ یہ سب دنیا اینٹھنے اور کمانے کے ڈھنگ ہیں اخلاق اور تواضع تو محض صوری ہے اور حقیقت میں اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے اور ان چیزوں کی حقیقت کسی کامل کی صحبت میں رہنے سے معلوم ہو سکتی ہے کسی کے جوتیاں سیدھی کرو اور ناکیں رگڑو اور اسکے سامنے اپنا سارا کچا چٹھ رکھدو اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مردے کاملے پامال شو

(ملفوظ ۵۵۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فضائل اور کمالات لئے پھرتے ہیں۔ میاں اگر ایمان کے ساتھ خاتمہ ہو جائے اور حق تعالیٰ اپنے فضل سے دوزخ سے نجات فرما دیں اور جنتیوں کی جوتیوں میں جگہ ملجائے یہی سب کچھ ہے۔ لوگوں کو اپنے علم و عمل پر ناز ہے۔ صاحبو! یہ ناز کرنا اپنے کسی کمال پر بڑی ہی بُری بلا ہے اور ہماری تو حقیقت کیا ہے خود حضور ؐ کو خطاب ہے۔ ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک جس سے علم پر ناز کرنے کی جڑ اکھڑتی ہے اور ارشاد ہے ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا اس سے عمل پر ناز کرنیکی جڑ اکھڑ گئی اسکے بعد پھر کیا یہ خبط نہیں ہے کہ دو چار روز تہجد پڑھ لیا ذکر و شغل کر لیا تسبیح ہلالی بس ہو گئے بزرگ۔ بن گئے مقدس معلوم بھی ہے کہ ذرا سی دیر میں اسی ناز کے وبال میں سارا تقدس اور بزرگی کافور ہو جائے گی اور سب کچھ دھرا رہ جائیگا صاحبو! نیاز پیدا کرنے کی کوشش کرو پہلا قدم اس طریق میں فنا ہونا اور اپنے کو مٹا دینا ہے اگر یہ بات نہ پیدا ہوئی تو وہ شخص محروم ہے اور اس شخص کو اس طریق سے . . . . کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ کان کھول کر سن لیں۔

(ملفوظ ۵۵۱) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تصوف کی حقیقت ہے تعمیر الظاھر و الباطن یعنی ظاہر اور باطن دونوں کی اصلاح کا نام تصوف ہے اور یہ دونوں اصلاح تلازم کے سبب گویا ایک ہی چیز ہیں ان میں تفریق کرنا تصوف کی حقیقت میں تحریف ہے نہ ظاہر باطن سے مستغنی نہ باطن ظاہر سے ان جاہلوں کی بدولت ایک چیز کی دو چیزیں نظر آنے لگیں ورنہ حقیقت میں ایک ہی چیز ہیں۔

(ملفوظ ۵۵۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بندہ ہو کر دعوی کے ساتھ خواہ وہ دعوی علم و فضل پر ہو یا حسن و جمال پر یا زہد اور تقوے پر یا شجاعت اور قوت پر۔ عطا پر دعوی کرنا ایسا ہے جیسے ایک چمار کو بادشاہ ایک قیمتی موتی اپنے خزانہ سے عطا

فرمائے تو کیا وہ بچارا اپنے کو اہل سمجھ کر ناز کرے گا یا اس عطاء بلا استحقاق سے اور زیادہ پوستی پیدا ہو گی مجھ نااہل کو اتنی بڑی قیمتی چیز سے نوازا ہیں اس قابل نہ تھا پھر اس پر یہ عطاء ایسے ہی یہاں پر سمجھو کہ ہر چیز ان کی عطاء فرمائی ہوئی ہے اور اسکو ہماری طرف منسوب فرما دیا ورنہ ہم کیا اور ہماری حقیقت کیا محض ان کا فضل اور ان کی عطاء اور ان کی عنایت ہے۔ اسی کو کسی نے خوب کہا ہے ؎

نسیم صبح تیری مہربانی کہاں ہیں اور کہاں وہ نکہت گل

(ملفوظ ۵۵۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ زمانہ تحریکات میں لوگوں نے میری شرکت کیلئے جو کچھ بھی زور لگانا تھا لگا اور بدون دلائل کے مجھکو مغلوب کرنا چاہا قسم قسم کے بہتان لگائے بدنام کیا قتل کی دھمکیاں دیں کہ یہ شریک ہوجائے پر دین رہ گیا ہے اور ان کا ایسا کرنا اس پر دال تھا کہ انھوں نے اپنی حالت پر قیاس کیا کہ جیسے ہم مصالح پرست ہیں دوسرے بھی ایسے ہی ہیں۔ اسیکو مولانا فرماتے ہیں ؎

کو چو خود پنداشت صاحب دلق را ازقیاسش خندہ آمد خلق را

اگر دب جانا اور متاثر ہونا ایسا ہی ارزاں ہے تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ انکی قوم نے کیا کچھ نہیں کیا اور کونسی کسر اٹھا رکھی تو کیا وہ انکی وجہ سے تبلیغ حق سے رک گئے تھے یا نعوذ باللہ انکے تابع اور منقاد ہو گئے تھے ان حضرات نے لا یخافون لومۃ لائم پر عمل فرماتے ہوئے اور کسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہمیشہ حق کا اظہار کیا اور کبھی کسی خوف یا طمع کے سبب کتمان حق نہیں کیا گو ہم اس درجہ کے نہ سہی مگر منسوب تو ان ہی حضرات کی طرف ہیں کہلاتے تو ان ہی کے نائب ہیں۔ پھر کیوں نہ اس مسلک پر عمل کریں۔ اگر یہ بات نہیں اور برداشت نہیں کر سکتے اور ایسا ہی خوف یا طمع کا غلبہ ہے تو نیابت کا کام چھوڑ دو۔ کام کو کیوں بدنام کرتے ہو اور خدمت دین کا دعویٰ ہی کیوں کرتے ہو اگر کرتے ہو تو اسکے لوازم کیلئے تیار رہو۔ عارف شیرازی رح فرماتے ہیں ؎

یا مکن با پیل بانان دوستی یا بنا کن خانہ برانداز پیل
یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی یا فرو شو جامہ تقوی بہ نیل

الحمد للہ۔ میں اس زمانہ میں اپنے نفس کو اس پر آمادہ پاتا تھا کہ خواہ کچھ ہی ہو مگر حق کے خلاف انشاء اللہ تعالیٰ ایک انچ قدم آگے نہ اٹھے گا۔ بحمد اللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے یہ حالت میری فطرت بن گئی تھی مجھکو اسکے خلاف پر قدرت نہیں تھی اگر تم ترک حدود میں مصالح دنیوی اور اغراض کی وجہ سے اپنے کو معذور سمجھتے ہو تو میں بھی مصالح شرعیہ اور اپنی فطرت سے معذور تھا۔ باقی رہے مصالح سو یہاں تو مصالح پیسا کرتے ہیں سل پر کیونکہ مصالح کو جتنا زیادہ پیسا جائے اسی قدر سالن مزیدار ہوتا ہے۔ غرضکہ تم بھی معذور میں بھی معذور چلو چھٹی ہوئی اسی پر یہ شعر یاد آتا ہے ؎

نہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کم خالی چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

خدانخواستہ کوئی ضد نہیں تھی ہٹ نہیں تھی۔ میں نے تو اعلان کر دیا اور صاف کہہ دیا تھا کہ عالم فاضل اور مسلمان تو بڑی

چیز ہیں اگر مجھکو بھنگی کا بچہ بھی سمجھا دے تو میں سمجھ میں آجانے کے بعد آج ہی تمام ہندوستان میں اعلان کر دونگا اور تحریک میں شرکت کر لونگا مگر یہ تو کچھ نہ کیا خواہ مخواہ کی زبردستی کرنا اور تہذیب اور انسانیت سے گذر کر بیجا دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ الزامات کے پل باندھ دیئے۔ ہماری قوم کی ایک بات کا رونا ہو تو کوئی روئے ایک بات ہو تو اس کی شکایت کرے دین تو دین بعضوں میں تو تہذیب اور ادب بھی نہیں رہا اور یہ سب چیزیں جب خدا کا خوف قلب کے اندر ہو تب ہی پیدا ہو سکتی ہیں۔ تمام لیڈروں میں بیچارے محمد علی کے اندر یہ بات تھی کہ وہ مہذب تھے اس ہی زمانہ میں میں نے معتبر راوی سے سنا تھا کہ علیگڈھ کالج میں نماز کے بعد میرے لئے دعا کرائی تھی کہ اے اللہ اس ہستی کو ہمارے ساتھ کر دے۔ علماء تک نے سب و شتم کیا برا بھلا کہا جلسوں اور لیکچروں اور پلیٹ فارموں پر بدزبانی بدگمانی کا اعلان کیا مگر میرا کیا بگاڑ لیا۔ میں نے یہ علیحدگی کوئی اپنے نفس یا غرض کی وجہ سے تھوڑا ہی اختیار کی تھی۔ محض مصالح شرعیہ اور احکام اور مسائل شرعیہ میری عدم شرکت کا سبب اور بنا تھی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے محافظ بنے انہوں نے ہی حفاظت فرمائی اور لاکھ لاکھ شکر ہے اس ذات پاک کا کہ مجھکو کسی کے در پر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی وہی لوگ یہاں پر آئے اور معافیاں چاہیں اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا۔

ایک مولوی صاحب مجھ سے خود کہتے تھے کہ اللہ معاف کرے ہمنے تو اپنے مقاصد کے کامیاب بنانے کیلئے احکام شرعیہ کی بھی پرواہ نہیں کی۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب پھر آپکو کامیابی کی بھی توقع تھی اس زمانہ میں بعض اہل علم کھلم کھلا کہتے تھے کہ یہ مسائل کا وقت نہیں کام کا وقت ہے۔ یہ مسلمانوں کے کام ہیں۔ استغفر اللہ نعوذ باللہ۔ پھر اس پر دوسروں کو دعوت دیتے تھے کہ تم بھی ہمارے شریک ہو جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری بد دینی میں تم بھی حصہ لو۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ جو مولوی ان تحریکات میں کام کر چکے ہیں وہ درس و تدریس کے کام کے نہیں رہے انکو چند روز کسی صاحب برکت کی صحبت میں رہنے کی ضرورت ہے۔ ان لوگوں نے ایک دم اپنے بزرگوں کے طرز اور مسلک کو بدل دیا نہ وہ صورت رہی نہ وہ سیرت رہی بڑے ہی فتنہ کا زمانہ تھا۔

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

(ملفوظ ۵۵۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اعلاء السنن نہایت ہی عجیب کتاب ہے مثل بہشتی زیور کے اس کے بھی متعدد حصے کر دئیے گئے ہیں جی یہ چاہتا ہے کہ یہ میرے سامنے ایک مرتبہ طبع ہو جائے۔ مذہب حنفیہ کی نصرت میں یہ کتاب ماشاء اللہ بے نظیر ہے ہر ہر مسئلہ پر اسکے متعلق احادیث جمع کر دی گئی ہیں۔ اب معترضین کا منہ نہیں کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ مذہب احناف حدیث کے خلاف ہے۔

(ملفوظ ۵۵۵) فرمایا کہ ایک خط آیا ہے ایسے باریک قلم سے لکھا ہے کہ پڑھنا مشکل ہے اور اس پر مزید برآں یہ کہ روشنائی بھی پھیکی ہے یہ بے تمیزیاں لوگوں میں ہو گئی ہیں۔ اس کا مطلق خیال نہیں کہ ہماری اس حرکت سے دوسرے کو تکلیف ہوگی۔ دین کو ایک مختصر فہرست میں محدود کر رکھا ہے اور باقی اجزاء کو دین سے خارج سمجھتے ہیں حالانکہ دین میں ایک اصل عظیم یہ بھی ہے کہ اپنے سے دوسرے کو تکلیف اور اذیت نہ پہونچے مگر معاشرت ہم لوگوں کی بالکل خراب اور برباد ہو چکی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ ذلیل و خوار ہیں معاملات اخلاق سب خراب۔ بس نماز روزہ نفلیں تہجد کے علاوہ اور کسی چیز کو دین کی فہرست میں داخل نہیں سمجھتے اس حالت میں کوئی کہاں تک اصلاح کرے اور کرے بھی تو اس پر ناگواری ہوتی ہے دوسرا بھی ان کا نوکر یا غلام نہیں جو اس حالت میں انکی خدمت کرے۔

(ملفوظ ۵۵۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طلب کی شان ہی جدا ہوتی ہے اس کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے اور یہ خیال کہ بدوں طلب اور اس کے لازم یعنی اصلاح کے کچھ کام بنجائے ایسا ہے جیسے بدوں نکاح کے اولاد ہونے کا خیال۔

(ملفوظ ۵۵۷) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ درس و تدریس متعارف مقصود کا مقدمہ ہیں اور اصل مقصود تبلیغ ہے۔ آجکل یہ بڑی کوتاہی ہو رہی ہے کہ درس و تدریس کو اصل سمجھ لیا ہے اور اس کوتاہی اور غلطی کی بدولت اکثر علماء کو جو تبلیغ نہیں کرتے ایک بہت بڑی فضیلت سے محرومی ہو گئی ہے۔ حضرات انبیاء کا درس یہی تبلیغ تھا۔ ابتداء میں درس و تدریس اور بعد فراغ علوم تحصیل اور تبلیغ دونوں کے حقوق ادا کرنا چاہئیں ایک کی طرف متوجہ ہو کر دوسرے سے غفلت کرنا یہ عظیم کوتاہی ہے علماء کو اس طرف ضرور توجہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنا وقت تبلیغ میں بھی صرف کیا کریں اور اس کی ایک سہل اور بہتر صورت یہ ہے کہ مدارس کی طرف سے کچھ مبلغ مقرر کر دیئے جائیں۔ آجکل مدارس میں اس کی بڑی کمی ہے۔ پڑھنے پڑھانے میں جسقدر مشغولی ہے تبلیغ کی طرف مطلق توجہ نہیں جسقدر اس میں صرف کرتے ہیں تبلیغ میں اسکا نصف حصہ بھی خرچ نہیں کرتے۔

(ملفوظ ۵۵۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سچ انسان کے اندر بڑی صفت ہے اگر حق تعالیٰ اس دولت سے کسی کو نوازیں سچے آدمی کا ہر شخص اعتبار کرتا ہے۔ صاحب مال کو قرض نہ ملے اگر وہ جھوٹا ہو۔ غریب اور مفلس کو قرض ملجاتا ہے اگر وہ سچا ہو۔ یہ اس صفت کا اثر ہے۔ مسلمانوں میں اس کی بڑی کمی ہے یہی وجہ ہے کہ انکے کام بند ہیں۔

(ملفوظ ۵۵۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ صفت بخل اپنی ذات میں مذموم نہیں اگر یہ مادہ انسان میں نہ ہو انتظام نہیں ہو سکتا۔ ہاں کسی چیز کا اعتدال سے بڑھ جانا یہ مذموم ہے۔ افراط و تفریط سے بچنا ہی اعتدال ہے۔

(ملفوظ ۵۶۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس تعلیم انگریزی کی بدولت الحاد اور نیچریت کا غلبہ زیادہ ہو گیا ہے۔ یہ کالج کیا ہیں فالج ہیں۔ دین کے حس کو بالکل تباہ اور برباد کر دیتے ہیں ان کے تعلیم یافتہ اکثر بددین ملحد ہوتے ہیں دماغوں میں خناس بھر جاتا ہے۔

(ملفوظ ۵۶۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انسان کو اول اپنی فکر چاہیئے۔ دوسروں کی فکر میں تو جب پڑے جب اپنے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ میرے ساتھ صحیح معاملہ ہوگا اور یہ ساری عمر نہیں معلوم ہو سکتا پھر اپنے سے بیفکری کیسی بعض لوگوں کا یہی مشغلہ ہے کہ ہر وقت دوسروں کی فکر میں رہتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

تجھکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔

(ملفوظ ۵۶۲) ایک نووارد شخص آئے اور بعد مصافحہ حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ تم ایسی جگہ بیٹھے ہو کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمکو بیٹھنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ بیعت تو دور چیز ہے۔ ابھی تو تمیز سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس پر وہ شخص اس جگہ سے ہٹ کر ایک اور صاحب کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئے حضرت والا نے فرمایا کہ تم میں ایسی کونسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہو جس سے ایک مسلمان کی طرف پشت کر کے بیٹھے۔ عرض کیا غلطی ہوئی فرمایا کہ غلطی کا منشاء کیا تھا اس کا جواب دو آخر کیا سمجھ کر پشت کی جبکہ اور جگہ بھی موجود ہے عرض کیا کہ مجھکو خبر نہ تھی (یعنی یہ کہ میری پشت کی طرف کوئی آدمی ہے) فرمایا تو کیا کوئی سوئی ہے جو نظر نہیں آئی بیٹھا ہوا آدمی نظر نہ آیا۔ میری بات کا جواب اب بھی نہیں دیا اپنے فعل کی تاویلیں شروع کر دیں۔ یہ مرض بھی لوگوں میں عام ہو گیا ہے کہ حقیقت پر پردہ ڈالکر دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ بدفہمی کا بازار کچھ ایسا گرم ہو رہا ہے جس کی حد نہیں۔ میں نے غلطی کا منشاء دریافت کیا اس کا تو جواب ندارد اور ہی کچھ ہانکنا شروع کر دیا اگر ایسی ہی غلطی ہے اور نظر نہیں آتا تو میری طرف پشت کر کے کیوں نہیں بیٹھے۔ ابھی تک تو اتنی تمیز بھی نہیں آئی نہ معلوم اور کونسا وقت سلیقہ اور تمیز سیکھنے کا ہوگا۔ آخر میں کہاں تک تمہاری ان بدتمیزیوں پر صبر کروں اور جب کوئی امراض کو طبیب سے چھپا جائیگا یا اس میں تاویلیں کریگا تو وہ علاج کس طرح کریگا۔ میں کھود کرید کر کے مرض کے ازالہ کی فکر کرتا ہوں یہ لوگ اس میں تاویلیں کر کے اسکو چھپانا چاہتے ہیں پھر اصلاح کی کیا صورت ہے اور اصلاح کیسے ہوگی اور یہاں آئے ہی کیوں تھے کیا یہاں کوئی تماشہ ہو رہا ہے یہاں اور جگہوں کی طرح مجلس آرائی حکایات شکایات قصہ کہانیاں نہیں ہوتیں۔ یہاں تو جس کام کو آئے اسکو کرنا چاہیئے۔ اصلاح کی غرض سے آئے ہو اصلاح شروع ہو گئی۔ اب اگر یہ طرز اصلاح کا ناپسند ہے تو یہاں سے نکلو اور اگر اصلاح مقصود ہے تو جیسے کہا جائیگا ویسے کرنا ہوگا۔ برا بھلا سننا پڑے گا۔ جوتیاں کھانا پڑیں گی اور اگر نواب صاحب بن کر آئے ہو تو یہاں دال نہ گلے گی کہیں اور جاؤ بڑے بڑے دکاندار ایسوں کی فکر میں منہ پھیلائے بیٹھے ہیں۔ جاتے ہی آؤ بھگت شروع ہو جائیگی۔ بس میری یہی باتیں ہیں جن سے لوگ خفا ہیں۔ دیکھئے انکو شرم نہیں آئی جگہ ہوتے ہوئے ایک مسلمان کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئے جیسے کوئی نواب صاحب ہوتے ہیں۔ کیا تم لوگ آدمیوں میں رہتے سہتے نہیں۔ یا دنیا میں آدمیت ہی باقی نہیں رہی صحرائی جانوروں کی سی حرکات کرتے ہو اور یہ سب مرض بیفکری کا ہے غور اور فکر کا تو نام ہی نہیں جو جی میں آیا کر لیا جو منہ میں آیا بکدیا۔ جس طرح جی چاہا بیٹھ گئے۔ اٹھ گئے۔ یہاں پر پنکھا لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ اسکو محبت سے کھینچنا چاہتے ہیں۔ مگر میں ہر شخص کو اسلئے اجازت نہیں دیتا کہ سلیقہ نہ ہونے کی وجہ سے بجائے راحت کے تکلیف پہونچاتے ہیں

مشین کی طرح ہاتھ چلنا شروع ہو جاتا ہے پھر خبر نہیں رہتی کہ کوئی مجلس سے اٹھ رہا ہے یا کوئی آ رہا ہے کسی کے سر میں لگنے لگا۔ آخر آدمی ہیں اور مشین میں فرق کیا ہوا اسلئے میں نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ بدون اجازت کے کوئی شخص پنکھا نہ کھینچے۔ یہاں پر جسقدر اصول اور قواعد ہیں سب تجربات کی بناء پر ہیں۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بھلا پنکھا کھینچنے میں کون سے اصول اور قواعد کی ضرورت ہے مگر اب یہ سنکر معلوم ہو جائیگا کہ کتنے بڑے اصول اور قواعد کے ماتحت اسکی ممانعت ہے۔ میرے تمام اصول کی جڑ صرف راحت رسانی ہے۔ حکومت مقصود نہیں طرفین کی راحت رسانی مقصود ہے۔

پھر اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب میری بات کا تم کوئی جواب نہیں دینا چاہتے اور مجھکو قابل خطاب نہیں سمجھتے یا میرے سوال کو لغو اور بیہودہ بکواس سمجھتے ہو یہاں سے چلو اٹھو اور خبردار جو کبھی یہاں آکر قدم رکھا عرض کیا کہ مجھ سے خطا ہوئی اب آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا حضرت مجھکو معاف فرما دیں۔ فرمایا اب کیوں بولے پہلے سے کیا زبان سل گئی تھی تم لوگ اس وقت تک نہیں مانتے جبتک کہ تمہاری غذا تمکو نہ مل جائے۔ میں تمہاری نبضیں پہچانتا ہوں۔ اچھا اس وقت یہاں سے اٹھو تمکو دیکھ کر اذیت ہوتی ہے کل کو پھر اسی وقت ظہر کے بعد اگر جی چاہے مجلس میں آکر بیٹھنا اور اپنی اس حرکت کا منشا بیان کرنا میرے پوچھنے کا انتظار نہ کرنا خود آکر بیٹھ کر منشا بیان کر دینا تب کچھ اور بات کروں گا بیعت ہوئے چلے ہیں۔ سلیقہ اور تمیز اٹھنے بیٹھنے کا بھی نہیں۔ ولی اور قطب بننے کی ہر شخص کو فکر ہے خواہش ہے مگر آدمیت سے کوسوں دور ہیں۔ اسکی فکر ہی نہیں۔ معلوم بھی ہے ولایت اور قطبیت تو آسان ہے۔ اس لئے کہ رحیم و کریم سے اس کا تعلق ہے مگر آدمیت کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ یہاں پر تو انسانیت آدمیت سکھلائی جاتی ہے اور ولایت اور قطبیت درکار ہے تو کہیں اور جاؤ۔ جاتے ہی سب کچھ ہو جاؤ گے راہ مارا ہے شیطان نے طریق کی حقیقت سے بالکل بے خبری ہے اور یہ سب جاہل پیروں کی بدولت طریق بدنام ہوا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت فرما دے۔

(ملفوظ ۵۶۳) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ کامل وہ ہے جو فن سے واقف ہو۔ شیخ کیلئے فن جاننے کی ضرورت ہے اگر فن سے ناواقف ہے ناآشنا ہے وہ شیخ کہلائے جانیکے قابل نہیں اور نہ وہ حقیقت میں شیخ ہے۔ جیسے طبیب کہ فن سے واقف ہونا اس کا ضروری ہے۔ ایسے ہی یہاں ہے ولی ہونا بزرگ ہونا قطب ہونا غوث ہونا الگ بات ہے۔ شیخ ہونا الگ بات ہے۔ فن میں مہارت ہونا شیخ ہونیکے لوازم سے ہے۔ باقی اس کا متقی ہونا زاہد ہونا عابد ہونا مشیخت کی شرط نہیں۔ ہاں اگر شیخ ان اوصاف کے ساتھ بھی موصوف ہو تو اس کی تعلیم میں برکت ہوگی نور ہوگا۔ مگر اس وقت فن کے مردہ ہونیکی وجہ سے یہ طریق بدنام ہو گیا۔ لوگ گمراہ ہوئے۔ اصل چیز گم ہو گئی۔ غیر اصل کو لوگوں نے مقصود سمجھ لیا۔ اس صورت میں بعض کو تو اس سے وحشت ہو گئی وہ اس کے منکر ہو گئے اور بعض کو اس قدر غلو ہوا کہ احکام شرعیہ سے تجاوز کر گئے۔ غرض دونوں جماعتیں خسران میں پڑ گئیں۔ حقیقت دونوں کے پاس نہ تھی۔ اب بحمد اللہ مدتوں کے بعد حقیقت کا انکشاف

حق تعالیٰ نے کرادیا کہ جسکے ہم منکر تھے وہی ذریعہ نجات ہے یا عن احکام شرعیہ سے ہمکو نفرت تھی اس سے نفرت کرنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔

(ملفوظ ۵۶۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بدون عشق اور محبت کے کیساہی سہل اور آسان کام کیوں نہ ہو سخت اور مشکل معلوم ہوتا ہے عشق اور محبت وہ چیز ہے کہ سب کو آسان کر دیتی ہے اور مشکل سے مشکل کام سہل اور آسان نظر آنے لگتا ہے اس محبت کی بدولت اور تو کیا جان تک دیدینا سہل ہو جاتا ہے اور عاشق بزبان حال یہ کہنے لگتا ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت | سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور یہ کہنے لگتا ہے ؎

اسیرت نخواہد رہائی ز بند | شکارت نہ جوید خلاص از کمند

اور یہ محبت پیدا ہوتی ہے اہل محبت کی صحبت سے۔ ان کی جوتیوں میں یہ برکت رکھی ہے کہ چند روز میں کچھ سے کچھ بن جاتا ہے۔ مگر آج کل لوگ اسی سے گھبراتے اور بھاگتے ہیں۔

(ملفوظ ۵۶۵) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مناسبت پیدا کرنے کیلئے کم از کم چالیس روز تو شیخ کی صحبت میں رہے۔ مگر یہ ایک ضابطہ کی بات ہے۔ باقی اصل تو یہ ہے کہ اسکی کچھ مدت نہیں۔ مناسبت پیدا ہونیکا کوئی خاص معیار نہیں۔ بعض کو صحبت میں ساری عمر گذر جاتی ہے مناسبت نہیں پیدا ہوتی اور بعض کو اول ہی ملاقات میں ہو جاتی ہے اور یہ ایک ظاہری حکم ہے ورنہ واقع میں مناسبت تھی۔ ملاقات کے وقت اس کا ظہور ہو گیا۔ پیدا نہیں ہوئی۔ اور بعض کو ظاہراً مناسبت ہوتی ہے اور ملاقات کے بعد جاتی رہتی ہے اس کے متعلق بھی یہی ہے کہ وہ مناسبت کا وسوسہ تھا حقیقت میں پہلے ہی سے مناسبت نہ تھی۔ لیکن ہر حال میں یہ ضروری ہے کہ نفع موقوف ہے مناسبت پر بدون مناسبت کے نفع نہیں ہو سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی جدائی کا سبب یہی عدم مناسبت ہوئی ورنہ وہاں اور کیا شبہ ہو سکتا ہے مگر جو چیزیں قدرتی ہیں جنمیں ایک مناسبت بھی ہے ان میں کسی کو کیا دخل۔ اسی مناسبت کے شرط ہونیکے سبب میں کہا کرتا ہوں کہ یہاں جو بعضے آنیوالوں کو نفع نہیں ہوتا یا تو ان کے اندر کمی ہے یا میرے اندر کمی ہے جس سے مناسبت نہیں ہوتی۔ بہر حال جس طرف کی بھی کمی سبب ہو اس کمی کے سبب نفع نہیں ہو سکتا اور یہ کیا ضروری ہے کہ ایک شخص سے ساری دنیا کو مناسبت ہو اور کسی خاص شخص سے مناسبت نہ ہونا مضر بھی نہیں اسلئے کہ وہ شخص نبی تو نہیں اور غیر نبی سے مناسبت تو کیا اگر محبت طبعی اور محبت عقلی بھی نہ ہو تب بھی کوئی مضرت نہیں باقی نبی سے بوجہ جامعیت کے سب امت کو مناسبت ہوتی ہے گو انکے ساتھ طبعی محبت ضروری نہیں مگر عقلی محبت ضروری ہے اب اس پر یہ شبہ کہ غیر نبی سے جبکہ وہ شیخ کامل ہو مناسبت نہ ہوتے ہیں کیا یہ تھوڑی مضرت ہے کہ اس سے کوئی نفع نہیں ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی مناسبت اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اگر کہو اختیاری

ہے تو پیدا کر لو۔ اگر کہو کر پیدا نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ غیر اختیاری ہے اور جو چیز غیر اختیاری ہوتی ہے وہ کبھی مضر نہیں ہوتی۔ باقی نفع نہ ہونا تو اگر یہاں سے نفع نہ ہوگا کسی اور جگہ سے ہوگا۔ پھر کیا مضرت ہوئی۔

(ملفوظ ۵۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان مکار اور جاہل صوفیوں کی بدولت بڑی گمراہی پھیلی اگر کچھ واہی تباہی ہانک دیں تو اسرار رموز ہیں۔ گردن جھکا کر خاموش بیٹھے رہیں تو استغراق ہے چاہے دین کا استغراق (غرق) ہی ہو رہا ہو۔ میرے ایک دوست رئیس مالدار ایک مرتبہ پیران کلیر چلے گئے کسی جگہ جا رہے تھے پشت کی جانب سے ایک بڑے زور سے آواز آئی کہ ابے ادھر تو۔ انہوں نے کوئی خیال نہ کیا۔ دوسری بار پھر آواز آئی انہوں نے محض شبہ کی وجہ سے پیچھے دیکھا کہ ایک شاہ صاحب بنے بیٹھے ہیں۔ انکو کہا کہ ابے تجھ ہی کو تو بلاتے ہیں۔ بیچارے گئے کہ دیکھیں شاہ صاحب کیا فرماتے ہیں کہا کہ کچھ خبر بھی ہے۔ جب خدا نے روحوں کو پیدا کیا تو سب کو ایک جگہ جمع کر کے حکم دیا تھا کہ بھنگ بوزہ ہم لوگوں کی جماعت قریب تھی ہم نے تو صحیح سن لیا اور مولوی لوگ دور تھے انہوں نے سنا نماز روزہ یہ نکتہ ہے مرشدوں کا۔ جا یاد رکھنا۔ یہ علوم ہیں ان جاہلوں کے۔ اس نامعقول سے کوئی پوچھتا کہ قرآن شریف میں بجائے بھنگ بوزہ کے نماز روزہ کیسے آیا۔ کیا یہ صریح کفر نہیں ہے۔ پھر بھی درویش کے درویش۔ صوفی کے صوفی۔ کیسے کفریات بکتے ہیں اور ذرا خدا سے نہیں ڈرتے۔ بڑے ہی جری اور دلیر ہیں۔ اور حیرت یہ ہے کہ عوام بھی زیادہ تر ایسے ہی بددینوں اور راہزنوں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں جو شخص جسقدر خلاف شریعت ہوا اسکو اتنا ہی مقبول سمجھتے ہیں ہاں ایک معنی کر مقبول کہا جاسکتا ہے یعنی شیطان کے مقبول کیونکہ اس کی نیابت کا کام انجام دیتے ہیں۔ ایسے ہی ڈاکوؤں اور رہزنوں نے طریق کو بدنام کیا۔ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔ یہ تو عقائد تھے۔ باقی اعمال میں کبائر تک کا ارتکاب۔ فواحش میں ابتلا فسق و فجور شب و روز کا مشغلہ مگر کسی طرح صوفیت اور درویشی نہیں لوٹتی۔ ایسی رجسٹری شدہ درویشی ہے لو یا لاٹ۔

مگر اب الحمد للہ ان مکاروں کی مکاریاں طشت از بام ہو گئیں اسلئے خفا ہیں۔ خیر ہوں خفا۔ حلوے مانڈوں میں تو کھنڈت پڑ ہی گئی۔ جھلاتے ہیں۔ میں نے بھی بفضلہ تعالیٰ اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے حقیقت کا خفا نہیں رکھا جو علوم سینے بسینے چلتے تھے سب کو عام درسگاہ میں مخلوق کے سامنے پیش کر دیا۔ اب جاہلوں کا بھی پھندے میں آنا آسان نہیں گو مجھ پر یہ حالت ہو رہی ہے

چشمہا و خشمہا و رشکہا　　　بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ آجکل ڈیڑھ پیسہ میں درویش بنتا ہے۔ ایک پیسہ کا گیرو اور ایک پیسہ کی تسبیح بازار سے خرید لے۔ گیرو میں کپڑے رنگ لے اور ہاتھ میں تسبیح لیلے۔ چلو چھٹی ہوئی۔ اچھے خاصے درویش بن گئے شاہ صاحب ہو گئے۔

(ملفوظ ۵۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ لیڈر قومی ہمدردی کا صرف سبق گاتے پھرتے ہیں مگر دلوں میں ہمدردی کا نام نہیں محض زبان ہی تک محدود ہے۔ ہزاروں مسلمانوں کو گولی کی نذر کرا دیا جس سے ہزاروں بچے یتیم اور

عورتیں بیوہ ہو گئیں اور لاکھوں روپیہ قوم کا برباد کرا دیا اور پھر بھی صبر نہیں۔ اب مجالس کفریہ میں شرکت کی جا رہی ہے جو حقیقت میں غیر مسلموں کی خالص مذہبی تحریک ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس میں بعض مولوی بھی شریک ہیں اس سے بیچارے عوام مسلمان دھوکا کھاتے اور پھنستے ہیں۔ یہ سب ایک طاغوت کی چالاکیاں اور مکاریاں ہیں۔ سمجھ لیا ہے کہ مسلمانوں کو آگے رکھنا چاہئے اس میں اسنے دو مصلحتیں سمجھیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان جوشیلی قوم ہے مریگی دوسرے ان سے گورنمنٹ بدگمان اور بدظن ہو گی۔ اپنی قوم کو عدم تشدد کی ڈھال میں لے لیا۔ مگر مسلمان اس پر قادر نہیں یہ جوش میں آجاتے ہیں۔ اس سے گولی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ بعض وقت تو ان لوگوں کی عقلوں پر بڑا ہی افسوس ہوتا ہے یہ لوگ کیا خاک کام کریں گے جن کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ایک معمولی دشمن ہی کی چال کو سمجھ لیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں یہ عاقل نہیں آکل ہیں عقل کی ایک بات نہیں اکل کی فکر ہے۔ آخر ان کی عقلیں گئیں کہاں۔ مسلمانوں کو کفار کی اغراض کا تختہ مشق بنایا جاتا ہے اور باوجود تجربات و مشاہدات کے پھر نہیں سمجھتے اور نہ عقل سے کام لیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عقل سے کورے ہیں۔ یہ اغراض دنیا بھی بری ہی چیز ہیں جب یہ سامنے آجاتی ہیں سب کچھ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے کچھ پتہ نہیں رہتا۔

(ملفوظ ۵۶۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں تو سب بڑے میاں کی دعاؤں کی برکت ہے (مراد حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہیں) ورنہ اپنے پاس علم ہے نہ عمل۔ ہمیشہ یوں ہی گذر گئی اب جی چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جو وقت باقی ہے اس میں اپنی یاد کی توفیق عطا فرما کر اپنے کام میں لگائے رکھیں۔ میں اپنے دوستوں کے رنج کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتا ورنہ مجھکو اپنے وقت کا پوری طرح سے استحضار ہے۔ اگر کسی کو میرے ساتھ ہمدردی اور محبت ہے تو وہ میرے لئے ایمان کی سلامتی اور اعمال کی توفیق کی دعا کریں۔ اور باتیں تو بڑے لوگوں کی ہیں۔ اگر ایمان کے ساتھ خاتمہ ہو جائے اور جنتیوں کی جوتیوں میں جگہ مل جائے یہی سب کچھ ہے اور بڑی دولت ہے۔ باقی تقوی طہارت پر کیا کوئی ناز کر سکتا ہے اور دعوے کا کیا کسی کا منہ ہے۔ سندیلہ ایک بستی ہے وہاں ایک مرتبہ امساک باراں سے قحط ہو گیا۔ لوگ پریشان تھے۔ استسقاء کی نماز کئی روز پڑھی گئی۔ بارش نہ ہوئی وہاں کی بازاری عورتیں جمع ہو کر وہاں کے ایک رئیس کے پاس آئیں کہ ہم جنگل میں جا کر بارش کیلئے دعا کرنا چاہتے ہیں آپ اس کا انتظام کر دیں کہ وہاں کوئی جا کر ہمکو دیکھے نہیں ورنہ بجائے رحمت کے کہیں اور قہر کا نزول نہ ہو۔ رئیس نے کافی انتظام کر دیا۔ یہ گروہ جنگل میں پہنچا اور سجدے میں سر رکھ کر رونا شروع کیا اور توبہ استغفار کی اور یہ کہا کہ اے اللہ سب سے زیادہ ہم ہی گنہگار ہیں سیہ کار ہیں۔ ہماری ہی نحوست سے آپکی تمام مخلوق پریشان ہے آپ فضل فرما دیں رحم فرما دیں معاف فرما دیں۔ سر نہ اٹھایا تھا کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تو کسی کو کیا حقیر اور ذلیل سمجھے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ما بروں را ننگریم و قال را　　ما دروں را بنگریم و حال را

سو ناز تو کسی کو کرنا ہی نہیں چاہئے انکی مخلوق ہے نہ معلوم کس بات پر کس وقت کیا سے کیا کر دیں۔ آدمی اپنی خیر منا تا رہے اور ڈرتا رہے اگر چاہیں ایک پلک جھپک نے میں صد سالہ کافر کو ولی کامل بنادیں اور صد سالہ مومن کامل زاہد عابد کو ملحد اور زندیق بنادیں گو یہ بننا ہو گا بندہ ہی کے ارادے سے اُدھر سے اس ارادہ میں قوت ہو جاتی ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کسی پر جبر ظلم نہیں کرتے۔

(ملفوظ ۵۱۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انکی ذات تو ایسی رحیم اور کریم ہے کہ بندہ کی ذرا سی توجہ اور طلب پہ رحمت شروع فرما دیتے ہیں مگر طلب اور توجہ شرط ہے اگر یہ نہیں تو فرماتے ہیں انلزمکموھا وانتم لھا کرھون۔ وہ اتنا دیکھتے ہیں کہ بندہ کو طلب اور توجہ بھی ہے پھر سب کچھ خود ہی کر دیتے ہیں ✣

(ملفوظ ۵۲۰) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ روپیہ مدرسہ میں بطور تملیک دیتا ہوں تو یہ رقم مدرسہ کی ملک ہو جائے گی اور اس میں سے قرض دینا جائز نہ ہوگا اور اگر مدرسہ میں بطور اباحت دیا ہے اور یہ بھی کہدیا کہ اس میں سے قرض بھی دیا جا سکتا ہے تو یہ رقم مدرسہ کی ملک نہ ہو گی جسکو روپیہ سپرد کیا گیا ہے وہ شخص وکیل ہوگا اور مالک وہی دینے والا رہے گا اگر وہ مرگیا تو وہ باقی رقم ورثا کو واپس دیجائے گی اس کو مدرسہ میں یا کہیں اور صرف نہیں کر سکتے اور حولان حول پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔ ان باتوں کا اہل مدارس کو قطعاً خیال نہیں حالانکہ سخت ضرورت ہے خیال کرنے کی۔

(ملفوظ ۵۲۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے لوگ جو مشائخ کہلاتے ہیں اور مصلح بنے بیٹھے ہیں ان کو حرام حلال تک کی پرواہ نہیں خدا کا خوف قلب پر نہیں دوسروں کی کیا اصلاح کر سکتے ہیں ایسے پیروں کی یہی حالت ہے کہ اپنی دعوت کے ساتھ سینکڑوں کی دعوت کرا دیتے ہیں۔ سندھ میں دو دو سو چار چار سو دعوتیں ہوتی ہیں۔ اونٹوں کی دعوت ہوتی ہیں۔ ایسا کرنے کو خلوص پر مبنی کرتے ہیں چاہے دوسرے کے پاس خلوص تو کیا فلوس بھی باقی نہ رہے اچھی خاصی ڈکیتی ہے اور چونکہ اس میں رسم کا جبر ہوتا ہے اس لئے لفظی اجازت بھی کافی نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی ایک طالب علم نے دعوت کی۔ فرمایا اس شرط سے قبول کرتا ہوں کہ جو کھانا محلہ میں تمہارا مقرر ہے اس ہی میں سے کھلاؤ اور بکھیڑا نہ کرو۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا رڑکی دیانند سرتی سے مناظرہ کیلئے تشریف لے گئے اور بھی چند لوگ ہمراہ تھے۔ مولانا نے سب سے کہدیا کہ اپنے بھروسہ چلنا دعوتوں کے بھروسہ نہ چلنا۔ سب کو کھانا بازار سے کھانا ہوگا۔ رڑکی پہونچکر نہ کسی کی دعوت کھائی اور نہ دوسروں کو کھانے دی۔ ایک پیشکار انگریز جنٹ کی پیشی میں تھے۔ انھوں نے جنٹ سے کہا کہ مولانا آئے ہوئے ہیں۔ جنٹ نے سنکر کہا کہ مولوی لوگ کھاتا پھرتا ہے پیشکار نے کہا کہ وہ تو دعوت بھی نہیں کھاتے تو وہ انگریز جنٹ یہ سنکر کہتا ہے کہ ہم بھی مولانا کی زیارت کریں گے اگر یہ بات ہے۔ غرضکہ ان پیشکار نے مولانا سے عرض کیا کہ جنٹ ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ آپ تشریف لیگئے وہ نہایت ادب سے ملا اور مولانا کا بڑا احترام کیا۔ مولانا کو صدر مقام پر بٹھایا اور خود ایک معمولی جگہ پر بیٹھا اور بعد مزاج پرسی وغیرہ کے مولانا سے رڑکی آنے کی وجہ دریافت کی۔ مولانا نے فرمایا کہ دیانند نے مسلمانوں سے مناظرہ کا اعلان کیا

میں اسکے مقابلہ کے لئے آیا ہوں مگر اب وہ مناظرہ سے اعراض کر رہا ہے۔ جنٹ نے کہا ہم اسکو بلائیں گے۔ غرضکہ دیانند کو بلایا اور دریافت کیا کہ مناظرہ سے گریز کیوں کرتے ہو۔ دیانند نے کہا کہ فساد کا اندیشہ ہے۔ جنٹ نے کہا کہ فساد کا اندیشہ مت کرو اسکا ہم انتظام کریں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ فساد تو مجمع میں ہو سکتا ہے اب کر لو۔ دیانند نے کہا کہ اسوقت تو میں اس ارادہ سے نہیں آیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ارادہ تو فعل اختیاری ہے اب کر لیا جائے مگر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوا۔ غرض جی یہ چاہتا ہے کہ علماء اس طرح رہیں کہ اہل دنیا کی نظروں میں حقیر نہ ہوں جیسا کہ اکثر ہم لوگ انکی نظر میں حقیر ہو گئے ہیں اور اسی تحقیر کی بناء پر وہ لوگ مولویوں سے بے پروائی کا برتاؤ کرتے ہیں اور ایسے ہی برتاؤ سے میری لڑائی لوگوں سے اسی منشاء کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ اہل علم کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں اور میں ایسے متکبروں کے تکبر کا علاج کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے لوگ مجھ سے ناراض ہیں۔ مجھ کو بدنام کرتے ہیں۔ مگر کیا کریں بدنام میری جوتی سے۔ میں اپنے طرز کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔

(ملفوظ ۵۷۲) ایک صاحب نے عرض کیا کہ رفاہ مسلمین کے عنوان سے کوئی صاحب کوئی رقم دیں تو اس سے کسی حاجتمند شخص کو کھانا کھلا دینا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ رفاہ مسلمین کے لفظ سے عام محاورہ میں مدارس کنویں سبیل شفاخانہ سمجھے جاتے ہیں اور یہ اس میں نہیں۔ باقی اہل محاورہ سے تحقیق کر لیا جائے اگر یہ بھی داخل ہے تو ایسا کر سکتے ہیں اور اگر نہیں تو کسی خاص شخص کو کھانا کھلانا یا کپڑا دینا جائز نہ ہوگا۔

(ملفوظ ۵۷۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل بڑی کوتاہی یہ ہے کہ بزرگوں کا کلام یا قول یا کوئی حکایت ویسے ہی چھاپ دیتے ہیں جس کے بعض اجزاء سے غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ بدون حواشی کے جن میں اشکالات کا حل ہو نہیں چھاپنا چاہئے اسلئے کہ بدون اسکے لوگ سمجھتے نہیں جس سے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے۔ بجائے ہدایت کے گمراہی پھیلتی ہے۔ یہ بڑی ضروری بات ہے اور اسکے خیال رکھنے کی سخت ضرورت ہے کیونکہ یہ زمانہ نہایت پرفتن ہے۔ لوگ غلط معنی پہنا کر مشہور کرتے ہیں جس سے لوگوں کے دین کا نقصان ہوتا ہے اور ابہام واقع میں بڑی مضر اور مہلک چیز ہے اسی لئے میں خود بھی اس کا عامل ہوں اور دوسروں کو بھی کہا کرتا ہوں کہ جوبات کہو صاف کہو جس میں ابہام نہ ہو۔

(ملفوظ ۵۷۴) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہر شخص کے معمولات کی شریعت کہاں تک ذمہ دار ہو سکتی ہے واقعی ضرورتوں کا لحاظ کر کے ایک ضروری قانون بنا دیا ہے۔ اگر سب متفق ہو کر اس پر عمل کریں تو پھر دیکھیں کہ اس میں کس قدر سہولت ہے۔

(ملفوظ ۵۷۵) ایک صاحب کی سفارش کے سلسلہ میں فرمایا کہ اب ان قیود معمول بہا سے بھی سفارش نہ کیا کروں گا فہم میں سلامتی نہیں۔ لوگ سفارش کی حقیقت سے بے خبر ہیں اسلئے اس زمانہ میں سفارش کرنا بھی جبر ہی ہے۔ رہا حدیث میں جو بریرہؓ سے نکاح کی سفارش کا واقعہ آیا ہے کہ حضورؐ نے بریرہ سے مغیث کی ساتھ نکاح کے بارے میں سفارش فرمائی ہے اسی میں یہ بھی وارد ہے کہ بریرہ نے عرض کیا کہ حضورؐ کا حکم ہے یا سفارش۔ آپ نے فرمایا کہ سفارش۔ عرض کیا کہ

ہیں قبول نہیں کرتی ۔ سو اگر اس قدر آزادی ہو تو سفارش کرنا سنت ہے اگر ایسی آزادی نہیں تو سفارش جبر ہے ۔ مجھکو ایسی باتوں میں بڑی احتیاط ہے ۔

(ملفوظ ۶۷۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سنیوں اور شیعوں میں بڑا مسئلہ یہی زیر بحث ہے کہ صحابہؓ میں حضرت علیؓ بڑے ہیں یا شیخین ۔ اسکا بہت سہل ایک فیصلہ ہے کہ اس وقت کے لوگ کس کو بڑا سمجھتے تھے وہی بڑا ہے ۔ جو بڑا ہوگا بالاضطرار اسکے ساتھ بڑوں کا سا برتاؤ ہوگا ۔ صاف بات ہے خواہ مخواہ لوگ زوائد میں پڑ کر اوقات ضائع کرتے ہیں ۔ اصل چیز یہ ہے اسکو دیکھو ۔ روایات فضیلت کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم جمعہ

(ملفوظ ۶۷۷) ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرمایا اور اس غلطی کا منشاء دریافت کیا وہ کوئی جواب نہ دے سکے تو حضرت والا نے خود اس غلطی کے منشاء کو سمجھایا ۔ ان صاحب نے اسکے منشاء ہونے سے انکار کیا اس پر فرمایا کہ اس واقعہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس طریق سے لوگوں کو بہت ہی اجنبیت ہو گئی ہے بالکل خالی الذہن ہیں ۔ موٹی بات میں نے سمجھانا چاہا مگر نہیں سمجھ سکے ۔ پھر ان صاحب کو خطاب فرمایا کہ اگر یہاں تعلق پیدا کرو گے تو سمجھنا پڑے گا اور سمجھنا بھی وہ جس کو میں بھی تو سمجھ لوں کہ تم سمجھ گئے یا نہیں ورنہ ایسی جگہ جاؤ جہاں ہاتھ پھیلاتے ہی پکڑ لئے جاؤ ۔ ایسی جگہ بہت ہیں کہ وہ ایسوں کی انتظار میں جال پھیلائے بیٹھے رہتے ہیں کہ کوئی شکار آئے اور پھنسے الحمد للہ یہاں یہ بات نہیں ۔ یہاں تو سمجھنا پڑے گا اور سمجھ کر کام کرنا پڑیگا اگر پسند نہیں تو چلو یہاں سے نکلو ۔ ایسے کوڑ مغزوں کا یہاں کام نہیں ۔ نام کرنا تھوڑا ہی مقصود ہے ۔ کام کرنا مقصود ہے ۔ عرض کیا کہ آیندہ سمجھنے کی کوشش کروں گا اب معاف فرما دیجئے ۔ فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں بیفکری کا بھی مرض ہے ۔ ابھی تک سمجھنے کی کوشش کرنیکا ارادہ بھی نہیں کیا تھا ۔ خیر چلو اتنا تو معلوم ہوا کہ سمجھنا فعل اختیاری ہے اور اس کی کوشش ہو سکتی ہے اس جہل سے تو نجات ملی ۔ یہ فرما کر فرمایا کہ اس وقت یہاں سے اٹھ جاؤ کل کو اسی وقت آکر مجلس میں بیٹھنا اور مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کرنا اور یہ قید مکاتبت مخاطبت کی کل ہی کے ساتھ خاص نہیں ۔ جب تک قیام رہے اس وقت تک کے لئے ہے اب وطن واپس جا کر جو کچھ لکھنا ہو ۔ لکھنا عرض کیا ایسا ہی کروں گا ۔ فرمایا کہ فہم بھی بڑی ہی دولت اور نعمت ہے اگر حق تعالیٰ کسی کو نصیب فرما دیں ۔

(ملفوظ ۶۷۸) ایک صاحب نے سوال کیا کہ آجکل جو لوگ جیل میں جاتے ہیں انکو جانگئے پہننے کو ملتے ہیں اور بعض مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں تو وہ نماز جو اس جانگئے کے ساتھ پڑھی ہو وہ نماز قابل اعادہ ہوگی یا نہیں

فرمایا جو حبس من جہت العباد ہو اس میں تو نماز قضا ہوگی۔ اور جو حبس سماوی ہے ہو اس میں قضا نہ ہوگی۔

(ملفوظ ۵۷۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل صرف تعظیم و تکریم کا نام لوگوں نے ادب رکھا ہے حالانکہ ادب نام ہے راحت رسانی کا۔ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ثقہ راوی نے نقل کیا کہ حالتِ بیماری میں جب لوگوں نے زیادہ پریشان کیا تو فرمایا کہ تھانہ بھون کے قواعد اور ضوابط کی ضرورت ہے۔ اسی کی یہی وجہ ہے کہ اس میں سب کو راحت ہے جو حاصل ہے ادب کا۔

(ملفوظ ۵۸۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے پاس تو جو کچھ بھی ہے بڑے میاں کی توجہ کی برکت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے (مراد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں) حضرت نہایت ہی شفیق تھے اور شفقت کے ساتھ مبصر اور صاحب فراست بھی۔ چنانچہ میں حضرت کی خدمت میں بالکل خاموش رہتا تھا بس جو فرماتے تھے اسکو سنا کرتا تھا۔ ایسی حالت میں کسی کی طبیعت کا اندازہ ہونا بڑا مشکل ہے مگر حضرت کی فراست کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ سے اس عنوان سے سلام ایک صاحب سے کہلا کر بھیجا کہ ہمارے مہین مولوی سے سلام کہہ دینا۔ کیا ٹھکانا ہے اس فراست کا کہ طبیعت کا رنگ پورا معلوم فرما لیا۔

(ملفوظ ۵۸۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں بکثرت سے لوگ آتے ہیں اور ہر شخص کی مختلف طبائع مثلاً پچاس آگئے۔ اب میں پچاس کا کیسے اتباع کر سکتا ہوں۔ ہاں وہ پچاس میرا اتباع کر سکتے ہیں۔ اور میں تو اپنا اتباع بھی نہیں چاہتا اصول صحیحہ کا اتباع چاہتا ہوں۔ ان اصول صحیحہ کا تم بھی اتباع کرو اور میں بھی اتباع کروں نہ تم میرا اتباع کرو نہ میں تمہارا اتباع کروں۔

(ملفوظ ۵۸۲) ایک صاحب کی غلطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جب تم گھر سے چلے تھے تو کیا یہ قسم کھا کر چلے تھے کہ جاتے ہی ستاؤں گا اور جو وہ کہے گا اسکے خلاف ہی کروں گا۔ اور کیا یہ تمہارا طرز تمہارے مقصود میں تمکو کامیاب بنا دے گا۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ پھر ایسا طرز کیوں اختیار کیا اور ایک ہی بات پر اصرار کیوں ہے۔ جب میں یہ بتلا چکا کہ بیعت ضروری چیز نہیں۔ ضروری چیز تعلیم پر عمل کرنا ہے عرض کیا اب نہ کروں گا۔ فرمایا کہ پہلے ہی کیوں ایسی بات کیا کرتے ہو۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

(ملفوظ ۵۸۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ذہن تو دنیا سے رخصت ہو چکا مگر کچھ حافظہ باقی ہے اور وہ بھی اندھوں میں۔ ایک حکیم صاحب ہیں نابینا دہلی میں۔ انکو تشخیص میں کمال ہے اور یہ کمال حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے ان میں پیدا ہوا۔ انھوں نے ایک

مرتبہ حضرت سے عرض کیا تھا کہ میں نابینا ہوں دوسرے طبیب تو قارورہ دیکھ کر رنگ دیکھکر زبان یا چہرہ دیکھ کر مرض کی شناخت کر لیتے ہیں۔ میں کوئی چیز نہیں دیکھ سکتا تو میں کیسے مرض کی شناخت کر سکتا ہوں دعا کر دیجئے کہ مجھکو نبض میں کمال ہو جائے نبض دیکھکر معلوم کر لیا کروں۔ چنانچہ حضرت کی دعا سے یہی بات انکے اندر پیدا ہو گئی کہ نبض دیکھ کر مرض کو شناخت کر لیتے ہیں اور یہ سب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اسباب ان کے ہاتھ میں ہیں جب وہ رزق پہونچانا چاہتے ہیں اسکے ویسے ہی اسباب پیدا فرما دیتے ہیں اور انکی شان رزاقی ایسی ہے کہ ایک بزرگ الہام سے حق تعالیٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اے بندہ جب میں تیرے منع کرنے پر بھی تیرا رزق نہیں روکتا تو کیا تیرے مانگنے پر نہ دوں گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اللھم ارزقنی کی جگہ اللھم لا ترزقنی کا وظیفہ پڑھا کرے تو کیا اسکو رزق نہ ملے گا ضرور ملیگا اور کافی ملیگا امتحان کر کے دیکھ لیا جاوے۔ اب کافی کے متعلق اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کو کافی بھی نہیں ملتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاذ و نادر کا تو ذکر نہیں کسی حکمت سے کسی کو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اکثر یہی ہے کہ کافی ہی ملتا ہے خواہ تدریجاً یا کبھی بہت سا دیدیا کہ بہت مدت کے لئے کافی ہو سکتا تھا مگر اس نے سب برباد کر دیا اب اتنی مدت تک نہیں ملا اگر نہ اڑاتا تو اس مدت کیلئے کافی ہوتا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی شخص کو سو روپیہ تنخواہ کے ملے تو مطلب اس کا یہ ہے کہ تیس روز تک اسکو صرف کرو اب اگر یہ انکو ایک روز میں اڑا دے تو دینے والا ذمہ دار نہیں۔ اور میں جیسا اوپر کہہ آیا ہوں اسکو کلیہ تو نہیں کہتا مگر اسکی اکثریت ضرور ہے۔

(ملفوظ ۵۸۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سائل کو کبھی حقیر اور ذلیل نہیں سمجھنا چاہئے۔ یہاں پر مراد سائل سے وہ سائل ہے جو ضرورتمند اور حاجت مند ہے وہ لوگ مراد نہیں جن کا یہ پیشہ ہے۔ لوگوں میں گھس جانا رہا بدون ضرورت اور حاجت کے سوال کرنا خود شریعت میں منع ہے اور ویسے بھی بے غیرتی کی بات ہے

(ملفوظ ۵۸۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ صحابہ کے مرتبہ کو کوئی بھی نہیں پہونچ سکتا چاہے اگر مجاہدہ کرتے کرتے مر بھی جائے تب بھی وہ مرتبہ میسر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ راتوں جاگنا آسان۔ عبادت کرنا آسان۔ مگر وہ جذبات کہاں سے لائے گا جو لقاء و صحبت نبوی سے انکے اندر موجود تھے بڑی چیز اور بڑی دولت اور بڑی نعمت تو جذبات قلبی ہیں۔ اعمال تو ایک منٹ اور ایک سکنڈ میں بدلے جا سکتے ہیں اور درست ہو سکتے ہیں مگر جذبات نہیں پیدا ہو سکتے۔

(ملفوظ ۵۸۵) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کفر میں تو کچھ قوت ہوتی ہے مگر الحاد میں بالکل قوت نہیں ہوتی۔ ڈابھیل کے قلعہ پر جس وقت محمد ابن قاسم نے چڑھائی کی تو راجہ کے پاس بڑی جرار کرار فوج تھی۔ محمد ابن قاسم کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ راجہ داہر نے اپنی بہن سے شادی کی ہے تو اپنے ساتھیوں سے یہ فرمایا کہ کافر سے تو مقابلہ میں تردد ہو سکتا ہے مگر ملحد کے مقابلہ میں کوئی تردد نہیں۔ یقیناً ہم غالب آئیں گے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اصل قوت مذہب میں ہے تو کافر تو صاحب مذہب ہوتا ہے مگر ملحد کا کوئی مذہب نہیں

اس لئے اس میں خاص جوش نہیں ہوتا اسکے علاوہ محمد ابن قاسم یہ بھی سمجھے کہ راجہ شہوت پرست ہے اور شہوت پرست کبھی شجاع نہیں ہو سکتا اسوقت محمد ابن قاسم کی عمر تقریباً سترہ سال کی تھی مگر بوڑھے تجربہ کار لوگ ساتھ تھے اور ان کی سب اطاعت کرتے تھے۔ محمد ابن قاسم حجاج بن یوسف کے داماد ہیں۔ اسی حجاج کا باوجود اس قدر ظالم ہونے کے تین سو رکعت نماز نفل ایک شب میں پڑھنے کا معمول تھا۔ کیا ٹھکانا ہے یہ تو اس وقت کے ظالموں کی حالت تھی۔ بات یہ ہے کہ وہ زمانہ حضور کے زمانہ سے قریب تھا اس وقت نور تھا اب وہ نور نہیں رہا۔ ہم ظلمت کے زمانہ میں ہیں۔ اب چاہے ہم کتنا ہی علم حاصل کرلیں مگر وہ نور نہیں یہ تو خیر القرون میں تھا اور ہم تاریکی کے زمانہ میں ہیں۔ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی ہزاروں بجلیاں اور گیس روشن ہو جاتے ہیں۔ مگر ویسی روشنی نہیں ہوتی جیسی دن میں ہوتی ہے۔ بس اب تو امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں خیر ہوگی۔ یا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں۔ اس سے پہلے تو ظلمت ہی ظلمت ہوگی۔

(ملفوظ ۵۸۷) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ بڑی قسمت والے لوگ ہوں گے جو حضرت عیسیٰ ع کی صحبت میں رہیں گے صحابی ہونگے۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ منصب نبوت پر تو تشریف لائیں گے نہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ نہ سہی مگر نبوت مسلوب تھوڑا ہی ہوگی۔ نبوت تو باقی ہے اس لئے برکت بھی وہی ہوگی۔

(ملفوظ ۵۸۸) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حجاج بن یوسف کو ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا حال ہے۔ کہا کہ میں ہر قتل کے بدلے ایک ایک دفعہ قتل کیا گیا اور حضرت سعید بن جبیر کے قتل کے بدلے میں ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔ اور اب بھی عذاب میں مبتلا ہوں۔ پوچھا اب کیا خیال ہے کہا کہ جو سب مسلمانوں کا خدا تعالیٰ کے ساتھ خیال ہے۔ یعنی نجات ضروری ہوگی۔ بخشا ضرور جاؤں گا۔ جس وقت حجاج کی جانکنی کا وقت تھا تو یہ جناب باری میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اے اللہ تمام دنیا یہ کہہ رہی ہے کہ حجاج جیسے ظالم کو اللہ نہیں بخشے گا۔ ہم تو جب جانیں کہ آپ مجھ سے ظالم کو بخش کر یہ دکھلا دیں کہ دیکھو ہم ایسے رحیم و کریم ہیں یہ واقعہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے بیان کیا کہ حجاج یہ کہہ کر مرا ہے۔ بزرگ نے فرمایا کہ بڑا ہی چالاک تھا۔ یہ چالاکی سے کہکر جنت بھی لے مریگا مگر باوجود اس ظلم کے اس میں اسلامی جوش اس قدر تھا کہ کفار کا مسلمانوں کو ستانا اس نہیں سکتا تھا۔ ہر وقت ان کی نصرت اور جہاد پر تیار رہتا تھا۔ عجیب بات ہے۔ یہ بات آجکل کے اہل تقویٰ اہل زہد میں بھی نہیں الاماشاء اللہ تعالیٰ۔

(ملفوظ ۵۸۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عیب جو کی مثال عبد الرحمن خاں صاحب مالک مطبع نظامی کانپور نے جو علماء کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے ذہین آدمی تھے انھوں نے بیان کی تھی کہ کسی دماغ میں پھل بھی ہیں اور گھاس بھی ہے اور ایک گوشہ میں پاخانہ بھی بنا ہے سو انسان تو پھل کھانے کو اور سیر و تفریح کرنے کو جاتا ہے۔ جانور گھوڑا وغیرہ گھاس کھانے کو جاتے ہیں مگر سور وہاں بھی پاخانہ کو تلاش کرتا ہے۔ ایسے ہی عیب جین کی مثال ہے اہل

کمال کی تو کمال پر نظر پڑتی ہے اور عیب جو کی عیب پر نظر پہونچتی ہے کسی بزرگ کی عادت تھی کہ کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یزید کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ شاعر اچھا تھا۔

(ملفوظ ۵۹۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ تحریکات کے زمانہ میں فلاں صاحب نے ایک رسالہ گئو رکھشا کی حمایت میں لکھا۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے تو کہتے ہیں کہ یہ میرا عقیدہ تھوڑا ہی ہے میں طبیب ہوں مجھ سے ہندو بھی علاج کراتے ہیں ذرا وہ خوش ہو جائیں گے علاج کرانے زیادہ آئیں گے یہ مسلمانی ہے یہ دین ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے اب اگر کوئی کچھ اصلاح کی بات کہے تو اسکو مورد الزام ٹھیراتے ہیں انکی حرکتوں کو نہیں دیکھتے کہ جب خود بد دین بنتے ہیں اسی سے کوئی دوسرا بھی بول پڑتا ہے

(ملفوظ ۵۹۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل اگر دلیل میں کوئی روایت لکھدی جائے تو کہتے ہیں کہ اسکا ترجمہ کرو بھلا ترجمہ سے استدلال کی تقریر کیا سمجھیگا زبان کی آسانی سے فن تھوڑا ہی آسان ہو سکتا ہے۔ دیکھئے اقلیدس اردو میں شائع ہو گئی ہے۔ بھلا کوئی اردو پڑھا ہوا ایک شکل کو تو حل کر دے۔ نکمے لوگوں کو زبان چلانا آتی ہے کام کرنا اور بات ہے باتیں بنانا اور بات ہے۔

(ملفوظ ۵۹۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خواہ مخواہ مجھکو بدنام کر رکھا ہے کہ میں سخت ہوں۔ الحمد للہ میں سخت نہیں بالکل نرم ہوں مگر مضبوط ہوں۔ جیسے ریشم کا رسہ کہ نرم تو اسقدر کہ جہاں چاہے گرہ لگا لو اور جس طرف کو چاہو موڑ لو مگر مضبوط اس قدر کہ اگر ہاتھی بھی اس سے باندھ دیا جائے تو اسکو توڑ نہیں سکتا مضبوطی کا نام سختی رکھا ہے۔ مضبوطی اور سختی میں فرق بھی معلوم نہیں۔ فتوی دینے چلدیئے اور اس مضبوطی کے ساتھ ایک بات اور ہے کہ میرے اندر غیرت ہے جو ضابطہ سے اپنا متبوع نہ ہو اس سے دبنا بے غیرتی ہے۔ مثلاً استاد ہو کر شاگرد سے دبے بے غیرت ہے۔ پیر ہو کر مرید سے دبے بے غیرت ہے۔ باپ ہو کر بیٹے سے دبے بے غیرت ہے۔ حاکم ہو کر محکوم سے دبے بے غیرت ہے۔ بادشاہ ہو کر رعایا سے دبے بے غیرت ہے۔ خاوند ہو کر بیوی سے دبے بے غیرت ہے۔ ہاں رعایت اور چیز ہے وہ دبنا نہیں اسکو محبت کہیں گے۔ شفقت کہیں گے۔ اگر کسی شخص کی بیوی کو کوئی چھیڑے اور وہ ڈنڈا لے کر اسکے سر ہو جائے اور اسکو کوئی کہے کہ بڑا ہی سخت مزاج ہے نرمی سے کہہ لیا ہوتا کہ نہ بھائی کبھی میری بیوی کو نہ چھیڑنا۔ کیا کسی شریف آدمی کے نزدیک ایسا مشورہ دیا جا سکتا ہے۔ تو جیسا بیوی کا احترام ہے تو کیا میں طریق کا اسقدر بھی احترام نہ کروں۔ مجھکو دبنے سے غیرت آتی ہے اگر کسی کو غیرت نہیں تو میں اسکو تو مجبور نہیں کرتا مگر خود کیسے بے غیرت ہو جاؤں۔

ایک شخص پانی پت کے علاقہ کے یہاں پر آئے۔ پندرہ ۱۵ روپیہ مدرسہ میں دیئے۔ مجھکو شبہ ہوا کہ قریب کا مدرسہ چھوڑ کر تھانہ بھون میں روپیہ کیوں لائے۔ باوجود اسکے کہ وہ مرید بھی تھے مگر شبہ ہو گیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہاں پر روپیہ دینے کی کوئی خاص وجہ ہے جو قریب کا مدرسہ چھوڑ یہاں پر لائے۔ کہنے لگے کہ کوئی وجہ نہیں۔ میں نے کہا کہ مجھ کو تو شبہ ہے وہ یہ ہے کہ تم یہاں اسلئے لائے ہو کہ پیر بھی خوش ہونگے اور مدرسہ کا بھی

نفع ہو جائے گا۔ کہنے لگے کہ واقعی بالکل صحیح ہے۔ تب میں نے روپیہ واپس کیا اور کہا کہ یہ تو ایک قسم کا شرک ہے کہ دین کا کام رضائے خلق کیلئے کیا جاوے مجھکو اس طرح کا روپیہ لیتے ہوئے غیرت معلوم ہوئی۔ یہاں میں ایک اشکال کا جواب دیتا ہوں وہ یہ کہ ایسے موقع پر معترضین انبیاء علیہم السلام کے واقعات پیش کر دیتے ہیں کہ کیا تبلیغ میں ان حضرات کے ایسے ہی اخلاق تھے مگر معترضین یہ بتلائیں کہ وہ معتقدین کے ساتھ تھے یا کافروں کے ساتھ اور وہ بھی اسلئے تھے کہ پیغمبر پر ایمان لانا لوگوں پر فرض ہے اگر انبیاء سے توحش ہو جاوے تو کافر کے کافر رہیں۔ اور امتیوں پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے اگر ایک امتی سے متوحش ہوں دوسری طرف رجوع کریں۔ اس فرق پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک نواب صاحب تھے سرحدی پٹھان وہ حج کے سفر میں تھے۔ جب بمبئی پہونچے تو گورنمنٹ نے گورنر کو حکم دیا کہ خاں صاحب کی مزاج پرسی کرو اور کسی چیز کی ضرورت ہو حاضر کرو۔ گورنر جہاز پر ملنے گئے تو اس وقت خاں صاحب ایک مسہری پر آرام کر رہے تھے۔ احمد حسن سہارنپوری انسپکٹر پولیس تھے وہ بھی اسی جہاز میں تھے ایک شخص ان سے نقل کرتے تھے کہ خاں صاحب ویسے ہی لیٹے رہے اٹھکر بھی نہیں بیٹھے اور گورنر نے جو سوال کیا تو نہایت روکھا اور ضابطہ کا جواب دیا۔ جب گورنر چلے گئے تو انسپکٹر صاحب نے کہا کہ خاں صاحب گورنر اسوقت آپکے مہمان تھے۔ مہمان ہونے کی حیثیت سے ان کی مدارات کرنا چاہئے تھی کم از کم اٹھکر تو بیٹھ جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کفار کی مدارات کی ہے۔ خانصاحب نے وہی پٹھانوں والا جواب دیا کہ سنو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری کرنی تھی مجھکو پیغمبری کرنا نہیں۔ یہ جواب اپنے عنوان سے تو سوء ادب کا ہے مگر اس کا مضمون یہ ہے کہ کفار کو مومن بنانے کی حکمت سے آپ اسی مداراۃ کے مامور تھے اور مجھ پر بوجہ امتی ہونیکے اس کا اہتمام ضروری نہیں تو پیغمبر اور غیر پیغمبر میں یہ فرق ہے۔ اور یہ تو سب ان معترضین کے بہانے ہیں کہ اصلاح کو تشدد بتلاتے ہیں اصل بات تو یہ ہے کہ طلب صادق نہیں۔ اپنے نقص کو تو دیکھتے نہیں دوسرے میں نقص تشدد کا نکالتے ہیں اور بالفرض تشدد بھی ہو تو اس تشدد کا سبب بھی وہی عدم طلب ہے تو اپنا نقص دوسرے میں نظر آتا ہے۔ جیسے ایک حبشی راستہ چلا جا رہا تھا ایک شیشہ پڑا ہوا نظر آیا اسکو اٹھا کر دیکھا تو اپنی صورت مبارک نظر آئی سیاہ رنگ موٹے موٹے ہونٹ۔ شیشہ کو دور پھینک کر مارا کہ کمبخت اگر ایسا بد صورت نہ ہوتا تو تجھکو کوئی یہاں کیوں پھینک کر جاتا۔ تو یہ تو اپنی حالت کا فوٹو تمکو نظر آتا ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک طالب آیا اور بزرگ کی صورت دیکھ کر ششدر کھڑا رہ گیا۔ بزرگ نے پوچھا کیوں کیا بات ہے کہا کہ حضرت گھر سے تو معتقد ہو کر چلا تھا مگر یہاں آکر عجیب نقشہ نظر آیا جسکو زبان سے عرض نہیں کر سکتا فرمایا کہ نہیں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ عرض کیا کہ حضور کی صورت کتے کی سی نظر آتی ہے۔ بزرگ نے برا نہیں مانا۔ فرمایا ہاں آتی ہوگی ایسا بھی ہوتا ہے تم اللہ کا نام پڑھو اسنے پڑھا۔ پھر دریافت کیا کہ اب کیسی نظر آتی ہے۔ عرض کیا کہ بلی کی سی فرمایا وہی نام ایک ہفتہ اور پڑھو اس کے

بعد انسان کی سی نظر آنے لگی۔ فرمایا کہ یہ تمہاری ہی صورت تھی جو اس آئینہ میں نظر آئی سو وہ ناقص صورت اپنی ہی صورت ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ کبھی تشدد کی ضرورت بھی ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کنویں میں گرنا چاہتا ہو بس ایک جست کی کسر رہ گئی ہے تو آیا اس وقت اسکو نرمی سے سمجھایا جائے گا۔ یا ہاتھ پکڑ کر زور سے ایک جھٹکا مارے گا کہ کہاں جاتا ہے کیا مرے گا یا کسی بچہ نے غلطی سے منہ میں سنکھیے کی ڈلی ڈال لی تو اب باپ وہاں کھڑا ہو کر لیکچر دے گا یا ایک چپت ادھر اور ایک اُدھر لگا کر منہ میں انگلی ڈال کر سنکھیہ کو اگل وائے گا۔

ایک شخص ایک درخت کے نیچے پڑا سو رہا تھا اور ایک اژدہا اس درخت سے اسکے ڈسنے کو اتر رہا تھا۔ اتفاق سے ایک سوار آگیا اس نے دیکھا کہ یہ اب ختم کر دیگا ایسے وقت پر آپ فیصلہ کریں کہ کیا اس گھوڑے کے سوار کو پاس جا کر با دب کھڑے ہو کر یہ کہنا چاہئے تھا کہ جناب والا آپ سو رہے ہیں آپ پر نیند کا غلبہ ہے اس کی وجہ سے غفلت ہے اور درخت سے اژدھا اتر کر آپکو ڈسنے والا ہے۔ لہٰذا آپکو اٹھ کر الگ ہو جانا چاہئے ظاہر ہے کہ ایسا کرنا مضر ہے اس لئے اس سوار نے ایسا نہیں کیا بلکہ جب دیکھا کہ یہ صورت ہے گھوڑے کے ایڑ مار چابک لے اور سوتے ہوئے کے ایک رسید کیا وہ ایکدم چلاتا ہوا گالیاں دیتا ہوا بھاگا۔ اب یہ سوار ہے کہ ہاتھ نہیں رکتا اور یہ زبان نہیں رکتا۔ جب سوار نے دیکھا کہ اب اژدہا دور ہو گیا تب ہاتھ روکا اس نے کہا کہ اے ظالم تو نے مجھے مسافر کمزور غریب الوطن سمجھ کر مجھ پر ظلم کیا۔ میں نے تیرا کیا نقصان کیا تھا تب اس سوار نے کہا کہ دیکھ وہ کیا چیز ہے جس سے تجھے بچا کر لایا ہوں۔ یہ دیکھنا تھا کہ قدموں پر گر گیا اور ہزار جان سے قربان ہو ہو کر دعائیں دیتا تھا اور معافی چاہتا تھا کہ تم میرے محسن ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی۔ گستاخی اور بے ادبی کی مجھکو معاف کر دو۔ یہاں ایک ڈاکٹر تھے ان کے پاس ایک آنکھوں کا مریض آیا انھوں نے آپریشن کیا تو وہ مریض ڈاکٹر کو گالیاں دے رہا تھا۔ ڈاکٹر کو برا بھی نہ تھی کہ کیا بک رہا ہے ان ڈاکٹر کے ایک دوست اسوقت وہاں موجود تھے انھوں نے کہا کہ اس نے کیسی واہیات حرکت کی کہ گالیاں دیں اور آپنے برا نہیں مانا۔ ڈاکٹر بولے کہ جب اسکی آنکھوں کی بصارت عود کر آئیگی اور اس کو دکھلائی دینے لگے گا جب سو جان سے قربان ہوگا۔ قدموں میں گریگا۔ معافی چاہے گا اور فیس بھی دیگا ابھی اسکو کچھ خبر نہیں اسلئے کوئی قدر نہیں۔ بس یہی واقعہ یہاں ہے جب آنکھیں کھلیں گی تب معلوم ہوگا کہ وہ سختی تھی یا نرمی اسکی ایک اور مثال ہے کہ کسی کی اشرفی گر گئی اور کسی کے ہاتھ آگئی اس نے اس طرح ایسی کی کہ زور سے اور نہایت سختی سے اشرفی اسکے پھینک کر ماری تو وہ یقیناً چوٹ کا خیال نہ کریگا بلکہ اسکو دوڑ کر اٹھائے گا تو مطلوب کی تحصیل میں تو سنداید کا برداشت کیا جاوے۔ جو شخص اس کی شکایت کرتا ہے حقیقت میں مطلوب کو مطلوب ہی نہیں سمجھا۔

(ملفوظ ۶۹۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ رسالہ **تمہید الفرش فی تحدید العرش** کے لکھنے کیوقت

اتنی تسلی کسی کے کلام سے نہیں ہوئی جسقدر صوفیہ کے کلام سے ہوئی اسوقت جو حالت تھی اسکے چار جزو تھے ایک حیرت ایک غیرت ایک تمنا ایک دعا۔ یہ چار حالتیں تھیں۔ ان کی ضروری تفصیل رسالہ میں مذکور ہے اور یہ جیسی گذریں ان کے بیان پر قدرت نہیں۔ صفات میں کلام کا کیا کوئی احاطہ کر سکتا ہے حیرت کی یہ حالت تھی ؎

حیران شدہ ام در ار زوییت — اے چشم جہانیاں بسوییت

با دیگیر و خموشی — آفاق ہمہ گفتگوییت

خسرو بکمند تو اسیر ست — بیچارہ کجا رود ز کوییت

ان بزرگوں کے کلام سے کچھ تسلی ہوئی ورنہ حیرت کا اسقدر غلبہ تھا کہ بیان سے باہر ہے اس حالت میں بار بار دعا کرتا تھا۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا۔ ورنہ کیا کوئی تحقیق کر سکتا ہے ؎

نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد — نہ فکرت بغور صفاتش رسد

وہ دل میں آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ محدود۔ غیر محدود کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔ کسی مجذوب نے خوب کہا ہے کہ عقل وہ ہے جو خدا کو پا وے اور خدا وہ ہے جو عقل میں نہ آوے اور عقل کی عجز کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار — کہ پیدا نشد تختہ بر کنار

اور یہ حالت ہوتی ہے ؎

اندریں راہ انچہ می آید بدست — حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

اور شریعت نے جو نہی فرمائی ہے کنہ میں خوض کرنے سے اس سے جاہل کو شبہ ہوتا ہے کہ شریعت نے تنگی سے کام لیا ہے۔ مگر اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے مادر زاد اندھے کی سمجھ میں رنگ کی حقیقت نہ آئے گی تو اس کو منع کرنا عین رحمت ہوگی اسلئے کہ وہ سمجھ نہیں سکتا۔ اگر کوئی سمجھائے بھی تب بھی سمجھ میں نہ آئیگا محض وقت ہی ضائع ہوگا اسلئے منع کرنا ہی رحمت ہوگا۔ یہ سب پریشانی ایک مدعی اجتہاد صاحب کی عنایت کی بدولت ہوئی اور اس بحث میں قلم اٹھانا پڑا اخیر ان کی برکت سے بعض باتیں کام کی ضبط میں آگئیں۔ چنانچہ ایک بات بڑے کام کی اور نہایت لطیف اس رسالہ میں یہ ہے کہ یہ اہل ظاہر استواء کو صفت مانتے ہیں اور عرش حادث ہے اور صفات قدیم ہیں تو جس وقت عرش نہ تھا استواء اس وقت بھی تھا اور جس وقت سما نہ تھا نزول الی السماء اس وقت بھی تھا تو اسکے متعلق اسوقت کے اعتبار سے جو عقیدہ رکھا جائے وہی عقیدہ اس وقت کے اعتبار سے اب بھی رکھنا چاہئے۔ میں نے جس وقت اس رسالہ کا نام تجویز کیا ہے اس میں بھی دماغ پر بڑا اثر ہوا۔ ہر بات کا اس وقت استحضار تھا۔ نام میں یہ بات قابل لحاظ ہونا چاہئے کہ ایک تو گنجلک نہ ہو اور یہ کہ مقصود پر کافی دلالت کرے۔ بحمد اللہ اس میں یہ باتیں موجود ہیں یعنی تمہید الفرش فی تحدید العرش۔ رسالہ لکھنے کے وقت جو ہیبت اور پریشانی کی حالت تھی اس سے

ہر ہر جاہل کو دیکھ کر رشک کرتا تھا کہ کاش میں بھی جاہل ہوتا تو اچھا ہوتا۔ میرا ذہن اس مبحث میں نہ چلتا اہل غلو تو بےخوف ہوتے ہیں جو جی میں آیا کر لیا جو قلم میں آیا لکھ دیا۔ بیباک ہوتے ہیں چہروں پر بھی خشکی برستی ہے ملاحت نہیں ہوتی جیسے کوئی خونخوار ہوتا ہے کہ ابھی لڑ مریگا۔ مگر باوجود اس کے بھی ہم لوگ انکو اسقدر برا نہیں سمجھتے جس قدر یہ ہمکو برا سمجھتے ہیں ہر بات میں اپنا تو سب کو متبع بنانا چاہتے ہیں اور دوسروں کی اتباع سے انکو خود عار ہے بلکہ تقلید کو حرام تک کہتے ہیں اگر یہ بات ہے تو اپنے مقلد بنانے کی دنیا کو کیوں دعوت دیتے ہو تمہاری ہی کیوں مانی جاوے تمکو اس کا حق کیا ہے ان ہی صاحب نے جو اس رسالہ کی تصنیف کے سبب بنے ہیں مجھکو لکھا تھا کہ آپ ابن تیمیہ اور ابن القیم کے رسالے دیکھا کرو۔ میں نے کہا کہ تم دیکھ کر بہت محقق بن گئے جو دوسروں کو دعوت دیتے ہو۔ فہم ایسے لوگوں کے پاس نہیں۔ ساری دنیا کو ایک ہی لکڑی ہانکتے ہیں اور جس کے متعلق جو جی میں آتا ہے بدون تحقیق جو چاہے حکم لگا دیتے ہیں۔ تہذیب سے بھی عاری ہوتے ہیں اگر تہذیب سے اپنے شبہ کو رفع کرنا چاہیں تو اس سے کس کو انکار ہے مگر یہ بھی نہیں۔ اب میری ہی عبارت پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس میں ذرا تدبر سے کام نہیں لیا۔ عبارت کے اس حصہ کو نقل نہیں کیا جس میں انکے شبہ کا جواب ہے۔ یہ فعل کون سی حدیث کے ماتحت ہے عمل بالحدیث کا محض زبانی ہی دعوی ہے مگر دعوے سے کیا ہوتا ہے جبتک کہ عملی جامہ نہ پہنایا جاوے۔ قاری عبدالرحمن صاحبؒ پانی پتی ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ اپنے کو عامل بالحدیث کہتے ہیں۔ اس میں تو شبہ نہیں کہ عامل بالحدیث ضرور ہیں لیکن کلام اس میں ہے کہ کس کی حدیث مراد ہے۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حدیث النفس۔ سو ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے یہاں نہ کسی اصول کی پابندی ہے نہ قواعد کی۔ جہاں جو چاہا معنی لیلئے۔ جہاں جو جی میں آئی تفسیر کر لی ہر شخص اپنے کو مجتہد سمجھتا ہے۔

(ملفوظ ۹۵۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حقیقی علوم اللہ والوں ہی پر کھلتے ہیں باقی دوسرے تو نام ہی کے بحر العلوم ہوتے ہیں حالانکہ نہر العلوم بھی نہیں ہوتے۔ اور آجکل تو خطابات نئے نئے ہونے لگے۔ کوئی شیخ الحدیث ہیں کوئی شیخ التفسیر ہیں کوئی امام الفقہ ہیں کوئی امام الہند ہیں کوئی امیر شریعت ہیں اور یہ سب نئی تعلیم یافتہ طبقہ کی جدت ہے۔ یہ تو القاب کے دعوی ہیں اس سے بڑھکر دو چار کتابیں اصل یا ترجمہ پڑھکر تبحر کا دعوی بھی ایک معمولی بات ہوگئی اس پر ایک لطیفہ یاد آیا۔
میرے ایک دوست مولوی صاحب کہتے تھے کہ متبحر کی دو قسمیں ہیں ایک کدو متبحر اور ایک مچھلی متبحر کدو تو تمام سمندر کی سطح پر ادھر ادھر پھرتا ہے مگر اس کو اندر عمق کا کچھ حال نہیں معلوم ہوتا اور مچھلی عمق تک پہنچتی ہے تو آج کل کے متبحر کدو متبحر ہیں اوپر اوپر پھرتے ہیں آگے کچھ خبر نہیں۔ ہمارے بزرگ حالانکہ جامع کمالات تھے مگر سادگی اسقدر تھی کہ ان تکلفات کا نام تک نہ تھا اور آجکل نہ کوئی ہنر ہے نہ کوئی کمال مگر القاب دیکھو تو

معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہی اپنے زمانہ کے سب کچھ ہیں۔

۵۹۶
(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں محبت حق کا ایسا غلبہ تھا کہ بجز ایک طرف کے دوسری طرف نظر ہی نہ تھی۔ ہر بات میں توحید کی جھلک مارتی تھی۔ باوجود اصطلاحی عالم نہ ہونیکے بیان کے وقت حقائق کی وہ تحقیق ہوتی تھی کہ مجلس میں اکثر اہلِ علم ہوتے تھے سب کے سب انگشت بدندان ہوجاتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت اپنے زمانہ کے جنید وقت بایزید وقت تھے حضرت اپنے فن کے امام تھے مجتہد تھے مجدد تھے محقق تھے حضرت کی بدولت مدتوں کے بعد یہ طریق زندہ ہوا۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ جس سے چاہے اپنا کام لے لے۔ بظاہر دیکھنے میں تھانہ بھون کے ایک شیخ زادہ معمولی حیثیت کے ہوتے تھے مگر باطن اللہ کے نور سے معمور تھا۔ طالبوں کی نظر کی یہ حالت تھی جیسے کسی نے کہا ہے

ہمہ شہر پُر زخوباں منم وخیال ماہے چہ کنم کہ چشم کج بیں نکند بکس نگاہے

۵۹۷
(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل فضول سوالات کا بڑا مرض ہے۔ بیٹھے بٹھلائے کچھ مشغلہ نہیں تو یہی سہی اور اس کا تختہ مشق علماء کو بنایا جاتا ہے اور یہ سب آخرت سے بے فکری کی باتیں ہیں۔ ایک صاحب کا خط آیا ہے چند سوالات لکھے ہیں جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی سے بحث مباحثہ کر رہے ہیں اس میں علماء کے جوڑ لگانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہاں کی تحقیق معلوم کرنے کیلئے یہ دفتر بے معنی یہاں پر بھیجا ہے۔ میں نے لکھدیا ہے کہ تحریر سے یہ بات سمجھنے کی نہیں ہے۔ زبانی آکر سمجھو۔ دیکھئے کیا کرتے ہیں۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کی وجہ سے مجھ سے لوگ خفا ہیں۔ خشک اور ضابطہ کے جواب سے کیا کوئی خوش ہو سکتا ہے۔ ان بیہودوں کے دماغ علماء کے ڈھیلے (بیائے معروف) ہونے سے خراب ہوئے ہیں تو کہا کرتا ہوں کہ علماء کو ڈھیلا (بیائے مجہول) ہو کر رہنا چاہئے تاکہ ان کے دماغ درست ہوں ان خرد ماغوں کو یہ تو معلوم ہو کہ علماء میں بھی اسپ دماغ ہیں۔ مگر اس وقت مشکل یہ ہے کہ علماء ہوں یا مشائخ سب کی عوام سے غرض وابستہ ہے اسلئے کچھ نہیں بولتے مگر یہ تو اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے اس طرز سے اصلاح نہیں ہو سکتی۔ مجھکو اپنے طرز پر ناز نہیں فخر نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرتا ہوں اور واقعات و تجربات اسکے شاہد ہیں کہ اصلاح کے باب میں نافع یہی طرز ثابت ہوا۔

حضرت استاذی مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی جو مجسم اخلاق تھے آخر میں اگر انکی یہ رائے ہو گئی تھی کہ ایسے متکبروں کو تھانہ بھون بھیجنا چاہئے وہیں انکے دماغ درست ہونگے حضرت مولانا قاسم صاحب رح فرمایا کرتے تھے کہ جس مرید کا پیر ڈرانہ ہو اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی مولوی ظفر احمد نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے کہ میں صاحب نسبت ہو جاؤں۔ فرمایا کہ صاحب نسبت تو ہو مگر اصلاح کی ضرورت ہے اور اگر اصلاح کراؤ تو اپنے ماموں سے کرانا۔ مولوی ظفر احمد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح سے بیعت ہیں۔ پھر مجھ سے رجوع کیا۔ تو اس طرز کے

نافع ہونے پر مردوں اور زندوں سب کی شہادتیں موجود ہیں اور میرے ان تمام اصول اور قواعد کا مقصود طرفین کی راحت رسانی اور اصلاح کے طریق میں سہولتیں پیدا کرنا ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری نے جبکہ حالت علالت میں لوگوں نے زیادہ ستایا یہ فرمایا تھا کہ تھانہ بھون کے قواعد اور اصول کی ضرورت ہے اور زیادہ تر وجہ بے ترتیبی کی یہ ہے آجکل فہم کی بیحد کمی ہے اور بدون اس کے تکالیف اور پریشانیوں سے نجات مشکل ہے تو ان قواعد کا حاصل یہی ہے کہ فہم کو درست کیا جائے۔

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

(ملفوظ ۵۹۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ احکام اسلام کی اگر خود مسلمان عظمت و محافظت کریں تو کبھی دوسری قومیں اس میں نہ مداخلت کر سکتی ہیں اور نہ ان کی تحقیر کر سکتی ہیں خصوص اگر سلاطین اسلام اس طرف توجہ کریں تو پھر تو کسی کا کیا منہ ہے کہ ایک حرف بھی نکالے۔ ریاست بھوپال میں بیگم صاحبہ کے زمانہ میں طاعون کے ایک قانون کے متعلق انگریزوں نے مشورہ دیا تھا کہ اس کا نفاذ کر دیجئے۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ میں بدون قاضی کے حکم کے کچھ نہیں کر سکتی کہا کہ قاضی کو حکم دیجئے۔ فرمایا کہ وہ میرے محکوم نہیں۔ میں انکی محکوم ہوں اس لئے کہ وہ شریعت کے احکام جاری کرتے ہیں اور ہم سب شریعت کے غلام ہیں اس جواب سے کیسی عظمت دین کی معلوم ہوتی ہے۔

(ملفوظ ۵۹۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج فلاں خاں صاحب کے مرید کی کتاب واپس کر دی ہے تین آنہ کے ٹکٹ اپنے پاس سے صرف کرنے پڑے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے بیرنگ کیوں روانہ کر دی فرمایا کہ مجھکو بھی اسکا خیال ہوا تھا مگر دو وجہ سے اس خیال پر عمل نہ کر سکا ایک تو یہ کہ اگر نہ وصول کی تو مجھکو ہی دینا پڑیں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ تو دل سے اس مؤنت پر راضی نہ تھے اور میں ان پر بار ڈال رہا ہوں تو اس کے جواز میں مجھکو شبہ ہوا اسلئے ٹکٹ کا لگا دینا ہی مناسب سمجھا۔ وہ لوگ ایسا نہیں کر سکتے مگر الحمد للہ ہمکو تو خدا کا خوف ہے۔

(ملفوظ ۶۰۰) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آئے دن ملک میں ایک نیا فتنہ پیدا ہوتا رہتا ہے اب لوگوں کو بیٹھے بٹھلائے یہی بات سوجھی ہے کہ قوم اور حسب نسب ہی کو بدلنا شروع کر دیا۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ بڑی قومیں چھوٹی قوموں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں مگر بالکل غلط ہے کوئی بہتان کی حد بھی ہے اگر ان قوموں میں سے کوئی عالم ہوتا ہے اس کی ویسی ہی قدر کی جاتی ہے یا غیر عالم عابد متقی پرہیزگار ہوتا ہے

اس کی بھی ہرگز بیوقعتی نہیں کی جاتی۔ دوسرے یہ معترضین خود چھوٹی قوموں کو ذلیل سمجھتے ہیں ورنہ ان سے خارج ہونے کی کیوں کوشش کرتے اور ان کی یہ سب حرکتیں کمبخت جاہ کی بدولت ہو رہی ہیں یہی تو ہیں وہ امراض باطنی جنکی بدولت کہاں سے کہاں نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اسی لئے تو کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہے اس کے پاس رہنے اور اس کی تعلیم پر عمل کرنے سے ان رذائل کا ازالہ تو نہیں ہوتا کیونکہ ازالہ خلاف حکمت ہے ہاں) امالہ ہو جاتا ہے جیسے شائستہ گھوڑا کہ بے موقع بے محل کود پھاند بھاگ دوڑ نہیں کرتا موقع اور محل پر کرتا ہے حالانکہ اس میں یہ سب باتیں ہوتی ہیں مگر محل میں صرف ہوتی ہیں۔ ایسے ہی ان رذائل کے متعلق سمجھ لیجئے کہ شیخ کامل کی تعلیم پر عمل کرنے سے نفس کے اندر ایسی شائستگی پیدا ہو جاتی ہے کہ رہتی سب چیزیں ہیں مگر صرف ہوتی ہیں محل میں۔ ایک شخص کا خط آیا تھا لکھا تھا کہ ان چھوٹی قوموں کو ذلیل اور حقیر کیوں سمجھا جاتا ہے میں نے لکھ دیا کہ دنیا میں یا آخرت میں۔ پھر لکھا کہ شافی جواب نہیں ملا۔ میں نے لکھا کہ جہاں شافی جواب ملے وہاں سے معلوم کر لو۔ یہاں تو یہی کافی ہے یہی شافی ہے اپنے تابع بنانا چاہتے ہیں۔ میں تابع بنتا نہیں اور کیوں بنوں کیا میں ان کا نوکر ہوں۔ غلام ہوں۔ البتہ خادم ہوں۔ خدمت سے کسی حال میں انکار نہیں۔ مجھ سے خدمت لو مگر طریقہ سے پھر آدھی رات کو بھی موجود ہوں۔ باقی بے طریقہ اور بے ڈھنگے پن سے کوئی مجھ سے خدمت نہیں لے سکتا۔ بس لوگوں سے یہی لڑائی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آدمیت اور انسانیت سیکھو اور لوگ اسی سے گھبراتے ہیں چونکتے اور بدکتے ہیں۔ میرے پاس اگر کوئی تھوڑی دیر کو بھی آجاتا ہے اللہ کے فضل سے خالی ہاتھ نہیں جاتا کچھ لیکر ہی جاتا ہے۔ خواہ اپنی غلطی پر تنبہ ہی سہی۔ پھر چاہے یہاں ساری عمر بھی نہ آئے مگر ہو جاتا ہے درست۔ ایسا قصہ ہو جاتا ہے جیسے کسی بات کے یاد رکھنے کیلئے اپنے کسی کپڑے کے پلے میں گرہ لگا لیتا ہے۔ یہاں سے ایسی ہی ایک چیز لے کر جاتا ہے۔ اور یہ جو عوام کے دماغ خراب ہوئے ہیں اس کا سبب یہ مشائخ اور علماء ہی ہیں۔ ان کی اغراض عوام سے وابستہ ہیں اس وجہ سے انکی بیجا خاطر مدارات چاپلوسی آؤ بھگت کرتے ہیں۔ یہ نااہل ہوتے ہیں اس سے الٹا اثر قبول کرتے ہیں۔ پہلے طبائع میں سلامتی ہوتی تھی دلجوئی سے دلشوئی ہو جاتی تھی اب سلامتی تو ہے نہیں بدفہمی کا بازار گرم ہے دلجوئی سے سمجھتے ہیں کہ ہم سے ان کی کوئی غرض ہے اس غرض کے خفیہ کی وجہ سے دماغ میں خناس بھر جاتا ہے اپنا تابع سمجھنے لگتے ہیں اس لئے علماء اور مشائخ کو چاہئے کہ وہ ایسا طرز نہ اختیار کریں کہ جس سے اہل دین اور دین کی بیوقعتی لوگوں کی نظروں میں پیدا ہو اور زیادہ تر اہل مدارس کی بدولت عوام خراب ہوئے ہیں۔ اہل مدارس مدرسوں کی وجہ سے زیادہ چاپلوسی کرتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اگر ان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا تو یہ چندہ نہ دیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ خیال ہی غلط ہے کہ چندہ نہ دیں گے۔ دیں گے ضرور دیں گے۔ اس لئے کہ یہ تو حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اگر خلوص ہے۔ پھر فلوس تو تمہاری جوتیوں

سے پلٹتے پھریں گے اور اگر دیے ہی دیا مگر ان کو اور دین کو بے وقعتی کی نظر سے دیکھا تو ایسے چندوں کو لیکر کرو گے کیا کیونکہ جو مقصود تھا مدارس کا کہ دین اور اہل دین کی قلوب میں عظمت ہو وقعت ہو تبلیغ کا اثر ہو۔ جب وہ حاصل نہ ہوا تو مدارس ہی کو لے کر کیا چاٹو گے مجھکو تو ہمیشہ اسکا خیال رہتا ہے کہ دین کی اور اہل دین کی بے عظمتی اور بے وقعتی نہ ہو اور یہ کہ ہمیشہ مصالح دنیوی پر مصالح دینوی مقدم رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ مجھ سے خفا ہیں مگر ہوا کریں خفا اور ناراض میری جوتی سے۔ مجھ سے کسی کی غلامی نہیں ہوتی اگر میرا طرز پسند نہیں نہ آؤ میرے پاس کہیں اور جاؤ بلانے کون گیا تھا۔ اگر آتے ہو تو اصول صحیحہ کا تابع ہو کر رہنا ہوگا۔ نہ میں تمہارا تابع بنوں نہ تم میرے تابع بنو۔ اصول صحیحہ کا تم بھی اتباع کرو میں بھی اتباع کروں اور اگر یہ نہیں تو چلتے بنو ایسے موقع پر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی جسکو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

۶۰۱

(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل ملک میں بے پردگی کی زہریلی ہوا چل رہی ہے۔ عورتوں میں خود ایک آزادی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ حیا کا مادہ کم ہو جاتا ہے۔ پہلے زمانہ میں عورتیں غیور ہوتی تھیں۔ اب بھی یہ صفت اگر کچھ ہے تو پھر ہندوستان کی عورتوں میں ہے۔ اس غیرت پر اس وقت ایک عجیب حکایت یاد آئی۔ چنگیز خاں سے معتصم باللہ خلیفہ جب مغلوب ہوئے اور چنگیز خاں کا قبضہ ہو گیا۔ تو ایک کنیزک خلیفہ کی نہایت حسین تھی وہ بھی اس کے ساتھ آئی اسنے ایسا حسین آدمی کبھی دیکھا نہ تھا۔ بہت خوش ہوا اور اس کی بہت عزت اور خاطر مدارات کی اور بہلا پھسلا کر اپنی طرف میلان کرانا چاہا۔ اس عورت نے ایک عجیب تدبیر کی۔ چنگیز خاں نے اس عورت سے بہت سے حالات خلیفہ کے دریافت کئے اس نے بتلائے اور کہا کہ اور تو جو کچھ ہے وہ ہے مگر ایک چیز خلیفہ نے مجھکو ایسی دی نہ کسی نے کسی کو آجتک دی اور نہ شاید کوئی دے۔ چنگیز خاں نے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے کہا کہ وہ ایک تعویذ ہے اس کا اثر یہ ہے کہ اسکو کوئی باندھے ہو تو اس پر نہ تلوار اثر کرے گی نہ گولی اور نہ پانی میں ڈوب سکے۔ چنگیز خاں یہ سنکر بہت خوش ہوا اسلئے کہ ایسی چیز کی تو ہر وقت ضرورت رہتی ہے یہ خیال کیا کہ نقل کرا کر فوج میں تقسیم کرا دوں گا۔ چنگیز خاں نے وہ تعویذ مانگا اس نے کہا کہ پہلے تم اس کا امتحان کر لو میرے پاس اس وقت وہ تعویذ ہے تم بیدھڑک اور بلا خطرہ مجھ پر ایک ہاتھ تلوار کا مار دو دیکھو کچھ

بھی اثر نہ ہوگا - بارہا کا آزمایا ہوا ہے - چنگیز خان نے ایک ہاتھ تلوار کا صاف کیا - بڑی دور گردن جاکر پڑی - چنگیز خاں کو اس پر بیحد صدمہ ہوا کہ اپنے ہاتھوں میں نے اپنی محبوبہ کو فنا کر دیا - اس عورت کی غیرت کو دیکھئے کہ کسقدر غیور تھی - گو یہ فعل ناجائز تھا - خودکشی تھی مگر منشا اس فعل کا غیرت تھی کہ کسی دوسرے کا ہاتھ نہ لگے - یہ عورت کی خاص صفت ہے اس چیز کو آجکل بری طرح برباد کیا جا رہا ہے - خود مرد ہی بے غیرت ہیں - نہ حیا رہے نہ غیرت جو ایمان کی خاص صفت ہے - لوگوں سے جو میری لڑائی رہتی ہے اس کا سبب غیرت ہی تو ہے - مجھ سے بے غیرت نہیں بنا جاتا - کسی کو برداشت ہو مجھے تو برداشت ہے نہیں -

(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اور حافظ احمد صاحب سفر میں ہمراہ تھے - لاہور کے اسٹیشن پر ہوٹل میں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا - ملازموں نے میز کرسی لگادی اس سے تشبہ کا خیال ہوا - میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ کیا مشورہ ہے انہوں نے کہا کہ تشبہ کے خلاف صورت اختیار کرو - کرسی پر پیر لٹکا کر مت بیٹھو اٹھا کر بیٹھو اور ہاتھ میں کھانا لیکر کھاؤ - میز پر رکھ کر مت کھاؤ - اسطرح کیا اور بھی متکبرین کا مجمع تماشہ دیکھ رہے تھے کہتے ہونگے کہ یہ کون وحشی لوگ ہیں - اگر آدمی کو خیال اور فکر ہو تو حق تعالیٰ راہ نکال ہی دیتے ہیں مگر یہ اسی وقت ہے جبکہ ننگ و عار کو بالائے طاق رکھدے اور لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم پر عمل پیرا ہو اور جب تک یہ بات نہ ہوگی ہرگز نہیں بچ سکتا ضرور مبتلا ہوگا - ننگ و عار کے باب میں تو مسلمان کی یہ شان ہونا چاہیئے ؎

ما ہیچ ندا ریم غم ہیچ ندا ریم دستار ندا ریم غم پیچ ندا ریم

اور یہ سب کچھ انسان محبت کے ساتھ کر سکتا ہے - بدون محبت کے ان قصوں سے نجات اور چھٹکارا دشوار ہے - جب محبت ہوتی ہے تو محبوب کے خلاف محب کوئی حرکت نہیں کر سکتا - بس ضرورت اسکی ہے کہ خدا کے ساتھ محبت پیدا کی جائے اور اس کا سہل طریق یہ ہے کہ اہل محبت کی صحبت میں رہے اور انکی تعلیم کا اتباع کرے - انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں کچھ سے کچھ پیدا ہو جائے گا اور حقیقت تو یہی ہے کہ ان سے صحیح تعلق اور محبت پیدا ہو جانے کے بعد پھر کوئی دوسرا رنگ دل میں جم نہیں سکتا ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

اور فرماتے ہیں ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے - والذین آمنوا اشد حبا للہ اور شدت محبت ہی کا دوسرا نام عشق ہے - یہی محبت سب کو قلب سے سوائے محبوب کے فنا کر دیتی ہے - بس ایک ہی رہ جاتا ہے -

(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انسان کی خاصیت ہے کہ دوسرے کے تنقص کی کوشش کرتا ہے

اپنے معائب اور غلطیوں پر غور نہیں کرتا اور نہ ان پر نظر ہوتی ہے اسی لئے اکثر رائے میں غلطی ہوتی ہے اور دوسرے کی رائے کو قبول نہیں کرتے چنانچہ میں نے فلاں مدرسہ والوں کو مشورہ دیا تھا کہ ایک دم سب کے سب مدرسہ کو چھوڑ دیں یعنی مدرسہ کا کام چھوڑ دیں کہ جسکا جی چاہے کام کرے۔ اگر اس وقت مدرسہ والے اس مشورہ پر عمل کر لیتے اور مدرسہ کو چھوڑ دیتے تو یہ سارے فتنے دب جاتے۔ ایک دم شور و شغب بند ہو جاتا اور پھر یہی مخالف لوگ مدرسہ والوں کی خوشامد کرتے کہ تم ہی سب کچھ ہو اور تم ہی مدرسہ اپنے انتظام میں رکھو مگر اب اہل مدرسہ کے نہ چھوڑنے سے دوسروں کو بھی ضد ہو گئی اور جب انسان ضد اور ہٹ پر اتر آتا ہے پھر حق ناحق کچھ نظر میں نہیں رہتا اور میں اسی واسطے ہمیشہ اپنے دوستوں کو مشورہ دیا کرتا ہوں کہ تم کبھی کسی الجھن میں مت پڑو۔ جہاں الجھن دیکھو ایک دم اس کام کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ انسان ہے نفس ہے نفسانیت آ ہی جاتی ہے۔ اصل مقصود تو دین کی خدمت ہے یہاں پر نہیں کہیں اور سہی یہ کام نہ سہی اور کوئی دین کا کام سہی۔ ایک کام کو کیوں مقصود سمجھا جائے۔ مقصود تو دین کے ہر کام سے رضاء حق اور قرب حق ہے۔ وہ جس سے بھی حاصل ہو جائے نہ سہی مدرسہ گھر پر بیٹھ کر ایک دو طالب علم کو سبق پڑھا دیا یہ بھی تو وہی کام ہے۔ مدرسہ نہیں مدرسی (یعنی چھوٹا سا مدرسہ) ہی سہی۔ رہا کثرت درس سو نہیت بہت سے اسباق پڑھانے کی رکھو بیٹھے مدرسہ ہی کا ثواب نامۂ اعمال میں لکھا جائیگا کام کم اور ثواب زیادہ نقصان کیا ہوا خواہ مخواہ قصے جھگڑے کرتے پھرتے ہیں اور ان قصوں اور جھگڑوں سے ایک بہت بڑی چیز برباد ہوتی ہے جس کی ہمیشہ اہل اللہ اور خاصان حق سلف صالحین نے حفاظت کی ہے وہ یکسوئی ہے اگر یہ یکسوئی اپنے پاس ہے تو چاہے اپنے پاس ایک سوئی بھی نہ ہو مگر اسکی یہ حالت ہوگی فرماتے ہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی　　بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

اور اگر مدرسہ چھوڑنے کی ہمت نہ ہو تو ایک اور تدبیر بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر مجھکو بالکلیہ مدرسہ پر اختیارات ہوتے تو میں یہ کرتا سب کو ایک دم نکال باہر کر دیتا مخالف اور موافق کی اس میں قید نہ تھی اور ایک دم مدرسہ پر تالے ڈال دیتا اور کہتا چلو لیے۔ ہم مدرسہ کو بند کرتے ہیں۔ جب جی میں آئیگا کھولیں گے پھر آ کر داخل ہونا۔ اور معترضین جو اپنے کو مصلحین کہتے ہیں۔ مدرسہ کی اصلاح کیلئے چلے تھے۔ مگر طریق کار وہ اختیار کیا کہ مدرسہ بیخ بنیاد ہی سے اکھڑ جائے۔ میں مدرسہ والوں کو فرشتہ نہیں سمجھتا۔ میں نے مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سے صاف کہدیا تھا کہ میں آپکو فرشتہ نہیں سمجھتا کہ آپ سے کسی غلطی کا امکان ہی نہیں بعض چیزوں میں مجھکو بھی آپ سے اختلاف ہے اور وہ چیزیں قابل اصلاح ہیں مگر ان لوگوں نے جو اصلاح کے نام طریق کار اختیار کیا یہ بھی بڑا ہے۔ میں دوسرا طریقہ اختیار کرتا کہ کام کرنیوالوں کو ادب سے محبت سے رائے دیتا کیونکہ مجھکو مدرسہ کے ساتھ ہمدردی ہے مدرسہ کی ذات سے خیر خواہی ہے اس لئے کہ میرے بزرگوں کی بنیاد ڈالی ہوئی ہے اس لئے جسکی ذات سے بھی مدرسہ کو نقصان پہنچیگا اس سے ضرور قلب میں رنج ہوگا اور ضرور اس سے شکایت پیدا ہوگی۔ یہاں اپنے قصبہ میں ایک زمانہ میں ایک اور مدرسہ کی تجویز ہوئی اس موجود مدرسہ کے مقابلہ میں اور اس کی کاروائی مجھسے مخفی کی گئی

اس لئے کہ شاید مزاحمت کرے اور تجویز یہ ہوئی کہ مولانا فتح محمد صاحب کو جو میرے استاد تھے مدرس تجویز کیا تاکہ میں ان کی وجہ سے مزاحمت نہ کر سکوں حالانکہ مقصود تو کام ہے انتساب مقصود نہیں اسلئے کہ اگر وہ لوگ کہتے تو میں بھی انکی تجویز میں شریک ہوتا اور موجودہ مدرسہ کو ختم کیا جاتا مگر انھوں نے مجھ سے مخفی رکھا اور ایک مکان میں اس کا جلسہ قرار پایا مجھکو معلوم ہوا میں بدون بلائے ہوئے وہاں پہونچا۔ تقریر ہو رہی تھی ایکدم خاموش ہو گئے۔ میں نے جاکر کہا کہ میں آپ کے جلسہ میں مخل ہونے نہیں آیا ہوں۔ ایک مختصر سی بات کہکر ابھی واپس جاتا ہوں اور وہ بات یہ ہیکہ مجھکو معلوم ہوا ہے کہ آپ کوئی مدرسہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مجھ سے مخفی رکھا گیا لہذا میں آپ کو مطلع کئے دیتا ہوں کہ اتنی کلفت اور پریشانی برداشت نہ کریں میں کل صبح ہی سے اپنے سابق مدرسہ کو بند کر دوں گا آپ مجھ سے مدرسہ کا حساب کتاب سمجھ لیں اور جو چیزیں اسکی ملک میں اس پر قبضہ کر لیں۔ صرف خانقاہ کا کتب خانہ جس کا متولی واقفین نے مجھکو بنایا ہے فی الحال آپکو نہ ملیگا باقی سب چیزیں آپ لے سکتے ہیں اور دو برس کے بعد جب دیکھوں گا کہ آپ اچھا کام کر رہے ہیں۔ باذن واقفین کتب خانہ بھی سپرد کر دوں گا۔ اتنا کہکر چلدیا۔ بس جلسہ وغیرہ سب درہم برہم ترکی ختم۔ پھر کہیں جلسہ ہوا نہ مشورہ۔ سب ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے۔ کام کرنا آسان تھوڑا ہی ہے۔ مقصود تو ان لوگوں کا کچھ اور ہی ہوتا ہے کہ جھگڑا ہو گا فتنہ فساد ہو گا ذرا تصادم میں مزا آئیگا۔ اللہ کا شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے خصوص حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عنایتوں سے اللہ تعالیٰ نے ان قصوں سے پاک صاف ہی کر دیا کد و کاوش کی اور الجھن میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ نظر ہمیشہ مقصود پر ہونا چاہئے۔ پس جب مدرسہ مقصود نہیں بلکہ مقصود رضاء حق اور قرب حق ہے سو وہ دین کے دوسرے کاموں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے پھر کیوں خواہ مخواہ قلب کو مشوش کیا اور فتنہ فساد کو مول لیا کسی اور کام میں لگ جاؤ۔

ملفوظ ۲۴۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ غیر اختیاری کاموں کے پیچھے پڑنے سے وقت خراب ہوتا ہے اور کام نہیں ہوتا اور ہو بھی کیسے وہ تو غیر اختیاری ہے۔ انسان اختیاری کام کو کرے غیر اختیاری کو چھوڑ دے یہی کام کرنیکا سہل طریق ہے۔ اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ میں نصف سلوک ہے بلکہ اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ کل سلوک ہے۔ حقیقت کی بیخبری کے سبب لوگ مشکلات اور دشواریوں میں پڑ گئے۔ چنانچہ ایک شعبہ اس کا غیر اختیاری کے درپے ہونا بھی ہے۔ حالانکہ تصوف سے سہل اور آسان اور کوئی چیز بھی نہیں۔

ملفوظ ۲۴۵ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عارفین اور کاملین کی شان مشابہ انبیاء علیہم السلام کے ہوتی ہے۔ حقوق اللہ کیساتھ حقوق العباد کو بھی جمع کرتے ہیں اسلئے یہ حضرات جامع بین الاضداد کہلاتے ہیں۔ ان کا قول و فعل سب سنت کے تابع ہوتا ہے انکی یہ شان ہوتی ہے جو کسی نے کہا ہے

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق　　ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

ملفوظ ۶۰۶ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ معصیت کمبخت نہایت ہی بُری اور مہلک چیز ہے اس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے وہ وقت اور گھڑی بندہ کیواسطے نہایت ہی مبغوض اور منحوس ہے جس میں یہ اپنے خدا کا نافرمان ہوتا ہے۔ اگر حس ہو تو فوراً معصیت کرنے کے بعد قلب پر ظلمت محسوس ہوتی ہے اور بعض نافرمانی کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے عمل کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے بڑے خوف کی بات ہے۔ اور معصیت میں ایک اور خاصیت بھی ہے کہ اس کے محکوم اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہوئے وہ شوخی کرنے لگا فرمایا آج ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ ہماری نافرمانی کرتا ہے۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ | کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ
ہر کہ ترسید از حق و تقوے گزید | ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

اور ایک خاصیت سب سے اشد ہے وہ یہ کہ کبھی بےفکری اور بےجا بالی سے صغیرہ سے کبیرہ صادر ہو جاتا ہے اور وہ سبب کفر کا ہو جاتا ہے اس لئے انسان کبھی گناہ کر کے بےفکر نہ ہو توبہ استغفار کرتا رہے مگر یہ بھی نہیں کہ اسی کو مشغلہ بنالے اور اسی مراقبہ میں رہا کرے بلکہ ایک بار خوب باقاعدہ توبہ کر کے کام میں لگے اور اس کے بعد پھر جب کبھی خیال آجایا کرے اللھم اغفر لی کہہ کر پھر آگے چلے کام میں لگے۔ اور اس توبہ کے قبول ہونے نہ ہونے کے متعلق حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہ نے ایک عجیب بات فرمائی کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ فلاں گناہ کر لینے کے بعد جو توبہ کی تھی وہ قبول ہو گئی یا نہیں اس کا معیار یہ ہے کہ یہ دیکھے کہ اس گناہ کے یاد آنے سے نفس میں حظ پیدا ہوتا ہے یا نفرت اگر نفرت ہوتی ہے تو توبہ قبول ہو چکی اگر حظ ہوتا ہے تو ابھی توبہ قبول نہیں ہوئی پھر توبہ کرے بڑی عجیب بات ہے مگر یہ علامت ظنی ہے۔

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

ملفوظ ۶۰۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں انسان کا وجود اور ہستی ہے ہی کیا چیز۔ ہر چیز حق تعالیٰ کے قبضہ اور قدرت میں ہے خواہ مخواہ انسان اپنی ٹانگ اڑاتا ہے اور یہ دعوٰی ترقی کا نتیجہ ہے مگر واقعات سے خدا تعالیٰ دکھلا دیتے ہیں اہل ترقی کو کہ کوئی چیز تمہارے قبضہ میں نہیں۔ سب ہمارے قبضہ میں ہے۔ انگریزوں کو بڑا فخر تھا کہ ہمارا آگ پر قبضہ پانی پر قبضہ۔ مگر حوادثات کے بعد سب قبضے قبض طبع کے سبب بن جاتے ہیں۔ تحقیقات اور انتظامات کچھ بھی کام نہیں آتے۔ چنانچہ سیلاب سے ہزاروں لاکھوں مخلوق غرق ہو گئی مگر کوئی کچھ نہ کرسکا۔ یہ سب کچھ ان ہی کے قبضہ میں ہے۔ قدرت میں کسی کا کیا دخل۔

ملفوظ ۶۰۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل۔ نجار۔ کاشتکار، زمیندار۔ ملازم ایک سے ایک بدتر حالت میں ہے اسکی وجہ

کسی کی سمجھ میں نہیں آتی - بڑے بڑے لوگ فلسفہ بگھارتے ہیں - ان سے گفتگو ہوئی کوئی وجہ معقول نہیں بیان کر سکتے اگر وحی کو عقل پر ترجیح دیتے تو سمجھ لیتے کہ پریشانی کا سبب ہمیشہ معصیت ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا کی نافرمانی ہے اگر خدا کو راضی کرنے کی سعی کی جائے تو اس بدتری اور پریشانیوں سے نجات ہو سکتی ہے ورنہ کوئی اور چیز اس سے نجات نہیں دلا سکتی اس لئے خدا کے راضی کرنے کی فکر ہونی چاہئے ان کو راضی کر کے دیکھو معلوم ہو جائیگا کہ کیا سے کیا ہو گیا - اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش　　　آزموں را یک زمانے خاک باش

ملفوظ ۴۰۹ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگوں کو تو ضروریات کی وجہ سے روپیہ کی تلاش ہوتی ہے - اگر ضروریات پوری ہوتی رہیں تو ساری عمر روپیہ کی صورت بھی دیکھنا پسند نہ کریں اور بعض کو خود روپیہ کی ذات سے تعلق ہوتا ہے مگر یہ ایک مرض ہے انکو خود روپیہ سے حظ مقصود ہوتا ہے کہ میں اتنے روپیہ کا مالک ہوں روپیہ سے تعلق اور حظ پر ایک بنئے کی حکایت یاد آئی ایک دوست نے بیان کی تھی کہ وہ بیمار تھا روپیہ کثرت سے پاس تھا مگر علاج نہ کراتا تھا دوست احباب کے زور دینے پر بمشکل علاج پر آمادہ ہوا مگر اس طرح کہ لوگوں سے پوچھا پہلے علاج کا تخمینہ کرا لو کیا خرزچ ہوگا چنانچہ تخمینہ کرایا گیا طبیب کو بلا کر نبض دکھلائی نسخہ تجویز ہوا - مدت استعمال کا تخمینہ ہوا - قیمت کی تحقیق کی گئی اور حساب لگا کر بتلایا گیا کہ اسقدر صرف ہوگا کہا کہ اب یہ دیکھو کہ مرنے پر کیا صرف ہوگا وہ بتلایا گیا کہ اسقدر صرف ہوگا - تو کہتا ہے کہ بس اب تو یہی رائے ہوتی ہے کہ مرجاویں کیونکہ علاج میں روپیہ زائد صرف ہوگا اور مرنے میں کم یہ انتہائی حکایت ہے ایسی حکایت کبھی نہ سنی تھی -

ملفوظ ۴۱۰ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تجربہ ہے کہ روپیہ بدون بخل کے جمع نہیں ہو سکتا اس لئے تھوڑی سی صفت بخل ہر شخص میں ہونیکی ضرورت ہے مگر یہ بخل لغوی ہوگا شرعی نہ ہوگا جیسے رات کو کوئی سفر کرے تو اس میں اتنا خوف بھی تو ضروری ہے کہ اپنے مال کی حفاظت کر سکے - یہ ظاہر ہے کہ سخاوت محمود چیز ہے مگر معصیت میں صرف کرنا گو لغۃً یہ بھی سخاوت ہی ہے مگر شرعاً مذموم ہے - جیسے نماز روزہ دوپہر کو محمود نہیں - روزہ عید کے دن محمود نہیں - سونیکے وقت جبکہ نیند کا غلبہ ہو اور الفاظ غلط نکلنے لگیں ذکر اللہ کو منع فرمایا گیا ہے تو یہ ذکر بھی اسوقت محمود نہ ہوگا ہاں ایمان ایک ایسی چیز ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر ساعت میں محمود ہے - میرا ایک وعظ ہے حرمان الحدود اس میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ خشیت میں - شوق میں - بخل میں - سخاوت میں - عداوت میں دوستی میں - ہر شئے میں حدود کی ضرورت ہے -

ملفوظ ۴۱۱ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے بڑی لمبی چوڑی فضول اور ناکافی تمہید لکھکر لکھا تھا کہ ان جدید الوقوع حوادث سے اور ان کے حکم کی طرف توجہ فرمائیے - میں نے لکھا ہے کہ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپنے ایک جدید مسئلہ مفیدہ کی طرف متوجہ کیا مگر اس میں دو ہی صورتیں ہیں یا تو مجھکو ان حوادث کا علم ہے یا نہیں اگر ہے تو اس تمہید کی کیا ضرورت تھی براہ راست حکم کا سوال کر لیتے اور اگر علم نہیں تو پھر اس مجمل ناکافی تمہید سے ان

حوادث کی مجھکو کیا خبر ہو سکتی ہے۔ بہر حال آپ کی تحریر دونوں حالتوں میں قابل جواب نہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے قابل ہیں ایسی تحریرات سے ہماری قابلیت ظاہر ہو گی۔ اب دیکھوں گا کیا جواب دیتے ہیں۔ پھر اس ادعائی قابلیت کے مقابلہ میں واقعی قابلیت کا ایک قصہ بیان فرمایا کہ بیگم بھوپال کو تحریک خلافت کے زمانہ میں گورنمنٹ نے کہا کہ اپنے یہاں تم ان تحریکات کو روکو۔ بیگم صاحبہ نے جواب دیا کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح روکا جائے خود گورنمنٹ اپنے یہاں روک کر دکھلا دے کہ اس طرح روکو اسی طرح میں بھی اپنے یہاں روک دوں گی خوب ذہانت کا جواب دیا۔ ذہانت بھی خداداد چیز ہے اور بڑی نعمت ہے بشرطیکہ حدود میں رہکر محل پر صرف کی جاوے ورنہ خرابی اس ہی سے زیادہ پیدا ہوتی ہے۔

(ملفوظ ۶۱۲) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ وار دات کی مخالفت معصیت تو نہیں مگر اس مخالفت سے دنیاوی طور پر کچھ ضرور ہوتا ہے۔ پھر ممکن ہے کہ یہ ضرر کبھی مفضی ہو جائے ضرر دینی کی طرف۔ مثلاً پہلے معاصی کے مواقع میں ہمت مقاومت کی ہو سکتی تھی مگر طبعی کسل ہو گیا جو محض ضرر بدنی ہے اس کسل سے طاعات کو جی نہیں چاہتا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عمل سے باز رہا۔ آگے دو صورتیں ہیں یا تو وہ عمل واجب تھا یا واجب نہ تھا۔ اگر واجب تھا تو اس کا ترک خسران ہوا اور اگر واجب نہ تھا تو حرمان ہوا۔ پھر بطور تفریع فرمایا کہ یہ راہ بڑا ہی نازک ہے اس میں بڑے سنبھل کر قدم رکھنے اور چلنے کی ضرورت ہے۔

(ملفوظ ۶۱۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ دل کے بڑے قوی ہوتے ہیں۔ بھوپال میں ایک رکن ریاست نے جو غیر مقلد تھے ایک وعظ میں استواء علی العرش کے مسئلہ پر تقریر کی بعض غیر مقلدین کو اس مسئلہ میں بہت غلو ہو گیا ہے۔ چونکہ واعظ صاحب نے مجسمہ کے مشابہ کلام کیا اسوقت تقریر میں ایک ولایتی مولوی صاحب بھی تھے۔ واعظ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر منبر سے کھینچکر نیچے ڈال کر کوٹنا شروع کیا۔ پولیس نے مزاحمت کرنا چاہا مگر عوام کھڑے ہو گئے کہ اگر تم نے کچھ دخل دیا ہم تمہارا مقابلہ کریں گے۔ بیگم صاحب سے شکایت کی گئی انہوں نے بجائے کچھ کارروائی کرنے کے ان مولوی صاحب سے معافی مانگی اور آئندہ کیلئے قانون بنا دیا کہ کوئی رکن ریاست وعظ نہ کہے دیکھئے یہ بھی پہلے ہی لوگوں کی باتیں تھیں۔ دل میں اہل علم اور اہل دین کی عظمت تھی اب تو نفوس میں شرارت ہے اتنی قدرت پر نہیں معلوم کیا کچھ کرتے۔

(ملفوظ ۶۱۴) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان فضول تحقیقات میں کیا رکھا ہے انسان کو کام میں لگنا چاہئے۔ ان ہی فضولیات کی بدولت لوگ راہ سے دور جا پڑے۔ میں ان ہی چیزوں سے لوگوں کو بچنے کی تعلیم کرتا ہوں جس پر لوگ مجھ سے خفا ہیں۔ یہ تحقیقات گو مسکت ہیں مگر شبہات کے مسقط نہیں ان سے سکون نہیں ہو سکتا گو مخاطب ساکت ہو جاتا ہے۔ سکون کا بہترین اور سہل طریقہ تسلیم و تفویض وافتقار و انکسار ہے جس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
ہر کجا درد ے دوا آنجا رود ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

اور فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اور فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش آزموں را یک زمانے خاک باش

اس سے یہ حالت ہوگی ؎

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

اور یہ حالت ہوگی ؎

بینی اندر خود علوم انبیا بے کتاب و بے معید و اوستا

۲ رجمادی الاولی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(ملفوظ ۶۱۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پٹھانوں کی تو خواہ مخواہ شہرت ہو گئی کہ ان میں نحوست ہوتی ہے بالکل غلط ہے۔ یہ بزرگوں کے نہایت مطیع اور ان کا پورا اتباع کرنیوالے ہوتے ہیں۔ غدر سے پہلے ایک مولوی صاحب تھے۔ تمام قصبہ جلال آباد کے پٹھان انکو اپنا سردار مانتا تھا مولوی صاحب قوم سے رائیں تھے۔ مگر لوگوں نے معتقد ہونے کی وجہ سے انکو سید مشہور کر دیا تھا پٹھان تو نحوست میں محض بدنام ہی بدنام ہیں۔ البتہ ہماری قوم شیخزادے ضرور ایسے ہیں کہ یہ کسی کے معتقد مشکل سے ہوتے ہیں۔ کثرت سے واقعات اسکے شاہد ہیں۔

(ملفوظ ۶۱۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل استادوں کا ادب اور احترام بالکل ہی جاتا رہا تو ویسی ہی علم میں خیر و برکت رہ گئی۔ عادۃ اللہ یہ ہے کہ استاد خوش اور راضی نہ ہو علم نہیں آسکتا اور استاد ہی کی کیا تخصیص ہے اب تو وہ زمانہ ہے کہ نہ باپ کا ادب ہے نہ پیر کا ادب ہے اور اگر ہے بھی تو رسمی ادب۔ باقی حقیقی ادب کا نام و نشان نہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ تعظیم کا نام ادب نہیں ادب نام ہے راحت رسانی کا۔ اس میں عوام تو کیا خواص تک کو ابتلا ہے۔ میں ایسی ہی باتوں پر متنبہ کرتا ہوں تو مجھ سے خفا ہوتے ہیں۔ مزاحاً فرمایا کہ اگر میں بھی اوروں کی طرح خفا رکھتا خفائق کو ظاہر نہ کرتا تو مجھ سے بھی خوش رہتے لیکن اسوقت میرا یہ فعل انکی رضا کیواسطے ہوتا خدا کی رضا کے واسطے نہ ہوتا۔ نیز اصلاح نہ ہوتی۔ اگر طبیب مریض کے لئے اس کی مرضی کے موافق نسخہ لکھے محض اس خیال سے کہ یہ خوش اور راضی رہے تو بس مرض جا چکا اور تندرست ہو چکا بلکہ ایسا طبیب خائن ہے اور ایسا مریض احمق۔

مجھ میں بحمداللہ رسمی باتوں کا نام ونشان نہیں۔ اور یہ میں فخر سے نہیں کہتا بلکہ اسکو ایک نعمت خداوندی اور فضل ایزدی سمجھ کر اسکا اظہار کرتا ہوں جس پر بھی حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے فضل فرمادیں۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ واللہ ذوالفضل العظیم ۔ استادوں کے ادب پر یاد آیا فلاں مولانا میرے ابتدائی کتابوں کے استاد تھے۔ ایک دفعہ مجھکو زیادہ مارا اس پر خاندان اور قصبہ میں بہت کچھ قصہ ہوا مگر انقیاد کا یہ اثر ہوا کہ بعد فراغ درسیات ایک روز مولانا نے مجھسے بایں عنوان معافی چاہی کہ ہم تم ایک مدت تک ساتھ رہے ہیں ایسی حالت میں کچھ حقوق میں کوتاہی بھی ہو جاتی ہے تجھسے بھی ہوگئی ہو تم معاف کردو۔ میں نے عرض کیا کہ میں سمجھ گیا جس چیز کی آپ معافی چاہتے ہیں مگر کیا وہ معافی کی چیز ہے وہ تو ایک دولت تھی اور رحمت تھی اسی کی بدولت تو آج دو حرف نصیب ہو گئے۔ فرمایا کہ اس سے تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت حکم فرماتے ہیں اس وجہ سے میں عرض کرتا ہوں کہ معاف ہے الامر فوق الادب۔ مولانا کی یہ حالت تھی انکسار اور سادگی اور بزرگی کی۔ یہ ہے شان عبدیت کی۔ پہلے استادوں کا شاگردوں کے ساتھ یہ معاملہ تھا۔ اب شاگردوں کا بھی استادوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں۔ پھر کہاں علم اور کہاں برکت۔ میں مولانا کی برکت کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ سب سے بڑی دولت امتی کے واسطے یہ ہے کہ قلب میں دین کی محبت ہو عظمت ہو۔ چاہے عمل میں کوتاہی ہو۔ سو یہ دولت مجھکو مولانا کی صحبت کی برکت سے نصیب ہوئی اسلئے کہ بچپن میں شروع تعلیم انہیں سے ہوئی۔ شروع ہی میں اس کی ضرورت ہے کہ استاد بھی صاحب محبت ہوں تاکہ شاگردوں کے جذبات اور خیالات پر ان کا اثر ہو اور شروع ہی سے صحیح تربیت اور اصلاح ہو۔ پھر فرمایا کہ دین کی محبت اور اپنے بزرگوں کی محبت کے علاوہ اور میرے پاس ہے ہی کیا۔ مولانا کی وفات کے بعد ایک مرتبہ میں کانپور سے آیا۔ مولانا کے ایک داماد تھے انہوں نے میری دعوت کی اور بیان کیا کہ مولانا نے خواب میں ان سے فرمایا کہ یہ مرغ جو گھر میں پھر رہا ہے یہ ذبح کر کے اس دعوت میں کھلاؤ انہوں نے مجھسے کہا میں نے سنکر کہا کہ میں اب ضرور کھاؤں گا یہ تو مولانا کی طرف سے دعوت ہے۔ مولانا میں بہت سادگی تھی۔ ایک دفعہ مدرسہ میں چٹائیاں بن رہی تھیں تو مدرسہ کے بچوں سے بنوائیں جس پر رؤسا وقصبہ اعتراض بھی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند تشریف لائے انہوں نے دیکھا کہ بچوں سے یہ کام لیتے ہیں انہوں نے مصالح پر نظر کر کے بطور نصیحت کے فرمایا کہ آپ شریفوں کے بچوں سے ایسے کام لیتے ہیں اسی واسطے قصبہ کے معزز لوگ آپ سے ناراض ہیں آئندہ شریفوں کے بچوں سے ایسا کام ہرگز نہ لیا جاوے۔ پھر آئندہ یہ کام بچوں سے نہیں لیا اور اس مشورہ سے ذرہ برابر ناگواری کا اثر نہیں ہوا کیا ٹھکانا ہے اس بے نفسی کا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اول ہی دن سے ایسے استاد اور بزرگ نصیب فرمادیئے۔

ملفوظ ۶۱۷ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کبر ہمیشہ حمق سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر حمق نہ ہو تو اپنی بڑائی کا انسان کو کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوسکتا اور نہ خیال آسکتا ہے۔

سو کبر حمق سے ناشی ہوتا ہے۔ اور اس مرض میں قریب قریب عوام اور خواص سب کو ابتلا ہے اور اس سے بچنے کا صرف ایک ہی طریق ہے وہ یہ ہے کہ کسی کامل کی جوتیوں میں جا پڑے وہاں دماغ سے یہ خناس نکل جاوے گا۔ اسی کو مولانا رومی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

ایک صاحب کو میں نے اطلاع کی تھی تم میں کبر کا مرض ہے اس پر برا مانا اور انکار کیا پھر پانچ سال کے بعد اقرار کیا کہ آپکی تشخیص صحیح تھی۔ میں نے کہا کہ بندہ خدا اب تک تو ازالہ بھی ہو جاتا یوں ہی وقت خراب کیا آجکل یہ حالت ہے طلب کی۔ ہر شخص اپنے کو مجتہد مطلق سمجھتا ہے یہ سب حماقت کے کرشمے ہیں۔ اللہ بچائے ہر بلا سے اور فہم سلیم عطا فرمائیں۔

(ملفوظ ۶۱۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے قرآن شریف میرٹھ میں حفظ کیا تھا اور یہاں پر جب آیا ہوں تو عمر تقریباً بارہ سال کی تھی اسوقت سے اسوقت تک اہل قصبہ ہندو مسلمان بفضلہ تعالیٰ سب کو مجھسے محبت رہی یہ امر ہر زمانہ میں مشترک رہا عداوت کسی کو نہیں ہوئی۔ ایسے ہی زمانہ تحریک خلافت میں قریب قریب سب نے رائے میں مخالفت کی مگر دل واقعہ کی حقیقت سب کے تھی۔ ایک لکھے پڑھے صاحب نے ایک میرے دوست سے میری نسبت کہا کہ انکو گورنمنٹ سے تین سو روپیہ ملتے ہیں اور بھی کچھ گفتگو کی انہوں نے سوال کیا کہ سچ سچ تمہارے دل میں بھی یہ اعتقاد ہے کہا کہ حاشا وکلا ہرگز نہیں کہا کہ پھر کیوں ایسی بات زبان سے کہتے ہو جو دل میں نہیں کہا کہ اپنی آواز کو زوردار بنانے کیلئے۔ میں نے سن کر کہا کہ روٹیاں پھر بھی ہماری ہی بدولت مل رہی ہیں یہ دین تھا کہ نہ کوئی اصول نہ کوئی حد۔ اور میرا تو کیا خیال رکھتے اور لحاظ کرتے خود احکام شرعیہ ہی کو چھوڑ بیٹھے تھے اسی میں تحریف سے کام لیا جاتا تھا۔ کیا ٹھکانا ہے اس بے باکی کا۔ دنیا میں بھی کم عقلی سے زیادہ کوئی چیز موذی اور مضر نہیں۔ لوگوں کی بدفہمی اور بدعقلی ہی ان سب باتوں کی سبب ہوئی آخر میں آکر قریب قریب سب سمجھے گو بعض نے اقرار کرنے سے پھر بھی عار کیا لیکن ہوتا کیا ہے جبکہ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن چکے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ملفوظ ۶۱۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے جھگڑے کی باتوں میں کبھی اپنے بزرگوں کا نام نہیں لیا خود اپنی تسلی کے لئے تو پوچھ لیا مگر کام اپنی قوت پر کیا اپنی ہی طرف منسوب کیا۔ ہمیشہ یہ خیال رہا کہ اپنے بزرگوں پر کیوں برائی آوے جو کچھ آوے اپنے ہی پر آئے مگر آجکل اپنے بزرگوں ہی کو تختہ مشق بناتے ہیں جو صاف دلیل ہے عدم محبت کی۔

(ملفوظ ۶۲۰) ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جو صاحب مجھکو نرمی کرنے کی رائے دیتے ہیں وہ اگر اس جلسے میں ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے کسقدر نرمی کا برتاؤ کیا اور اس نرمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخاطب کی طرف سے اذیت بڑھتی رہی اور جب ہار کر آخر میں سختی کی تو سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اذیت قطع ہو گئی۔

دور بیٹھے رائے دیدینا بہت آسان ہے۔ جب اپنے پر آ کر پڑتی ہے تب پتہ چلتا ہے میں بہت برداشت کرتا ہوں اور میرا برداشت کرنا اس لئے نہیں معلوم ہوتا کہ للّو پتّو نہیں کرتا اس سے سختی معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ سختی نہیں مضبوطی ہے۔ میں اس پر ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ جیسے ریشم کا رسّہ کہ نرم تو اسقدر ہوتا ہے کہ جسطرف کو چاہو موڑ توڑ لو جہاں چاہے گرہ لگا لو اور مضبوط اس قدر کہ اگر ہاتھی کو اس میں باندھ دو تو جنبش نہیں کر سکتا سختی اور چیز ہے مضبوطی اور چیز ہے۔ اس میں لوگوں کو فرق معلوم نہیں وہ فرق اس مثال سے واضح ہو گیا امثلہ توضیح کیلئے ہوتی ہیں۔ اور ایسی امثلہ ان حضرات پر جنکے سپرد ارشاد خلق ہوتا ہے کھولدئے جاتے ہیں جس سے دقیق سے دقیق اور غامض سے غامض مضامین عام فہم اور سہل ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے عام مخلوق کو سمجھنے اور عمل کرنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔

(ملفوظ ۷۳۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان دنیاداروں پر علماء کی مجلس کی ہیبت نہیں ہوتی اور درویشوں کی ہوتی ہے سو اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ علماء کو صاحب اختیار نہیں سمجھتے اسلئے کہ صاحب اختیار تو درویش بھی نہیں مگر وہاں یوں سمجھتے ہیں کہ خلاف کرنے سے کوئی وبال آجائے گا اور مولویوں کے خلاف کرنے پر یہ نہیں سمجھتے۔ اسی طرح ان لوگوں پر ادنیٰ ادنیٰ ڈپٹیوں اور ججوں کی ہیبت ہوتی ہے مگر علماء کی نہیں ہوتی اور یہ سب علماء کا تسامح ہے وہ انکی للّو پتّو کرتے ہیں یہ انکو صاحبِ غرض سمجھتے ہیں۔ ان ہی صاحب کو دیکھ لیجئے۔ ان پر بھی میری موہوم بزرگی کا اثر ہوا۔ ناقص علم کا نہیں ہوا۔ معذرت میں یہی کہا کہ آپ بزرگ ہیں یہ نہیں کہا کہ آپ عالم ہیں نائب رسول ہیں۔ گو میں کچھ بھی نہیں یہی وجہ ہے کہ میں علماء سے یہ چاہتا ہوں کہ یہ ایسا طرز اختیار کریں جس سے عوام کے قلوب میں دین اور اہل دین کی وقعت نہ ہو یہ علماء کو نظر تحقیر سے نہ دیکھیں مگر اس کی ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ تکبر بھی نہ ہو غرض نہ تکبر ہو نہ تذلل اور یہ اعتدال پیدا ہو سکتا ہے کسی کامل کی صحبت سے اسکی جوتیاں سیدھی کرنے سے بلکہ اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جوتیاں کھانے سے۔ اور یہ بھی بتلائے دیتا ہوں کہ وہ جوتیاں ماریگا نہیں مگر تم کو اس کے لئے تیار ہو کر آنا چاہئے تب اصلاح ہو سکتی ہے اور اگر کہیں روک ٹوک کرنے پر اور ڈانٹ ڈپٹ پر دل میں کدورت پیدا ہو گئی اور برداشت نہ کر سکا تو بس محروم رہے گا۔ ایسے شخص کو اس راہ میں قدم ہی نہیں رکھنا چاہئے۔ اس میں سب سے اول شرط یہ ہے ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اس صفت کا طالب اس راہ میں قدم رکھتے ہی منزل مقصود پر لگ جائے گا۔ اور اگر برداشت نہ کر سکا اور ہر چیز کو بر وبا و بلا سمجھنے لگا تو بس ہو چکی اصلاح اور پہنچ چکا منزل مقصود پر اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق
تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

اور فرماتے ہیں ؎

۶۲۲ در بہر زخمے تو پر کینہ شوی　　پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

(ملفوظ) ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ الحمد للہ مجھکو ہر چیز اپنی حقیقت پر نظر آتی ہے اور الحمد للہ ہر ایک کا جدا جدا اثر ہوتا ہے دو اثروں میں خلط نہیں ہوتا یعنی یہ نہیں کہ ایک چیز کا اثر دوسری چیز میں ظاہر ہو۔ مثلاً انھوں نے اس وقت مجھکو اذیت پہونچائی اس کی وجہ سے غصہ بھی ہے تغیر بھی ہے مگر یہ سب اضطرار سے نہیں کہ اختیار سلب ہو گیا ہو چنانچہ اگر اس کے بعد کوئی صاحب بات کریں اور وہ سلیقہ اور ڈھنگ سے ہو اس کا اثر اس پر نہ ہوگا اپنے اپنے موقع پر ہر بات ہوگی۔ سختی کی جگہ سختی نرمی کی جگہ نرمی ہر چیز میں بحمد اللہ فضل خداوندی سے اور اپنے بزرگوں کی برکت سے عدل اور اعتدال رہتا ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ آجکل کے میاں جی کہ ایک لڑکے کی کسی غلطی پر غصہ آیا اور فیض عام شروع ہو گیا۔ قمچی پکڑی اور ایک طرف سے سب کو جھاڑ دیا۔

۶۲۳ (ملفوظ) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ قصر کی اصل علت ہے مشقت مگر اس کی پہچان مشکل تھی اسلئے اس مشقت کے سبب یعنی سفر کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ اسی طرح میں نے ہدیہ میں عمل کیا ہے کہ اصل علت قبول کی خلوص ہے مگر خلوص اور عدم خلوص کی پہچان مشکل تھی اسلئے اس خلوص کی علامت یا سبب کو کہ خصوصیت کہ سہل پہچان ہے قائم مقام خلوص کے رکھا ہے یہ وجہ ہے کہ میرا معمول ہے کہ جس سے خصوصیت کی جان پہچان اور بے تکلفی نہ ہو اس سے ہدیہ نہیں لیتا اور یہ قاعدہ بہت سے تجربوں کے بعد میں نے مقرر کیا ہے اور میرے یہاں جسقدر قواعد ہیں سب تجربات کے بعد مقرر کئے گئے ہیں اگر ان کا سبب وردود بیان کر دوں تو ایک بہت بڑا ضخیم رسالہ تیار ہو جائے اور ان اصول اور قواعد سے حکومت مقصود نہیں بلکہ طرفین کی راحت رسانی مقصود ہے جس سے لوگ گھبراتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انکے مزاج میں تو انگریزوں کا سا انتظام ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یوں کہو کہ انگریزوں کے مزاج میں ہمارا جیسا انتظام ہے کیونکہ یہ چیز انگریزوں کے گھر کی نہیں ہمارے گھر کی ہے جو انہوں نے اختیار کر لی اور راحت حاصل کر رہے ہیں کیونکہ راحت کی چیز اختیار کرنے سے ضرور راحت پہونچے گی اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں جیسے کوئی سڑک اعظم ہے جس کے دونوں طرف برابر برابر درخت ہیں بیچ میں سڑک پختہ ہے جس پر درختوں کا سایہ ہے اس پر جو بھی چلے گا راحت اور آرام پائے گا اس میں کسی مسلم یا غیر مسلم، شیخ، سید، مغل، پٹھان، انگریز، ہندو، مجوسی یہودی، بھنگی، چمار کسی کی قید نہیں۔

۶۲۴ (ملفوظ) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بدون سہارے بیٹھے ہوئے سو جانے پر فتویٰ تو یہی ہے کہ وضو نہ جائے گا لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ پہلے لوگوں کے قویٰ مضبوط ہوتے تھے ان کا بدن کسا رہتا تھا اب قویٰ کمزور ہو گئے بدن ڈھیلا ہو جاتا ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ وضو کرے۔ فتویٰ تو نہیں مگر احتیاط کا درجہ ہے۔

(ملفوظ ۶۲۵) ایک صاحب نے حضرت والا سے خواب کی تعبیر معلوم کرنے کی درخواست کی اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ خواب میں کیا رکھا ہے بیداری کی کوئی بھی پوچھتا آجکل لوگ خوابوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کثرت سے خطوط میں خواب لکھے ہوئے آتے ہیں اکثر جواب میں یہ لکھدیتا ہوں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ۔۔۔ چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

بیداری کو چھوڑ کر خواب کے پیچھے پڑنا ایسا ہے جیسے کوئی اصل شکار کو چھوڑ کر اس کے سایہ کے پیچھے پڑ جاوے اور یہ سب آخرت سے غفلت اور حقیقت سے بیخبری کی باتیں ہیں ورنہ ان فضولیات میں کیا رکھا ہے کیوں بیکار وقت کھویا جائے۔ وقت کی قدر کرنا چاہئے اور ضروری کام میں لگنا چاہئے۔

(ملفوظ ۶۲۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کثرت مباحات میں بھی زیادہ انہماک کرنے سے قلب پر کدورت کا اثر ہوتا ہے مثلاً ہنسنا ہے اس کی کثرت قلب کو تیرہ مردہ بنا دیتی ہے جیسے ذکر اللہ سے قلب کو طمانینت اور نورانیت حاصل ہوتی ہے جس نے تھوڑا سا بھی خلوت کا ذائقہ چکھ لیا ہوگا وہ اسکو محسوس کرے گا اسکا اثر اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ ایک پہاڑ جیسی چیز قلب کے سامنے اڑی ہوئی ہے اور بدون استغفار یہ کیفیت نہ بدلے گی۔ مگر ان باتوں کے احساس کے لئے ضرورت ہے کہ کچھ خلوت میسر آ چکی ہو ذکر اللہ میں مشغول رہ چکا ہو بدون اس کے پتہ چلنا مشکل ہے۔ ایسی حالت سے بچنے کی خاص سعی اور کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ اس حالت افسردگی قبض کہتے ہیں اس میں بہت سے لوگوں نے خودکشی کرلی ہے اس راہ میں ہزاروں راہزن ہیں بڑی دشوار گذار گھاٹیاں ہیں جن میں ایک یہ شغل فضول بھی ہے۔ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ اسی افسردگی کی نسبت فرماتے ہیں ؎

بردل سالک ہزاراں غم بود ۔۔۔ چوں ز باغ دل خلالے کم بود

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

(ملفوظ ۶۲۷) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایصال ثواب کو کون منع کرتا ہے البتہ ایصال ثواب کا صحیح طریقہ بتلایا جاتا ہے جس پر غل مچایا جاتا ہے۔ اور علماء اہل حق کو بدنام کیا جاتا ہے کہ یہ ایصال ثواب منع کرتے ہیں۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوا اور پشت قبلہ کی طرف کرلی۔ کسی نے دیکھ کر کہا کہ میاں تمہاری نماز نہ ہوگی اس پر وہ غل مچائے کہ لوگو دیکھو یہ شخص مجھکو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے بتلائیے تم اسکا کیا فیصلہ کرو گے۔ یہی کہو گے کہ ارے بیوقوف نماز سے منع نہیں کر رہا بلکہ نماز

کے صحیح ہونیکا طریقہ تجھکو بتلا رہا ہے ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔

عرض کیا گیا اگر ایک سورت پڑھ کر کوئی شخص دس آدمیوں کو ثواب بخشے تو کیا وہ ہر مردہ کو پوری پوری سورت کا ثواب ملے گا۔ فرمایا کہ میری تحقیق یہی ہے کہ ہر مردہ کو پوری پوری سورت کا ثواب ملیگا۔ میں نے اس کے متعلق ایک مضمون لکھا ہے اس میں ایسی روایتیں جمع کر دی گئی ہیں۔

ملفوظ ایک صاحب نے ایک رسمی دکاندار درویش کا ذکر کیا کہ وہ جنگل میں رہتے ہیں اس پر فرمایا کہ جی ہاں یہ بھی آجکل درویشی کے لوازم سے ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل ایسے لوگ بلا کسی مصلحت دینی کے جنگل کی طرف بھاگتے ہیں معلوم نہیں اس میں کیا رکھا ہے کیا آبادی کوئی بھیڑیا یا شیر ہے کہ کھا جائے گی یہ سب نفس کے کید ہیں سمجھتے ہیں کہ امتیازی صورت اختیار کرنے سے شہرت ہوگی رجوعات ہوگی مگر ایسی صورت اختیار کرنے سے کوئی تارک الدنیا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس شخص نے حصول دنیا ہی کے لئے دنیا کو ترک کیا تو تارک الدنیا کہاں ہوا طالب دنیا ہی رہا۔ اسکا منشا محض حب جاہ ہے اور اس جاہ کے مرض میں لوگوں کو بکثرت ابتلا ہے اس کے دلدادہ ہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ بستی میں رہتے ہوئے امتیازی شان نہیں پیدا ہوتی کون پوچھتا ہے اسلئے جنگل کی طرف دوڑتے ہیں۔ اس کمبخت مرض جاہ کی بدولت بڑے بڑے گڑبڑ میں پڑ گئے ہیں اور یہاں مراد بڑوں سے دنیا کے بڑے ہیں۔ دیندار اور دین کے بڑے مراد نہیں انکو اس سے نقصان نہیں ہو سکتا وہ تو اپنے کو فنا کئے ہوتے ہیں اور اس طریق میں پہلا قدم یہی فنا ہے بعد میں اور کچھ ہے جس کو یہ چیز نصیب نہ ہوئی وہ محروم رہا۔ الحمد للہ یہ بات اپنے بزرگوں میں دیکھی کہ سب کچھ تھے اور کچھ نہ تھے۔ دیکھنے والا سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ صاحب کمال ہیں ظاہر میں کوئی امتیازی شان نہ رکھتے تھے نہ لباس میں نہ القاب میں ذرا آجکل کے القاب دیکھ لئے جائیں شیخ الحدیث، شیخ التفسیر امام الشریعت امام الھند۔ یہ سب یورپ کی تقلید سے ناشی ہیں اپنے بزرگوں میں بہت بڑا لقب اگر کسی کے لئے تھا تو مولانا ورنہ سب کو مولوی صاحب ہی کہتے تھے حالانکہ سب حضرات اعلیٰ درجہ کے جامع کمالات تھے۔ ہاں ایک لقب پرانا ہے اسکو سن کر وحشت نہیں ہوتی وہ شیخ الاسلام ہے باقی یہ سب نیچریوں گھڑت ہے اور یہ سب کمال ڈبونے کی دلیل ہے اس لئے کہ جو شخص کمالات سے مزین ہو اس کو ان ظاہری ٹیپ ٹاپ کی کون ضرورت ہے چنانچہ ہمارے بزرگ نہایت سادہ وضع میں رہتے تھے۔ نہ جوغہ نہ پٹکا نہ بڑے بڑے دانوں کی تسبیح نہ خمدار عصا۔ اور ان کو ضرورت ہی کیا تھی۔ اسی کو خوب کہا ہے ؎

نباشد اہل باطن در پئے آرائش ظاہر　　بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را

ان حضرات میں تو خداداد ایک چیز تھی جسکو دیکھ کر ہر شخص اس طرف جھکتا تھا اور وہ چیز ایسی تھی کہ ہر شخص ان حضرات کا چہرہ ہی دیکھ کر بزبان حال بے ساختہ یہ کہہ اٹھتا تھا ؎

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند　　دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد

اور انکی یہ حالت تھی ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی　　نیک بیں باشی اگر اہل دلی

اسی کا ترجمہ مولوی ابوالحسن صاحب نے گلزار ابراہیم میں کیا ہے اور خوب کیا ہے ؎

مرد حقانی کے پیشانی کا نور　　کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

(ملفوظ ۶۲۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں مدرسہ مقصود نہیں یہاں تو اصلاح مقصود ہے یہ درس و تدریس کا کام تو مدرسہ دیوبند اور مدرسہ سہارنپور میں خدا کے فضل سے بہت اچھا ہو رہا ہے۔ یہاں پر تو ایک محدود نصاب میں نے تجویز کر دیا ہے وہ پڑھا کر اجازت دیدی جاتی ہے چاہے مدرسہ دیوبند میں جائے یا مدرسہ سہارنپور میں یا اور کہیں سو اس حالت میں یہاں پر اگر فقہ کے مسائل کی تحقیقات کرنا اور اصلاح کی طرف توجہ نہ کرنا کہاں تک مناسب ہے۔ ان کاموں کے لئے تو مدرسہ دیوبند اور مدرسہ سہارنپور ماشاءاللہ کافی ہیں وہاں پر مسائل فقہ کی اچھی طرح پر تحقیق ہو سکتی ہے جہاں جو کام ہو رہا ہے ہم لوگوں سے وہی کام لینا مناسب ہے۔

(ملفوظ ۶۳۰) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں فقہ نہایت مشکل چیز ہے۔ اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور لوگ زیادہ تر اسی میں بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں خصوص بعضے غیر مقلدین اس باب میں بڑے دلیر ہیں۔ ہمارا مذہب تو بحمداللہ مدون ہے مگر ان مدعی غیر مقلدوں کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر جو جی میں آیا فتوی دیدیا۔ ایک مرتبہ ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے یہ چھاپ دیا کہ دادا کی بیوی سے نکاح جائز ہے مراد یہاں دادا کی بیوی سے دادی مراد نہیں بلکہ دادا نے کسی عورت سے دوسرا نکاح کر لیا ہو وہ مراد ہے اس پر شور ہوا اور بڑی غنیمت ہے دوسرے رسالہ میں رجوع کر لیا مگر ان بزرگ کو پہلے ہی کیسے جرأت ہوئی۔ بس یہ حالت ہے ان لوگوں کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ شرارت سے ایسا کرتے ہیں مگر جب اتنا ذہن اور فہم نہیں جتنا ان حضرات میں تھا پھر خواہ مخواہ اجتہاد کی ہوس کیوں کرتے ہیں خود کچھ آتا نہیں اور دوسروں کے اجتہاد پر اعتراض ہے دوسروں کی تقلید سے عار ہے اور خود مجتہد بنتے اور تمام دنیا سے اپنی تقلید کے امیدوار ہیں یہ خود بدفہمی اور بدعقلی کی بات ہے تمام دنیا کے عقلا بلکہ بھی فقہا کی جوتیوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ موٹر میں تیل تو ہے سو میل کے چلنے کا مگر ارادہ کر دیا دو سو میل کا ایسی ہی مثال ہے ان لوگوں کی پھر اپنے پر دوسروں کو قیاس کرنا کہ وہ بھی ایسے ہی بے دلیل کہہ دیا کرتے ہوں گے سخت نادانی ہے ان حضرات پر اعتراض کرنے کا کیا کسی کا منہ ہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(ملفوظ ۶۳۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بدوں اصلاح کے خواہ دوسرے محاسن و فضائل پیدا ہو جاویں مگر آدمیت پیدا ہونا مشکل ہے دیکھئے گھوڑا اسپ میں شریف جانور ہے لیکن اسکو اگر سدھایا نہ جاوے ہرگز کام نہیں دے سکتا خطرہ رہتا ہے مگر باوجود اسکے اصلاح کی طرف لوگوں کو بالکل توجہ نہیں ہاں ولایت، قطبیت، غوثیت، بزرگی

اس کی تلاش ہے۔ ایک مولوی صاحب گنگوہ سے یہاں آگئے تھے نیک آدمی ہیں بزرگوں کی حکایات خوب بیان کرتے ہیں مگر اپنے متعلق ان کے یہاں کچھ نہیں اپنے سے بالکل بے فکر حالانکہ انسان کو پہلے اپنی فکر ہونا ضروری ہے لوگوں سے میری یہی لڑائی ہے کہ میں کہتا ہوں کہ دوسروں کی فکر میں ہر وقت پڑے رہتے ہو اپنی فکر کیوں نہیں کرتے اپنے کو تو کامل مکمل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ وہ راہ ہے کہ ساری عمر بھی اگر اس میں کھپا دے تب بھی تھوڑا ہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش　　　تا دم آخر دمے فارغ مباش

(ملفوظ ۶۲۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل بزرگی اور درویشی چند ممتاز باتوں کا نام رکھ لیا ہے حالانکہ درویشی کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہوتی کامل وہی ہے جسکی ظاہری حالت عوام کے مشابہ ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اکثر عوام اس وجہ سے درویش نہیں سمجھتے کہ انکی حالت بالکل مشابہ عوام کے تھی کامل کبھی کسی امتیاز کا اہتمام نہیں کرتا اور غیر کامل غیر عارف چونکہ کمال سے کورا ہوتا ہے اسلئے امتیازی شان آن بان کا اہتمام کرتا ہے کامل میں تصنع اور بناوٹ کا کیا کام اس کی تو یہ حالت ہوتی ہے جسکو فرماتے ہیں ؎

دلفریباں نباتی ہمہ زیور بستند　　　دلبر ماست کہ باحسن خدا داد آمد

(ملفوظ ۶۲۳) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دوسروں کی فکر میں پڑنا میں یہ نہیں کہتا کہ بُرا ہے بلکہ عبادت ہے کہ کسی کو نفع پہونچے مگر اس زمانہ میں اکثر دوسروں کو نفع کم پہنچتا ہے اور اپنا اچھا خاصا نقصان ہو جاتا ہے۔ جو سبب خسران کا ہے اسلئے پہلے آدمی کو اپنی فکر کرنا چاہئے پھر دوسروں کی خدمت بھی ایک حد تک سہی اور یہ اپنی فکر ایسی چیز ہے کہ مرتے وقت تک بھی اس سے نجات مشکل ہے۔ باقی امر بالمعروف بھی اچھی چیز ہے مگر اسکے لئے بھی حدود ہیں کیا ہمارے بزرگ امر بالمعروف نہیں کرتے تھے مگر چپٹتے بھی نہیں پھرتے تھے ان کے امر بالمعروف کا نہایت محبوبانہ طرز تھا ہمکو بھی وہی طرز پسند ہے اور اب تو اس کی بھی نہایت مکروہ صورت اختیار کرتے ہیں وہ حضرات امر بالمعروف کا وہ طریق اختیار کرتے تھے کہ وہ نافع ہوتا تھا اور آجکل اسکی قطعاً رعایت نہیں کی جاتی یا تو اس طرح پر امر بالمعروف کیا جاتا ہے کہ جس سے مخاطب کو وحشت ہو اور یا اس طرح خلق کے لہجہ میں کرتے ہیں کہ جس سے دین طالب اور وہ مطلوب سمجھا جائے اور دین کی بیوقعتی ہو۔ مجھکو ایسی باتوں سے غیرت آتی ہے جن سے دین اور اہل دین کی اہانت ہوتی ہو۔ فلاں ڈپٹی صاحب اوپر سے آرہے تھے اور میں کالپی اسٹیشن سے سوار ہوا۔ ڈپٹی صاحب سے باتیں ہوتی رہیں اس میں مغرب کا وقت آگیا۔ میں نماز کے لئے اٹھا اس وقت میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ ڈپٹی صاحب نماز نہیں پڑھتے انکو کہنا چاہئے۔ میں نے کہا میں نہ کہوں گا جنت میں جاویں ڈپٹی صاحب اور احسان ہو اشرف علی پر۔ دین کسی کا طالب نہیں خود مطلوب ہے۔ میں کیوں کہوں کیا ان سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اٹھکر وضو کر کے نماز پڑھ لیں کیا نماز کی فرضیت انکو معلوم نہیں کیا نماز نہ پڑھنے کی وعیدوں سے یہ انجان ہیں غرض ہم نے مغرب کی نماز پڑھی۔ ڈپٹی صاحب کا خیال یہ تھا کہ میں نے چونکہ

نماز نہیں پڑھی یہ مجھسے اب نہ ملیگا مگر میں نماز پڑھکر اسی بشاشت سے انکے پاس جا بیٹھا اور باتیں کرنے لگا۔ مجھسے تو نہیں اور ساتھیوں سے کہا کہ میں تو ذبح ہو گیا اگر نماز کو کہا جاتا تو مغرب کی نماز تو ضرور پڑھ لیتا مگر پھر کبھی نہ پڑھتا اور اب مغرب کی نماز تو قضا ہوئی مگر پھر اور کبھی کوئی نماز قضا نہ ہوئی پکے نمازی ہو گئے سو کہیں تو کہنے سے نفع ہوتا ہے کہیں نہ کہنے سے نفع ہوتا ہے مختلف مواقع ہیں۔ فقہ کا ایک قاعدہ ہے جو فعل مباح یا مندوب ہو اور ہو موجب ضرر، اسکو ترک کر دیں گے ہاں جو واجب ہو اس میں اگر ضرر ہو تو اس کو ترک نہ کریں گے بلکہ اس کی اصلاح اور اس کے ضرر کا انسداد کر دیں گے۔ سو امر بالمعروف جہاں تبلیغ ہوئی ہو وہاں تو مستحب ہے اگر اسکا نتیجہ خراب بھی ہو تو حتی الامکان اسکا انسداد کریں گے لیکن امر بالمعروف کو ترک نہ کریں گے اور جہاں تبلیغ ہو چکی ہو وہاں مباح یا مندوب ہے وہاں اگر نفع سے زیادہ ضرر محتمل ہو تو اسکو ترک کر دیں گے غرض تبلیغ کی جگہ محدود ہیں مگر اسکی کوئی رعایت نہیں کرتا اس باب میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے [illegible]

(ملفوظ ۸۴) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ سب لغو عذر ات ہیں کہ باوا دادا سے ایسا ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اگر باوا اندھا ہوا اور تمکو خدا نے آنکھیں دیدی ہوں تو کیا اس خیال سے کہ باوا دادا اندھے تھے اپنی آنکھیں پھوڑ دو گے۔ اس وقت گو بعضی رسمیں کم ہو گئی ہیں مگر بعض اور بڑھ گئی ہیں اس طرح سے کہ پہلے شرک و بدعت کی رسمیں زیادہ تھیں مگر تفاخر کی رسمیں نہ تھیں۔ فضول خرچی نہ تھی سیدھا سادہ کھانا کھلا دیتے تھے۔ ضروری چیزوں کا سامان ایک جگہ ہوتا تھا وہاں ہی سے سب مانگ کر کام چلا لیتے تھے۔ اب ہر شخص کے گھر میں ایسا سامان موجود ہے۔ تفاخر ہر طبقہ میں ہو گیا ہے اس سے الا ماشاء اللہ کوئی شخص اس زمانہ میں بچا ہوگا ورنہ قریب قریب سب کو اس بلا میں ابتلا ہے۔ اب تو تفاخر کی یہ حالت ہے کہ صرف دنیا ہی کے کاموں میں تفاخر نہیں بلکہ دین کے کاموں میں بھی تفاخر کی نیت پیدا ہو گئی اس ہی لئے ضرورت ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہے بدوں شیخ کامل کی صحبت کے اور اس کی جو تیاں سیدھی کئے ہوئے اصلاح مشکل ہے اور نری صحبت سے بھی کچھ نہ ہوگا جب تک کہ اس کی تعلیم پر عمل نہ ہوگا اور اپنا کچا چٹھا اس کے سامنے کھول کر نہ رکھدو گے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

اور بڑوں میں تو تفاخر ہے ہی بچوں تک میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ ایک عورت ایک گاؤں کی ہمارے یہاں آیا کرتی تھی اس نے اپنی ایک چھوٹی لڑکی کو جہالوری سلوکی لیکر دیدی وہ پہنکر ہمارے گھر آئی اور چلتے وقت پیروں کو دیکھتی تھی اور یہ بھی دیکھتی تھی کہ مجھکو چلتے وقت کوئی دوسرا بھی دیکھتا ہے یا نہیں۔ یہ تفاخر ہی تو تھا خدا تعالیٰ نے متواضعین کی خود وضع میں بھی تواضع کا اثر رکھا ہے اور متکبرین کی وضع میں تکبر تفاخر کا اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اس کا احساس دیدے اور وہ ایسی وضع رکھے تو اس پر تشدد کا اعتراض کرتے ہیں ان معترضوں کی عجیب حالت ہے۔ بدوں تجربہ کے جو جی چاہتا ہے کہدیتے ہیں مگر جن پر یہ واقعات اور حالات گذرتے ہیں ان سے پوچھو کہ ان کے کیا خواص ہیں اور کیا آثار ہیں۔ نری باتیں بنانے سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ متکبرین کی وضع کے اثر

یاد آیا کہ مظفر نگر میں ایک ڈاکٹر صاحب حج سے آئے تھے اور ایک کیفیت لائے تھے کسی رئیس نے کسی مریض کے دکھلانے کو انکو بلایا اور سواری کیلئے فٹن بھیجی مجھ سے خود کہتے تھے کہ میں جس وقت فٹن میں سوار ہوا ہوں سوار ہوتے ہی جو کیفیت قلب میں لیکر حج سے آئے تھے وہ کیفیت فوراً سلب ہو گئی۔ دیکھ لیجئے ان چیزوں کے آثار۔ کہتے ہیں کہ تشبہ میں کیا رکھا ہے اگر کچھ نہیں رکھا تو آج سے زنانہ لباس پہنکر کرسیوں پر بیٹھنے لگو معلوم ہو جاوے گا کہ تشبہ میں کیا رکھا ہے خلاصہ یہ ہے کہ جسکا کچھ نقصان ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے اور وہ بھی اسی وقت سمجھے جبکہ انکا نقصان ہوا ہو خصوص باطن کا نقصان کہ اس پر تو ہزاروں غم کے پہاڑ آکر گرتے ہیں اور یہ کیفیت ہوتی ہے ؎

بردل سالک ہزاراں غم بود　　گر زباغ دل خلالے کم بود

حضرت ان میں خاصیت ہے محض زبانی رد کرنے سے وہ خاصیت زائل نہیں ہوتی۔ یہ تجربہ کی چیزیں ہیں۔ بریلی میں ہمارے بھائی کے گھر ایک بچہ اپنی ماں کے ساتھ آیا۔ کرسی پر بٹھلایا گیا۔ بیٹھتے ہی یہ حالت ہوئی کہ گھر والوں نے دیکھا کہ نہایت اینٹھ مروڑ سے بیٹھا ہے نہ بول نہ چال جب بچپن میں یہ حال ہے بڑے ہو کر کیا ہوگا لوگوں کو خبر نہیں ہے ان چیزوں کی خاصیت کی ان سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے مگر لوگ اس متکبرانہ وضع کے ایسے دلدادہ ہو گئے کہ تحریک خلافت میں لوگوں نے گاڑھا پہنا مگر تراش اور وضع کپڑے کی وہی رہی جو دشمن کی ہے کیا ٹھکانا ہے۔ اس وضع کے محبوب ہو جانے کا۔ کچھ قلوب پر یورپ کی تقلید کا اثر ہی بہت گہرا ہو رہا ہے کہ تمام وضع قطع سب وہی پسند ہے اپنے ملک اور اپنے اسلاف کے طرز معاشرت کو قطعاً ہی چھوڑ بیٹھے حتٰی کہ انگریزوں کے خلاف جو جلسے کئے۔ ہڑتالیں کیں۔ جلوس نکالے یہ سب بھی یورپ ہی کی تقلید سے کیا۔ صاحبو۔ اپنے بزرگوں کی سی وضع قطع اختیار کرو۔ خدا کو راضی کرو۔ اعمال صالحہ اختیار کرو دوست دشمن کو پہچانو۔ اسلام اور احکام اسلام کی پابندی اور انکی وقعت اور احترام کرو اور خصوصیت سے اس حکم اسلامی کا خاص اہتمام کرو کہ ایک کو اپنا بڑا بنالو اسکے مطیع اور منقاد ہو کر رہو اور یہ کافی نہیں کہ اسکو کاغذی بڑا بنالیا اور لمبے چوڑے القاب اور خطابات سے اسکو مزین کرا دیا۔ اصل چیز اسکی اطاعت اور اس کی تعلیم پر عمل کرنا ہے اسکو عملی جامہ پہناؤ اس صورت میں نہ جلسوں کی ضرورت ہوگی نہ جلوس کی اور نہ ضرورت ہوگی خلوص کی ہاں خلوص کی ضرورت ہوگی۔ محض زبانی علدرآمد سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اب تک جو کچھ کیا اسکا ثمرہ دیکھ لیا۔ تجربہ کر چکے مشاہدہ ہو چکا اب تو ہوش سے کام لو یہ بھی معلوم کر لیا کہ نرے جوش سے کام نہیں چل سکتا کام کی باتیں کرو بیکار باتوں میں کیا رکھا ہے۔ پھر دیکھو کہ چند ہی روز میں کایا پلٹ ہو جائیگی۔

ملفوظ ۸۲۳ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بہت سے نیک کاموں سے آدمی ننگ وناموس کی وجہ سے باز رہتا ہے خصوص بڑے لوگ اس میں زیادہ مبتلا ہیں اکثر چھوٹے لوگ اسکی پرواہ بھی نہیں کرتے اس ننگ وناموس کا اگر کوئی علاج ہے تو صرف خداوند جل جلالہ سے عشق اور محبت ہے اسلئے کہ عاشق ہی کی یہ شان ہوتی ہے

کہ وہ ننگ وناموس کی ذرہ برابر پروا نہیں کرتا۔ عاشق کبھی بدنامی سے نہ ڈریگا اور بزبان حال یہ کہے گا ؎

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں　　مانمی خواہیم ننگ ونام را

اور اس ننگ وناموس کے پیچھے بہت سوں کا بیڑا ہی غرق ہوگیا دین اور ایمان تک سے محرومی ہوگئی یہ کمبخت ایسے ہی خسران اور ٹوٹے کی چیز ہے اسکی بدولت دین اور دنیا دونوں خراب اور برباد ہو جاتے ہیں ہاں عشق اور محبت بیشک ایسی چیز ہے کہ ننگ وناموس کو فنا کر دیتی ہے۔ اگر حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جاوے تو یہ سب بالائے طاق رکھا رہتا ہے اور اس محبت کے پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرے انکی تعلیم پر عمل کرے پھر اس میں انقیاد اور اعتقاد کی ضرورت ہوگی۔

۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

(ملفوظ ۶۲۵) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میرا ایک ہندو دوست ہے وہ قرضدار بہت ہے آپ ایسی تدبیر بتلائیں جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے اس پر فرمایا کہ اگر میرے پاس ایسی کوئی چیز ہوتی تو میں ایک مسلمان کو بھی قرضدار نہ رہنے دیتا۔ ایک یہ لکھا ہے کہ آپ اس کا فوراً جواب دیں کہیں اس کو یہ شبہ نہ ہو جائے کہ مسلمانوں کے مولانا بھی جواب نہیں دیتے۔ میں نے لکھدیا ہے کہ جب کوئی ایسا کہے تو تم یہ کہنا کہ وہ مولانا ہی نہیں ویسے ہی مشہور کر دیا ہے۔ پھر فرمایا ان بزرگ نے ان کاموں کے لئے مولانا کو انتخاب کیا۔ نہ کوئی مسئلہ ہے نہ کوئی اصلاح اعمال کی تدبیر۔ لوگوں کا عجیب مذاق ہے دین کی تو مطلق فکر ہی نہیں علماء سے اس قسم کی خدمت لینا ایسا ہے جیسے حکیم عبدالمجید صاحب سے جوتہ گانٹھنے کی تدبیر پوچھنا جو نہایت ہی بدتمیزی اور بدفہمی کی بات ہے جو جس کام کا ہے اس سے وہی کام لینا چاہئے۔ اس پر نکیر نہیں کہ دعا کی درخواست کی جائے۔ باقی ان کاموں کی تدابیر سو بیچارے علماء کو کیا معلوم علماء کا کام ہے تدریس وتدریس وعظ ونصیحت اس سے آگے ان سے امید کرنا محض حماقت پر مبنی ہے۔ ان تحریکات میں بھی لوگوں نے یہی چاہا تھا کہ علماء پیش پیش ہوں جو نہایت ہی بے اصولی بات تھی۔ علماء سے تو جواز عدم جواز ہی معلوم کرنا چاہیئے تھا اس سے آگے حدود سے تجاوز تھا اور جن علماء نے عوام کے خیال سے کہ کہیں بداعتقاد نہ ہو جائیں غیر معتقد نہ ہو جائیں تحریکات میں شرکت کی ان کی بدولت جسقدر مسلمانوں کا نقصان ہوا وہ اظہر من الشمس ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے مرکز سے آگے بڑھے گی اسکا یہی حشر ہوگا جسکا مشاہدہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے کر لیا کہ کسقدر گڑبڑ مچی اور کسقدر احکام شرعیہ میں تحریف کی گئی۔ پھر ایسا کرنے کی نحوست بھی دیکھ لی

ان لوگوں کو واقعات کے مشاہدہ کے بعد اس کی مضرت معلوم ہوئی اور ہم غریبوں کو بحمد اللہ تعالیٰ پہلے ہی اس کی حقیقت معلوم ہو چکی تھی گو لوگوں نے سب وشتم کیا برا بھلا کہا قسم قسم کے بہتان اور الزامات لگائے مگر حقیقت پر پردہ ڈالنے سے کہیں پڑا کرتا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بہت جلد حقیقت کا انکشاف ہو گیا اور وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا کا ظہور ہو گیا جسکا خود اکثر معترضین نے اقرار کر لیا۔

۶۲۶ (ملفوظ) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ تقویٰ اور طہارت بڑی چیز ہے مگر آجکل قریب قریب ہر طبقے میں اسکی کمی ہے خصوص علماء اور مشائخ میں اس کی کمی ہونا نہایت ہی مذموم ہے اس لئے کہ یہ پیشوا اور مقتدا کہلائے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو غیر علماء کو یہ دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ مدرسہ دیوبند میں خواجہ صاحب کا قیام ہوا۔ شب کا وقت ہوا مہتمم صاحب نے مہمان خانہ میں خادم مدرسہ کو روشنی کرنے کیلئے حکم فرمایا۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ اگر یہ لالٹین اور تیل آپ کا نجی ہے تب تو کوئی حرج نہیں اور اگر مدرسہ کا ہے تو میں خود انتظام کر لونگا۔ امیر شاہ خاں صاحب بھی اس وقت مدرسہ میں ٹھہرے ہوئے تھے سنکر میرا نام لیکر کہا کہ یہ تو اس کے ملنے والوں میں ہے۔ ایک مرتبہ مولانا اصغر حسین صاحب جونپور میں بحیثیت مدرسی مقیم تھے ایک نووارد طالب علم مسجد کے چراغ میں مطالعہ کرنے بیٹھے اور جس وقت چراغ گل ہونے کا معمول تھا اس وقت خود چراغ گل کر دیا اور اس کی روشنی میں پھر کتاب کا مطالعہ نہیں بلکہ اپنا چراغ روشن کر لیا۔ مولانا اصغر حسین صاحب نے کہا کہ یہ شخص (میرا نام لیکر کہا کہ) فلاں شخص کا دیکھنے والا معلوم ہوتا ہے چنانچہ یہی واقعہ ثابت ہوا اصل وجہ یہ ہے کہ اور جگہوں میں ایسی باتوں کی روک ٹوک نہیں آنیوالوں کی خاطر مدارات سب کچھ ہے۔ باقی اصلاح اور تربیت کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ صرف نوافل اور تہجد پڑھ لینا۔ گردن جھکا کر بیٹھ جانا بڑے بڑے دانوں کی تسبیح ہاتھ میں لے لینا ٹخنوں سے اونچا پاجامہ گھٹنوں سے نیچا کرتہ پہن لینا اور سینے تک داڑھی کا بڑھا لینا بس یہ علامات رہ گئیں ولایت اور بزرگی کی۔ باطن کی کچھ خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے اسی کو مولانا رومی یا اور کوئی حکیم فرماتے ہیں ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل — واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید — وز درونت ننگ می دارد یزید

۶۲۷ (ملفوظ) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ داڑھی سے چہرہ پر نور معلوم ہوتا ہے۔ داڑھی بڑے احترام کی چیز ہے۔ خواجہ صاحب کا یہ قول مجھکو بہت ہی پسند آیا کہ داڑھی چہرہ پر دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بادشاہ ہے۔ فرمایا کہ داڑھی کے متعلق یورپ میں بھی قانون ہے کہ بادشاہ داڑھی رکھے چنانچہ جارج پنجم کے داڑھی ہے اگر داڑھی رکھنا عزت کی بات نہ تھی تو بادشاہ کیلئے قانون کیوں ہے۔ پادری مذہبی لوگ ہیں سب داڑھی رکھتے ہیں ایسی کہ بعض کی ناف تک ہوتی ہے خدا معلوم یہ منڈانے کی واہیات رسم کہاں سے نکلی ہے۔

۶۲۸ (ملفوظ) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرے اصول اور قواعد کا حاصل طرفین کی راحت ہے چنانچہ میرا ایک

معمول یہ ہے کہ ہر شخص سے خود معاملہ کرتا ہوں کسی کو واسطہ نہیں بناتا یہ اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ واسطہ کے متعلق لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ اس کو بھی کوئی دخل ہے اگر لوگوں کو کسی کا دخل معلوم ہو جائے تو پھر رشوتیں چلنے لگیں میں نے بزرگوں کے یہاں خادموں کو لوگوں سے فرمائش کرتے ہوئے خود دیکھا ہے اور تو کیا اپنے ہی بزرگوں کے بعض خادموں کو دیکھا ہے۔ میں ایسی باتوں پر مواخذہ کرتا ہوں۔ میں اس قسم کے معاملات میں کیسی تعلق پسند نہیں کرتا اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی عہدہ کسی کا ممتاز ہو بلکہ یہاں پر مستقل رہنے والوں میں بھی ہر شخص اپنے کو یہی سمجھے کہ جیسے اور ہیں ایسا ہی میں ہوں۔ کسی کو کوئی خصوصیت نہیں اگر ایسا نہ ہو تو اب تو چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں پھر آگے گڑ بڑ شروع ہو جائے۔ شیخ کے ساتھ ساتھ انکی بھی دکان چلنے لگے اور نذرانہ اور چڑھاوے چڑھنے لگیں۔ میں نے بعض جگہ یہ بھی دیکھا ہے کہ لوگ مشائخ کے یہاں خصوصیت حاصل کر لیتے ہیں پھر جس سے چاہیے شیخ صاحب کو ناراض کر دیں اور جس سے چاہے راضی کر دیں بڑے ظلم کی بات ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ مقربین کمربین بنجاتے ہیں ہمیشہ دوسروں کو تکلیف میں رکھتے ہیں۔ میرے یہاں بحمد اللہ یہ باتیں نہیں خدا کا شکر ہے۔

(ملفوظ ۴۶۹) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل بدفہمی کا بازار گرم ہے ہر چیز کی حقیقت سے دور پڑے ہوئے ہیں اگر حقیقت سے باخبر ہو جائیں تو تمام گڑ بڑ ختم ہو جائے اور اگر ختم کبھی نہو لیکن کم تو ضرور ہو جائے اب یہی دیکھ لیجئے کہ لوگوں میں تعظیم تو ہے وہ یہ کہ پچھلے پاؤں ہٹیں گے دست بوسی کریں گے مگر تہذیب بالکل نہیں۔ اور تعظیم سے راحت تھوڑا ہی پہونچتی ہے بلکہ فرعونیت بڑھتی ہے کہ عام کی تعظیم کو دیکھ کر اپنے کو بڑا سمجھنے لگے۔ راحت صرف تہذیب سے پہنچتی ہے۔ ادب تعظیم کا نام نہیں ادب کی حقیقت کا حاصل ہے راحت رسانی۔ مگر اس وقت راحت بیچاری کا تو کہیں نام نہیں۔ محض رسمی ادب تجویز کر لیا ہے جس سے متکبرین کے یہاں کا رنگ مشائخ کے یہاں نظر آنے لگا ہے کوئی دست بستہ کھڑا ہے کوئی سر نگوں بیٹھا ہے یہ مجلس کا رنگ ہوتا ہے مجھکو بحمد اللہ ان چیزوں سے طبعی نفرت ہے نہ میں نے اپنے بزرگوں کے یہاں یہ باتیں اور رنگ دیکھا نہ مجھکو پسند ایک سادہ زندگی اور یہ سادہ طرز دیکھا اور وہی پسند ہے۔

(ملفوظ ۴۷۰) ایک صاحب سے بسلسلۂ گفتگو فرمایا کہ تم اول پہلی بات کو ختم کر دو دوسری کو اس میں ملاؤ اور اگر اس بات کے متعلق میرے سوال کا آپ کے پاس جواب نہیں تو یہ ہی کہدو کہ میں پہلی بات کو ختم کر چکا اس کے متعلق میرے ذہن میں اور کچھ نہیں تب دوسری بات کہنے کی اجازت دیدوں گا۔ یہ نہایت بد تہذیبی کی بات ہے کہ ایک بات میں دوسری بات کو گڈ مڈ کرنا چاہتے ہو۔ طریقہ سے گفتگو ہوا کرتی ہے بدون طریقے کبھی کسی بات کا نتیجہ نہیں نکلتا سوائے وقت کے خراب اور برباد کرنے کے۔ میں چاہتا ہوں کہ بات صاف ہو۔ تم الجھی ہوئی اور پیچ دار بات کر کے دونوں باتوں کو گڑ بڑ کرنا چاہتے ہو اور وجہ اس کی صرف یہی ہے کہ کوئی شخص تمیز نہیں سکھلاتا اور میں سکھلاتا ہوں اور یہی میری اور لوگوں کی لڑائی ہے۔ میں سب کا تختہ مشق بنا

ہوا ہوں ۔ افسوس ہے لوگ موٹی موٹی باتیں بھی نہیں سمجھتے مقصود سے بہت ہی بعد ہوگیا ہے ایسی موٹی موٹی باتیں بھی ذہن میں نہیں آتیں ۔ یہ لوگ تو میرے متعلق کہتے ہونگے کہ ہم پر یہ کیا بلا مسلط ہوئی ۔ اور یہی میں بھی ان لوگوں کے متعلق کہتا ہوں کہ مجھ پر یہ کیا بلا مسلط ہوئی ۔ کو دلوں سے پالا پڑتا ہے ۔ میں تو بزرگ نہیں جنکے یہاں انتظام جرم ہے ۔ میں تو ایک طالب علم آدمی ہوں ۔ ہر کام انتظام سے کروں گا اگر یہ پسند نہیں اور کہیں چلے جاؤ جہاں بزرگ ہوں میں کیا کسی کو روکتا ہوں یا اپنے پاس بلاتا ہوں ۔

۴ جمادی الاولی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

(ملفوظ ۶۱۱) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ دوسرے کو کوئی کام سپرد کر کے مجھکو اطمینان نہیں ہوتا اس لئے کہ قریب قریب ہر شخص میں الا ماشاء اللہ بیفکری کا عام مرض ہے اسلئے اکثر سب کام خود ہی اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں اس بے اطمینانی سے یہ آسان ہے کہ خود کام کر لے ۔ میں نے ایک رسالہ حیلۂ ناجزہ عورتوں کے ارتداد کی خبریں سنکر لکھنا چاہا مگر چونکہ اس میں علماء مالکیہ کی تصدیق کی ضرورت تھی اور وہ ہیں عرب میں اسلئے اس رسالہ کو تقریباً ڈیڑھ سال کے ہوگیا اس وقت تک تکمیل کو نہیں پہونچ سکا اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ دوسروں سے اس کا تعلق ہے ۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ہندوستان میں علماء مالکیہ نہیں ہیں اس وجہ سے یہ دشواری پیش آئی فرمایا کہ ان علماء نے چھ ماہ میں ایک دفعہ تو جواب دیدیا اگر بجائے انکے ہندوستانی ہوتے تو چھ برس میں بھی جواب آنا مشکل تھا اور یہ سب بیفکری کے کرشمے ہیں ۔

(ملفوظ ۶۱۲) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر ایک رسالہ ایسا اور لکھا جاتا کہ جس میں ہر پیشہ ور کے معاملات کے احکام کو اس میں شرعی حیثیت بصورت مسائل بیان کر دیا جاتا تو بڑی سہولت ہو جاتی ۔ اسلئے کہ لین دین وغیرہ میں آجکل نئی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اکثر احکام شرعیہ کے خلاف عملدرآمد ہو رہا ہے اور ان سے اجتناب کرنے کو لوگ دشوار سمجھتے ہیں ۔ یہ سب مشکلیں حل ہو جاتیں ۔ فرمایا کہ آپ آج کہہ رہے ہیں میں نے ایک عرصہ ہوا اس وقت چاہا تھا کہ سب اہل معاملہ اپنے اپنے معاملات کو سوال کی صورت میں جمع کر کے مجھکو دیدیں چاہے وہ تجارت پیشہ ہوں یا زراعت پیشہ یا ملازمت پیشہ وغیرہ وغیرہ میں کوشش کر کے ان کے متعلق روایتیں جمع کر دوں گا اور احکام بتلادوں گا مگر کسی نے میری مدد نہ کی بڑے کام کی کتاب ہوتی ۔ اسی کے متعلق میں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا تھا کہ اگر کثیرۃ الوقوع معاملات پر دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتوی دیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ کوئی حرج

نہیں اس سے بہت ہی قوت ہو گئی تھی کہ اب تو کوئی مانع ہی نہیں رہا اور میں خود اس لئے نہیں لکھ سکا کہ مجھکو معاملات یا واقعات ہی کی خبر نہیں اس لئے اگر تجارت پیشہ و زراعت پیشہ ملازمت پیشہ اہل صنعت و حرفت یہ سب ان چیزوں کے متعلق واقعات بصورت استفتاء جمع کر کے دیدیتے تو میں سوال و جواب کی صورت میں ان کے احکام جمع کر دیتا اگر کسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے مذہب پر جواز نہ نکلتا تو میں نے یہ طے کیا تھا کہ امام شافعیؒ کے مذہب پر فتویٰ دیدوں گا امام مالک کے مذہب پر فتویٰ دیدوں گا امام احمد بن حنبل کے مذہب پر فتویٰ دیدوں گا اور ان سے بھی کوئی صورت نہ نکلے گی تو انکی سہل تدابیر بتلاؤں گا کہ یوں کر لیا کرو جس صورت سے جواز نکل آتا اور اگر کوئی بات سمجھ ہی سے باہر ہوتی تو اس کا علاج نہیں معذوری ہے۔ اور اب اتنے بڑے کام کی ہمت نہیں رہی۔ ضعف کے سبب تحمل نہیں تکلیف ہوتی ہے اب ایسا کام نہیں ہوتا۔ یوں متفرق کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ان میں بعض کام تو ایسے درپیش آجاتے ہیں کہ ان میں محض نقل کی ضرورت ہوتی ہے وہ تو ہو جاتے ہیں باقی جنمیں فکر و غور کی ضرورت ہوتی ہے ان سے ہمت کو قاصر پاتا ہوں۔ آجکل جو میں نے رسالہ لکھا ہے اس کے ختم پر یہی لکھدیا ہے۔

(ملفوظ ۴۲۳) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بڑے بڑے کام اور بڑی جگہوں میں ہو رہے ہیں میں نے تو چھوٹے چھوٹے کام لیلئے ہیں یہی ہو جایا کریں غنیمت ہے اور یہ وہ کام ہیں جنکو کوئی اور نہیں کر رہا۔ میں نے یہاں درس و تدریس کو بڑھایا نہیں اس لئے کہ مدرسہ دیوبند مدرسہ سہارنپور موجود ہے اور وہاں یہ کام بہت بڑے پیمانہ پر ہو رہا ہے۔ اسی لئے میں نے یہاں کا نصاب محدود کر دیا ہے وہ چھاپ بھی دیا گیا ہے۔ مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ باوجود بے سر و سامانی کے بعض کام یہاں اس درجہ کا ہو رہا ہے کہ باساماں لوگوں کے یہاں نہیں ہو رہا ہے۔ یہاں پر نہ چندہ ہے نہ طلب ہے اور پھر حق تعالیٰ اپنے فضل سے کام چلا رہے ہیں یہ سب اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت ہے اور یہ بھی دعا ایک چیز ہے جو میرے پاس ہے ورنہ جو میری حالت ہے اور جیسے میرے اعمال ہیں انکو میں ہی خوب جانتا ہوں۔

(ملفوظ ۴۲۴) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل حب دنیا اکثر مشائخ اور علماء تک میں پائی جاتی ہے اور یہ چیز بحمد اللہ اپنے بزرگوں میں نہ تھی۔ مکہ معظمہ میں ایک ترکی شیخ تھے خلیل پاشاہ انہوں نے مجھسے کہا کہ میں نے سب جگہ کے علماء کو دیکھا مگر جیسے ہندوستان کے علماء ہیں ایسے اور کہیں کے علماء نہیں میں نے پوچھا کہ آپ نے ان میں کیا بات دیکھی انہوں نے ایک عجیب بات کہی کہ ہندوستان کے علماء میں حب دنیا نہیں دیکھی اور یہ بات الحمد للہ ہے بھی کہ ان کے اکثر میں حب دنیا نہیں اللہ کا شکر ہے۔ پھر میں نے یہ بھی پوچھا خلیل پاشاہ سے کہ آپ ہندوستان کے کن علماء سے ملے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ میں نے دل میں کہا کہ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے علماء کے معتقد ہوئے۔ ان خلیل پاشاہ سے میری ملاقات کی وجہ ایک خواب ہے۔ میں نے دیکھا کہ کوئی بزرگ فرماتے ہیں کہ تم خلیل پاشاہ سے نہیں ملے۔

میں نے خواب ہی میں کہا کہ ضرورت ہی کیا ہے۔ مقصود تو ایک ہی ہے اور اس کا حاصل ہونا ضروری ہے سو وہ حضرت حاجی صاحب رح کی خدمت کی برکت سے حاصل ہے اس کے بعد دوسرے طرق و ذرائع کا اہتمام کرنا ایسا ہے جیسے ایک راستہ مکہ معظمہ کا کراچی سے اور ایک چاٹگام سے اس شخص کو مکہ معظمہ پہنچکر معلوم ہوا کہ ایک راستہ یہاں پہونچنے کا چاٹگام سے بھی ہے اب یہ شخص چاٹگام واپس جائے اور وہاں سے پھر مکہ معظمہ آئے اسی کی ایسی مثال ہے۔ یہ میں نے خواب ہی میں کہا۔ پھر یہ خواب میں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا حضرت نے ان سے ملنے کا حکم دیا۔ تب میں خلیل باشاہ سے ملا لیکن صرف خواب کی بناء پر میں نے ملاقات نہیں کی بلکہ حضرت کے فرمانے سے ملاقات کی۔ حضرت حاجی صاحب رح کے یہاں ایسی باتوں میں بڑی وسعت تھی۔ دوسرے مشائخ تو اپنے معتقدین کے لئے کسی دوسرے سے ملنا بھی گوارہ نہیں کرتے نہ کہ خود حکم دیدیں حضرت کی بڑی البیلی شان تھی۔ حضرت فن تصوف کے امام تھے مجدد تھے مجتہد تھے محقق تھے یہ سب کچھ جو یہاں دیکھتے ہو یہ حضرت ہی فیوض کے برکات ہیں۔

(ملفوظ ۴۲۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل رسمی پیروں کے یہاں اخلاق مروجہ کا بڑا اہتمام ہے محض اس خیال سے کہ آنیوالے غیر معتقد نہ ہو جائیں یہ تو اچھی خاصی دوکانداری اور مخلوق پرستی ہے مجھکو ایسی باتوں سے بحمد اللہ طبعی نفرت ہے۔ اور نہ اخلاق مروجہ مجھکو پسند۔ اور اگر ایسے اخلاق اختیار بھی کئے جائیں تو آنیوالوں کا کیا فائدہ انکی حرکات سکنات پر اگر محاسبہ محاسبہ روک ٹوک۔ ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے تو اصلاح کی کیا صورت ہے وہ تو جہل ہی میں مبتلا رہے میں اس کو خیانت سمجھتا ہوں اس کی ایسی مثال ہو کہ جیسے کوئی مریض طبیب کے پاس جائے۔ طبیب بوجہ اخلاق کے نہ کوئی کڑوی دوا لکھے اور نہ پرہیز بتلائے تو جیسے یہ خیانت ہے ایسے ہی وہ شیخ بھی خائن ہے جو طالب کی اصلاح پر توجہ نکرے اور اس کے معتقد یا غیر معتقد ہونے کی ڈر سے ڈانٹ ڈپٹ۔ روک ٹوک نہ کرے مجھکو یہ تو آسان ہے کہ اصلاح کا کام بند کر دوں مگر یہ چاپلوسی اور خوشامد نہیں ہو سکتی۔ غیرت آتی ہے کہ طریق کو طالب بنایا جائے کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔

ملفوظ ۴۲۶ فرمایا کہ ایک شخص کا عجیب و غریب خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھکو اپنی بیوی سے اسقدر محبت ہے کہ میں یہ دعا کیا کرتا ہوں کہ جنت میں مجھکو حور کی ضرورت نہیں مجھکو یہی بیوی دیجئے گا میں نے لکھا ہے کہ اس میں اتنی ترمیم اور کر دو کہ اگر دونوں چیزیں دینا منظور نہ ہوں تب یہی دیدینا اس پر فرمایا کہ جو بیویاں دنیا میں ملتی ہیں وہ جنت میں حوروں سے زیادہ اجمل و افضل ہوں گی تو جب وہ اجمل اور افضل بھی ہوں گی تو اگر اجمل اور افضل کو ترجیح دیجائے تو کوئی حرج نہیں

(ملفوظ ۴۲۷) ایک طالب علم نے علمی سوال کیا اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ پہلے اپنے اساتذہ سے حل کر دا اگر پھر بھی کوئی اشکال باقی رہے تب دوسری جگہ سوال کرنیکا مضائقہ نہیں یہ طلبہ کا طبقہ بڑا ہوشیار ہوتا ہے۔

اس کے جواب میں لکھتے ہیں یا کہتے ہیں کہ اساتذہ سے تو سوال کیا تھا مگر ان کے جواب سے تشفی نہیں ہوئی ۔ میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ اپنا سوال اور اس استاد کی تقریر لکھ کر پھر اس میں جو اشکال ہے وہ لکھو تب جواب ملے گا بس اس پر ختم ہو جاتے ہیں ۔

(ملفوظ ۶۴۸) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ملازمت ترک کرنا کسی طرح مناسب نہیں ترک ملازمت پر جو پریشانیاں لاحق ہوں گی کیا خبر ہے قلب ان کی برداشت کر سکتا ہے یا نہیں ۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ میرا ملازمت سے دل گھبراتا ہے (اس وقت مولانا کا ایک مطبع میں دس روپیہ کا تعلق تھا) اگر حضرت اجازت فرمائیں تو چھوڑ دوں ۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ مولانا ابھی تو آپ پوچھ ہی رہے ہیں اور پوچھنا دلیل ہے تردد کی اور تردد دلیل ہے خامی کی اور خامی کی حالت میں ملازمت کا تعلق ترک کرنا موجب تشویش اور پریشانی کا ہوگا اور جب وہ کیفیت انقطاع کی پیدا ہو جائے گی دوسرے نمکورو کیں گے اور تم رستے تڑا کر بھاگو گے ۔ دیکھئے عدم رسوخ کی کیفیت کو حضرت نے خامی فرمایا ۔ یہی وہ چیز ہے جس کے پیدا کرنے کی طالب کے قلب میں شیخ سعی کرتا ہے اور یہی کیفیت وہ شئے ہے کہ جب یہ غالب ہوتی ہے تو آدمی رسیاں اور بیڑیاں توڑا کر بھاگتا ہے صرف ایک ہی کی زنجیر میں اپنے کو جکڑا ہوا دیکھنا پسند کرتا ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے ؎

گر دو صد زنجیر آری بگسلم　　غیر زلف آں نگار مقبلم

اور کہا گیا ہے ؎

اسیرش نخواہد رہائی ز بند　　شکارش نجوید خلاص از کمند

اور یہ کیفیت بدوں شیخ کامل کی صحبت کے حاصل ہونا مشکل ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ کسی کامل کی صحبت اختیار کرے اور اپنا کچا چٹھا اس کے سامنے رکھدے اسکی تعلیم کے مقابلہ میں اپنی تمام اغراض اور خواہشات کو فنا کر دے ۔ مردہ بدست زندہ کا مصداق بن جائے اسی کو مولانا رومی رح فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو　　پیش مردے کاملے پامال شو

جب انقیاد کا یہ حال ہو جائے گا اس وقت وہ کیفیت انشاء اللہ تعالیٰ قلب میں راسخ فرما دی جائے گی اور اس کیفیت کے پیدا ہو جانے پر پھر یہ حال ہو جائے گا کہ بزبان حال یہ کہیگا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(ملفوظ ۶۴۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عوام کے لئے بجز اس کے اور کوئی راہ نہیں کہ وہ ان علماء کا اتباع کریں جن پر ان کو صحیح ذریعہ سے اعتماد ہے ۔ باقی یہ جو آجکل لوگوں میں بات پیدا ہو گئی ہے کہ سیاح درویش اور علماء کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ۔ یہ بڑی اصولی غلطی ہے ۔ میں قصبہ مئو ضلع اعظمگڈھ گیا تھا

وہاں وعظ ہوا۔ میں نے منجملہ اور مضامین کے ایک بات یہ بھی بیان کی تھی کہ بمقابلہ سیاح علماء کے تمکو شہر کے علماء کی زیادہ قدر کرنا چاہئے۔ ان سے آپ کے تعلقات بھی ہیں ان کی پوری حالت بھی معلوم ہے۔ اس سے ان کے حقوق آپ پر زیادہ ہیں گو خدمت سیاحوں کی بھی کر دیا کرو مگر تعلق و اتباع کے اعتبار سے زیادہ حق مقامی علماء کا ہے یہ سب حدود ہیں جن کا اس وقت کسی طبقے میں نام و نشان نہیں رہا۔

(ملفوظ ۶۵۰) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ غالی بدعتی ہمیشہ اہل حق کے درپئے رہتے ہیں ان میں اکثر بددین ہوتے ہیں جن میں دیانت کا نام نہیں ہوتا جو جی میں آتا ہے بدون تحقیق کے جس پر چاہتے ہیں فتویٰ لگانا شروع کر دیتے ہیں اور کسی کے کلام میں تحریف کرنا تو ان کا ایک بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ ہمارے بزرگوں کی عبارتوں کو کھینچ تان کر برے محمل پر محمول کر کے ان کی طرف سے ان پر اعتراضات کئے گئے بعید سے بعید احتمالات نکال کر کفر کے فتوی لگائے گئے کیا ٹھکانا ہے اس عناد کا۔ اور ان حضرات کی یہ شان تھی کہ بعید سے بعید توجیہ اور تاویل کر کے ایک مسلمان کی کفر سے حفاظت کرتے تھے۔ فلاں خاں صاحب نے ہمیشہ مجھ پر فتوے دیئے مگر میں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی کہ جس سے ان کے متعلق بدگمانی یا بدزبانی بھی اس سے مترشح ہو۔ ہاں تحقیق کے درجہ میں ضروری حقیقت کو ضرور واضح کر دیا۔ یہی حال غالی غیر مقلدین کا ہے۔ خصوص بدگمانی اور بدزبانی کا مرض ان میں خصوصیت سے ہے شیعوں کی طرح تبرا ان کا بھی شعار ہے بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا ان کے یہاں ذریعہ نجات ہے ایسی غیر مقلدی نیچریت کی پہلی سیڑھی ہے اللہ بچائے۔

(ملفوظ ۶۵۱) ایک سلسلہ میں گفتگو فرمایا کہ میں ایک مرتبہ رامپور گیا وعظ ہوا۔ باوجودیکہ میں نے وعظ میں کوئی اختلافی مسئلہ بیان نہیں کیا مگر پھر بھی بعضوں کو شبہ ہوا کہ یہ ہمارے مسلک بدعت کا مخالف ہے اس کے امتحان کیلئے ایک صاحب میرے پاس آئے اور مجھ سے سوال کیا کہ گیارہویں کے متعلق کیا حکم ہے۔ میں نے کہا کہ آپ جو سوال کرتے ہیں استفادہ مقصود ہے یا امتحان یا کیا کہا کہ استفادہ۔ میں نے کہا کہ آپ کو میرا مبلغ علم معلوم نہیں دیانت معلوم نہیں تو یہ آپکو کیسے اطمینان ہوا کہ میں صحیح جواب دوں گا اور وہ قابل عمل ہو گا آپ علماء شہر سے پوچھئے۔ کہا کہ اچھا یہی سمجھ لیجئے کہ استفادہ مقصود نہیں امتحان ہی مقصود ہے۔ میں نے کہا بلکہ مدرسہ دیوبند میں سالانہ ماہانہ امتحان دے چکا ہوں اب میں آپ کو امتحان دینا نہیں چاہتا اور نہ آپکو امتحان لینے کا کوئی حق ہے۔ بس اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

(ملفوظ ۶۵۲) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اہل بدعت حضرت مولانا شہید رحمتہ اللہ علیہ سے خصوصیت کی ساتھ خفا ہیں اور یوں تو اہل حق سے سب ہی خفا ہیں۔ ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ ایک جگہ مولانا شہید کی ایک کتاب جس کا اول اور آخر کا حصہ نہ تھا پڑھی جا رہی تھی۔ چند بدعتی جمع تھے ایک بدعتی صاحب

سننے جارہے تھے اور یہ کہتے جارہے تھے کہ سبحان اللہ کیا مضامین ہیں۔ کیا تحقیق ہے علماء ایسے ہونے چاہئیں اب ایسے علماء کہاں ہیں جب پڑھنے سے فراغت ہوگئی تو ان بدعتی صاحب نے پوچھا کہ یہ کس کی کتاب ہے پڑھنے والے نے کہا کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے تو وہ بدعتی کہتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ ان لوگوں کی یہ حالت ہے گویا جان بوجھ کر قصداً اہل حق کی مخالفت کرتے ہیں یہ ان لوگوں کا دین ہے یہ ایسی ہی بات ہوگئی کہ جیسے ایک بزرگ کی بیوی ان سے غیر معتقد تھی ایک روز یہ بزرگ تصرف یا کرامت سے آسمان زمین کے درمیان اڑے اور اپنے مکان کے اوپر کو گئے ان کی بیوی گھر میں چند عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی آسمان کی طرف جو نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک شخص آسمان پر پرواز کر رہا ہے سب عورتوں نے اور ان کی بیوی نے بھی کہا کہ یہ شخص بہت ہی پہونچا ہوا ہے اپنے زمانہ کا کوئی قطب ابدال معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ بزرگ مکان پر آئے تو ان کی بیوی نے کہا کہ آج ایک شخص آسمان کی طرف اڑ رہے تھے بہت ہی بڑے کوئی بزرگ ہیں ان بیچاروں نے شکر ادا کیا کہ خیر چلو معتقد تو ہوئی اور خوش ہیں۔ بیوی سے کہا کہ وہ میں ہی تو تھا تو جواب میں کہتی ہے کہ اچھا تم تھے جب ہی ٹیڑھے اڑ رہے تھے اب بتلائیے اس کا کیا علاج یہ ہی قصہ ان بدعتیوں کا ہوا کہ کتاب کے مضامین کو سن کر تو معتقد اور سبحان اللہ اور یہ کہ کیسے مضامین ہیں کیا تحقیق ہے علماء کو ایسا ہونا چاہئے اب ایسے علماء کہاں ہیں اور جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت شہید صاحب کے مضامین اور تحقیق ہے تو لاحول پڑھ دی۔

(ملفوظ ۶۵۲) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعضے آدمی بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب میرے دوست ہیں بڑے ذہین ہیں ان سے ایک بدعتی نے کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکر ولادت کے وقت قیام سے منع کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سے منع کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو ہم آپ کی تعظیم سے منع نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بے تعظیمی سے منع کرتے ہیں کیونکہ جب حضور کا ذکر تو کھڑے ہو کر کرتے ہو اور اللہ کا ذکر بیٹھ کر تو ذکر اللہ کی بے تعظیمی ہوئی۔ البتہ اگر اللہ کے ذکر کے وقت بھی کھڑے ہو جایا کرو ہم پھر ذکر رسول کے وقت کھڑے ہوتے سے بھی منع نہ کریں گے۔ اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ خیر یہ تو مولوی صاحب تھے۔ ذہانت کی بات کہنا تعجب نہیں۔ ایک عامی شخص لوہار نے ایک غیر مقلد مولوی صاحب سے پوچھا کہ سورۂ فاتحہ اگر نماز میں نہ پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں کہا کہ نہیں ہوگی۔ دریافت کیا کہ جو نماز قصداً ترک کرے کہا کہ وہ کافر۔ کہا کہ جب فاتحہ نہ پڑھی تو قصداً نماز کو ترک کیا تو کافر ہوگیا اور آپ کہتے ہیں کہ کافر نہیں ہوا۔ کوئی جواب نہ بن پڑا۔

۴/ جمادی الاولی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(ملفوظ ۶۵۴) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل عجیب مذاق ہو رہا ہے بعض لوگ چھپا ہوا پورا رسالہ بھیجدیتے ہیں کہ اس کا جواب لکھدو اب اگر لکھا جائے تو اتنی فرصت کہاں ۔ اگر نہیں لکھتا ہوں تو کہیں گے کہ پھر یہ ملا اپنا فرض بھی ادا نہیں کرتے ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جواب ذہن میں ڈالدیا ۔ میں یہی لکھدیتا ہوں وہ یہ کہ اول یہ لکھو کہ تمکو بھی اس میں شبہات ہیں یا نہیں ۔ اگر نہیں تو جواب لینے کی ضرورت نہیں اور اگر ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ تمکو جو شبہات ہیں انکو ایک ایک کر کے مجھ سے پوچھو جواب ملیگا اسی طرح عمر بھر مجھ سے خدمت لیتے رہو مگر اس پر کوئی آمادہ نہیں ہوتا ۔ آنہ دو آنہ کے ٹکٹ لگا کر بیفکر ہونا چاہتے ہیں ۔ ان لوگوں کے دماغ یہیں پر درست ہوتے ہیں ۔ میں بحمد اللہ ان کی نبضیں خوب پہچانتا ہوں جہاں کچھ خود کرنا پڑتا ہے وہاں ان کی تری ختم ہو جاتی ہے دوسروں ہی کی گردن پر سوار ہونا آتا ہے یہ اللہ کا فضل ہے ہر ایک کام کی بات کی ایک تدبیر ذہن میں پیدا فرمادی ہے کہیں گاڑی نہیں اٹکتی ۔ یہ اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت ہے ورنہ لوگ کہاں قبضہ میں آنے والے ہیں ۔ بڑے ہی چالاک ہیں لیکن یہاں چالاکی نہیں چلتی ایک ہی چھو میں سب جن بھوت بھاگ جاتے ہیں ۔ یہ لوگ اپنے کو بڑا ہی عقلمند اور بیدار مغز سمجھتے ہیں انکی بیدار مغزی اور عقلمندی یہاں پر جھڑ جاتی ہے ۔

(ملفوظ ۶۵۵) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے ۔ یہ صاحب مولوی معلوم ہوتے ہیں لکھا ہے کہ میں نے یہاں پر درس شروع کیا ہے بدعتی لوگوں کی کثرت ہے مخالفت کرتے ہیں کوئی ایسا عمل یا تعویذ دیدیجئے کہ جس سے یہ کہنے کے مطابق کام کرنے لگیں ۔ تعویذوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں میں نے لکھدیا کہ ایسے تعویذ گنڈے عاملوں کے پاس ہوتے ہیں ۔ میں عامل نہیں ہوں ۔ ہاں البتہ دعا کرتا ہوں ۔

(ملفوظ ۶۵۶) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھکو تو تعویذ گنڈوں سے طبعی انقباض ہے مگر حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ جو کوئی آیا کرے اللہ کا نام لکھدیا کرو میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو کچھ جانتا ہی نہیں ۔ فرمایا کہ جو جی میں آیا کرے وہی لکھدیا کرو ۔ اکثر ایسا ہی کرتا ہوں قرآن کی کوئی آیت یا کوئی حدیث جو جی میں آتا ہے لکھدیتا ہوں ۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی عامل نہ تھے ۔ مگر آپ کا اثر جنوں پر بھی تھا ۔ ایک جگہ اللہ بخش گنگوہی کا اثر تھا ۔ وہاں گھر والا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لے گیا ۔ اللہ بخش نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت آپنے کیوں تکلیف فرمائی ۔ آپ گر صرف کہلا کر بھیجدیتے تو میں عدول حکمی نہ کرتا ۔ ایسا ہی ایک واقعہ سہارنپور کا ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے ایک مکان میں ٹھہرایا اس میں جن کا بہت قوی

اثر تھا حضرت کے ہمراہ حافظ محمد ضامن صاحب رح بھی تھے وہ جن اخیر شب میں حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور اعتقاد کا اظہار کیا اور اسی سے معلوم ہوا کہ اس جن کے خوف سے وہ مکان چھوڑ دیا گیا۔ حضرت نے اس کو نصیحت فرمائی اور اس نے توبہ کی پھر حضرت حافظ صاحب سے ملنے کا مشورہ دیا اس نے کہا کہ آپ کے تو اخلاق سے جرأت ہوئی مگر حافظ ضامن صاحب کی جلال ہیبت سے ان سے ملنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ سو ایسی برکات کے واقعات تو اپنے بزرگوں کے بہت ہیں مگر عملیات وغیرہ سے کسی جن یا انسان کو مغلوب نہ فرماتے تھے یعنی عملیات کا شغل نہ تھا۔ ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسا عمل بھی ہے جس سے جن مسخر ہو جائے فرمایا۔ ہے۔ مگر ایک بات پوچھتا ہوں کہ تم بندہ بننے کو پیدا ہوئے ہو یا خدا بننے کو۔ خدا معلوم کس دل سے یہ الفاظ حضرت نے فرمائے تھے سالہا سال کا شوق ایک منٹ میں ختم ہو گیا بلکہ خود اس فن سے درجہ انقباض کا قلب میں پیدا ہو گیا۔ اس ہی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو ان کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے خاک کو کندن بنا دیتی ہے۔ افسوس صحبت کے برکات لوگوں کو معلوم نہیں اسی صحبت کے متعلق ارشاد ہے ؎

یک زمانے صحبتے با اولیا ! بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
صحبت نیکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

اسی سے آجکل لوگوں کو وحشت ہے حالانکہ بدوں صحبت کے فضول اور عبث سے نجات ملنا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ عادۃً محال ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے جن کا یہ اعتقاد تھا کہ مولانا عامل ہیں۔ مولانا کا کشف بڑھا ہوا تھا فرمایا کہ نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم عامل ہیں ارے کچھ خبر بھی ہے کہ عملیات سے نسبت باطنہ سلب ہو جاتی ہے یہ مسئلہ مولانا کے ارشاد سے معلوم ہوا۔ سبحان اللہ یہ حضرات کیسے حکیم تھے۔

ملفوظ ۶۵۷ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نقشبندیوں میں اکثر توجہ دینے کا معمول ہے مگر ان ہی حضرات میں سے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا ارشاد ہے کہ عارف راہمت نباشد۔ ہمت اصطلاح میں توجہ کو کہتے ہیں۔ مقامات یعنی اعمال باطنہ میں اور ان عرفی عملیات توجہ وغیرہ میں منافات سمجھتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بزرگوں کے حالات بھی عجیب و غریب ہیں۔ میں تو ان حضرات کو عشاق کہا کرتا ہوں ان کے ہر قول و فعل سے عشق ہی مترشح ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب جس روز شہید ہوئے ہیں اس روز صبح ہی سے بار بار یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

سر جدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود قصہ کوتاہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

دیکھئے اس سے بھی اس طرف کا عشق اور اس کا کیسا غلبہ معلوم ہوتا ہے۔

(ملفوظ ۶۵۸) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ پندرہ ہزار کا قرضدار ہوں بہت مرتبہ جی چاہا کہ حضرت کو

لکھوں مگر محض اس خیال سے کہ دنیاوی معاملہ ہیں کیا حضرت کو تکلیف دوں نہیں لکھا آج ہمت کر کے لکھ ہی رہا ہوں۔ میں نے لکھدیا ہے کہ تمنے سخت غلطی کی دعاء کے متعلق تمکو معلوم نہیں وہ اگر دنیا کیلئے بھی کی جائے تب بھی دین اور عبادت ہی ہے ایک شخص یہاں پر آئے قرضدار تھے مجھسے دعاء کیلئے کہا۔ میں نے کہا کہ میں بھی دعاء کرتا ہوں تم بھی دعاء کرو کہنے لگے کہ اجی ہماری دعاء ہی کیا میں نے کہا اس طرح تو نماز روزہ بھی چھوڑ دے کہ ہماری نماز ہی کیا۔ ہمارا روزہ ہی کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سب اعمال میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت تو یہ ہے کہ اسکو اپنا کمال سمجھے اس حیثیت سے تو وہ قابل نظر نہیں اسی درجہ میں ارشاد ہوا ہے ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک الآیہ جب حضور کو ایسا حکم فرمایا گیا ہے تو اور تو کس کی مجال ہے کہ وہ دعوی کرے اور ایک حیثیت ہے کہ یہ حق تعالی کا عطیہ ہے جو باوجود ہماری عدم اہلیت کے ہمکو عطاء ہوا ہے اس حیثیت سے وہ قابل نظر اور قابل قدر ہے۔ غرض حق تعالی کی نعمت کی تحقیر نہ کرے اور اس سے اپنی اہلیت کا گمان ہے کیونکہ ان کی نعمت باوجود عدم استحقاق کے بھی عطاء ہوتی ہے اس باب میں شیطان کو بڑی معرفت تھی کہ جوتیاں سر پر پڑ رہی ہیں جس میں استحقاق نعمت کا وسوسہ بھی نہیں ہو سکتا اور اس حالت کو مانع عطا نہیں سمجھتا اور اس لئے مانگ رہا ہے اور مانگ بھی رہا ہے وہ جو آجتک کسی نے نہیں مانگا۔ یعنی رب انظرنی الی یوم یبعثون۔

(ملفوظ ۵۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میری بدنامی کا راز یہ ہے کہ میں کسی کا تابع بننا نہیں چاہتا لوگ تابع بنانا چاہتے ہیں بس کہتا ہوں کہ نہ تم میرے تابع بنو اور نہ میں تمہارا تابع بنوں اصول صحیحہ کے تم بھی تابع رہو اور میں بھی۔ بس یہ راز ہے میری بدنامی کا کہ مجھ سے کسی کا تابع نہیں بنا جاتا۔

(ملفوظ ۶۰) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے جس میں اپنی حالت لکھی ہے کہ ہر معصیت کرنے کو جی چاہتا ہے اور ہر بھی ارادہ کر لیتا ہوں کہ اب گناہ نہ کروں گا لیکن پھر ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے کو گنہگار سمجھتا ہوں۔ میں نے لکھدیا کہ جہاں سارے گناہ کرتے ہو اور رغبت سے کرتے ہو وہاں ایک گناہ بے رغبتی سے بھی کر سکتے ہو وہ یہ کہ چند روز کسی گنہگار کے پاس رہو (مراد مصلح ہے اور چونکہ مقصود اپنے پاس رہنے کا مشورہ دینا ہے اس لئے گنہگار سے تعبیر کیا) مگر شرط یہ ہے کہ تم اس کو گنہگار نہ سمجھنا۔ پھر فرمایا کہ ابھی ان کا قلب مردہ نہیں ہوا انشاء اللہ تعالی بہت جلد اس مرض سے نجات ہو جائے گی اگر توجہ کی۔ دیکھئے کیا جواب آتا ہے۔

۹ جمادی الاولی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

(ملفوظ ۶۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک عامل بالحدیث لکھنؤ سے آئے تھے کئی روز قیام کر کے آج

چلے گئے۔ بڑے جو شیلے آدمی ہیں۔ بیعت ہونے کیلئے کہتے تھے۔ میں نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ میں فلاں غیر مقلد عالم سے بیعت بھی ہو چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ اب تو اور بھی ضرورت نہیں۔ دوسرے اگر ان کو معلوم ہوا تو ممکن ہے کہ وہ برا مانیں میں نے یہ بھی کہا کہ بعض مشائخ کو تو اس کی پروا نہیں ہوتی اور بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں ان پر اثر ہوتا ہے جیسے استاد۔ شاگردی کے تعلق میں بعینہ یہی تقسیم ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ میری طبیعت اس قسم کی ہے کہ اپنے سلسلہ کا آدمی اگر کسی دوسرے سلسلہ میں چلا جائے تو کبھی پروا نہیں ہوتی اگر چلا ہی گیا تو لے کیا گیا۔ ہاں دے گیا وہ کیا دے گیا یعنی راحت مگر بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کو اس سے کدورت ہو جاتی ہے اور کدورت سے نفرت اور نفرت سے عداوت تک کی نوبت آجاتی ہے اور یہ کھلا نقص ہے۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ ایک شیخ کے ہوتے ہوئے بشرطیکہ متبع سنت ہو تم نہ مُردوں سے ملو نہ زندوں سے اس سے آدمی گڑ بڑ میں پڑ جاتا ہے بس یہ مذہب کھو ئے

دل آرامیکہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

کہنے لگے کہ میں نے بعض لوگوں سے مشورہ لیا انہوں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں یہ بیعت سلوک ہوگی اور پہلی بیعت توبہ۔ میں نے کہا کہ انہوں نے بیعت میں کیا عہد لیا تھا کہا کہ کتاب و سنت کا اتباع اور امر بالمعروف نہی عن المنکر۔ میں نے کہا کہ بس یہی یہاں ہے اور یہی اصل سلوک ہے تو دونوں ایک ہی چیز ہوئیں۔

(ملفوظ ۶۶۲) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی کی تصانیف کے دیکھنے سے کیا ہوتا ہے جب تک آدمی اس کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لے اور اس کی ہر حالت نہ دیکھ لے بدون اس کے معتقد ہونے کا کچھ اعتبار نہیں اسی ہی لئے میں بیعت میں تعجیل کو منع کیا کرتا ہوں اور میں طالبین پر بدگمانی نہیں کرتا وہ دعوی اعتقاد میں سچے سہی مگر میں بھی تو ان کو دیکھ لوں یہ تو تعلق طرفین کا ہے اس میں دونوں جانب سے احتیاط ضروری ہے باقی تصانیف میں یا وعظ میں کوئی گالیاں تھوڑا ہی بھر دیتا ہے اچھی ہی باتیں لکھتا یا بیان کیا کرتا ہے اس لئے میں وعظ سنکر یا تصانیف دیکھ کر معتقد ہونے والے کا اعتبار نہیں کیا کرتا اس کو چاہئے کہ اپنی آنکھوں سے پاس رہکر سب حالت دیکھے اس پر بھی اگر اعتقاد باقی رہے وہ قابل اعتبار ہے ورنہ قابل اعتبار نہیں۔

(ملفوظ ۶۶۳) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں غیر مقلد عالم نے فیض قبور کا بڑے زور شور سے رد لکھا ہے حالانکہ مسئلہ ظنی ہے اس میں ایسے جزم سے حکم نہ کرنا چاہئے بیچارے سمجھے ہی نہیں۔ جماعت حقہ کے خلاف یہاں کا غلو کیسا تھ رد ہی کرے گا جو حقیقت کو نہیں سمجھا۔ ہمارے بزرگوں کی جماعت حقہ پر حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ان پر حقیقت کو واضح کر دیا گیا۔ پھر ایک غیر مقلد عالم کا ذکر فرمایا کہ ایسے رہتے تھے بیچارے گمنام۔ یہاں رہتے ہوئے کسی بات میں دخل نہیں دیا۔ اگر ایسے غیر مقلد ہوں تو کوئی شکایت نہیں ہمیں کسی سے عداوت نہیں بغض نہیں۔ ایک غیر مقلد عالم یہاں پر آئے تھے۔ تھے بیچارے سلیم الطبع

میں نے ایک سلسلہ میں گفتگو میں ان سے کہا کہ صاحب سب مدار اعتماد پر ہے آپ حضرات کو ابن تیمیہ کے ساتھ حسن ظن ہے اُن پر اعتماد ہے یہ سمجھتے ہو کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن وحدیث سے کہتے ہیں گو فتوے کیساتھ اس کے دلائل کا ذکر نہ کریں چنانچہ میرے پاس انکی بعض تصانیف ہیں دھڑا دھڑا لکھتے چلے جاتے ہیں نہ کہیں آیت کا پتہ نہ حدیث کا مگر پھر بھی آپکو اعتماد ہے۔ بس اسی طرح ہم ائمہ مجتہدین پر حسن ظن اور اعتماد رکھتے ہیں۔ کہ وہ بھی کتاب وسنت کے خلاف نہ کہیں گے اگرچہ ان کے کلام میں مذکور نہ ہو۔ غرض ہم بھی اعتماد پر ہیں تم بھی اعتماد پر ہو۔ یہاں تک تو ایک ہی بات ہے اب آگے فرق صرف یہ رہ گیا کہ ایک طرف ابوحنیفہ ہیں اور ایک طرف ابن تیمیہ ترجیح کا فیصلہ خود کر لو۔

(ملفوظ ۶۶۴) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض غیر مقلدین بیباک ہوتے ہیں۔ میں ان کے متعلق اپنی حالت کہتا ہوں کہ جو شخص تقلید مجتہدین کو حرام کہتا ہے میں اپنے قلب میں اس سے نفرت پاتا ہوں اور اگر جواز کا قائل ہو گو واجب نہ سمجھے اس سے نفرت نہیں پاتا اور نہ اس سے قلب میں بُعد ہوتا ہے اور بعض تو اس مسئلہ میں بڑے ہی سخت ہیں اس تقلید کو سب شرک کہتے ہیں بڑی دلیری کی بات ہے۔

(ملفوظ ۶۶۵) ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ اگر اپنی حالت کچھ سمجھ میں نہ آوے تو شیخ کو یہی لکھ دینا چاہیئے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس سے بھی بڑا نفع ہوتا ہے۔ غرض حالات کی اطلاع ہر حال میں ضروری ہے اور اس کی ساتھ ہی بڑی چیز یہ ہے کہ متابعت ہو انس ہو یہ بڑی دولت ہے اس کی لوگ قدر نہیں کرتے اکثر بڑے بڑے مجاہدوں سے وہ کام نہیں ہوتا جو اس سے بنجاتا ہے ایسے شخص کے کام بنانے کو خود شیخ کا جی چاہتا ہے مگر بجائے اس انقیاد کے اکثر لوگ اپنی ہی گاتے پھرتے ہیں حقیقت کی خبر خاک بھی نہیں۔

(ملفوظ ۶۶۶) فرمایا کہ ایک نواب صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ کسی نے میری طرف سے یہ کہا ہے کہ میں حضرت کی شان میں گستاخی کرتا ہوں استغفر اللہ یہ مجھ پر محض تہمت ہے۔ ہمارا تمام خاندان ہمیشہ سے اس سلسلہ کا معتقد رہا اور ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ مجھ سے کسی نے نہیں کہا اور نہ آپکی شکایت کی۔ البتہ میں آپ کی شکایت کیا کرتا ہوں کہ آپ کی صحبت اچھی نہیں لہذا اب کہتا ہوں کہ آپ اس طرف توجہ کریں اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں پھر فرمایا کہ اگر وہ مجھکو یہ نہ لکھتے تو میں خود اُن کو یہ نہ لکھتا اس میں بڑی حکمت اور مصلحت ہوئی اب انشاء اللہ تعالیٰ ان پر اثر ہو گا۔

۹ جمادی الاولی سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

۶۶۷ (ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل ملانوں کے حقیر اور ذلیل سمجھنے کا مرض عام ہو گیا ہے۔ ایک صاحب کا خط آیا تھا انگریزی میں باوجود اس کے وہ جانتے تھے کہ یہ انگریزی نہیں جانتا اس کا منشا وہی تحقیر ورنہ کیا اتنی رعایت بھی ضروری نہ سمجھتے۔ میں نے عربی میں جواب لکھا ان کو بھی معلوم ہو کہ ہماری بھی رعایت نہیں کی گئی پھر خط آیا کہ گستاخی ہوئی کہ میں نے انگریزی میں عریضہ لکھ کر روانہ کیا۔ دماغ سیدھا ہو گیا۔ یہ لوگ ملانوں کو حقیر ذلیل دنی کم حوصلہ لپست خیال۔ تاریک دماغ سمجھتے ہیں مگر یہاں سب کی روشن دماغی کا پتہ چل جاتا ہے۔ ایسے بد دماغ لوگوں کے لئے جی چاہتا ہے کہ ان کے دماغوں کی اصلاح کی جائے تاکہ ان خر دماغوں کو پتہ چلے کہ ملانوں میں بھی اسپ دماغ ہیں۔ اور یہ مرض ملانوں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے کا اس قدر عام ہوا ہے کہ نہایت کم حیثیت کے لوگ بھی تو آکر بیحد بیفکری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کہتے ہیں کہ تعویذ دیدو بس اب یہ نہیں کہتے کہ کس چیز کا تعویذ۔ سمجھتے ہیں کہ آگے پوچھنا ان کا کام ہے۔ پھر ملانوں کے نرم برتاؤ دیکھ کر لوگ یہ سمجھ گئے کہ یہ لوگ بیحس ہوتے ہیں مگر اب میں ان سے پوچھا کرتا ہوں کہ کیا بازار میں جا کر دکاندار سے بھی اس طرح کہتے ہو کہ لالہ جی سودا دیدو اور سودے کا نام نہ لیا جاوے تو کیا یہ بات پوری ہو گی یا ادھوری تو میں پوچھتا ہوں کہ یہاں کیوں ادھوری بات کہی تب آنکھیں کھلتی ہیں۔

۶۶۸ (ملفوظ) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخین کی روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لعنت ہو ایسی عورتوں پر جو بال نوچتی ہیں اور بدن گودتی ہیں اور دانتوں کے درمیان ریخ کھولتی ہیں (یہ سب زینت کیلئے کرتی تھیں) ایک عورت نے کہا کہ تم ایسی عورتوں پر لعنت کرتے ہو۔ انہوں نے فرمایا ایسوں پر کیوں نہ لعنت کروں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہو اور قرآن میں بھی ان پر لعنت آئی ہو۔ اس عورت نے کہا میں نے تمام قرآن پڑھا اس میں تو ان پر لعنت نہیں آئی۔ فرمایا کہ تم نے قرآن کو پڑھا ہی نہیں ورنہ قرآن میں موجود ہے کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ الخ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جس بات کا رسول تمکو حکم دیں اس کو کرو اور جس چیز سے منع فرماویں اس سے باز رہو۔ کہا ہاں پڑھی ہے فرمایا بس حضور نے اس سے منع فرمایا ہے مطلب یہ کہ یہ حدیث قرآن کے متن کی شرح ہو گئی اور حدیث میں ایسے کرنیوالے پر لعنت آئی ہے۔ پس ان چیزوں کا موجب لعنت ہونا اس طرح قرآن میں بھی مذکور رہے۔ پھر فرمایا کہ صاحب جن چیزوں کو قرآن و حدیث میں صراحۃً

منع کیا ہے انکو ہی لوگوں نے کون سا چھوڑ دیا ہے۔ اسی میں صدہا شبہات نکال دیتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا ایک جنٹلمین بھی اسی درجہ میں سفر کر رہے تھے جن کے پاس ایک کتا بھی تھا۔ کہنے لگے معلوم نہیں کہ شرع نے اس کے پالنے کو کیوں منع کیا ہے حالانکہ اس کے اندر فلاں فلاں خوبیاں ہیں۔ میں نے کہا کہ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک جواب خاص اور ایک جواب عام آپ کونسا جواب چاہتے ہیں کہا کہ دونوں فرما دیجئے میں نے کہا کہ جواب عام تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پالنے سے منع فرمایا ہے مگر اس جواب عام سے ان کی کہاں تسلی ہو سکتی تھی کہا کہ جواب خاص کیا ہے۔ میں نے کہا کہ جواب خاص یہ ہے کہ اس میں ساری خوبیاں ہیں لیکن اس میں ایک کمی اتنی ہے کہ ساری خوبیوں پر پانی پھیر دیا۔ زیادہ کمی یہ ہے کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک کتے کا دوسرے کتے کو دیکھ کر کیا حال ہوتا ہے۔ بس پھر کیا تھا بیحد محظوظ ہوئے اور کہا کہ بس آج حقیقت معلوم ہوئی عجیب فہم کے آدمی تھے حقیقت کو تو معمولی بات سمجھا اور محض نکتہ کو حقیقت سمجھا۔ میں ایک بار بریلی گیا تھا وہاں ایک تحصیلدار ملے انہوں نے بیان کیا کہ میں علیگڑھ کالج میں گیا تھا وہاں کے طالبعلموں میں اس جواب کا بڑا چرچا تھا اور نہایت پسند کیا جا رہا تھا حالانکہ اس جواب کا درجہ ایک شاعرانہ نکتہ سے زیادہ نہیں۔ یہ ہے ان لوگوں کا فہم اور عقل

ملفوظ ۶۶۹ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ سب کچھ تھے مگر اپنے کو مٹائے ہوئے فنا کئے ہوئے تھے اسی ہی لئے آجکل کے اکثر علماء اور مشائخ نظروں میں نہیں سماتے نہ پسند آتے ہیں ان حضرات میں ایک عجیب شان تھی جو بیان میں بھی نہیں آتی اور کسی کے دریافت کرنے پر بھی بتلائی نہیں جا سکتی بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی	نیک بیں باشی اگر اہل دلی !
مرد حقانی کے پیشانی کا نور	کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

وہاں نہ خاص لباس تھا نہ خدم نہ حشم نہ عمامہ نہ چوغہ نہ تکیہ نہ اگالدان نہ پاندان نہ خاصدان لیکن صورت دیکھ کر بے ساختہ یہ کہنا پڑتا تھا ؎

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند	دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد

اس کے مقابلہ میں ایک دوسری شان کے بزرگ کا واقعہ یاد آیا ایک مولوی صاحب کسی امیر کے یہاں مہمان تھے وہ خود واقعہ بیان کرتے تھے کہ مجھکو شب کو پاخانہ جانے کی ضرورت ہوئی جب فارغ ہو کر پاخانہ سے نکلے سنتری نے لڑکا کون۔ وجہ ٹوکنے کی یہ تھی کہ جس پاخانہ میں مولوی صاحب گئے تھے وہ خاص تھا ملازموں کو اس میں جانے کی اجازت نہ تھی اس کو شبہ ہوا کہ شاید کوئی ملازم غلطی سے چلا گیا اس لئے ٹوکا۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ اگر میں دیوبندیوں کی طرح اس وقت یہ کہتا کہ میں ہوں حقیر فقیر پر تقصیر تو پٹتا کہ حقیر فقیر یہاں کیوں گھسنے آیا تو وہ مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے للکار کر کہا کہ ہم ہیں مولانا صاحب

دہلی والے اور یہ تو کیا بکتا ہے اور دیکھ تجھکو صبح کو درست کرایا جائے گا۔ بس پھر کیا تھا لگا ہاتھ جوڑنے۔ غرض نہ تو اضع اس قدر ہو کہ ایسے موقع پر حقیر پُر تقصیر کہے اور نہ اس قدر ترفع کی ضرورت کہ ہم ہیں مولانا دہلی والے۔ بس یہ کہدے کہ بھائی میرا فلاں نام ہے اور مہمان ہوں سو یہ جامعیت اپنے ہی بزرگوں میں دیکھی۔

(ملفوظ ۶۷۰) ایک صاحب کی اس غلطی پر کہ خلافِ قاعدہ ایک پرچہ لیکر دینے لگے (جیسا کہ آگے معلوم ہوگا) مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ نامعقول دور ہو خبردار جو کبھی یہاں آیا یا کبھی کوئی خط بھیجا میں ایسے بدفہم آدمی سے تعلق ہی رکھنا نہیں چاہتا باوجود اصول اور قواعد کے معلوم ہونے کے پھر یہ حرکت کہ لیٹر بکس لگا ہوا ہے حالات کے پرچا میں پڑتے ہیں اور خود بھی کئی مرتبہ اس میں پرچہ ڈال چکا ہے مگر صبح میری چھاتی پر پرچہ لیکر آچڑھا۔ دریافت کرنے پر کہتا ہے کہ قواعد کی ضرورت ہی نہیں اسلئے میں نے اس عمل سے اسکو ضرورت قواعد کی بتلائی ہے اسکو یہ تو معلوم کہ ستانے پر یہ ہوا کرتا ہے ایسے ایسے کوڑمغز بدفہم بدعقل یہاں پر آکر مرتے ہیں جن کو ذرا احساس نہیں کہ ہماری اس حرکت سے دوسرے کو اذیت تو نہ پہونچے گی اب کان اور آنکھیں کھل گئیں اب ایسی حرکت نہ کریگا۔ اس پر مجھکو لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ نرمی کرو۔ کیا یہ بدفہم نرمی کے اہل ہیں۔ عرض کیا کہ مجھ سے حضرت کو سخت تکلیف پہونچی اللہ معاف فرمائے۔ فرمایا کہ اتنا ستانیکے بعد اقرار کیا اب کیسے زبان کھلی جب سے تو قفل لگا ہوا تھا پہلے تو قواعد کی ضرورت کا انکار تھا اب کیسے سب باتیں سمجھ میں آگئیں۔ پھر فرمایا اس وقت یہاں سے اٹھ جاؤ دیکھ کر تغیر ہوتا ہے اور اب وطن واپس جاکر خط و کتابت کرنا وہاں سے حالات لکھنا یہاں رہتے ہوئے مکاتبت مخاطبت سب بند چلو رخصت۔

(ملفوظ ۶۷۱) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فقہاء کا اگر کوئی بھی کمال نہ معلوم ہو تو ان کے استنباطات ہی ان کے کمال کی کافی دلیل ہیں۔ کیا ٹھکانا ہے ان حضرات کی نظر کے دقیق ہونیکا آجکل تو دعوے ہی دعوے ہیں کمالات ان کے تھے۔

(ملفوظ ۶۷۲) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مالی انتظام کیلئے تھوڑے سے بخل کی ضرورت ہے بدون بخل کے انتظام غیر ممکن ہے۔ اگر کوئی کہے کہ جسقدر منتظم ہیں کیا سب بخیل ہیں واقعی بخیل ہیں گو وہ بخل شرعی نہیں مگر بخل لغوی ضرور ہے مولانا خوب فرماتے ہیں ؎

اے لبا امساک کز انفاق بہ　　مال حق را جز بامر حق مدہ

(ملفوظ ۶۷۳) فرمایا کہ ایک طالب علم کا خط آیا ہے کہ علم کی محبت بڑھانے کیلئے کوئی تعویذ یا دوا تجویز فرمادیں میں نے صرف یہ لکھا ہے کہ افسوس اس عقل پر۔ پھر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ذہن میں دعا ہوگی لیکن دوا لکھا گیا مگر میں نے تو دوا ہی کی بناء پر جواب لکھا ہے۔

(ملفوظ ۶۷۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مالِ حرام کی بڑی ہی نحوست ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ

عمارت میں حرام مال مت لگاؤ یہی وجہ ہے کہ آجکل کی عمارتیں جلدی منہدم ہو جاتی ہیں اور پہلے لوگوں کے مال حلال تھے ان کی عمارتیں اب تک بجنسہ موجود ہیں۔

(ملفوظ ۴۷۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے قبل اس کی سخت ضرورت ہے کہ شیخ کامل کو تلاش کرلے بدون شیخ کامل کے اس میں قدم رکھنا خطرہ سے خالی نہیں۔ ہزاروں دشوار گذار گھاٹیاں اس راہ میں ہیں اور شیخ کامل سے مراد ولی اور بزرگ نہیں ماہر فن مراد ہے جو اس راہ کا واقف کار ہو ورنہ بہت سی غلطیوں کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ غلطی کی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ کبھی تکبر بشکل تواضع ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی ریا بشکل خلاص ہوتی ہے۔ سو ان چیزوں میں فرق کرنے اور پہچاننے کیلئے شیخ کامل کی ضرورت ہے اور ان سب میں زیادہ باریک اور نازک چیز اخلاص ہے۔ بزرگوں نے تصریح کی ہے کہ بعض اوقات اس کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہیں اخلاص میں تو کمی نہیں ہو گئی۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ جب پتہ نہیں چلتا تو ہم اس کے مکلف بھی نہیں ہوں گے۔ جواب یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ بدون تدقیق نظر کے پتہ نہیں چلتا اور بعد تدقیق پتہ چل جاتا ہے اور تدقیق فعل اختیاری ہے۔ ایک تابعی بزرگ کی حکایت ہے کہ دوسرے تابعی بزرگ کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں نیت درست کر رہا تھا۔ اتنے میں نماز سے فراغت ہو گئی۔ نیت درست کرنے کی تفصیل ایک مثال سے معلوم ہو گی۔ مثلاً یہاں جنازے آتے ہیں بعض کی نماز میں خود پڑھاتا ہوں اور بعض کیلئے دوسروں کو کہہ دیتا ہوں سوچنے کی بات ہے کہ اس تفاوت کی بنا کیا ہے وہ ایک وجدانی اور ذوقی بات ہے وہ یہ کہ جنازہ کی نماز میت کے حقوق اسلام میں سے ہے اس کا مقتضا یہ تھا کہ سب مسلمانوں کے جنازہ کی ساتھ یکساں معاملہ ہو مگر پھر فرق ہوتا کیا وجہ۔ بس وہی خلاص اور عدم اخلاص کا مسئلہ ہے۔ جہاں بجز حق اسلام کے اور کوئی بھی داعی ہو جیسے قرابت دوستی وجاہت وہاں تو خود پڑھاتا ہوں ورنہ بعض اوقات دوسروں سے کہہ دیتا ہوں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صرف حق اسلام ہی سبب نہیں بس یہی کمی ہے اخلاص کی۔ بس اس معیار سے پہچاننا بوجہ عادت نہ ہونے کے مشکل ہے۔ چنانچہ آجکل لوگ ان چیزوں سے واقف تک بھی نہیں۔

(ملفوظ ۴۷۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آدمی سب کچھ بن سکتا ہے۔ بزرگ قطب غوث ابدال۔ لیکن انسانیت کا پیدا ہونا اور انسان بننا مشکل ہے اور جب تک یہ نہیں اہل نظر کی نظر میں کچھ بھی نہیں۔ ایک بار عبداللہ ابن مبارک مسجد سے باہر آئے تو نمازیوں کا مجمع نماز پڑھ کر جا رہا تھا آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ بحمداللہ یہ سب جنت کی بھرتی ہیں مگر آدمی اس مجمع میں دو تین ہی ہوں گے۔ بس یہی آدمیت وہ چیز ہے جس کی بدولت میں بدنام ہوں۔ میں نہ بزرگی تقسیم کرتا ہوں نہ کرامت نہ قطبیت نہ غوثیت اگر کسی کو ان کی ضرورت ہو تو کہیں اور جائے میں تو صرف انسان بناتا ہوں اگر انسان بننا ہو یہاں پر آئے۔ مولوی ظفر احمد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح

سے بیعت ہیں۔ ایک روز خواب میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے کہ میں صاحب نسبت ہو جاؤں فرمایا کہ صاحب نسبت تو ہو لیکن اصلاح کراؤ اور وہ بھی اپنے ماموں سے (میں مراد ہوں) تب مولوی ظفر احمد نے اس طرف رجوع کیا تو آخر باوجود صاحب نسبت ہو نیکے جو پھر اصلاح کی طرف توجہ دلائی وہ اصلاح کیا ہے مراد اس سے وہی انسانیت ہے مگر لوگ اس کو بھلا کر اپنی ہی بگھارتے پھرتے ہیں۔

(ملفوظ ۶۷۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جب تک آدمی فکر سے کام نہیں لیتا اکثر غلطیوں کا شکار رہتا ہے۔ فکر سے کام لینے میں غلطیوں کا بہت کم صدور ہوتا ہے مگر فکر میں بھی غلو نہ ہو ایسے فکر سے اللہ بچائے۔ ایک حافظ صاحب تھے ان میں بیفکری کا مرض زیادہ تھا ان سے میں نے کہا کہ سوچ کر کام کیا کرو اور سوچ کر بات کہا کرو۔ لیکن جب گھر کی ہی عقل نہ ہو تو کوئی دوسرا ساتھ تھوڑا ہی پھریگا آپ نے اول بسم اللہ فکر اور سوچ کی ریل سے شروع کی۔ یہاں سے روانگی ہوئی بیوی بچے ساتھ۔ جب ان کو ریل میں سوار کر چکے چنوں کو جی چاہا ریل سے اتر کر چنے خریدنے کا ارادہ کیا۔ اب کھڑے سوچ رہے ہیں کہ منشا اس خریدنے کا حظ نفس تو نہیں خریدوں یا نہ خریدوں اسی میں ریل نے سیٹی چلنے کی دیدی لیکن ان کا مراقبہ ختم نہ ہوا تھا حتی کہ ریل چلدی اب یہ اسٹیشن پر اور بیوی بچے ریل میں سخت پریشان مجھکو یہ قصہ معلوم ہوا میں نے کہا کہ عقلمند یہ مراقبہ اس طرح کرنا چاہیے تھا کہ چنے خرید کر اور ریل میں بیٹھ کر سوچتے کہ داعی اس کی ضرورت ہے یا محض حظ نفس سبب ہے اگر ضرورت نہ سمجھتے تو کسی کو دیدیتے یا بیوی بچوں کو ہی دیدیتے سو اس طرح کی فکر غلو ہے۔ اسی طرح ہر فکر میں اعتدال چاہئے مثلاً بعضے لوگ اخلاص کی فکر میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ اصل عمل ہی رہ جاتا ہے اسی اصل پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اگر ریا سے بھی کوئی عمل کرتا ہو تو اسکو کرتا رہے ترک نہ کرے اول اول ریا ہوگی پھر عادت ہو جائیگی اور عادت سے عبادت ہو جائے گی کیسی حکیمانہ تحقیق ہے۔ مایوسی کا کہیں نام و نشان نہیں۔ سو بعض اوقات شیطان ریا کا اندیشہ دلا کر ساری عمر کے لئے عمل سے روکدیتا ہے جو بڑا خسارہ ہے بس عمل کرو چھوڑو وہمت۔ تو اخلاص کے فکر میں بھی اتنا غلو نہ چاہئے۔ کام میں لگے رہو اگر کوتاہی مظنون یا محتمل ہو استغفار سے اس کا تدارک کرلو غرضکہ کام میں لگو۔

(ملفوظ ۶۷۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہر ضروری چیز کا قلب میں جواب رکھدیا ہے میں اس نعمت پر حق تعالیٰ کا بڑا شکر گزار ہوں ان کی عطا ہے رحمت ہے نعمت ہے۔ یہاں ایک غیر مقلد آئے تھے۔ سماع موتی اور فیوض اہل قبور کے . . . مسئلہ پر میری تقریر سنکر بہت خوش ہوئے اور بیعت کی درخواست کی میں نے کہا کہ تعجیل سے کام نہ لیجئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد میں کہا کہ میں ایک غیر مقلد عالم سے بیعت بھی ہو چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ پھر اب تو اور بھی ضرورت نہیں دوسری جگہ بیعت ہونے کی

کہا کہ کیا یہ مسئلہ حدیث میں ہے کہ ایک جگہ بیعت ہو کر دوسری جگہ بیعت ہونا چاہئے میں نے کہا کہ ہاں حدیث میں ہے ۔ عالم آدمی تھے بڑے چونکے ہوئے کہ حدیث میں کہاں ہے ۔ میں نے کہا کہ حدیث شریف میں ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ ۔ یعنی من ۲ یذا۲ ء ۱ المسلمین ۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا ۔ دوسرا مقدمہ مشاہد ہے کہ بعض شیوخ کو اس سے تکدر اور اذیت ہوتی ہے دوسرے حُب فی اللہ مامور بہ ہے اور اس تکدر سے حب فی اللہ میں کمی ہو جاتی ہے ۔ نیز تجربہ سے بھی یہ مضر ہے اس لئے کہ کبھی اس تکدر کی وجہ سے باہم عداوت ہو جاتی ہے تو یہ بواسطہ مفضی ہو جائے گا فرکا اور خود اسکی بھی حدیث میں ممانعت آئی ہے آنکھیں کھل گئیں کہ اے اللہ یہاں تو ہر بات حدیث سے ثابت ہے ۔ اور اس پر عمل ہے ۔ کہنے لگے ہمارے جماعت کے لوگ تو حدیث حدیث کرتے پھرتے ہیں مگر سمجھتے خاک بھی نہیں ۔ اس پر بڑا ناز ہے کہ ہم عامل بالحدیث ہیں اور کہنے لگے کہ ہماری جماعت بھول میں ہے یہاں پر تو بالکلیہ حدیث ہی پر عمل ہے ۔

(ملفوظ ۶۷۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے صانع حقیقی پر نظر ہونے میں میری یہ حالت ہے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسے بچہ کے ہاتھ میں قلم دیکر اور باپ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کر بنا کی ایک سطر لکھے تو بچہ خوش ہے کہ میں نے لکھا حالانکہ باپ کی شفقت ہے کہ اپنے فعل کی نسبت اس کے خوش ہونے کیلئے اس کی طرف کر رکھی ہے ۔ میں کیا عرض کروں واللہ اپنا ایمان بھی پورا اختیاری نہیں معلوم ہوتا اس لئے اپنے ایمان پر بھی اعتماد نہیں اور عمل گو اختیار میں ہے مگر اختیار تو اختیار میں نہیں وہ کسی ایسے کے ہاتھ میں ہے جو نہایت رحیم کریم اور شفیق ہے ان باتوں سے اچھی طرح نظر آئے گا کہ ایمان بھی پورا اختیاری نہیں اسی طرح کوئی کمال کوئی حال ۔ ارشاد ہے ۔ لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلاً ۔

(ملفوظ ۶۸۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علوم تو فقہاء اور صوفیا ہی کے ہیں ۔ سبحان اللہ ۔ چنانچہ جن چیزوں میں غامض اور دقیق علوم کی ضرورت ہے وہاں اجمالی سکون تو ہوا نصوص سے اور تفصیلی تسلی ہوئی صوفیہ کے کلام سے ۔ اور ہمیشہ سکون اور راحت ان کے ہی کلام سے ہوتی ہے اور سب وساوس کا دفعیہ ان ہی حضرات کے کلام میں ہے ۔ یہ تہ تک پہنچتے ہیں ۔ راہ کو بے غبار کر دیتے ہیں طالب کو کھلی آنکھوں نظر آنے لگتا ہے کہ یہ حقیقت ہے یہ دوسروں کے کلام میں یہ بات نصیب نہیں ہوتی ۔

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

(ملفوظ ۶۸۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انسان اپنی یاد اور ذہن و حافظہ ایمان اور عمل پر کیا ناز کرے ۔

اس کی ہستی اور وجود ہی کیا ہے یہ جو کچھ بھی ہے سب ان کا فضل اور عطا اور رحمت ہے بندہ پر کہ تمام نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ کیرانہ کا میرا واقعہ ہے کہ ایک کتاب پڑھنے میں مشغول ہو گیا جس سے عصر کی اذان نہ سنائی دی اور بادل تھا روشنی کا بھی اندازہ نہ ہوا اور اس بنا پر عصر کی نماز کا بھی وقت نکل گیا۔ مغرب کے وقت اپنے گمان میں عصر سمجھ کر مسجد میں گئے تو اذان ہوتے ہی اور حسب عادت فوراً جماعت کھڑی ہو گئی تعجب ہوا کہ کچھ بھی توقف نہ کیا آخر جب امام نے جہر کیا تب معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت ہے۔ خود تھانہ بھون ہی کا میرا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت گھر کا راستہ بھول گیا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے میں نے خود سنا ہے ورنہ یقین بھی نہ آتا فرماتے تھے کہ ایک روز خط کا جواب لکھا اور جب دستخط کرنے لگا اپنا نام بھول گیا یہ حقیقت ہے انسان کی جس پر یہ اس قدر نازاں ہے۔

(ملفوظ ۶۸۲) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بصیرت فی العلم کیلئے کسی بزرگ کی صحبت کی ضرورت ہے یعنی پہلے صحبت ہو اور اس کے بعد علوم حاصل کرے تو بیحد نافع ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے معدہ اگر اپنی اصلی حالت پر نہ ہو تو وہ لطیف سے لطیف غذا اور دوسری چیزوں کو باہر پھینکدیتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ پہلے طبیب سے معدہ کی اصلاح کرائے تب غذا کھائے تو نافع ہے۔

(ملفوظ ۶۸۳) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس طریق میں علاوہ اعمال کے جس قدر چیزیں ہیں اشغال و مراقبات سب کا درجہ تدابیر کا ہے اور یہ سب اعمال مقصودہ ہی کی معین سمجھکر اختیار کی جاتی ہیں ان کو بدعت کہنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص طبیب جسمانی کی تدابیر کو اسلئے بدعت کہے کہ یہ تدابیر قرآن وحدیث میں وارد نہیں حالانکہ محل بدعت کا افعال ہیں نہ کہ تدابیر۔ ایک نو عمر خاں صاحب یہاں پر آئے تھے چند روز یہاں پر رہکر وطن واپس ہو گئے اور مجھکو لکھا کہ مجھ میں کبر کا مرض ہے۔ یہاں کے زمانہ قیام میں میں نے ان کی حالت وسلامت طبع کا اندازہ کر لیا تھا۔ آدمی فہیم اور سمجھدار ہیں۔ میں نے ان کو لکھا کہ اس ہی مضمون کو پانچ خطوط میں لکھ کر میرے پاس بھیجدو میں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کے لئے یہ پانچ مرتبہ لکھنا بڑا مجاہدہ ہو اس سے مرض کا ازالہ ہو جائے گا ایسا ہی ہوا کہ انہوں نے پانچ مرتبہ سے بھی کم لکھا تھا مرض کا ازالہ ہو گیا۔ اب اس میں بدعت کی کونسی بات ہے کیونکہ یہ مثل دیگر تدابیر طبیہ کے ایک تدبیر تھی جس سے ایک اتنے بڑے خبیث مرض سے ایک مسلمان کو نجات مل گئی جو برسوں کے مجاہدہ اور ریاضات سے بھی میسر ہونا مشکل ہوتا ہے جو ایک سہل تدبیر سے حاصل ہو گئی۔

(ملفوظ ۶۸۴) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی ہر مجلس میں تنا کر دوں کا ایسا افادہ فرماتے تھے کہ جیسے شیخ اپنے مریدوں کا افادہ کیا کرتا ہے۔ اکثر باتیں اسی وقت کی دل میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ مولانا کی عجیب شان تھی بڑا جامع علم تھا۔ ایک مرتبہ کو مولانا نے شیطان کے کافر ہونے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ اس نے اپنی رائے کو خدا تعالیٰ کے حکم پر ترجیح دی اور حق تعالیٰ کے حکم کو خلاف حکمت

بتلایا اس طرح سے کہ افضل کو حکم دینا کہ مفضول کو سجدہ کرو۔ اسکو خلاف حکمت بتلایا۔ سبحان اللہ کیسے کام کی بات فرمائی۔ یہ اس پر فرمایا تھا کہ اسوقت وقف علی الاولاد کا مسئلہ بعض نیچریوں نے شائع کر کے اس کی مصلحت اور میراث کی مضرت کہ اس میں جائداد ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے بیان کر کے وقف کر نیکی رائے دی تھی۔ اور نواب صاحب چھتاری نے اس کی نقل بھیجکر استفتاء کیا تھا کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں اس پر ارشاد فرمایا تھا کہ فی نفسہ تو یہ وقف جائز ہے لیکن اس وقت جو اس محرک کے نزدیک اس کا منشاء ہے کہ میراث کے حکم شرعی کو مضر اور خلاف حکمت کہا جاتا ہے اس کے اعتبار سے اس پر عمل جائز نہیں اب میں کہتا ہوں کہ اگر شریعت نے اسی مصلحت سے یہ مسئلہ میراث کا مقرر کیا ہو کہ جائداد کے ٹکڑے ہو جائیں اور کوئی طاغی اور باغی دنیا دار نہ بنے تو آگے کلام کی گنجایش ہی نہیں رہتی۔

(ملفوظ ۴۸۵) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک روز میں نے شرح اسباب اس قصد سے دیکھی کہ اپنی کم خوابی کی کوئی تدبیر اس سے سمجھکر اس کا استعمال کروں مگر جتنے اسباب اس میں لکھے تھے سب کو اپنے اندر پایا اس لئے مقصود حاصل نہ ہوا۔ غور سے یہ سمجھ میں آیا کہ ہر سبب ہر درجہ میں مرض میں مؤثر نہیں بلکہ جو معتد بہ درجہ میں ہو اور اسکی تشخیص صرف ماہر فن کر سکتا ہے۔ اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ آجکل جو مدعیان عقل قرآن و حدیث کے سمجھنے کا دعوی کرتے ہیں وہ فضول سرگردانی کرتے ہیں اور اپنی حماقت اور جہل کا اظہار کرتے ہیں۔ ہر فن کے کچھ مبادی اور اصول ہوتے ہیں بدوں ان کی سمجھ میں آنا کارے دارد۔ حالانکہ یہ کتابیں خود ابھی محتاج دخل ہیں چنانچہ شرح اسباب میں غالباً لکھا ہے کہ ایک دن کے بخار سے ایک سال کی قوت جاتی رہتی ہے اب اس میں ایک بات یہ بھی لکھنے سے رہ گئی کہ اسی طرح بعد صحت ایک دن میں ایک سال کی آ جاتی بھی جاتی ہے یہ میرے نزدیک شرح اسباب میں کمی ہے۔ اسی طرح کتب طبیہ میں قوت قلب کے لئے اموال کا مالک ہونا اور بچوں سے دل بہلانا قابل اضافہ ہے۔ ایک طبیب مجلس میں بیٹھے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت شیخ نے مال کے مالک ہونے کو تو لکھا ہے۔ فرمایا چلو ایک بات رہی بچوں سے دل بہلانے کی اسکو بھی کہیں سے نکالو یہ بھی ضروری چیز ہے اور شرح اسباب میں ہونا چاہئے جب کتب طبیہ کہ ان میں دخل کی گنجایش ہے غیر ماہر کی سمجھ میں نہیں آتی تو جس شریعت میں کسی کے دخل کی بھی گنجایش نہیں اس میں کوئی محققیت کا دعوی کرے بجز نادانی کے کیا کہا جاوے

(ملفوظ ۴۸۶) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نرا ترجمہ مقصود سمجھنے کیلئے کافی نہیں ہوتا انگریزی میں ایک شخص نے لفظ عبد اللہ کا ترجمہ کیا تھا اوبے ڈلا اور اخبار میں چھپا کرتا تھا۔ ایک انگریز کا بچہ بیمار ہوا ڈاکٹر نے انگریزی میں گدھی کا دودھ بتلایا اسنے خانساماں کو سمجھانے کیلئے ڈکشنری دیکھی اس میں اس لفظ کا ترجمہ گدھا لکھا تھا اس نے خانساماں سے کہا کہ ایک گدھا لاؤ وہ ایک نر خرید کر لے گیا تو میم صاحبہ کہتی ہیں کہ یہ نہیں یہ تو صاحب کا موافق ہے۔ ہمارا موافق لاؤ گدھی لاؤ۔ میں ایک مرتبہ ڈھاکہ گیا نواب سلیم اللہ

خاں صاحب نے مدعو کیا تھا انہوں نے میری تفسیر بیان القرآن کو منگانے کیلئے میری معرفت سہارنپور تار دیا وہاں اس کا ترجمہ کیا گیا لوہے کا کنواں۔ سہارنپور والوں نے مجھکو لکھا کہ کیا لوہے کے کنویں سے مراد نل ہے اور کتنا عرض اور طول ہو۔ ایک انگریز حاکم کے پاس ایک مسلمان پیشکار تھے یہ دفتر میں پہنچے وہ انگریز ان کو دیکھ کر کہنے لگا کہ تم آج موٹا فکیر ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں حضور نہ میں موٹا ہوں پتلا دبلا ہوں اور نہ فقیر ہوں اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہے تو کہتا ہے کہ ہم کہتا ہے کہ تم موٹا فکیر معلوم ہوتا ہے انہوں نے پھر یہی جواب دیا جھلا گیا کہ تم نہیں سمجھا اور ایک کتاب اٹھا کر لاکر اور وہ مقام کھول کر ان کے سامنے رکھا کہ ہم یہ کہتا ہے اس میں متفکر لکھا تھا تو متفکر کی یہ گت بنی کہ موٹا فکیر ہو گیا تب انہوں نے کہا کہ حضور یہ تو متفکر ہے کہ ہاں ہاں، ہم یہی کہتا تھا تم سمجھا نہیں وہ بیچارے سمجھتے ہی کیا،،

ایک انگریز کے اجلاس میں ایک گائے کا مقدمہ پیش ہوا دو شخصوں میں اس پر جھگڑا تھا دکلا نے انگریز کو معاملہ سمجھایا۔ انگریز نے کہا کہ اس گائے کو عدالت کے سامنے حاضر کرو اجلاس دو منزلہ پر تھا دکلاء نے کہا کہ وہ یہاں پر نہیں آسکتی کہا کیوں نہیں آسکتی سب سب آتے ہیں وہ کیوں نہیں آسکتی تب دکلاء نے اس کو اوپر سے دکھلایا بہت ناراض ہوا اور کہا کہ تم گائے گا لے کہتا ہے یوں کیوں نہیں کہتا کہ بیل صاحب کا بیم صاحب۔

(ملفوظ ۴۸۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حکومت والی قوم کی عالی ظرفی جو صلہ خداداد ہوتا ہے کسی کے بنائے تھوڑا ہی بنتی ہے یا نصیب ہوتی ہے۔ ایک ترک طواف کر رہے تھے ایک شخص نے جیب کاٹ لی۔ ہاتھ پکڑ کر ایک چپت رسید کیا اور گنی چھین لی اور پھر طواف شروع کر دیا اور ایک حرف زبان سے نہیں کہا یہ عالی ظرفی تھی۔ آخر کوئی بات تو ان کے اندر ہوتی ہے کہ حکومت کی خدمتیں ان کے سپرد ہیں اور ہم ان سے محروم ہیں۔

(ملفوظ ۴۸۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ حرم شریف میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ اولیاء اللہ ہر وقت حاضر رہتے ہیں غالباً مراد اکثر اوقات ہوں گے پھر حضرت نے خود اپنی ایک حکایت بیان فرمائی کہ مجھکو ایک بار کوئی باطنی اشکال پیش آیا جس سے میں پریشان ہو گیا آخر میں حرم شریف میں گیا وہاں پہونچکر میں نے دل ہی میں کہا کہ تم تین سو ساٹھ کسی مرض کی دوا بھی ہو یہ خیال آنا تھا کہ ایک شخص آئے اور مجھ پر نظر کی اور وہ اشکال رفع ہو گیا۔

(ملفوظ ۴۸۹) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے فن کے امام تھے مجتہد تھے، مجدد تھے محقق تھے۔ حضرت کی ذات بابرکات سے عالم کو بڑا فیض ہوا۔ بے شمار گم کردہ راہوں کو راہ مل گئی۔ حضرت کی بدولت فن سلوک کی درسگاہیں کھل گئیں آپ کی دعا کی برکت سے صدیوں کا مردہ طریق زندہ ہو گیا اب صدیوں ضرورت نہیں اور رجب ہو گی حق تعالیٰ اور اپنے کسی خاص بندے کو پیدا فرما دیں گے

(ملفوظ ۶۹۰) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جھک مارتے ہیں جو ایسا کہتے ہیں کہ شریعت اور طریقت دو چیزیں ہیں۔ ایک ہی چیز ہے مگر سہولت تعبیر کے لئے اصطلاحاً اعمال ظاہرہ کے احکام کو شریعت کہتے ہیں۔ اور اعمال باطنہ مامور بہا کے احکام کو طریقت۔ یہ صوفیہ کی اصطلاح ہے جو محض سہولت تعبیر کے لئے الگ الگ نام رکھ لیا ہے اس اعتبار سے دو کہہ سکتے ہیں لیکن ان جاہلوں کی جو مراد ہے کہ دونوں میں تنافی بھی ہو سکتی ہے یہ جہل محض ہے یہ تو جاہلوں کی غلطی تھی اور آجکل ایک غلطی میں اہل علم تک مبتلا ہیں کہ اوراد اور وظائف کو طریق سمجھتے ہیں اور کیفیات کو ثمرہ جو محض غلط ہے نہ اوراد و وظائف طریق ہیں اور نہ کیفیات ثمرہ بلکہ اعمال طریق ہیں اور مقصود رضاء حق ہے اس سے آگے تحریف ہے ان ہی باتوں کی بدولت تو طریق بدنام ہوا اور اس میں لوگوں کو شبہات پیدا ہوئے۔

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(ملفوظ ۶۹۱) حضرت والا نے اپنے ملازم سے فرمایا کہ دوات میں ڈالنا ہے حوض سے پانی لے آؤ وہ کٹورا بھر لائے اس پر فرمایا کہ دوات کے تناسب سے پانی لانا چاہئے تھا اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ سفر میں ایک حسین لڑکی پر ایک باوجاہت آدمی نے دعویٰ کیا کہ یہ میری لڑکی ہے اور تھی وہ ایک غریب قوم کی لڑکی وزیر کے یہاں مقدمہ آیا اس نے طرفین کا بیان سن کر عجیب فیصلہ دیا۔ اس لئے کہ شہادت دونوں طرف نہ تھی مسافر تھے سفر کا معاملہ تھا۔ وہ فیصلہ یہ کیا کہ وزیر نے لڑکی سے کہا کہ ہم دوات میں پانی ڈالیں گے وہ ایک بڑا کٹورا بھر کر لائی وزیر نے کہا کہ یہ لڑکی اس غریب کی ہے اس لئے کہ یہ دوسرا شخص لکھا پڑھا آدمی ہے کیا اس نے کبھی دوات کیلئے لڑکی سے پانی نہیں مانگا ہو گا اگر یہ اسکی لڑکی ہوتی تو بقدر ضرورت پانی لاتی عجیب فیصلہ ہے۔ اور گو صرف اتنا شرع میں کافی نہیں لیکن اس کے بعد جھوٹا آدمی بالآخر اقرار کر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اقرار شرع میں حجت ہے۔

(ملفوظ ۶۹۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان عورتوں کا بھی عجیب طبقہ ہے۔ ان کی باتوں کے نہ کہیں سر ہوتا ہے نہ پیر ہانکنے سے غرض۔ میں نے ایک بار دیوبند میں عورتوں کے جلسہ میں عورتوں کے عادات و رسوم کے متعلق بیان کیا بعد وعظ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ عورتیں بہت ہی حیرت میں ہیں کہ ان کو ہمارا کچا چٹھا کس طرح معلوم ہو گیا کہ یہ ایسا کرتی ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کو یہ جواب دینا کہ میں بھی تو گھر والا ہوں اور گھر میں عورتیں ہیں اگر میں بے گھر ہوتا تو تعجب کی بات تھی۔ کچھ رسوم دیکھنے سے معلوم ہوئیں کچھ

تجربہ کار بیبیوں سے پوچھ کر اسی سے اصلاح الرسوم مرتب ہو گئی۔ ایک شخص نے اصلاح الرسوم کے متعلق تماشا کیا کہنے لگے کہ مجھکو پہلے رسوم کے ادا کرنے میں بڑی دقت ہوتی تھی عورتوں سے پوچھنا پڑتا تھا اور اب اصلاح الرسوم دیکھ کر سب رسوم کو پوری کر لیتے ہیں۔ عجیب ذہین آدمی تھے۔

(ملفوظ ۶۹۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں جوان متکبرین کے ساتھ ایسا ضابطہ کا برتاؤ کرتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ملانوں کو ذلیل سمجھتے ہیں میں ان سے اکثر پوچھا کرتا ہوں کہ حکام کے ساتھ بھی تم ایسا برتاؤ کر سکتے ہو۔ کہتے ہیں کہ نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیوں؟ کہتے ہیں کہ وہاں ڈر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں محبت کا دعویٰ ہے۔ محبت میں تو اور بھی رعایت کی ضرورت ہے محبت کے حقوق تو سب سے بڑھکر ہیں۔ نیز ڈر کے موقع پر تو بے احتیاطی کرنے سے اپنے ہی کو تکلیف ہو گی اور محبت کے موقع پر محبوب کو۔

(ملفوظ ۶۹۴) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تعجب ہے تاجر کو تجارت کا معاملہ کر کے کوئی حقیر نہیں سمجھتا اور نوکر کو نوکری کے معاملہ میں حقیر سمجھتے ہیں حالانکہ مقتضا انصاف اور عقل کا یہ ہے کہ جب ہم تاجر کو حقیر نہیں سمجھتے تو نوکر کو کیوں حقیر سمجھیں تاجر کی ساتھ بھی عقد معاوضہ ہے اور نوکر کے ساتھ بھی عقد معاوضہ صرف فرق یہ ہے کہ تجارت میں معقود علیہ اعیان ہیں اور نوکری میں منافع۔ سو اس کو تحقیر میں کیا دخل پھر اس کو حقیر سمجھنے کا حق کیا ہے۔

(ملفوظ ۶۹۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر ملانوں کے ذلیل سمجھنے کی وجہ کچھ نہ پوچھو یہ خود بھی ذلیل ہوئے انہوں نے دنیا داروں کی چاپلوسی اور خوشامد میں بھی حد ہی کر دی ان لوگوں سے اپنی اغراض کو وابستہ سمجھکر یہ طرز تملق کا اختیار کیا اس لئے ذلیل ہوئے اب تو ذلیل سے ذلیل آدمی بھی ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ یہ تمام خرابی حب دنیا کی ہے۔

(ملفوظ ۶۹۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ احکام کی چند قسمیں ہیں۔ ایک دیانات جیسے نماز ہے روزہ ہے زکوٰۃ ہے۔ حج ہے۔ دوسری معاملات جیسے لین دین ہے بیع و شرا ہے اور یہ سب احکام خداوندی ہیں مگر لوگوں نے ان کو فہرست سے نکال ہی دیا حالانکہ جزو دین ہے لیکن اس کی لوگوں کو قطعاً پرواہی نہیں نہ اس پر عمل ہے نہ اس کا احساس ہے صرف چند چیزوں کا نام دین رکھ لیا ہے کس قدر ظلم کی بات ہے کہ گویا شریعت مقدسہ میں کتر بیونت شروع کر دی اور یہ سب نیچریت کے غلبہ کا اثر ہے خدا اس کو ناپید کرے اس کی بدولت بڑی گمراہی پھیلی۔

(ملفوظ ۶۹۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انگریزی خوان کثرت سے بد تہذیب ہوتے ہیں۔ ایک ایسے ہی صاحب مجھکو لکھتے ہیں کہ فلاں مسئلہ کی اگر اس طرح تحقیق بیان کی جاتی تو بہت زیادہ مناسب تھا۔ میں نے لکھا کہ اس میں دو ہی صورتیں ہیں یا تو آپ کے نزدیک میں اس تحقیق کو جانتا ہوں یا نہیں جانتا

اگر جانتا ہوں تو آپ نے اپنی تحقیق کا اظہار کیوں کیا اور اگر نہیں جانتا تو بیں تحقیق ہی کیا بیان کر سکتا ہوں جبکہ جانتا ہی نہیں کیونکہ دوسرے کے مجملاً بتلانے سے مہارت و بصیرت نہیں ہو سکتی لہذا جو جانتا ہو اس کے پاس یہ خط بھیجو اس کے بعد ایک سوال کا بھی جواب نہیں دیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بدفہم سے پیچھا چھوٹا۔ اعتراض کرنا کون مشکل ہے مشکل تو کام کرنا ہے اعتراض کرنے میں تو صرف زبان ہلانی پڑتی ہے۔ ان بدفہموں کو تو ایسے ہی خشک جواب دینے چاہئیں تاکہ ان کی روشن دماغی ڈھیلی ہو۔ آجکل علماء نے ان کو رعایتی جواب دے دیکر ان کے دماغ خراب کر دیئے حالانکہ ان میں سوال کرنے کی بھی تو قابلیت نہیں سوال کرنے کے واسطے بھی تو نصف علم کی ضرورت ہے۔ پھر اپنے کو عقلمند اور دوسروں کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔ ایسے خر دماغوں پر میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ طالب علموں میں بھی اسپ تازہ نہیں۔ ایک شخص نے باوجود ہندوستانی ہونے کے بلاضرورت انگریزی میں خط لکھا میں نے جوں توں پڑھوا کر عربی میں جواب لکھا جس کا پڑھنے والا بھی ان کو میسر نہیں ہوا۔ دماغ ٹھیک ہو گیا پھر اردو میں خط آیا اور معذرت چاہی۔ اور یہ مرض لیاقت بگھارنے کا تو اب عربی طلباء میں بھی پیدا ہو گیا ہے۔ ایک عربی خواں نے بلاضرورت مجھ کو عربی میں خط لکھا میں نے اس کی مصلحت پوچھی۔ جواب دیا کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے میں نے لکھا کہ کیا اگر تم یہاں آؤ گے تو قسم کھا کر لکھو کہ تب بھی عربی ہی میں گفتگو کرو گے۔ بس سیدھے ہو گئے یہ کمبخت مرض جاہ کا عالمگیر ہو گیا ہے۔ کثرت سے ہر طبقہ کے لوگوں کو اس میں ابتلا ہو گیا ہے مگر الحمدللہ یہاں پر تو اچھی طرح خبر لی جاتی ہے۔ اور دوسری جگہ یہ بات نہیں۔ بس یہی وجہ ہے کہ مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے۔ اب دیکھئے یہ حب جاہ ہی کے تو کرشمے ہیں کہ مخلوق الکشنوں اور ممبریوں کیلئے ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کرتے ہیں زکوٰۃ کا ایک پیسہ دیتے ہوئے دم نکلتا ہے۔ نیز علاوہ روپیہ کے وقت بھی صرف کرتے ہیں راتوں اور دنوں کا آرام جاتا رہتا ہے دربدر ذلیل و خوار ہوتے پھرتے ہیں سو یہ مرض واقعی بڑا ہی سخت مرض ہے۔ ایک مرتبہ میرے پاس قصبہ کی سرپنچی کے متعلق کلکٹر کا خط آیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں اس کے لئے ہندو مسلمانوں میں اختلاف تھا ایک ہندو ڈپٹی کلکٹر نے کلکٹر کو یہ رائے دی کہ اس کو (یعنی مجھ کو) تجویز کر دو کسی کو اختلاف نہ ہو گا چنانچہ اس نے فریقین کی رضائے کر خط بھیجدیا۔ میں نے لکھدیا۔ میں آپ کی عنایت کا شکر گزار ہوں لیکن میرا نشوونما ذہبی فضا میں ہوا ہے مجھ کو ایسی چیزوں سے مناسبت نہیں اس لئے معذور رہوں۔

(ملفوظ ۶۹۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص دین کا کام دین کی غرض سے نہ کرے بلکہ راحت کی غرض سے کرے تب بھی راحت ضرور ملے گی گو یہ نیت خلاف اخلاص کے ہے بخلاف اس کے دنیا کے کہ اس میں کسی صورت سے بھی راحت اور چین نصیب نہیں ہوتی مشاہدہ ہے کہ شریعت پر عمل کرنے سے قلب میں قوت ہوتی ہے اور شریعت کے خلاف کرنے سے قلب میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

زمانۂ غدر میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہوئے تو بہت سخت پہرہ تھا ایک روز ننگی تلواروں کے پہرہ کا حکم ہوا تو خادموں کو بہت تشویش ہوئی فرمایا کہ پہلے جو نیام میں تھی ایک منٹ میں اس سے باہر ہو سکتی تھی۔ تو اس میں اور اس میں فرق کیا ہے۔ حضرت کے قلب پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا یہ صرف شریعت مقدسہ پر عمل کرنے کی برکت ہے۔

(ملفوظ ۴۹۹) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بدون تعلق حق کے راحت کا میسر ہونا مشکل ہے اسکو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر گریزی بر امید راحتے — ہم ازانجا پیشت آید آفتے !
ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست — جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

دنیا دار کو کبھی راحت نصیب نہیں ہو سکتی اور اس راحت سے مراد حقیقی راحت مراد ہے یہ اہل اللہ ہی کو نصیب ہوتی ہے دنیا دار تو اگر ساری عمر بھی سر پٹک پٹک کر مر جائے تب بھی یہ چیز کہاں نصیب۔ اس کا راز یہ ہے کہ یہ حضرات اہل اللہ ہر بات پر راضی رہتے ہیں اس لئے انکو کوئی کلفت نہیں ہوتی اور دنیا دار کو یہ ہمت نہیں ہوتی۔

(ملفوظ ۵۰۰) ایک مولوی صاحب زمانۂ تحریک میں پانی پت میں ملے۔ تحریک خلافت پر کچھ گفتگو کرتے رہے مجھ سے محبت کرتے ہیں اور اس طرف بھی نہایت سرگرم ہیں سو ان کا معاملہ درجۂ اختلاف ہی تک ہے خلاف کا درجہ نہیں اسلئے مجھکو بھی ان سے ذرہ برابر خلش نہیں۔ کہنے لگے کہ آپ اخبار وغیرہ نہیں دیکھتے اسلئے واقعات سے بیخبری ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے تو آپ اخبارات سے واقعات کا اقتباس کر کے میرے پاس بھیجدیا کریں مجھکو معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ خبردار ہو جاؤں گا۔ کہنے لگے کہ لکھ کر بھیجنا احتیاط کے خلاف ہے۔ میں نے کہا کہ میری احتیاط یا آپ کی احتیاط۔ کہنے لگے کہ آپ کی۔ میں نے کہا کہ میری احتیاط کے کچھ خلاف نہیں اگر ایسا خط پکڑا گیا میں کہدوں گا کہ میں نے کسی کو تھوڑا ہی کہا تھا کہ میرے پاس بھیجا کر دیری دشمنی میں بھیجدیا۔۔۔ اس جواب کے بعد میرا کوئی نقصان نہ ہوگا اور آپ کو جو خطرہ ہے سو آپ اس کے لئے تیار ہیں پھر وہ احتیاط کس کی رہی۔ بس رہ گئے۔ تمام شجاعت ختم ہو گئی۔ اسی طرح اسی سلسلہ میں فلاں مولوی صاحب دہلی سے آئے مجھ سے کہا کہ میں تنہائی میں کچھ کہوں گا۔ میں نے کہا کہ تنہائی میں گفتگو کرنے میں میرے لئے خطرہ ہے کہ میں مشتبہ ہو جاؤں گا اور میں اس کے لئے آمادہ نہیں اور جلوت میں گفتگو کرنے میں آپ کیلئے خطرہ ہے اس لئے کہ آپ خلاف حکومت باتیں کریں گے مگر اس خطرہ کے لئے آپ تیار ہیں۔ بس رہ گئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہر چیز کا ضروری جواب قلب میں پیدا فرما دیا ہے کہیں گاڑی نہیں اٹکتی۔

(ملفوظ ۵۰۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مسلمانوں کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ وہ دوسری قوموں کی روش اختیار کریں یا ان کی تدابیر ترقی کو اپنا ذریعہ ترقی بنائیں یا ان سے کسی قسم کی امداد کے خواہاں ہوں۔ بڑے

غیرت کی بات ہے ان کو تو حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے مشروع تدابیر کو اختیار کرنا چاہئے اپنے سلف کے کارناموں کو پیش نظر رکھنا چاہئے اسی میں ان کی خیر اور فلاح و بہبود ہے جو سبق مسلمانوں کو دیا گیا ہے اس میں قوت بھی ہے شجاعت بھی ہے سب کچھ ہے۔ اس میں ہم کو یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ سامان سے غلبہ نہیں ہوا کرتا بلکہ غلبہ ہوتا ہے قوت قلب سے اور قوت قلب میسر ہوتی ہے خدا کے ساتھ تعلق بڑھانے سے اور خدا کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے ان کے احکام کے اتباع کرنے سے ان کی بتلائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے وہ سبق یہ ہے مگر مسلمانوں کے قلوب میں اس چیز کو کیسے اتار دوں میں خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر بالاتفاق سب مسلمان احکام حق پر عمل پیرا ہو جائیں اور ان کے راضی کرنے کی سعی اور کوشش میں لگ جائیں تو چند روز میں انشاء اللہ تعالیٰ کایا پلٹ ہو جائے اور اگر بہ نیت اتباع ایسا نہ کریں تو ایک تدبیر ہی کا درجہ سمجھ کر کے دیکھ لیں آخر اور بھی تو تدابیر کر رہے ہو ایک یہ بھی سہی تمہارا مقصود تو یہ ہے کہ مقاصد میں کامیابی نصیب ہو سو جبکہ تمہاری خود ساختہ پرداختہ تدابیر میں اب تک کامیابی نہیں ہوئی تو اللہ اور رسول کی بتلائی تدابیر کو تدابیر ہی کی نیت سے کر کے دیکھ لو کہ کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے اگر کامیابی نہ ہو گی تو چھوڑ دینا پھر بھی تو اختیار میں ہو گا کوئی امر محال نہ ہو گا لیکن کر کے دیکھو تو کرنے سے پھانسی کیوں لگتی ہے مرے کیوں جاتے ہو کوئی بکڑ کر تھوڑا ہی بٹھلا لے گا۔ بہت دنوں تک بتوں کی پرستش کر کے تجربہ کر لیا اب ذرا خدا کو بھی پوجکر دیکھ لو اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش — آزموں را یک زمانے خاک باش

ان کی رحمت کی تو اپنے طرف متوجہ ہونیوالوں کی ساتھ وہ شان ہے کہ ایک شخص عرصہ طویل سے بت کے سامنے بیٹھا ہوا صنم صنم پکار رہا تھا ایک روز بھولے سے منہ سے صمد نکل گیا فوراً آواز آئی لبیک یا عبدی لبیک یعنی کیا کہتا ہے میرے بندے میں موجود ہوں اس نے جوش میں اٹھکر بت کے ایک لات رسید کی اور کہا کہ کمبخت عمر کا ایک بہت بڑا حصہ تجھکو پکارنے میں گذر گیا لیکن کبھی جواب نہ دیا آج اس سچے خدا وحدہ لاشریک لہ کا نام بھولے سے زبان سے نکل گیا فوراً جواب ملا سو وہ تو بڑی رحیم اور کریم ذات ہے جس کو تم بھلا رہے ہو اور اس سے تعلق کو کم کر رہے ہو۔ کوئی انگریزوں کی بغل میں جا کر گھستا ہے کہ ان کے پاس ہماری فلاح اور بہبود کے اسباب ہیں ان کی سی بول چال ان کا سا لباس ان کی سی معاشرت اختیار کرتا ہے کوئی ہندوؤں کی بغل میں جا کر گھستا ہے کہ ان کے ساتھ رہنے میں ہماری فلاح اور بہبود ہے انکے ساتھ شریک ہو کر احکام اسلام تک کو پامال کر لینے کو تیار ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ایمان تک ان کی نذر کر دیا مگر رہے کورے کے کورے نہ انگریزوں سے کچھ ملا اور نہ ہندوؤں نے کچھ دیا۔ اس چودھویں صدی میں ایک اور نیا غوث ظاہر ہوا اسکو کہتے ہیں کہ بہت بڑا عاقل اور بیدار مغز ہے۔ بد عقل بد فہم بد دین کو عاقل سمجھتے ہیں۔ ہوا کیا یہ تجربہ اور مشاہدہ نہیں ہوا کہ کتنا بڑا عاقل ہے اور کیسا بیدار مغز ہے ملک کو تباہ کرا دیا

مخلوق کو خراب اور برباد کر دیا۔ لوگوں نے چالاکی کا نام عقل رکھا ہے تم بھی تو بڑے عاقل ہو کر اس کی آواز پر لبیک کہکر ساتھ ہوئے افسوس مسلمانوں میں شرم و حیا غیرت بھی تو نہ رہی اور عوام کی شکایت ہی کیا جبکہ ان کے راہبر جو ان کے سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے ہیں جن کے ہاتھ میں انکی تکمیل ہے یعنی لیڈر وہی پھسل گئے انہوں نے بھی اسی کا وظیفہ رٹا اور ان کے ساتھ ملکر ان کے ہم خیال مولویوں نے اس کی ہر بات کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنا شروع کر دیا جیسے کہ حج بمعنی فتح کے ہو گیا یہ دین ہے اللہ بچائے جب غرض سامنے آجاتی ہے پھر ثابت قدم رہنا بڑا ہی مشکل ہے۔ اللہ کا جن پر فضل تھا وہ تو ان خرافات سے محفوظ رہے حق تعالیٰ مسلمانوں کو فہم سلیم اور عقل کامل عطا فرمائیں۔

۱۲ / جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہارشنبہ

(ملفوظ ۶۰۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علم بھی خداداد عطا ہے اور اس علم سے مراد علم حقیقی ہے اللہ تعالیٰ جس کو بھی یہ علم حقیقی فرما دیں بڑی دولت ہے بڑی نعمت ہے اور وہ اس علم ظاہری مکتسب کے بھلا دینے کے بعد عطا ہوتا ہے جس کی یہ شان ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

اور بھلانے سے مراد اس کے دعوے کا ترک کر دینا ہے۔

(ملفوظ ۶۰۳) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علم ظاہر کیا کچھ کم نعمت ہے۔ یہ بھی بڑی نعمت ہے ظاہر ہے کہ تمام احکام شرعیہ اسی پر موقوف ہیں اور یہ آجکل کے علوم معاش جن کو علوم کہا جاتا ہے یہ تو صنعتیں ہیں علوم نہیں نہ ان کو علوم کہنا جائز ہے علوم سے تو کبھی کسی غیر مسلم اقوام کو مناسبت نہیں ہوئی۔ علوم سے مناسبت تو ہر زمانہ میں مسلمانوں ہی کو رہی اور اب بھی یہی بات ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ زمانہ قریب میں ہندوستان میں جیسے علماء گذرے ہیں خیال یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں بھی ایسے علماء نہ گذرے ہوں فرمایا کہ تم تو پہلا ذکر کر رہے ہو۔ میں اب کا واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ایک مولوی صاحب بردوانی حج کو گئے تھے بعض علماء نجد سے ملاقات ہوئی تو کسی حدیث کا ذکر آیا۔ نجدی عالم نے پوچھا کہ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ آئی ہے تو ان بردوانی مولوی صاحب نے فوراً کہا کہ سات جگہ آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ انکو پہلے سے کیا معلوم تھا کہ کس حدیث کا ذکر آئے گا تاکہ احتمال ہو کہ پہلے سے تلاش کر رکھا ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بخاری کے حافظ تھے۔ نجدی عالم کو حیرت ہو گئی کہ ہندوستان میں بھی ایسے ایسے

علما موجود ہیں۔ ایک سلسلہ میں ان ہی بردوانی مولوی صاحب کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے مجھکو ایک خط میں لکھا تھا کہ مجھکو سب سے زیادہ محدثین سے محبت ہے۔ پھر فقہاء سے پھر صوفیہ سے اس کے بعد حج کو گئے وہاں اہل نجد کی سختی کو دیکھ کر مجھکو لکھا اس میں بڑی بڑی شکایتیں لکھیں میں نے لکھا کہ ان میں جس چیز کی کمی سے سختی ہے یہ وہی ہے جس کو آپ نے تیسرے درجہ میں رکھا ہے یعنی صوفیت اور میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اپنا اپنا مذاق ہے۔ میرا مذاق بالکل اس کے برعکس ہے مجھکو سب سے زیادہ محبت صوفیہ سے ہے۔ دوسرے درجہ میں فقہاء سے تیسرے درجہ میں محدثین سے۔ یہ مولوی صاحب صوفیوں کے معتقد نہ تھے یہاں تک اس باب میں سخت تھے کہنے لگے کہ میں کسی کا معتقد نہیں۔ محض حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد ہوں وہ بھی اس لئے کہ اشرف علی ان کا معتقد ہے ورنہ ان کا بھی معتقد نہ ہوتا صرف مجھ سے حسن ظن رکھتے تھے بلکہ اس حسن ظن میں یہاں تک غلو تھا کہ کہا کرتے تھے دنیا میں کوئی اور ایسا شخص نہیں۔ اپنا خیال ہے جو چاہے جما لے۔ اسی خیال پر ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ بھوپال میں میرا وعظ ہوا تھا۔ اس میں وہاں کے کالج کا پرنسپل جو ہندو مرہٹہ تھا اور ولایت سے بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر چکا تھا شریک ہوا۔ وعظ کو سنکر اپنی رائے ظاہر کی کہ تعجب ہے کہ بیان کے وقت نہ کوئی نوٹ ہاتھ میں تھا سب بیان از بر تھا جیسے کوئی کتاب سامنے رکھی ہو۔ دوسرے تمام مضمون مرتبط تھا اور کوئی دعوی ایسا نہ تھا جس پر دلیل نہ قائم کی ہو۔ پھر اتنے گھنٹے تک بیان کرنا۔ میں نے ولایت میں بڑے بڑے فلاسفروں اور لیکچراروں کی تقریریں سنیں بڑے بڑے ارکان سلطنت کو بیان کرتے دیکھا مگر نوٹ سب کے ہاتھوں میں دیکھے ان کو دیکھ کر بیان کرتے تھے۔ یہ بات میں نے کسی میں نہیں دیکھی۔ میں نے سنکر کہا کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے اور اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت ہے۔ ہم کیا اور ہمارا وجود اور ہستی کیا مگر اس سے یہ ضرور کہو کہ اب تو معلوم ہوا کہ علماء کیا چیز ہیں اور میں تو محض ایک ناقص الاستعداد طالب علم ہوں اگر یہ کسی عالم کو دیکھے تو معلوم ہو۔ پھر اپنے بزرگوں کے برکات کے متعلق بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم چند طلبہ سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ تم لوگ جہاں جاؤ گے ان شاء اللہ تم ہی تم ہو گے میدان خالی ہے وہ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا تو یہ سب کچھ ان ہی بزرگوں کی دعاؤں کی برکت ہے۔ ایک جگہ میں محض آرام کرنے کے لئے گیا تھا۔ لوگوں نے وعظ کی درخواست کی میں نے کسل کا عذر کیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بیچارہ وعظ کہنا کیا جانے اس کے جو وعظ چھپے ہیں خواجہ صاحب لکھ کر دیدیتے ہیں اور یہ چھپوا دیتے ہیں مگر دوسرے بعض خاص دوستوں کے اصرار سے بیان ہوا اور یہ بات وعظ کے بعد مجھکو معلوم ہوئی اگر پہلے معلوم ہو جاتا تو میں وعظ نہ کہتا تاکہ لوگ اپنے اسی خیال میں رہیں۔ غرض وعظ ہوا اور یہ وعظ خواجہ صاحب کے بڑے بھائی نے اصرار کر کے کہلوایا تھا۔ وعظ میں ایک ہندو انجینیر بھی جو ان کا دوست تھا شریک تھا۔ وعظ کے بعد اس ہندو سے انہوں نے سوال کیا کہ بیان کے متعلق کیا رائے ہے اس نے کہا کہ رائے تو ہر سننے والا قائم کر سکتا ہے

مگر میں تو شروع وعظ سے ایک ہی چیز میں محوِ حیرت رہا اور کسی چیز پر نظر ہی نہیں ہوئی وہ یہ کہ رمضان کی وجہ سے روزہ کا بیان تھا جو خاص ایک مذہبی چیز ہے نہ سیاست ہے نہ کوئی فلسفہ ہے۔ پھر بیان کرنے والا بھی ایک مذہبی آدمی ہے سننے والے بھی مذہبی مگر بیان ایسا جامع تھا کہ اگر تمام دنیا کے اہل مذاہب مجلس میں جمع ہوتے اور بیان کرنے والے کی صورت نہ دیکھتے جس سے اس کا مسلمان ہونا معلوم ہو جاتا محض آواز سنتے تو ہر مذہب والا یہ سمجھتا ہے کہ اس میں ہمارے ہی مذہب کی تحقیق بیان ہو رہی ہے اس ہندو نے یہ بیان کیا۔

(ملفوظ ۵۰۴) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فن تصوف محض تحقیقات سے نہ آجتک کسی نے حاصل کیا اور نہ یہ قاعدہ ہے یہ آتا ہے کام کرنے سے محض زبانی جمع خرچ اور سنانے سے نہیں آیا کرتا یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ ہاں اصول و قواعد کے حاصل کرنے کے بعد پھر یہ تحقیقات اور سننا اور سنانا مناسبت میں معین ہو جاتا ہے اس لئے میں اپنے دوستوں کو ہمیشہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ کام میں لگو کام کرو سب ضروری معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ ہر کام کا ایک طریقہ ہے قاعدہ ہے۔ اصول ہیں۔ شرائط ہیں۔ آخر دوسرے علوم بھی تو طریقہ ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں اس طریقہ سے اس میں فرق کیا ہے۔

(ملفوظ ۵۰۵) ایک صاحب یورپ کی تحقیقات اور ترقی اور اس میں تغیر اور تبدل کا ذکر کر رہے تھے اس پر فرمایا کہ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ کن چیز صرف وحی ہے ورنہ اور چیزیں تو اس رنگ کی ہیں کہ آج کچھ کل کچھ ظلمات ہی ظلمات ہیں جن میں حقیقت مستور رہتی ہے دیکھئے اتنا زمانہ گذر گیا وحی میں کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا۔

(ملفوظ ۵۰۶) ایک سلسلۂ گفتگو میں ایک عالم بزرگ کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ ضرورت سے زیادہ بھولا پن بھی مضر ہے وہ جیسے صدور شر سے محفوظ رکھتا ہے کہ وہاں تک ذہن نہیں پہونچتا ایسے ہی بعض خیر سے بھی محروم رکھتا ہے کہ اس کا ادراک نہیں ہوتا دونوں میں عقل ہی کی ضرورت ہے۔

(ملفوظ ۵۰۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اولاد کے ثمرات جو بھگتتے ہیں وہ جانتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ تمہاری خالہ تمہارے لئے اولاد کی دعا کرنے کو کہتی تھیں۔ میں نے کہدیا کہ میں دعا کر دوں گا لیکن میں تمہارے لئے اسی حالت کو پسند کرتا ہوں جیسا کہ میں خود ہوں یعنی بے اولاد سامان سب کچھ ہوئے مگر چاہا ہوا بڑے میاں ہی کا ہوا اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ خاص معاملہ تھا وہ کہاں ٹل سکتا تھا۔

(ملفوظ ۵۰۸) ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ کونسی ایسی غامض اور باریک بات تھی جس کا تم جواب نہ دے سکے۔ میں یہی تو معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کے روز قیام رہیگا اس پر تم نے اس قدر اینچ پینچ کیا اور صاف نہ بتایا۔ اب کہاں تک صبر کر دں اور کب تک مزاج میں تغیر نہ ہو مجھکو تو بدنام کیا جاتا ہے

کہ سخت گیر ہے۔ بدخلق ہے۔ اپنی نرم گیری اور خوش اخلاقی کو کسی سے ظاہر نہیں کرتے۔ پھر سننے والے ایسے انصاف پسند اور منصف مزاج مل گئے ہیں کہ ایک طرفہ بیان سن کر فیصلہ دیدیتے ہیں۔ میں تو خود اپنے اس طرز سے لرزاں اور ترساں ہوں ہر وقت خدا سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ اے اللہ میرے ساتھ ایسے مناقشہ کا معاملہ نہ ہو لیکن بمجبوری آنے والوں کی مصلحت سے ایسا کرتا ہوں کہ ان میں آدمیت اور انسانیت پیدا ہو ان کو جہل عظیم سے نجات ملے ان کے کانوں میں اصولی باتیں پڑ ہیں جس کے مجموعہ کا حاصل یہ ہے کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف نہ پہونچے اذیت نہ پہونچے اس پر لوگوں کو ناگواری ہوتی ہے مزاحاً فرمایا کہ انکی بے تمیزی کے سبب میں بھی ناگوار ہو جاتا ہوں (یعنی سانپ کے مشابہ)

(ملفوظ ۲۰۹) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو فیض زیادہ ہوا وہ حضرت کی شفقت کی وجہ سے ہوا آپ کی شفقت کی حالت اس کی مصداق تھی ؎

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم ست　　　زانکہ لطف شیخ و زاہدگاہ ہست و گاہ نیست

حضرت کی ذات کچھ عجیب و غریب تھی وہ بات کسی میں بھی نہ دیکھی جو حضرت میں تھی۔ مایوسی اور پریشانی تو وہاں تھی ہی نہیں ہر پریشان کی وہاں تسلی ہی تسلی تھی اور ہر بڑے سے بڑے شخص کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے جس کی وجہ نہایت تواضع تھی۔ مشکل سے کسی کی ساتھ حضرت کو بدظنی ہوتی تھی۔ حتی الامکان سب کے افعال میں اقوال میں توجیہ اور تاویلات ہی فرمایا کرتے تھے۔

(ملفوظ ۲۱۰) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر جو لوگوں سے میری لڑائی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صاف بات کا نہ کہنا ہے۔ ابہام سے میرا جی بڑا گھبراتا ہے افہام کو جی چاہتا ہے چاہے چھوٹی سی بات ہو مگر صاف اور منظم ہو۔ بس یہی بات ہے اکثر لوگوں میں نہیں رہی ہیں اس کے پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس پر لوگ گھبراتے ہیں چاہتے رہیں کہ گول مول بات پر معاملہ ختم ہو جائے جیسے جاہل اور فقیر رموز و اسرار رہا کرتے ہیں لوگ اگر ایسی ہی باتیں کرتے ہیں مجھکو وحشت ہوتی ہے میں روک ٹوک کرتا ہوں اس سے آنیوالوں کو وحشت ہوتی ہے بس یہی لڑائی ہے اگر سیدھی اور صاف بات کہیں کچھ بھی شکایت نہیں۔

(ملفوظ ۲۱۱) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں بالقسم عرض کرتا ہوں کہ مجھکو اپنے طرز اصلاح پر کچھ ناز نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ تجربہ سے اسکو مفید سمجھتا ہوں مگر میں اس پر بھی دعا کیا کرتا ہوں کہ اے اللہ میرے اس انتظام پر میرے ساتھ انتظام کا معاملہ نہ فرمائیے رحمت کا فضل و عنایت فرمائیے اس لئے کہ انتظام کا مقتضا تو یہ ہے کہ ہر ہر عمل پر باز پرس ہو۔ میں کسی پر عین مواخذہ کرنے کے وقت ڈرتا ہوں کہ اے نفس دیکھو سنبھال کر کام کرنا کبھی یہ مواخذہ تیرے مواخذہ کا سبب نہ بنے واللہ اس وقت ایک حالت ہوتی ہے خوف کی۔ مگر آنیوالوں کی مصلحت سے ایسا کرتا ہوں اور کیا اپنی کسی چیز پر قابو نہیں ہے کیا کر سکتا ہے وہاں تو یہ شان ہے کہ ہمارا تقویٰ بھی قابل پیش کرنے کے نہیں اور غیر تقویٰ تو کسی طرح قابل پیش کرنے کے ہو ہی نہیں سکتا خود

تقوی بھی پیش کرنے کے قابل نہیں اگر تقوی ہی کے متعلق یہ سوال ہوا کہ یہ سڑیل چیز کیوں پیش کی تو کیا جواب ہو گا۔ بس زندگی رحمت پر ہے اور رحمت یہ ہے جس کے باب میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

من نہ کردم خلق تا سودے کنم　　بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

اور یہ رحمت ہی تو منشا ہوا ہے وجود عالم کا یہی راز ہے عالم کے بقا کا ورنہ جس قدر نافرمانیاں اور سرکشیاں عالم میں حق کے خلاف ہو رہی ہیں ایک دم میں ایک چشم زدن میں سب کو درہم برہم کر دیا جاتا لیکن ایسا نہیں ہے۔

(ملفوظ ۱۲۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس پر گذرتی ہے وہی جانتا ہے کسی کو کیا خبر جو لوگ اس غم میں مبتلا ہیں ان سے پوچھو کہ اس میں کیا حظ ہے اور کیا لذت ہے وہ ہزاروں خوشیوں کو اور بے غمی کو اس پر قربان کرنے کو تیار ہیں اور وہی غم آیندہ کسی وقت میں محبوب سے وصل کا سبب بنے گا اس لئے وہ اس غم پر جانیں قربان کر دینے کو تیار ہیں جن لوگوں نے اس غم کی بدولت خودکشیاں کر لی ہیں مولانا ان کی تسلی اپنے مشاہدہ سے فرماتے ہیں کیونکہ محققین مغموم بھی ہوتے ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد اپنی اصلی حالت پر آجاتے ہیں اسی تجربہ پر تسلی فرماتے ہیں۔ اس حالت غم کو قبض کہتے ہیں مولانا تسلی دیکر اس غم کو گھٹاتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں ؎

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو　　آں صلاح تست آئیس دل مشو

چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بیں　　تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

اور اس راہ میں جو طبعاً حالت ہوتی ہے اس کو بھی مولانا فرماتے ہیں ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود　　چوں زباغ دل خلالے کم بود

۱۳ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم پنجشنبہ

(ملفوظ ۱۲۶) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ جمہوریت متعارفہ کیا ہے ایک لڑکیوں کا کھیل ہے اگر روٹی پکانے میں بھی جمہوریت ہو ایک روٹی بھی نہ پکے اگر نسخہ تجویز کرتے ہیں بھی جمہوریت ہو تو مریض کبھی اچھا نہ ہو آخر یہ جمہوریت معلوم نہیں کہاں سے نکالی ہے اس کے نتائج بھی بھگت رہے ہیں اپنی آنکھوں مشاہدہ کر رہے ہیں مگر جو زبان سے ایک دفعہ نکل گیا ہے قیامت آجائے مگر اس سے نہ ہٹیں

اس قدر نفس پروری کا زمانہ ہے کہ تجربہ ہو گیا مشاہدہ ہو گیا لیکن اڑے ہوئے ہیں۔

(ملفوظ ۱۸۴) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کو دیکھا کیسی کیسی ہستیاں تھیں اسقدر بے نفسی اللہ اکبر اپنے کو بالکل مٹائے ہوئے اور فنا کئے ہوئے تھے کسی فعل اور کسی قول سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کچھ ہیں یا کچھ جانتے ہیں ان حضرات کو اب آنکھیں ڈھونڈتی ہیں وہ حضرات سب کچھ تھے اور اپنے کو کچھ نہ سمجھتے تھے اور آجکل یہ حالت ہے کہ کچھ نہیں اور اپنے کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں اور اس کے متمنی ہیں کہ دوسرے بھی ہمکو کچھ سمجھیں۔ اسی کی ایک شاخ یہ مرض ہے جو عالم بلا کی طرح پھیلا ہے کہ اپنے لئے لمبے چوڑے القاب تجویز ہونے لگے امام التفسیر کہلاتے ہیں کوئی امام النحو کہلاتے ہیں۔ کوئی امام الہند بنے ہیں کوئی شیخ الحدیث یہ سب نئی فضا سے ناشی ہیں۔ ایک لقب ان میں پرانا ہے شیخ الاسلام یہ تو ناگوار نہیں ہوتا اور اس کے علاوہ سب میں وہی جدت کی جھلک ہے۔ مجھکو تو سن کر وحشت ہوتی ہے کہ اللہ ایک دم کایا پلٹ ہو گئی کس قدر زبردست انقلاب ہوا ہے اور یہ اسقدر جلدی انقلاب ان تحریکات کے اثر سے ہوا ورنہ انقلاب ہونے کیلئے بھی ایک وقت کی ضرورت ہوا کرتی تھی ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں اور مریدوں کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میں ادھورا ہوں اور میں نے ان دونوں سے کئی مرتبہ کہا کہ بھائی مجھکو بھی کچھ بتادو مگر دونوں نے بخل سے کام لیا مراد دونوں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور فرماتے کہ اگر میں ایسا ہوتا جیسے کہ یہ دونوں اتالیوں (یعنی مواشی چرانے والوں) کو ایسا بنا دیتا جیسے یہ دونوں ہیں معلوم ہوتا ہے میں ادھورا ہی مرجاؤں گا۔ اپنے تلامذہ اور مریدوں کے سامنے یہ بات۔ اس بے نفسی کو ملاحظہ کیجئے۔ اس کے بعد اتفاق سے مکہ معظمہ کا سفر ہوا اور حضرت کی خدمت میں پیاس بجھ گئی۔

(ملفوظ ۱۸۵) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیباکی کے ساتھ پوچھا کہ حضرت آپ بولتے بہت ہیں حالانکہ بزرگوں نے زیادہ بولنے کی ممانعت کی ہے۔ نہایت بشاشت سے جواب میں فرمایا کہ میاں کم بولنا فی نفسہ مقصود نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ فضول باتیں اور مضر باتیں نہ کرے اور اسکی عادت مبتدی کے لئے یہ ہے کہ ابتدا میں بہت سی زیادہ کمی کی جاوے۔ پھر اس پر کاغذ کی مثال فرمائی کہ جس کاغذ کو چند روز موڑ کر یعنی لپیٹ کر رکھا گیا ہو پھر جب اس کو سیدھا کرنا ہو تو اس کا عکس کرتے ہیں یعنی دوسری طرف کو اسی طرح موڑتے اور لپیٹتے ہیں تاکہ سیدھا ہو جائے عجیب مثال ہے مثال پر ایک اور ارشاد حضرت مولانا کا یاد آیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ کام اتنا کرنا چاہئے کہ شوق بالکل ختم نہ ہو جاوے تھوڑا سا شوق رہ جائے اس سے پھر کام کرنے کی خواہش قوی ہو جاتی ہے اس پر ایک مثال فرمایا کرتے تھے کہ جیسے جب چکی کو چلاتے ہیں تو اس میں کچھ ڈورا باقی رہنے دیتے ہیں تاکہ اس سے پھر آسانی سے واپس آجائے ورنہ دوبارہ چڑھانے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ سبحان اللہ کیسی عجیب مثال ہے۔

(ملفوظ ۱۶۷) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں تو ہمیشہ سب کی رعایت رکھتا ہوں مگر میری کوئی رعایت نہیں کرتا اور وہ بھی بے فکری سے اگر مجھکو یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص نے میری رعایت کی ۔ ذرا سی بھی کوشش کی پھر چاہے اس سے بد عنوانی اور غلطی بھی ہو جائے اس سے رنج نہیں ہوتا ۔ خوانخواستہ آنیوالوں سے کوئی بغض نہیں عداوت نہیں ۔ میں تو سچ عرض کرتا ہوں اور اس پر قسم کھا سکتا ہوں کہ میں آنے والوں کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں ۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں لوگوں کو اس نیت سے مرید کرتا ہوں کہ اگر پیر مرحوم ہوگا مریدوں کو جنت میں لیجائے گا اور اگر مرید مرحوم ہوگا پیر کو جنت میں کھینچ لے جائے گا تو جس شخص کا آنیوالوں کے ساتھ یہ خیال ہو وہ کیا ان کو حقیر اور ذلیل سمجھ سکتا ہے اور کیا ان سے بغض و نفرت رکھے گا ۔ سو میں بھی اسی ذات کا زلہ ربا ہوں الحمد للہ یہی مذاق بنا ہے ۔

(ملفوظ ۱۶۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میری تقریر یا کوئی بات مبہم اور مہمل نہیں ہوتی اور اسی صفائی کی بدولت میں بدنام ہوا ہوں اور اسی پر لوگوں سے لڑائی رہتی ہے اور اس کثرت سے کہ شاید ہی کوئی اس لڑائی سے بچا ہو پھر بھی لوگ باز نہیں آتے اور میں بھی جب اصلاح کا کام اپنے ذمہ سمجھ رہا ہوں اسی وقت تک لوگوں سے لڑتا ہوں اور ترک اصلاح کے بعد پھر مجھکو بھی کوئی غرض نہ ہوگی اور یہ تو میرے لئے آسان ہے کہ میں اصلاح کا کام چھوڑ دوں لیکن یہ مشکل ہے کہ اصلاح کا کام کرتے ہوئے لوگوں پر روک ٹوک نہ کروں یہ مجھسے نہیں ہو سکتا ۔ نیز میں اس کو خیانت سمجھتا ہوں یہ تو ایسا ہے کہ طبیب کے پاس مریض آئے اور وہ اسکے ساتھ خوش اخلاقی کی بنا پر اس کو کڑوی دوا نہ بتلائے جو اس کے مرض کیلئے ضروری ہے تو اس طبیب کا ایسا کرنا ظاہر ہے کہ خیانت ہوگا اور مریض کے ساتھ دشمنی ہوگی تو مجھسے لوگ ایسا کرانا چاہتے ہیں مگر میں صاف کہتا ہوں کہ میں ایسا نہ کروں گا ۔ اس حالت میں اگر یہ میرا طرز پسند نہ ہو تو میرے پاس مت آؤ یہاں تو وہی برتاؤ ہوگا جو مناسب ہوگا ۔

(ملفوظ ۱۶۸) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ صوفیہ محققین اہل حق کی بدولت عالم میں حقائق کا انکشاف ہوا ۔ انہیں کے فیوض سے ایسی رسوم کا قلع قمع ہوا جن کے رسم ہونے کا احتمال بھی نہ ہوتا تھا ۔ ان ہی حضرات کی بدولت گمراہی کا پھاٹک بند ہوا پھر بھی لوگ انھیں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کسقدر ظلم کی بات ہے ۔ اور خصوص بعضے مدعیان اجتہاد یہ بڑے ہی بے باک اور گستاخ ہیں الا ماشاء اللہ کسی کو نہیں دیکھتے کہ کس درجہ کا ہے جس کو چاہتے ہیں جو جی میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں ۔ ان کو کام کی بات کرتے ہوئے کبھی نہ دیکھا ۔ سوائے دوسروں پر اعتراض کرنے اور کافر اور مشرک بنانے کے انکو اور کوئی کام ہی نہیں یہ دین ہے اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں ۔

(ملفوظ ۱۶۹) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس اظہار حق اور تبلیغ حق کی بدولت تو انبیاء علیہم السلام نے ہزارہا تکالیف برداشت کیں آج تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں اور پھر لوگ کتمان حق کرتے ہیں اور پھر

مدعی ہیں کہ ہم نہ توپوں سے ڈرتے ہیں اور نہ ہمکو سنگینوں کا خوف ہے فرضاً اگر خوف نہ ہوا مگر جو غایت تھی عدم خوف کی یعنی اظہار حق وہ بھی نہ ہوا تو کون کمال ہوا بلکہ یہ کمال تھا کہ ڈر کی چیزوں سے ڈرو اور پھر اظہار حق کرو۔ یہ کیا بات کہ ان چیزوں سے تو ڈر نہیں حق کا اظہار کرتے ہوئے ڈرتے ہو۔ چنانچہ ان تحریکات میں دیکھ لو کہ ہندؤں کی وجہ سے کسقدر کتمان حق کیا گیا دین کو اور مسائل کو صاف بیان نہ کر سکے۔ انبیاء علیہم السلام نے اور ان کے صحابہ نے تو کام کر کے دکھلا دیا گو تکلیفیں پہونچیں لیکن پرواہ نہیں کی اور اب بھی اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں کہ حق کے مقابلہ میں وہ تمام عالم کی پرواہ نہیں کرتے اور انبیا جیسی تو تکالیف کوئی برداشت بھی نہیں کر سکتا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

زاں بلاہا کانبیا برداشتند ۔۔۔ سر بہ چرخ ہفتمیں افراختند

(ملفوظ ۲۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل تو حالت ہے کہ محبت کا دعوی کر کے آتے ہیں اور آکر اصلاح کرانے کو کہتے ہیں لیکن خلاف طبع ذراسی بات کی بھی برداشت نہیں ہوتی وہ سب دعوے ہباء منثورا ہو جاتے ہیں اسیکو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق ۔۔۔ تو بجز نامے چہ میدانی زعشق
در بہر زخمے تو پر کینہ شوی ۔۔۔ پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

(ملفوظ ۲۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ظلم بڑی سخت چیز ہے آجکل جدھر دیکھو یہی آفت ہے کہ اہل قدرت کسی کے پرسان حال نہیں ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ اکثر ظالم کی طرفداری کی جاتی ہے مظلوم کی کوئی نہیں سننے والا مسلمانوں پر ابھی پچھلے دنوں کیا کچھ تھوڑے مظالم ہوئے لیکن کسی نے بھی دادرسی نہ کی اور الٹا مسلمانوں ہی کو بدنام کیا گیا۔ اہل تجربہ نے لکھا ہے کہ کفر سے تو زوال سلطنت نہیں ہوتا مگر ظلم سے زوال سلطنت ہو جاتا ہے۔

۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ — ۱۳ جمادی الاولی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

(ملفوظ ۲۲) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے پہلے بھی ان کے بہت لمبے چوڑے خطوط آئے مگر کوڑ مغزی سے بھرے ہوتے تھے میں نے ان کو لکھا تھا کہ تمکو سمجھ نہیں تم میرے سو وعظ دیکھو اس سے امید ہے کہ دین کی سمجھ پیدا ہو جاوے گی آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں نے بموجب ہدایت حضرت والا کے سو وعظ کا مطالعہ کیا الحمد للہ حضرت کی دعا اور توجہ و برکت سے مجھے اپنے امراض معلوم ہو گئے میں سراپا امراض ہوں۔

اور اب کے کوئی بے ڈھنگی بات نہیں لکھی اب اصلاح شروع ہو جاوے گی۔ میں نے جواب میں لکھدیا ہے کہ کیا کیا امراض معلوم ہوئے لکھو۔ یہ میں نے اس لئے لکھا ہے کہ اس طریق میں دو غلطی ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ کوئی مریض ہو مگر اپنے کو مریض نہ سمجھے۔ دوسری غلطی یہ ہوتی ہے کہ غیر امراض کو امراض سمجھ بیٹھے۔ سو غلطیاں لکھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ جن کو امراض سمجھا آیا حقیقت میں بھی وہ امراض ہیں یا نہیں۔ دیکھئے کیا لکھتے ہیں۔ یہ اصلاح کا کام بڑا ہی نازک ہے ہجے کرانے پڑتے ہیں۔ لوگ میرے اسی طرز کو بد خلقی اور سخن گیری سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب اگر اس طرح اصلاح نہ کروں تو کیا کروں۔ چنانچہ اس ہی ایک واقعہ سے کہ ان سے غلطیاں لکھنے کی فرمائش کی گئی اس طرز کا مفید ہونا ثابت ہو گیا۔ اب معترضین فیصلہ دیں کہ اس کے علاوہ اور وہ کون سا طرز ہے جو اصلاح کے باب میں مفید ہے۔

(ملفوظ ۲۲۳) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مولانا رائپوری پہلے ایک اور بزرگ سے بیعت تھے اور ان پہلے پیر کے خلیفہ بھی تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور یہ بیعت ہونا بھی عجیب طریق سے ہوا۔ حضرت مخدوم صاحبؒ نے حضرت رائپوری کو خواب میں فرمایا کہ گنگوہ میں مولانا سے بیعت ہو جاؤ انہوں نے کچھ التفات نہیں کیا اس کے بعد حضرت رائپوری حج کو تشریف لے گئے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رائپوری سے فرمایا کہ مخدوم صاحب نے جو فرمایا تھا اس پر عمل نہیں کیا تب حج سے واپس آکر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے (اشرف علی عرض کرتا ہے مجھکو یاد نہیں کہ یہ روایت میں نے بیان کی ہو ممکن ہے جامعؒ نے کسی اپنے معتمد سے سن کر درج کر دی ہو اور اپنی طرف منسوب کرنا یاد نہ رہا ہو واللہ اعلم) اس بیعت پر حضرت رائپوری سے بہت سے پیر بھائی خفا ہو گئے اور اعتراض کیا اور کہا کہ لشیابی مجاوری سلسلہ کو بدنام کیا۔ خیر یہ تو بیہودہ لوگ تھے جنہوں نے اس قسم کا اعتراض کیا۔ اور جو ہوشیار تھے انھوں نے ایک عجیب توجیہ کی اور کہا کہ ہر شخص کو کمالات اور درجات کی ترقی کی ضرورت تو ہر وقت ہے یہ حضرت گنگوہی کے کمالات لینے گئے تھے۔ جیسے جاذب کاغذ پر حرف آجاتے ہیں یہ عقلمند ہیں اور یہ فہیم ہیں۔ گیا ان باتوں سے طریق اور سلسلہ بدنام نہیں ہوتا۔ لوگ سن کر یہ نہ کہیں گے کہ بڑے ہی فہیم اور عقیل لوگ داخل سلسلہ ہیں جن کی یہ خرافات اور تحقیقات ہیں۔

(ملفوظ ۲۲۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایمان جسقدر اور جتنا کامل ہوتا ہے اتنی ہی فراست قوی ہوتی ہے سلاطین اور شاہان سلف ہی میں دیکھ لیجئے جو سلاطین جسقدر متبع سنت ہوئے ہیں ان کی حکومت کے کارنامے موجود ہیں دیکھ لیجئے کس درجہ کے ہیں۔ منجملہ ایسے بادشاہوں کے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کو دیکھ لیا جائے کہ ان کی شجاعت بہادری دلیری سیاست فراست کی کیا انتہا ہے۔ یہ سب قوت ایمان کی برکت اور اتباع سنت کے کرشمے ہیں۔ ان ہی چیزوں کو تو مسلمانوں نے چھوڑ دیا

اس لئے ذلیل و خوار ہیں۔ دوسروں کے یہاں کی گداگری کرتے پھرتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں۔ اسلام کے اندر تو ہر طبقہ کی ضرورت کی چیز موجود ہے خواہ امیر ہو یا غریب۔ بادشاہ ہو یا فقیر۔ اپنے گھر میں سب کچھ دولت بھری ہے اور دوسروں کی طرف دیکھ دیکھ منہ میں پانی بھر آتا ہے یہ سب علم دین نہ ہونے کی بدولت ہو رہا ہے۔

(ملفوظ ۲۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر اعمال میں اتباع ہو اور قلب میں قوت ایمانیہ ہو تو اس کی ہر بات کا ہر کام کا رنگ ہی جدا ہوتا ہے اس کی ہر ادا سے تعلق مع اللہ کا پتہ چلتا ہے ان کے چہروں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی | نیک بیں باشی اگر اہل دلی!

یعنی ؎

مرد حقانی کی پیشانی کا نور | کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

(ملفوظ ۲۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خوف حق اور خوف آخرت اگر دل میں ہو تو پھر عدل و انصاف اور سب کچھ خود بخود ہونے لگتا ہے۔ یہاں سرے ہی سے جڑ ہی مفقود ہے۔ پھر عدل و انصاف کی امید لا حاصل۔ ثقہ شخص مجھ سے حکومت کابل کا ایک واقعہ بیان کرتے تھے امیر عبدالرحمن خاں صاحب کے زمانہ کا کہ امیر عبدالرحمن خاں صاحب کی بیوی نے کسی قصور پر ایک ماما کو پستول سے مار ڈالا اس کے ورثا نے حکومت میں دعوی کیا۔ امیر عبدالرحمن خاں صاحب کو خیال ہوا کہ کہیں لڑکے ماں کی محبت کی وجہ سے کوئی گڑبڑ نہ کریں ایک تنہا مکان میں اپنی بیوی کو بند کرا دیا اور اس پر فوجی پہرہ لگا دیا اور قاضی کے یہاں مقدمہ بھیجکر کہلا بھیجا کہ ہرگز اس کا خیال نہ کیا جائے کہ فلاں کی بیوی ہے اور فلاں کی والدہ جو حکم شرعی ہو اس کے مطابق فیصلہ صادر کیا جائے۔ یہ بات بدون قوت ایمان و خوف حق و خوف آخرت کے کبھی نہیں ہو سکتی غرض مقدمہ ہوا اور قصاص کا حکم ہو گیا۔ امیر عبدالرحمن خاں صاحب کے صاحبزادوں نے آکر عرض کیا کہ کیا والدہ کیلئے ایسی کاروائی ہو گی۔ فرمایا جو شریعت کا حکم ہو گا وہی کیا جاویگا اور افسوس تم کو اپنی والدہ پر تو رحم آتا ہے مگر اپنے بوڑھے باپ پر رحم نہیں آتا کہ اگر عدل اور انصاف کے خلاف ہوا قیامت کے روز فرشتے خدا کے سامنے کھینچے کھینچے پھریں گے رسوائی اور ذلت گلو گیر ہو گی۔ جہنم کا کندہ بنا دیا جاؤں گا کیا باپ کی اتنی بڑی تکلیف گوارا ہے۔ صاحبزادوں نے عرض کیا کہ اگر ہم ورثہ کو راضی کر لیں اور وہ معاف کر دیں۔ فرمایا کہ بدون جبر حکومت کے اگر وہ راضی ہو جائیں اور بطیب خاطر معاف کر دیں کچھ حرج نہیں چنانچہ راضی کر کے معاف ہو گئی اور جان بچی یہ شان ہوتی ہے اسلام اور ایمان والوں کی۔ دیکھئے ایک حکومت یہ بھی تھی۔ یہی صاحب جنہوں نے یہ واقعہ مجھ سے روایت کیا یہی صاحب ایک دوسرا

واقعہ اپنے ساتھ گذرا ہوا بیان کرتے تھے کہ میں نے سلطنت کے مفید شب کو تنہائی میں چند نوٹ لکھے کہ صبح ان کو امیر عبدالرحمن خاں صاحب کی خدمت میں بطور مشورہ پیش کروں گا کہ یہ ملک کی ترقی اور فلاح اور بہبود کے اسباب ہیں ان کو اختیار کر لیا جائے۔ بیان کرتے تھے کہ میں حسب معمول امیر عبدالرحمن خاں صاحب کے دربار میں حاضر ہوا مشورہ پیش نہیں کیا تھا کہ امیر صاحب نے خود ہی فرمایا کہ بعض لوگ ملک کی اصلاحات اور ترقی کے لئے ایسا ایسا مشورہ دینا چاہتے ہیں اس میں اگر یہ مفاد ہیں تو فلاں فلاں مضرات بھی ہیں۔ کہتے تھے کہ وہ نوٹ کا پرچہ میری جیب ہی میں رہا اور امیر صاحب سب کو بیان کر گئے میں حیرت میں تھا کہ اللہ انکو میرے نوٹ لکھے ہوئے کیا معلوم۔ کہتے تھے کہ منجملہ اور تمام نوٹوں کے میرے لکھے ہوئے نوٹ میں یہ بھی تھا کہ یہاں سے کچھ نوعمر لڑکے باعقل باسلیقہ انتخاب کر کے غیر ممالک مثلاً جرمن جاپان وغیرہ بھیجے جائیں تاکہ وہ صنعت و حرفت سیکھ کر واپس آ کر اپنے ملک والوں کو سکھائیں اس سے بہت جلد ملک ترقی کر جائے گا اس کا جواب یہ دیا کہ مشورہ تو نیک اور مفید ہے لیکن طریق کار غلط ہے اسلئے کہ یہاں کے لوگ دوسرے ملک میں جا کر وہاں کے خیالات اور جذبات لے کر آئیں گے اور پھر ان جذبات اور خیالات کا اثر دوسروں پر ہوگا جو قطعاً مناسب نہیں۔ اسکی مناسب صورت یہ ہے کہ دوسرے ممالک سے ماہرین فن بلائے جائیں جو بحیثیت ملازم کے ہونگے ان کی نگرانی بھی ہو سکتی ہے اور بسہولت ہو سکتی ہے وہ آ کر کام سکھائیں اس میں یہ اندیشہ نہ ہوگا اس لئے کہ وہاں آزادی ہوگی یہاں آزادی نہ ہوگی۔ واقعی کیسی کام کی بات فرمائی۔ یہ سب نور ایمان کے برکات ہیں کہتے تھے کہ میں نے موقع پا کر دریافت کیا کہ امیر صاحب یہ نوٹ تو میں شب میں لکھ کر لایا تھا آپکو کیسے معلوم ہو گیا کیا آپکو کشف ہوتا ہے۔ فرمایا کہ کشف تو بزرگوں کو ہوا کرتا ہے مجھکو کیا کشف ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے مجھکو اس سے معلوم ہو گیا۔ میں نے عرض کیا عقل کی رسائی ایسے امور تک کیسے ممکن ہے۔ فرمایا کہ جہاں کشف کی رسائی ہوتی ہے وہاں عقل کی بھی ہوتی ہے مگر دونوں میں اتنا فرق ہے جیسے ایک تو ٹیلیگراف ہوتا ہے اور ایک ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف میں تو خاص اصطلاحیں ہیں کہ حرکات کو ان پر منطبق کر کے جو ایک قسم کا اسنڈ لال ہے مقصود کو سمجھتے ہیں اور ٹیلیفون میں صاف صاف الفاظ معلوم ہو جاتے ہیں۔ پس عقل کی مثال تو ٹیلیگراف کی سی ہے اور کشف کی مثال ٹیلیفون کی سی۔ تو ہم ٹیلیگراف سے کام لیتے ہیں۔ عجیب بات بیان کی کہ جہاں تک کشف پہونچتا ہے وہیں تک عقل بھی پہنچتی ہے۔ میں اور توسع کر کے کہتا ہوں کہ اس سے عقل اور کشف کی برابری کا شبہ نہ کیا جاوے۔ عقل کے سامنے کشف بیچارہ کچھ بھی چیز نہیں اور نہ اس کی حقیقت۔ اصل چیز عقل ہے جس کا تعلق ایمان سے ہے۔ فراست بھی اسی کا ایک شعبہ ہے جس کو یہ دولت عطاء فرما دی جائے تو کشف کیا چیز ہے۔

ملفوظ ۲۷: ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کشف کیا کسبی ہے۔ فرمایا کہ کسبی تو پھر بھی کسی کی مطلوب ہے اور نکاح کر لو تو بے خطرہ بھی ہو گئی۔ یہ تو نرا طبعی ہے اور ہمیشہ پر خطر۔ مگر لوگوں نے خواہ مخواہ اس کو بزرگی کے لوازم میں سے سمجھ لیا۔

ملفوظ ۲۸: ایک نووارد صاحب حاضر ہوئے۔ سلام مسنون اور مصافحہ کے بعد ایسی جگہ بیٹھے کہ پہلے سے جو ایک صاحب مجلس میں بیٹھے تھے ان کی طرف پشت ہو گئی۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ آتے ہی عقلمندی کے کام شروع کر دئے۔ کیا ہو گیا تم لوگوں کو کیا تم کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ ایک مسلمان کی طرف بلا ضرورت پشت کرنا نہیں چاہئے۔ معلوم بھی ہے ایسی حرکتوں سے دوسرے پر کیا اثر ہوتا ہے اول تو اس کے ہی دل میں نفرت اور اعراض پیدا ہوتا ہے جس کی طرف پشت کر کے بیٹھتا ہے وہ دل میں کہتا ہے کہ یہ نہایت بیہودہ اور بد تمیز شخص ہے اور دیکھنے والوں کو بھی برا معلوم ہوتا ہے۔ کیا یہ باتیں بھی میرے ہی تعلیم کرنے کی ہیں۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی معاف فرما دیجئے۔ فرمایا معاف کو معاف ہی ہے خدانخواستہ انتقام تھوڑا ہی لے رہا ہوں۔ مگر کیا آگاہ بھی نہ کروں۔ آئندہ ایسی بات کا خیال رکھنا چاہئے۔ کبھی کسی مسلمان کی طرف بلا ضرورت پشت کر کے نہیں بیٹھنا چاہئے بڑی بات ہے۔ اور اگر ایسی ہی بیخبری اور بیہوشی ہے تو میری ہی رعایت کیوں کی گئی۔ میری طرف بھی پشت کر کے بیٹھ جانا تھا آخر فرق کیا ہے وہ بھی مسلمان ہیں۔ میں بھی مسلمان ہوں۔ قطعاً تمیز نہیں رہی۔ کسقدر بے ادبی کا بازار کھلا ہے۔ معاشرت تو بالکل ہی خراب اور برباد ہو گئی۔

ملفوظ ۲۹: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ جو آجکل مدارس میں اساتذہ نے ایک طرز اختیار کیا ہے کہ طلباء کی مرضی پر اسباق رکھے جاتے ہیں۔ یہ بالکل ہی غلط طرز ہے اس طرز میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ اساتذہ کو چاہئے کہ طالب علم کی استعداد اور رغبت کو دیکھ کر کتاب انتخاب کریں تاکہ آئندہ کے لئے محنت کارآمد ہو۔ دوسرے طلباء کے دماغ اور اخلاق خراب ہوتے ہیں۔ ایسے برتاؤ سے اساتذہ کو اپنا محکوم سمجھتے ہیں ایسی ہی باتوں کی بدولت مدارس میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔

جلد سوم قسط چہارم تمام شد

ناشر: ادارۂ فکر اسلامی دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴

قرآن و سنت کی روشنی میں زندگی کے سینکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل

ملفوظات حکیم الامت رح

یعنی

جلد سوم

قسط پنجم

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

مسلسل ترتیب کی قسط ۱۵

مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

باہتمام

نسیم احمد

ناشر:- ادارۂ فکر اسلامی دیوبند (یوپی) ۲۴۷۵۵۴

نام کتاب ـــــــــــــــــــ	ملفوظات حکیم الامت جلد ۳ قسط ۵
باہتمام ـــــــــــــــــــ	نسیم احمد بن شمس الحسن صاحب مرحوم
سنِ طباعت ـــــــــــــــــــ	۱۹۸۹ء ۔ ۱۴۰۹ھ
طباعت ـــــــــــــــــــ	محبوب پریس دیوبند
کتابت ـــــــــــــــــــ	محمد سفیان عثمانی سعودی
قیمت ـــــــــــــــــــ	فی قسط ۔ ۱۵/۰۰ روپے

ملفوظات حکیم الامت کی جلد سوم قسط چہارم مسلسل ترتیب کی قسط ۱۵ ناظرین کے سامنے پیش ہے۔ کوئی بھی شخص ایک خط لکھ کر ممبر بن سکتا ہے۔ فیس ممبری کچھ نہیں، ممبر بننے کے بعد ہر دو ماہ میں ایک ایک قسط ۱۰/ روپے کی وی پی سے اور دو قسط ایک ساتھ ۲۰/ روپے کی وی پی سے ارسال ہوگی، جس کا وصول کرنا آنجناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔

منیجر ادارہ

فہرست مضامین ملفوظات جلد ۳ قسط ۵

۱۴ / جمادی الاولی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

(ملفوظ ۲۰۷) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ایک شخص نے میرا مکان دبا لیا ہے مجھے کیا کرنا چاہئے میں نے جواب میں لکھدیا ہے کہ تم کیا کیا کر سکتے ہو۔ سب لکھو تب میں بتلاؤں گا کہ یہ کرو۔ اس پر فرمایا کہ بہت لوگ لکھتے ہیں کہ فلاں فلاں نے یہ جرم کیا اس کو کیا سزا دینا چاہئے میں لکھدیتا ہوں کہ تم کیا کیا سزا دے سکتے ہو سب لکھو تب میں بتلاؤں گا کہ یہ سزا دو اس کے بعد پھر کوئی جواب نہیں آتا۔ آخر ایسے فہیم لوگوں کو اور کیا لکھوں۔ اب دیکھئے یہی عقلمند کیا جواب لکھتے ہیں۔

(ملفوظ ۲۰۸) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ موت کا اس قدر خوف غالب ہے کہ نہ شب کو نیند آتی ہے نہ کسی وقت بھوک لگتی ہے ہر وقت بےچینی رہتی ہے۔ اس کا کیا علاج ہے۔ میں نے جواب میں لکھا ہے کہ گناہ کے احتمال سے علاج چاہتے ہو یا تکلیف کے خیال سے۔ دیکھوں کیا لکھتے ہیں۔ ایک جملہ بھی لکھا ہے جس پر مجھکو گناہ سمجھنے کا شبہ ہوا۔ یہ لکھا ہے کہ اسقدر خوف محمود نہیں۔ عجیب بات ہے کہ بزرگ لوگ تو اس درجہ کے پیدا کرنے کیلئے مراقبات بتلاتے ہیں اور یہ شخص پیدا ہوئی حالت کو کھونا چاہتا ہے۔ کسقدر بیقدری کی بات ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میرے جواب سے کیا سمجھتے ہیں۔

(ملفوظ ۲۰۹) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھکو مرید کر لیا جائے اور قصد السبیل کی عبارت تائید میں لکھی ہے کہ بیعت ہونا اس لئے چاہتا ہوں کہ مرید کے حال پر شیخ کو توجہ اور مرید کو اتباع کی رغبت بڑھ جاتی ہے۔ میں نے لکھدیا ہے کہ بالکل ٹھیک ہے مگر دلائل سے باہم مناسبت ہونا بھی شرط ہے پہلے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اب جب مناسبت پیدا کرنے کی تدبیر پوچھیں گے جب بتلاؤں گا۔

(ملفوظ ۲۱۰) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل نیچریت کا غلبہ دینداروں پر بھی کم و بیش ہو گیا ہے محض دینداروں پر ہی نہیں جھلک سب میں مارنے لگی ہے اور جو معدودے چند اپنے بزرگوں کے مسلک اور طرز پر قائم ہیں انکو لکیر کا فقیر جامد الطبع اور خدا معلوم کیا کیا خطاب دیئے گئے ہیں اور کن کن القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ فلاں مولوی صاحب جنکو میں مولویوں کا سید احمد خاں کہا کرتا ہوں یہاں آئے تھے انھوں نے دہلی میں ایک مدرسہ جاری کیا تھا اس میں نئے روشنی کے اصول سے۔ بی۔ اے۔

والوں کو تفسیر پڑھاتے تھے۔ یہاں جب آئے میں نے کہا کہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کہنے لگے کہ قدیم طرز کی تفسیر سے ان لوگوں کی تشفی نہیں ہوتی اسلئے جدید طرز پر تفسیر پڑھاتا ہوں اور اس جدید طرز کے متعلق وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے ماخوذ ہے جو محض غلط ہے میں نے ان سے کہا کہ یہ محض غلط خیال ہے کہ قدیم طرز کی تفسیر سے تشفی نہیں ہو سکتی۔ آپ دو طالب علم بی۔اے لیجئے جن کی طبیعت ایک سی ہو۔ علم یکساں ہو اور ایک ہی مسئلہ ہو۔ ایک کو آپ جدید طرز پر سمجھائیے اور ایک کو میں پرانے طرز پر سمجھاتا ہوں اور پھر ان کا تقابل کرائیے معلوم ہو گا کہ کون سمجھا اور کون نہیں سمجھا۔ کہنے لگے کہ آپ تو سمجھا سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جب میں سمجھا سکتا ہوں تو تم یہ کام چھوڑ دو میرے سپرد کر دو۔ کہنے لگے بہتر۔ دہلی چل کر رہو اور وہاں رہکر پڑھاؤ۔ میں نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے۔ انگریزی خواں طلبہ کو یہاں بھیجیجئے نہ کسی چندہ کی ضرورت ہوگی نہ طالب علموں کا زیادہ خرچ ہو گا اور کام ہو جائے گا۔ پھر کچھ نہیں بولے خاموش ہو گئے۔ اور کوئی بات نہیں صرف وہی بات ہے جو میں کہہ رہا ہوں کہ اس کمبخت منحوس نیچریت کا اثر اور جھلک اب سب میں نظر آنے لگی اس کا بڑا زہر یلا اثر ہے جیسے کسی زمانہ میں ہوا میں سمیت پیدا ہو جاتی ہے بس وہ حالت اس کی ہو رہی ہے۔

ملفوظ ۶۸۷ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ عین وقت پر حق تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔ ضرورت کی چیز دل میں ڈال دیتے ہیں۔ میں ان کا بڑا ہی فضل اور رحمت سمجھتا ہوں ایک مرتبہ میں گھر کی چند بچیوں کو قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا رہا تھا وہ بھائی اکبر علی مرحوم کی بچیاں تھیں۔ جب یہ آیت آئی وقالت الیھود عزیر ابن اللہ ط وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ذلک قولھم بافواھھم ج یضاھئون قول الذین کفروا من قبل ط قاتلھم اللہ ط انیٰ یؤفکون۔ قاتلھم اللہ انیٰ یؤفکون پر بچیوں نے سوال کیا کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو انکے ہلاک پر قادر ہیں پھر قاتلھم اللہ کہکر بد دعا کیسی۔ کسی دوسرے کا کلام ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی ہلاکت کی بد دعا کرتا۔ مجھکو خیال ہوا کہ جواب کی تقریر انکے مذاق اور استعداد کی رعایت کرتے ہوئے ہونا چاہیئے تاکہ یہ سمجھ سکیں۔ میں نے کہا کہ حق تعالیٰ نے اپنے ایمان والے بندوں کے جذبات کی رعایت فرماتے ہوئے ایسا فرمایا اسلئے کہ ظاہر ہے کہ جسوقت حق تعالیٰ کا کسی کو بیٹا بنایا جائے گا تو ایک ایمان والے کو ضرور غصہ آئے گا اور غصہ میں بے ساختہ جی چاہیگا کوسنے کو آگے دو ہی صورتیں تھیں یا تو کوسنے کی اجازت ہوتی یا نہ ہوتی اگر نہ ہوتی تو جذبات مضمحل ہو جاتے اور اگر ہوتی تو غیر قرآن کا قرآن کے اندر تخلل ہوتا ہے تو جذبات کی رعایت کر کے اسکو جزو قرآن بنا دیا تاکہ بے ساختہ قرآن ہی میں اسکو بھی پڑھ دے۔ قاتلھم اللہ ط انیٰ یؤفکون۔ اب جزو قرآن شریف ہونے سے ثواب بھی ملا اور جذبات کی بھی رعایت ہو گئی یہ تقریر سنکر بچیاں نہایت آسانی سے خوب سمجھ گئیں میرا جی بھی خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر مدد فرمائی پہلے سے بالکل خالی الذہن تھا۔

(ملفوظ ۳۲۵) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میاں اب تو بوڑھے ہو گئے اب کیا کسی کے بدنام کرنے سے ڈریں گے جس کا جی چاہے بدنام کرے اور الزام اور بہتان لگائے۔ ہوتا کیا ہے۔ آخر بیچارے اگر یہ بھی نہ کریں تو اور کیا کریں باقی جو حلوے مانڈوں میں کھنڈت پڑ گئی ہے انکی واپسی تو ذرا اب مشکل ہے اس ہی لئے زیادہ خفا ہیں۔ عام لوگ جس طرح پہلے بہکائے میں آجاتے تھے اللہ کا شکر ہے کہ اب وہ بات نہیں رہی۔ یوں تو بدفہم بدعقل لوگ ہر زمانے میں رہے ہیں اور رہیں۔ لیکن سمجھدار اب پھندوں میں نہیں آ سکتے۔ مرغے، انڈے حلوے مانڈے سب ختم ہو گئے تو کیا برا بھلا بھی نہ کہہ لیں۔ خصوص یہ بدعتی تو مجھ سے بیحد خفا ہیں ان کو ہی زیادہ نقصان پہنچا۔ آئے دن ایک نئی بات اور اعتراضات لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن تاڑنے والے تاڑ لیتے ہیں کہ حقیقت اس کی ہے کیا۔

(ملفوظ ۳۲۶) ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا حضرت بوڑھاپے میں کسی کا خوف نہیں رہتا۔ فرمایا کہ مومن کو قلب میں تو حقیقۃً ایک ہی کا خوف رہتا ہے۔ چاہے جوانی ہو یا بوڑھاپا ہو۔ اور وہ حق تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی بوڑھاپے میں خصوصیت کی ساتھ طبعاً بھی دوسروں کا خوف کم ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق بھائی اکبر علی مرحوم نے عجیب بات کہی تھی جو میرے ذہن میں بھی کبھی نہیں آئی تھی وہ یہ کہ بڑھاپے میں طبعی خاصیت ہے کہ اس پر کسی کا رعب نہیں ہوتا نہ اثر ہوتا ہے۔ اس کو سب بچے نظر آتے ہیں اور اس کا سب پہ اثر ہوتا ہے۔ بھائی مرحوم تھو بڑے ذہین۔ ذہانت ہی سے جذبات کی پہچان ہو سکتی ہے۔ بات کام کی کہی واقعی بڑھاپے کا یہ اثر ضرور ہے۔

(ملفوظ ۳۲۷) ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت میں نے چماروں کے کنویں سے پانی پی لیا۔ فرمایا توبہ کر لو۔ اور آئندہ ایسا مت کرنا جب وہ شخص چلا گیا فرمایا کہ یہ میں نے اس لئے کہا کہ تاکہ دل میں اس کی رکاوٹ رہے آگے نہ بڑھے نفرت پیدا ہو۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص لایا گیا مع اپنے کنبہ کے وہ خانساماں تھا اس نے انگریز کی بچی ہوئی چائے پی لی تھی۔ اس کے تمام متعلقین نے اس سے نفرت ظاہر کی کہ تو تو کرسٹان ہو گیا یہ شخص بہت پریشان تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے پاس سب مسئلہ پوچھنے آئے۔ شاہ صاحب کے پاس اہل علم کا اُن کے شاگردوں وغیرہم مجمع رہتا تھا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ بھائی اتنی بڑی بات اتنی جلد طے نہیں ہو سکتی کل آنا کسی بڑی کتاب میں مسئلہ دیکھیں گے اور بیوی بچوں سے کہا کہ اس سے الگ رہنا۔ کئی روز دق کر کے فرمایا کہ آج ایک روایت نکلی ہے۔ بہت بڑی بات ہو گئی تم سے۔ اتنے مساکین کو کھانا کھلاؤ۔ اتنی نفلیں پڑھو۔ غسل کرو۔ غرض بڑا بکھیڑا بتلایا۔ شاگردوں نے باہم چرچا کیا کہ نہ معلوم حضرت شاہ صاحب نے یہ مسئلہ کہاں سے فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب نے سنکر فرمایا کہ تم کیا جانو یہ انتظامی بات ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ دلیر ہو جاتے اور کرسٹان بننا شروع ہو جاتے۔ حضرت شاہ صاحب کا طرز نہایت حکیمانہ تھا عجیب باتیں ہوتی تھیں۔

(ملفوظ ۳۸) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عوام تو طریق کو کیا سمجھتے انہوں نے سمجھا ہی کس زمانہ میں یہ بیچارے تو اتباع محض کرنیوالے ہوتے ہیں۔ خود اہلِ علم ہی طریق کو کم سمجھے۔ خصوص اس وقت تو طریق سے اس قدر بیخبری ہے کہ اس کو احکامِ شرعیہ اور اعمال کے علاوہ ایک چیز سمجھنے لگے۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ علماء اہلِ حق نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ جہلاء اور اہلِ باطل کے ہاتھوں اس کی یہ گت بنی کہ جو چاہا من گھڑت گھڑتے رہے اور تصوف کے نام ذکر تے رہے اب ان خرافات کا تو ثمرہ یہی ہوتا کہ لوگوں کو اس سے نفرت کا درجہ پیدا ہو گیا گو افراط اور تفریط سے دونوں طبقے خالی نہیں مثبتین بھی نافین بھی۔ مگر اب بحمداللہ تعالیٰ مدتوں کے بعد طریق کی حقیقت واضح ہوئی۔ اب ہر بات صاف ہے۔ بے غبار ہے روز روشن کی طرح اظہر من الشمس ہے۔

اب مخالفینِ طریق کو کسی معتد بہ اعتراض کی گنجائش نہیں رہی اور یوں تو اعتراض سے خود قرآن پاک اور حدیث شریف بھی نہ بچے ہوئے نہیں۔ سوال تو معقول اور غیر معقول کا ہے۔ میں ایک مسئلہ کی حقیقت بطور مثال کے عرض کرتا ہوں کہ اعمال کے علاوہ جتنی چیزیں طریق میں ہیں جن کی شیخ طریقت تعلیم کرتا ہے ان کا درجہ طبیب جسمانی کی تدابیر سے زیادہ نہیں۔ مقصود نہیں محمود ہیں اور معین ہیں مقصود کی۔ اور طریق صرف اعمال ہیں اور ان سے مقصود رضاء حق ہے۔ یہ ہے حقیقت طریق کی اور جیسے طبیب جسمانی کی تدابیر کو بدعت نہیں کہہ سکتے ایسے ہی ان تدابیر اصلاح کو بھی بدعت نہیں کہہ سکتے۔ بدعت تو اس وقت کہا جا سکتا ہے جبکہ انکو دین اور مقصود سمجھکر ان پر عمل کیا جائے اور انکو اختیار کیا جائے۔ رہا یہ کہ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اس کو دین سمجھکر اور مقصود سمجھکر عمل کرتا ہے تو اہلِ باطل اور جہلاء کے کسی ایسی بات کے کرنے یا کہنے سے حقیقت تو نہیں بدلی۔ پھر بتلاؤ کہ اس میں بدعت کی کیا بات ہے اور کس طرح اس کو بدعت کہا جا سکتا ہے پس حقیقت ظاہر ہو گئی کہ اعمال طریق ہیں اور رضاء حق مقصود ہے اور غیر اعمال کسی درجہ میں بھی مقصود نہیں۔ میں اس مسئلہ کو اس سے بھی زیادہ سہل عنوان سے اہلِ علم کے سمجھنے کے واسطے دو جملوں میں ادا کرتا ہوں کہ انفعالات طریق میں مقصود نہیں افعال مقصود ہیں۔ اور افعال ہی کے ساتھ رضاء حق کا وعدہ ہے۔ اس سے آگے ذکر و شغل مراقبہ غرضکہ جو کچھ پیرانِ طریقت اہلِ حق تعلیم کرتے ہیں سب تدابیر کے درجہ میں ہیں۔ اب میرے کان مشتاق ہیں کہ اس حقیقت کے معلوم ہو نیکے بعد طریق کو بدعت کہنے کے دلائل کیا ہیں اور یہ بدعت اسوقت ہو سکتا ہے جبکہ طبیب جسمانی کی تدابیر کو بھی بدعت کہا جائے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فہم سلیم اور عقل کامل عطا فرمائیں۔ تاکہ دین کو سمجھیں۔

(ملفوظ ۳۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض سیاحوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اسلام کی جو شان ہندوستان میں ہے وہ ممالک اسلامیہ میں بھی نہیں اور اپنے بزرگوں سے بھی ایسا ہی سنا جنہوں نے دوسرے ممالک دیکھے ہیں۔ شاید یہ وجہ ہو کہ وہاں پر تو مسلمان بے فکر ہیں کہ حکومت اسلامی ہے وہ ہر بات کی ذمہ دار ہے اس ہی لئے وہاں کے علماء بھی بیفکر اور عوام مسلمان بھی بیفکر۔ اور ہندوستان میں حکومتِ اسلامی تو ہے نہیں عوام ہوں یا علماء سب دین کی ذمہ داری اپنے اوپر سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(ملفوظ ۱۴۹) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے باوجود بے سروسامانی کے یہاں پر بس تند، کام ہو رہا ہے دوسری جگہ سامان ہونے پر بھی اتنا کام نہیں ہو رہا اور یہ میں فخر کی راہ سے نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ کی ایک نعمت اور رحمت سمجھ کر اس کا اظہار کر رہا ہوں۔ نہ یہاں پر ترغیب ہے نہ ترہیب اور پھر جس چیز کو جی چاہتا ہے حق تعالیٰ پورا فرما دیتے ہیں یہ ان کا فضل ہی تو ہے کہ کام سب برابر ہو رہے ہیں۔ اب اعلاء السنن کی بعض جلدیں چھپوانے کا ارادہ ہے تخمینہ جو کیا گیا تو کچھ کم و بیش غالباً چار ہزار روپیہ کا صرفہ بیٹھے گا۔ امید ہے ان کی ذات سے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ کام بھی پورا ہو جائے گا۔ یہ اعلاء السنن مذہب احناف کی نصرت میں لکھی گئی ہے اس سے پہلے ایسی کتاب اس ترتیب سے نہیں لکھی گئی حق تعالیٰ اس کو نافع فرمائیں۔

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

(ملفوظ ۱۵۰) ایک صاحب کئی یوم سے خانقاہ میں مقیم تھے انھوں نے مجلس خاص میں آکر بیٹھنے کے وقت حضرت والا سے مصافحہ کیا۔ اس پر حضرت نے مواخذہ فرماتے ہوئے دریافت فرمایا کہ آپ تو کئی روز سے یہاں پر مقیم ہیں پھر اس وقت مصافحہ کرنے کی کیا وجہ ہے۔ عرض کیا کہ دوسرے صاحب مصافحہ کر رہے تھے اس وجہ سے مجھکو بھی خیال ہوا مصافحہ کرنے کا۔ فرمایا کہ یہ تو تمکو بھی معلوم ہوگا کہ یہ نئے آدمی ہیں جو ابھی آئے ہیں اور کیا جس روز سے تم مقیم ہو اس درمیان میں اور کسی نے مصافحہ نہیں کیا۔ یہاں روزانہ لوگوں کی آمد رہتی ہے تو ان کو دیکھ کر کیوں نہیں مصافحہ کیا انھوں نے بھی تمہارے ہی سامنے مصافحہ کیا تھا۔ کیا لغو عذر کرنیکا کچھ شوق ہے۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی۔ معاف فرمائیے۔ فرمایا کہ آپ نے تو ایک چھوٹا سا لفظ کہدیا کہ غلطی ہوئی اور دوسرے کو جو اذیت ہوئی۔ تکلیف پہنچی وہ کس مد میں گئی۔ آپ آنیوالوں کے سامنے مزاج میں تغیر دلاتے ہیں وہ سمجھیں گے کہ بہت سخت مزاج ہے انکو افسوس ہوگا کہ کہاں آکر پھنسے۔ بڑا افسوس ہے۔ سخت افسوس ہے۔ نہایت افسوس ہے۔ لیکن اگر سخت مزاجی کی بدنامی سے بچنے کیلئے خاموش رہتا ہوں تو اصلاح نہیں ہو سکتی اور جب اتنی موٹی موٹی باتوں کی بھی اصلاح نہ ہوئی تو تعلق رکھنے سے فائدہ ہی کیا ہوا۔ اور آگے دقیق باتوں کی اصلاح کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ لوگ اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں لیکن میں نہ خود کسی کا تابع بنتا ہوں اور نہ دوسروں کو اپنا تابع بنانا چاہتا ہوں بلکہ میں خود بھی اصول صحیحہ کا اتباع کرتا ہوں دوسروں کو بھی اصول صحیحہ کا تابع بناتا ہوں۔ اگر یہ پسند نہیں تو ایسی

جگہ جائیے - جہاں آنے والوں کی غلامی کی جاتی ہے - ایسی بہت جگہ ہیں - ان ہی رعایتوں نے آپ لوگوں کے دماغ خراب کر دیئے مگر مجھ سے غلامی نہیں ہو سکتی جواب دیجئے کہ اس غلطی کا منشا کیا ہے جبکہ آپ نے اس سے پہلے ایسی ہمت نہیں کی آج کیوں یہ نیا جوش اٹھا - عرض کیا اب کبھی ایسا نہ ہوگا - دریافت فرمایا اب کیوں ہوا جب تک منشا نہ بتلاؤ گے تو اصلاح کیسے ہوگی - میری تو اس میں کچھ مصلحت نہیں تمہاری ہی مصلحت ہے - یعنی اصلاح کی آپ لوگوں کو فکر ہی نہیں جو جی میں آیا کر لیا اور فکر ہی جڑ ہے تمام چیزوں کی - بھلا ایسے آنے سے کیا فائدہ - اپنا پیسہ خرچ کیا وقت صرف کیا گھر بار چھوڑا سفر کی تکالیف اور صعوبتیں برداشت کیں اور اس پر خود بھی محروم اور دوسرے کو بھی اذیت اور تکلیف پہنچائی - ان رعایتوں کی بدولت تم لوگوں کا ستیاناس ہو گیا تم کسی کام کے نہ رہے تم خراب اور برباد ہو گئے تمہاری معاشرت برباد - تمہارے اخلاق خراب تمہیں کچھ خبر نہیں کہ کون بات راحت کی ہے - اور کون اذیت کی - مثل بہائم کے ہو - میں تم کو بتلائے دیتا ہوں کہ یہ بات اس طریق میں نہایت خطرناک بات ہے کہ معلم کو مکدر کیا جائے اس سے زیادہ خسارہ کی دوسری چیز نہیں - مگر اس کی پرواہ ہی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تو مشائخ کے یہاں اپنی اصلاح کی نیت سے یا غرض سے جاتے ہی نہیں - دوسری ہی اغراض لیکر جاتے ہیں کہ جائیں گے اول تو آؤ بھگت ہوگی تعظیم و تکریم ہوگی خاطر مدارات ہوگی - جاتے ہی مرید ہونے کو کہیں گے مرید کر لیا جائے گا لنگر سے کھانا ملتا رہیگا دو روپیہ دو روپیہ چلتے وقت بطور نذرانہ دیکر رخصت ہونگے - چلو چھٹی ہوئی سب ارکان پیری مریدی کے ادا ہو گئے - اور یہ دینا ایسا ہے جیسے سرائے میں جاکر ٹھہرے اور چلتے وقت کچھ کرایہ مکان اور کچھ کھانے پینے کا حساب لگاکر اور آنہ دو چار آنہ اور زائد بھٹیارے کو دیکر چلتے بنے یہ نقشہ تو مرید کا تھا - اب پیر صاحب کا نقشہ سنئے کہ قبلہ رخ ایک مصلی پر آنکھیں بند کئے بیٹھے ہونگے ہاتھ میں ایک لمبی موٹے موٹے دانوں کی تسبیح ہوگی دنیا و مافیہا سے بیخبر بت کی طرح بیٹھے ہونگے چاہے کوئی لڈو پیڑے چڑھا جائے تب کچھ خبر نہیں یا کوئی بد تمیزی کر جائے تب کوئی خبر نہیں تو ایسے بھی بہت ہیں وہیں جاؤ - ایسے بد فہموں کو وہیں سے فیض ہوگا ایک صاحب نے کہا تھا کہ ہم فلاں شاہ صاحب کے یہاں جاتے تھے تو صبح کو حلوا اور چاء ملتی تھی اور یہاں تو کوئی کسی کو بھی نہیں پوچھتا باوجود اس کے میں نے یہ خیال کر کے کہ ان حضرت کے معتقد ہیں - میں نے ان صاحب کی ایک وقت کی دعوت بھی کر دی تھی مگر خود ان حضرت کی باوجود اسقدر اخلاق اور علم کے آخر میں یہ رائے ہو گئی تھی (یہ رائے مجھکو ایک صاحب سے جو ثقہ ہیں پہنچی) کہ سخت ضرورت ہے ایسے قواعد کی جو اشرف علی نے جاری کر رکھے ہیں - پھر ان صاحب کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ میں آپکو اجازت دیتا ہوں کہ آپ باہر جاکر مجھکو بدنام کریں کہ ایسا بدخلق ہے مجھکو بحمداللہ اسکی پرواہ نہیں - لوگ یہ نظیر پیش کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کے ایسے اخلاق تھے لیکن ان کے اصحاب کے اخلاق کا بھی تو ذکر کرنا چاہئے کہ کیا حالت تھی اور ان بزرگ کے اخلاق سے انکی کیا اصلاح ہوئی مگر اب تو اصلاح کا کوئی طالب ہی نہیں

بس یہ سمجھتے ہیں کہ برکت کیلئے بیعت ہو گئے تو صاحب برکت تو اس طرح بھی حاصل ہو سکتی ہے کہ قرآن شریف گھر میں موجود ہے صبح ہی اٹھے اس کو ادب سے اٹھا کر سر پہ رکھ لیا سینے سے لگا لیا چوم لیا برکت ہو گئی اور اس سے آگے اور بتلاتا ہوں۔ بڑے بڑے بزرگ مُردہ موجود ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کے پاس ہو آیا کرو برکت ہو جاوے گی مگر مُردوں کے پاس تو اس ہی لئے نہیں جاتے کہ وہاں اصلاح نہ ہوگی۔ تعلیم نہ ہوگی اور زندوں سے تعلق اس لئے کرتے ہیں کہ وہاں روک ٹوک ہوگی اصلاح ہوگی۔ پھر جب اصلاح ہی نہ ہوئی تو مُردے زندہ سب برابر ہیں اب اس پر نظر کر کے اگر روک ٹوک کرتا ہوں تو بزرگوں کے اس درجہ مروجہ اخلاق نے لوگوں کے ذہنوں کو خراب کر دیا ہے کہ انکو وحشت ہوتی ہے اور اس کو برداشت نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کہ جبر نہ کریں برداشت میری جوتی سے۔ میں کسی کو کیا بلانے جاتا ہوں خود ہی آتے ہیں سو نہ آؤ میری غرض ہی کونسی ہے مجھسے غلامی نہیں ہوتی۔ تمسے جنکی اغراض اور ضرورتیں وابستہ ہیں وہ تمہاری غلامی کریں گے وہیں جاؤ وہ بھی منہ کھولے انتظار میں بیٹھے ہیں ایسے فہیم اور عقیل لوگوں کی وہیں کھپت ہے۔ میرے یہاں گنجائش نہیں اور نہ ایسوں کے لئے میرے یہاں جگہ ہے۔ میں تو ایسے موقع پر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی جسکو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

(ملفوظ ۴۲۱) ایک صاحب نے عرض کیا کہ میں ایک معاملہ میں حضرت سے مشورہ اور رائے لینا چاہتا ہوں یہ صاحب نو وارد تھے۔ فرمایا کہ میں رائے نہیں دیا کرتا ہوں۔ ساری عمر میں نے یہ کام نہیں کیا۔ میری ساری عمر طالب علمی میں گذری ہے۔ یہ بھی اسوقت کے بزرگوں کے اخلاق مروجہ کا ثمرہ ہے کہ وہ اپنے اخلاق کی وجہ سے معاملات میں رائے اور مشورہ دیدیتے ہیں تو لوگ یہ سمجھ گئے کہ بزرگ اس کام کے بھی ہیں کہ وہ معاملات میں رائے دیا کریں۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ کبھی مشورہ دیدیا اور اس میں نقصان ہوا تو وہ نقصان میرے ذمہ لگا دیا کہ انکے کہنے پر عمل کر لیا اس وجہ سے یہ ہوا جتنے کہ اگر کسی کو فرائض نکالکر دیدیئے تو کہا کہ میں تو انکے کہنے سے مان گیا ورنہ عدالت کرتا۔ لوگوں نے خود ہوشیار بنا دیا۔ اب ہر بات ہر کام کے یہاں قواعد اور اصول منضبط ہیں اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ کسی وجہ سے مستغنی ہیں وہ اور بات ہے اسکو میں ہی سمجھتا ہوں۔

(ملفوظ ۴۲۲) ایک نو وارد شخص حاضر ہوئے سلام مسنون و مصافحہ کے بعد عرض کیا کہ حضرت میں ڈیڑھ مہینہ کا پیدل سفر کر کے حاضر ہوا ہوں اور بیعت ہونیکی غرض سے آیا ہوں۔ آپ کا نام سنا تھا۔ دریافت فرمایا کہ کس سے سنا تھا عرض کیا کہ ایک مولوی صاحب نے اپنے وعظ میں آپ کا نام لیا تھا تب معلوم ہوا تھا۔ فرمایا کہ اگر تم مجھسے بذریعہ خط کے معلوم کر لیتے تو میں تمکو مناسب مشورہ دیتا اور صحیح طریقہ بتلاتا اب اس طرح

آنے کا جسکو تمنے ظاہر کیا مجھ پر بڑا احسان خیر جو کچھ ہوا گذر گیا وہ تو ہو چکا اب آئندہ کیلئے میں بتلاتا ہوں کہ یہ سب کام خط و کتابت سے ہو جائیگا وطن پہنچکر خط لکھو اس سے سب معاملہ طے ہو جائیگا۔ اب یہ بتلاؤ کہ کتنے قیام کی نیت سے آئے ہو۔ عرض کیا کہ جتنا حکم ہوگا تعمیل کروں گا فرمایا کہ پچاس برس تک رہو۔ اگر میں اور تم زندہ رہے تو اس کے بعد پھر بات کرنا۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا پچاس برس رہو گے عرض کیا کہ جی رہوں گا۔ فرمایا کہ کیوں ایسی باتیں کرتے ہو دیوانوں کی سی۔ ایسی بات کیوں کہتے ہو۔ جو نہیں کر سکتے۔ صاف کہو جو دل میں گھر سے سوچ کر چلے ہو۔ عرض کیا کہ دو ماہ رہوں گا۔ فرمایا کہ پہلے ہی یہ بات کیوں نہیں کہدی تھی۔ پھر دریافت فرمایا کہ ان دو ماہ میں کھاؤ گے کہاں سے اس پر خاموش رہے فرمایا کہ کیا یہ نیت کر کے چلے ہو کہ میں پکا پکا کر کھلاؤں گا۔ عرض کیا کہ کھانا مجکو میرے پاس ہے۔ فرمایا کہ میں تم کو خیر خواہی اور ہمدردی کی بناء پر مشورہ دیتا ہوں کہ اتنا طویل قیام یہاں پر مت کرو یوں دس پانچ روز کیلئے اگر جی چاہے مضائقہ نہیں وطن پہنچکر خط و کتابت سے معاملہ طے کر کے کام میں لگو۔ یہی صورت زیادہ بہتر ہے اور اس قیام کے زمانہ میں بھی مجھسے مکاتبت اور مخاطبت کی اجازت نہیں۔ مجلس میں خاموش بیٹھے رہنا ہوگا جو میں کہا کروں اس کو بغور سنا کرو۔ پھر دریافت فرمایا کہ جو میں نے کہا سن لیا اور اچھی طرح سمجھ لیا۔ عرض کیا جی سن لیا اور سمجھ لیا اسی پر عمل کروں گا فرمایا کہ یہ شخص اتنی دور سے آئے انکی ٹانگیں دکھیں میرا دل دکھا اور ٹانگیں تو جلدی اچھی ہو جائیں گی اور جلدی دکھن جاتی رہے گی دل کی دکھن ذرا دیر سے جائیگی۔ عام پیروں کے یہاں تو یہ قصہ ہو رہا ہے کہ آتے جاؤ۔ اور پھنستے جاؤ۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جس کام کی نیت سے سفر کیا خرچ کیا وقت صرف کیا اس میں لگو اور جو کام بھی ہو سمجھ سے ہو اور جس غرض سے کوئی آیا ہے وہ کام ہو۔ نری مجلس آرائی سے کیا ہوتا ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ پریشان تو یہ شخص ہوا اور دل دکھ رہا ہے میرا خواہ مخواہ ان واعظ مولوی صاحب نے بیچارے کو پریشان کیا۔ کیا خاک وعظ کہتے ہونگے۔ جیسا اس غریب کو بہکایا اسی طرح اوروں کو بہکاتے ہونگے۔ میں کیا عرض کروں تکلیف بھی کسی کی نہیں دیکھی جاتی اور غلام بھی نہیں بنایا جاتا اور ساتھ ہی جی چاہتا ہے کہ رعایت اصل مقصود کی ہر حال میں ہو اور وہ اصل مقصود کام ہے مگر آجکل ان رسمی پیروں کی بدولت ایسی رسمیں بگڑی ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء کو ان میں ابتلاء ہے۔ اب تو اللہ کے فضل سے بہت کچھ لوگوں کو معلوم ہو چکا لیکن پھر بھی زیادہ طبقہ بیخبر ہی نظر آتا ہے۔

(ملفوظ ۴۴۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگوں کو تو بڑا شوق ہوتا ہے کہ سفر میں ناشتہ لیکر جاتے ہیں۔ بڑا اہتمام ہوتا ہے اور میرا اصلی مذاق یہ ہے کہ جب میں سفر کیا کرتا تھا تو ناشتہ لیکر نہیں چلتا تھا کیونکہ ہر ضروری چیز اسٹیشن پر ملتی ہے۔ ہاں اوروں کے لئے اہتمام ضرور کیا کرتا تا کیونکہ بازار

کی چیز بعض کو پسند نہیں آتی۔

(ملفوظ ۵۷۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس وقت کوئی شخص میرے پاس کسی کام کو آتا ہے اور ڈھنگ سے آکر پوری اور صاف بات کہتا ہے میں اسکو فارغ کرنے کی بہت جلد کوشش کرتا ہوں۔ یہ میرا معمول ہے مجھکو اس سے تنگی ہوتی ہے کہ ایک مسلمان میری وجہ سے محبوس ہے اس لئے سب کام چھوڑ کر اسکا کام پہلے کر دیتا ہوں۔ پھر فرمایا جب میں دوسروں کا یہاں تک خیال کرتا ہوں تو دوسروں کو بھی مجھے تکلیف نہ پہنچانا چاہئے اور کہنے کی تو بات نہ تھی مگر بضرورت تعلیم کہتا ہوں کہ اوروں کو تو مجھسے کیا تکلیف پہنچتی جو خاص میرے محکوم ہیں یعنی گھر والے ان تک کو میری وجہ سے بحمداللہ کوئی تکلیف نہیں پہنچتی گھر والوں کا یہ معمول تھا کہ جب میں گھر جاتا تب میرے لئے تازی اور گرم روٹی پکاتیں مجھکو اس سے تنگی ہوئی اور تکلیف ہوئی کہ انکو میری وجہ سے تکلیف ہے۔ میں نے کہا کہ میں گرم روٹی نہ کھاؤں گا ایک گھنٹہ کی رکھی ہوئی ٹھنڈی روٹی کھاؤں گا۔ تب گھر والوں نے وہ عادت چھوڑی گو بلا التزام اب بھی ایسا ہو جاتا ہے۔ ایک یہ کہ کبھی وقت پر کھانا نہ کھایا اور دوسرے وقت کیلئے رکھدیا گیا تو کہدیا تھا کہ تم بیفکر ہو جاؤ اور معین جگہ رکھکر بتلاؤ میں خود اپنے ہاتھ سے لے کر کھالوں گا۔ تم ایک جگہ رکھدینے کا انتظام کر دو جگہ کے مقرر ہونے پر مجھکو ڈھونڈنے کی کلفت نہ ہوگی غرض انکو ہر طرح پر فارغ کر دیا۔ اسی طرح اسکے متعلق بہت سے معمولات ہیں۔ یہ ایک آدہ نمونہ کے طور پر ذکر کر دیا۔

۱۵ / جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(ملفوظ ۵۷۳) ایک دیہاتی شخص آیا ہاتھ میں ایک پرچہ لئے ہوئے تھا۔ حضرت والا کے قریب بیٹھکر اس پرچہ کو حضرت کے اوپر پھینکدیا اس پر حضرت والا نے مواخذہ فرمایا کہ ایسی بدتمیزی کی حرکت کیوں کی۔ عرض کیا کہ جی ہم گنوار ہیں۔ فرمایا کہ ایسے گنواروں کا یہاں کام نہیں۔ پہلے گنوار پن اتار و جب یہاں آنا۔ جاؤ اس وقت تمنے جی برا کر دیا اس لئے تمہارا کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ آدمی کی طرح پرچہ دینا چاہئے۔ اسوقت جاؤ اور ایک گھنٹہ کے بعد آکر پرچہ دینا مگر دینا آدمی کی طرح جب کام ہوگا۔

(ملفوظ ۵۷۴) ایک شخص نے پرچہ پیش کیا اس میں تعویذ کی درخواست تھی حضرت والا نے تعویذ لکھکر دیا اور اس کی ترکیب بتلائی اس شخص نے ترکیب سننے کے بعد کوئی جواب نہیں دیا۔

اس پر دریافت فرمایا کہ جو میں نے ترکیب بتلائی سن لی یا نہیں ۔ عرض کیا سن لی ۔ دریافت فرمایا کہ پھر ہاں ۔ نہ کا جواب کیوں نہیں دیا ۔ یہ تو کہدیا ہوتا کہ بہت اچھا ۔ عرض کیا کہ میں کم سنتا ہوں دریافت فرمایا کہ تم کہتے تھے کہ ترکیب سن لی تو کیا بلا سنے ہوئے ہی کہدیا تھا اول یہی کہنا تھا کہ میں کم سنتا ہوں ۔ جواب دو کیا میری بات سنی نہ تھی عرض کیا کہ تھوڑی سی سنی تھی ۔ فرمایا کہ جو کچھ سنی تھی اس کا ہی جواب دیا ہوتا ۔ جواب سے دوسرے کو تو یکسوئی ہو جائے کہ سُن لیا عرض کیا کہ کہنا (خطا) ہوئی فرمایا کہ اب ایسی کہنا (خطا) نہ کرنا کبھی اس کی کتھا (داستان) ہو جائے جیسے اب ہو رہی ہے ۔ اس پر فرمایا کہ ان بیچاروں کا بھی قصور نہیں ۔ قصور تو بڑوں کا ہے ۔ کوئی روک ٹوک نہیں کرتا ۔ اس شخص نے عرض کیا کہ اجی تم پیر ہو جو چاہے کہو تمہارے کہنے کا کون برا مانے ۔ فرمایا کہ بندہ خدا ایک تو آدمیت سکھا رہا ہوں اور اوپر سے ظالم بتلا رہا ہے کہ جو چاہو کہو یعنی گو بیجا ہو ۔ میں کچھ ظلم کر رہا ہوں ۔

(ملفوظ ۱۹۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حق تعالیٰ ہی اگر چاہتے ہیں تو حفاظت کا سامان حفاظت کا کام دیتا ہے ورنہ جو سامان حفاظت ہے وہی سبب ہلاکت کا بن جاتا ہے ۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک عورت بیوہ تھی اور شہر میں ایک بڑی پختہ حویلی میں جس کو قلعہ کہنا چاہیئے رہتی تھی اس عورت کے ایک بچہ تھا ۔ شہرت ہوئی کہ شہر میں بھیڑیا آیا ہے وہ نہایت احتیاط کی غرض سے ایک کوٹھری میں اس بچے کو لے کر لیٹی اور اندر سے زنجیر لگالی ۔ گرمی کا زمانہ تھا پنکھا جھلتی رہی حالانکہ وہاں احتمال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ بھیڑیا اس مکان آسکتا ہے اس لئے کہ اونچی اونچی دیواریں تھیں ۔ غرض تمام شب پنکھا جھلتی رہی ۔ آخر شب میں نیند آگئی ۔ چوروں کا کسی وجہ سے خیال تھا کہ اس کوٹھری میں مال ہے اس خیال کی بنا پر چوروں نے اس میں نقب لگایا ۔ جسوقت پار کر کے اندر داخل ہوئے آدمی کا سانس محسوس کر کے چور بھاگ گئے وہ نقب کی جگہ کھلی رہی اس میں بھیڑیا داخل ہوا اور بچہ کو لیکر چلتا ہوا ۔ جب وقت آتا ہے کچھ عقل وغیرہ کام نہیں کرتی اس کے دل میں یہ ڈالا ۔ چوروں کے دل میں یہ ڈالا ۔ بھیڑیئے کے دل میں یہ ڈالا ۔ خود اسباب حفاظت سبب ہلاکت کا بن گئے ۔

(ملفوظ ۱۹۴) ایک صاحب نے بذریعہ خط چند تعویذوں کی فرمایش بھیجی اس پر فرمایا کہ اتنا کا ایکدم نہیں بنتا چاہیئے جسکو دوسرا آدمی نہ کر سکے جس کو زیادہ تعویذ لینے ہوں اسکو چاہیئے کہ یہاں پر رہنے والوں میں سے کسی سے ملاقات پیدا کرے اور ایک پرچہ فہرست کا لکھ کر اس کو دیدے وہ ایک تعویذ روز لے لیا کرے پھر چاہے ساری عمر لیتا رہے کام سے انکار نہیں مگر قاعدہ اور طریقہ سے ۔

(ملفوظ ۱۹۵) ایک بزرگ کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ خواہ مخواہ یہاں

کے متعلق لوگ تشدد و تشدد کہتے ہیں اور ان بزرگ کو خلیق و حلیم بتلاتے ہیں مجھکو ان بزرگ سے سابقہ پڑا ہی خلوت میں رہتے ہیں اور ان مولوی صاحب نے ان بزرگ کی بہت سی حکایتیں تادیب و سیاست کی بیان کیں مجھکو اس وقت ایک حکایت یاد ہے کہ ان بزرگ کے پاس ایک شخص آیا وہ نفلیں پڑھ رہے تھے اور اندر سے زنجیر لگا رکھی تھی۔ اس نے کھٹ کھٹ کی وہ سلام پھیر کر آئے دروازہ پر۔ یہ شخص چلدیا۔ انھوں نے جاکر پھر نیت باندھی اسنے آکر پھر کھٹ کھٹ شروع کی یہ سلام پھیر کر پھر گئے پھر ندارد۔ پھر نفلوں کی نیت باندھ لی پھر کھٹ کھٹ وہ پھر باہر نکلے اور اس مرتبہ وہ شخص مل گیا۔ ایک چپت رسید کیا۔ یہ تشدد ہے۔ اپنی حرکتوں کو نہیں دیکھتے۔ دوسروں کی ہر بات بدخلقی پر مبنی ہے اور خود بڑے با اخلاق ہیں کہ ایذا پہنچاتے ہیں۔

(ملفوظ ۵۱) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے کبھی کوئی کام بدون اپنے بزرگوں کی اجازت کے نہیں کیا حتے کہ نوکری چھوڑی وہ بھی اپنے بزرگوں کے ارشاد سے۔ یہی میں اپنے دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ جو کام کرنا ہو ہمیشہ پہلے اپنے بزرگوں سے اس میں پوچھ لیا کرو۔ یہ بڑی برکت کا سبب ہوتا ہے یہ جو آجکل خود رائی پیدا ہو گئی ہے اس کی بدولت لوگ زیادہ تباہ و برباد ہیں۔ اس نے تو بڑوں بڑوں کو خراب اور برباد کر دیا اس سے سخت اجتناب کی ضرورت ہے۔

(ملفوظ ۵۲) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض اور برکات ہیں۔ انہیں کی دعاؤں کے ثمرات ہیں میرے پاس تو کوئی چیز بھی نہیں۔ حضرت ہی کے فیض باطن کی برکت سے یہ مدتوں کا مردہ طریق زندہ ہو گیا۔ حضرت اپنے زمانہ کے اس فن کے مجتہد تھے محقق تھے مجدد تھے امام تھے سچ یہ ہے کہ حضرت کی شان ہی جدا تھی۔ حضرت کے یہاں جمعیت قلب کا بہت بڑا اہتمام تھا یہ تعلیم تھی کہ اس جمعیت میں اگر تعلقات مخل ہوں تو انکو چھوڑ دینا چاہیئے اور اگر عدم تعلقات مخل ہوں انکو چھوڑ دینا چاہیئے مریدوں پر حضرت باپ سے زیادہ شفیق تھے حتے کہ اس شفقت کے آثار خواب تک میں نمایاں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حیدرآبادی ماموں صاحب کے پاس جاکر بیٹھنے کے متعلق حضرت نے خواب میں فرمایا کہ میاں انکے پاس جاکر بیٹھنے سے خارش پیدا ہو جائیگی۔ پھر میں نہیں گیا اس پر ماموں صاحب مجھسے خفا ہو گئے۔ معبرین کے یہاں خارش یا جذام کی تعبیر بدعت ہے۔ ماموں صاحب کا مسلک ہم لوگوں کے خلاف تھا۔ صاحب سماع تھے اور اس میں بھی غلو کا درجہ پیدا ہو گیا تھا۔ مگر باتیں ماموں صاحب کی بڑی حکیمانہ ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ مجھسے فرمایا کہ میاں کہیں دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی بدولت اپنی گٹھری نہ اٹھوا دینا۔ مجھکو تو یہ بات بڑی پسند آئی۔ ایک بات میں نے یہ بھی دیکھی کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جواب سے شفا ہو جاتی تھی۔ اور ماموں صاحب کے جواب سے شفا نہ ہوتی تھی۔ ویسے بڑے ذہین ذکی تھے

اور آجکل کے رسمی پیروں کی طرح دکاندار نہ تھے لیکن سماع وغیرہ میں غلو کا درجہ تھا۔ یہاں پولیس میں ایک تھانیدار تھے وہ بھی ماموں صاحب کی خدمت حاضر ہوتے تھے ایک روز ماموں صاحب کے یہاں سماع کا سامان تھا۔ تھانہ دار سے کہا کہ آپ بھی آئیں انھوں نے کچھ بری ہوئی آواز سے کہا کہ بہت اچھا۔ ماموں صاحب نے فرمایا کہ کیا تمکو اس میں کچھ کلام ہے انھوں نے کہا کہ میں پولیس کا حاکم ہوں۔ میرے ہاتھ سے ظلم بھی ہوتا ہے رشوت بھی لیتا ہوں تو سماع تو اس سے کم ہی درجہ کا ہے اس میں کیا کلام ہوتا۔ ماموں صاحب شرمندہ ہو گئے۔ ایک بار ان تھانہ دار نے ماموں صاحب سے عرض کیا تھا کہ علماء کے مقابلہ میں آپ کی بات اسلئے نہیں مانی جاتی کہ آپ جو کہتے ہیں مشاہدہ سے کہتے ہیں اور ہم کو مشاہدہ ہے نہیں نہ آپ مشاہدہ کرا سکتے ہیں اور علماء جو کہتے ہیں دلائل سے کہتے ہیں اور دلائل ہم بھی سمجھ سکتے ہیں تو اگر آپ ہمکو بھی مشاہدہ کرا دیں تو پھر انکے انکے دلائل کا مقابلہ کریں اس پر ان تھانہ دار کو ماموں صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن باوجود اسکے پھر اس زمانہ میں سلامتی تھی۔ آجکل کے جیسے بدعتی ہیں وہ ایسے نہ تھے۔ چنانچہ علماء میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بیحد معتقد تھے اور بدعتیوں کو برا بھلا کہا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے تمام عمر خدمت دین کی حتیٰ کہ اس میں جان تک دیدی کیا وہ ہستی ایسی ہے کہ اس پر اعتراض کئے جائیں عجیب بات ہے کہ مداح ہوئے تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جو سب میں زیادہ بدنام ہیں۔

۷۵۲
(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل یہ مرض بھی عام ہو گیا ہے کہ لوگ باتیں زیادہ بناتے ہیں۔ زبانی جمع خرچ چاہے جتنا کرا لو اور جب کام کرنے کا وقت آتا ہے یا کرنا پڑتا ہے اسوقت بغلیں جھانکتے نظر آتے ہیں اور جو لوگ کام کر نبواے ہیں ان پر اعتراضات کی بھرمار رہتی ہے کہ یہ کمی ہے یہ نہ کیا وہ کر دیا تو ان لوگوں کے نام کی شرم بھی تو نہ رہی خود تو کچھ نہ کرنا نہ دھرنا اور وں پر اعتراض یہی وجہ ہے کہ لوگ دین کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے اگر کوئی ارادہ کرتا بھی ہے تو یہ آفت ہے۔ میں تو ایسے موقع پر یہ پڑھا کرتا ہوں خوب ہی کہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ضروری کام کرنا چاہئے خواہ دنیا میں اس کا ثمرہ مرتب نہ ہو ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن　　　　بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا!

کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشق باز　　　　اے رو سیاہ تجھسے تو یہ بھی نہ ہو سکا

۷۵۳
(ملفوظ) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آئر لینڈ سے آیا ہے لکھا ہے کہ میں عنقریب ہندوستان آنیوالا ہوں اور میرا روپیہ بنک میں جمع ہے اس کے سود کو لیکر کہاں خرچ کرنا چاہئے۔ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ اسکو لے کر ہندوستان آجاؤ اور پھر آکر مسئلہ پوچھو۔ ایسا جواب اس لئے لکھا کہ نازک مسئلہ ہے

معلوم نہیں تحریر سے کچھ غلط فہمی ہو جاوے۔ پھر فرمایا کہ بہت ہی دور جگہ ہے لیکن ان جہازوں اور ریل کی بدولت کچھ بھی دور نہیں۔

(ملفوظ ۵۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل لوگ علاج یا اصلاح کرانے تھوڑا ہی آتے ہیں کیونکہ مریض بن کر آنے میں تو سبکی ہوتی ہے طبیب آتے ہیں فن کے متعلق سوالات کرنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ مرض پڑھے لکھے لوگوں میں زیادہ ہے اور یہ سب جاہ کا مرض ہے تاکہ معلوم ہو کہ بڑے فن کے جاننے والے ہیں۔ محقق ہیں۔ مجتہد ہیں گو سراپا امراض ہیں مگر اپنے کو تندرست سمجھتے ہیں اور یہ حالت نہایت خطرناک ہے کہ مریض ہو کر اپنے کو مریض نہ سمجھے مگر ایسی رسمیں بگڑی ہیں کہ کچھ کہا نہیں جاتا اور یہ سب ان دکاندار پیروں کی بدولت خرابیاں پیدا ہوئی ہیں کہاں تک لوگوں کی اصلاح کی جائے اور چونکہ یہاں پر یہ باتیں چلتی چلاتی نہیں اس لئے کہ میں انکی نبضیں پہچانتا ہوں اس پر روک ٹوک کرتا ہوں اور یہ بد دماغ اس کو برداشت نہیں کر سکتے اسلئے خفا ہو کر چل دیتے ہیں باہر جا کر بدنام کرتے ہیں۔ بدنام کیا کریں اور خفا ہوا کریں میری جوتی سے۔ ایک دفعہ کو مزاج درست ہو جاتے ہیں۔ اس سے بھی جی خوش ہوتا ہے کہ ایسے بدفہموں کو سبق تو ملا مجھکو تو اذیت اور تکلیف پہنچتی ہی ہے مگر ان کو بھی چھٹی تک کا دودھ یاد آجاتا ہے۔ آخر کب تک تغیر نہ ہو کہاں تک صبر کروں۔ اس طرح آتے ہیں جیسے کوئی نواب صاحب ہوتے ہیں۔ بدفہم، بدعقل آج جنکو نکلا ہے انکی کتابیں ختم ہو گئیں۔ عالم فاضل مولانا مولوی کہلائے جانے لگے اور تمیز ابھی تک ایک دیہاتی کی برابر بھی پیدا نہ ہوئی۔ اب ساری عمر کیلئے کان کھل گئے اب کبھی ایسی حرکت تو کریں گے نہیں۔

(ملفوظ ۵۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض گورنمنٹیں بھی بڑی ہوشیار ہیں۔ شاہان سلف کی طرح کچھ لینا دینا تو ہے نہیں کارگزاریوں پر یا آئندہ کی بعض مصلحتوں کی بنا پر کچھ خطابات عطا کر دیتی ہے ایک واعظ صاحب بڑے ہی ظریف اور ذہین تھے۔ کہتے تھے کہ خطاب بھی گورنمنٹ نے عجیب تجویز کیا ہے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ کہنے لگے کہ سیدھا یوں ہی نہ کہدے عیسائی۔

(ملفوظ ۵۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عشق ہی وہ چیز ہے کہ تمام ان چیزوں کو جو بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہیں آسان کر دیتا ہے۔ قلب میں اس کے آجانے کے بعد سب قیل و قال چون و چرا ھباء منثورا ہو جاتے ہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

عشق آمد عقل او آوارہ شد   صبح آمد شمع او بیچارہ شد

اس پر ایک حکایت یاد آئی ایک بڑھیا سندھ کے علاقے میں بکریاں چراتی ہوئی حاجیوں کو حج کو جاتے ہوئے دیکھ کر حج کو چل پڑی۔ حاجیوں کی ہلیوں پیچھے پیچھے ہوئی۔ بکریاں بھی جنگل ہی میں چھوڑ دیں۔ حاجیوں نے رحم کر کے گاڑی میں بٹھا لیا۔ اس میں تو کسی کے کچھ دام خرچ نہیں ہوئے

مگر کراچی پہنچکر جہاز پر سوار ہونے کے لئے تو مستقل کرایہ کی ضرورت تھی وہاں یہ غیبی سامان ہوا کہ بادی بغلہ والوں نے کہا ہم الگ الگ ٹکٹ نہ دیں گے۔ پورا بغلہ کرایہ کرنا ہوگا اس طرح سے بڑھیا کرایہ سے بچی اب جہاز کے بعد تو خرچ کی ضرورت لازم ہے وہاں یہ سامان ہوا کہ وہاں جہاز کے اندر حجاج کے بچوں میں بیماری شروع ہوگئی۔ بڑی بی سے دم کرانا شروع کیا جس پر دم کیا وہی اچھا کسی نے روپیہ کسی نے دو روپیہ دیا۔ اونٹوں کے کرایہ کا کام ہوگیا۔ مکہ معظمہ پہنچکر بعد فراغ الحج مدینہ شریف کا سفر شروع ہوا۔ بڑی بی پیادہ چل کھڑی ہوئیں۔ قافلہ میں ایک رئیسہ بیگم صاحبہ بھی جارہی تھیں ایک منزل پہنچکر انکی شریک سواری بی بی کا انتقال ہوگیا انھوں نے اپنے حشم کو حکم دیا کہ کوئی نیک بی بی سواری کی شرکت کیلئے تلاش کرو۔ چنانچہ یہ بی بی ملیں اس طرح سے وہ انکو ہمراہ لے گئیں۔ دیکھئے وہ اس طرح خود کھینچ لیتے ہیں۔ خوب کہا ہے ؎

خود بخود آں شہ ابرار بر می آید ✻ نہ بزور و نہ بزاری نہ بزر می آید

جسکو وہ چاہتے ہیں وہ اس طرح پہنچ جاتا ہے مگر انکے چاہنے کیلئے شرط ہے طلب صادق ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ایک بادشاہ اپنے بالاخانہ پر بیٹھے تھے۔ یہ بزرگ چلے جارہے تھے بادشاہ نے انکو بلایا۔ ان بزرگ نے کہا کس طرح آؤں۔ دروازہ بہت دور۔ بادشاہ نے کمند ڈالدی اسکو پکڑ لیا اور اوپر کھنچ لے گئے۔ بادشاہ نے عرض کیا کہ حضرت میں نے آپکو اسلئے تکلیف دی ہے کہ ایک مسئلہ پوچھنا ہے وہ یہ کہ آپ کی خدا تک کس طرح رسائی ہوئی۔ فرمایا جسطرح تم تک رسائی ہوئی۔ میرے پاس کون ذریعہ تھا تم تک پہنچنے کا تمنے چاہا کمند ڈال کر کھینچ لیا۔ پہنچ گیا۔ عجیب جواب ہے۔

(ملفوظ ۷۵۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بدون طلب صادق اور خلوص کے کچھ نہیں ہوسکتا نہ منزل مقصود ہاتھ آسکتی ہے۔ طلب صادق اور خلوص ہی وہ چیز ہے کہ بظاہر بڑے بڑے اہم کاموں کو سہل کردیتا ہے اور منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے بس ان دونوں چیزوں کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر انکے پیدا ہونے کے بعد منزل مقصود بالکل قریب ہے۔

(ملفوظ ۷۵۹) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگی اور ولایت الگ چیز ہے اور ان کا حاصل ہونا بھی آسان ہے اس لئے کہ اس کا واسطہ ایک بہت بڑے کریم اور رحیم سے ہے بندہ کی ادنیٰ توجہ سے فضل ہوجاتا ہے۔ مشکل تو آدمیت اور انسانیت کا پیدا ہونا ہے کیونکہ اسکا تعلق مخلوق سے ہے اسی کے متعلق حقوق العباد ہیں اس لئے اس کا بہت اہتمام ضروری تھا مگر آجکل اسی کو دین کی فہرست سے خارج سمجھتے ہیں۔

(ملفوظ ۷۶۰) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ محض صورت بنانے سے کیا ہوتا ہے بڑی چیز سیرت ہے مگر فلاح کامل میں صورت اور سیرت دونوں کے ٹھیک ہونے کی ضرورت ہے

ورنہ اگر محض صورت ہی صورت ہو تو اس کے متعلق مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر بصورت آدمی انساں بُدے
احمد و بوجہل ہم یکساں شدے

(ملفوظ ۷۶۱) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نہایت خلاف اصول اور بالکل لغو طریق ہے کہ سب کے سب ایک ہی کام میں لگ جائیں اور ایک ہی طرف متوجہ ہو جائیں۔ دنیا کی متمدن قومیں سب اس پر متفق ہیں کہ تقسیم عمل ہونا چاہئے اگر تمام ملک فوج ہی بنجائے یا پولیس ہی بن جائے۔ یا سب کے سب دفتری ہی بن جائیں تو ہو چکا کام اور ہو چکا ملک کا انتظام یہ لوگ جو ایسا کرتے ہیں عقلاء کہاں ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ آجکل کے عاقل آکل ہیں عقل کی ایک بات نہیں صرف اکل کی فکر ہے۔

(ملفوظ ۷۶۲) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اکبر حسین جج الہ آبادی کا کلام بھی عجیب ہے مالوی نے جس وقت سنا وجد ہو گیا کہتے ہیں ؎

ساغر اُن کا ساقی اُن کا
آنکھیں میری باقی ان کا

۱۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

(ملفوظ ۷۶۳) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرا اصلی مذاق یہ ہے کہ میری طرف سے کسی پر گرانی نہ ہو اگر دونوں شق مباح ہوئے تو میں کسی کو ایک پر مجبور نہیں کرتا بالکل آزادی دیدیتا ہوں

(ملفوظ ۷۶۴) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ حب جاہ کا مرض بھی بڑا ہی خبیث اور منحوس مرض ہے اس کی بدولت یہاں تک تو نوبت آگئی ہے کہ لوگ حسب نسب تک بدل دینے کو تیار ہیں آجکل اکثر قومیں جابجا کانفرنسیں منعقد کر رہی ہیں کہ ہم فلاں ہیں فلاں ہیں۔ میں بھی ان دلائل کا مشتاق ہوں کہ وہ دلائل کیا ہیں جن سے خاص قوم سے ہونا ثابت کریں گے ان لوگوں کو خبط سوار ہوا ہے۔ عزت اور ذلت تو کمال اور عدم کمال پر موقوف ہے۔ باقی حسب نسب کی بعض خاصیتیں فطری چیزیں ہیں۔ نسب بدلنے سے بھی وہ نہیں بدلتیں ان خاصیتوں کو بیان کرنے سے بُرا ماننا محض عبث ہے۔ ایک راجپوت بیان کرتے تھے کہ ایک پیر کے مُرید ایک راجپوت تھے۔ اس نے اپنے پیر سے کہا کہ اپنے لڑکے کو جو آپ وصیتیں کر رہے ہیں ایک وصیت یہ بھی کر دیجئے کہ کسی راجپوت کو مرید نہ کرے۔ پیر نے کہا یہ کیا بات دیکھو تم راجپوت ہو اور کیسے مخلص ہو۔ کہنے لگا بار ہا میرے دل میں آیا کہ

تمہاری بھینس کھول لے جاؤں۔ میں تو ضبط کرتا رہا لیکن سب ضبط نہیں کر سکتے۔ ایک رئیس خاں صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک شخص نے ایک پٹھان بزرگ کی تعریف کی۔ مخاطب نے کہا کہ بے دیکھے ہم نہ مانیں گے چنانچہ دونوں انکی خدمت میں گئے اور اس مخاطب نے انکو جوش دلانے کے لئے کہا کہ آپ جنگل میں تنہا رہتے ہیں جہاں شیر بھیڑیئے رہتے ہیں۔ آپکو بہت ڈر لگتا ہوگا۔ بزرگ کو جوش آگیا کہ بزدلی کی نسبت انکی طرف کی۔ کہنے لگے میں شیر بھیڑیئے سے تو کیا ڈرتا۔ میں خدا سے تو ڈرتا ہی نہیں۔ ایک بار حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بسبیل گفتگو فرمایا کہ یہ شیخ زادہ کی قوم بڑی خبیث ہے ایک شخص نے اسی مجلس میں کہا کہ حضرت آپ بھی تو شیخزادہ ہیں۔ بے ساختہ فرمایا کہ میں بھی خبیث ہوں۔ اور میں یہ کہا کرتا ہوں کہ یہ شیخ کی قوم فطرتی ہوتی ہے اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو ہر قوم میں ضرب المثل کے طور پر ہیں۔ خدا معلوم ان نئے مدعیوں کو کیوں اسقدر جوش ہے۔ ادھر تو یہ کہ عربی النسل بننے کو پھرتے ہیں اور ادھر کہتے ہیں حسب نسب اور شرافت کوئی چیز نہیں۔ اگر کوئی چیز نہیں تو تم کیوں قدیم نسب چھوڑ کر جدید قوم بننے چلے کہتے ہیں کہ سب نسل آدم ہیں۔ ٹھیک ہے پھر کس لئے یہ کانفرنسیں ہو رہی ہیں اور کیوں سرگرداں اور بدحواس ہوئے پھرتے ہو یہ کچھ بھی ہو گھر بیٹھو۔ جب حسب نسب اور شرافت کوئی چیز نہیں قوم کوئی چیز نہیں سب نسل آدم ہیں تو آخر یہ نئی قوم بننے کو کیوں جی چاہتا ہے۔ یوں ہی ہڑبونگ مچا رکھا ہے نہ کسی بات کا کوئی سر ہے نہ پیر۔ متضاد باتیں کرتے پھرتے ہیں اور اوپر سے دھمکیاں دیتے ہیں۔ اور یہ شرفاء تو خواہ مخواہ بدنام ہیں کہ یہ غریب قوموں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ انکی شرافت تو پرانی ہے۔ نئی اور مصنوعی نہیں اسلئے انکو اسکے اثبات کا اہتمام نہیں۔ اور شرافت نسبی تو وہ چیز ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس پر فخر کیا ہے مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں کفار کے مقابلہ میں۔ مگر یہ تو ثابت ہوا کہ یہ شرف کی چیز ہے۔ میرے پاس بکثرت ایسے لوگوں کے استفتے آئے میں نے کئی جگہ یہ جواب لکھدیا کہ زبانی آکر سمجھ لو۔ یہ اسلئے کہ نہ معلوم کہاں کہاں شائع کریں گے اور کیا معنی عبارتوں کے گھڑیں گے فہم اور عقل تو خود ہی ظاہر ہے۔ اسکے مناسب ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک امام تھے جو ولدالحرام تھے۔ بعض لوگوں کو علم تھا اور اکثر بیخبر تھے مگر جنکو علم تھا وہ سمجھدار لوگ تھے۔ فضیحت نہیں کرتے تھے مگر ایک خیرخواہ صاحب پیدا ہوئے ان امام صاحب کی نصرت کی۔ اور ایک رسالہ چھاپا اس میں ان امام صاحب کا نام تک لکھدیا کہ ولدالحرام ہونا جبکہ علمی و عملی کمال رکھتا ہو موجب کراہت امامت نہیں۔ دوستی بے خرد چوں دشمنی است۔ جنکو معلوم نہ تھا انکو بھی معلوم ہوگیا اور جو نہ جانتا تھا وہ بھی جان گیا۔ تو اسی طرح یہ نئے مدعی فتوے چھپوائیں گے تو لوگ سمجھیں گے کہ مستفتی فلاں قوم کا ہے خود تو اپنا نقص ظاہر کرتے پھرتے ہیں دوسروں پر الزام ہے۔

(ملفوظ ۶۹۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل علم پہلے زمانہ میں جو ہوئے ہیں ان میں استغناء کی شان ہوتی تھی۔ اب تو جسکو دیکھو امراء کے دروازوں پر نظر آتے ہیں۔ پہلے فقر و فاقہ کو اپنا زیور سمجھتے تھے۔ دنیا سے نفرت اور دین سے رغبت اور اسی میں مشغول رہتی تھی۔ اسی کی برکت تھی اور اسی سے عزت تھی۔ اب جب سے اپنے بزرگوں کا یہ مسلک اور مشرب چھوڑ دیا ویسے ہی ذلیل و خوار ہیں باقی جو بڑے بڑے متکبرین ہیں وہ اب بھی فقیروں کے دروازہ پر آتے ہیں اور کوئی سچا فقیر انکے دروازوں پر نہیں جاتا۔ اور یہ شان ان کے لئے اس قدر شایاں ہے کہ دوسرے قوم کے لوگ ان کیلئے اسی کو زیبا بتلاتے ہیں۔ ایک غلام مصطفٰے نامی کانپور میں مولوی ہیں۔ بڑے دلیر ہیں۔ ایک بڈھے انگریز یعنی لفٹننٹ گورنر کے پاس پہنچے ملاقات ہوئی کہا کہ کیا مولویوں کا آپ کے یہاں کوئی حق نہیں۔ کیا یہ آپکی رعیت نہیں۔ لفٹنٹ گورنر نے کہا کہ حق ہے۔ حق کیوں نہ ہوتا آپ فرمائیے بات کیا ہے۔ کہا کہ کوئی نوکری دلوائیے۔ کہا کہ نوکری بہت مگر میں آپکو ایک نیک اور مفید مشورہ دیتا ہوں کہ آپ عالم ہیں۔ آپ کو اللہ نے علم دین عطا فرمایا ہے۔ آپ اللہ کے بھروسہ پر کسی مسجد میں بیٹھکر درس دیجئے گا آپ کی شان کے لئے یہی شایاں ہیں۔ ہمارے یہاں کی نوکری آپ کی شان علم کے خلاف ہے اللہ آپ کے کفیل ہوں گے۔ اس کے بعد اپنے خدمتگار کو اشارہ کیا وہ ایک کشتی میں پچاس روپیہ لیکر حاضر ہوا۔ لفٹننٹ گورنر نے وہ کشتی اپنے ہاتھ میں لیکر نہایت احترام اور ادب سے ان مولوی صاحب کے سامنے پیش کی یہ قبول فرما لیجئے انھوں نے کہا کہ میں آپ کے مشورہ پر عمل کرنے کی نیت کر چکا ہوں کہ اب تو اللہ ہی دے گا تو لوں گا۔ اس مشورہ پر یہیں سے عمل شروع کرتا ہوں۔ اس لئے یہ نہ لونگا کسقدر حوصلہ کی بات ہے۔ میں نے سن کر کہا کہ اتنی ہی کمی نکلی ہیں اگر ہوتا لے لیتا۔ اسلئے کہ دین پر نیت کر لینے ہی کی خلوص کی برکت تھی کہ اللہ نے وہیں سے کفالت شروع کر دی وہ بھی تو اللہ ہی دلوا رہے تھے وہ بیچارا کیا دیتا۔ غرضکہ اہل علم کو استغناء کی سخت ضرورت ہے خصوص امراء کے دروازوں سے تو انکو بالکل ہی اجتناب چاہیئے اس میں دین علم دین اہل دین سب کی ذلت ہے سبکی ہے مجھکو تو اس سے بڑی نفرت ہے۔ اور میں جب کوئی واقعہ اہل علم کا امراء کے ساتھ تملق کا سنتا ہوں سخت افسوس ہوتا ہے۔ میں تعلق کو منع نہیں کرتا۔ تملق کو منع کرتا ہوں۔ یہ اہل علم کی شان سے بہت ہی بعید ہے مگر کس طرح دل میں دل ڈالدوں۔

(ملفوظ ۶۹۶) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں طریق ہی کی حفاظت کی وجہ سے کہ اس کی ذلت نہو ان متکبرین کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہوں تاکہ یہ دین کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں۔ طالب کو مطلوب اور مطلوب کو طالب بنانا خود تحقیر اور ذلت کی بات ہے۔ طریق مطلوب ہے اب ایسا برتاؤ کرنا کہ جس سے اس کا طالب ہونا ظاہر ہو اس سے غیرت آتی ہے۔ اور آجکل کے رسمی اور دکاندار

پیروں نے یہی طرز اختیار کر رکھا ہے کہ طریق کو طالب بنا کر دکھلایا جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے متکبر لوگوں کے دماغ خراب ہوئے۔ یہاں پر بحمد اللہ اگر اچھی طرح پتہ چل جاتا ہے اور دماغ درست ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ خفا ہیں اور مجھکو بدنام کرتے ہیں ورنہ میں نے کسی کے کونسے روپے مار لئے ہیں۔ بس یہی لڑائی ہے۔

(ملفوظ ۴۶۷) ایک صاحب نے عرض کیا کہ سر سید کی وجہ سے زیادہ ہندوستان میں گڑبڑ پھیلی لوگوں کے عقائد خراب ہوئے۔ فرمایا کہ گڑبڑ کیا معنے اس شخص کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان تباہ اور برباد ہو گئے۔ ایک بہت بڑا گمراہی کا پھاٹک کھول گیا۔ اسکے اثر سے اکثر نیچری ایمان سے کورے ہوتے ہیں۔ ہمارے قصبات میں ایک شخص انگریزی خواں وکیل ہے اسنے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپ بہت بڑے قوم کے ریفارمر تھے آپ نے عرب جیسی جاہل قوم کی اصلاح کی۔ آپ بہت بڑے مصلح ہیں۔ اس وقت کے مطابق اصلاح فرمائی۔ باقی پیغمبری یہ محض ایک مذہبی خیال ہے اور اس وقت کیلئے وہ اصلاحات کافی نہیں۔ یوں ہی لوگ لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ باقی اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میں اس سے آپکی توہین کرنا چاہتا ہوں۔ نہیں نہیں میں ان کو ایک بہت بڑا ریفارمر اور مصلح سمجھتا ہوں۔ میرے دل میں آپ کی قدر ہے۔ اب ایسے بد فہموں اور بد عقلوں کا کیا علاج اور کیا فتوی دیا جائے۔

۱۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(ملفوظ ۴۶۸) ایک صاحب نے اتنی عجلت سے پنکھا کھینچنے کیلئے پکڑ لیا کہ حضرت والا مجلس میں اپنی جائے قیام پر اچھی طرح پر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے۔ اس پر فرمایا کہ اگر میں دس منٹ اور کھڑا رہتا تو تم کیا کرتے یہ کوئی انسانیت ہے۔ کیا اور دس منٹ تک اسی میں قلب کو مشغول رکھتے کہ یہ بیٹھیگا تو میں پنکھا کھینچوں گا گیا ایسے انہماک کی ساتھ غیر اللہ کی طرف مشغول رہنا یہ طریق میں مضر نہیں۔ آپ لوگوں کو تعلیم کرنا بھی عبث ہی ہے۔ آخر میں کہاں تک چکنے گھڑوں پر پانی ڈالوں جبکہ تم لوگوں کو خود ہی اپنی اصلاح کا خیال نہیں۔ ہر کام موقع اور حدود کے اندر کرنا چاہئے۔ مومن کا قلب تو ایسا ہونا نہیں چاہئے کہ ہر وقت کسی دوسرے ہی کی طرف مشغول رہے۔ مومن کا قلب تو ایک ہی شغل کے واسطے بنایا گیا ہے۔ یہ تو قلب کو تاریک کرنا ہے۔ مجھکو بھی اسی سے وحشت ہوتی ہے کہ ناموزوں حرکتیں کر کے

میرے قلب کو بھی لوگ غیر اللہ میں مشغول رکھنا چاہتے ہیں۔ جس سے مجھکو الجھن ہوتی ہے۔ صبر بھی کرتا ہوں مگر پھر تغیر ہو جاتا ہے۔ اب چپ بیٹھے ہو اپنی غلطی کو محسوس کیا یا نہیں۔ ہاں یا نہ کچھ جواب تو ملنا چاہئے۔ عرض کیا کہ اپنی غلطی کو سمجھ گیا۔ اب آئندہ خیال رکھوں گا۔ فرمایا کہ مجھکو تو اس کا افسوس ہے کہ میں تو آپ لوگوں میں دین کے پیدا کرنے کی کوشش کروں اور تم مجھکو افراط فی التعظیم کر کے جو اس وقت کی حرکت کا منشا تھا فرعون بنانے کی کوشش کرو۔ یہ باتیں اور ہی جگہ چلتی ہیں۔ مجھکو ایسی خدمت سے اور ایسی تعظیم سے نفرت ہے۔ خدمت سے اسوقت راحت ہوتی ہے جبکہ روح کو تکلیف نہ ہو تب ہی جسم کو راحت ہوتی ہے۔ اس کا خیال رکھنے کی سخت ضرورت ہے کہ روح کو تکلیف نہ ہو۔ ایک صاحب یہاں پر آئے تھے مجھ پر بھوت کی طرح مسلط ہو گئے۔ ذرا اٹھا جوتے اٹھا لئے۔ ذرا بیٹھا پنکھا کھینچنا شروع کر دیا۔ اذان ہوئی لوٹہ بھر کر رکھدیا میں نے منع کر دیا تو اس پر ایک پرچہ لکھ کر دیا کہ مجھکو سعادت سے محروم کر دیا گیا۔ میں نے بلا کر کہا کہ جہاں سعادت میسر ہو وہاں جاؤ۔ یہاں تو سعادت سے محروم ہی رکھا جاتا ہے۔ تب آنکھیں کھلیں۔ میں نے کہا کہ جس کام کو آئے ہو وہ کرو۔ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے تب ان سے پیچھا چھوٹا۔

(ملفوظ ۷۶۹) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض چیزیں ذہن میں آتی ہیں اور پھر وہ اکابر کے کلام میں نکل آتی ہیں تو بہت لوگ تو اس سے افسردہ ہو جاتے ہیں کہ یہ چیز ہماری طرف منسوب نہیں رہی۔ اور مجھکو اس سے بحمد اللہ بہت مسرت ہوتی ہے کہ اکابر کے ساتھ توافق ہوا ذہن کو۔

(ملفوظ ۷۷۰) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہندوستان میں بدعت کا قلع قمع حضرت سید صاحبؒ اور مولانا شہید صاحبؒ کی بدولت زیادہ ہوا۔ مولانا تو برہنہ شمشیر تھے۔ اور حضرت سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ذات بھی بڑی برکت والی تھی جہاں جہاں کو تشریف لے گئے وہاں اب تک برکات موجود ہیں۔ تھانہ بھون بھی تشریف لائے ہیں۔ باقی حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ایک مستقل اور ممتاز شان تھی۔ آپ کی بڑی حکیمانہ باتیں ہوتی تھیں۔ ہر بزرگ کا رنگ جدا ہوتا ہے۔ جیسے باغ میں ہر قسم کے پھول ہوتے ہیں۔ رنگ جدا۔ خوشبو جدا۔ پتی جدا۔ ایسے ہی یہ حضرات ہوتے ہیں۔ خود حضرات انبیاء علیہم السلام جس قدر ہوئے ہیں سب مختلف الاحوال ہوئے ہیں۔ ایسے ہی انکے غلام بھی مختلف الاحوال ہوتے ہیں مگر باوجود احوال کے اختلاف کے ایک چیز ان سب میں مشترک ہے وہ طلب رضاء حق ہے یہ سب کے اندر ہوتی ہے۔

(ملفوظ ۷۷۱) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں آجکل مدعیانہ محبت نبوی نے بدعات کا رواج دیکر لوگوں کے ایمان برباد کرنیکا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ ہر وقت شرارت کا شغل ہے۔ اور ان لوگوں کو ذرا خوفِ خدا نہیں۔ ان لوگوں کا شب و روز کا یہی مشغلہ ہے کہ اہل حق کو ستاتے ہیں۔ بے بنیاد الزامات

اور بہتان لگاتے ہیں۔

۱۷ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

(ملفوظ ۲۷۲) ایک نووارد صاحب سے حضرت والا نے فرمایا کہ میں کلام اس پر کر رہا ہوں کہ آپ نے اپنے سفر کی بناء تعلیم کا حاصل کرنا بتلایا ہے۔ سو اس پر کلام ہے۔ کیا آپ میری بات کو سمجھے نہیں جو ادھر ادھر کی ہانکتے ہو۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آٹھ روز کا قیام تعلیم کیلئے کافی نہیں۔ اسکی حقیقت معالجہ کی سی ہے۔ ایک دو روز یا دس پانچ روز میں تعلیم نہیں ہو سکتی۔ یہ سلسلہ تو ایک مدت دراز تک رہتا ہے۔ آپ نے بڑی غلطی کی۔ آپ کو خط کے ذریعہ پہلے مشورہ کر لینا چاہئے تھا تاکہ اس سفر کی صعوبت سے بچ جاتے۔ یہ کام تو خط کے ذریعہ سے بھی ہو سکتا تھا۔ اب یہ سفر بیکار ہی رہا۔ مجھکو تو اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ آپ لوگوں کا روپیہ صرف ہوتا ہے۔ وقت خرچ ہوتا ہے۔ سفر کی تکالیف اور صعوبت برداشت کرنی پڑتی ہیں اور ان چیزوں کا اثر بھی ہوتا ہے کہ آپکی پوری خدمت کروں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ کام تو کام ہی کے طریقہ سے ہوتا ہے۔ اس میں کوئی رعایت نہ ہو سکتی ہے۔ نہ کر سکتا ہوں۔ اگر لوہار لوہے کی رعایت کرے اسکو بھٹی میں نہ دے اور اس پر گھن نہ بجائے تو پھر اس کے کھرپے پھاوڑے اور گنڈاسہ پھالی کیسے بن سکتے ہیں۔ یا اگر سنار چاندی کی ساتھ رعایت کرے اور جنتری میں ڈیکر نہ کھینچے اور کٹھالی میں رکھ کر نہ دھونکے تو کیسے زیور بن سکتا ہے۔ رعایت کا بھی تو کوئی محل ہونا چاہئے۔ تم لوگ تو اس کو ٹالنا سمجھتے ہو حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ اب آپ وطن واپس ہو کر خط و کتابت کے ذریعہ معاملہ طے کریں۔ مجھکو خدمت سے آدھی رات انکار نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ قاعدہ اور طریقہ سے خدمت لی جائے۔

(ملفوظ ۲۷۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص پختہ قبر بنانا چاہتا تھا۔ میں نے سوال کیا کہ زمین ملک کس کی ہے۔ کہا کہ وقف ہے۔ میں نے کہا کہ وقف جگہ میں زیادہ زمین گھیرنا جائز نہیں۔ اگر کسی ایک شخص کی ملک ہوتی تو جگہ اسکی اجازت سے گھیر سکتے ہیں۔ لیکن پختہ قبر بنانا پھر بھی ایک فعل زائد ہوتا۔ اس پر وہ صاحب خوش نہیں ہوئے۔ یہ حالت آجکل لوگوں کی دین کے متعلق ہو رہی ہے۔ دین کو بھی اپنے تابع بنانا چاہتے ہیں۔ ایسا کچھ دماغوں میں خناس بھرا ہے۔ اگر کسی عرفی پیر کا دربار ہوتا اور وہاں یہ سوال ہوتا تو اس شخص کی خوشنودی مزاج کے لئے خدا معلوم کیا مسئلہ بتایا جاتا۔ یہاں سے تو بے چارے مایوس ہی گئے۔

(ملفوظ ۲۷۴) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہندوؤں کو اس قدر قوت محض مسلمانوں کیوجہ

سے ہوئی۔ یہ بے بجھ لوگ اس بات کو اور اس راز کو نہیں سمجھے انکے ساتھ شرکت کر لی۔ انھوں نے ان کی ہر قسم کی قوت کا اور ہر قسم کے کام کا بات کا بھید معلوم کر لیا دلیر ہو گئے۔ حالانکہ اس کے علاوہ بھی مسلمانوں میں ایک اور قوت ہے جسکا پتہ آجتک حکومت کو تو چلا ہی نہیں۔ ہندو بیچارے تو کیا اندازہ کر سکتے ہیں وہ قوت قوت ایمانیہ ہے۔ وہ وقت پر جوہر دکھلاتی ہے اب اس گئے گذرے زمانہ میں بھی جبکہ مسلمانوں کی قوت ایمانیہ بھی کمزور ہے جہاں کہیں روبرو ہو کر مقابلہ ہوا مخالف کو شکست ہوئی۔ ویسے چھپ چھپا کر یا کوٹھوں سے اینٹیں پھینک کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا دیا۔ یہ دوسری بات ہے۔ اب دیکھ لیجئے ہندوؤں کی پچاس برس کی مُردہ کانگریس مسلمانوں ہی کی بدولت زندہ ہوئی جب تک مسلمانوں نے شرکت نہ کی کسی نے کانگریس کا نام بھی نہ سنا تھا۔ مسلمانوں کی شرکت سے ہر کام میں رونق ہو جاتی ہے اس لئے کہ یہ زندہ دل ہیں اور انکے دل زندہ ہونے کی ایک ہی پہچان ہے کہ اگر ان پر حوادث بھی آتے ہیں تب بھی ایمانی قوت کی وجہ سے انکی زندہ دلی نہیں جاتی اور باقی جتنی اور قومیں ہیں وہ بوجہ محبت دنیا کے مُردہ دل ہیں انکے مُردہ دلی کی ایک یہی پہچان ہے کہ حوادث کے وقت بدحواس ہو جاتے ہیں۔ گھبرا جاتے ہیں۔ اگلی پچھلی سب بھول جاتے ہیں یہ تو مشاہدہ ہے کہ ان تحریکات کو قوت مسلمانوں کی وجہ سے ہوئی یہی راز تھا کہ ہندوؤں نے انکو ساتھ شریک کیا۔ خصوص انکے بعض افراد تو بڑے ہی چالاک اور مکار ہیں وہ اس راز کو سمجھ گئے کہ یہ قوم زندہ دل ہے۔ بدون اسکی شرکت کے کامیابی مشکل ہے۔ اپنی چالاکیوں اور مکاریوں سے مسلمانوں کو پھنسا کر آگے کر دیا۔ یہ مسلمانوں کی قوم بھولی ہے ان کے دام کید میں آگئے۔ ہزاروں مسلمانوں کی جانیں تلف ہو گئیں۔ اور مسلمان اپنی سادگی اور بھولے پن سے انکو اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ہمدرد سمجھتے رہے۔ مگر اس کی خیر خواہی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کا راز گول میز کانفرس پر کھلا تب مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں کہ یہ تو مسلمانوں کے دشمن جان بلکہ دشمن ایمان ہیں۔ مگر اس وقت جنھوں نے ان لوگوں کی چالاکی اور مکاری ظاہر کی انکو خود مسلمانوں نے ہی بدنام کیا۔ مسلمانوں میں افسوس تو یہ ہے کہ دوست دشمن کی بھی پہچان نہیں یہی وجہ ہے کہ آئے دن مصائب کا شکار بنے رہتے ہیں۔ خصوص ان پر زیادہ افسوس ہے کہ جو مسلمانوں کے راہبر اور مقتدا کہلاتے اور جنکے ہاتھ میں انکی نکیل ہے جو ان کی کشتی کے ناخدا بنے ہوئے ہیں جو ان کے سیاہ اور سفید کے مالک ہیں وہ ان کے لیڈر ہیں لیکن ایسے لوگ کیا خاک رہبری کریں گے جب خود گم کردہ راہ ہیں تو دوسروں کو کیا راہ بتلائیں گے انھوں نے کافروں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر مسلمانوں کو پسوا دیا۔ اور مسلمانوں ہی کو کیا خود بھی ان چیزوں کا ارتکاب کیا جو ایمان اور دین کو خراب اور برباد کرنے والی تھیں۔ جے کے نعرے لگائے۔ پیشانیوں پر قشقے لگائے ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دیا۔ رام لیلا وغیرہ کا انتظام مسلمان والنٹیروں نے کیا۔ بیہودہ اور کفریہ کلمات زبان سے بکے کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو فلاں ہندو نبی ہوتا۔ کیا خرافات واہیات ہے۔ میں نے اس ہی

شباب تحریک کے زمانہ میں کہا تھا کہ جو شخص توحید اور رسالت کا منکر ہو اور وہ اسلام اور مسلمانوں کا خیر
خواہ اور ہمدرد ہو یہ معمہ سمجھ میں نہیں آتا مگر اس وقت چڑھی ہوئی تھی۔ کون سنتا تھا۔ اب دیکھ لی اسلام
اور مسلمانوں کے ساتھ اس کی خیر خواہی اور ہمدردی۔ ادھر تو حکومت کے مقابلہ میں مسلمانوں کو آگے کر دیا
اُدھر بعض بدفہم اور بے سمجھ مسلمانوں کے جو راہبر تھے ان کو بہلا پھسلا کر ہجرت کا سبق پڑھایا۔ ادھر شدھی
کا مسئلہ جاری کرا دیا غرضکہ ہر طرح پر مسلمانوں کے جان ایمان جائداد مال زر زمین گھر۔ سب کا مالک
اپنی قوم کو بنانا چاہتا تھا۔ یہ تھی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اسکی خیر خواہی اور ہمدردی لیکن یہ لیڈر
نہ سمجھے اور نہ ان کے ہم خیال مولوی۔ ہندوؤں کو تو قوت ہوئی مسلمانوں کی اشتراکت سے اور مسلمانوں کی
شرکت ہوئی مولویوں کی شرکت سے ورنہ لیڈران قوم تو قریب قریب ڈیڑھ سال سے چیخ رہے تھے
عوام مسلمانوں نے شرکت نہ کی تھی۔ جس وقت مولویوں نے شرکت کی تب بیچارے عوام مسلمان
بھی پھنس گئے۔ اور اگر وہ ہمدرد ایسا ہی تھا جیسا کہ بعض بداندیش سمجھے ہوئے تھے یا اب تک بعض
سمجھے ہوئے ہیں تو محمد علی تو پاس رہے ہیں ان کا فیصلہ دیکھ لو کہ وہ کس طرح الگ ہو گئے تھے۔
مسلمانوں کو بھی اگر سیاسی ضرورت ہوتی تو مسلمانوں میں سے کسی نہ کسی کو اپنا بڑا بنا لیتے۔ ہندوؤں نے
تو ایک کو اپنا بڑا بنا لیا تھا اور یہ شخص تو دنیا میں اس وجہ سے آیا ہے کہ دنیا کو چین سے نہ بیٹھنے دے۔
مولانا صاحب نے چرواہے کے قصہ میں مثنوی کے اندر فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ
علیہ السلام کو فرمایا ؎

تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی

اس شخص کے متعلق اس کا برعکس ہونا چاہئے بالکل مطابق حال ہو جائے گا ؎

تو برائے فصل کردن آمدی — نے برائے وصل کردن آمدی

اسکی ساری عمر ان لڑائی جھگڑوں ہی میں گذری۔ آئے دن جہاں رہتا ہے فساد پھیلاتا رہتا ہے۔ ایک صاحب
نے اس شخص کی نسبت مجھ سے دریافت کیا کہ ہندو تو بالاتفاق اور کچھ مسلمان بھی جو ان تحریکات کے حامی
ہیں اسکی پیروی کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ میں نے کہا کہ جس چیز کی طرف وہ دعوت دے رہا ہے وہ تو
لوگوں کے قلوب میں پہلے ہی سے ہے اور اس کی طلب قریب قریب سب ہی کو ہے یعنی دنیا۔ اس نے
اس طرف بلایا لوگ ساتھ ہو لئے اور آپ کو اس پہ تو شبہ ہوا مگر اس پر کبھی شبہ نہ ہوا کہ شیطان کے متبعین
کس قدر کثرت سے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام مامور من اللہ ہو کر دنیا میں تشریف لائے ان کا اتباع کتنوں
نے کیا۔ بعض نبی قیامت کے میدان میں ایسے ہوں گے جن کا ایک بھی امتی نہ ہوگا۔ صحیح مسلم کتاب الایمان
کے باب آخر سے پہلے باب میں صریح حدیث ہے۔ یہ کوئی حق کا معیار تھوڑا ہی ہے۔ ہاں ایک اور
معیار ہے کہ جس طرف عوام الناس ایک دم چل پڑیں سمجھ لو کہ دال میں کالا ہے کیونکہ خالص حق اور دین پر

چلنا نفس پر گراں ہوتا ہے اس لئے عام طور پر اس سے گھبراتے ہیں۔ جیسے نماز خالص دین ہے۔ کتنے پڑھنے والے ہیں۔ روزہ خالص دین ہے کتنے رکھنے والے ہیں حالانکہ اس میں بہت تھوڑی سی مشقت جسمانی ہے ورنہ نہ اس میں جان کا اندیشہ اور نہ مال صرف۔ سو اور ایسی نفس کی مطلوب چیزوں میں جان مال سب کا اندیشہ تو یہ حظوظ نفسانی کی بدولت آسان نظر آتا ہے۔ ایک سب انسپکٹر صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا مسلمانوں میں ایسی کوئی ہستی نہیں کہ سب مسلمان اس کا اتباع کر سکیں۔ جیسے ہندوؤں میں ہیں۔ میں نے کہا کہ ہستی تو ایسی مسلمانوں میں بحمد اللہ بہت زیادہ ہیں مگر یہ اتباع نہ کرنیوالوں سے پوچھو یہ سوال ہم سے کرنیکا نہیں۔ نہایت بے محل سوال ہے۔ جیسے ایک مسجد میں ایک عالم مستحق امامت ہیں جو ہر طرح سے نماز پڑھانے کے اہل ہیں مگر مقتدی انکے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تو اگر کوئی ان سے سوال کرے کہ یہ مقتدی آپکے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے آخر وہ کیا جواب دیں گے یہی جواب دیں گے کہ جو نہیں پڑھتے یہ سوال ان سے کرنے کا ہے مجھکو کیا خبر کہ میرے پیچھے کیوں نہیں نماز پڑھتے۔ ایسے ہی ہماری طرف سے یہ جواب ہے کہ اتباع نہ کرنیوالوں سے پوچھو کہ جو لوگ مسلمانوں میں اسکے اہل ہیں کہ ان کا اتباع کیا جائے یا انکو اپنا بڑا بنا لیا جائے ان کے اتباع سے تمکو کیوں عار ہے وہی اسکا جواب دے سکتے ہیں ہمیں کیا خبر کہ اتباع نہ کرنے کے کیا اسباب ہیں۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ ایسوں کا اتباع کرتے ہیں جنکی عداوت کی یہ حالت ہے کہ ان تمسسکم حسنۃ تسؤھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا۔ مگر باوجود اس کے ان کی عداوت کا علاج ان کے اتباع سے کرتے ہیں اور حقیقی علاج نہیں کرتے وہ علاج یہ ہے کہ ان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا ان اللہ بما یعملون محیط۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ مذہب کی وقعت خود ان مذہب والوں کے دل میں نہیں بلکہ مذہبی لوگوں کی نسبت کہتے ہیں کہ تاریک دماغ ہیں۔ پست خیال ہیں۔ سو مسلمانوں کی اس بدنصیبی اور بدبختی کا کسی کے پاس کیا علاج۔ غیروں کے اتباع کی حالت دیکھئے کہ دہلی میں جامع مسجد کے ممبر پر ایک کافر مذہبی شخص کو بٹھلا کر مسلمانوں کا مرکز بنایا اب یہ باتیں ان لوگوں کی فلاح اور بہبود کی ہیں۔ یا تباہ اور برباد ہونے کی۔ جو کوئی سمجھاتا ہے یا آگاہ کرتا ہے اس کو دشمن قوم دشمن ملک۔ گورنمنٹ سے سازباز رکھنے والا۔ سی۔ آئی۔ ڈی۔ سے تنخواہ پانے والا۔ دشمن اسلام۔ فاسق فاجر القاب سے یاد کیا گیا۔ جب آخر میں نتیجہ ظاہر ہوا اب آنکھیں کھلیں۔ تب عقل آئی۔ جن لوگوں نے اسوقت مجھ سے اختلاف کیا بحمد اللہ تعالیٰ مجھکو انکے در پر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی وہی بکثرت یہاں پر آئے اور معافیاں چاہیں۔ میں نے کہا کہ میں سب کو معاف کر چکا میرا کو لینا نفع ہے کہ ایک مسلمان کو میری وجہ سے قیامت میں سزا ہو۔ معاف کرنے میں تو امید ثواب اور نفع کی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں کو معاف فرما دیں اور کیا کیوں جی تو سب کچھ چاہتا ہے کہنے کو مگر وہ معاملہ ہی ختم ہو چکا۔ بقول غالب ؎

سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم وجور ناخدا کہئے

(ملفوظ ۵) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایک مرتبہ دہلی میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک ولایتی مولوی صاحب نے قرآن پاک کی ایک آیت پر میرے وعظ کے دوران میں ایک شبہ کیا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ان الارض یرثھا عبادی الصلحون اور یہ وہ وقت تھا کہ جنگ بلقان ہو رہی تھی۔ ایڈریانوپل بلقانیوں نے فتح کر لیا تھا۔ شبہ یہ کیا کہ وعدہ تو حق تعالیٰ آیت میں صالحین کو زمین کے مالک بنانیکا فرما رہے ہیں اور مالک ہوتے جاتے ہیں کافر۔ اور بعض نے عقلمندی یہ کی کہ اس شبہ کو پوری شہرت دیدی۔ اور اس سے کثرت سے انگریزی خواں متذبذب ہو گئے اور دہلی شہر میں ہل چل پڑ گئی۔ قریب تھا کہ بعضے لوگ اسلام کو چھوڑ دیں۔ دہلی سے اس کی خبر آئی اور ایک صاحب نے اطلاع کی کہ یہاں پر بہت گڑبڑ ہو رہی ہے۔ بہت جلد دہلی آجانے کی ضرورت ہے۔ میں گیا۔ مجھ سے بیان کی درخواست کی گئی۔ میں نے کہا کہ میرے بیان کے چند شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ میں تقریر میں کسی کا پابند نہیں ہوں گا جو وقت پر ذہن میں خدا تعالیٰ ڈالیگا بیان کر دوں گا۔ ایسے ہی وقت کی پابندی بھی میں نہیں کروں گا۔ جب تک جی چاہے گا بیان کروں گا۔ دوسرے صدر اس جلسے کا میں خود ہوں گا اور مجھکو یہ اختیار ہوگا کہ نہ قبل از بیان اور نہ بعد از بیان کسی کو بیان کرنے کی اجازت نہ دوں گا۔ اگر یہ شرائط منظور ہوں تو میں بیان کر سکتا ہوں۔ سب شرائط منظور ہو کر جلسہ قرار پایا۔ بطور جملہ معترضہ کے دہلی ہی کے ایک جلسہ کا واقعہ یاد آگیا کہ اس جلسہ میں محمد علی یہ بیان کر چکے تھے کہ ترکوں کی طرف سے قرض کی درخواست ہے مگر میری رائے ہیں بجائے قرض کے ویسے ہی فی سبیل اللہ انکی امداد کی جائے اس جلسہ میں اسکے متعلق مجھ سے بھی امام جامع مسجد نے بیان کی فرمائش کی۔ میں نے بیان کیا کہ بعض صاحبوں کا یہ خیال ہے کہ اس موقعہ پر بجائے قرض دینے کے ترکوں کی امداد فی سبیل اللہ کی جائے۔ مگر میری رائے اس کے خلاف ہے اور اس کے وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ حکومت ترکی مسلمان ہے دوسری سلطنتوں کی نظروں میں اسکی تحقیر ہوگی کہ بھیک مانگنا شروع کر دیا۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ مسلمان امداد کر دیں گے۔ دو مرتبہ کر دیں گے تین مرتبہ کر دیں گے بالآخر کہاں تک پھر یہ ہوگا کہ میاں یہ تو روز روز کا قصہ ہو گیا۔ اکتا کر امداد کرنا بند کر دیں گے تو وہ صورت اختیار کرنی چاہئے کہ جس سے نہ حکومت اور سلطنت ترکی کی تحقیر ہو اور مداومت کے ساتھ امداد ہوتی رہے۔ مسلمان امداد سے نہ اکتائیں وہ صورت یہی ہے کہ انکو قرض دیا جائے اور جسوقت سلطنت ترکی میں وسعت اور گنجائش ہو جائے وہ سب کا قرض ادا کر دے اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اگر جیسے کوئی شخص مثلاً دس روپیہ امداد میں دیتا تو بشرط گنجائش سو روپیہ دینے پر بطور قرض آمادہ ہو جائے گا کہ یہ رقم تو مجھکو واپس ہی ملجائے گی۔ حکومت ترکی کا اس میں نفع یہ ہے کہ اسکو کافی امداد وقت پر پہنچ جائے گی اور اس کا وقار بڑھے گا اور ہمیشہ کے لئے سلسلہ جاری رہ سکے گا۔ میری اس رائے اور مشورہ کو سب نے پسند کیا۔ محمد علی مرحوم نے بھی مخالفت نہیں کی۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب میں اپنے جلسہ وعظ کی طرف عود کرتا ہوں۔ جس میں یہ آیت ان

الارض یرثہا عبادی الصالحون پر شبہ کیا گیا۔ اور حقیقت میں ان کو شبہ ہی پیش آگیا کوئی نفس کی آمیزش یا شرارت نہ تھی۔ غرض انھوں نے کہا کہ آیت میں صالحین کے متعلق زمین کا مالک بنایا جانا بیان فرمایا گیا ہے اور اس وقت معاملہ اسکے عکس ہے کہ غیر صالحین کو زمین کا مالک بنایا گیا۔ میں نے کہا کہ یہ قضیہ باعتبار جہت کے کونسا ہے۔ دائمہ ہے یا مطلقہ عامہ۔ کہا کہ مطلقہ عامہ ہے دائمہ تو نہیں۔ میں نے کہا کہ جب دائمہ نہیں مطلقہ ہے تو وہ ایک دفعہ کے وقوع سے بھی پورا ہو چکا۔ اب کیا شبہ ہے کہا کہ کچھ بھی نہیں۔ اور اس میرے جواب پر بہت مسرور ہوئے۔ اور الحمد للہ لوگوں کے ایمان بچے۔ ورنہ ارتداد ہی کا دروازہ کھلنے والا تھا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ضرورت کے وقت دل میں ضرورت کی چیز ڈالدیتے ہیں۔ یہ سب ان کا فضل اور رحمت ہے۔ اور اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت ہے۔ خصوص بڑے میاں کی توجہ اور دعا کی برکت ہے جنکا نام امداد اللہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات مخلوق کیلئے رحمت تھی۔ حضرت کے فیض باطن وظاہر سے بڑا ہی نفع مخلوق کو پہنچا۔ آخر کوئی چیز تو حضرت میں تھی کہ جسکی وجہ سے باوجود حضرت کے اصطلاحی عالم نہ ہونے کے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام وقت حضرت سے تعلق ارادت رکھنے کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتے تھے۔ میں کسی فخر کی راہ سے نہیں بلکہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ یہ سب کچھ جو نظر آرہا ہے یہ سب حضرت ہی کی دعاؤں اور توجہ کی برکت ہے ورنہ میں کیا اور میرا وجود اور میری ہستی کیا۔

(ملفوظ) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ ایک شخص ولیبر ائے کے دفتر میں تھے۔ بڑے آدمی تھے۔ انھوں نے مجھسے اجازت چاہی کہ تنہائی میں مجھکو ملاقات کیلئے پانچ منٹ ملجادیں۔ میں نے اجازت دیدی انھوں نے کچھ شبہات پیش کئے۔ میں نے ان کے جواب دیئے۔ سمجھدار آدمی تھے سمجھ گئے۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ ان ہی جوابوں سے میری ساری عمر کا ذخیرہ شبہات کا ختم ہو گیا۔ میں ملحد تھا۔ دہریہ تھا۔ نیچری تھا۔ آج مسلمان ہو گیا۔ دعائیں دیتے چلے گئے۔ اب یہ انسان کا کام تھوڑا ہی ہے جب تک اس طرف سے امداد اور فضل نہ ہو۔

(نوٹ) نظر اصلاحی کیوقت یہ واقعہ مجھکو یاد نہیں آیا۔ مگر جب راوی ثقہ ہیں ان کا یاد میرے نسیان پر حسب اصول محدثین راجح ہے۔ اشرف علی ۱۲

(ملفوظ) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ سمجھنا ہی غلط ہے کہ کفار جو ہم پر سلطنت کر رہے ہیں۔ ان میں کوئی لیاقت ہے۔ نہیں بلکہ ہمارے اندر نالائقی ہے اس وجہ سے مسلط کر دیئے گئے اگر وہ نالائقی دور ہو جائے تو پھر وہی معاملہ ہے۔

(ملفوظ) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب تھے ندوہ کے فاضل۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کوشش

کیجائے تو تدبیر سے مسلمانوں میں اتفاق ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ نری تدبیر سے مسلمانوں میں اتفاق نہیں ہو سکتا۔ اور میں نے یہ آیت پڑھی۔ ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین والف بین قلوبھم۔ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم۔

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مدبر۔ اور تدبیر کا اتنا بڑا سامان کہ تمام ما فی الارض کا انفاق۔ مگر ان سب تدابیر کا نتیجہ اور حاصل دیکھئے کیا ارشاد ہے کہ ما الفت بین قلوبھم۔ وہ فاضل بعد مطمئن ہوئے۔ کہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کبھی میری نظر سے نہ گذری تھی۔ اور چونکہ اتفاق کا تعلق تدابیر سے نہیں اسی لئے میں نے اس اتفاق کا بیان آجتک وعظوں میں استقلالاً بیان نہیں کیا اسلئے کہ بیکار ہے۔ جو چیز اصل ہے اتفاق کی وہ اعمال صالحہ ہیں اگر مسلمان ان کو اختیار کریں خود بخود اتفاق ہو جائے گا۔

(ملفوظ ۹۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مسلمان دوسروں کے شاکی ہیں کہ مذہب اسلام کے شعائر کی وقعت نہیں کرتے اہانت کرتے ہیں۔ لیکن خود مسلمانوں ہی میں ایسے ہیں کہ اتنی بھی وقعت دین کی انکے قلوب میں نہیں کہ جتنی حکومت کے قانون کی ہے۔ یہ شب و روز کا مشاہدہ ہے کہ وکلاء کے پاس جاتے ہیں۔ مقدمات لڑاتے ہیں۔ لیکن کبھی کوئی شبہ قانون پر نہیں کرتے اور مولویوں کے پاس آکر احکام اسلام پر شبہات کی پوٹ کی پوٹ کھل جاتی ہیں۔ کیا احکام شعائر میں سے نہیں۔ کیا یہ معاملہ وقعت ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہ حکم شرعی ہے کہ جہاں دوسری جگہ طاعون ہو وہاں نہیں جانا چاہیئے یہ تو سمجھ میں آتا ہے مگر یہ کہ جہاں خود رہتا ہے اگر وہاں طاعون ہو جائے تو وہاں سے بھی نہیں جانا چاہئے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسباب ہلاکت سے بچنے کی ممانعت کے کیا معنی۔ اس کا جواب ضابطہ کا تو اور تھا مگر میں نے تبرعاً کہا کہ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے تب میں اس کا جواب دوں گا۔ وہ یہ کہ بادشاہ مجازی مثلاً حکومت برطانیہ کے یہاں یہ قانون ہے کہ میدان جنگ سے اگر کوئی سپاہی عین قتال کے وقت بھاگے تو اسکو گولی سے مار دو۔ تو یہ سپاہی کا بھاگنا کیوں جرم ہے اسلئے جو شبہ یہاں ہے کہ جان کا اندیشہ وہی وہاں پر بھی ہے جو اس کا جواب آپ مجھکو دیں گے وہی میری طرف سے سمجھ لیا جاوے اس لئے کہ یہ تو عقلاء کا قانون ہے۔ اس پر تو کوئی شبہ عقلی نہ ہو سکا۔ بس رہ گئے کہنے لگے کہ اب سمجھ میں آگیا۔ میں نے کہا کہ اب کیوں نہ سمجھ میں آتا اب تو آنا ہی چاہئے تھا۔ ان لوگوں کی یہ عقلیں ہیں جس پر ناز ہے کہ ہم بھی عقلاء میں سے ہیں۔ ہر وقت تو اکل کی فکر میں ہیں اور عقل کے مدعی ہیں۔

(ملفوظ ۹۸) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ویسے تو ہر موقع پر سرسید احمد خاں کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں اور ان کی بیدار مغزی بیان کی جاتی ہے مگر یہ سب بیدار مغزی احکام اسلام ہی پر اعتراض کرنے کیلئے رہ گئی ورنہ ان ہی سرسید احمد خان نے کانگریس کی مخالفت میں تقریریں کیں اور مخالفت کی مصلحتیں بھی بیان کیں۔ چنانچہ ایک تحصیلدار مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں نے سرسید سے کہا کہ اس میں

تو ہندوستانیوں کا نفع ہے۔ بڑے بڑے عہدے ملیں گے۔ اس وقت کانگریس کے مقاصد محدود تھے۔ سر سید احمد خاں نے کہا کہ تم بچے ہو۔ اگر اس تحریک کی پاداش میں پامال کرنیکا کوئی قانون ہو گیا تو مسلمان پامال ہو جاویں گے اور اگر کامیابی ہو گئی تو مسلمان بھی اس میں حصہ دار ہوں گے تو اسلم علیحدگی ہی ہے ان کی یہ بھی رائے تھی کہ قدرت نہ ہوتے ہوئے حکومت سے مخالفت نہیں کرنا چاہیئے اور یہ بھی نہ تھا کہ وہ انگریزوں سے دبتے ہوں بلکہ حقیقت میں انکی مصالح کی بناء پر یہ ایک رائے تھی تو ان معتقدین نے اس پر عمل نہ کیا۔ ہاں جہاں قرآن و حدیث پر اعتراض ہیں وہ بیدار مغزی پر مبنی کئے جاتے ہیں اور اسکو اسکا عکس کہو گے۔ بس یہ سب غرض کی باتیں ہیں۔ جو نفس کی موافق ہوا اس کو لے لیا نام دوسرے کا کر دیا۔

(ملفوظ ۸۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں جس معمول کو ترک کر دیتا ہوں اس میں حق تعالیٰ ہی کی رحمت ہے کہ حفاظت فرماتے ہیں کہ پھر اس کی طرف مضطر ہونا نہیں پڑتا۔ میں نے مدرسہ دیوبند والوں سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ مدرسہ کی حاضری کا وعدہ کر لیا تھا اس بناء پر مدرسہ والوں نے کئی مرتبہ مطالبہ کیا۔ میں نے کہا کہ وہ وعدہ ایک شرط پر تھا کہ اگر تمہاری پریشانی کم نہ ہوئی۔ اب اللہ کا شکر ہے وہ پریشانی نہیں رہی اس سفر سے بھی اللہ نے جان بچالی۔ اور اگر جاتا بھی تو یہ خیال تھا کہ نہ یہاں خبر کروں گا نہ وہاں۔ چپکے سے مدرسہ میں جا کھڑا ہوں گا۔ اس لئے کہ اطلاع پر وہ مشتہر کرتے۔ قرب و جوار کے لوگ آ پہنچتے ایک اچھا خاصہ ہجوم ہو جاتا اور ہجوم سے اب طبیعت گھبراتی ہے

(ملفوظ ۸۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عرب میں دیکھا کہ تہذیب اور تمدن بہت زیادہ ہے اور پھر بے تکلفی کے ساتھ ہے۔ اور یہاں جو آجکل تہذیب ہے میں تو کہا کرتا ہوں کہ تعذیب ہے اس میں نیچریوں کی تہذیب کا حصہ زیادہ شریک ہو گیا ہے۔ اور ان کی جتنی باتیں ہیں سب میں تکلیف ہے۔

(ملفوظ ۸۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بڑے لطف کی بات ہے کہ چھوٹے تو یہ سمجھیں کہ ہم چھوٹے ہیں اور بڑے یہ سمجھیں کہ یہ چھوٹے نہیں۔ کیسے لطف کی بات ہے۔ اگر سب ایسا کریں تو بہت ہی راحت رہے۔ اب جو بے لطفی اور بے مزگی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ چھوٹے تو اپنے کو چھوٹا نہیں سمجھتے اور بڑے انکو چھوٹا سمجھتے ہیں۔ اور پھر لطف کہاں۔ بے لطف ہی ہوگی۔

(ملفوظ ۸۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک بار مجھکو بدعت کا شبہ ہوا عید کے روز شیر پکانے کے متعلق۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ایسے امور میں زیادہ کاوش نہیں کرنا چاہیئے۔ لوگ بدنام کرتے ہیں اور عید کے روز سویوں کے پکانے کو کوئی عبادت اور دین نہیں سمجھتا جس سے بدعت ہونے کا شبہ ہو۔ یہ جواب جو حضرت نے فرمایا۔ یہی میری رائے ہے کہ اس میں تنگی نہیں کرنا چاہیئے۔ آجکل اعتدال بہت کم ہے۔ افراط و تفریط بہت زیادہ

اگر خیال نہیں بڑی بڑی معصیتوں کا اور بدعتوں کا نہیں ہوتا اور خیال ہوتا ہے تو مباح تک پر ہاتھ صاف کرنے کو اور اس کو معصیت میں داخل کرنے کو تیار ہیں۔

(ملفوظ ۸۵) ایک نو وارد صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ کونسی عقلمندی اور تہذیب کی بات ہے کہ کسی بات کا جواب ہی نہیں یہ کس نے تعلیم دی ہے کہ کہیں جاؤ تو چپ پر کا روزہ رکھ کر جانا یا کم سنتے ہو۔ ارے بھائی کچھ تو بولو۔ کیوں پریشان کرتے ہو اس پر بھی وہ صاحب خاموش رہے۔ فرمایا کہ جب بولتے ہی نہیں تو تمہارا آنا ہی بیکار ہے۔ اچھا چلو اٹھو یہاں سے خبردار جو کبھی یہاں آ کر قدم رکھا یہ بات جو پوچھی گئی ایسی کونسی غامض بات ہے کہ جس کا جواب ہی تم نہ دے سکتے تھے۔ عرض کیا کہ قصور ہوا معاف فرما دیں۔ اب آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ فرمایا کہ اب کہاں سے زبان لگ گئی۔ پہلے تو گنگ شاہ بنے بیٹھے تھے۔ اوروں کو غلام یا نوکر ہی سمجھ رکھا ہے ملنواب بنکر آتے ہیں۔ اب دماغ پر زد پڑی تو آنکھ کھلی اللہ کے بندہ کیا پہلے سے سو رہا تھا یا کوئی نشہ پی کر آیا تھا اسکی بیہوشی تھی۔ چند بار کے دریافت کرنے اور کہنے پر بھی نہ بولا۔ جب ایسے ایسے کوڑ مغزوں سے واسطہ پڑے تو کہاں تک مزاج میں تغیر نہ ہو۔ چلو جاؤ تم نے بہت ستایا اور اذیت پہنچائی۔ تم سے آئندہ ہی کیا امید ہوسکتی ہے ایسے بدفہموں کا یہاں کیا کام۔ عرض کیا کہ للہ معاف کر دیجئے۔ آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔ فرمایا کہ اچھا معاف ہے۔ لیکن یہ بتلاؤ کہ اس غلطی کا منشا کیا تھا۔ کیوں نہیں جواب دیا تھا اور کیوں نہیں بولے تھے۔ عرض کیا کہ میرے دل میں حضرت کے سوال کے بعد ایک خوف طاری سا ہو گیا اور ہول سی معلوم ہوئی فرمایا کہ میں شیر ہوں بھیڑیا ہوں۔ اور اگر ہوں تو اب بھی تو میں ہی ہوں۔ اب کیوں بولے اور میں تو نہایت نرم گفتگو کر رہا تھا لیکن پھر بھی اگر یہی ہول دلی ہے تب بھی مجھ سے تعلق رکھنا بیکار ہے اس لئے کہ میں جب کوئی بات پوچھوں گا یہی حالت تم پر طاری ہوگی تو کون تم سے بیٹھا ہوا خوشامدیں کیا کرے گا۔ اچھا جاؤ اس وقت مجلس سے اٹھ جاؤ۔ اور کل بعد نماز ظہر اگر جی چاہے تو آ کر بیٹھنا اس وقت تمہاری صورت دیکھکر تکلیف ہوتی ہے تم نے بہت ستایا اس وقت مجھکو تغیر ہے۔ یہ غصہ ٹھنڈا ہو جائیگا ذرا بات ہلکی پڑ جائے گی۔ اسی وقت مجلس میں بیٹھنے سے نفع بھی ہوگا۔ اب ایسی حالت میں بیٹھنے سے کوئی نفع بھی نہ ہوگا کیونکہ اس طریق میں یہ بات سم قاتل ہے کہ معلم کو مکدر کیا جائے اس حالت میں خاک نفع نہیں ہوتا بلکہ پہلا نفع بھی برباد ہو جاتا ہے۔

(ملفوظ ۸۶) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ خواہ مخواہ دین کو بدنام کرتے ہیں کہ دنیا کیلئے دین مخل ہے۔ سخت غلطی ہے۔ اگر امور دنیا میں معین نہیں تو مخل بھی نہیں۔ دین کا ایسا حصہ جسمیں اخلال دنیا کا شبہ ہے زیادہ تر وہ ہے جس میں یہ حکم ہے کہ یہ کام نہ کرو۔ گناہ ہوگا وہ نکرو گناہ ہوگا مگر وہ چیزیں خود ایسی ہیں جو عقلاً بھی قابل ترک ہیں۔ مثلاً جھوٹ ہے۔ فریب ہے۔ غیبت ہے۔ علی ہذا تو انکے ترک میں کوئی

وقت صرف نہیں ہوتا جو کسب دنیا میں مخل ہو بلکہ ارتکاب میں تو کچھ وقت صرف ہوتا بھی ہے۔ اسی قدر وہ دنیا میں مخل ہو سکتا ہے۔ ترک میں کچھ بھی صرف نہیں ہوتا ہاں جن چیزوں کا حکم ہے۔ مثلاً نماز ہے اسکی پابندی سے بعض کاموں میں مزاحمت ہوتی ہے تو جو کرنیوالے ہیں وہ کرتے ہیں۔ اور اگر تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں بھی کوئی مزاحمت نہیں اسلئے کہ آخر اور بھی تو ایسی چیزیں ہیں جو طبعاً ضروری ہیں اور انکو انسان کرتا ہے تو دین ہی کو کیوں تختہ مشق بنایا جاتا ہے۔ انکو بھی چھوڑ دو۔ مثلاً کھانا ہے پینا ہے اور حوائج ضروری ہیں ان کی پابندی کیوں کرتے ہو۔ یہ سب شبہات دین سے عدم تعلق اور اعتقاد عدم ضرورت کی وجہ سے سوجھتے ہیں ورنہ ضرورت کی چیز کے متعلق امر فطری ہے کہ ہے کبھی شبہ نہیں ہوا کرتا سو اگر دین کو بھی ضروری سمجھتے تو اس میں بھی شبہ پیدا نہ ہوتا۔

(ملفوظ ۷۸۷) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علماء اہل حق اگر شروع ہی سے طریق باطن کی طرف متوجہ رہتے اور ظاہری احکام شرعیہ کی طرح باطنی احکام کا اہتمام بھی ان کے ہاتھ میں رہتا تو اس درجہ طریق کے بدنام ہونے کی نوبت نہ آتی مگر علماء اہل حق نے اس طرف توجہ نہ کی۔ جہلاء اور اہل باطل نے جو چاہا اس میں تصرف کیا اور جو چاہا بکواس کی وہ سب طریق کے سر تھوپا گیا اور اسی کو طریق سمجھ لیا گیا۔ اور یہاں تک نوبت آگئی کہ طریق کو خود بعض علماء نے بھی شرعی احکام سے ایک جدا چیز سمجھ لیا۔ اور جو چیزیں ان جہلاء اور رسمی پیروں کی بدولت طریق کے نامزد ہوئیں وہ کسی طرح اس قابل نہیں کہ انکو طریق کی طرف نسبت کیا جائے۔ جاہل لوگوں نے اس میں وہ تحریفات کیں کہ سمجھدار لوگوں کو اس سے وحشت ہوگئی اور واقعی وہ وحشت کی باتیں ہی تھیں۔ ورنہ حق سے کبھی وحشت نہیں ہوتی گو دہشت ضرور ہوتی ہے۔ مگر اب بحمد اللہ طریق مثل آفتاب کے روشن ہوگیا۔ کوئی غبار نہیں رہا۔ واضح ہوگیا کہ شریعت مقدسہ ہی کے دو شعبے ہیں۔ ایک احکام ظاہرہ جسکو اصطلاح میں شریعت کہنے لگے۔ اور دوسرے احکام باطنہ جسکو اصطلاح میں طریقت کہنے لگے۔ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اہل فن نے سہولت تعبیر کیلئے اپنی اصطلاح میں باطن کے احکام کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔ میرا ایک وعظ ہے **الظاہر** اس میں اسکی پوری تحقیق موجود ہے۔ اسکو دیکھ لینے کے بعد پھر انشاء اللہ تعالیٰ کوئی شبہ نہ رہے گا۔ اسکو دیکھ لیا جاوے یہ بات مدتوں کے بعد لوگوں کو معلوم ہوئی کہ طریق احکام شرعیہ ہی کا ایک جز ہے اور وہ جز ایسا ہے کہ بدون اس کے نجات بھی مشکل ہے جیسے احکام کی شان ہوتی ہے۔ اب میں طریق کی حقیقت اور اس طریق سے جو مقصود ہے بیان کرتا ہوں کہ اعمال ماموربہا طریق ہیں۔ اور رضاء حق مقصود ہے اسکے علاوہ جو کچھ مشائخ تعلیم کرتے ہیں اذکار و اشغال وغیرہ۔ وہ سب اعمال ماموربہا کے رسوخ کیواسطے ہیں جنکا درجہ تدابیر سے بڑھ کر نہیں۔ جیسے طبیب جسمانی کی تدابیر مریض کے واسطے ہوتی ہیں۔ اس لئے جیسے طبیب جسمانی کی تدابیر کو بدعت نہیں کہا جاسکتا ایسے ہی اسکو بھی بدعت نہ کہیں گے۔ یہ ہے حقیقت طریق کی۔ اب دیکھئے

اس میں کونسی بات وحشت کی ہے۔

۱۸؍جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(ملفوظ ۴۸۸) ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت میرے یہاں دو بیبیاں ہیں ان میں نااتفاقی رہتی ہے۔ ایسا تعویذ دیجئے کہ دونوں میں باہم اتفاق رہا کرے۔ فرمایا کہ اتفاق کیلئے عقل کی ضرورت ہے۔ عقل سے کام لو یہ تعویذ کا کام نہیں۔ میرے یہاں بھی دو بیبیاں ہیں ان میں بھی رنجش تھی۔ اب کچھ عرصہ سے بحمد اللہ بالکل نہیں۔ اگر یہ تعویذ کا کام ہوتا یا کوئی ایسا تعویذ ہوتا تو پہلے اپنے واسطے کرتا جس سے چند روزہ رنجش بھی نہ ہوتی۔ مگر میں نے تعویذ بھی نہیں کیا اس لئے کہ اس کام کا کوئی تعویذ ہے ہی نہیں اور ہوگا بھی تو عاملین کو معلوم ہوگا۔ میں عامل نہیں ہوں۔ عرض کیا کہ حضرت دعاء فرمادیں۔ فرمایا کہ دعاء سے کیا انکار ہے دعاء کرتا ہوں۔

(ملفوظ ۴۸۹) ایک دیہاتی شخص نے تعویذ مانگا اور یہ نہیں بتلایا کہ کس چیز کا تعویذ۔ اس پر حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ پوری بات کہہ چکے۔ عرض کیا کہ جی۔ فرمایا کہ ہم نہیں سمجھے تم لوگ سمجھدار ہو۔ بڑے لوگ ہو۔ عاقل ہو فہیم ہو۔ میں ایک گنوار بے سمجھ بد عقل بد فہم چھوٹا آدمی ہوں۔ میں تمہاری باتوں کو کہاں سمجھ سکتا ہوں جاؤ چلو اٹھو یہاں سے۔ جو تمہاری بات سمجھ سکے اس سے کام لو۔ میں تمہاری خدمت کرنے کا اہل نہیں ہوں عرض کیا کہ اوپرے اثر کا تعویذ دیدو۔ فرمایا کہ اب کہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ بات جو میں نے پہلے کہی تھی وہ ادھوری تھی اور کہتا یہ تھا کہ میں پوری بات کہہ چکا۔ تم لوگ جیسے ہو میں خوب سمجھتا ہوں تمہاری نبضیں میں خوب پہچانتا ہوں۔ اب ہوگیا دماغ درست۔ ہونے لگی آمد ورنہ آورد سے بھی کام نہ چلتا تھا اچھا اسوقت جاؤ دو گھنٹے کے بعد آکر پوری بات کہنا تب تعویذ ملے گا۔ وہاں تو اسکو اوپرا اثر چمٹ رہا ہے۔ تو مجھکو اوپرے اثر کی طرح آ چمٹا۔ اب ایک تعویذ مجھکو اپنے لئے کرنا چاہئے۔ وہ شخص مجلس سے اٹھکر چلا گیا۔ فرمایا کہ دور کا رہنے والا شخص ہے۔ مجھکو تو اس کا بھی قلق اور افسوس ہوتا ہے کہ یہ ناکام واپس گیا اور اصلاح بھی ضروری جسمیں اس کی یہ تدبیر کی گئی کہ آدھ گھنٹہ کے بعد کام بھی ہو جائے گا اور اب آئندہ بھولے گا بھی نہیں ہمیشہ یاد رکھے گا کہ پوری بات کہنی چاہئے۔ اگر اسی وقت تعویذ دیدیتا تو سمجھتا کہ پیروں کے یہاں تو ایسی باتیں بھی ہی کرتی ہیں سبق حاصل نہ ہوتا۔

(ملفوظ ۴۹۰) ایک شخص نے آکر متوحشانہ لہجہ میں کھڑے کھڑے عرض کیا کہ ایک گنڈا بنا دیجئے یہ کہکر خاموش ہوگیا۔ فرمایا کہ میاں بیٹھکر پوری بات کہو۔ گھبرائے ہوئے اور بدحواس کیوں ہو۔ کیا چوری کرکے بھاگ

ہو۔ یہ کوئی طریقہ ہے کسی سے خدمت لینے کا۔ اب جو لوگ یہاں پر موجود ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ میرا واقعہ ہے۔ اب بتلائیے کہ جسکو ہر وقت ایسے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہو وہ کہاں تک صبر کرے اور کہاں تک اس میں تغیر نہ ہو۔ خدا معلوم بد فہمی کا کوئی خاص مدرسہ ہے جسمیں یہ لوگ تعلیم پا پا کر آتے ہیں۔ یا سارے بد فہم میرے ہی حصہ میں آ گئے ہیں کہ خوب اچھی طرح مجھکو بدنام کرائیں۔ اب اگر مجھکو اور کام نہ ہوں تو بیٹھا ہوا ان ہی کی باتوں کا کہرل کئے جاؤں۔ مجھکو تو اس قدر کام ہیں کہ انکی ہی مشغولی میرے لئے کافی ہے۔ اور سب سے بڑا کام جو ہے وہ یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ قلب خالی رہے اس کے شغل کیلئے تو ایک ہی کافی ہیں یہ لوگ ادھوری اور الجھی ہوئی بات رکھ کر قلب کو اپنی طرف مشغول کرنا چاہتے ہیں۔ مجھکو وحشت ہوتی ہے۔ یہی سبب لڑائی کا ہے۔ غرض وہ شخص بیٹھ گیا اور بیٹھکر بھی یہی عرض کیا کہ اجی مولوی جی گنڈا بنوانے آیا ہوں فرمایا بس تو کیا بہرا نہیں ہوں مگر سمجھا نہیں۔ دیکھو بیٹے اس قدر میرے کہنے پر بھی نہیں سمجھا۔ ارے بھائی میں سمجھوں کیسے۔ پوری بات ہو تو سمجھوں۔ عرض کیا کہ جی بخار آ رہے ہے اور رات کو ڈر رہے ہے۔ فرمایا یہ پہلے ہی کیوں نہیں کہا تھا۔ جب گھر سے چلا تھا تو جو ذہن میں لے کر آیا تھا وہ آتے ہی صاف کہدیا تھا۔ مگر خواہ مخواہ اس میں کتر بونت لگائی اور پریشان کر کے کہا۔ بھلا میں بدون تیرے بتلائے کیسے سمجھتا۔ کیا مجھکو علم غیب ہے۔ آخر میں کس چیز کا گنڈا بنا کر دیتا جبکہ مجھکو معلوم ہی نہ تھا اور معلوم ہوتا بتلانے سے اور تو نے بتلایا تھا نہیں۔ جاؤ اب سے پاؤ گھنٹے میں آنا اور پوری بات آکر کہنا کبھی اسوقت کے کہنے کے بھروسہ رہے مجھکو یاد نہ رہے گا اب تو تو نے جی برا کر دیا۔ اور جی برا ہونے کے وقت کام نہیں ہوا کرتا اور اگر کر بھی دیا تو کوئی نفع نہیں ہوتا وہ شخص چلا گیا۔

(ملفوظ ۹۲) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ آذان ہونے پر میرے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ کبھی تو اپنے کسی کام میں لگ جاتا ہوں اور کبھی اسی جگہ سر بسجود ہو جاتا ہوں۔ اور کبھی مسجد چلا چلا جاتا ہوں تو بلا وضو ہی نماز پڑھ لیتا ہوں مگر وہ کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ دل تمام چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ انکو اسپر فخر ہے کہ کیفیت ہو۔ چاہے نماز نہ ہو۔ دین سے بھی بیخبر ہو جاتا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ میں کسیکو ستاتا نہیں۔ اگر مجھکو کوئی ستائے درگزر کرتا ہوں۔ غرض درویشانہ اخلاق کی فہرست لکھی ہے کہ مجھ میں یہ باتیں ہیں لیکن نماز کو جواب۔ یہ بھی لکھا ہے کہ مجھکو کوئی ستائے نہیں۔ ترش روئی سے کلام نہ کرے۔ اسکی دعا کر دیجئے۔ میں نے لکھا ہے کہ جب مخلوق کی ترش روئی و ناخوشی سے اس قدر بچتے ہو تو خدا تعالیٰ کی ناخوشی کی چیز سے تو اور بھی زیادہ ڈرنا چاہئے اور وہ چیز گناہ ہے جسمیں ترک نماز بھی ہے جس پر حق تعالیٰ کا غضب اور قہر متوجہ ہو جاتا ہے۔ دیکھئے اس پر کیا جواب آتا ہے۔ اب کی مرتبہ ان کے فہم اور عقل کا اندازہ کر کے صاف لکھوں گا۔ تبلیغ میں اس کی بڑی سخت ضرورت ہے کہ غلطی کا منشا معلوم کر کے اصلاح کرے۔ ایسی غلطیوں میں اکثر لوگوں کو ابتلا ہے کہ اخلاق کو ارکان پر ترجیح دیتے ہیں۔ اب اگر یہ شخص اپنی یہ حالت کہیں اور لکھتا تو نہ معلوم کس قدر اس کی مدح کیجاتی اور نہ

معلوم جواب میں کیا اڑنگ بڑنگ ہانکتے۔ بس ہمیشہ بیچارے کو جہل ہی میں ابتلا رہتا۔ ایک صوفی شاعر کی حکایت ہے کہ صاحب دل آدمی تھے۔ تصوف میں کلام اچھا ہوتا تھا۔ ایسا ہی کوئی کلام ایران پہنچا۔ کسی ایرانی نے سنا قدر کی اور یہ سمجھا کہ جس شخص کے جذبات کلام میں یہ ہیں وہ خود کس حالت میں ہوگا۔ ایسا شخص قابلِ زیارت ہے۔ یہ خیال کر کے ایران سے سفر کیا اور ہندوستان پہنچا۔ یہ شاعر جہاں رہتے تھے وہاں لوگوں سے پتہ معلوم کر کے پہنچے دیکھا تو اس وقت شاعر صاحب حجامت بنوا رہے تھے اور ڈاڑھی پر استرا چل رہا تھا۔ یہ شخص اس حالت کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور شاعر سے سوال کیا کہ **آغا ریش می تراشی** آغا کہتے ہیں۔ بلے ریش می تراشم ولے دل کسے نمی خراشم۔ اسنے فوراً برجستہ جواب دیا۔ آرے دل رسول اللہ می خراشی۔ مطلب یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کر رہا ہے جس سے حضور کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ یہ کہنا تھا آخر صاحب دل شخص تھا فوراً ایک حالت طاری ہو گئی اور بے ساختہ زبان قال یا حال پر یہ جاری تھا۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کر دی مرا با جانِ جاں ہمراز کر دی

اسی وقت اس خبیث فعل سے توبہ کر لی تو ایسی غلطیوں میں ابتلا رہو جاتا ہے کہ بعض باطنی چیزوں کو اعمالِ ظاہرہ سے مستغنی سمجھ جاتے ہیں۔ مگر اطلاع پر بعض اوقات نفع بھی ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ان صاحب کی حالت ہے۔

(ملفوظ ۷۹۳) ایک صاحب کی غلطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جب تم لوگ ستاتے ہو۔ رنج پہنچاتے ہو تو کیا خاک نفع ہو۔ رنج کی حالت میں کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ رنجیدہ دل سے کوئی کام کر نہیں سکتا۔ تم لوگوں کو تو خدمت لینا بھی نہیں آتی۔ خدمت لینے کا بھی طریقہ ہے پہلے آدمی سلیقہ سیکھے تب آگے قدم رکھو کیا یہ موٹی موٹی باتیں بھی میرے ہی اصلاح کرنے پر موقوف ہیں۔ یہ تو فطری چیزیں ہیں اور اسے بھی جانے دیجئے اگر کوئی بات نہ معلوم ہو تو آدمی کسی سے معلوم ہی کر لے آخر خدا نے عقل دی۔ زبان دی۔ آخر یہ چیزیں کس کام کی ہیں۔ اس وقت دو فرقے زیادہ تر قابل علاج کے ہیں۔ متکبر اور بدتمیز۔ اور میں متکبروں کو تو حقیر بھی سمجھتا ہوں۔ بدتمیزوں کو حقیر تو نہیں سمجھتا لیکن ان سے دل بھی خوش نہیں ہوتا اور سب خرابی ان بااخلاق بڑوں کی بدولت ہے۔ ان کے اخلاق نے لوگوں کے اخلاق کو خراب اور برباد کیا۔ اب میرا کیلا کہاں تک سب کی اصلاح کروں۔ میں تو اپنی کھلی ہوئی حالت رکھتا ہوں تاکہ کسی کو دھوکہ نہ ہو اور اسکی ساتھ صاف کہتا ہوں کہ اگر میں اصول کے خلاف کروں تو ایک بچے کو حق ہے کہ وہ مجھکو روک دے اور پھر دیکھے کہ میں رکتا ہوں یا نہیں اور یہ تو ایک معمولی وقتی چیز ہے۔ میرے یہاں تو بفضلہ تعالیٰ ترجیح الراجح کا ایک مستقل اور مستمر ایسا باب ہے جو اہل علم کے نزدیک نہایت مشکل بات ہے۔ بطور مزاح فرمایا مگر یہ مشکل سب کی نہیں صرف میری ہی ہے جس میں راضی ہوں۔ میں اس سلسلہ میں برابر اپنی غلطیوں سے رجوع

کر کے شائع کرتا رہتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے قلب میں دین کی محبت اور عظمت پیدا فرما دی۔ حق کے قبول کرنے میں اپنی کوئی مصلحت نظر میں نہیں رہتی۔ اور ہماری مصلحت ہے ہی کیا چیز۔ اصلی مصلحت تو احکام شرعیہ ہی کی ہے اور اصل چیز یہی احکام ہیں اور ہم محض اُن کے تابع ہیں۔

(ملفوظ ۹۴۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بحمد اللہ میرے یہاں ہر چیز اپنی حد پہ ہے افراط تفریط نہیں۔ خیر الامور اوسطہا کا صحیح راستہ ہے۔ میں ایک مرتبہ گنگروئی گیا۔ یہ ضلع مظفر نگر میں ایک گاؤں ہے وہاں پر شیعہ زمیندار رئیس ہیں۔ ان میں لکھنؤ کے تعلق سے تہذیب کا کافی اثر ہے۔ ان لوگوں نے میرے ساتھ بڑی ہی تہذیب کا برتاؤ کیا۔ سو جیسے انھوں نے میرے ساتھ تہذیب برتی میں نے بھی تہذیب کا جواب تہذیب سے دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے بعد مغرب کہ میں اسی وقت پہنچا تھا کہلا کر بھیجا کہ ہم لوگ زیارت کے مشتاق ہیں اگر اجازت ہو تو حاضر خدمت ہو کر زیارت سے مشرف ہوں۔ ایک تو رعایت کے ساتھ رعایت ہوتی ہے۔ دوسرے میں یہ بھی سمجھا کہ یہ اپنی تہذیب کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ بلا اجازت ملنے نہیں آئے۔ میں ایک غریب سنی قصائی کے مکان پر ٹھہرا تھا اور بہی غریب سنی لوگ داعی تھے میں نے جواب میں کہلا کر بھیجا کہ اگر اجمالی ملاقات مقصود ہو تو میں اس وقت بھی حاضر ہوں اور اگر تفصیلی ملاقات مقصود ہو تو صبح کے وقت مناسب ہے انھوں نے اسی وقت ملنا چاہا۔ میں نے جواب دیا کہ آجائیے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر آپ چاہیں میں ملاقات کیلئے تخلیہ کا انتظام بھی آسانی سے کرسکتا ہوں۔ اس کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ میرے میزبان غریب میلے کچیلے ان کے رعایا کے لوگ تھے۔ شاید ان کے دوش بدوش بیٹھنا یہ رئیس لوگ بھی گوارا نہ کریں اور اس سے مجھکو انکی تہذیب کا جواب بھی دینا تھا جس کی طرف ان کا ذہن بھی از خود نہ جاسکتا تھا اس کہلا کر بھیجنے پر ان رئیس شیعوں پر بے حد اثر ہوا کہ کیا انتہا ہے اس شخص کی وسعت نظر اور رعایت حدود اور تہذیب کا کہاں نظر پہنچی انھوں نے جواب دیا کہ ہم اسی وقت آنا چاہتے ہیں اور غریبوں کی ساتھ بیٹھنا فخر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ انکو اجازت دیدی گئی اور انھوں نے آکر ملاقات کی۔ ایک غریب شخص گنگروئی ہی کے رہنے والے مجھ سے محبت رکھتے ہیں وہ بیان کرتے تھے کہ میرے پاس آپ کے مواعظ ہیں اور رسالہ النور وغیرہ بھی منگاتا رہتا ہوں تو یہ شیعہ رؤسا منگا کر دیکھتے رہتے ہیں۔ اور یہی شخص یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ان میں کے ایک صاحب یہ کہتے تھے کہ اگر شیعوں میں ایسا ایک مجتہد بھی ہوتا تو شیعوں کا مذہب زندہ ہو جاتا اور اس میں روح پیدا ہو جاتی۔ میں نے سنکر کہا کہ چلو اپنی زبان سے یہ تو اقرار کر لیا کہ ہمارا مذہب مُردہ ہے۔ شب کی مذکورہ ملاقات میں بعض شیعوں نے بیعت کی درخواست کی۔ میں سوچ میں پڑا کہ بدون تشیع چھوڑے بیعت کیسے ہو سکتی ہے اور تشیع کے چھوڑنے کو خصوص جب میں اس درخواست کو محض رعایت مہمانداری کی سمجھتا ہوں کیسے کہوں۔ آخر میں نے کہا کہ بیعت کے کچھ شرائط ہیں جو اس جلسہ میں مفصل بیان نہیں ہوسکتے۔

اس کی مناسب صورت یہ ہے کہ میں جب وطن پہنچ جاؤں۔ اس وقت آپ مجھ سے اس کے متعلق خط و کتابت فرمائیں۔ میں جواب میں شرائط سے اطلاع دوں گا۔ خیال دل میں یہ تھا کہ اگر ان لوگوں نے وطن پہنچنے کے بعد لکھا تو یہ جواب دوں گا کہ اس طریق میں نفع کیلئے مناسبت شرط ہے۔ بدون مناسبت نفع نہیں ہو سکتا اور اختلاف مذہب ظاہر ہے کہ مناسبت کی ضد ہے تو نفع کی کیا صورت ہے۔ خلاصہ یہی نکلتا کہ سنی ہو جاؤ تو بیعت ہو سکتے ہو مگر اس کے بعد کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ یہ حضرات اکثر بڑے مہذب ہوتے ہیں اور اکثر دیکھا ہے دوسرے فرقے جسقدر ہیں ان میں ظاہری اخلاق اور تہذیب بہت ہوتی ہے۔ ایک غیر مقلد نے ان ہی میں سے ایک سوال کیا جو بالکل نیا سوال تھا اس سے قبل مجھ سے یہ سوال کسی نے نہ کیا تھا۔ میں بالکل خالی الذہن تھا مگر اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر مدد فرمائی وہ سوال یہ تھا کہ تقلید اور بیعت میں کیا فرق ہے۔ میں نے کہا کہ تقلید کہتے ہیں اتباع کو۔ اور بیعت کہتے ہیں معاہدہ اتباع کو۔ یہ جواب سن کر وہ شخص بیحد محظوظ ہوا۔ اور یہ سب ہر وقت کے مناسب معاملہ یا جواب سمجھ میں آ جانا اللہ کا فضل ہے اور اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ جوش کی حالت میں ہم چند خادموں سے یہ فرمایا تھا کہ جہاں تم جاؤ گے انشاء اللہ تعالیٰ وہاں تم ہی تم ہو گے تو یہ میرا کمال تھوڑا ہی ہوا یہ تو حضرت کی دعاء کی برکت ہے۔ اسی لئے بزرگوں سے تعلق بڑی دولت ہے۔ بڑی نعمت ہے۔ لوگ اسکی قدر نہیں کرتے۔ مجھکو تو اسلئے ابھی اسکی خاص قدر ہے کہ میرے پاس تو سوائے بزرگوں کی دعاء کے اور کچھ ہے ہی نہیں نہ علم ہے نہ عمل ہے اگر ہے تو صرف یہی ایک چیز ہے اور جس شخص کا یہ اعتقاد ہو وہ کیا اپنی کسی بات پر ناز یا فخر کر سکتا ہے اور ناز و فخر تو کسی حالت میں بھی انسان کو نہیں کرنا چاہئے جبکہ سرتاسر نقائص و عیوب سے بھرا ہوا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں نداری گرد بدخوئی مگرد　　　　نار را روئے بباید ہیچو ورد

نیاز پیدا کرنے کی سعی اور کوشش میں لگا رہنا چاہئے۔ اس وقت تک خیر ہے ورنہ آگے خبر نہیں۔ یہ بات تو اپنے بزرگوں میں دیکھی کہ سب کچھ تھے اور اپنے کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ اپنے کو مٹائے ہوئے فنا کئے ہوئے تھے چونکہ یہ طرز اپنے بزرگوں میں دیکھا اس لئے یہی پسند ہے۔ آجکل کے ڈھونگ نظروں میں سماتے نہیں اور کوئی کتنا ہی بڑا ہو نظروں میں جچتا نہیں۔ اصل تو یہ ہے کہ ہمارے بزرگ ہم کو بگاڑ گئے اور کسی کام کا چھوڑا ہی نہیں۔ صرف ایک ہی کام کا بنا گئے۔ مٹنا۔ فنا ہونا۔

(ملفوظ ۴۹۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھکو کسی طرح یہ گوارا نہیں کہ ایک منٹ اور ایک سکنڈ کیلئے بھی میری وجہ سے کسی کا قلب گرانی میں مشغول ہو۔ یہی میں دوسروں سے چاہتا ہوں کہ ایسی باتیں کیوں کرتے ہو کہ جس سے میرے قلب کو دوسری طرف مشغولی ہو۔ یہ آنیوالے بدتمیزیاں کرتے ہیں مجھکو الجھن ہوتی ہے اسکی بناء پر تغیر ہوتا ہے۔ پھر لڑائی ہونا کون تعجب ہے۔

(ملفوظ ۹۶) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اکثر بدتمیزی کا سبب بے تعلیمی نہیں ہے بلکہ تعلیم ناقص ہے ورنہ یہ سب امور فطری ہیں اگر تعلیم بھی نہ ہو تب بھی ان بدتمیزیوں کا صدور نہ ہونا چاہیئے۔ یہ تعلیم ہی کا اثر ہے کہ بدتمیزیاں کرتے ہیں مگر ہے وہ تعلیم ناقص۔ اب دیکھ لیجئے کہ بعضے تعلیم یافتہ لوگ کسقدر بدتمیز اور بدتہذیب ہوتے ہیں حالانکہ وہاں تعلیم ہے۔

(ملفوظ ۹۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سرسید احمد خاں کی وجہ سے بڑی گمراہی پھیلی۔ یہ نیچریت زینہ ہے اور جڑ ہے الحاد کی اس سے پھر شاخیں چلی ہیں۔ یہ قادیانی اس نیچریت ہی کا اول شکار ہوا۔ آخر یہانتک نوبت پہنچی کہ استاد یعنی سرسید احمد خاں سے بھی بازی لے گیا کہ نبوت کا مدعی بن بیٹھا۔ غلام احمد ایسا بچہ نہ تھا۔ قصداً ایسا کیا۔ شروع میں گو ممکن ہے کہ دھوکا ہوا ہو۔ لیکن آخر میں تو اپنی بات کی پچ اور اس پر ہٹ اور ضد ہو گئی تھی۔ غرضکہ ہے یہ نیچریت ہی سے ناشی۔

(ملفوظ ۹۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب مدرسہ دیوبند قائم ہوا اور بنیاد پڑی تو سرسید احمد خاں نے کہا تھا کہ کیا ہو گا اور دو چار قل اعوذیئے بڑھ جائیں گے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ تمہارے جادو کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح ھباءً منثوراً کرنے والی جماعت یہی ہو گی۔ واقعی اگر ہندوستان میں حق تعالیٰ اس جماعت کو پیدا نہ فرماتے تو چار طرف سے الحاد اور دہریت کے چشمے ہندوستان میں ابل پڑتے اور ابھی ابلنے میں کونسی کسر رہ گئی لیکن قانون قدرت کے مطابق ہر فرعونے را موسیٰ کا مصداق یہ جماعت ہو گئی جسکے متعلق مخبر صادق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے۔ لا یزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لایضرھم من خذلھم۔ ورنہ ان کا مکر اور انکی چالاکیاں ایسی تھیں جیسے ارشاد ہے۔ وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال۔ ان کے تمام مکر اور کید اسلام کی دشمنی پر تلے ہوئے تھے۔ لیکن حق تعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون تو اسکے ماتحت یہی ایک جماعت پیدا فرمائی گئی۔ اس لئے کہ عادۃ الٰہیہ کے مطابق انسان کے وجود کو بھی اسباب حفاظت دین میں واسطہ بنایا گیا ہے۔ ایسا ہی وعدہ ایک دوسری جگہ خداوند جل جلالہ فرماتے ہیں کلام پاک میں۔ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکٰفرون یہی سلسلہ مضلین اور ہادین کا برابر چلا آتا رہا حتے کہ اب اس زمانہ پر فتن اور پر آشوب میں جبکہ اسلام پر چہار طرف سے نرغہ ہے تمام بدخواہ اسلام اسلام پر دانت پیس رہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ چودھویں صدی کا ایک طاغوت نکل آیا۔ اس نے اسلام اور مسلمانوں کو فنا کرا دینے اور ختم کرا دینے کی کوئی تدبیر اٹھا نہیں رکھی۔ اللہ ہی نے حفاظت فرمائی۔ باوجود عوام مسلمان اور لیڈروں اور ان کے ہم خیال مولویوں کے اس کے دام میں آجانے کے بھی بڑی حق تعالیٰ کی رحمت مسلمانوں پر ہوئی ورنہ معاملہ ہی درہم برہم ہو جاتا۔ اس کی چالاکیاں اور مکر و فریب کو سمجھنے والی

بھی ایک جماعت حق تعالیٰ نے پیدا فرما دی جو لوگوں کو آگاہ کرتی رہی گو اس پر ہر قسم کے الزامات اور بہتان باندھے لیکن وہ جماعت لا یخافون لومۃ لائم پر عمل کرتے ہوئے اظہار حق کرتی رہی۔ ایسے اسباب کا پیدا فرما دینا یہی رحمت ہے ورنہ ان لیڈروں اور انکے ہم خیال مولویوں نے تو آنکھیں بند کر کے مسلمانوں کے تباہ و برباد کرانیکا بیڑا اٹھا ہی لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور محفوظ رکھیں۔

(ملفوظ ۷۹۹) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایک بات حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے بڑے جوش کے ساتھ فرمائی تھی کہ مجھسے میری درخواست پر وعدہ ہو گیا ہے کہ مدرسہ دیوبند کے پڑھے ہوئے کو دس روپیہ ماہواری سے کم آمدنی نہ ہوگی۔ مگر اس وقت اتنی گرانی نہ تھی ورنہ اگر یہ زمانہ ہوتا تو درخواست میں کہتے کم پچاس روپیہ سے کم میں کام نہیں چلتا اس زمانہ میں دس بہت تھے۔ اکثر اہل علم کی پانچ دس روپیہ ماہوار تنخواہ ہوتی تھی۔ علاوہ ارزانی کے پہلے کچھ تھی بھی متوکلانہ شان اہل علم کی۔ مولانا رحمۃ اللہ صاحب کے مدرسہ مکہ معظمہ میں سلطان عبدالحمید خاں نے کچھ مقرر کرنا چاہا منظور نہیں کیا اور لوگوں کے پوچھنے پر فرمایا۔ نہ بھائی پھر کام نہ ہوگا۔ اب تو کارگذاری دکھلانے پر چندہ ملتا ہے اس لئے سب کوشش سے کام کرتے ہیں۔ پھر وہاں سے آتا مستقل طور پر۔ چاہے کام ہوتا یا نہ ہوتا۔ اب تو مدرسہ میں سرمایہ نہیں۔ روپیہ نہیں۔ لیکن کام ہے اور جب یہ سب کچھ ہوتا مگر کام نہ ہوتا۔ بیفکری ہو جاتی۔ اب ہی دیکھ لیجئے اسوقت جو علماء ریاستوں سے وظائف پا رہے ہیں وہ بیفکر پڑے ہوئے اینٹھا کرتے رہیں۔ پھر کام کہاں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ جس قوم کے مذہبی راہبر امیر ہونگے وہ مذہب اور قوم گمراہ ہو جائے گی اسلئے کہ انکو تو ضرورت قوم سے واسطہ رکھنے کی رہیگی نہیں اور جب واسطہ نہ رہا تو گمراہ ہونا قریب ہے ہی۔ اس کا یہ سبب نہیں کہ اب واسطہ مال کے سبب ہے بلکہ امارت میں خاصہ ہے تبعید مساکین کا۔

(ملفوظ ۸۰۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی ایک ممتاز ہستی تھی مولانا جیسا باکمال شخص اب نظروں سے نہیں گذرتا۔ یہ مولانا ہی کی تربیت اور اصلاح کا اثر ہے کہ ہر چیز میرے یہاں اپنی حد پر ہے۔ خود درس کے وقت ایسی اصلاح فرماتے تھے کہ جیسے بہت بڑا شیخ وقت استقلالاً اصلاح کیا کرتا ہے اور ماشاء اللہ تعالیٰ تھے ہی شیخ وقت۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے اساتذہ اور پیر سب کے سب کامل تھے۔ یہ بھی اتنی بڑی دولت حق تعالیٰ نے نصیب فرمائی کہ شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

(ملفوظ ۸۰۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس جیسی تھی اس کا پتہ اس طرح چل سکتا ہے کہ حضور کی متعدد بیویاں تھیں جن پر شوہر کا کچا چٹھا عیاں ہوتا ہے اگر حضور میں کوئی کمی بھی ہوتی تو بیویاں سب سے پہلے غیر معتقد ہوتیں حالانکہ وہ سب سے زیادہ حضور کی معتقد تھیں۔ اس سے آپ کی شان کا پتہ چلتا ہے۔ جماعت ازواج مطہرات اور جماعت صحابہ کرام نے حضور کی تمام سوانح

اندرونی خانگی اور بیرونی معاملات واقعات سب عالم میں بہ بانگ دل آشکارا کر دئے اور ہمکو اس پر فخر ہے کہ سارا کچا چٹھا حضور کا موجود ہے بتلاؤ کہیں انگلی رکھنے کی جگہ ہے۔

(ملفوظ ۸۰۲) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرے دل میں اللہ کا شکر ہے کہ باوجود بہت لوگوں کے ستانے کے اور بدنام کرنے کے نہ کسی کی طرف سے کینہ ہے نہ کپٹ نہ بغض نہ عداوت۔ یہ تو غیر معتقدین کو ساتھ معاملہ ہے۔ اور معتقدین کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ میں نے یہاں کے رہنے والوں تک کو اپنے معاملات میں ایسا دخل کبھی نہیں دیا کہ جس سے چاہا راضی کر دیا جس سے چاہا ناراض کر دیا۔ اور بہت سے درویشوں کے یہاں یہ آفت ہے۔ ایک مرتبہ میرے بڑے گھر میں سے ایک شخص کی شکایت کی۔ اور وہ شخص بھائی مرحوم کے یہاں کارندہ تھے۔ میں نے انکو دروازہ پر بلا کر کہا کہ یہ تمہارے متعلق یہ کہتی ہیں۔ انھوں نے اپنا تبریہ کیا۔ میں نے گھر میں سے کہا کہ ثبوت تمہارے ذمہ ہے۔ ثبوت دو۔ کہنے لگیں تو بہ تم تو ذرا سی دیر میں آدمی کو فضیحت کرتے ہو میں نے کہا کچھ بھی ہو مگر اب سے کسی کی چغلی مت کرنا۔ بس شرمندہ ہو کر رہ گئیں۔ تو میرے یہاں یہ چیزیں نہیں ہیں اللہ کا شکر ہے۔

۱۹/ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

(ملفوظ ۸۰۳) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات بڑی ہی کریم ذات تھی۔ ایک مرتبہ تھانہ بھون کا ایک مجمع حج کو گیا جب حضرتؒ کی خدمت میں باریاب ہوئے حضرت سب سے بغلگیر ہو کر ملے اور فرمایا کہ بھائی اپنے باپ دادوں کے نام بتلاتے رہو۔ میں نوجوانوں میں سے کسی کو نہیں پہچانتا۔ ایک تھانہ بھون کے رہنے والے کہتے تھے کہ میں جب مکہ معظمہ حاضر ہوا۔ حضرت کے پاس مجمع زیادہ تھا۔ میں خاموش ایک گوشہ میں بیٹھ گیا کہ جب حضرت فارغ ہونگے اس وقت ملوں گا۔ حضرت نے خود فرمایا کہ اس مجلس میں بوئے وطن آرہی ہے تب انھوں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ حضرت میں تھانہ بھون کا رہنے والا ہوں۔ فرمایا کہ میاں غیروں کی طرح دور جا بیٹھے اُو یہاں آؤ سینے سے لگایا۔ پیار کیا۔ کیا ٹھکانا تھا حضرت کی شفقت کا۔ مولوی معین الدین نانوتوی بیان کرتے تھے کہ میں نے تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں ایک ہرن شکار کیا اور اسکی کھال درست کرا کر ایک شخص حج کو جاتے تھے ان کے ہاتھ حضرت کی خدمت میں بھیجی۔ حضرت نے فرمایا اس کھال میں سے بوئے وطن آتی ہے۔ عرض کیا کہ حضرت یہ تھانہ بھون کے جنگل کا ہرن تھا۔ یہ حالت تھی لطافت ادراک کی۔ ندوہ والوں نے مدرسہ جامع العلوم کانپور کو اپنے تحت میں کرنا چاہا تھا۔ میں نے ان کی رایوں سے اختلاف کیا اور بعض باتیں جو مضر تھیں انکو ظاہر کیا۔

ان صاحبوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ آپ اس کو لکھدیں۔ حضرت نے مجھکو تحریر فرمایا کہ تم وہاں کی مصلحتوں کو خوب سمجھتے ہو جو مناسب ہو کرو۔ یہ ہے شان مشیخت کی کہ ہر بات اپنے مرکز پر رہے۔ پھر خود ندوہ کا جو حشر ہوا سب کو معلوم ہے کہ وہ ایسوں کے ہاتھ میں مدت تک رہا جنکی طبیعت میں بالکل نیچریت تھی وہی سر سید احمد خاں کے قدم بقدم انکی رفتار رہی۔ وہی جذبات۔ وہی خیالات۔ کوئی فرق نہ تھا۔

(ملفوظ ۸۰۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں اس سے برکت مراد ہے۔ ایسی جگہ میں برکت ضرور ہوتی ہے۔ مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت مجھکو پہنچی ہے۔ ایک صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا شیخ محمد صاحبؒ نے فرمایا کہ جب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج کو تشریف لے گئے تو میں نے اس جگہ بیٹھکر ذکر کیا جس جگہ حضرت ذکر کیا کرتے تھے تو انوار معلوم ہوئے آپ آنکھیں ان بزرگوں کو ڈھونڈتی ہیں۔ ان ہی بزرگوں کو دیکھا اب طبیعت بھی۔ اور دل بھی۔ کان بھی ان ہی چیزوں کے خوگر ہو گئے۔ اس کے خلاف پر وحشت ہوتی ہے اب طبیعت کو کیسے بدل دیا جائے۔ غیر اختیاری بات ہے۔

(ملفوظ ۸۰۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل ایسی طبیعت کے بھی لوگ موجود ہیں جنکو امامت کا شوق ہے لیکن اہل امامت کے نہیں۔ لمبے لمبے رکوع اور خطبے پڑھنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ ہمارے حضرت بہت ہی مختصر خطبہ پڑھتے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اکثر حضرت شہید صاحبؒ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے وہ بہت ہی مختصر اور جامع ہے مگر اس میں سے بھی ایک حصہ حذف کر دیتے تھے میں نے جو مجموعہ خطب لکھا ہے کوئی خطبہ اس میں سورۂ مرسلات سے بڑا نہیں اور تعجب ہے کہ میرے اس مجموعہ خطب کو غیر مقلدوں نے اسلئے نہیں خریدا کہ میں نے اس میں لکھدیا ہے کہ اردو میں خطبہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔ اس پر خفا ہو گئے حالانکہ یہ اوفق بالحدیث ہے یہ فرقہ بھی عجیب ہے۔ کہیں تو اہل بالحدیث ہونے کا اس قدر زور شور اور کہیں یہ حالت کہ حدیث ہوتے ہوئے اور پھر عمل ندارد۔

(ملفوظ ۸۰۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ غیر مقلدی بھی عجیب چیز ہے کثرت سے ان لوگوں میں تدین بہت کم دیکھا اور عامل بالحدیث ہونیکا دعوی ہی دعوی ہے۔ عملی صورت میں نہایت ہی پیچھے ہیں۔ احتیاط کا تو ان میں نام و نشان نہیں۔ بس گھر میں بیٹھے ہوئے اسے بدعتی کہدیا اسے مشرک کہدیا۔ اور خود اپنی حالت نہیں دیکھتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ میں نے استواء علی العرش کے مسئلہ کو تفسیر بیان القرآن میں اس طرح ترتیب دیا تھا کہ متن میں تو متاخرین کے قول کو رکھا تھا۔ اور حاشیہ پر متقدمین کے قول کو اور متاخرین کے قول کو متن میں رکھنے کی بجز سہولت فہم عوام کے کوئی خاص وجہ نہ تھی لیکن یہ کیا معلوم تھا کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو ہر وقت اعتراض ہی کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ایک غیر مقلد صاحب نے عنایت فرما کر

اس طرف توجہ فرمائی اور اپنے خاص جذبات کا ثبوت دیا۔ اگر حدود کے اندر مشورہ دیتے تو میں قبول کر لیتا۔ لیکن متاخرین کے طرز اور مسلک کو اور ان کے قول کو سراسر جہل اور اعتزال بتلایا محض گستاخی اور بے باکی ہے اسلئے مجھکو واقعی ناگوار ہوا۔ مگر میں نے پھر بھی انکی بلکہ انصاف کی رعایت سے متقدمین کا قول متن میں رکھدیا۔ اور متاخرین کا قول حاشیہ میں کر دیا مگر یہ پھر بھی راضی نہیں ہوئے بلکہ ان بزرگ متاخرین کے مسلک کا تو ابطال کیا اور سلف کا مسلک جو بیان کیا تو بالکل مجسمہ اور مشبہ کے طرز پر اور مجھسے بھی اسی پر اصرار کیا۔ یہ ان معترضین کا علم ہے۔ یہ قابلیت ہے یہ دین ہے اور پھر علمی مبحث میں قدم۔ ایک دفعہ مجھکو مشورہ دیا تھا کہ آپ ابن تیمیہ اور ابن القیم کی تصانیف دیکھا کریں۔ میں نے کہا تم نے تو دیکھیں ہیں۔ تمہارے اندر بڑی شان تحقیق پیدا ہو گئی۔ میں ہمیشہ ایسے مباحث میں پڑنے سے بچا اور یہی مسلک اپنے بزرگوں کا رہا۔ مگر ضرورت کو کیا کروں۔ جس وقت یہ بحث لکھ رہا تھا تو ہر جاہل شخص کو دیکھ رشک ہوتا تھا کہ کاش میں بھی جاہل ہوتا۔ تو اس مبحث پر ذہن نہ چلتا تو اس وقت جاہل ہونے کی تمنا کرتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فضل ایزدی نے دستگیری فرمائی اور یہ خیال آیا کہ یہ تمنا بھی تو علم ہی کی بدولت ہوئی تو جہل کو کسی حالت میں علم پر ترجیح نہیں۔ تب جا کر قلب کو سکون ہوا۔ ایسے دقائق میں صوفیہ کی توجیہ سب میں زیادہ اقرب دیکھی گئیں۔ ان سے بڑی تشفی ہوئی۔ مگر یہ معترض صاحب صوفیہ ہی کے مخالف ہیں پھر راہ کہاں۔ نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ استواء علی العرش صفت ہے یا فعل۔ ان اہل ظاہر میں مشہور یہ ہے کہ صفت ہے لیکن اگر صفت ہے تو عرش حادث ہے اور صفت قدیم تو قبل حدوث عرش جو استواء علی العرش کی صورت تھی وہی اب بھی تسلیم کر لو ورنہ صفت میں تغیر لازم آویگا۔ یہ عجیب وغریب الزامی حجت ہے جو حق تعالیٰ نے ذہن ڈالی۔ اور اس مبحث میں لکھنے کیوقت جو اقوال نظر سے گذرے انکے تراجم سے ذہن میں عجب کشمکش ہوئی۔ مگر خیر جس طرح سے ہو سکا اس کے متعلق ایک رسالہ تیار ہو گیا جس کا نام تمہید الفرش فی تحدید العرش ہے اور اصل تو یہ ہے کہ ذات وصفات کی کنہ کون کر سکتا ہے اس لئے آگے بڑھتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اور واقعی کیا کوئی ادراک کر سکتا ہے اسی لئے منع فرما دیا کہ ذات صفات کی بحث میں نہ پڑنا چاہئے۔ یہی امر معقول ہے اسلئے کہ بحث سے بھی کوئی حقیقت معلوم نہیں کر سکتا جیسے اندھے مادرزاد کو کہا جائے کہ رنگوں کی حقیقت میں خوض نکر۔ منع کرنا یقیناً معقول ہے اس لئے کہ وہ اس کی حقیقت کو باوجود خوض کرنے کے بھی نہیں سمجھ سکتا۔

(ملفوظ ۱۰۴۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ وہ وقت پر ضرورت کی چیز دل میں ڈالدیتے ہیں اور یہ ثمر اور برکت اپنے بزرگوں کی دعا اور توجہ کی ہے۔ نیز ضرورت کی قریب قریب

تمام چیزیں اپنے بزرگوں سے کانوں میں پڑ چکی ہیں اسلئے بحمداللہ زائد کتابوں سے بھی مستغنی ہوں۔ اور اول تو شروع سے کتب بینی کا کچھ اہتمام نہیں رہا ویسے ہی فضل ایزدی ہوا کہ وہ مدد فرما دیتے ہیں کام چل جاتا ہے گاڑی نہیں اٹکتی۔ میں ایک مرتبہ جلسہ سہارنپور میں شرکت کے لئے ریل میں سوار ہوا۔ اسی گاڑی سے ایک طالب علم دہلی سے آکر اترے۔ کہنے لگے کہ میں تو آپ ہی سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا میں نے کہا کہ میں اسوقت تو سہارنپور جا رہا ہوں۔ یا تو تھانہ بھون ٹھہرے رہو اور اگر جی چاہے بشرط گنجائش ساتھ چلنے کی اجازت ہے دونوں شقوں پر عمل کر سکتے ہو وہ ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئے لیکن باوجود سعی کے اس وقت ٹکٹ حاصل نہ کر سکے۔ میں نے کہا گارڈ سے کہکر سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اسی طرح سوار ہو گئے۔ میں نے کہا نانوتہ پہنچکر یہاں تک کے پیسے گارڈ کو دیکر رسید لیلو اور آگے سہارنپور کا ٹکٹ خرید لو۔ غرضکہ اسٹیشن نانوتہ پہنچکر انہوں نے سہارنپور کا ٹکٹ خرید لیا اور نانوتہ تک کا محصول گارڈ کو دینا چاہا اس نے ان کو غریب دیکھکر کہا کہ ہم تمکو معاف کرتے ہیں انھوں نے آکر یہ قصہ بیان کیا۔ میں نے ان طالب علم کے جواب میں کہا کہ گارڈ کو کوئی حق معاف کرنیکا نہیں ہے۔ وہ ریلوے میں بحیثیت ملازم کے ہے۔ بحیثیت مالک کے نہیں اسلئے یہ کرایہ تم پر ادا کرنا واجب ہے۔ اور یہ جب تک ادا نہ کرو گے ریلوے کے قرضدار رہو گے۔ پھر میں نے ادا کرنے کی صورت بتلائی کہ واپس آکر نانوتہ اور تھانہ بھون کے درمیان کا ٹکٹ خرید کر چاک کر دینا۔ جسوقت میں یہ گفتگو کر رہا تھا چند آدمی آریئے بھی قریب بیٹھے تھے۔ ان میں ایک شخص لکھا پڑھا تھا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ انگریزی تعلیم یافتہ اور لکچرار تھا۔ میری اس گفتگو پر وہ لکھا پڑھا آریہ کہنے لگا کہ میں اسوقت اپنی ایک کمزوری ظاہر کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ جسوقت ان صاحب نے آپ سے یہ کہا کہ گارڈ نے معاف کر دیا۔ میں خوش ہوا کہ ایک غریب آدمی کا بھلا ہوا مگر آپ کے فرمانے پر معلوم ہوا کہ میری یہ خوشی بے ایمانی پر مبنی تھی۔ واقعی اسکو معاف کرنیکا کیا حق تھا۔ میں نے کہا کہ یہ آپ کی خوبی کی بات ہے کہ آپ سمجھ گئے۔ دوسرا چپکے سے اپنے ساتھیوں سے بولا جسکو میرے ساتھیوں نے سنا کہ معلوم نہیں کیا بات ہے۔ ان کی معمولی باتوں میں بھی دل کو کشش ہوتی ہے۔ ایک نے کہا کہ سچے ہونے کی یہی دلیل ہے۔ پھر اس ہی لکچرار آریہ نے مجھسے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ سے ایک اور سوال کر سکتا ہوں۔ میں نے کہا کہ خوشی سے اجازت ہے۔ اگر مجھکو جواب معلوم ہوگا عرض کر دونگا اور اگر نہ معلوم ہوا عذر کر دوں گا۔ کہا کہ دو شخص ہیں۔ دونوں نے ایک نیک کام کیا۔ نیت ایک کام ایک۔ نفع دونوں کے کاموں سے ایک سا پہنچا۔ غرض سب حالات ایک۔ لیکن صرف فرق اتنا ہے کہ ان دونوں میں ایک مسلم ہے اور ایک غیر مسلم۔ تو کیا دونوں کو اجر اور ثواب برابر ملیگا یا نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ اس کا مقصود یہ ہے کہ یہ یقیناً یہی کہیں گے کہ ایک کو اجر اور

ثواب ملیگا جو مسلم ہے اور دوسرے کو نہ ملیگا جو غیر مسلم ہے تو اس جواب پر اسکو گنجایش گفتگو کی ہوگی کہ یہ بجز تعصب کے کیا ہے کہ ایک ہی سا کام لیکن صرف غیر مسلم ہونے کی وجہ سے وہ ثواب سے محروم ہے۔ حالانکہ جب دلائل سے ثابت ہے کہ اسلام شرط قبول اعمال ہے تو یہ فرق ضروری ہے۔ لیکن اگر اس اعتراض کی گنجایش ہی نہ دی جاوے تو زیادہ بہتر ہے اس لئے کوئی ایسا جواب ہونا چاہئے کہ جو اس کی سمجھ سے بھی باہر نہ ہو اور ہو مختصر جس سے سلسلہ جلدی ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی فوراً ایک صورت جواب کی ذہن میں آگئی۔ میں نے کہا کہ تعجب ہے اور آپ کی دانشمندی سے بہت بعید ہے کہ آپ مجھسے ایسی بات کا سوال کر رہے اور پوچھ رہے ہیں کہ جس کا جواب آپ کے ذہن میں ہے۔ اس پر کہا کہ یہ آپکو کیسے معلوم ہوا کہ اس سوال کا جواب میرے ذہن میں ہے۔ میں نے کہا کہ اس جواب کے مقدمات آپکے ذہن میں ہیں اور مقدمات کیلئے نتیجہ لازم ہے اس لئے وہ جواب بھی ذہن میں ہے۔ کہا کہ یہ آپکو کیسے معلوم ہوا کہ اسکے مقدمات میرے ذہن میں ہیں۔ میں نے کہا ابھی بتلائے دیتا ہوں۔ سنئے یہ ظاہر ہے کہ مذاہب موجودہ میں سب تو حق ہو نہیں سکتے ایک حق ہو سکتا ہے اور باقی باطل۔ اور مذہب حق والے کی مثال مطیع سلطنت کی سی ہے اور باطل والے کی مثال باغی سلطنت کی سی ہے۔ آپ اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہا ٹھیک ہے۔ میں نے کہا فرض کیجئے ایک شخص ہے جو بہت بڑا افلاسفر ہے۔ ڈاکٹر بھی پاس کئے ہوئے اور بہت سی ڈگریاں حاصل کر چکا ہے لیکن باوجود ان تمام خوبیوں کے وہ باغی ہے۔ اس پر گورنمنٹ اسکو دوام حبس یا پھانسی کا حکم دے تو کیا عقلاء اسکو ظلم کہیں گے یا عقلاء اس کی تصویب کرینگے۔ کہنے لگا تصویب کریں گے۔ میں نے کہا جواب ہو گیا۔ دیکھئے یہ سب مقدمات آپ کے ذہن میں تھے۔ باوجود اس کے پھر سوال کرنا اس کا منشا صرف یہ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنی زبان سے آپکو کافر کہوں۔ کہا کہ واقعی یہی منشا تھا اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسی زبان سے لفظ کافر سننے سے بھی کانوں کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ آپکی خوبی کی بات ہے مگر میری اسلامی تہذیب اسکی اجازت نہیں دیتی کہ میں بلا ضرورت آپکو کافر کہوں۔ اور ضرورت کی قید میں نے اس وجہ سے لگائی کہ بضرورت تو کافر کہتے ہی ہیں۔ بیحد خوش ہوا اور میرا وطن پوچھا اور معلوم ہونے پر کہا کہ میں لیکچر کے لئے وہاں جایا کرتا ہوں۔ ابکی بار آنا ہوا تو آپ کے پاس ضرور آؤں گا مگر پھر آیا نہیں۔ اس قسم کے جوابوں سے عوام سمجھ بھی جاتے ہیں اور نفع بھی زیادہ ہوتا ہے اور وقت بھی زیادہ صرف نہیں ہوتا مگر علماء نے یہ طرز چھوڑ دیا۔ جواب ہمیشہ اصولی ہونا چاہئے۔ مثلاً ایک آریہ نے میرے ایک عزیز سب انسپکٹر کے واسطہ سے ایک اعتراض کیا تقدیر کے مسئلہ میں کہ اس میں تو جبر لازم آتا ہے اور یہ مسئلہ ہے عقلی۔ اہل اسلام کے ذمہ ان اعتراضوں کا جواب ہے جو منقول ہے۔ میں نے اسکا

جواب یہ دیا کہ یہ مسئلہ اگر اہل اسلام کا نقل ہوتا تو واقعی اس کے ذمہ دار صرف اہلِ اسلام ہوتے مگر یہ مسئلہ عقلی ہے اور مقدمات عقلیہ سے تمکو بھی اسکا قایل ہونا پڑیگا تو اس صورت میں یہ مسئلہ تم میں اور ہم میں مشترک ہو گیا تو دونوں سے سوال ہوگا۔ سو اگر تمہاری سمجھ میں آجاوے تم ہمیں بتلا دو اور ہماری سمجھ میں آجاوے تو ہم تمکو بتلا دیں۔ اور اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے دونوں صبر کر کے بیٹھ جاؤ اور اسکی حل کی فکر میں رہو۔ تمکو اہل اسلام سے سوال کرنیکا کیا حق ہے۔ جیسے بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی آریہ یہ اعتراض کرے کہ ایک آنکھ کانی تھی پھر دو کیوں ہیں۔ ہم کہیں گے تم ہی بتلا دو۔ کیونکہ یہ تو تمکو بھی تسلیم ہے کہ دونوں آنکھیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں تو اس کا جواب صرف ہمارے ہی ذمہ کس قاعدہ سے ہے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ مجھکو آجکل کے مناظرہ مروجہ سے نفرت ہے کہ وہ اصولِ صحیحہ کے ماتحت نہیں ہوتا۔ اور وجہ یہ ہے کہ کمال تو آجکل پیدا ہوتا نہیں۔ نہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ویسے ہی جوڑ توڑ۔ بے جوڑ۔ معقول۔ غیر معقول ہانکتے رہتے ہیں۔ نہ کسی بات کا سر ہوتا ہے نہ پیر۔ اور مجھکو بے اصولی بات سے الجھن ہوتی ہے اور عبث کلام سے نفرت ہے اور مناظروں میں یہی کچھ باقی رہگیا ہے۔ ایک وجہ انقباض کی یہ ہے کہ چاہے منہ سے حق بات نکلے یا غیر حق وہ معقول ہو یا غیر معقول کہے جانے سے غرض۔ جس کا اصلی مقصود یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی بات مان لینے سے ہیٹی نہ ہو۔ سبکی نہ ہو۔ مزاحاً فرمایا کہ حق کے مان لینے سے تیری سبکی ہوتی ہوگی۔ سبکی تو نہیں ہوتی۔ ریل میں ایک پادری نے مجھسے دریافت کیا کہ تصویر کی ممانعت کیوں ہے۔ میں نے کہا کہ یہ مسئلہ اصول کا ہے یا فروع کا کہا کہ فروع کا میں کہا اگر یہ فرعی مسئلہ حل بھی ہو گیا تو نفع کیا ہوگا کیونکہ اصول میں اختلاف باقی رہتے ہوئے تم تو پھر عیسائی رہو گے۔ کہنے لگا یہ صحیح ہے مگر ایسی گفتگو سے ذرا تفریح ہوتی ہے میں نے کہا کہ ہمارا مذہب اس سے منزہ ہے کہ ہم اسکو آلہ تفریح بنا لیں۔ تلعب بالمذہب تم ہی کو مبارک ہو۔ ایک بار دو ہندو کہ اس میں ایک نوجوان رئیس زادہ۔ دوسرا بوڑھا اس کا گرو تھا میرے پاس آئے نوجوان ایک سوال کی اجازت چاہی۔ میں نے اجازت دیدی۔ کہنے لگا کہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کلام اللہ خدا کا کلام ہے اور کلام ہوتا ہے زبان سے جو ایک عضو ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ جوارح اور اعضاء سے منزہ ہے خدا تعالیٰ نے کلام کیسے کیا میں نے سن کر کہا کہ ہم جو زبان سے کلام کرتے ہیں تو ہم تو متکلم بواسطہ زبان کے ہوئے اور اصل متکلم زبان ہوئی تو اب اگر تکلم کیلئے زبان کی ضرورت ہے تو زبان جو متکلم ہے اس کیلئے ایک زبان ہونا چاہیے مگر اسکے زبان نہیں اور وہ پھر بھی متکلم ہے اس سے ثابت ہوا کہ زبان کو تکلم کیلئے زبان کی ضرورت نہیں تو تعجب ہے کہ زبان جو کہ ایک گوشت کا لوتھڑا ہے وہ تو اس پر قادر ہو کہ وہ بدون زبان کے متکلم ہو سکے اور خدا کو اتنی بھی قدرت نہ کہ بدون زبان کے متکلم ہو سکیں۔ ایسے ہی آنکھ خود دیکھ رہی ہو

اس آنکھ کے کونسی آنکھ ہے تو جب یہ آنکھ بلا آنکھ کے دیکھنے پر قادر ہے تو کیا خدا کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ بدون حاسہ بصر کے دیکھ سکے۔ ایسے ہی کان کو لیجئے۔ ان کان کے کون سے کان ہیں جس سے یہ سنتے ہیں۔ جب یہ کان اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ بلا کان کے سن سکتے ہیں تو کیا خدا کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ وہ بدون حاسہ کان سن سکیں۔ وہ نوجوان بہت خوش ہوا اور اپنے گرو سے کہا کہ دیکھئے علم اس کو کہتے ہیں اور خوش ہو کر کچھ سنگترے پہل مجھکو ہدیۃً دئے۔ میں نے دل میں کہا کہ میں نے دماغ سے کام لیا ہے اور دماغ خدا کی مشین ہے اس کی قوت کے واسطے دلوا رہے ہیں۔ میں نے لیلئے۔ ایسے ہدیہ کے لئے کوئی شرط نہیں۔ پھر مزاحاً فرمایا کہ اگر کوئی ہدیہ بلا شرط قبول کرانا چاہے اس کی تدبیر بہت سہل اور آسان یہ ہے کہ وہ مخالف ہو جائے۔ پھر اسکا ہدیہ قبول کرنے میں کوئی شرط نہ ہوگی۔ اس لئے کہ مخالف پر دھوکہ کا شبہ نہیں رہتا دوستوں پر دھوکے کا شبہ ہوتا ہے کہ شاید وہ بزرگ سمجھکر دیتے ہوں اور میں بزرگ نہیں اس لئے خاص شرطیں لگاتا ہوں۔

(ملفوظ ۸۰۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ہم اپنی وضع پر نہیں رہے۔ ہم اپنے بزرگان سلف کی سوانح دیکھتے ہیں کہ ان کا برتاؤ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے بھائی اکبر علی مرحوم نے ایک موقع پر اسی اصل پر جواب دیا تھا واقعہ یہ ہوا کہ ایک زمانہ میں میونسپل بورڈ کے سکریٹری تھے اس زمانہ میں بریلی میں آریوں کا ایک جلسہ ہوا اسوقت وہاں پر ایک ڈپٹی کلکٹر مسلمان تھے جو جلسہ کے انتظام اور نگرانی پر مامور ہوئے۔ خدا معلوم کیا سوجھی۔ انھوں نے آریہ پنڈتوں کی دعوت کر دی۔ تمام شہر بریلی میں ایک دم شہرت ہو گئی کہ ڈپٹی صاحب آریہ ہو گئے۔ ایک صاحب مسلمان بھاگے ہوئے بھائی مرحوم کے پاس آئے کہ سکریٹری صاحب آپکو معلوم بھی ہے کہ ڈپٹی صاحب آریہ ہو گئے۔ بھائی مرحوم بڑے ذہین اور خوش مزاج تھے۔ نہایت متانت سے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو تمہارا کیا حرج ہوا ایسا بدفہم تو اسلام سے جس قدر جلد نکل جائے بہتر ہے ایسا شخص تو ننگ اسلام ہے اسلام کو ایسوں کی ضرورت نہیں۔ اور بھائی مرحوم نے جوش میں آکر یہ بھی کہا کہ تمکو دوسروں کی کیا فکر پڑی ہے تم خود تو مسلمان ہو جاؤ اور اگر تمام بریلی میں ایک مسلمان بھی ہوتا تو سارے بریلی کے کافر مسلمان ہو جاتے۔ کہا کہ کیا بریلی میں کوئی مسلمان نہیں۔ فلاں مولوی خان صاحب بھی مسلمان نہیں۔ بھائی مرحوم نے کہا میرے نزدیک تو جیسا مسلمان ہونا چاہئے ایسے مسلمان وہ بھی نہیں اس شخص کو تو یہ جواب دیدیا مگر دوسرے وقت بھائی مرحوم جا کر ان ڈپٹی صاحب سے ملے اور اس کا ذکر کیا کہ اس واقعہ کی کیا حقیقت ہے۔ سنا ہے کہ آپ آریہ ہو نیوالے ہیں۔ ڈپٹی صاحب بولے کہ کون حرام زادہ کہتا ہے۔ بھائی مرحوم نے کہا کہ تمام حلال زادے بریلی کے یہی کہہ رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ کیا کہوں آریہ پنڈتوں کی دعوت کرنے کی مجھسے غلطی ہو گئی۔ یہ بلا اس سے سر پڑی۔ اور بھائی مرحوم سے مشورہ کیا کہ اب میں کیا کروں بڑی بدنامی ہوئی مجھکو اس کی کیا خبر تھی۔ بھائی مرحوم نے کہا کہ آریہ

بنڈتوں کی دعوت کر کے آریہ مشہور ہوئے۔ اب مولویوں کی دعوت کر کے مسلمان مشہور ہو جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مولویوں کا مجمع کر کے توبہ کا اعلان کیا تب یہ شہرت بند ہوئی۔

(ملفوظ ۸۰۹) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مسلمان کا اصل مذہب تو تعلق مع الحق ہے۔ اسی تعلق سے اس کا اسی پر بھروسہ ہوتا ہے اور یہی کامیابی کی جڑ ہے۔ محمد ابن قاسم نے جسوقت ہندوستان پر چڑھائی کی تو راجاؤں کی متعدد بیٹیاں جو نہایت ہی حسین تھیں اسیر ہوئیں۔ فتح کر لینے کے بعد ان لڑکیوں نے خود محمد ابن قاسم کی طرف رغبت ظاہر کی مگر انھوں نے التفات بھی نہیں کیا اور انکو صاف انکار کر دیا اور دار الخلافہ میں بھیجدیا کہ خلیفۂ وقت کو اختیار ہے کہ وہ جس کے چاہے سپرد کر دیں۔ اس وقت عمر محمد ابن قاسم کی سترہ سال کی تھی۔ یہ ایک بڑی چیز تھی۔ اگر ان میں بے محل شہوت ہوتی تو یہ شجاعت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور ان محمد ابن قاسم کے ساتھ بڑے بڑے پرانے تجربہ کار فن جنگ کے ماہر موجود تھے مگر سب ان کی اطاعت کرتے تھے اس شہوت پر یاد آیا کہ جس وقت راجہ داہر سے مقابلہ کا اہتمام ہو رہا تھا۔ اس وقت محمد ابن قاسم کو معلوم ہوا کہ راجہ داہر نے اپنی بہن سے شادی کی ہے۔ یہ سن کر بے فکر ہو گئے۔ اور یہ کہا کہ اب اس کے مقابلہ میں ہم لوگ ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہونگے اس لئے کہ وہ کافر ہی نہیں ملحد بھی ہے وہ شہوت سے مغلوب ہے۔ کفر کے ساتھ تو شجاعت جمع ہو سکتی ہے۔ مگر شہوت کے ساتھ شجاعت نہیں ہو سکتی۔ یہ محمد ابن قاسم حجاج بن یوسف کے داماد تھے۔ خود حجاج باوجود اتنے بڑے ظالم ہونیکے کفار کے مقابلہ میں بہت جوشیلا تھا۔ خود ظلم تک مسلمانوں پر کرتا تھا لیکن حمیت اسلام اور غیرت اسلام بھی قلب میں بیحد تھی۔ دوسرے مسلمانوں کو ستائیں اس کی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اور عبادت کی رغبت میں اس شخص کی یہ حالت تھی کہ شب میں تین سو نفلیں پڑھتا تھا۔ دیکھئے اسوقت کے ظالم بھی ایسے ہوتے تھے۔ حیرت ہوتی ہے تین سو نفلیں پڑھنے میں تو تمام شب بیداری ہی رہتی ہو گی۔

(ملفوظ ۸۱۰) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل بہادری کی ایک نئی قسم نکلی ہے۔ مار کھانا۔ ذلیل ہونا۔ بھوک ہڑتال کر کے مر جانا۔ یہ سب کچھ اسلئے کہ حکومت مل جائے۔ ایسے ذلیلوں اور کم حوصلہ لوگوں کو تو حکومت کا نام بھی نہ لینا چاہئے۔ پٹتے تو خود ہی پھرتے ہیں کیا بدنصیبوں کو حکومت اور ملک کا مزہ ملیگا۔ یہ ایک طاغوت اس زمانہ میں پیدا ہوا ہے۔ پیدا ہوتے تو بہت دن ہوئے اب ظاہر ہوا ہے جسکے عقل اور فہم کی دنیا مداح ہے۔ یہ بہادرانہ تدابیر اسکی ساختہ پرداختہ ہیں۔ ایک صاحب مجھسے کہنے لگے کہ ہندؤں میں بڑی شجاعت ہے۔ پھانسی تک کے لئے تیار ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ شجاعت تو عورتوں کی سی ہے کہ جان کھونے کیلئے کنوئیں میں جا پڑتی ہیں۔ اس سے آگے بھی انکی بہادری کا کوئی درجہ دیکھا ہے۔

(ملفوظ ۸۱۱) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر اللہ سے محبت کے یہ معنے تھوڑا ہی ہیں جو تم سمجھتے ہو بلکہ جو چیزیں محبت حق میں معین ہوں ان کی محبت حق ہی کی محبت کہلائے گی۔ اسی طرح جن کی ترغیب حق تعالیٰ نے دی ہے مثلاً حور کی محبت اور رغبت محبت حق کے منافی نہیں کیونکہ جنت کی نعمتوں میں سے ہے اور حق تعالیٰ ان نعمتوں کے حق میں فرماتے ہیں وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔ اور خدا سے محبت بلاواسطہ ہو بھی کیسے سکتی ہے اس کا حوصلہ کس کو ہے۔ اسی واسطے محققین متادبین نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی تم سے پوچھے کہ خدا کے ساتھ تم کو محبت ہے تو کوئی جواب نہ دو۔ اس لئے کہ اگر کہو کہ ہے تو اپنے منصب سے بڑا دعویٰ ہے اور اگر کہو کہ نہیں تو حق بجانہ سے اعراض ہے۔ اسلئے ادب یہی ہے کہ کچھ مت کہو۔ نیز محبت موقوف ہے معرفت پر اور معرفت تامہ مقدور بشر نہیں تو محبت کا یہ درجہ بھی غیر مقدور ہے۔ اسی کو کسی مجذوب نے خوب کہا ہے کہ عقل وہ ہے جو خدا کو پاوے اور خدا وہ ہے جو عقل میں نہ آوے۔ بس یہاں تو یہ حالت ہے ؎

اے بروں از وہم وقال وقیل من خاک بر فرق من و تمثیل من

کیا کوئی ذات باری کی کنہ کو پا سکتا ہے اور کیسے پا سکتا ہے۔ یہی محمل ہے اس کا کہ ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

(ملفوظ ۸۱۲) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ وہ رویت حق جس سے تشنگی کم ہو وہ جنت ہی میں ہوگی اور یہاں تو یہ کیفیت ہے جیسا کہ کسی نے کہا ؎

کنارو بوس سے دونا ہوا عشق مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی

اور یہ عشق ہے ہی ایسی چیز کہ اس کے ہوتے ہوئے عاشق کو کہاں راحت اور کہاں چین ؎

مریض عشق پر رحمت خدا کی مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی

۱۹ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

(ملفوظ ۸۱۳) ایک شخص حاضر ہوئے۔ بعد سلام مسنون و مصافحہ کے حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ آپکو کچھ کہنا ہے۔ عرض کیا کہ کچھ کہنا نہیں۔ فرمایا کہ سمجھ لو۔ اگر کوئی کام ہو کہنا ہو اب بھی اجازت ہے کہہ لو۔ عرض کیا کہ جی مجھے کچھ کہنا نہیں۔ حضرت والا ڈاک کے جوابات تحریر فرمانے میں مشغول ہو گئے۔

کچھ تھوڑی دیر کے بعد اس ہی شخص نے ایک پرچہ پیش کرنا چاہا فرمایا کہ اسکو تو اپنے پاس رکھو جاں سے دیا ہیں رکھ لو مگر اس کا جواب دو کہ میں نے ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی پوچھا تھا کہ کچھ کہنا ہے تم نے صاف کہا کہ کچھ کہنا نہیں۔ میں نے اس پر پھر دوبارہ اور پہلے سے زیادہ تاکید سے کہا کہ اگر کچھ کہنا ہے کہہ لو اجازت ہے اس پر بھی انکار ہی رہا۔ اور اب وہ کام لیکر بیٹھے۔ میرے اس اہتمام کی وجہ تھی کہ جب آدمی کہیں جاتا ہے تو ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ بلا غرض یا بلا کام کہیں جاوے۔ اکثر اغراض اور کام ہی لے کر آتے ہیں میں یہی سمجھا تھا کہ جب یہ شخص آیا ہے صاف ظاہر ہے کچھ کام ہوگا۔ مگر تماشہ ہے کہ بلا پوچھے ہوئے تو یہ شخص کیا بتلاتا۔ دریافت کرنے پر بھی اور وہ بھی مکرر انکار ہی کیا اب وہ کام کہاں سے نکل آیا۔ یاد رکھو کہ تمہارا کوئی کام نہ ہوگا اور یہ تمہارا اس وقت کا جو آنا ہے وہ پائی کی برابر بھی نہیں اسلئے پائی کا اثر نہ ہوا کوئی چیز پائی نہیں (یہ آنہ پائی ظرافت سے فرمایا) اب جو حرکت اس شخص نے کی کیا اس کی کوئی تاویل ہو سکتی ہے۔ کوئی محمل صحیح ہو سکتا ہے۔ آپ ہی انصاف سے کہئے کہ کون سنتا ہے کون بداخلاق ہے مجھکو بدنام کیا جاتا ہے۔ اب بتلایئے کس طرح غلامی کروں کہ وہ پہلی بات ہی تھی میں اس پر راضی ہوتا اب جب پرچہ دینا چاہا تو اس پر راضی رہوں۔ میں خدمت کے لئے تو تیار ہوں۔ ضرورت کے وقت آدھی رات بھی انکار نہیں لیکن تمیز اور سلیقہ کے ساتھ اگر لی جائے کتنی بڑی بدتمیزی کی بات ہے کہ جب یہ میرے قلمرو میں آئے تو میں نے ان کی قدر کی اور جب میں ان کے قلمرو میں گیا تو میری بےقدری کی۔ بڑی اہانت کی بات ہے کہ ایک شخص تمہاری ہی درخواست پر اپنا کام چھوڑ کر تمہاری طرف متوجہ ہوا اور اس کو اس طرح ٹالدیا جائے۔ اور اس سے جھوٹ بولا جائے عذر گناہ بدتر از گناہ اور سنئے کہ اب پوچھنے پر کہتے ہیں کہ یاد نہیں رہا تھا یہ ایک اور دوسرا جھوٹ بولا۔ دو جھوٹ تو ہو چکے ایک اور سوچ ساچ کر بول دے تو تین جھوٹ ہو جائیں تو جھوٹوں کا بادشاہ ہو جائے۔ جاؤ چلو یہاں سے نکلو ایسے کوڑھ مغز اور بدفہموں کا یہاں کچھ کام نہیں جاؤ باہر جا کر مجھے بدنام کرتے پھرو۔ دیکھوں میرا کیا بگڑے گا۔ کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ گھر سے پرچہ لکھوا کر لے کر چلا اور جس کام کو آیا اسکو بھول گیا۔

(ملفوظ ۵۳۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں قدم رکھنے سے پہلے ضرورت اس کی ہے کہ رہبر کامل کی تلاش کرے بدون سر پر کسی کامل کے ہوئے اس میں قدم رکھنا خطرہ سے خالی نہیں اور وہ خطرہ غلطیوں میں مبتلا ہونا ہے جو منزل مقصود میں راہزن ہوتی ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں

یار باید راہ را تنہا مرو
بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

اور اس کی ساتھ ہی اس کی بھی ضرورت ہے اور اشد ضرورت ہے کہ پختہ ہو کر قدم رکھے اور جو پیش آئے اس پر صبر کرے۔ برداشت کرے۔ تحمل کرے۔ اسی کو فرماتے ہیں ص

در رہ منزل لیلی کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(ملفوظ ۸۱۵) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جن لوگوں نے مجھکو برا بھلا کہا قسم قسم کے الزامات اور بہتان لگائے ان سے کینہ نہیں ہاں طبعاً رنج ہے انقباض ہے اور میں اس میں معذور ہوں کیا کروں غیر اختیاری چیز پر کیا اختیار۔ آخر بشر ہوں۔ اثر کا ہونا امر فطری ہے۔

(ملفوظ ۸۱۶) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے لوگوں میں سادگی تھی اب چالاکی ہے۔ یہاں پر ایک شخص تھے زمیندار جن کا کاشتکار انکو نوسے من غلہ دیتا تھا۔ وہ اسی من مانگ رہے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اسی من سے ایک دانہ کم نہ لوں گا کیا ٹھکانا ہے اس سادگی کا گنتی بھی معلوم نہ تھی۔ اب جس قدر خود غرضی۔ ترقی بیدار مغزی بڑھ رہی ہے اسی قدر پریشانی اور بے برکتی ہے۔

(ملفوظ ۸۱۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے تو میری یہ عادت تھی کہ جہاں جاتا تھا وہاں کے علماء اور مشائخ سے ملتا تھا چاہے کسی مشرب کا ہو اور اب تجربہ کے بعد یہ عادت نہیں رہی اور اب تو میں خود اپنے دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ یہ طرز خطرناک ہے۔ پہلے لوگوں کی طبائع میں سلامتی تھی اب شرارت ہے۔ آجکل بجائے کسی نفع کے مضرت کا اندیشہ ہے اور جو ایسا کرتے ہیں ان کو اکثر الجھن ہی میں دیکھتا ہوں۔ بکثرت اس قسم کے خطوط آتے ہیں کہ جس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ فلاں سے ملا فلاں سے ملا اور اب فساد قلب کی یہ کیفیت ہے۔ مبتدی کو مختلف لوگوں سے ملنا نہیں چاہئے۔ اس سے انتشار ہوتا ہے۔ طبیعت میں یکسوئی رہتی نہیں اور اس طریق میں ضرورت ہے یکسوئی اور جمعیت قلب کی اور جب یہ اس صورت میں نہیں رہتی تو پھر نفع کیا۔

(ملفوظ ۸۱۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں ایک مرتبہ الہ آباد گیا وہاں پر ایک مشہور معقولی مولوی تھے ان سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھ سے قدرۃ علی الاخبار عن خلاف الواقع میں گفتگو کی۔ میں نے کہا کہ یہ امتناع بالذات کلام نفسی میں ہے یا کلام لفظی میں۔ کہنے لگے دونوں میں۔ میں نے کہا کہ جب زید قائم نہ ہو تو کیا قضیہ زید قائم کا خلق ممتنع بالذات ہے کہ اس پر قادر نہیں کہا کہ ہاں قادر نہیں ممتنع بالذات ہے۔ میں نے کہا کہ اگر قائم ہو جاوے تو اگر اب قادر ہو تو ممتنع ممکن کیسے ہو گیا۔ اور اگر اب بھی قادر نہیں تو صدق پر بھی قادر نہ ہوا۔ پھر اس کو چھوڑ کر مایبدل القول سے استدلال کرنے لگے۔ میں نے کہا مایبدل لی فرمایا ہے ما نقدر ان یبدل لی نہیں فرمایا۔ پھر کوئی جواب نہیں بن پڑا یہ ان مدعی لوگوں کی تحقیقات ہیں۔

(ملفوظ ۸۱۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بیعت کو نہ معلوم لوگ فرض و واجب کیوں سمجھے ہیں اصل چیز تعلیم ہے۔ مگر اس سے سب گھبراتے ہیں۔ یہ سب طریق سے ناواقفیت کی دلیل ہے حتے کہ اہل علم تک اس بلا میں مبتلا ہیں۔ بیعت کے متعلق ایسا عقیدہ ہو گیا کہ غیر واجب کو واجب لوگ

سمجھنے لگے تو یہ بدعت اور فساد عقیدہ نہیں اور کیا یہ قابل اصلاح نہیں۔ میں بعضے آنیوالوں سے پوچھتا ہوں کہ بیعت ہونا چاہتے ہو۔ یا تعلیم حاصل کرنا۔ کہتے ہیں کہ بیعت کر لیجئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیعت کو ضروری اور تعلیم کو جو کہ اصل ہے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ علماء کو اس طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے تاکہ فساد عقیدہ جاتا رہے۔ ہر چیز کو اس کی حد پر رکھنا ہی دین ہے اور یہی شریعت مقدسہ کی تعلیم ہے اس سے آگے افراط و تفریط ہے۔

(ملفوظ ۸۲۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا آجکل یہ مرض عوام اور خاص سب میں نظر آتا ہے کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر ہے اپنی فکر نہیں۔ دوسروں پر اگر مکھیاں بھنک رہی ہیں اس پر اعتراض ہے اور اپنے کیڑے پڑ رہے ہیں ان کی بھی پروا نہیں۔ ماموں صاحب نے مجھ سے ایک مرتبہ بڑے کام کی بات فرمائی تھی وہ یہ کہ بھائی کہیں دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی بدولت اپنی گٹھری نہ اٹھوا دیجیو۔ آجکل تو ایسا ہی ہو رہا ہے کہ اپنی فکر نہیں دوسروں کی فکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصلاح نہیں ہوتی اگر ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے تو بہت جلد اصلاح ہو جائے۔

(ملفوظ ۸۲۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دوسرے علماء کا خیال ہے دیوبندیوں کو معقول نہیں آتی مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ دوسروں کو فن نہیں آتا گو کتابیں آتی ہوں اور فن دیوبندیوں کا حصہ ہے پانی پت میں ایک معقولی ملے تھے۔ کہنے لگے کہ مجھکو معلوم ہوا ہے کہ آپکو معقول سے مناسبت ہے میں نے کہا الحمدللہ ہماری تمام جماعت کو معقول سے مناسبت ہے۔ میں کیا چیز ہوں کہنے لگے کہ یہ آپ کہیں مگر میں نے تو آپ ہی کے متعلق سنا ہے۔

(ملفوظ ۸۲۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو بات ہمارے حضرات میں تھی وہ کسی میں بھی نہ دیکھی اپنے کو مٹائے ہوئے فنا کئے ہوئے تھے اور جامع ہونے کی وجہ سے اس کے مصداق تھے ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق — ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ باوجود شغل علم کے اور ساری عمر پڑھنے پڑھانے کے گو علوم تو حاصل نہیں ہوئے مگر اپنے جہل کا علم ضرور ہو گیا کہ ہمکو کچھ نہیں آتا جاتا۔

(ملفوظ ۸۲۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دنیا دار الکدر دار الفنا ہے اس میں ایمان والوں کو راحت کہاں۔ مومن کو تو راحت دار الآخرۃ دار البقاء ہی میں نصیب ہوگی۔ یہاں تو ایسی ہی کشمکش اور الجھنوں میں گذرے گی۔ آجکل لوگ دنیا ہی کو جنت بنانا چاہتے ہیں کیونکہ یہ تو جنت ہی کے اندر بات نصیب ہوگی کہ راحت ہی راحت ہو۔ یہاں یہ چیز کہاں۔ یہاں تو یہ حالت ہے ؎

گر گریزی بر امید راحتے ہم ازاں جا پیشت آید آفتے

اور اگر یہ بات کسی کو کسی درجہ میں نصیب ہے تو وہ صرف ان کو جنہوں نے انکی یاد میں لگا رہنا اپنا شعار سمجھ لیا اور مخلوق سے بے تعلقی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی ورنہ کہاں چین اور کہاں راحت اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

اور یہ نہیں کہ اہل اللہ اور خاصان حق کو حوادث پیش نہیں آتے ضرور آتے ہیں۔ مگر قلب کو سکون اور اطمینان ہوتا ہے جس کو پریشانی اور بدحواسی کہتے ہیں انکو وہ نہیں ہوتی وہ قضا کے ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ میں اس پر ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ آپریشن کیوقت تکلیف بھی ہوتی ہے۔ بیقراری بھی ہے لیکن یہ خیال رہنے پر کہ مقدمہ ہے صحت کا ہرگز ہرگز قلب میں پریشانی اور بدحواسی پیدا نہ ہوگی۔ یہی کیفیت اہل اللہ کی حوادث کے وقت ہوتی ہے کہ پریشانی نہیں ہوتی گو احساس ہوتا ہے اور احساس نہ ہونا کوئی کمال نہیں۔ جیسے کسی کا بیہوش کرنے کے بعد آپریشن ہو رہا ہے اور وہ حرکت نہیں کرتا۔ ناواقف کہتا ہے بڑا بہادر ہے۔ جی ہاں بڑے بہادر ہیں بڑے شجاع ہیں۔ معلوم بھی ہے انکو کلوروفارم سنگھار کھا ہے۔ اسی طرح وہاں بھی ایک کلوروفارم ہے جو بعض ضعفاء کو سنگھا دیا جاتا ہے اس سے احساس نہیں ہوتا سو یہ کیا کمال ہے۔ اہل کمال کی شان یہ ہے کہ احساس ہے مگر پھر پریشانی نہیں جیسے انبیاء اور کاملین کہ احساس کی ساتھ بھی رضا ہے۔ دیکھ لیجئے کہ بعض آدمی آپریشن کے وقت رونا ہے چلاتا ہے مگر بعد میں خوش ہو کر فیس دیتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ میاں جب تو چلا رہا تھا تو خوش نہ تھا پھر انعام کیسا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ چلانا یا رونا دل سے تھوڑا ہی تھا۔

(ملفوظ ۸۲۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس تنبیہ و سیاست میں میں ہی سب کی طرف سے وقایہ بنا ہوا ہوں۔ سب پیر پھیلا کر سوئیں۔ لوگوں کو اس کا بڑا خطرہ ہے کہ ایسا کرنے سے کوئی برا بھلا نہ کہے کوئی غیر معتقد نہ ہو جائے۔ میں تو اس کو مخلوق پرستی سمجھتا ہوں۔ حق پرستی تھوڑا ہی ہے۔ الحمدللہ میں تو اس کا عادی ہو گیا ہوں۔ مجھکو برا بھلا کہا کہ ہیں اور مجھکو بدنام کیا کریں اور غیر معتقد ہو جاویں۔ بحمداللہ میرا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں اس کے شخص کے برتاؤ میں میں اپنا دینی نقصان سمجھتا ہوں اس لئے کہ یہ طرز اور مسلک مخلوق پرستی ہے اور اغراض کی وجہ سے ہے۔

(ملفوظ ۸۲۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب کوئی چیز قلب میں گھر کر لیتی ہے اس کا رنگ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں بیٹھا ہوا پڑھا رہا تھا۔ ایک شخص چھوٹا سا خوبصورت اور نازک میرے پاس آیا۔ میں نے پوچھا کیسے آنا ہوا کہا کہ میں مسلمان ہونے آیا ہوں۔ میں نے مسلمان کر لیا۔ اسلام لاتے ہی ایسا ہو گیا کہ جیسے تانبے میں کوئی اکسیر ڈالدے اور وہ کندن بن جاوے اسکے بعد اسکی

ہر بات میں اور ہر کام میں ایک نور اور برکت معلوم ہوتی تھی۔ حقیقت میں اسلام جیسی بابرکت تعلیم تو دوسرے مذاہب کی ہو ہی نہیں سکتی مگر قابل میں قابلیت شرط ہے پھر تو وہ خود دل میں گھر کر لیتی ہے۔

(ملفوظ ۸۲۶) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ اس میں بیعت کی درخواست کے بعد ایک خواب لکھا ہے کہ ایک صاحب ہیں ان کے دونوں طرف صف ہیں اور وہ مخلوق کو مرید کر رہے ہیں۔ میرے بھائی بھی ان سے مرید ہوئے۔ میں نے بھائی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں جو مرید کر رہے ہیں اس پر میرا (یعنی اشرف علی کا) نام لیا ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ یہ خواب کیوں لکھا اس کا جواب دو۔ لوگ ان قصوں ہی میں مبتلا ہیں اگر باز پرس نہ کیجاوے تو عمر بھر ان ہی فضولیات میں ابتلا رہے۔

(ملفوظ ۸۲۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ باتیں بنانے سے کام نہیں چلتا کام تو کرنے سے ہوا کرتا ہے مگر آجکل یہ مرض عام ہے کہ تحقیقات اور تدقیقات تو بہت کچھ ہیں مگر کام کا نام نہیں فن حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہر کام اور بات کا خاص طریقہ ہے بس اسکے سیکھنے اور حاصل کرنے کا جو طریقہ ہے اس طرح سیکھو اور بعض چیزیں ذوقی اور وجدانی ہیں جو کام کرنے ہی پر معلوم ہو سکتی ہیں ویسے معلوم ہونا دشوار کیا بلکہ عادۃً محال ہے۔ یہ سب اسکے اصول ہیں مگر خدا معلوم لوگ اصول اور قواعد سے کیوں گھبراتے ہیں۔

(ملفوظ ۸۲۸) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میری بیوی بیمار تھی۔ میں نے آپکو دعا کو لکھا تھا وہ مر گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے توجہ نہیں کی ایسے بیہودہ خطوط بھی آتے ہیں۔ آج لکھا ہے کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں ایک ہفتہ تک برابر دعا کر دو۔ میں نے لکھا ہے کہ اگر نکاح نہ ہوا تو پھر وہی الزام دو گے کہ توجہ نہیں کی۔ میں محنت کروں۔ دعا کروں اور اوپر سے الزام اپنے سر لوں۔ ایسی حالت میں نہ تمکو مجھسے دعا کرانا چاہئے اور نہ مجھکو کرنا چاہئے۔ اور میں نے یہ بھی پوچھا ہے کہ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ اگر میں دعا کرتا یا متوجہ ہوتا تو وہ موت سے بچ جاتی۔ یہ جن کا خط ہے ایک غیر مقلد صاحب ہیں حنفیوں کو مشرک بتلاتے ہیں اور خود یہ عقیدے ہیں ان کی توحید بھی ملاحظہ ہو۔ بس باتیں ہی بناتی ہیں آگے صفر ہے کچھ خبر نہیں۔

(ملفوظ ۸۲۹) فرمایا کہ پہلے ایک صاحب کا خط آیا تھا۔ میں نے ان کی چند بدعنوانیوں پر متنبہ کیا تھا آج پھر خط آیا ہے جسمیں تاویلیں کی ہیں۔ میں نے لکھدیا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ میں بے سمجھ ہوں کہ آپ کی باتوں کو سمجھا نہیں سو ایسے بے سمجھ سے تعلق رکھنا ہی بیکار ہے لہذا ایسے بے سمجھ کو چھوڑ دو کسی سمجھدار سے تعلق پیدا کرو جو تمہاری باتوں کو سمجھ سکے۔ ایسے پُرمغز اور عامض کلام کے سمجھنے سے میں قاصر ہوں۔ اب بتلائیے ایسے کوڑ مغزوں سے پالا پڑتا ہے۔ اب کہاں تک انکی بیہودہ حرکتوں پر صبر

کر دوں اور اگر صبر کر لوں اس لئے کہ اختیاری ہے تو ان کا کیا نفع یہ تو جہل ہی میں مبتلا رہے ۔
(ملفوظ ۸۳۰) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کیا ان انگریزی خواں لوگوں کی سب کی ایک ہی حالت ہے اور ایک ہی محاورات کیا ان کی ساری ہی باتیں بیہودہ ہوتی ہیں اور یہ سب اسی سے ناشی ہے کہ یہ اپنے کو بڑا عقلمند اور بیدار مغز اور روشن دماغ سمجھتے ہیں مگر بحمد اللہ یہاں پر آکر انکو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ روشن دماغ اور بیدار مغز ہیں یا تاریک دماغ اور بے مغز ۔ اس کمبخت منحوس تعلیم ہی کا اثر ہے کہ بد عقلی بد فہمی کوڑ مغزی خر دماغی بڑھ جاتی ہے اور میں انکو یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ تم تو ہو ہی خر دماغ مگر ملانوں میں بھی اسپ دماغ ہیں ۔ یہاں ایسے بیہودہ اور متکبروں کا اچھی طرح علاج ہوتا ہے اور خناس دماغ سے نکالا جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے میری بدنامی کی ۔ اس پر کہتے ہیں کہ مزاج میں درشتی ہے میں کہا کرتا ہوں کہ بیچ کے نقطے الگ کر دو یعنی درستی ہے ۔ بے اصول باتیں کرتے ہیں میرے یہاں چلتی چلاتی نہیں اسلئے خفا ہوتے ہیں ۔ بدنام کرتے ہیں کہ بد خلق ہے ۔ سخت گیر ہے ۔ کوئی پوچھے کہ جناب بڑے خوش خلق اور نرم گیر ہیں دوسروں کو تکلیف پہنچانا اذیت دینا فرائض میں سے سمجھ رکھا ہے ۔ مگر میں بحمد اللہ ان باتوں سے نہیں گھبراتا اور اکثر یہ پڑھا کرتا ہوں ؎

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا
اور جو خود ناکام ہو اسکو کسی سے کام کیا

اگر یہ طرز پسند نہیں مت آؤ بلاتے کون جاتا ہے ۔ یہاں تو یہی برتاؤ ہوگا ایسے موقع پر یہ بھی پڑھا کرتا ہوں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی
جسکو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

اور یہ بھی پڑھا کرتا ہوں ؎

در کوئے نیک نامی مارا گذر نہ دادند
گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

حقیقت یہ ہے کہ یہ زمانہ ہی بد فہمی اور بے عقلی کا ہے ۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ فہم و ذہن تو عرصہ ہوا کہ زمانہ سے مفقود ہو چکا کچھ تھوڑا سا حافظہ باقی ہے وہ بھی اندھوں میں ۔ واقعی بات تو یہی ہے کہ فہم تو بہت ہی کم نظر آتا ہے ۔
(ملفوظ ۸۳۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب ٹاؤن کا اسٹیشن بن گیا تو یہاں پر چھوٹی لائن ریلوے کا منیجر جو معاشرۃً دلسانا بالکل انگریز ہے آیا تھا اور میرے ایک عزیز کے مردانہ مکان میں ٹھہرا اور ان ہی کی معرفت مجھسے ملنا چاہا اور آنے کی اجازت چاہی ۔ میں نے کہا کہ میں خود وہیں جا کر مل لوں گا اور اس میں مصلحت یہ سمجھی کہ اگر وہ یہاں آیا تو مجھکو اس کی تعظیم کرنا پڑیگی اور میں وہاں گیا تو اسکو تعظیم کرنا پڑیگی ۔ دوسرے میں اپنے اور اس کے لئے تو کرسی کا انتظام کر لوں گا ۔ لیکن اگر میری وجہ سے دوسرے صلحاء اور نیک لوگ آکر بیٹھنے لگے تو میں اتنی کرسیوں کا کہاں سے انتظام کروں گا اور یہ کسی طرح گوارا نہیں

ہو سکتا ہے کہ ایک غیر مسلم تو بیٹھے کرسی پر اور اللہ والے صلحا اور اولیاء کا طبقہ بیٹھے زمین پر۔ یہ بھی گوارا نہ تھا۔ اس لئے میں نے وہیں جانے کا عزم کر لیا وہاں اطلاع پہنچی کہ وہ خود ملنے آرہا ہے۔ اس بیچارے نے کہلا کر بھیجا کہ یہ تو میرے لئے سخت گستاخی ہے کہ میں حاضر نہ ہوا۔ اور آپ تشریف لا دیں۔ میں نے کہلا بھیجا کہ مجکو اسی حالت میں راحت ہے۔ غرض میں وہیں جا کر ملا۔ مجھکو بحمد اللہ ہر موقع اور محل پر حدود کا خیال رہتا ہے۔ اللہ کے فضل سے اور اپنے بزرگوں کی دعاء سے میرے یہاں ہر چیز اپنی حد پر رہتی ہے۔ گڑبڑ معاملہ نہیں ہے۔ اسی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ طلبہ اور اہل علم کی جو میرے قلب میں محبت اور عظمت ہے وہ کسی میں نہیں۔

(ملفوظ ۸۲۲) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ تہجد کے وقت آنکھ نہیں کھلتی۔ کوئی چیز پڑھنی کو بتلا دیجئے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ فلاں بزرگ سے بیعت ہوں۔ ان کا انتقال ہو گیا اب آپ کے سوا کس سے عرض کروں۔ میں نے جواب میں لکھا ہے کہ یہ آنکھ کا کھلنا نہ کھلنا اختیاری ہے۔ یا غیر اختیاری۔ اس کے جواب آنے پر آگے چلوں گا۔ بچوں کی طرح ایک ایک حرف کی پہچان کرا کر سبق پڑھانا پڑتا ہے اور اس طرز میں دو نفع ہیں۔ ایک تو فہم کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ دوسرے فکر اور غور کی عادت ہو جاتی ہے جس پر اصلاح کا انحصار ہے۔

(ملفوظ ۸۲۳) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں آجکل بزرگوں کی کمی کیا ہے کثرت سے بزرگ ہی بزرگ ہیں۔ بزرگ ہی لوگوں کے پاس جا کر لوگ بیعت ہوتے ہیں جس میں نہ کچھ کرنا پڑے نہ دھرنا۔ بزرگی ملجاتی ہے۔ اور یہ ایسی ہی اختراعی بزرگی اور ولایت ہی کی بدولت انسانیت اور آدمیت آئی گئی ہوئی۔ خبر نہیں کہ ایسے بزرگ بنکر کیا لینا چاہتے ہیں۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

(ملفوظ ۸۲۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس بیفکری کے مرض میں عام ابتلاء ہو رہا ہے الا ماشاء اللہ جو غلطیاں بیفکری سے ہوتی ہیں وہ قابل تسامح نہیں ہوتیں۔

(ملفوظ ۸۲۵) ایک صاحب جو عرصہ سے مقیم تھے اور قصبہ میں ایک مسجد کے اندر اذان دینے پر ان کا تقرر تھا مجلس میں آکر بیٹھے۔ حضرت والا نے بیٹھ جانے کے بعد ان سے سوال فرمایا کہ ایک شخص تمہاری نسبت یہ کہتے تھے کہ تم نے کوئی مسئلہ ان کو بتایا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں نیت

کے اندر یہ کہا کہ خاص واسطے اللہ کے یہ بڑی بات ہے۔ عرض کیا کہ یہ تو نہیں کہا کہ بڑی بات ہے۔ ہاں یہ ضرور کہا تھا کہ جب اسکے سامنے کھڑے ہیں تو اب یہ الفاظ کیوں کہے جاویں۔ دریافت فرمایا کہ تم پہلے یہ بتاؤ کہ تم مفتی ہو یا مؤذن۔ عرض کیا کہ مؤذن ہوں۔ فرمایا کہ جاہل ہوکر مسئلہ میں دخل کیوں دیا۔ تجھے حق کیا تھا مسئلہ بگھارنے کا جا دور ہو یہاں پر کبھی مت آنا جب تک کہ آدمیت نہ سیکھے یہاں پر کوئی تھیٹر کا تماشہ ہے جو آکر اور بیٹھکر روزانہ سنتا اور دیکھتا ہے جب اتنی بھی تمیز نہیں آئی حالانکہ اتنا عرصہ یہاں پر رہتے ہوئے اور پاس بیٹھتے ہوئے ہوگیا تو پھر بیٹھنے سے فائدہ ہی کیا چل اٹھ خبردار جو یہاں آکر کبھی قدم بھی رکھا جب تک آدمیت نہ آجائے یہ صاحب اٹھ کر چلے گئے۔ فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ نری صحبت سے بھی کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ خود طلب نہ ہو اپنی اصلاح کی۔ یہاں تو خیال کرنے سے اور فکر اور ہمت سے کام چلتا ہے۔ نرے وظائف اور صحبت سے کیا ہوتا ہے اور اس سے کیا کام چل سکتا ہے۔ اور یہ جو احتساب اور تبلیغ ہے یہ خود ایک فن مستقل ہے اس کے قیود و حدود و شرائط ہیں۔ بڑی بڑی کتابیں اس فن میں لکھی ہوئی ہیں جاہل کو حق نہیں احتساب کا صرف عالم کو حق ہے وہی اس کے حدود کی رعایت کر سکتا ہے۔ مگر اس وقت قیود و حدود سے نفس کو دبانا جانتے ہی نہیں بالکل آزاد رکھنا چاہتے ہیں بہت ہی آزادی کا اثر ہوگیا ہے جس کو دیکھئے حدود سے نکلا ہوا۔ جب ایسے ایسے جاہل آزاد ہوکر مسائل شرعیہ میں دخل دینے لگے جب ہی تو گمراہی کا پھاٹک کھل گیا۔ جدھر دیکھو اور جس طبقے کو دیکھو اور جسکو دیکھو دین کے مسائل کا مدعی تحقیق اور تفسیر کا دعویٰ نہ ان لوگوں کے قلوب میں آخرت کا خیال نہ خدا کا خوف۔ خصوص بعض نیچریوں نے تو بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ قرآن و حدیث میں تحریف کرنے کا اور یہ ان کا شعار ہوگیا ہے۔

(ملفوظ ۸۳۶) ایک نو وارد اہل علم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک مسئلہ فقہیہ دریافت کر سکتا ہوں فرمایا کہ اپنے اساتذہ سے دریافت کیجئے۔ عرض کیا کہ ان سے معلوم کیا تھا مگر اختلاف صورت پیدا ہوگئی اور میرے متعلق فتویٰ کا کام ہے اسلئے تحقیق کی ضرورت ہوئی۔ فرمایا کہ میرا علم تو ان صاحبوں سے بھی کم ہے جن سے آپ تحقیق کر چکے ہیں۔ مجھکو عرصہ ہوا اس شغل کو چھوڑے ہوئے اور میرے اس کہنے کو آپ تواضع پر مبنی نہ فرماویں۔ میں نے تواضع متعارف کبھی اختیار ہی نہیں کی بلکہ جو میرے اندر جو کمال ہے اس کو بھی ظاہر کر دیتا ہوں اور جو نقص ہے اسکو بھی۔ ہاں پہلے الحمدللہ میری نظر وسیع عمیق تھی اب اندازہ بھی نہیں رہی۔ باقی مہارت اور مناسبت جس کا نام ہے وہ مجھکو فقہ سے کبھی ہوئی ہی نہیں۔ البتہ تفسیر اور تصوف سے مجھے مناسبت ہے اور یہ بھی اس لئے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی تھی کہ تجھکو تفسیر اور تصوف سے مناسبت ہوگی اس وقت اگر اور علوم

کیلئے بھی دعا کرا لینا اور دوں سے بھی مناسبت ہو جاتی - اور صاحب اپنے اس نقص کو ظاہر کرنے میں بدنامی ہے اور اپنی بدنامی کو کون گوارا کرتا ہے مگر بات وہی کہی جاتی ہے کہ جو حقیقت ہے اسلئے میں نے جو بات تھی صاف عرض کر دی اور اب تو عمر کے اعتبار سے بھی زمانہ دوسرا ہے قوی بھی ضعیف ذہن بھی ضعیف حافظہ بھی ضعیف - یہ بھی اللہ کا احسان اور فضل ہے کہ وہ آرام دینا چاہتے ہیں ہر چیز میں اختلاط ہو گیا خصوص فقہیات میں تو دخل دیتا ہوا بہت ہی ڈرتا ہوں - ہمت نہیں ہوتی اور اکثر لوگوں کو میں اسی میں زیادہ دلیر پاتا ہوں - البتہ تصوف سے سہل کوئی چیز نہیں گو آجکل خیال عام اس کے عکس ہے کہ مشکل کو سہل سمجھتے ہیں اور سہل کو مشکل - اور صاحب سچ تو یہ ہے کہ میں تو صرف ایک ہی کام کا ہوں یعنی مجھسے اللہ کا نام پوچھ لیا جائے - ان تک پہنچنے کا راستہ معلوم کر لیا جائے اپنے امراض باطنی کی اصلاح کا مشورہ لیا جائے - اس خدمت کیلئے میں حاضر ہوں - پھر اس میں بھی یہ ہے کہ اگر اس مشورہ کو دل قبول کرے عمل کر لیا جائے - نہ قبول کرے اسکو بھی چھوڑ دیا جائے بس میں سوائے اس کام کے اور کسی کام کا نہیں رہا اور اب تو میں اتنا قاصر اور عاجز ہو گیا ہوں کہ مجھکو ایک رسالہ تیار کرانا ہے وہ رسالہ آجکل کی ضروریات اور خاص کر مفقود الخبر کے متعلق وہ رسالہ ہے مگر ایک سال ہو گیا اگر مجھ میں قابلیت ہوتی تو کیوں اس قدر وقت صرف ہوتا - اس سے میرے علم و استحضار کا اندازہ کر لیا جائے اس لئے مجھکو فقہ سے مناسبت اور مہارت ہوتی تو خدانخواستہ کیا خدمت دین سے انکار ہو سکتا تھا جو کہ عین دین ہے اور اس فقہ کی کمی پر بھی جو کچھ اللہ نے عطا فرمایا ہے گو اس میں مناسبت اور مہارت کا درجہ نہ ہو مگر اتنی خدمت کی بھی ہے اور کرتا بھی رہتا ہوں بقدر ضرورت اللہ نے ہر بات عطا فرما رکھی ہے جسکو میں ایک بہت بڑی نعمت اور رحمت اور فضل سمجھتا ہوں اور اس کو اپنے بزرگوں کی دعا کا ثمرہ متصور کرتا ہوں - لیکن مجھسے فقہ کی خدمت لینے میں ایک شرط ہے وہ یہ کہ اس خدمت لینے والے سے بے تکلفی ہو - یعنی معذوری میں ایک استثناء بھی ہے وہ یہ کہ جو حضرات مسئلہ مسائل کی خدمت مجھسے لینا چاہیں وہ پہلے بے تکلفی پیدا کریں جو آپ سے (اسکے مخاطب وہ مولوی صاحب ہیں جن سے گفتگو ہونا شروع ملفوظ میں مذکور ہے) اتفاق سے نہیں ہوئی عرض کیا کہ حضرت بے تکلفی کی حقیقت کیا ہے فرمایا بے تکلفی کے معنی ہیں کثرت انبساط - عرض کیا کہ حضرت اسکی تدبیر کیا ہے فرمایا کہ یہی تدبیر ہے کہ اکثر اوقات کسی کے پاس رہنا ہنسنا بولنا چلے رہنا اس سے بے تکلفی ہو جاتی ہے - دل کھلجاتا ہے - بس یہی تدبیر ہے اور یہ میرے اور آپ کے اختیار میں ہے لیکن اب یہ سوال رہا کہ اس کی ابتدا کون کرے تو اس کا معیار صاحب غرض ہوتا ہے سو جس کی غرض ہوگی وہ اس کی سعی کرے گا کہ بے تکلفی حاصل ہو نہ غرض ہوگی نہ کرے گا -

(ملفوظ ۸۳۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں نفع کے لئے مناسبت شرط ہے جب تک یہ نہ پیدا ہو گی نفع کا ہونا مشکل ہے۔ عدم مناسبت اس طریق میں سم قاتل ہے اور ایک چیز اس عدم مناسبت سے بڑھکر مضر طریق ہے اور وہ معلم کے قلب کو مکدر کرنا ہے اس تکدر کی ساتھ اگر ساری عمر بھی سر مار بیگا کچھ نہیں ہو گا۔ بس یہ دو چیزیں اس طریق میں نفع کیلئے شرط لازم ہیں کہ مناسبت ہو اور معلم کے قلب کو مکدر نہ کیا جاوے اور اس کا اہتمام فکر اور غور سے کام لینے سے ہو سکتا ہے مگر آجکل بے فکری اور بے پروائی شیر و شکر بنے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غلطیوں کا بہت زائد صدور ہوتا ہے اگر فکر اور غور سے کام لیا جائے تو غلطیاں اسوقت بھی ہونگی مگر بہت کم۔ نیز اس کا امقدر قلب پر بھی بڑا اثر نہیں ہوتا اس خیال کے سبب کہ اسکو فکر اور اہتمام تو ہے اس لئے قلب قلیل صدور سے در گذر کر دیتا ہے۔ یہ فرق ہے فکر یا عدم فکر کی حالت میں غلطیوں کے صدور کی۔

(ملفوظ ۸۳۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب دو صاحبوں کو جن میں ایک ندوہ کے فاضل دوسرے فلسفی بزرگ تھے لے کر یہاں پر آئے۔ مجھسے کہا کہ انکو بیعت کر لیجئے میں نے کہا کہ آپ ہی انکو بیعت کر لیں۔ کہنے لگے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ میں نے کہا اگر اہل کا یہ مطلب ہے کہ انکی اصلاح بھی نہیں کر سکتے تو یہ بات اگر آپ کہیں تب بھی غلط اور میں کہوں تب بھی غلط اور اگر یہ مطلب ہے کہ ہم کہیں کہ شبلی اور جنید نہیں تو ان کی اصلاح کیلئے جنید و شبلی شرط نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھسے انکو اسلئے نفع نہیں ہو سکتا کہ اس طریق میں نفع کی شرط اعظم مناسبت ہے اور انکو مجھسے مناسبت نہیں اور آپ سے مناسبت ہے اس لئے کہ آپ بھی خادم قوم ہیں یہ بھی خادم قوم اور میں نادم قوم ہوں۔ میں نے کوئی قوم کی خدمت ہی نہیں کی۔ اس کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں صاحب تحریکات سے دلچسپی رکھتے تھے تجربات تھے، صاف صاف عرض کر دی تاکہ دھوکا نہ ہو۔

(ملفوظ ۸۳۹) ایک صاحب نے ایک دوسرے نوعمر صاحب کے متعلق حضرت والا سے مشورہ لیا اور عرض کیا کہ پہلے یہ انگریزی پڑھتے تھے اب علم دین کی طرف ان کا رجحان ہے اور اسکولوں وغیرہ میں رہنے سے اندیشہ بھی ہے کہ کہیں ملحد اور دہری نہ ہو جائیں۔ فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ یہ ایسے نہیں کہ انکے جذبات پر کوئی غلبہ کر سکے تو اگر اسکولی تعلیم ہی کی حالت میں دینی تعلیم کا کچھ شغل رکھیں تو کیا حرج ہے اس کے بعد دریافت فرمایا کہ انگریزی پڑھنے کا کیا اب بھی خیال ہے عرض کیا کہ بالکل نہیں۔ دریافت فرمایا کہ تو پھر جو مصالح انگریزی پڑھنے کے ساتھ خیال میں تھے مثلاً نوکری۔ عزت۔ تعلیم دینی میں انکے عدم حصول پر کیا جواب دل میں پیدا ہوا۔ عرض کیا کہ انگریزی پڑھنے سے دنیا میں تو عزت وغیرہ سب ہو جائے گی مگر آخرت کا تو کوئی بھی کام نہ ہو گا فرمایا کہ جزاکم اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل میں

یہ خیال راسخ ہے تو مبارک ہو۔ اور اللہ کے بھروسہ پر علم دین کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو جاؤ میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمکو جلد سے جلد اپنے مقصد نیک میں کامیابی نصیب فرمائیں جب وہ چلے گئے تو حاضرین سے فرمایا کہ یہ خشک گفتگو ان سے اس لئے کی کہ اگر خود ترغیب دی جاتی تو ان کے جواب سے اتنا اطمینان نہ ہوتا جتنا اب ہوا بلکہ اسوقت اگر یہ نخرے کرتے تو ہم کو برداشت کرنا پڑتے۔ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ تم ہی نے تو کہا تھا۔

(ملفوظ ۱۴۸) فرمایا کہ رنگون سے ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ حضرت دعا کریں کہ میاں صاحب کے علاج سے مریض کو شفا ہو جاوے اور اسکی یہ غایت لکھی ہے کہ لوگوں کو اپنے حضرات سے عقیدت بڑھ جائے گی اور دار العلوم کی وقعت لوگوں کی نظروں میں ہو جائے گی۔ اس پر فرمایا کہ مجھکو اس قسم کی باتوں سے بڑی وحشت ہوتی ہے۔ میاں خدا سے تعلق بڑھاؤ یہ ہے کام کی بات۔ کس کی عقیدت اور کسکی وقعت اسی لئے میں نے جواب میں لکھدیا ہے کہ خدا تعالیٰ یہ ثمرات بھی مرتب فرمادیں اگرچہ مقصود نہیں پھر فرمایا کہ کوئی معتقد ہو گیا تو کیا اور نہ ہوا تو کیا گو ثواب تو ان نیتوں میں بھی ہے اس لئے کہ نیت اچھی ہے مگر اس سے آگے ایک مقصود اس سے بھی زیادہ اچھا ہے وہ یہ کہ خدا کے راضی کرنے کی طرف متوجہ ہوں اور انہیں پر نظر رہے ۔

۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز جمعہ

(ملفوظ ۱۴۹) ایک نووارد صاحب نے حاضر ہو کر سلام و مصافحہ کے بعد دست بوسی کی اور پھر پائے بوسی کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ اس پر حضرت والا نے انکو متنبہ کیا اس پر بھی وہ اصرار کرتے رہے تب بلند آواز سے فرمایا کہ افسوس نرمی کے ساتھ کہنے سے سمجھ میں نہیں آیا کیا میری پرستش کرنے آئے ہو مجھکو فرعون بنانا مقصود ہے۔ تم لوگوں کے عقیدے کیوں خراب ہو گئے آخر تم لوگ اسلام اور مسلمانوں کو کیوں بدنام کرتے ہو آخر کہاں تک صبر کروں اور کہاں تک تغیر نہ ہو کوئی حد بھی ہے بندہ خدا اسلام اور مصافحہ کیا کچھ کم ہیں کیوں شرکیات اور بدعات میں مبتلا ہو رہے ہو۔ اب دیکھ لیجئے کہ کیا یہ موقع خاموشی اور متعارف خوش اخلاقی کا ہے اگر نہ بولتا تو پائے بوسی سے فراغ کے بعد یہ شخص سجدہ کرتا اور نہ معلوم کہاں تک نوبت پہنچتی (اور یہی وجہ تھی پابوسی سے روکنے کی سد ذرائع کے طور پر) اللہ بچائے بدفہموں سے یہ ساری خرابی تکلفات کی ہے مسلمانوں

کی سی سادگی رہی ہی نہیں۔ فقیروں میں دیکھو تو تکلفات۔ امیروں میں دیکھو تو تکلفات۔ اس کا خیال ہی نہیں کی یہ بات دین کے خلاف ہے یا موافق ہے اس کے علاوہ ہر موقع اور ہر معاملہ کے وقت اس کا خیال رکھنے کی بھی سخت ضرورت ہے کہ اپنے کسی قول یا فعل سے کسی دوسرے پر بوجھ نہ ہو بار نہ ہو گرانی نہ ہو اور یہ پائے بوسی مجھ پر سخت گراں ہے گو جائز بھی ہو اور اگر ناواقفی کا عذر ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ جہاں جاوے وہاں کے طریقے کسی سے معلوم کر لے۔ ہر جگہ ایک ہی طریقہ برتنا کہاں تک مناسب ہے اور مجھکو جو صاحب مشورہ دیتے ہیں کہ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بے ادبی کریں تو اس کی برداشت کروں ادب کریں تو اسکی برداشت کروں۔ دو جماعتوں نے ان لوگوں کا ناس کر دیا فقیروں نے اور امیروں نے یہ لوگ یا تو امیروں میں گھسے رہتے ہیں وہاں کی اٹھک بیٹھک یا پدید سیکھی ہے۔ یا فقیروں کے یہاں جاکر سجدہ کرنا چومنا چاٹنا سیکھا ہے۔ حضور کے یہاں محبت تھی۔ تکلف کا نام و نشان نہ تھا۔ دیہاتی یا محمد یا محمد کہکر پکارتے تھے رسول اللہ بھی بعض نہ کہتے تھے۔ ہاں جو ہر وقت پاس رہنے والے تھے وہ یا رسول اللہ کہتے تھے۔ مجھکو تو ایسی تعظیم سے جسکی نوبت حالاً یا مآلاً شرک تک پہنچ جاوے سخت نفرت ہے اور یہ نفرت ہونا تو سب کو چاہیئے مگر نہ معلوم آجکل کے پیروں کو اس میں کیا مزا آتا ہے نئے نئے طریقے تعظیم کے نکالے ہیں ایسی تعظیم کی ایسی مثال ہے جیسے بیحیا عورت کی حیا کی مثال جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے مکان پر اس کو دریافت کرنے آیا تو اسکی بیوی نئی بیاہی ہوئی تھی۔ زبان سے کیسے بولے اور بتلانا ضرور تھا اس لئے کہا تو ہے نہیں لہنگا اٹھاکر اور سوت کر اور اس پر کو پھاند کر گئی جس سے بتلا دیا کہ دریا پار گیا ہے۔ بس یہ شرم کی کہ منھ سے تو نہیں بولی اور شرم گاہ دکھادی۔ یہی حالت ہے آجکل کے ان نئے مہذبوں اور ادب والوں کی۔ ساری خرابی یہ ہے کہ قرآن شریف اور حدیث شریف کی خبر نہیں اس لئے یہ حرکتیں ہوتی ہیں یہ تو ہونا نہیں کہ علماء کی صلحاء کی صحبت اختیار کریں جس وقت دنیا کی ضرورت پڑتی ہے تب مولوی صاحب فرائض کیلئے سوجھتے ہیں پھر ادب اور آدمیت وانسانیت کیسے پیدا ہو۔ کوئی چیز بھی اپنے طریقہ پر نہیں رہی ہر چیز میں ایجاد بندہ موجود ہے تنگ کر دیا ان سوذیوں نے اگر ان کی چیزوں میں موافقت کرے تو انسان فرعون ہو جائے مثلاً بعض لوگ قصداً قبلہ سے منہ پھیر کر میری طرف منہ کر کے بیٹھتے ہیں اگر سکوت کیا جاوے تو پہلے پہلے تو ناگوار رہوگا پھر گوارا ہو جائے گا پھر عادت ہو جائے گی پھر اس کے خلاف پر ناگواری ہوگی آگے فرعونیت ہی کا درجہ ہوگا اور کیا ہوگا۔ میں جب کانپور تھا تو وہاں پر مہذب لوگ ہیں وہ خطاب میں آپ آپ کہتے تھے جب میں یہاں پر آیا ہوں تو تم کا لفظ مجھکو ناگوار ہوتا تھا تناسخ کا یہ نتیجہ ہوتا ہے ساری دنیا میں بدتمیزی سیکھ کر آتے ہیں اور مشق مجھ پر کی جاتی ہے۔

جب آتے ہیں تو ظاہراً وہ تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور وہ آداب بجالاتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فنافی الشیخ ہیں اور اصلی ادب ندارد اس لئے مجھکو تغیر ہوتا ہے اور مجھے خود ان اعمال پر ناگواری نہیں ہوتی بلکہ اس اعمال کے منشاء پر نظر پہنچنے سے ناگواری ہوتی ہے مثلاً کوئی معمولی بات ہے مگر منشا اس کا فساد اعتقاد ہو تو وہاں کی وجہ خود وہ فعل نہیں بلکہ سوء اعتقاد۔ اس منشا پر یاد آیا اکثر لوگ تعویذ کی فرمائش کرتے تھے اور یہ نہیں بتلاتے تھے کہ کس چیز کا تعویذ۔ ان سے جھک جھک کرنا پڑتی تھی۔ ایک دفعہ میں نے اس روزانہ کے جھگڑوں سے یہ انتظام کیا کہ آنیوالوں کو بھی راحت اور مجھکو بھی راحت دہ ہر کام کیلئے تعویذ میں بسم اللہ لکھ کر دیدی۔ دو شخص آئے انھوں نے تعویذ مانگا۔ میں نے اسی طرح بسم اللہ لکھکر دیدیا اور خوش ہوا کہ اچھی تدبیر سمجھ میں آئی اور ایک عزیز سے بیان کیا کہ ہم نے اپنی راحت کے لئے ایک نئی ایجاد کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ معلوم بھی ہے اس ایجاد کا کیا نتیجہ ہوا وہ دونوں یہ کہتے جارہے تھے کہ دیکھو ہم نے کچھ بھی نہیں کہا کہ کس چیز کا تعویذ۔ بے کہے ہوئے دل کی بات کی خبر ہوگئی۔ میں نے کہا کہ لاحول ولاقوۃ۔ یہ تو لڑائی جھگڑے سے بڑھ کر بات ہوگئی یعنی عقیدہ کی خرابی آخر اس کو بھی چھوڑنا۔ اب ان بدفہموں اور کم عقلیوں کا کہاں تک علاج کیا جائے۔ اس تکلف کے ذکر میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے۔ کہ جتنا تکلف ہوگا اتنی ہی محبت میں کمی ہوگی اور جتنی بے تکلفی ہوگی اتنی ہی محبت زیادہ ہوگی۔ غرض ادب نام ہے محبت کا تعظیم کا نام ادب نہیں نیز دوسرا عنوان ادب نام ہے راحت رسانی کا کہ اپنے سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ نیز یہ فرمایا کہ یہ ایذا رسانی ساری خرابی ہے مصلحین سے کم ملنے کی اگر طلبہ سے مولویوں سے ملتے رہیں تو خبردار ہو جائیں۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ صلحاء سے ملنے میں اور کچھ فائدہ نہ ہو تو مگر دین کی تو خبر ہو گی۔ پھر جب دین کی خبر ہوگی تو بہت سی باتیں خود ٹھیک ہو جائیں گی۔ اب تو جہل میں کثرت سے ابتلاء ہے اور اس جہل کی بدولت یہ حرکتیں ہیں اس ہی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ یہاں سے خفا ہو کر جانے والا بھی محروم نہیں جاتا محروم ہو کر جاتا ہے کچھ لے کر ہی جاتا ہے۔

(ملفوظ ۹۴۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ مجھکو تادیب پر برا بھلا کہتے ہیں مجھکو ناگوار نہیں ہوتا مزاحاً فرمایا اور میں جو ناگ وار جاتا ہوں (مراد سانپ ہے اشارہ ہے تادیب کی طرف) یہ صرف آنے والوں کی مصلحت سے کہ انکی کسی طرح اصلاح ہو باقی دل میں انکو معذور سمجھتا ہوں اسلئے کہ انکو خبر نہیں۔ ہمارے ہی قصبہ کا واقعہ ہے کہ ایک بید نے ایک شخص کی آنکھیں بنائیں جس وقت آپریشن ہو رہا تھا وہ شخص بیدی کو گالیاں دے رہا تھا ایک شخص نے کہا کہ یہ تمکو گالیاں دے رہا ہے۔ بید نے کہا کہ یہ معذور ہے۔ جب روشنی آنکھوں میں آجائے گی تب گالیاں دے یا برا کہے وہ قابل برا ماننے کے ہوگا۔ ایک اور حکایت ہے کہ ایک شخص جنگل میں درخت کے نیچے پڑا

سو رہا تھا۔ ایک سوار کا اس طرف سے گذر ہوا دیکھا کہ ایک اژدہا درخت سے اتر کر اسکو ڈسنے والا ہے اس سوار نے بڑی عجلت سے گھوڑا آگے بڑھا کر اور درخت کے پاس پہنچکر اس سونے والے شخص کے ایک چابک رسید کیا وہ بلبلا کر ایک دم اٹھکر بھاگا یہ برابر گھوڑا ساتھ لگائے ہوئے اور چابک مارتا ہوا چلا جا رہا ہے اور وہ بھاگتا جاتا ہے اور گالیاں دیتا ہوا جاتا ہے کہ ارے ظالم میں نے تیرا کون قصور کیا ہے۔ میں ایک مسافر غریب الوطن تو مجھکو کیوں کمزور سمجھکر ستا رہا ہے وہ نہیں سنتا برابر ہاتھ صاف کر رہا ہے۔ جب سوار نے دیکھا کہ اب اژدہا دور ہوگیا تب ہاتھ روک کر کہا کہ پیچھے دیکھو تجھکو اس سے بچا کر لایا ہوں۔ یہ دیکھکر وہ شخص قدموں پر گر گیا اور ہزاروں دعائیں دیں اور معافی چاہی کہ آپ میرے محسن ہیں آپ نے میری جان بچائی میں تمام عمر یہ احسان نہ بھولوں گا۔ ایسے ہی میں ان برا بھلا کہنے والوں کو معذور سمجھتا ہوں جب اصلاح سے آنکھیں کھلیں گی اس وقت میری سختی اور نرمی کا پتہ چل جائے گا۔ مگر یہ معلوم اسوقت ہوتا ہے جب برداشت کر لیا جائے اسکے بعد جس وقت نورانیت قلب میں پیدا ہوگی تو ہزار جان سے قربان ہونے کو تیار ہو جائے گا۔ اور میں تو خود مشاہدہ کرتا ہوں کہ باوجود میری ڈانٹ ڈپٹ کے اور سختی کے جسکو عرف میں لوگ سختی سمجھتے ہیں اکثر لوگ مارے نہیں مرتے بھگائے نہیں بھاگتے ٹالے نہیں ٹلتے تو آخر وہ کیا چیز ہے کہ جس کی وجہ سے وہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں اور دوسری جگہ کی نرمی اور آؤ بھگت پر بھی نہیں جاتے اور یہاں کی سب باتیں برداشت کرتے ہیں۔ لیکن یہ سب کرتے وہی ہیں جو اہل فہم ہیں باقی بدفہم کا ایک منٹ ایک سکنڈ یہاں پر گذر نہیں۔ اور بدفہموں سے تو میں خود ہی گھبراتا ہوں اس لئے کہ بدفہمی ناقابلِ علاج ہے۔ ہاں بیفکری اور بے پروائی بیشک قابلِ علاج ہے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے اور چونکہ بدفہمی کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ایسوں کو میں خود ہی نکال دیتا ہوں کیونکہ مجھکو کوئی فوج بھرتی کرنا تھوڑا ہی ہے کام کے اگر دو چار دوست ہوں وہی ٹھیک ہیں

(ملفوظ ۸۴۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں یہ بات اہل علم کیلئے بیان کرتا ہوں کہ مختلف شقوق کا حکم ایک دم سائل کو نہیں بتلانا چاہئے کہ اگر یوں ہے تو یہ حکم ہے اور یوں ہے تو یہ حکم ہے تشققات کے ساتھ جواب نہیں دینا چاہئے بعض اوقات سائل کو اس میں خلط ہو جاتا ہے بلکہ اول واقعہ کی تحقیق کر لینا چاہئے جب ایک شق کی تعیین ہو جاوے اس کا حکم بتلا دیا جاوے۔ پہلے مجھکو شبہ تھا کہ علماء وعظ میں احکام کیوں نہیں بیان کرتے صرف ترغیب و ترہیب پر اکتفا کرتے ہیں اور جو علماء محض واعظ ہیں صرف ان پر یہ سوال نہیں تھا بلکہ حقیقت میں جو علماء ہیں انکے متعلق یہ شبہ تھا اور اپنے بزرگوں پر بھی یہی شبہ تھا لیکن پھر خود تجربہ سے معلوم ہوا کہ وعظ میں مسائل بیان کرنا ٹھیک

نہیں خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ بدفہمی کا بازار گرم ہے محض ترغیب دینا ہی مناسب ہے ترغیب ہی دینا چاہئے۔ یہ تجربہ مجھکو لکھنؤ کے ایک وعظ سے ہوا۔ میں نے چند مسئلے ربوا کے متعلق ایک دم سے بیان کر دئے۔ سامعین میں بعض مسائل میں اختلاف ہو گیا۔ میرے پاس مکرر تحقیق کے لئے آئے معلوم ہوا کہ قلت فہم یا سوء حفظ سے کسی مسئلہ کا مقدم دوسرے کی تالی سے جوڑ دیا اور بالعکس اسلئے گڑبڑ ہو گئی اور جب خود کوئی واقعہ پیش آوے گا تو اس کے پوچھنے پر صرف وہی واقعہ نظر میں ہوگا اس میں خلط نہیں ہو سکتا۔

(ملفوظ ۴۸۴) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو گھڑے پانی سے بھرے ہوئے مسجد میں رکھے ہوئے ہوں۔ ان سے غسل وغیرہ کرنا جائز ہے جبکہ یہ بھی نہ معلوم ہو کہ رکھنے والے نے کس نیت سے رکھے ہیں۔ فرمایا کہ اگر قرائن سے معلوم ہو کہ پینے کے لئے رکھے ہیں تب تو جائز نہیں اور اگر قرینہ سے بھی معلوم نہیں تو کوئی حرج نہیں ایسی نامعلوم چیز کا استعمال جائز ہے جس کے متعلق کوئی قرینہ بھی قائم نہ ہو۔

(ملفوظ ۴۸۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ زمانہ تحریک خلافت میں تو بہت ہی زیادہ مسائل میں تحریف کی گئی۔ بس جو مصلحت ہوتی گئی اسی کو مسئلہ بناتے گئے کثرت سے عوام کو بدعقیدگی ہو گئی کہ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ ایسوں نے تو حقیقت کو ہی بدل دینا چاہا تھا مگر اللہ نے حفاظت فرمائی کہ ایک ایسی جماعت کو متعین فرما دیا کہ وہ اظہار حق کرتی رہی۔

(ملفوظ ۴۸۶) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سمجھداروں کے آنے سے جی خوش ہوتا ہے اور کودنوں کے آنے سے اور توحش ہوتا ہے اور ایسے متکبروں کے دماغوں کو ٹھیک کرنا پڑتا ہے انکو بھی تو معلوم ہو جاوے کہ صرف ہم ہی خر دماغ نہیں بلکہ ملا بھی اسپ دماغ ہوتے ہیں۔ مجھے تو صرف اتنا ہی دکھلانا ہے اور جی یہی چاہتا ہے کہ انکے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جاوے کیونکہ یہ لوگ ملانوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اہل علم کی قطعاً ان کے قلوب میں عظمت نہیں اس لئے طرح طرح کی بیہودگیاں ان سے ہوتی ہیں اور گو وہ بات چھوٹی سی ہوتی ہے مگر اس کا منشاء یعنی تحقیر اہل علم تو بڑا ہوتا ہے اسلئے مجھکو تغیر زیادہ ہوتا ہے کہ میری نظر منشاء پر ہوتی ہے۔

(ملفوظ ۴۸۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ بھی بڑی زبردست تبلیغ ہے کہ انسان خود عامل ہو اور دوسروں کو کہنا اور خود عمل نہ کرنا یہ کمزوری کی بات ہے۔ حافظ عبدالکریم نامی ایک شخص آگرہ کے رہنے والے تھے وہ لندن میں ملکہ کے پاس ملازم تھے۔ یہاں انکے ذریعہ سے ایک غریب مسلمان جو گلاوٹھی میں تھے مجھسے بھی ملے ہیں پولیس میں جمعدار تھے لندن بلائے گئے اور ملکہ کے سامنے پیش کرنے کے قبل حافظ صاحب نے انکو تعلیم دی کہ آداب شاہی یوں بجالانا اور سلام یوں جھک کر کرنا انھوں نے

کہا کہ صاحب میں نے علماء سے سنا ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی کے سامنے جھکنا جائز نہیں حافظ صاحب نے کہا کہ بھائی یہاں مسئلہ نہ بگھارو یہ شاہی دربار ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہوگا دربار خدا کے دربار سے بڑا نہیں۔ حافظ صاحب نے کہا کہ بھائی بدقسمتی تمہاری ایسی بڑی جگہ آیا اور خالی چلا انھوں نے کہا کہ میاں بدقسمت اور کوئی ہوگا۔ میں تو اللہ کا شکر ہے کہ خوش قسمت ہوں اپنے دین وایمان پر قائم ہوں۔ غرضکہ یہ ملکہ کے سامنے پیش نہیں کئے گئے۔ ایک روز ملکہ نے خود دریافت کیا کہ میاں وہ تمہارے ہندوستانی نہیں آئے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ حضور وہ تو پاگل سے ہیں ملکہ نے دریافت کیا کہ وہ پاگل پنا کیا ہے کہا کہ اُن سے یہ گفتگو ہوئی ہے ملکہ نے کہا کہ یہ پاگل پنا ہے وہ تو بہت اچھا آدمی ہے اپنے مذہب کی عزت کرتا ہے اس کو ضرور پیش کرو۔ دیکھئے دین کی برکت سے اس شخص کی کتنی رعایت کی گئی۔ درمیان میں ایک اور واقعہ اسی سلسلہ کا یاد آگیا اسی طرح ایک شخص یوسف بیگ لکھنؤ کے ملکہ کے یہاں خان ساماں مقرر ہوئے تھے ملکہ کو معلوم ہوا کہ یہ گوشت نہیں کھاتے ان سے پوچھا انھوں نے کہا کہ یہاں ذبیحہ خلاف شرع ہے ملکہ نے کہا کہ شرع کے موافق کس طرح ہوسکتا ہے انھوں نے بے ضرورت تھی بہت سا نخرہ پھیلادیا ملکہ نے ان کے بیان کے موافق حکم دیا کہ انکے ذبیحہ کیلئے ایک مکان الگ تیار کرادیا جائے۔ ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ اس کے متعلق برتن چھری کپڑا سب الگ اور صاف ہو۔ یہ قصہ یوسف بیگ نے خود مجھ سے بیان کیا یہ تو جملہ معترضہ تھا اب میں جمعدار مذکور کے قصہ کی طرف عود کرتا ہوں کہ حافظ صاحب نے انکو پیش کیا یہ پہنچے اور نہ جھکے نہ اور کچھ کیا جاکر السلام علیکم کہا ملکہ نے اپنی دستی گاڑی پر ہوا خوری کی خدمت پر انکو ملازم رکھ لیا اور ان کی بڑی قدر رکھی۔ غرض دینی کمزوری اپنی ہے اور دوسروں پر الزام اسی طرح مولوی عبدالجبار صاحب وزیر بھوپال کا واقعہ ہے کہ ایک جلسہ میں دیسرائے خود تقریر کررہے تھے کہ ان ہی مولوی عبدالجبار صاحب نے گھڑی دیکھ کر اور کھڑے ہوکر دیسرائے سے کہا کہ ہماری نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ ہم نماز پڑھ کر آجائیں تب تقریر کیجئیگا دیسرائے نے ایک دم تقریر بند کر اور بیٹھ گئے اور جتنے مسلمان تھے انکو بھی نماز کیلئے جانا پڑا اس خیال سے کہ کہیں دیسرائے یہ نہ سمجھیں کہ یہ بے نمازی مسلمان ہیں۔ جب سب باہر آئے ایک صاحب نے ان سے کہا کہ آپنے غضب کیا کہ تقریر بند کرادی انھوں نے کہا کہ کیا نماز فرض نہیں کہا کہ نماز تو فرض ہے لیکن خود چپکے سے اٹھ کر چلے آتے اعلان کی کیا ضرورت تھی انھوں نے کہا اگر اعلان سے نہ کہتا تو تم جیسے کیسے نماز پڑھتے واقعی کام کا جواب دیا۔ غرض خود ویسا ہوجانا بڑی زبردست تبلیغ ہے یہ واقعات تو پہلے کے ہیں۔ اب غیرت اسلامی اور حمیت اسلامی اور جوش اسلامی کا ایک واقعہ سنئے۔ ایک راجہ گوالیار کے یہاں فوجی لوگ داڑھی منڈائیں یا نہ منڈائیں اسکے متعلق کوئی قانون نہ تھا ایک شخص مسلمان نوجوان فوجی ڈاڑھی منڈایا کرتا تھا۔ سب برا بھلا کہنے کہ تو داڑھی منڈا

تا ہے۔ وہ جواب میں کہتا کہ میاں گناہ کرتا ہوں اللہ معاف کر دیگا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ راجہ کی طرف سے حکم ہوا کہ فوج میں رہنے والا شخص کوئی داڑھی نہیں رکھ سکتا جسقدر اس شخص کو تبلیغ کرنیوالے تھے ایکدم سب نے داڑھی منڈا ڈالی اور اس شخص سے کہا کہ لو میاں مبارک ہو تیرا ہی چاہا ہو گیا کہا کہ کیا ہوا کہا کہ اب تو راجہ کا حکم ہو گیا کہ کوئی فوجی داڑھی نہیں رکھ سکتا اسلئے بھائی ہم سب کو منڈانی پڑیں۔ اس پر یہ شخص جواب دیتا ہے کہ میاں ابتک تو جو داڑھی منڈائی اور خدا کی نافرمانی کی تو نفس کے کہنے سے مگر اب خدا کے ایک نافرمان کا حکم ہے تو اب منڈانا بے حمیتی ہے کہا کہ فوج سے برخاست کر دئے جاؤ گے کہا کہ اللہ رازق ہے وہ کہیں اور سبیل فرما دیں گے یہ ہے قوت ایمانیہ اور یہ ہے جوش اسلامی اور غیرت اسلامی اور حمیت اسلامی مگر مسلمانوں نے خود ہی کمزوری اختیار کر لی اس کے یہ نتائج ہیں جو ظاہر ہو رہے ہیں۔

(ملفوظ ۱۱۹۴) ایک نووارد صاحب نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اپنی اصلاح دین کی چاہتا ہوں اس لئے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا کہ قیام کتنا ہو گا۔ عرض کیا کہ تین دن فرمایا کہ خدا جانے آپ کے ذہن میں اصلاح دین کا مفہوم کیا ہے اور یہ مدت اصلاح کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ اس مدت میں اصلاح تو کیا مناسبت و عدم مناسبت کا بھی پتہ چلنا اور بے تکلفی کا ہونا دشوار ہے۔ اس مدت کو تو محض ملاقات ہی کیلئے رکھیں تو مناسب ہے۔ اگر اصلاح مقصود ہے تو وطن واپس پہنچکر خط و کتابت کریں۔ اگر آپ پہلے ہی خط کے ذریعہ مجھسے مشورہ کر لیتے تو یہ سفر کی تکلیف بھی آپکو نہ اٹھانا پڑتی اور نہ پیسہ صرف ہوتا۔ اور نہ وقت صرف ہوتا اب آپ اسکے متعلق خود کوئی سوال نہ کریں ممکن ہے کہ وہ سوال اصول کے خلاف ہو اور بے لطفی پیدا ہو اسلئے کہ آپ بے خبر ہیں یہاں پر ملاقات کرنیوالوں کے واسطے یہی قاعدہ ہے کہ نہ مخاطبت کریں اور نہ مکاتبت کریں۔ اس میں خیر ہے طرفین کی اور یہی راحت رسانی کی صورت ہے۔ اس میرے طرز کو لوگ روکھا پن اور سوکھا پن سمجھتے ہیں اگر صفائی کی بات کو لوگ روکھا پن سمجھیں تو اس کا میرے پاس کیا علاج ہے میں تو اس قدر رعایت کرتا ہوں کہ سب تدابیر خود ہی بتلا دیں اس لئے کہ نو وارد ہیں۔ بے خبر ہیں۔ پھر اگر اب بھی گڑ بڑ کریں تو یہ خود ذمہ دار ہیں اور مجھکو خدانخواستہ آنیوالوں سے کیا کوئی عداوت ہے دشمنی ہے مگر صفائی کی بات پر اگر کوئی خفا ہو برا مانے اس کا برا ماننا اور اس طرز کو روکھا سمجھنا ایسا ہے کہ ایک شخص کوئی کھانیکی چیز خریدنے کے وقت وہ پوچھتا ہے کہ بھائی اس کے دام کیا ہیں۔ کہتا ہے کہ اجی تم سے کیا دام کھا بھی لو۔ کھا گئے۔ اب دوسرے کو بھیجتا ہے وہ آ کر کہتا ہے کہ انکے دام لاؤ انھوں نے تخمینہ کر کے دو روپیہ دیئے وہ کہتا ہے کہ اس چیز کی قیمت تو بارہ روپیہ تھی اب وہ اخلاق نکل رہے ہیں اسلئے میں کہتا ہوں کہ صاف کہدو کہ بارہ روپیہ قیمت ہے دو سرا چاہے لے یا نہ لے خریدے یا نہ خریدے

صاف بات عجیب چیز ہے مگر لوگوں کو اس کی قدر نہیں ۔

(ملفوظ ۸۴۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل ساری خرابی اس کی ہے کہ طبائع میں بیفکری ہے اس لئے کوئی چیز منظم نہیں اور میں انتظام چاہتا ہوں اس سے اختلاف ہو جاتا ہے اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ یا تو مجھکو ہیضہ ہو گیا ہے انتظام کا یا اوروں کے یہاں قحط ہے انتظام کا تو ہیضہ زدہ اور قحط زدہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ۔

(ملفوظ ۸۵۰) ایک صاحب کے متعلق فرمایا کہ پرسوں اس شخص نے بڑا پریشان کیا پہلے تو یہ تھا کہ دوسروں کے دنیوی قصوں میں دخل دیا کرتے تھے وہ عادت تو چھوٹ گئی ۔ اب یہ حرکت کی کہ ایک شخص کو مسئلہ بتا دیا ۔ عوام سے سنا ۔ سنا یا غلط اور کسی عالم سے بھی سنکر نہیں اور جاہل کو تو عالم سے سنکر بھی نہیں بتلانا چاہئے ۔ اور خیر اگر صحیح طریق سے مستند عالم سے کوئی مسئلہ معلوم ہوا ہو اور وہ اچھی طرح یاد بھی ہو اور کسی کو بتلا دے تو بظاہر کوئی حرج نہیں گو اسی میں بھی ایک خرابی ہے ۔ وہ یہ کہ ایک دو مسئلہ ٹھیک بتائے گا لیکن پھر دیکھنے والے اس کو عالم سمجھ کر اس سے پوچھنا شروع کریں گے ۔ علم تو ہے نہیں انکار کرے گا نہیں اسلئے کہ اس میں اپنی ذلت سمجھے گا کہ لوگ کہیں گے کہ اسے کچھ آتا جاتا نہیں اسلئے اٹنگ بٹنگ ہانکنا شروع کرے گا اور گمراہی پھیلنے کا زیادہ یہی سبب ہے ۔ اس بناء پر میں نے اس شخص کو یہاں آنے سے منع کر دیا اب معافی چاہنے کا پیام آیا ہے مگر ابھی ایک دو دن اور ذرا طبیعت تو ٹھیک ہو جانے دیا جاوے ۔ ان خرابیوں پر نظر کر کے میں کہا کرتا ہوں کہ تم گھر چھوڑ کر جس کام کو آئے ہو اس میں لگے رہو دوسروں کے قصوں سے تمہیں کیا غرض مگر لوگ ہیں کہ حدود پر رہتے ہی نہیں اور یہ مرض ایسا عام ہو رہا ہے اِلّا ماشاء اللہ کوئی اس سے بچا ہوا ہوگا ۔ آزاد شخص کا تو یہ مذہب ہونا چاہئے ؂

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

(ملفوظ ۸۵۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل ان خرابیوں کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ مشائخ کے یہاں اخلاق عادات کی تعلیم ہی نہیں محض اوراد وظائف کی تعلیم ہے ۔ اسی کو دین سمجھتے ہیں اور چیزوں کو دین کی فہرست سے خارج سمجھ رکھا ہے اس لئے نہ خود مشائخ اس طرف توجہ کرتے ہیں نہ انکے متعلقین ۔ اور مرید یا متعلقین تو کیا توجہ کرتے جب خود مشائخ کی یہ حالت ہے ۔ اب عام لوگوں کی حالت سنئے وہ بھی ایسے ہی پیروں سے خوش ہیں کہ جو نہ روک ٹوک کریں نہ انکے یہاں مواخذہ اور محاسبہ ہو اور ہر نذرانہ قبول کر لیا کریں اس کی ایسی مثال ہے کہ جو حکام رشوت خوار ہوں تو وہ خلیق سمجھے جاتے ہیں یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب لیا ہے تو کام ضرور ہی کریں گے اور جو غریب رشوت نہ لے سمجھتے ہیں کہ یہ خشک ہے جب لیا ہی نہیں تو توجہ کیوں کریں گے ایسا ہی مشائخ کو سمجھتے ہیں

کہ جب نذرانہ قبول کر لیا تو ضرور ہی توجہ کریں گے اور قطبیت اور غوثیت بانٹ دیں گے اور جب نہ دیں گے تو توجہ کیوں کرنے لگے اس قدر رسمیں خراب ہوئی ہیں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔

ملفوظ ۵۲ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص یہاں پر جودھپور سے آئے تھے پولیس کے محکمہ سے تعلق تھا۔ یہ لوگ آزاد سے ہوتے ہیں کہنے لگے کہ ہندوؤں میں جیسی شخصیت گاندھی کی ہے کہ اسکی سب پیروی کر رہے ہیں کیا مسلمانوں میں کوئی ایسی ہستی نہیں۔ میں نے کہا یہ سوال ہم سے کرنے کا نہیں ہے تم خود اسکو دیکھو کہ مسلمانوں میں کوئی ہستی ایسی ہے یا نہیں اور معلوم کرنے کی تدبیر میں بتلاتا ہوں کہ چند روز گاندھی کے پاس بھی رہ کر دیکھ لیجئے اور جنکے میں نام بتلاؤں انکے پاس بھی چند روز رہئے معلوم ہو جائے گا کہ کوئی ہستی اور کوئی شخصیت مسلمانوں میں ایسی ہے یا نہیں اور ان میں کون زیادہ اہل ہے اور کون نہیں مگر بات یہ ہے کہ ہندوؤں کو دنیا کی عقل ہے انھوں نے دیکھا کہ اختلاف میں ہماری دنیا کا نقصان ہے اسلئے بالاتفاق گاندھی کو بڑا بنا لیا۔ مسلمانوں کو اس کی پروا نہیں اسلئے انکو اس مصلحت کا اہتمام نہیں ہوا۔ اس کے بعد ہم سے یہ سوال کرنا اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک مسجد میں ایک عالم امام ہیں جو ہر طرح پر نماز پڑھانے کے اہل ہیں مگر اہل محلہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اب ان سے یہ سوال کرنا بیہودگی ہے کہ آپکے پیچھے یہ لوگ نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ یہ سوال نہ پڑھنے والوں سے کرنا چاہئے کہ تم ایک عالم کے پیچھے جو ہر طرح پر نماز پڑھانے کے اہل ہیں نماز کیوں نہیں پڑھتے وہ امام تو یہی کہیں گے کہ مقتدیوں سے پوچھو مجھے کیا خبر۔ اس عدم اتباع و عدم اجتماع کا افسوس تو مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ ان میں نہ قوت رہی نہ اتفاق رہا نہ دین رہا اگر دین ہو تو اتفاق ہو اور اتفاق ہو تو قوت ہو اور اگر مسلمان کسی قابل ہوتے تو پھر نصرت حق ان کے ساتھ ضرور ہوتی کسی نے خوب کہا ہے ؎

اسکے الطاف تو عام ہیں شہیدی سب پر　　　تجھ سے کیا ضد تھی گر تو کسی قابل ہوتا

بھلا ادنیٰ درجہ کے مسلمانوں کا تو گاندھی سے کیا موازنہ ہوتا ہر عامی مسلمان حتیٰ کہ فاسق سے فاسق فاجر سے فاجر خدا کے نزدیک ہر کافر سے افضل ہے۔ مگر جب مسلمان ہی کسی قابل نہ ہوں تو اسکا کیا علاج ہے۔ رات دن کے مشاہدات اور واقعات انکی عدم قابلیت کے پیش نظر ہیں اور پھر اس ناقابلیت کے ساتھ طرہ یہ کہ دوست دشمن کی قطعاً مسلمانوں کو شناخت نہیں۔ تعجب ہے کہ ایک غیر مسلم توحید اور رسالت کا منکر اپنی تدابیر سے اپنی قوم کو نفع پہنچانے کی سعی کرتا رہتا ہے اور فکر میں لگا ہوا ہے اور یہ مسلمان لیڈر اور انکے ہم خیال بعض مولوی اسکو اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ہمدرد سمجھتے ہیں۔ کتنے غضب اور ظلم کی بات ہے۔ اتنی موٹی بات مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص اللہ اور رسول کا دشمن ہے اور توحید اور رسالت کا منکر ہے قیامت آجائے

وہ کبھی اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ہمدرد نہیں ہو سکتا ہر کافر اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے اور یہ دشمنی محض مسلمانوں کے مال اور جان ہی تک محدود نہیں بلکہ ایمان سے بھی دشمنی ہے اگر کوئی غیر مسلم عاقل ہوتا جیسا کہ خیال ہے تو وہ پہلے اپنی آخرت کی فکر کرتا ایمان لاتا جب یہ نہیں تو عقل کہاں چالاک ہے تو چالاکی اور عقل سے کیا واسطہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان کیدکن عظیم عورتوں کے مکر کو عظیم فرما رہے ہیں اور دوسری طرف حدیث میں انکو ناقص العقل فرمایا گیا ہے معلوم ہو گیا کہ عقل اور چیز ہے کید اور چیز ہے وہ یہاں تک بڑھ جاتا ہے ۔۔۔ کہ بعض کی نسبت ارشاد ہے وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال ۔

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(ملفوظ ۵۵۳) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ سب خرابی بیفکری کی ہے اگر آدمی فکر سے غور سے کام کرے بہت کم غلطیوں کا صدور ہو اسلئے عقل جو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس سے کام لینا چاہئے ۔ عقل بڑی دولت ہے اسکو بالکل معطل کر رکھا ہے اگر انسان عقل سے کام نہ لے تو پھر جانور اور آدمی میں فرق ہی کیا ہے ۔ خدا معلوم کیا ہو گیا لوگوں کو جسکو دیکھو بدعقلی اور بدفہمی کے مرض میں مبتلا ہے ۔ یہی وجہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی ہے کہ بے سوچے سمجھے کام کرتے ہیں ۔ پریشان اور تباہ حال ہو رہے ہیں نہ دنیا ہی درست نہ دین ہی ٹھیک ہے خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنے ہوئے ہیں ۔ پھر کسی طرح ہوش نہیں آتا نہ آنکھیں کھلتی ہیں بڑا ہی افسوس ہے ۔

(ملفوظ ۵۵۴) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اکثر یہ رواج ہے کہ لوگ عیدین یا جمعہ کے روز مسجد میں اپنا کوئی رومال یا تہمد یا چادر رکھکر چلے جاتے ہیں کہ اس جگہ پر کوئی دوسرا نہ قبضہ کر سکے ۔ فرمایا کہ جب تک مستقل بیٹھے رہنے کی نیت سے نہ بیٹھ جائے ان صورتوں سے قبضہ کرنا جائز نہیں ہاں اس نیت سے اگر بیٹھ جاوے وہ قبضہ صحیح ہو گیا پھر اگر کسی ضرورت سے اٹھنا پڑے تو اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ غیبت طویلہ میں تو ایسا کرنا جائز نہیں کہ اپنا قبضہ رکھے ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ مثلاً ناک صاف کرنا ہے یا استنجا کرنا ہے یا پانی پینا ہے اس صورت میں ان ذرائع سے قبضہ رکھنا جائز ہے ۔ یہ صورت غیبت طویلہ کی نہیں ہے پہلے سے بدون بیٹھے ہوئے قبضہ کرنے کے

ناجائز ہونے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ منیٰ میں آپکے لئے خیمہ لگادیں فرمایا لا۔ منیٰ مناخ من سبق یعنی نہیں بلکہ جو پہلے پہنچ جائے اسی کا حق ہے۔ حضور نے خود اپنے لئے اس صورت کو جائز نہیں رکھا۔

(ملفوظ ۸۵۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں کہاں تک اس کی رحمتوں کا اور فضل کا بیان کر سکتا ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک دفعہ مجھکو سترہ یوم طاعونی بخار آیا غشی طاری رہی مگر نماز ایک وقت کی بھی بحمداللہ قضا نہیں ہوئی۔ حالت یہ تھی کہ نہ ہوش نہ کھانا نہ پینا مگر جہاں نماز کا وقت آیا ہوش ہوجاتا تھا اور اتنی قوت ہوتی تھی کہ بدون کسی کے سہارے خود نماز پڑھ لیتا تھا یہ ان کا ہی فضل ہے رحمت ہے۔ یہ بخار جلسہ بہار نپور کے وعظ میں ہوا تھا۔ اس کے قبل بخار آیا تھا۔ نقاہت باقی تھی) کہ جلسہ میں جانا ہوگیا مگر وعظ کہنے سے عذر کیا۔ ایک طبیب نے قوت کی دوا دیدی تھی کہ وعظ کہنا ممکن ہو چنانچہ وعظ شروع ہوگیا اور وعظ ہی کے درمیان میں طاعونی بخار ہوگیا۔ واپس پہنچکر بخار بڑھ گیا غشی ہو گئی۔ اسی غشی کی حالت میں بحمداللہ تعالیٰ ہر بات ٹھکانے کی ہوتی۔ بحمداللہ بیان بھی جلسہ میں پورا ہو گیا۔ کام بھی نہیں رکا وہ جس سے چاہیں اور جس حالت میں چاہیں کام لے سکتے ہیں۔

(ملفوظ ۸۵۶) ایک طالب علم نیک صالح دیوبند سے ملنے آئے تھے واپسی میں کسی ندی کو عبور کرکے غرق ہو گئے۔ اس غرقابی سے فوت ہوجانے پر فرمایا کہ بیچاروں کی لاش تک نہیں ملی نہ معلوم کیا حشر ہوا اور حشر کچھ ہی ہوا مگر اجر تو کہیں گیا ہی نہیں کیونکہ جسقدر بے کسی اور بے بسی ہوتی ہے درجات بلند ہوتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ ان طالب علم کے متعلق سنا ہے کہ ان کی یہ حالت تھی کہ اللہ کا نام لیکر ان سے جو چاہو کام لیلو۔ ایک مولوی صاحب مدرسہ کے بیان کرتے تھے کہ ان کے گھر سے خرچ آتا تو اور طلبہ اللہ کا واسطہ دیدیکر سب خرچ مٹھائی کھانے میں صرف کرا دیتے کبھی عذر نہ کرتے اب بھی اللہ کے عاشق ایسے موجود ہیں کہ انکو دیکھا تک نہیں اور پھر ایسا عشق اور تعجب ہی کیا ہے۔ مقناطیس لوہے کو پہچانتا نہیں مگر اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے وہ ذات ہی ایسی ہے کہ کسی میں ذرا قابلیت ہو وہ بالاضطرار اُدھر کھنچتا ہے۔

(ملفوظ ۸۵۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ چھوٹے لوگوں کی دشمنی اور مخالفت زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ بڑے لوگوں کی دشمنی اور مخالفت اسقدر خطرناک نہیں ہوتی۔ حکومت ہی کو دیکھ لیجئے اگر ملک نے بغاوت کی لیکن حکومت نے اپنا آئین نہیں چھوڑا باقاعدہ مقدمہ چلاکر ثبوت اور صفائی لے کر سزا کی یا رہا کیا۔ اور چھوٹے لوگ فوراً ختم کر دیتے ہیں۔

۲۳ جمادی الاولی ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(ملفوظ ۸۵۸) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ یہاں پر بعض مولویوں نے مباح رسوم کو روک کر مسلمانوں کو حرام تک میں مبتلا کر دیا۔ یہاں تک نوبت آگئی ہے کہ لوگوں نے ان مانعین کی ضد میں آکر ناچ گانا سب کچھ کرا دیا۔ اس پر فرمایا کہ یہ عجیب الزام ہے۔ اگر کوئی پیغمبر اپنی رسالت کا اعلان کرے اور کفار لوگ اس اعلان کی بنا پر ضد میں آکر خدا کی شان میں گستاخی کے کلمات بکنے لگیں تو کیا اس کا الزام پیغمبر پر ہوگا کہ پہلے تو تمہاری نبوت ہی کا انکار تھا اور اب تمہاری تبلیغ سے خدا تک نوبت پہنچی تو کیا یہ الزام معقول سمجھا جا سکتا ہے۔ جب نہیں سمجھا جا سکتا تو یہ الزام بھی مولویوں پر اسی نوع کا ہے۔

(ملفوظ ۸۵۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل لوگوں کے عقائد بہت زیادہ خراب ہو گئے ہیں خصوص ان غالی بدعتیوں نے تو بالکل ہی بدعقیدگی کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ ان لوگوں کے قلوب میں ذرا خوف خدا نہیں۔ کانپور میں ایک بڑھیا مسجد میں مٹھائی لائی۔ ایک طالب علم وہاں رہتے تھے ان سے کہا کہ اس پر بڑے پیر کی نیاز دیدو۔ یہ طالب علموں کا طبقہ ہوتا ہے آزاد سادہ تیار ہو گئے۔ دوسرے طالب علم نے منع کیا کہ عوام کا عقیدہ اچھا نہیں۔ نیاز میں بزرگوں کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں پہلے صاحب نے کہا کہ یہ محض بدگمانی ہے اور کہا کہ مقصود یہ ہے کہ نیاز اللہ کی اور ثواب بزرگوں کو دوسرے طالب نے امتحان کیلئے بڑھیا سے سوال کیا کہ اللہ کے نام کی نیاز دیدیں اور ثواب بڑے پیر صاحب کو بخشدیں۔ کہنے لگی کہ نہیں بیٹا اللہ کے نام کی تو میں دلا چکی۔ اس پر بڑے پیر کے نام کی دیدو۔ انہوں نے تاویل والے صاحب سے کہا کہ یہ تمہاری تاویل کو نہیں مانتی دیکھئے یہاں تک نوبت پہنچی ہوئی ہے۔

(ملفوظ نمبر ۸۶۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصلاح کا کام بڑا ہی نازک ہے اس میں ضرورت ہے شیخ کامل کی کیونکہ بدون مہارت فن نہ یہ خود تشخیص کر سکتا ہے اور نہ مریض کو شفا ہو سکتی ہے طبیب جسمانی کی طرح یہ بھی ہے جب تک طبیب جسمانی فن میں حاذق نہ ہوگا مہارت نہ رکھتا ہوگا مریض کا اللہ ہی حافظ ہے۔ آجکل بزرگوں سے جو بیعت ہوتے ہیں تو محض بزرگ بننے کیلئے مگر یہ چیز جدا ہے اور اصلاح کا فن جدا ہے۔ بزرگی ولایت سب آسان لیکن انسانیت آدمیت کا

پیدا ہونا مشکل۔ مولوی ظفر احمد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح سے بیعت ہیں ایک روز انہوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ حضرت دعا فرماویں کہ میں صاحب نسبت ہو جاؤں۔ حضرت نے فرمایا کہ صاحب نسبت تو تم ہو مگر اصلاح کراؤ اور وہ اپنے ماموں سے (میں مراد ہوں) تو جیز ہی جلد ہے اس ہی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ اگر بزرگی ولایت کی تلاش ہے تو کہیں اور جاؤ دو چار ہی دن میں سب کچھ ہو جاؤ گے اور انسانیت آدمیت لینا ہے اور انسان بننا ہے تو میرے پاس آؤ۔ یہاں تو انسانیت آدمیت تقسیم ہوتی ہے۔ اسی کو ایک شاعر نے لکھا ہے اس نے تو ذرا سخت لکھا ہے اس طرح ؎

زاہد شدی و شیخ شدی دانشمند — این جملہ شدی ولے مسلمان نہ شدی

اس میں یہ جملہ سخت ہے ولے مسلمان نہ شدی۔ میں نے اس کو اس طرح بدل دیا ہے ؎

زاہد شدی و شیخ شدی دانشمند — این جملہ شدی و لیکن انسان نہ شدی

(ملفوظ ۸۶۱) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ فن بالکل ہی دنیا سے مفقود ہو چکا تھا۔ اب اللہ کا شکر ہے کہ مدتوں کے بعد زندہ ہو گیا۔ اب جو اس میں نزاکت ہے وہ خفا کی وجہ سے نہیں بلکہ خود باعتبار فن ہی کے ہے۔ میں اسی نزاکت کی بنا پر یہاں تک خیال رکھتا ہوں کہ بعض خاوند اپنی بیوی کی طرف سے اپنی عبارت میں درخواست بیعت کا خط لکھتے ہیں مگر اس سے اسکے جذبات کا پتہ نہیں چلتا۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ خود انکی عبارت میں لکھو جو وہ کہتی جائیں وہ لکھو اگر کوئی عنوان غیر واضح یا غیر مانوس ہو تو حاشیہ پر تم اس کی شرح لکھ دو مگر ان کے درخواست کے الفاظ بجنسہ رہنے دو تاکہ میں اس سے ان کے فہم کا جذبات کا طلب کا عقل کا اندازہ کر سکوں وجہ یہ ہے کہ کام تو انہیں کو کرنا ہے اصلاح تو ان کی ہی مقصود ہے۔ غرض ہر بات میں طالب کی جانچ کرنا پڑتی ہے۔

(ملفوظ ۸۶۲) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نظرانہ حرف (ظ) سے صحیح ہے اور حرف (ذ) سے غلط ہے اس نظرانہ کے معنیٰ ہیں کہ ہم آپ کی نظر سے گذارتے ہیں۔ اور نذرانہ کے معنے ہیں کہ ہم نے نذر یعنی منت مانی تھی وہ دیتے ہیں سو یہ تو صدقہ ہے جو غریبوں اور محتاجوں کو دیا جاتا ہے۔ اور وہ ہدیہ کی شان ہے۔ اس میں لکھے پڑھے لوگ غلطی کرتے ہیں اور بہت سی ایسی ہی باتیں ہیں جن میں لوگ مبتلا ہیں۔

(ملفوظ ۸۶۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ تو میں نہیں کہوں گا کہ لوگوں میں فہم نہیں جسکی وجہ سے غلطیوں میں ابتلا ہے ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ فکر نہیں توجہ نہیں اسی لئے سمجھانے پر بھی نہیں سمجھتے اور مجھکو جو اس درجہ تغیر ہوتا ہے وہ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ باوجود فعل اختیاری ہونیکے پھر یہ لوگ بے فکری سے گڑبڑ کرتے ہیں۔ اگر فکر اور توجہ کریں تو ان سے ان غلطیوں کا صدور نہ ہو مگر اسکا قصد ہی نہیں

کہ ہماری کسی بات سے کسی کام سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو اذیت نہ پہنچے بالکل بیفکرے ہیں جیسے کوئی جانور بیل گائے ہوتے ہیں۔ سو یہ تو جانوروں کی سی زندگی ہوئی۔ میں اس پر روک ٹوک کرتا ہوں تو خفا ہوتے ہیں برا مانتے ہیں۔ مگر یہ پھر بھی نہیں ہوتا کہ اپنی اصلاح کریں فکر اور توجہ پیدا کرنے کی سعی اور کوشش کریں۔ بیفکری کا مرض ایسا عام ہوا ہے کہ قریب قریب الا ماشاء اللہ کوئی بچا ہوگا جو اس کا شکار نہ ہو چکا ہو مجھکو تو رات دن سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اکثر ابتلا دشدہ ہی لوگ آتے ہیں۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سارا عالم ہی اس مرض میں مبتلا ہے یا چھنٹ چھنٹ کر ایسے لوگ میرے ہی پاس آتے ہیں۔ غرض مجھکو تو اکثر ایسے ہی لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ملفوظ ۸۶ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ سب ترقی ترقی پکارنے والے سب سرسید احمد خاں کے چیلے چانٹے ہیں وہ یہی گیت گانے گانے بیچارے مرگئے اور اب انکی باری ہے عمر گذر گئی ان لوگوں کی صدا سنتے ہوئے ترقی ترقی لیکن اس معمے کا حل ہی نہ ہوا کہ ان کا منشا ہے کیا۔ نصوص کا انکار ہے۔ صاف تو کہتے نہیں مگر قرآن و حدیث میں کتر بیونت تحریف کرنا یہ ان لوگوں کا فعل غالب ہے جس سے انکار نصوص کا شبہ ہوتا ہے پھر طرفہ یہ کہ اس ترقی کے باب میں ان لوگوں نے جس قدر تدابیر غیر مشروع اختیار کیں روز بروز اجتماعی طور پر مسلمانوں کا تنزل ہی تنزل دیکھا اور ذلت ہی گلوگیر دیکھی۔ اور بفرض محال اگر احکام اسلام اور شریعت مقدسہ کو پامال کر کے ترقی ہو بھی گئی تو یہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی تو کہلائے جانیکی قابل ہوگی نہیں تو پھر اپنے کو مسلمانوں میں شمار کر کے کیوں اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرتے ہو۔ جو دل میں ہے صاف کہد و اور جو قوم پہلے سے حکومت یافتہ اور ترقی یافتہ ہے اس میں کھلم کھلا ہی کیوں نہیں مدغم ہو جاتے۔ باقی اس کتر بیونت سے کیا فائدہ کہیں قرآن کے معنی بدلتے ہیں حدیث کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ بھی پھر بھی زندقہ اور الحاد کا زینہ ہے۔ پھر اس ترقی کے نہ حدود ہیں نہ اصول ہیں نے ایک مرتبہ اپنے بیان کے اندر لکھنؤ میں اس کے متعلق بیان کیا تھا اس بیان میں تو تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ تھا جس میں اکثر وکلاء اور بیرسٹر بھی تھے۔ میں نے بیان کیا تھا کہ ترقی ترقی کے ترانے تو سُننے جاتے ہیں لیکن اس کے کچھ اصول حدود بھی ہیں یا نہیں کیا ہر ترقی مطلوب اور محمود ہے اگر کوئی حدود اور اصول نہیں اور ہر ترقی مطلوب ہے تو مرض کی وجہ سے جو جسم پر ورم ہو جاتا ہے کہ جس سے وہ فربہ نظر آنے لگتا ہے تو یہ بھی تو ترقی کی ایک قسم ہے تو اسکے انسداد یا ازالہ کی تدابیر طبیبوں اور ڈاکٹروں سے کیوں کراتے پھرتے ہو اور کیوں فیس دیتے ہو جو جواب تم اس کا ہم کو دوگے کہ وہ ترقی مطلوب اسکو شامل نہیں وہی جواب تم کو ہم اس کا دینگے کہ جو ترقی حدود شرعیہ سے تجاوز کر کے یا احکام اسلام کو پامال کر کے تم حاصل کروگے وہ ترقی مطلوب اسکو شامل نہیں اس پر سب خوش ہوئے اور بہت زیادہ اثر ہوا۔ خدا معلوم تدابیر مشروع اور منصوصہ پر عمل کرتے ہوئے کیوں سرکتا ہے۔ ارے بطور امتحان ہی ان پر عمل کر کے دیکھو کوئی زہر تو نہیں ہے کہ

گلے سے اترتے ہی ہلاکت ہو جائے گی یا کوئی سانپ تو نہیں کہ ہاتھ لگاتے ہی تمکو ڈس لے گا۔ آخر تم ہی سمجھو کہ ساری عمریں تمہاری بھی کھپ گئیں اب تو تجربہ بھی ہو گیا پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں مشاہدات واقعات کے بعد تو رائے بدل جاتی ہے۔ آخر کیا اب تک دوسروں کی گداگری نہیں کر چکے ہو۔ اب ذرا ان کے سامنے بھی سر رکھ کر دیکھو لو اور یہ سر رکھ کر دیکھنا اگر اخلاص سے نہیں تو بہ نسبت تدابیر ہی سہی بطور امتحان ہی سہی۔ بہت کچھ بتوں کی پرستش کر کے دیکھ لیا۔ اب ذرا خدا کو بھی سجدہ کر کے دیکھ لو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش ۔۔۔ آزموں را یک زمانے خاک باش

دیکھئے مولانا بھی آزموں را ہی فرما رہے ہیں از خلوص را نہیں فرمایا۔ ذرا کر کے تو دیکھو پھر یہ ثمرہ ہوگا جسکو مولانا فرماتے ہیں ؎

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ۔۔۔ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

باقی تدابیر غیر مشروعہ پر مسلمانوں کی ترقی کا خواب دیکھنا یہ ماس سے کم نہیں جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ہرچہ کردند از علاج واز دوا ۔۔۔ رنج افزوں گشت وحاجت نا روا

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند ۔۔۔ آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

بے خبر بودند از حال دروں ! ۔۔۔ استعیذ اللہ مما یفترون !

خلاصہ یہ کہ تم سب کچھ کر کے دیکھ چکے حکومت میں بھی مدغم ہو کر دیکھ لیا۔ ہندوؤں سے بھی دوستی کر کے دیکھ لو مگر ہر قدم پر وہی قصہ ہوا فرمن المطر وقر تحت المیزاب یعنی بارش سے بھاگی اور پرنالے کے نیچے جا کھڑے ہوئے ان باتوں میں کیا رکھا ہے یہ تو اس کا مصداق ہے کہ خسر الدنیا والاخرۃ۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ اسکو کسی نے خوب کہا ہے ؎

بگاڑا دین کو اپنے کہیں دنیا ہی بنجائے ۔۔۔ نہ کچھ دیں ہی رہا باقی نہ دنیا کے مزے پائے

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

(ملفوظ ۸۶۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تمام اہل مدارس دینیہ کو رائے دیتا ہوں کہ مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلغ بھی ہونے چاہئیں۔ یہ سنت نبویہ ہے۔ اور پڑھنا پڑھانا مقدمہ ہے اسی مقصود کا۔ اصل مقصود

تبلیغ ہی ہے اور ایک بات اور تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ مبلغین سے چندہ کا تعلق نہ ہونا چاہئے۔ صرف احکام بیان کرنا ترغیب اور فضائل بیان کرنا ان کا کام ہو اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچتا ہے مگر اہل مدارس اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ عرصہ ہوا غالباً ان تحریکات سے چودہ پندرہ برس قبل میں نے مدرسہ دیوبند والوں کو اس کا مشورہ دیا تھا کہ ملک کے تمام اطراف میں باقاعدہ مبلغین کی جماعت جاتی رہنا چاہئے جن کا کام صرف تبلیغ ہو اور ہر شہر میں اس کی آبادی کی نسبت سے مبلغ یا ان کی آمد و رفت رہنا چاہئے مگر کوئی خاص انتظام نہیں ہوا ان مدارس کے متعلق میری ایک رائے ہے کہ مدارس دینیہ میں صنعت و حرفت کا بھی انتظام کیا جائے خواہ طلبہ اس کام کو بعد میں نہ کریں لیکن سکھا یا ضرور جائے اس لئے کہ آجکل عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوائے اسکے انکو اور کچھ نہیں آتا اسلئے اپنا محتاج سمجھتے ہیں اور اس سے تحقیر کرتے ہیں اگر کوئی دستکاری وغیرہ سیکھ لیں اور کسی وقت کسب معاش کی ضرورت ہو تو اپنے کام میں تو لگ جائیں گے اور اس طرح پر چندے کرتے اور مانگتے نہ پھریں گے کہ اس میں غایت تحقیر ہے۔

(ملفوظ ۸۶۶) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ مدعی عقلاء کہلاتے ہیں مگر باتیں انکی جسقدر ہیں ان میں عقل کا نام و نشان بھی نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سب ایک ہی کام میں لگ جائیں۔ جیسا یہ لوگ چاہتے ہیں۔ یہ کوئی کام کرنے کا طریقہ نہیں۔ اب حکومت ہی کی جماعتوں کو دیکھ لیا جائے پولیس اپنی خدمت پر ہے فوج اپنی خدمت پر۔ دفتری لوگ اپنے کام پر غرض ہر جماعت اپنے اپنے کام میں مشغول ہے اگر سب سرحد ہی پر پہنچ جائیں تو اندرون ملک کا کیا انتظام ہو اور اگر سرحد کے لوگ دفتروں میں آگر گھس جائیں تو بیرون ملک کا کیا انتظام ہو۔ سب گڈ مڈ ہو جاوے کوئی کام بھی نہ ہو سکے۔ ایسے ہی ایک شخص مکان بنانا چاہتا ہے اور وہ یہ چاہے کہ سب کام کرنیوالے ایک ہی کام پر لگ جائیں تو کیسے مکان تیار ہو سکتا ہے۔ مثلاً معمار ہے مزدور ہے لوہار ہے۔ بڑھئی ہے تو اگر سب کے سب لکڑی ہی چیرنے لگیں تو اور کام کون کریگا علی ہذا اسی طرح سبکو سمجھ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ایک کا کام دوسرا اطمینان کی ساتھ کر بھی نہیں سکتا۔ اب معمار لوہار کا کام آسانی کی ساتھ کس طرح کر سکتا ہے۔ بڑھئی کا کام مزدور کیسے کر سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہی کام پر اگر سب جمع ہو جائیں تب کام بھی نہیں ہو سکتا اور ایک کا کام دوسرا بھی نہیں کر سکتا جب یہ بات ہے تو یہ ان عقلاء کا یہ کیسے خیال ہے کہ سب چاہتیں مسلمانوں کی ایک ہی طرف متوجہ ہو کر ایک کام پر لگ جائیں۔ جو حجروں کے اندر ہیں انکو حجروں میں رہنے دو۔ ان سے دعا کا کام لو جو مدارس میں ہیں انکو پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہنے دو تاکہ آئندہ کیلئے مسئلہ مسائل بتلانیوالی جماعت تیار ہو جو استفتے کا کام کر رہے ہیں ان سے وہی کام لو۔ جو جماعت تبلیغ کرنیوالی ہے اسکو تبلیغ کرنے دو۔ کام کو کام کے طریقہ سے کرو یہ گڈ مڈ کیس اسطرح سے تو کوئی کام بھی نہ ہو گا۔

(ملفوظ ۸۶۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض کفار پر تو مجھکو بہت ہی غیظ ہے ۔ انکی وجہ سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا اور ہزاروں مسلمانوں کی جانیں تلف ہوئیں ۔ ہجرت کا سبق پڑھایا شدھی کا مسئلہ سکھلایا ۔ مسلمانوں کو عرب چلے جانے کی آواز انہوں نے اٹھائی ۔ قربانی کا ڈیرا اشتعال ہندوؤں کو انہوں نے دلایا ۔ یہ لوگ مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں بلکہ ایمانی جانی مالی جاہی مسلمانوں کے سب چیزوں کے دشمن ہیں ۔ مگر بھولے بھالے مسلمان خالی الذہن دھوکہ میں آگئے اور وہ بھی بعض دوست نما دشمن لیڈروں اور ان کے ہم خیال مولویوں کی بدولت اور اس میں بھی زیادہ تر مولویوں کی وجہ سے ۔ پھر جب یہی لوگ پھسل گئے تو عوام بیچارے مسلمان بھی سمجھے کہ مولوی صاحبان تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہونگے اس وجہ سے زیادہ دھوکہ ہوا ۔ ایک اخبار میں سب اہل کمال کے نام چھپے تھے اس میں لکھا تھا کہ تواضع میں دنیا کے اندر کون بڑھا ہوا ہے وہ فلاں طاغوت ہے ۔ یہ چھاپنے والے یا انتخاب کرنیوالے بھی کوئی آج ہی کل کے عقلاء میں سے ہونگے ۔ مکر و فریب ذلت و چاپلوسی کا نام تواضع رکھا ہے ۔ محض کہیں تواضع کا نام سیکھ لیا ہے اس کے معنی اور حقیقت سے بیخبر ہیں ۔ ایک صاحب مجھسے کہنے لگے کہ ہندو بالاتفاق فلاں کا اتباع کر رہے ہیں ۔ کیا مسلمانوں میں کوئی ایسی شخصیت نہیں کہ سب مسلمان اس کا اتباع کریں میں نے کہا کہ ہندوؤں میں دنیا کی عقل ہے وہ سمجھتے ہیں کہ تفرق میں ہماری دنیا کا نقصان ہے سب نے ملکر ایک کو بڑا بنا لیا ۔ دوسرے یہ کہ جس کی اس نے دعوت دی وہ پہلے سے سب کے قلوب میں ہے سب اُس طرف دوڑ پڑے اور اس کا اتباع کرنے لگے ۔ تعجب ہے کہ آپ کو اس میں تو شبہ ہو اگر اس میں شبہ نہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام جو مامور من اللہ ہو کر دنیا میں آئے تھے انکے کسقدر لوگ مطیع اور فرمانبردار ہوئے اور شیطان کے کس قدر ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میدان محشر میں بعض نبی ایسے ہونگے کہ ان کے ساتھ ایک امتی بھی نہ ہوگا اس کا کیا جواب ہے اور یہاں کیا کہوگے ۔ اور اگر اس آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں میں اس کمال کا کوئی نہیں جیسا فلاں شخص ہے ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُس شخص کے پاس بھی چندے رہئے اور میں جن کے نام بتاؤں انکے پاس بھی رہکر دیکھ لیجئے ۔ معلوم ہو جائے گا کہ وہ شخص صاحب کمال ہے یا جن کے میں نام بتاؤں وہ صاحب کمال ہیں اور اگر یہ بات ہے کہ جب مسلمانوں میں ایسی شخصیتیں اور ہستیاں ہیں تو پھر مسلمان انکو کیوں نہیں تسلیم کرتے تو یہ سوال ہم سے کرنے کا نہیں ان مسلمانوں سے سوال کیجئے کہ کیوں تسلیم نہیں کرتے جیسے ایک عالم امام ہو اور اس کے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھے تو ان مقتدیوں ہی سے سوال کیا جائے گا کہ تم انکے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور اگر ان عالم سے سوال ہوگا وہ تو یہی جواب دیں گے کہ مجھکو کیا خبر کہ میرے پیچھے کیوں نماز نہیں پڑھتے ۔

(ملفوظ ۸۶۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص پوسٹ مین قوم سے برہمن وہ کہتا تھا کہ یہ قوم ہندو بہت

ہی متعصب ہوتی ہے کہ گو ہتیا سے تو بچتے ہیں مگر آدمی ہتیا کرتے ہیں اور رہے وا قع ہیں یہی بات ۔

(ملفوظ ۸۶۹) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بخیل اور جبان آدمی کبھی کسی کی ہمدردی نہیں کر سکتا ۔ سخی اور شجاع شخص ہمدردی کر سکتا ہے ۔ سخی مال سے ہمدردی کرے گا اور شجاع جان سے ۔

(ملفوظ ۸۷۰) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھکو اس بات پر شاکرانہ فخر ہے کہ میں نے اللہ کے فضل سے اور اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے فن تصوف کو بیحد سہل کر دیا مگر ایک ندوی مولوی صاحب ہیں انھوں نے مجھسے مکاتبت کرنے کے بعد بطور نتیجہ کے اس کو سخت بتلایا ۔ اس فن کو میں نے اُس مکاتبت میں سارا فن دو جملوں میں ان کے سامنے رکھدیا تھا ۔ یعنی میں نے لکھدیا تھا کہ اس فن میں انفعالات مقصود نہیں افعال مقصود ہیں مگر انھوں نے اس کی یہ قدر کی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکثر اہل علم میں بھی فہم کی بیحد کمی ہے ۔ اصل یہ ہے کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ توجہ و تصرف سے کام ہو جائے کچھ کرنا نہ پڑے ۔ سو یہ تو طالب علم لوگ ہیں ۔ ہم کو توجہ وغیرہ نہیں آتی ہمکو تو حضرات انبیاء علیہم السلام کی سی تعلیم آتی ہے ۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی کام تھا کہ تعلیم فرماتے تھے اور اس کی ساتھ شفقت اور دعا سے بھی کام لیتے تھے اور یہ تصرف تو پہلوانی کی سی مشق ہو گئی کہ نظر کی گر پڑے ۔ الٹا لگا دیا گر پڑے ۔ اور اگر اصلی کام کرنے کے بعد کسی میں پہلوانی کی بھی صنعت ہو تو یہ بھی ایک مستقل کمال ہے ۔ گو غیر مقصود ہے مگر ایسے سے کیا پہلوانی کرے کہ جو ابھی بیچارا کچھ بھی نہیں جانتا فن سے بے خبر اس پر کیا اڑ لنگا اور کیا داؤ اور ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ گو وہ من وجہ کمال تو ہے مگر کس درجہ کا ۔ سو لوگوں نے ان چیزوں کو ولایت کے درجہ میں سمجھ رکھا ہے مگر یہ محض لغو خیال ہے پھر استطراداً ان مذکور مولوی صاحب کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک اس پر مجھکو تعجب ہوا کہ ان مولوی صاحب نے لکھا کہ معارف قرآن میں فلاں شخص سے (اس سے میں مراد ہوں) زیادہ جانتا ہوں اور تعجب اس کا نہیں کہ میرے علم کی نفی کی ۔ اسلئے کہ واقع میں میں عالم نہیں اور یہ نفی صحیح ہے سو اس پر تعجب نہیں مگر تعجب اس پر ہے کہ اپنے کو عالم لکھا ۔ اور خدا جانے معارف قرآن کے معنے بھی سمجھتے ہیں یا نہیں کس چیز کو معارف سمجھ لیا ۔ یہ سطحی لوگ ہیں ۔ پھر سطحی کی ایک مثال بیان کی کہ ایک مولوی صاحب میرے دوست ہیں بڑے ذہین ایک روز کہنے لگے کہ تیجر کی دو قسمیں ہیں ایک کدو متبحر اور ایک مچھلی متبحر ۔ کدو تو تمام سمندر پر پھر جاتا ہے مگر اس کو سمندر کی تہ کی خبر نہیں اور مچھلی عمق میں پہنچتی ہے ۔ تو یہ آجکل کے متبحر کدو متبحر ہیں کہ اوپر ہی اوپر سطح کے پھرتے ہیں آگے اندر کی کچھ خبر نہیں ۔ واقعی بات تو کام کی کہی ۔

(ملفوظ ۸۷۱) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں صاحب نعمانی (یہ نعمانی خوب لگایا جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ شاید امام صاحب کی اولاد میں ہوں) یہ بھی سر سید احمد خاں کے قدم بقدم ہی ہیں ۔ سیرت نبوی لکھی ہے جس پر آجکل کے نیچری فریفتہ ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شانیں ہیں

نبوت ۔ سلطنت ۔ ان میں سے صرف ایک شان سلطنت کو ان لوگوں نے لیا ۔ اسی کو شبلی نے بھی لیا ہے ۔ دوسری شان کو قریب قریب چھوڑ دیا ۔ یہ لوگ اسی کو بڑا کمال سمجھتے ہیں ۔ یہ سب نیچریت کا اثر ہے ۔ ان لوگوں کے قلوب میں نہ دین ہے نہ کسی کی دینی عظمت ۔ خود انبیاء علیہم السلام کی نہیں ۔ اولیاء کی تو کیا ہوتی ۔ نمونہ کے طور پر معراج ہی کو لیجئے ۔ اس میں کس قدر گڑبڑ مچا رکھی ہے حالانکہ موٹی بات ہے اگر حضور کو خواب ہی میں معراج ہوتی بیداری میں نہ ہوتی تو جس وقت کفار نے تکذیب کی اور کہا کہ بیت المقدس کا نقشہ بیان کرو اور فلاں فلاں چیزیں بتلاؤ تو حضور فرما دیتے کہ وہ تو ایک خواب تھا اس سوال سے آپ کو خاص اہتمام کیوں ہوتا اور یہ اختلاف ہی نہ پڑتا اس حالت میں ان لوگوں کا اقرار شرائع ایسا ہی ہے جیسے کسی سر بڑی چیز کا نباہنا پڑ جاتا ہے ۔ جو جی میں آیا لکھ مارا نہ اصول ہیں نہ نقول محض ناکافی عقل سے کام لینا چاہتے ہیں ۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جب سلف کا اتنا بڑا طبقہ کسی چیز کا قائل ہے یہ اتنا ہی سمجھ لیتے ۔ خدا معلوم ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ۔ جب اس قدر فہم اور عقل اور سمجھ نہیں تو پھر اپنے منصب سے زیادہ مباحث میں کیوں دخل دیتے ہیں ۔ عقلاً و نقلاً محقق ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر محمول ہوتے ہیں ۔ جبتک کوئی قوی صارف نہ ہو ورنہ پھر نصوص کوئی چیز ہی نہ رہیں گے جو جس کے خیال میں آیا یا اپنی رائے میں آیا کہہ دیا ۔ پھر یہ کہ تمہاری کوئی کس طرح ماننے لگا جبکہ سلف کے اتنے بڑے طبقہ کی تم نہیں مانتے پھر تو سب معاملہ ہی درہم برہم ہو جاویگا ۔ پھر جب بزعم تمہارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ۔ تابعین ۔ تبع تابعین ۔ ائمہ مجتہدین کسی مسئلہ کو نہ سمجھ سکے تو تم بدعقل بدفہم کیا سمجھو گے ۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی نظر بالکل سطحی ہوتی ہے گو کسی کی وسیع بھی ہو کیونکہ وسعت تو متبحر ہے مگر خود متبحر کی دو قسمیں ہیں جو ایک مولوی صاحب نے بیان کی تھیں کہ ایک کدو متبحر ہے ایک مچھلی متبحر ۔ سو کدو تو اوپر پھرتا ہے اور تمام سمندر کو دیکھ لیتا ہے مگر اسکو قعر دریا کی خبر نہیں اور مچھلی عمیق میں پہنچتی ہے ۔ سو یہ آجکل کے اس قسم کے لوگ اگر متبحر بھی ہوں تو کدو متبحر ہیں ادھر ادھر پھرتے ہیں ۔ حقیقت کی کچھ خبر نہیں ۔ بس ان لوگوں کو چند چیزیں یاد ہیں وہ بھی کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا ۔ نہ مبادی ہیں نہ اصول نہ فروع ۔ من گھڑت جو جی چاہا جو منہ میں آیا بکدیا یا لکھ مارا ۔ ساری دنیا کو اپنی طرح اندھا سمجھتے ہیں ۔ اس کا بھی تو ان لوگوں کو خیال نہیں کہ آخر اور بھی تو دنیا میں لکھے پڑھے لوگ موجود ہیں وہ ہماری ان لچر اور بیہودہ تحریرات کو دیکھیں گے تو کیا کہیں گے ۔ یہ سب قلوب میں دین نہ ہونے کے آثار ہیں ۔ اللہ بچائے بددینی اور جہل سے یہ دونوں بری بلائیں ہیں ۔

(ملفوظ ۸۶۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک غیر مقلد مولوی صاحب لکھنؤ سے یہاں آئے تھے ۔ نہایت صفائی کی باتیں کیں ۔ بڑا ہی جی خوش ہوا ۔ خوش فہم اور سمجھدار آدمی تھے ۔ مقلد ہی کہنے لگے کہ شاید

بعد میں آپ کو معلوم ہو کر کہ یہ فلاں جماعت کا شخص ہے تنگی ہوتی اس لئے میں پہلے ہی عرض کئے دیتا ہوں کہ میں عامل بالحدیث ہوں۔ میں نے کہا میں آپکے صدق اور خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ اور میں بھی صاف بتلائے دیتا ہوں کہ ہمارے یہاں اتنی تنگی نہیں کہ محض فرعی اختلاف سے انقباض ہو ہاں جن لوگوں کا شیوہ بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا اور بدتمیزی اور بدتہذیبی سے کلام کرنا ہے ایسے لوگوں سے ضرور لڑائی ہے۔ یہ مولوی صاحب حسین عرب صاحب کے پوتے ہیں جو بھوپال میں تھے۔ کئی روز رہے اور بڑے لطف سے رہے۔ ویسے بھی آنکھیں کھل گئیں کیونکہ ان لوگوں کو عامل بالحدیث ہونیکا بڑا دعویٰ ہے۔ دوسروں کو بدعتی اور مشرک ہی سمجھتے ہیں کہتے تھے کہ یہاں پر تو کوئی بات بھی حدیث کے خلاف نہ دیکھی۔ دو مسئلے بھی پوچھے ایک تو یہ کہ اہل قبور سے فیض ہوتا ہے یا نہیں میں نے کہا کہ ہوتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے اس پر ان کو حیرت ہو گئی کہ حدیث سے اہل قبور سے فیض ہونا کہاں ثابت ہوگا اس لئے کہ ساری عمر حدیث میں گذر گئی کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔ میں نے کہا کہ سنئے ترمذی میں حدیث ہے کہ کسی صحابی نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ لگا لیا۔ وہاں ایک آدمی سورۃ پڑھ رہا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے فرمایا یہ سورت مردہ کو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔ دیکھئے قرآن کا سننا فیض ہے یا نہیں اور مُردے سے قرآن سنا تو اہل قبور سے فیض ہوا یا نہیں۔ بیحد مسرور ہوئے خوش ہوئے کہا کہ آج تک اس طرف نظر نہ گئی۔ دوسرا مسئلہ سماع موتیٰ کا پوچھا اور کہا کہ انک لا تسمع الموتی قرآن میں ہے جس سے اس کی نفی معلوم ہوتی۔ میں نے کہا کہ حدیث میں وقوع سماع مصرح ہے اور اس آیت سے نفی نہیں ہوتی اسلئے کہ یہاں پر حق تعالیٰ نے کفار کو موتیٰ سے تشبیہ دی ہے اور تشبیہ میں ایک مشبہ ہوتا ہے اور ایک مشبہ بہ اور ایک وجہ تشبیہ جو دونوں میں مشترک ہوتی ہے تو یہاں وہ عدم سماع مراد ہے جو موتیٰ اور کفار میں مشترک ہے اور اموات کا سماع و عدم سماع تو معلوم نہیں مگر کفار کا تو معلوم ہے کہ قرآن و حدیث کو سنتے ہیں مگر وہ سماع نافع نہیں اور یہ معلوم ہے کہ مشبہ مشبہ بہ میں وجہ شبہ میں تماثل ہوتا ہے۔ پس کفار سے جو سماع منفی ہے یعنی سماع نافع ویسا ہی سماع اموات سے منفی ہوگا نہ کہ مطلق سماع۔ بیحد دعا دی۔ پھر بیعت کی درخواست کی میں نے کہا کہ اسمیں تعجیل مناسب نہیں۔ پھر بیان کیا کہ میں فلاں عالم غیر مقلد سے بیعت بھی ہو چکا ہوں میں نے کہا کہ اب تکرار بیعت کی کیا ضرورت ہے کہنے لگے کہ ان سے بیعت تو یہ ہو جاویگی آپ سے بیعت طریقت میں نے کہا کہ یہ بتلایئے کہ انھوں نے بوقت بیعت آپ کیا عہد لیا تھا کہا کہ کتاب سنت پر عمل اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ میں نے کہا کہ یہی یہاں پر ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔ بس مقصود حاصل ہے۔ اس پر سوال کیا کہ کیا تکرار بیعت خلاف شریعت ہے۔ معصیت ہے۔ میں نے کہا کہ معصیت تو نہیں مگر بواسطہ مفضی ہو سکتی ہے معصیت کی طرف وہ یہ کہ جب شیخ اول کو معلوم ہو گا کہ یہاں کے تعلق کے بعد فلاں جگہ تعلق پیدا کیا تو بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ انقباض کا اثر قبول کرتی ہیں تو اس اثر سے حب فی اللہ میں

کمی ہوگی یا بالکل ہی زائل ہو جائے گی۔ پھر اس کے ساتھ ہی تکدر ہوگا اور یہ تکدر راذین ہے۔ اور حب فی اللہ کا انفاد واجب ہے اور راذین سے بچانا بھی واجب ہے اور یہ تکرار بیعت سبب ہوا اس واجب کے اخلال کا تو بواسطہ مفضی ہوا معصیت کی طرف۔ حیرت میں تھے بیچارے کہ یہاں تو ہر چیز حدیث کے ماتحت ہے۔ سمجھ تو گئے ہونگے کہ ہم حدیث و قرآن کو خاک نہیں سمجھتے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ ہر چیز بقدر ضرورت قلب میں پیدا فرما دیتے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں سے ضرورت کی ہر چیز کانوں میں پڑ چکی ہے جس نے زیادہ کتابوں کے دیکھنے سے بھی مستغنی کر دیا ہے۔ اور کتابیں تو پہلے ہی سے نہیں آتی تھیں نہ کبھی طالب علمی کے زمانہ میں زیادہ کنج و کاوش کی گئی اور نہ اس کے بعد کتب بینی کی طرف رغبت ہوئی۔ بس یہ جو کچھ ہے اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت اور خداوند جل جلالہ کا فضل ہے کہ گاڑی کہیں اٹکتی نہیں۔

۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم دو شنبہ

(ملفوظ ۸۷۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مکہ میں جو خاندانی اصل عرب ہیں وہ نہایت خلیق ہیں مگر زیادہ تر مکہ میں ستندھی، ہندی، بنگالی لوگ آباد ہیں۔ بخلاف مدینہ منورہ کے کہ وہاں پر باہر کے لوگ کم ہیں نیز ہر جگہ کی آب و ہوا کا اثر بھی جدا ہوتا ہے۔

(ملفوظ ۸۷۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طریق میں قدم رکھنے سے بھی پہلے فنا کی ضرورت ہے لیکن اگر قدم رکھنے کے بعد بھی فناء کی شان نہ ہوئی تو محروم ہے۔ غرض یہاں فناء ہی کے بعد کچھ ملتا ہے۔

(ملفوظ ۸۷۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہم لوگ کام ہی کیا کر رہے ہیں اور کیا کر سکتے ہیں جسکو ظاہر اور مشتہر کیا جائے۔ میں تو بحمد اللہ نہ صراحۃً نہ اشارۃً نہ تحریراً نہ کلاماً کبھی اس کا ذکر تک بھی نہیں کرتا کہ یہاں پر کوئی کام ہو رہا ہے۔ دوسرے اگر کچھ ہوتا بھی تو پابندی تو آزادی کے خلاف ہے اور بدون پابندی کے قابل ذکر نہیں اور اصلی اثر اس طریق کا غیر ضروریات سے آزاد رہنا ہے چنانچہ اس آزادی ہی کے سبب جب زمانۂ تحریکات میں خانقاہ خالی کرانیکا واقعہ پیش آیا۔ تحریکات سے میری علیحدگی کے سبب اہل تحریک کو جوش اٹھا کہ خانقاہ خالی کرائی جاوے۔ اس وقت میں سفر میں تھا۔ یہاں یہ تجویز ہو رہی تھی کہ خانقاہ خالی کرائی جائے۔ سفر سے واپس آنے کے بعد میرے کانوں میں پڑا کہ یہ تجویز ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا کہتے ہیں ہم خود ہی خالی کر دیں گے۔ الحمد للہ یہ آزادی کا اثر تھا۔

نیز آدمی کسی بات کے پیچھے پڑ کر کیوں اپنا وقت خراب کرے یہ تو بیکار لوگوں کے کام ہوتے ہیں۔ ماموں امداد علی صاحب کا تکیہ خالی پڑا تھا۔ میں نے سوچا کہ وہاں جا بیٹھیں گے اور اگر وہاں بھی نہ ہو جنگل ہی سہی۔ اور تھانہ بھون اور اس کا جنگل بھی نہ ہو اور کہیں کا سہی کسی خاص جگہ میں رکھا گیا ہے۔ مگر میں نے یہ خیال کسی پر ظاہر نہیں کیا اتفاق سے تکیہ کی نگرانی کیلئے میرے ماموں زاد بھائی نے جو اس تکیہ کے متولی تھے مجھسے کہا ایک آدمی تکیہ کیلئے تجویز کر دو۔ ایک طالب علم نئے آئے تھے میں ان کو وہاں پہنچانے گیا۔ اِدھر خفیہ خفیہ ایک محضر نامہ پر خاص خاص لوگوں کے دستخط کرائے جا رہے تھے کہ خانقاہ خالی کرائی جاوے۔ میں جوان طالب کو تکیہ میں پہنچانے گیا تمام ماحول سے عام طور سے لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ یہ تکیہ میں اسی واسطے گیا ہے کہ وہاں ذاکرین کے قیام کا انتظام کر کے خانقاہ کو خالی کر دے گا۔ خدا کی قدرت کہ جن لوگوں نے اس کا بیڑا اٹھایا تھا کہ خانقاہ خالی کرائی جائے ان ہی لوگوں نے آکر معافی چاہی اور خوشامدیں کیں۔ میں نے بھی اس موقع کو غنیمت سمجھکر کہا کہ یہ آپ کا محض خیال ہے کہ میں خانقاہ خالی کر رہا ہوں۔ میں نہ خود آیا اور نہ خود جاؤں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بٹھلایا ہوا ہوں از خود کیسے خالی کر دوں گا اور دل میں یہ تھا کہ بدون کسی کی تحریک کے خود تو خالی کروں گا نہیں لیکن تحریک کرنے سے اگر بھنگی کا بچہ بھی خالی کرنے کو کہے گا فوراً خالی کر دوں گا۔ میری کوئی ملک تھوڑا ہی ہے مال وقف ہے جس میں سب مسلمانوں کو برابر حق ہے۔ میں تو اسی ملک نہ ہونے کے خیال سے تمام خانقاہ میں سے بقدر ضرورت جگہ تصرف میں لاتا ہوں یعنی جہاں بیٹھ کر ڈاک وغیرہ کا کام کرتا ہوں اور ڈیکس رکھا ہے اور ایک چھوٹا سا حجرہ حضرت حاجی صاحبؒ کا جو بہت مختصر ہے بلکہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ والا یہ حجرہ بھی بوقت ضرورت ذاکرین یا طلباء کے سپرد کر دیتا ہوں مجھکو خود ہی غیر ضروری قصوں جھگڑوں سے وحشت ہے۔ چنانچہ خود گھر میں اگر ضرورت سے زیادہ چیز ہوتی ہے تو الجھن ہوتی ہے۔ بعضے لوگ محبت کی وجہ سے اکثر ایسی چیزیں لے آتے ہیں کہ جو قابل استعمال نہیں ہوتیں انکو فروخت کر دیتا ہوں اور ضرورت کی چیز خرید لیتا ہوں۔ بہت جگہوں میں دیکھا گیا ہے کہ خانقاہوں میں پشت در پشت تک کی چیزیں محفوظ ہیں اور باقاعدہ ملازم ان کی حفاظت کیلئے رکھے ہوئے ہیں۔ تو ان صاحبوں کا قلب کیا ایک سرائے ہے۔ اسی خلو خانقاہ کی تحریک کے زمانہ میں ایک عجیب قدرتی لطیفہ ہوا۔ ایک متمول شخص تھے راندیر میں انھوں نے وصیت کی یہاں کیلئے چار ہزار اٹھائیس روپیہ کی۔ وہاں سے ایک صاحب نے لکھا کہ حسب وصیت چار ہزار روپیہ وہاں کا جمع ہے باضابطہ سب رجسٹرار کے سامنے وصول یابی کی تصدیق کر دینے کی ضرورت ہوگی۔ جب کہ روپیہ بھیجدیا جاوے۔ میں نے لکھدیا کہ ہم اس تصدیق کے لئے رجسٹرار کے پاس نہ جاویں گے۔ انھوں نے لکھا کہ کوئی مجسٹریٹ ہو قصبہ میں انکی تصدیق

کرا دیں۔ میں نے کہا کہ مجسٹریٹ تو ہیں اور ایسے ہیں کہ گھر پر آسکتے ہیں مگر ہم نہ انکو تکلیف دینا
چاہتے ہیں اور نہ خود تکلیف اٹھائیں گے۔ انھوں نے لکھا کہ پھر کیا ہو ہم تو ضابطے مجبور ہیں میں نے
لکھا کہ علماء سے استفتاء کر لو کہ ایک ایسی مشروط وصیت تھی اور ان شرائط کو فلاں مدرسہ کے
کارگزار تسلیم نہیں کرتے اب ہم کو کیا کرنا چاہئے۔ اس پر لکھا کہ بہت اچھا ہم روپیہ بھیجے ہیں
اور ایسی کوئی تصدیق وغیرہ نہیں چاہئے صرف دو طالب علموں کی شہادت لکھا دو۔ میں نے اسکو
منظور کر لیا۔ چنانچہ روپیہ آگیا۔ اتفاق سے اس روز یہاں پر دو گورنمنٹ افسر موجود تھے ایک ڈپٹی
کلکٹر اور ایک سب جج۔ میں نے دونوں کی تصدیق کرا کر بھیجدی بیحد خوش ہوئے۔ انسان
کو چاہئے کہ کام کرے اللہ کے واسطے اور اللہ پر نظر رکھے تو سب مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔
چنانچہ اس واقعہ میں ایک آسانی یہ ہوئی اور اسی بناء پر میں نے اسکو قدرتی لطیفہ کہا کہ وہ زمانہ وہ
تھا جس میں خانقاہ خالی کرائی جاتی ہے۔ اسوقت کبھی کبھی یہ وسوسہ ہوتا تھا کہ ایسا وسیع مکان دوسرا
نظر میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چار ہزار روپیہ بھیجکر یہ وسوسہ دفع فرمادیا۔ اور اس واقعہ کے اجزاء
سے اپنی آزادی محفوظ رہنے کا بھی انعام خداوندی ظاہر ہوا اور خادمان دین کو تو آزاد ہی رہنا
چاہئے ورنہ یہ کیسی واہیات ہے کہ اہل علم دین کی خدمت بھی کریں اور اوپر سے ان دنیاداروں
کے نخرے بھی اٹھائیں۔ چاپلوسی بھی کریں۔ اس میں تو سراسر ذلت ہے تحقیر ہے دین کی بھی۔
اہلِ دین کی بھی۔ مجھکو ہمیشہ ان باتوں کا خیال رہتا ہے کہ دین اور اہلِ دین کی تحقیر نہ ہو کیونکہ یہ اہل دنیا
اہلِ دین کو ان ہی رعایتوں کے سبب نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں اس لئے خصوصاً مالی معاملات میں
مجھکو بڑی احتیاط ہے۔

(ملفوظ ۸۷۶) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کام کیلئے کسی خاص مدرسہ وغیرہ کی بقاء تھوڑا ہی مقصود ہے
مقصود تو کام ہے خواہ کسی جگہ سے ہو جاوے باقی بقاء تو بیت اللہ کا ضروری ہے اور کوئی چیز بھی
اس درجہ کی نہیں اگر بدل جائے بدل جانے دو۔ اور آجکل جو زیادہ گڑبڑ ہو رہی ہے اس کی وجہ
یہ ہے کہ مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود بنا رکھا ہے۔ یہاں پر بحمد اللہ ہر چیز اپنی حد پر ہے
اس لئے کچھ بھی الجھن یا گڑبڑ نہیں۔

(ملفوظ ۸۷۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل یہ مرض بھی عام ہو گیا ہے کہ اکثر لوگ دوسروں
کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اپنی مطلق فکر نہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ہر شخص اپنی فکر
میں لگے تو بہت جلد سب کی اصلاح ہو جائے اور بہت سے عبث اور فضول سے نجات
ہو جائے۔

(ملفوظ ۸۷۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ نجدیوں کے متعلق آپکی

کیا رائے ہے۔ میں نے لکھا کہ محض نجدی ہیں اگر تھوڑے سے وجدی بھی ہوتے تو خوب ہوتا اگر ایسا ہوتا تو مکہ سے آنیوالوں سے ہم لوگ یوں کہا کرتے ۵

باز گو از نجد وازیاران نجد — تا در و دیوار را آری بوجد

ایک اور مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ مجھکو اول تو محدثین سے محبت ہے اور پھر فقہاء سے اور پھر صوفیہ سے۔ میں نے لکھا کہ میری محبت کی ترتیب بالکل اسکے عکس ہے۔ پھر یہ مولوی صاحب حج کو گئے تو واپس آکر نجدیوں کی بہت شکایتیں لکھیں۔ میں نے جواب دیا کہ ان سب شکایات کا سبب نجدیوں میں اسی چیز کی کمی ہے جسکو تم نے تیسرے درجہ میں رکھا تھا۔ باقی اپنی اپنی رائے ہے لیکن ہر حال میں ضرورت جامع کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس شخص کی صحبت اختیار کرو جو صوفی بھی ہو۔ فقیہ بھی ہو محدث بھی ہو۔ وہ شخص صحبت کی قابل ہے۔ واقعی ٹھیک فرمایا۔ گو خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر محدثیت کا رنگ غالب ہے مگر محقق ہونے کی شان سے یہ تحقیق فرمائی اور یہ ضروری بات ہے کہ اگر حدیث نہ جانتا ہوگا تو بدعت کی طرف مائل ہو جائے گا۔

(ملفوظ ۷۹۸) ایک شخص نے بخار کا تعویذ مانگا۔ بخار کا لفظ تو زور سے کہا اور تعویذ کو آہستہ سے جس کو حضرت والا سن نہ سکے۔ فرمایا کیوں تکلیف دیتے ہو۔ معلوم نہیں بخار کے بعد آہستہ سے کیا کہدیا۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک واعظ تھا لٹیرا اس کے گھر میں ایک مرغ آگھسا اب اسنے اس کو جائز کرنے کی صورت نکالی کہ اس کا اعلان اس طرح کیا کہ یہ مرغ چپکے سے کہتا اور کس کا ہے زور سے۔ جب کوئی نہ بولا بس کھا گئے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ بخار کا تعویذ چاہیئے۔ فرمایا کہ چپکے سے کس مصلحت سے کہتے تھے اگر کوئی خاص حکمت اس میں تھی تو ہم کو بھی بتلا دو تاکہ ہم بھی سمجھ جائیں اب مجھکو کیا خبر کہ بخار کا لفظ کہکر تم چپکے سے دعا کرانے کو کہتے ہو یا تعویذ لکھوانے کو کہتے ہو۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا۔ میں بیٹھا ہوا ایک ہی بات کو کہاں تک کھول کروں۔ تم لوگ خدمت بھی لیتے ہو اور ستاتے بھی ہو۔ ایک دو ہو تو صبر بھی کر لوں۔ دل کو سمجھا لوں۔ اب جب سب کے سب ایسے ہی آتے ہیں تو کہاں تک صبر کروں اور خاموش رہوں۔ خدمت کے طریق سے خدمت لی جائے۔ ہر وقت حاضر ہوں۔ باقی دق کر کے پریشان کر کے خدمت لینا سو میں کسی کا نوکر نہیں کسی کا غلام نہیں اچھا اب جاؤ اور اس وقت سے پاؤ گھنٹہ بعد آؤ اور پوری بات بلند آواز سے کہو مگر اس کا بھی خیال رکھنا کہ کبھی اذان دینا شروع کردو کیونکہ جب گھر کی عقل نہیں ہوتی تو ہر بات میں گڑبڑ کرتا ہے مجھکو تو رات دن سابقے پڑتے ہیں۔ معترضین کا تو صرف یہ شغل ہے کہ گھر بیٹھے یک طرفہ بیانات پر فیصلے گھڑا کرتے ہیں اگر میری بھی سنیں یا یہاں چند روز رہکر دیکھیں تو حقیقت معلوم ہو کہ کون سخت اور بدخلق ہے اور کون نہیں

میری برابر تو دوسرے رعایتیں کر نہیں سکتے مثلاً ایک شخص تعویذ کو آیا اور اس وقت میں مشغول ہوں مگر اس سے یہ نہیں کہا کہ اسوقت کام میں مشغول ہے یا طبیعت کسلمند ہے کل آنا۔ جب کل آیا اور صبح کے وقت اس سے کہدیا بھائی دوپہر کو آنا مگر لوگ ایسی جگہ خوش رہتے ہیں اور اس کو اخلاق سمجھتے ہیں۔ میرے یہاں تو یہ ہے کہ صاف بات ہو پوری ہو۔ دوسرے کاموں کو چھوڑ کر فوراً اس کا کام کر دیتا ہوں۔ مجھکو اس سے بیحد گرانی ہوتی ہے کہ ایک مسلمان میری وجہ سے محبوس ہے یا آنے جانے کی تکلیف میں مبتلا ہے اور ایسی رعایتوں کی ساتھ اگر کچھ کہتا سنتا ہوں وہ بالکل اصلاح کے ماتحت ہوتا ہے۔ اب بتلائیے کہ اخلاق وہ ہیں یا یہ ہیں۔

(ملفوظ ۴۸۰) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں حاضر خدمت ہوا تھا حضور نے خادم کو خدام میں داخل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے لکھا کہ بوجہ یا بلا وجہ۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں وہی ہوں اور آپ بھی وہی ہیں اور وہی مناسب سوال ہے۔ ایسے ایسے سمجھدار اور فہیم لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اب بتلائیے کہ یہ باتیں کیا ہیں۔ کیا قابل اصلاح نہیں۔

(ملفوظ ۴۸۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ ساری خرابیاں طریق کی حقیقت سے بیخبری کی وجہ سے ہیں اور اب تو بحمد اللہ بہت لوگ واقف ہو چکے ہیں۔ لیکن باوجود معلوم ہو جانے کے ایک چیز اب بھی راہزن ہو رہی ہے اس راہ میں اور وہ دکاندار پیر اور مشائخ ہیں جن لوگوں کے ان سے تعلقات ہیں وہ اس کو نباہ رہے ہیں چھوڑنے کی ہمت نہیں ورنہ حقیقت سے اب قریب قریب بحمد اللہ تعالیٰ سب واقف ہو چکے ہیں اور یہ بات ایسی ہے۔ جیسے کون نہیں جانتا کہ نماز فرض ہے روزہ فرض ہے حج فرض ہے۔ زکوٰۃ فرض ہے اور یہ سب شعائر اسلام سے ہیں مگر توجہ نہیں اور ان کی ادا کی فکر نہیں لیکن معلوم سب کو ہے۔ اسی طرح طریق کی حقیقت سے سب باخبر ہو چکے ہیں۔ مقلد ہوں خواہ غیر مقلد۔ حنفی ہوں یا شافعی۔ مالکی ہوں یا حنبلی۔ بدعتی ہوں یا وہابی۔ خیر سب کو سوجھ گئی باقی عمل کرنے نہ کرنے کا سوال دوسرا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ مدتوں کے بعد طریق زندہ ہوا اور نہ مردہ ہو چکا تھا افراط و تفریط دونوں طرف ہو چکا تھا۔ منکرین طریق کو غلو کا درجہ انکار میں پیدا ہو گیا تھا۔ اور متبعین طریق کو غلو کا درجہ اثبات میں پیدا ہو چکا تھا۔ اب طریق بحمد اللہ بے غبار ہے۔ صدیوں کسی نئے اہتمام کی ضرورت نہیں رہی اور جب ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کو پیدا فرما کر اپنا کام لے لیں گے الحمد للہ اس چودھویں صدی میں طریق کی حقیقت واضح ہوئی اور یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی برکت ہے۔ یہ بزرگ اپنے زمانہ کے اور اس فن کے مجدد تھے۔ مجتہد تھے۔ محقق تھے امام تھے۔ دیکھنے میں تو بظاہر ایک تھانہ بھون کے شیخ زادہ معلوم ہوتے تھے۔ علم درسی بھی بظاہر نہ تھا لیکن یہ حالت تھی

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

ان کی فیض روحانی اور باطنی سے تمام عالم منور ہو گیا ورنہ چہار طرف سے زندقہ اور الحاد و نیچریت و دہریت نے دنیا کو گھیر لیا تھا حق تعالیٰ نے ایسے پُرفتن زمانہ اور پُر آشوب میں ایسے شخص کو پیدا فرما کر اپنی مخلوق پر بڑا ہی فضل اور رحمت فرمائی۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ اور برکت ہے ورنہ میرے اندر کوئی بھی چیز نہیں نہ علم ہے نہ فضل نہ کمال۔ اس بیان کے وقت حضرت والا کے اندر ایک جوش کی کیفیت تھی اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ اہل مجلس پر عجیب اثر تھا اور قریب قریب سب پر گریہ طاری تھا۔

(ملفوظ ۸۸۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں گنہگار سہی سیاہ کار سہی لیکن آنیوالوں کو تو حق نہیں کہ وہ مجھکو ایسا سمجھ کر میرے ساتھ ایسا برتاؤ کریں۔ ان کا تو اس میں نقصان ہے انکو تو اپنا نفع پیشِ نظر رکھکر مناسب برتاؤ کرنا چاہئے۔ جب میں خود کسی کو نہیں ستاتا تو مجھکو کیوں ستائیں بس اسی کی مجھکو شکایت ہے۔

(ملفوظ ۸۸۳) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علماء نے اپنے علم کی قدر چھوڑ دی اور اسی وجہ سے کتابیں سمجھکر پڑھنا چھوڑ دیں ورنہ ان ہی کتابوں میں سب کچھ ہے۔ اگر ان کتابوں سے کام لیں تو آجکل کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ ولایت کے سند یافتہ ان کے سامنے گرد ہیں ابھی کچھ تھوڑا عرصہ گذرا یہاں ایک وفد آیا تھا جو نو شخصوں پر مشتمل تھا۔ اس وفد نے اوقاف کے مسئلہ کے متعلق قریب قریب تمام ہندوستان کے مشاہیر علماء سے ملاقات کی اور مسئلہ اوقاف پر گفتگو کی۔ تحقیق یہ کرنا تھا کہ اوقاف ہندوستان میں جس قدر ہیں اس کا انتظام گورنمنٹ کے ہاتھ میں دیدیا جائے۔ یہاں پر بھی اس ہی مسئلہ کی تحقیق کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ اس وفد میں بڑے بڑے انگریزی خواں بیرسٹر اور وکلاء تھے۔ میں نے گفتگو سے پہلے یہ کیا کہ اس وفد کے صدر کو بطور اصول موضوعہ کے ایک یادداشت لکھ کر دی جس میں یہ امور تھے کہ آپ تحقیق مسئلہ کیلئے تشریف لائے ہیں آپکو دلائل معلوم کرنے کا حق نہ ہوگا صرف مسائل پوچھنے کا حق ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ہم جو مسئلہ بیان کریں گے درمختار۔ شامی۔ کنز الدقائق وغیرہ سے بیان کریں گے وہ قابل تسلیم ہوگا۔ اس پر کسی عقلی دلیل سے کسی اعتراض کا حق نہ ہوگا تیسرے یہ کہ جو بات معلوم نہ ہوگی مجھکو عذر کر دینے کا حق ہوگا پھر آگے دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو تحریری یادداشت لکھ کر دیدی جائے جسکا جواب بعد میں بھیجدیا جائیگا۔ یا بذریعہ خط معلوم کر لیجئے گا۔ چوتھے یہ کہ عقلیات میں گفتگو کا حق نہ ہوگا۔ محض نقلیات میں حق ہوگا۔ پانچویں جواول کی گویا شرح ہے یہ کہ احکام کے حکم اور لم اور اسرار اور علل کے معلوم کرنے کا حق نہ ہوگا اسلئے کہ ہم قانون ساز نہیں قانون داں ہیں اس میں انکے مذاق کی رعایت تھی اس لئے کہ وہ

سب بیرسٹر وکلاء تھے۔ وہ ان اصول موضوعہ ہی کو دیکھ کر پھیکے سے پڑ گئے۔ سوال و جواب کا جوش و خروش بہت کچھ کم ہو گیا۔ جیسے اور جگہ ہندوستان کے مشاہیر علماء سے ملاقات اور گفتگو کے وقت جوش و خروش اور لسانی اور مہارت ظاہر کی تھی رہ گئی سب ختم ہو گئی۔ محض دو چار اصول موضوعہ ہی نے نثر کی تمام کر دی۔ ایک میں نے یہ کیا کہ انکو اسٹیشن لینے نہیں گیا کہ خود بینی نہ بڑھے مگر اپنے عزیزوں کو بھیجدیا تاکہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور ان کو مولوی شبیر علی کے مکان پر ٹھہرایا۔ خانقاہ میں نہیں آنے دیا۔ اس وجہ سے کہ وہ یہاں پر آئیں گے مجھکو تعظیم کیلئے اٹھنا پڑیگا۔ نہ اٹھوں گا بد خلق سمجھیں گے سو کیوں بلا وجہ بدنام ہوئے اور یوں تو پہلے ہی سے کون سا نیک نامی کا تمغہ ملا ہوا ہے مگر خیر وہ بدنامی اپنی ہی جماعت اور اپنے ہی لوگوں تک ہے دوسروں میں تو نہیں اور دوسری جگہ ٹھہرانے میں جب میں ان کے پاس جاؤں گا وہ اٹھیں گے۔ نیز اگر وہ خانقاہ میں میرے پاس آتے میں انکے اٹھنے تک محبوس ہوں گا اور جب میں انکے پاس جاؤں گا تو وہ مقید ہونگے اور میں آزاد رہوں گا کہ جس وقت چاہوں گا اٹھکر چلا آؤں گا۔ نیز میں انکے پاس جاؤں گا انکو قدر ہوگی کہ ہمارا اتنا اکرام کیا کہ ہمارے پاس قصد کر کے آیا۔ ان مصالح سے ان کو مولوی شبیر علی کے مکان پر ٹھہرا دیا تھا۔ پھر میں نے یہ کہلا کر بھیجا تھا کہ کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں گے آپ میرے مہمان ہیں اس پر بعض نے مولوی شبیر علی سے دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے انھوں نے کہا کہ میرا ہے کہا کہ کیا آپ کھانا نہ کھلائیں گے انھوں نے کہا کہ آپ مہمان انکے ہیں۔ بدون اجازت تو میں دانت صاف کرنے کیلئے آپ کو تنکا بھی نہیں دیسکتا یہاں پر بھی ضابطہ ہے اب وہ دیکھتے تھے کہ ہر بات ہر طرف سے اصول اور قاعدہ و ضابطہ میں ہے۔ اسکے بعد میں کھلا کر بھیجا کہ کھانے کا لطف بھی جب ہی ہوگا کہ پہلے جس غرض سے آنا ہوا اس سے فراغ حاصل کر لیا جائے انھوں نے ان سب معروضات کو منظور کر لیا۔ پھر میں پہنچا اور وہ یادداشت اصول موضوعہ کی دیدی پھر گفتگو شروع ہوئی اس گفتگو میں ایک سوال ٹیڑھا تھا اس کے متعلق میں نے انکے آنے سے پہلے بھی اپنے بعض احباب اہل علم سے مشورہ کیا تھا کہ اگر یہ سوال ہوا تو کیا جواب ہوگا کسی کی سمجھ میں نہ آیا سب سوچ میں تھے خود میری سمجھ میں بھی نہ آیا تھا بلکہ میں نے یہ دعا کی تھی کہ خدا کرے یہ سوال ہی نہ ہو غرض مسئلہ اوقاف میں اصل قابل تحقیق جو امر تھا وہ یہ تھا کہ ہم ایسا قانون بنوانا چاہتے ہیں کہ اوقاف کا حساب کتاب گورنمنٹ لیا کرے اور یہ اس کے ہاتھ میں رہے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں میں نے اس کی بالکل مخالفت کی کہ ہرگز جائز نہیں۔ شرعاً گورنمنٹ اس میں ذرا مداخلت نہیں کر سکتی اس لئے کہ یہ دیانات محضہ سے ہے۔ جیسے نماز روزہ سو جس طرح اس میں دخیل ہونا گورنمنٹ کو جائز نہیں اسی طرح اس میں بھی۔ مثلاً آپ نماز کے متعلق گورنمنٹ سے مدد لیں کہ ایسا قانون بنا دیجئے بس ایسی ہی اس میں مدد لینا ہے۔ گفتگو سے قبل ہی یہ قرار پا گیا تھا کہ گفتگو کے لئے ایک صاحب کو منتخب کر لیا جائے اور سب صاحبان کو اجازت ہے

کر بوقت ضرورت ان کی مدد کریں مگر بولیں گے ایک ہی صاحب۔ اس طرف سے ایک بہت بڑے بیرسٹر ہائی کورٹ پنجاب کے جو جج ہیں خاص درجہ میں ایک ممتاز ہیں گفتگو کیلئے منتخب ہوئے تھے انہوں نے میری اس تقریر پر سوال کیا کہ یہ قیاس محل کلام میں ہے کیونکہ یہ مسئلہ مالیات کے متعلق ہے نماز روزہ مالیات سے نہیں۔ میں نے کہا کہ اچھا زکوٰۃ حج تو مالیات سے ہیں ان کے مشابہ تو ہے پھر بھی مدعا حاصل ہے تو اصل علت اس کا دیانات میں سے ہونا ہے۔ اس پر انھوں نے بہت سے سکوت کے بعد کہا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر بدل گیا۔ بیوی نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور گواہ پیش کر کے طلاق کو ثابت کر دیا تو اب اس میں گورنمنٹ سے بغیر مدد لئے کام نہ چلے گا جسکو سب جائز رکھتے ہیں حالانکہ یہ بھی دیانات محضہ سے ہے تو نکاح اور طلاق بمدد لینے میں اور اس مدد لینے میں کیا فرق ہے اور یہی تھا وہ سوال۔ جس کا جواب میرے ذہن میں نہ تھا مگر عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ سوال کے ساتھ ہی جواب ذہن میں القاء فرما دیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے غور نہیں فرمایا یہ حادثہ مرکب ہے دو چیزوں سے ایک دیانات محضہ سے ہے وہ طلاق ہے خود اس میں گورنمنٹ سے مدد لینا مقصود نہیں بلکہ طلاق کے بعد جو عورت کو حق آزادی حاصل ہو چکا تو اب خاوند کا اس کو آزاد نہ کرنا اس عورت کے حق کو غصب کرنا اور اس کو ضرر پہنچانا ہے اس ضرر کے دفع کیلئے وہ گورنمنٹ سے مدد لے رہی ہے تو یہ دیانات محضہ میں مدد نہ ہوئی معاملہ میں مدد ہوئی اس پر انھوں نے کہا کہ وقف بھی گو دیانات محضہ ہے مگر متولی کی بد دیانتی اور بدانتظامی کی وجہ سے مساکین کا جو کہ اہل حق ہیں ضرر ہے اس ضرر کے دفع کیلئے گورنمنٹ سے مدد دی جاتی ہے۔ غرض دفع ضرر دونوں جگہ مقصود ہے۔ میں نے کہا کہ آپ نے غور نہیں فرمایا اس میں مساکین کا ضرر نہیں اس لئے کہ وہاں صاحب حق پہلے سے متعین نہیں اور وہاں وہ عورت صاحب حق متعین ہے۔ نیز مساکین کا ضرر نہیں بلکہ عدم النفع ہے یعنی ایک عطا تھی جو انکو نہیں پہنچی انکو ایک نفع ہونے والا تھا جو بند ہو گیا اور عورت کا ایک حق آزادی حاصل ہو چکا تھا وہ ضائع ہوا یہ ضرر ہے اور ضرر اور عدم النفع جدا جدا چیز ہیں یہ آپ کا قیاس مع الفارق ہے اور اسکی ایسی مثال ہے کہ میں آپ کو سو روپیہ کا نوٹ دینا چاہتا تھا کسی نے منع کر دیا تو اس صورت میں آپ کا ضرر نہیں ہوا عدم النفع ہوا۔ ہاں اس کو ضرر کہیں گے کہ آپ کی جیب سے سو روپیہ کا کوئی شخص نوٹ نکال لے۔ اس جواب کو سنکر چہار طرف سے سب کی زبان سے سبحان اللہ نکلا اور یہ کہا کہ عدم النفع اور ضرر کا فرق کبھی ساری عمر بھی نہ سنا تھا۔ ان صاحبوں نے یہ بھی کہا کہ سب جگہوں میں ہندوستان کے مشاہیر علماء سے مسائل میں گفتگو کرتے آ رہے ہیں مگر کہیں یہ لطف نہیں آیا اور نہ یہ تحقیقات سنیں ہمکو خبر نہ تھی کہ علماء دین بھی اس دماغ کے لوگ موجود ہیں۔ یہ بھی کہا کہ عجیب بات تھی کہ گفتگو کے وقت انکی طبیعت پر کسی کا بالکل اثر نہ تھا اور نہ تقریر میں بے ربطی تھی اور ہر دعوے کے ساتھ دلیل۔ اس وفد میں بعض شیعہ بیرسٹر اور

وکلاء بھی تھے جو شاعر بھی تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ اتنی دیر گفتگو رہی میں تو اسکو
دیکھ رہا تھا کہ ایک لفظ بھی تہذیب کے خلاف تقریر میں نہیں نکلا۔ یہ بھی کہا کہ علماء میں ہم نے کسی
کو ایسا نہیں پایا۔ یہ سب مجھکو ایک صاحب سے معلوم ہوا کہ ایسے ایسے کہہ رہے تھے کیونکہ میں مسئلہ ختم
ہوتے ہی اٹھکر چلا آیا تھا۔ میں نے سنکر کہا کہ انھوں نے علماء ابھی دیکھے کہاں ہیں۔ میں تو علماء
کی جوتیوں کی گرد کی برابر بھی نہیں۔ علماء تو علماء ہی ہیں ہم تو ایک ادنیٰ طالب علم ہیں ان کو ہی دیکھ کر یہ
خیال ہو گیا جس روز علماء کی شان یا ان کا علم و فضل دیکھیں گے اس روز کیا ہو گا۔ خیر جو کچھ بھی ہو میں
نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ طالب علموں کی آبرو رکھ لی اور میں آنے کیوقت تو ریل پر گیا نہیں تھا مگر
رخصت کے وقت جب وہ لوگ اسٹیشن پر پہنچ چکے ان کے بعد میں بھی ریل کے آنیکے قبل اسٹیشن
پر پہنچ گیا دیکھکر بہت خوش ہوئے اور کہا کیوں تکلیف فرمائی۔ میں نے کہا کہ تکلیف کیا ہوتی اور
میں تو آپ کے آنے کے وقت بھی ریل پر آتا مگر وہ جاہ کا اثر سمجھا جاتا جسکو میں پسند نہ کرتا تھا اور اب
رخصت کے وقت آنا یہ جاہ کا اثر ہے اس پر بھی سبحان اللہ سبحان اللہ کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ ان میں
سے جو شیعہ تھے وہ بھی بیحد محظوظ اور خوش تھے یہ سب اللہ کی طرف سے ہے ورنہ کیا کسی کی ہستی اور کیا وجود
اللہ کا فضل اور اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت ہے ورنہ مجھ میں تو کوئی بھی ایسی بات نہیں نہ علم ایسا ہے
نہ عمل ہی نہ کتابیں ہی غور سے پڑھیں۔ سبق پڑھا اور کتاب بند کر دی نہ اب کتابیں دیکھتا ہوں نہ کتب
بینی کا کبھی شوق ہوا محض فضل خداوندی ہے۔ اسی کے مشابہ ایک واقعہ اور یاد آیا ایک معاملہ نکاح و
طلاق کا عدالت کانپور میں کئی سال سے پڑا ہوا تھا کسی حاکم کے یہاں طے نہیں ہوا۔ ایک جنٹ انگریز
آ گیا اسنے دونوں فریق مقدمہ اور ان کے وکلاء کو بلا کر کہا کہ تم اس معاملہ کو اپنے علماء سے فیصل کرا دو
چنانچہ فتویٰ عدالت میں داخل کیا گیا جس پر متعدد علماء کے دستخط تھے اور میرے بھی تھے۔ حاکم نے
یہ تجویز کیا کہ ان میں کسی ایسے عالم کو جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو عدالت میں طلب کر کے بیان لیا جاوے
اور اس کے موافق فیصلہ نافذ کرایا جاوے چنانچہ فریقین کے سامنے سب کے نام لئے گئے کسی کو ایک
نے تسلیم کیا تو دوسرے نے عذر کیا کسی کے ساتھ اس کا عکس ہوا میں اس وقت بسلسلہ ملازمت مدرسہ
جامع العلوم کانپور میں قیام کئے ہوئے تھا۔ عمر میری اس وقت تقریباً اکیس یا بائیس سال کی ہو گی بڑی
عمر کے طلبہ بھی میری کم عمری کے سبب مجھسے اسباق پڑھتے ہوئے جھجکتے تھے۔ میرا نام بھی لیا گیا میرے نام
پر دونوں فریق رضامند اور متفق ہو گئے۔ حاکم نے ضابطہ کے اندر میرے نام سمن جاری کر دیا میں نے
بہت چاہا کہ کسی طرح یہ بلا سر سے ٹلے مگر سر آ ہی پڑی۔ تاریخ مقرر پر ایک پالکی گاڑی میں بیٹھکر
کچہری پہنچا میں کسی واقعہ کا گواہ نہ تھا صرف مسائل کی تحقیق کرنا تھی۔ مجھکو احاطہ کچہری میں دیکھکر تمام
بیرسٹر اور وکلاء جمع ہو گئے۔ دریافت کیا کہ آپ کہاں جس فریق کی طرف سے میں بلایا گیا تھا ان

کے وکیل صاحب بھی وہاں موجود تھے میں نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان حضرت کی
عنایت کا نتیجہ ہے ۔ واقعہ معلوم ہونے پر سب نے اس کی کوشش کی کہ میری شہادت نہ ہو ۔
سب نے ملکر ان وکیل کو مجبور کیا کہ ایک درخواست دو کہ ہم ان کی شہادت نہیں چاہتے ۔ طوعاً وکرہاً
درخواست دی گئی اور ساتھ ہی ساتھ حاکم سے یہ بھی کہدیا کہ وہ یہاں پر آ بھی گئے ہیں ۔ حاکم نے کہا کہ
ضابطہ میں تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اسلئے کہ درخواست تو گزر چکی ہے اب مستغیث کرنا واجب ہے ہم کو کوئی
حق ان کی شہادت لینے کا نہیں رہا بلکہ اگر وہ سمن پر بھی نہ آتے تب بھی میں ضابطہ کی کارروائی نہ کرتا ۔
مگر مشورۃً کہتا ہوں کہ اگر وہ اپنا بیان دیدیں تو دو مسلمانوں میں جھگڑا ہے شرعی مسئلہ ہے یہ معاملہ طے
ہو جائے گا بشرطیکہ وہ اس کو بخوشی منظور کر لیں میں اسی بیان کے مطابق حکم نافذ کر دوں گا اسکو ایک
صاحب نے مجھسے کہا کہ حاکم کا یہ خیال ہے اور اس طرح پر کہتا ہے مجھکو بھی خیال ہوا کہ جب انگریز ہو کر
اس کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کا معاملہ ہے میں تو بحمد اللہ مسلمان ہوں میرا تو فرض ہے کہ یہ معاملہ شریعت
کے مطابق طے ہو جائے ۔ میں نے عدالت میں بیان دینا منظور کر لیا ۔ اب حاکم کی تہذیب ملاحظہ ہو
حکم دیا کہ اور گواہوں کی طرح پکارا نہ جائے اور پیادہ اجلاس تک نہ آئیں سواری پر آئیں جہاں تک
ہماری سواری آتی ہے وہاں تک ان کی بھی سواری آئے غرضکہ میں سوار ہو کر اجلاس تک پہنچا ۔ پہنچنے
کے بعد مجھکو کٹہرہ کے اندر بلا لیا گیا ۔ حاکم نے اردلی کو حکم دیا کہ کرسی لاؤ مگر کرسی آنے میں دیر ہوئی ۔
میں دونوں ہاتھوں کی کہنیاں میز پر رکھ کر کھڑا ہو گیا ۔ بیان شروع ہوا ۔ بیان کے وقت یہ معلوم ہو رہا
تھا کہ یہ مدرسہ ہے اجلاس نہیں ہے اور ایک طالب علم سوال کر رہا ہے میں جواب دے رہا ہوں تمام
اجلاس کا کمرہ وکلاء اور بیرسٹروں سے پر ہو گیا پہلا یہ سوال ہوا کہ تمہارا نام کیا ہے باپ کا کیا نام ہے
اس کے بعد حاکم نے سوال کیا کہ آپ عالم ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اچھا سوال ہوا اب اگر
کہتا ہوں نہیں تو یہ ایشیائی مذاق کو کیا جانے کہے گا کہ سمن کی تعمیل غلط ہوئی کیونکہ سمن پر عالم لکھا ہے
اور اس کی نظر میں اپنی ایک قسم کی تحقیر اور اہانت بھی ہو گی ۔ کہیگا کہ پھر آنے کی آپ نے تکلیف ہی کیوں
گوارہ فرمائی جبکہ آپ عالم نہیں اس لئے کہ مسئلہ متعلق ہے اہل علم کے اور اگر کہتا ہوں کہ عالم ہوں تو
یہ اپنے مسلک اور مذاق کے خلاف ہے ۔ میں نے جواب میں کہا کہ مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں یہ لکھ لیا
گیا ۔ دوسرا سوال اس سے بڑھ کر ہوا کہ کیا مسلمان آپ کو مانتے ہیں اب اگر کہتا ہوں کہ نہیں تو ایک کافر
کے سامنے اپنی سبکی اور اہانت اسکو بھی جی گوارا نہ کرتا تھا بطور مزاح فرمایا کہ گو سبکی نہ تھی میری ہی
تھی ۔ دوسرے یہ خیال ہوا کہ مقدمہ پر اس کا برا اثر پڑے گا کسی نہ کسی فریق کے مخالف ہو گا اس کو
اس کہنے کی گنجائش ہو گی کہ وہ تو خود ہی کہتے ہیں مجھکو سب مسلمان نہیں مانتے لہذا ہم بھی نہیں مانتے
اور اگر کہتا ہوں کہ سب مسلمان مانتے ہیں تو کانپور میں آئے دن ہندو مسلمانوں میں جھگڑے فساد ہوتے

رہتے ہیں میرے اس اقرار کی بناء پر ایسے موقع پر کہا جاوے گا کہ مسلمانوں کا انتظام کرو اور میں ایک قسم کا ذمہ دار قرار دیا جاؤں گا۔ میں نے کہا کہ ماننے کے دو معنے ہیں ایک تصدیق کرنا یعنی سچا سمجھنا اور ایک تسلیم کرنا یعنی ماننا اور عمل کرنا سو تصدیق کے درجہ میں تو سب مسلمان مانتے ہیں کوئی مسلمان ہمارے بتلائے ہوئے مسئلہ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔ اس سے مقدمہ پر بھی اچھا اثر ہوا۔ اور تسلیم کے درجہ میں ہماری حکومت تو ہے نہیں محض اعتقاد ہے اس لئے کوئی مانتا ہے یعنی جس کو اعتقاد ہے کوئی نہیں مانتا یعنی جسکو اعتقاد نہیں۔ پھر نفس مسئلہ کے متعلق بیان ہوا۔ جب میں بیان دیکر اجلاس سے باہر آیا تو تمام بیرسٹر اور وکلاء جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ عجیب و غریب جواب ہوئے اور دوسرے سوال کے جواب میں تو ہم بھی چکر میں تھے واقعی یہ سوال خطرہ سے خالی نہ تھا مگر جواب بھی ایسا ہوا کہ ہماری سمجھ میں بھی نہ آیا تھا میں نے کہا کہ یہ سب عربی مدارس کی برکت ہے وہاں اس قسم کے احتمالات و شقوق نکالے جایا کرتے ہیں۔ یہ بات انگریزی تعلیم میں تھوڑا ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ عربی ہی تعلیم میں برکت ہے تجربہ سے معلوم ہوا کہ آدمی درسی کتابیں سمجھکر پڑھ لے پھر انکے بعد آگے کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی مگر آجکل طلباء عربی کتابیں بھی سمجھکر نہیں پڑھتے طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں اس وجہ سے ان میں بھی سمجھ نہیں پیدا ہوتی۔ یہ جو بزرگوں نے درسی کتابیں انتخاب کی ہیں ان میں سب کچھ ہے مگر سمجھکر پڑھ لینا شرط ہے

ملفوظ نمبر ۸۸ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں امراء سے تعلق کو منع نہیں کرتا تملق کو منع کرتا ہوں علماء کو خصوصیت کی ساتھ اس سے اجتناب کی ضرورت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ دین اور اہل دین کی تحقیر نہ ہو۔ نواب ڈھاکہ نے مجھکو دو مرتبہ بلایا۔ اور طلبی پر تو چلا گیا مگر آنے کے متعلق میں نے ایسے شرائط لکھے کہ جس سے تملق کا شبہ بھی نہ ہو اور تعلق معلوم ہو۔ اور دوسری طلبی پر عذر کر دیا لیکن چونکہ اس بار دوسرے علماء دیوبند کو بھی بلایا تھا۔ ان کا اصرار ہوا کہ میں بھی ساتھ چلوں چونکہ میں اب ان کے کہنے سے جا رہا تھا اس لئے میں نے ان سے کچھ شرطیں لگائیں چنانچہ منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ بھی لگائی تھی کہ میں اپنے کرایہ سے سفر کروں گا۔ یہ اس خیال سے کہ راستہ میں اگر کوئی الجھن پیش آئے تو واپس ہو سکوں کسی کا مقید اور پابند نہ ہوں۔ کلکتہ پہنچکر ایک صاحب اسٹیشن پہ ملے جن کو نواب صاحب نے استقبال کے لئے بھیجا تھا اور یہ وہ شخص تھے کہ جو مدرسہ دیوبند ایک مرتبہ میرا وعظ سن چکے تھے۔ میں نے اپنے بیان میں دنیا سے نفرت دلائی اور آخرت کی ترغیب دی تھی تو اس پر ان صاحب نے یہ کہا تھا کہ میں ایسے مدرسہ کی امداد کرنا نہیں چاہتا جس میں ترک دنیا کی تعلیم دیجاتی ہو۔ سو یہ صاحب نواب صاحب کی طرف سے مہمانداری کے انتظام کے لئے مقرر ہوئے۔ جب قیام گاہ پر پہنچ گئے اور لوگ بھی آ بیٹھے یہ صاحب آئے بعد سلام مصافحہ کے بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ آپکے آنے سے بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ نواب صاحب مایوس کر چکے

تھے اور فرماتے تھے کہ انھوں نے ایسی مشکل شرط لگائی کہ ہم اس کو پورا نہیں کر سکتے وہ یہ کہ ہمکو کچھ دیا نہ جائے۔ میں نے کہا کہ یہ شرط کونسی مشکل تھی یہ تو بہت آسان تھی نہ دیتے کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے محبوب کی خدمت نہ کی جاوے۔ میں نے کہا کہ کیا گھر ہی بلا کر دیا جا سکتا ہے اور بھی تو صورتیں اور ذریعے ہیں دینے کے مثلاً وطن میں پہنچا سکتے ہیں۔ اس پر کہا کہ معاف کیجئے پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے۔ کنواں پیاسے کے پاس نہیں جایا کرتا۔ میں نے کہا اللہ اللہ آپ کے نزدیک ہم پیاسے ہیں اور آپ کنوئیں ہیں۔ ہمارا اعتقاد تو اس کا عکس ہے اور دلیل کی ساتھ وہ دلیل یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے دنیا کی اور دین کی سو قدرتی نظام سے ایک چیز ہماری حاجت کی تمہارے پاس ہے یعنی دنیا اور ایک تمہاری حاجت کی ہمارے پاس ہے یعنی دین مگر اتنا فرق ہے جو چیز ہماری حاجت کی تمہارے پاس ہے یعنی دنیا وہ بحمد اللہ بقدر ضرورت ہمارے پاس بھی ہے۔ اور جو چیز تمہاری حاجت کی ہمارے پاس ہے یعنی دین وہ بقدر ضرورت بھی تمہارے پاس نہیں اسلئے ہم تو ساری عمر تمہارے دروازوں سے مستغنی رہ سکتے ہیں اور تم ایک منٹ بھی ہمارے دروازہ سے مستغنی نہیں تم کو ہماری ہر وقت ضرورت ہے احتیاج ہے اب بتلاؤ کہ پیاسے کون ہیں اور کنواں کون ہے۔ بس کچھ نہیں بولے۔ لیکن ساتھ ہی اس کی ناگواری بھی ان کو نہیں ہوئی اس کی میں ضرور تعریف کروں گا اور یہ بھی دین کا قلب میں اثر ہونے کی علامت ہے۔ مجھکو یہ بیہودہ گفتگو اس قدر ناگوار ہوئی کہ میں وہیں سے وطن واپس ہو گیا۔ نواب صاحب کو اطلاع ہوئی۔ ان کا تار آیا کہ اگر آپ نہ آئے مجھکو بہت رنج ہو گا۔ مگر میں نے اس کا جواب الٰہ آباد پہنچکر دیا نگران صاحب کا دماغ درست ہو گیا۔ یہ لوگ کبر کے پتلے ہیں اپنے سامنے کسی کو سمجھتے ہی نہیں اسلئے میں اہل علم کا امرا کے دروازوں پر جانا اور ان سے تملق پیدا کرنا پسند نہیں کرتا۔ ایک شخص کہنے لگے کہ بدون امرا سے تعلق رکھے مدارس وغیرہ کا کام نہیں چلتا۔ میں نے کہا کہ انا عند ظن عبدی بی چونکہ تمہارا یہی خیال ہے تمہارا کام نہ چلتا ہو گا اگر اہل علم استغنا اختیار کر لیں تو تمام امرا ان کے دروازوں پر آنا شروع ہو جائیں خصوص اہل مدارس کو میں چندہ کرنے سے منع نہیں کرتا لیکن اس میں دو چیزیں ضروری قابل التزام ہیں ایک تو یہ کہ چندہ کا خطاب عام ہو کسی خاص سے تحریک نہ کی جاوے دوسرے یہ کہ صرف غرباء سے تحریک کی جاوے اور غرباء سے مراد مفلس نہیں بلکہ مخلص امرا بھی ان میں داخل ہیں۔ امرا میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں اہل دنیا بھی اور اہل دین بھی سو یہ مسکنت مال کی نہیں بلکہ وہ مسکنت تواضع اور خلوص کی ہے اور ایک مسکنت ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ کا مصداق ہے یہ مسکنت عتاب ہے جو یہودیوں کے واسطے اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے اسی طرح فقر دو طرح کا ہے۔ ایک فقر اختیاری جس کی حقیقت زہد ہے وہ مقبولین میں ہوتا ہے اور ایک فقر اضطراری۔ یہ عذاب ہے

کہ ابواب رزق بند کر دیئے جاویں یہ محمد دلین میں ہوتا ہے۔ اب اس پر شبہ نہیں ہو سکتا کہ کبھی اللہ والوں پر بھی فقر و فاقہ ہوتا ہے کیونکہ وہ فقر اختیاری ہے اور کبھی اس میں خاص حکمت ہوتی ہے جیسے لیلیٰ نے سب کو تو بھیک دی اور مجنوں کا کاسہ لیکر بھی توڑ دیا کیا اس کو عذاب اور غضب کہا جا سکتا ہے اور اس کا تعلق عشق سے ہے۔ دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ اور عشق وہ چیز ہے کہ آدمی کو تو اس میں لذت کیسے نہ ہوتی وہ تو جانوروں تک کو شیدا بنا دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے اور یہ بخاری کی حدیث ہے کہ حجۃ الوداع میں جس وقت حضورؐ اونٹ قربان کئے تو ہر اونٹ دوسرے اونٹ سے آگے بڑھتا تھا کہ حضور پہلے مجھکو ذبح کریں ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف　　　　با مید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

جن لوگوں کو اللہ سے محبت اور عشق نہیں جس کی علامت یہ ہے کہ اتباع سے بھاگتے ہیں وہ ان اونٹ جانوروں سے بھی کم درجہ میں ہیں۔

(ملفوظ ۸۸۵) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل کے علماء اور مشائخ نے عوام کے اخلاق خراب اور برباد کئے یہ بیفکری لوگوں میں اسی وجہ سے ہے کہ کوئی روک ٹوک نہیں کرتا اور گو بدفہمی کا علاج تو کوئی نہیں کر سکتا اس لئے کہ غیر اختیاری ہے مگر بیفکری کا علاج تو ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ اختیاری ہے سو اس پر بھی کوئی توجہ نہیں کرتا۔

(ملفوظ ۸۸۶) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس راہ میں قدم رکھنا اور پھر خلاف طبع کا برداشت نہ کرنا عجیب ہے کوئی شخص ایک مردار کنیا بازاری عورت سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے وہ کیا کچھ ناز دکھلاتی ہے اور کیسی کیسی تکلیفیں دیتی ہے مگر سب کو سہتا ہے برداشت کرتا ہے۔ مجنوں ہی کو دیکھ لیا جائے جس کے قصے گلی کوچوں میں پڑھتے پھرتے ہیں تو کیا حق تعالیٰ کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہو گئی ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　　　گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

اور جب برداشت نہیں تو کہا تھا کس نے کہ تو اس راہ میں قدم رکھ دعویٰ ہی کیوں کیا تھا۔ اسکو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق　　　　تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

اور فرماتے ہیں ؎

در بہر زخمے تو پُر کینہ شوی　　　　پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

(ملفوظ ۸۸۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ والوں کی شان ہی جدا ہوتی ہے وہ اہل دنیا سے نفرت تو نہیں کرتے مگر اعراض ضرور رکھتے ہیں ان کو دوسری طرف کی مشغولی ہی سے کب فرصت ملتی ہے

وہ تو ایک کے سوا دوسرے کسی کام کے نہیں رہتے۔ حضرت مرزا مظہر جانان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص ایک ہزار روپیہ لیکر آیا آپ نے فرمایا کہ آجکل میرے پاس وسعت ہے مجھکو حاجت نہیں عرض کیا کہ حضرت کہیں کسی مصرف خیر میں خرچ کر دیں فرمایا کہ میں تمہارا نوکر نہیں ہوں منیجر نہیں ہوں خزانچی نہیں ہوں۔ تو اہلِ دنیا سے اتنے تعلق کو بھی پسند نہیں کیا اس شخص کا صاحب دنیا ہونا آپکو وجداناً معلوم ہو گیا ہوگا تو اصل وجہ اس انکار کی غالباً یہی ہوگی کہ ان حضرات کو اکثر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شخص میں خلوص ہے یا نہیں۔ یہ کام خلوص سے کر رہا ہے یا فخر کی راہ سے۔ ان حضرات کا دماغ تو بادشاہوں سے بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ نیز طبعاً بھی صاحب کمال میں استغنا ہوتا ہے۔ تیمور لنگ کا قصہ ہے کہ علامہ تفتازانی جب اول اسکے دربار میں آئے تو بادشاہ کی برابر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئے تیمور بوجہ لنگ کے اسی طرح بیٹھا کرتا تھا۔ تیمور کو ناگوار ہوا مگر ادب سے کہا معذورم دارم کہ لنگ ست علامہ تفتازانی نے بیساختہ کہا کہ معذورم دار مرا لنگ ست۔ ابوالفضل اور فیضی وغیرہ شاہی دربار میں کسی اور دوسرے اہلِ کمال کو نہیں آنے دیتے تھے۔ ایک روز خاقانی جو نووارد تھا بوسیدہ لباس پہنے خستہ حالت میں فیضی کو سڑک پر نظر آیا۔ جس وقت سواری خاقانی کے سامنے آئی اٹھکر سلام کیا اور گاڑی کے روک لینے کا اشارہ کیا اور مسافر سمجھکر دریافت کیا کہ کون کہا کہ شاعرستم پوچھا شاعر کدام باشد کہا ہر کہ شعر گوید پوچھا شعر کرا می گوید۔ خاقانی کہتے ہیں ؎

رفتم در بازار خریدم یک گنا   قل اعوذ برب لنا ملک لنا الٰہ النا

فیضی نے یہ سمجھا کہ یہ کوئی مسخرہ ہے۔ دربار میں نقل مجلس ہوگا دربار میں حاضر کیا اس حالت کو دیکھ کر کسی نے ان کی طرف التفات بھی نہ کیا۔ خاقانی زمین پر بیٹھ گئے اور سب اپنے اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے تھے۔ خاقانی نے بے تکلف بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا ؎

گر فرو تر نشست خاقانی!   نے مرا ننگ و نے ترا ادب ست

قل ہو اللہ کہ وصفِ خالق ماست   زیر تبت یدا ابی لہب است

مثال عجیب دی۔ جو مسخرہ سمجھے گئے تھے زرد پڑ گئے بادشاہ نے خاقانی کا بڑا احترام کیا۔ اسی وقت حمام بھیجکر غسل دلوا کر جوڑا بدلوایا اور دربار میں جگہ دی۔ یہ نشہ کمال ہی کا تھا اور اگر کمال کی ساتھ دولت باطنی ہو پھر تو کیا کہنا۔

حضرت جنیدؒ کا واقعہ ہے کہ کسی معاملہ میں بادشاہ وقت سے گفتگو ہو رہی تھی۔ بادشاہ کی گفتگو میں کچھ تیزی آگئی تو حضرت شبلیؒ جو کہ حضرت جنید کی ساتھ تھے قالین پر جو شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی نظر کرتے تھے تو وہ سچ مچ کا شیر بن جاتا تھا بادشاہ کی جو نظر پڑی کانپنے لگا۔ حضرت جنید نے بادشاہ سے فرمایا کہ آپ گھبرائیں نہیں آپکو ہم لوگوں میں تصرف کرنے کا حق ہے اور شبلی بچے ہیں رہے تکلف جو چاہے کہئے

آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گا کیونکہ حضرت جنید اس کو اپنی نظر سے مٹا دیتے تھے۔ ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ ایک بادشاہ سے ترش روئی کی ساتھ ان کی گفتگو ہوئی۔ بادشاہ نے برہم ہو کر کہا کہ کوئی ہے ان بزرگ نے بھی غصہ ہو کر کہا کہ کوئی ہے تو کمرہ کے ایک گوشہ سے ایک نہایت زبردست شیر ببر نکل کر آیا۔ بادشاہ تو اٹھکر بھاگا ہی مگر یہ بزرگ بھی بھاگے ان کو خبر نہ تھی کہ میرے کہنے سے ایسا ہو جاویگا۔

(ملفوظ ۸۸۸) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ کم عقل بدفہم لوگ جو بے پردگی کے حامی ہیں ان کو اس کے نتائج پر نظر نہیں۔ یورپ میں اسی بے پردگی کی بدولت عورتیں اس قدر خراب اور برباد ہو رہی ہیں کہ مرد عاجز اور پریشان ہیں کچھ نہیں کر سکتے۔

٢٥ جمادی الاولی ١٣٥١ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

(ملفوظ ۸۸۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مسلمانوں میں علم دین کی کمی ہے حدود سے آگے بڑھ جاتے ہیں ورنہ ان میں رواداری کی ایسی عمدہ صفت ہے جو دوسری غیر مسلم قوموں میں اس کا نام و نشان بھی نہیں۔ اسی کو آج گاندھی چیخ رہا ہے۔ اسلام کی پہلی تعلیم ہے۔ تجربوں کے بعد اسلامی ہی تعلیم میں سب کو فلاح اور بہبود نظر آ رہا ہے اور یہ مسلمان ہیں کہ دوسروں کے دروازوں پر گداگری کرتے پھرتے ہیں یہ سب علم نہ ہونے کی بدولت بڑا افسوس ہے مسلمانوں کی حالت پر۔

(ملفوظ ۸۹۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا ایک شخص اس دھوکہ میں مبتلا تھے کہ فلاں طاغوت توحید کا تو قائل ہے ہی اور رسالت کے متعلق میری اس سے گفتگو ہوئی تو اس نے یہ کہا کہ میں جانتا ہوں محمد رسول اللہ اللہ کے رسول تھے۔ میں نے کہا کہ ایک تو جاننا ہے اور ایک ہے ماننا۔ نرے جاننے سے کیا ہوتا ہے ماننے سے ہوتا ہے۔ یہ جاننا ایسا ہے جیسے قیصر جرمن یہ جانتا ہے کہ جارج پنجم بادشاہ ہے اور پھر جارج پنجم سے لڑا تو کیا یہ جاننا کافی ہو گیا۔ جارج پنجم کے دل سے پوچھے کوئی کہ قیصر کیسا ہے اور قیصر کے دل سے کوئی پوچھے کہ جارج پنجم کیسا ہے معلوم ہو جائے گا اس سے کیا ہوتا ہے اور دیکھیں ثم کیا کہتے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم کہ یہ تمکو پہچانتے ہیں مگر کیا وہ پہچاننا کافی ہو گیا تھا تو گاندھی کا جاننا بھی ایسا ہی ہے آخر جب وہ توحید کا بھی قائل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا

رسول جانتا ہے تو اعلان اسلام کے قبول کا کیوں نہیں کر دیتا۔ نماز کیوں نہیں پڑھتا۔ حج کیوں نہیں کرتا زکوٰۃ کیوں نہیں دیتا قربانی گاؤ کیوں نہیں کرتا رمضان شریف کے روزے کیوں نہیں رکھتا کیا خرافات ہے جب ان صاحب کی سمجھ میں آیا۔ ایسے لوگوں میں عناد تو ہے نہیں۔ نا واقفی ہے۔ صحبت نہیں کسی کی علم اتنا نہیں۔

(ملفوظ ۸۹۱) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحب نے نواب صدیق حسن خاں صاحب کے مقابلہ میں جو مباحث لکھے ہیں بہت اچھے لکھے ہیں ان کی نظر بہت وسیع تھی نقل بہت کرتے ہیں اور آجکل کو رمغزوں کے لئے نقل ہی کی زیادہ ضرورت ہے درایت کا آجکل زمانہ نہیں ہاں جس درایت کی قدر ہے وہ درایت جو ملحدانہ معتزلانہ ہو اس لئے کہ زمانہ بدفہمی کا ہے۔

(ملفوظ ۸۹۲) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں ہمیشہ یہ چاہا کرتا ہوں کہ میری اصلی حالت آنیوالوں کو معلوم ہو جائے۔ میں خفگی کے موقع پر خفگی کرتا ہوں۔ نرمی کے موقع پر نرمی کرتا ہوں۔ مزاح کا وقت ہو مزاح کرتا ہوں۔ نفلیں کبھی بیٹھکر پڑھتا ہوں کبھی کھڑے ہو کر۔ نماز کبھی عمامہ باندھکر پڑھتا ہوں کبھی بلا عمامہ۔ غرض یہ چاہتا ہوں کہ میری سب حالت معلوم ہو جائے دھوکا نہ ہو کسی کی وجہ سے کسی حالت کا اخفا نہیں کرتا خواہ کوئی معتقد رہے یا نہ رہے۔ مجھکو اس تلبیس و تصنع سے طبعی نفرت ہے۔ کون مخلوق پرستی کرے۔ مسلمان کا ہر کام ہر بات اللہ کے واسطے ہونا چاہئے۔

(ملفوظ ۸۹۳) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک اس بات سے مجھکو سخت نفرت ہے کہ لوگوں کو گھیر گھیر کر لایا جائے انکو ترغیب دیکر کرامتیں اور فضائل بیان کر کر کے معتقد بنایا جائے مجھکو تو ایسی باتوں سے غیرت آتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ طالب مطلوب اور مطلوب طالب بنجاتا ہے بازاری عورتوں کا سا پیشہ کہ جیسے وہاں نائکا جیتی رہتی ہیں وہ لوگوں کو پھنساتی رہتی ہیں اور خود وہ بھی شب و روز بناؤ سنگار میں رہتی ہے تاکہ لوگ پھنسیں۔ بس یہی حالت آجکل بعض مشائخ کے یہاں ہو رہی ہے مجھکو تو بحمداللہ اس سے طبعی نفرت ہے میری تو کھلی ہوئی حالت ہے اگر کسی کو پسند ہو آؤ میرے پاس آکر اللہ کا نام معلوم کر لو اور اگر پسند نہ ہو تو کہیں اور جاؤ۔ نہ میں کسیکی وجہ سے اپنا طرز اور مسلک بدل سکتا ہوں نہ مروجہ اخلاق اختیار کر سکتا ہوں۔ نہ غلامی اور چاپلوسی مجھسے کسی کی ہو سکتی ہے۔ ہاں خدمت کو تیار ہوں۔ خادم ہوں مگر شرط یہ ہے کہ سلیقہ اور طریقہ سے خدمت لی جائے۔ بے طریقہ اور بے ڈھنگے پن سے مجھسے نہ کوئی خدمت لے سکتا ہے نہ میں خدمت کر سکتا ہوں۔ صاف صاف جو بات ہے ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں۔ خود بات صاف کرتا ہوں۔ دوسروں سے بھی ایسی ہی صاف بات چاہتا ہوں۔ پھر چاہے کوئی میرے پاس آئے خواہ نہ آئے۔

(ملفوظ ۸۹۴) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی ہے۔ اور اس میں ایک طاغوت کی مدح بھی لکھی ہے وہ کتاب میرے پاس بھیجی میں نے واپس کر دی اور یہ لکھدیا کہ میں ایسی کتاب کو کہ جس میں روح سیرت یعنی نبوت کے مکذب کی مدح ہو اپنی ملک میں رکھنا نہیں چاہتا انھوں نے غلطی کا اقرار کیا جزاھم اللہ تعالیٰ۔

(ملفوظ ۸۹۵) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھکو یہ بھی گراں ہے کہ کسی مخلص کی ساتھ ایسا برتاؤ تعظیم کا کیا جاوے کہ اس کو گرانی ہو اس لئے بھی میں دوستوں سے ایسا برتاؤ نہیں کرتا جو انکی گرانی کا سبب ہو مثلاً ایک مولوی صاحب ایک بزرگ سے بیعت ہیں۔ ایک بار پیر نے مرید کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھدیں دیکھئے ان کو کسقدر تکلیف ہوئی ہوگی۔ انکی تو کسر نفسی ٹھہری اور ان بیچاروں کو تکلیف ہوئی گرانی ہوئی۔ میں اعتراض نہیں کرتا بلکہ آگاہ کرتا ہوں اس لئے کبھی غلبۂ حال تواضع میں کسی کی گرانی کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ میرا اس کہنے سے مطلب یہ ہے کہ ایسی باتوں سے دوسرے پر گرانی ہوتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے ایسی باتوں کے خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔

(ملفوظ ۸۹۶) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عادت کو بھی تاثرات میں بڑا دخل ہے عادت کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ عادت کے خلاف پر انسان کو ایک غیر معمولی تکلیف کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اسکو ایک مثال سے سمجھ لیجئے میں اس وقت ململ کا کرتہ پہن رہا ہوں اگر کوئی کہے کہ گاڑھے کا کرتہ پہن لو تو مجھسے نہیں پہنا جائے گا۔ یوں تو خدا کی نعمت ہے اور خدانخواستہ کوئی کبر بھی نہیں مگر عادت جو نہیں اس سے تعب ہوتا ہے۔ ہاں مصلح کے ہاتھ میں ہاتھ دیدینے کے بعد پھر اپنی رائے کو اپنی عادت کو بالکل دخل نہ دینا چاہئے اگر وہ ڈھاکہ پہنائے پہنو چکن پہنائے وہ پہنو ململ پہنائے وہ پہنو گاڑھا پہنائے وہ پہنو ٹاٹ پہنائے وہ پہنو جنون کہ خداوندی کی کوئی وردی نہیں۔ ایک مرتبہ میں نے نین سکھ پہنلیا بس معلوم ہوا کہ نین سکھ نین سکھ ہی ہے (یعنی آنکھ سکھ چین یعنی دیدہ اپنی آنکھوں کی چین) بدن سکھ نہیں تمام بدن میں آگ لگ گئی اس کا عادت سے تعلق ہے۔ ایک مرتبہ میرے پاؤں میں ایک پھانس لگ گئی تھی جو دیکھنے میں بھی نہ آتی تھی اس سے کئی روز بے چین رہا اور ایک شخص ننگے پیروں پھرتا ہے بڑے بڑے کانٹے چبھ جاتے ہیں وہ پروا بھی نہیں کرتا اسی طرح کسی کو تو ذرا سی بدتمیزی کی بھی برداشت نہیں ہوتی بعض کو بڑے بڑے واقعات پر بھی احساس نہیں ہوتا یہ سب عادت پر موقوف ہے۔

(ملفوظ ۸۹۷) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آجکل مساوات کا بڑا زور ہے نہ اس کے حدود ہیں نہ اصول نہ قواعد۔ مساوات مطلوبہ یا محمودہ کی حقیقت سے بیخبر ہیں اس لئے فطری اور قدرتی چیزوں میں بھی دخل دینا شروع کر دیا کیونکہ بعض تفاوت تو فطری چیز ہے بڑا ہی پرفتن زمانہ ہے۔

مساوات مذکورہ جو ہے وہ حقوق اور معاملات میں ہے نہ فضائل میں ہے نہ طبائع میں نہ احکام میں نہ امور فطریہ میں۔ ان میں سے کسی میں بھی مساوات نہیں۔ یہ لوگ بے سمجھے آنہیں۔ حد شیں بگھارتے پھرتے ہیں۔ دیکھئے خود حضرات انبیاء علیہم السلام میں بھی جو کہ حقائق کے ہادی ہیں ان میں مساوات نہیں فرماتے ہیں تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض تو جنھوں نے مساوات سکھلائی ہے خود ان میں وہ مساوات نہیں جسکو یہ لوگ گاتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص خوبصورت ہے ایک بدصورت ایک شکیل ہے ایک بد شکل ایک حسین ہے ایک قبیح جمیل ہے ایک غیر جمیل ایک قوی ہے ایک ضعیف ایک کالا ہے ایک گورا۔ ایک کو طبعی تحمل ہے ایک کو تحمل نہیں۔ آخر ایسی مساوات کہاں تک ثابت کرو گے اگر کالے آدمیوں نے کمیٹی کر کے رزولیوشن پاس کیا کہ ہم کالے کیوں ہیں اور تم گورے کیوں ہو ہمکو بھی حق مساوات ہونا چاہئے تو کیا جواب ہوگا جو جواب تم دو گے وہی ہماری طرف سے سمجھ لیا جاوے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا کھانا لکڑی میں نہیں پکتا تھا اس میں دھوئیں کا اثر محسوس ہوتا تھا کوئلے کے انگاروں میں پکتا تھا۔ اب یہ خواص طبعی ہیں اس میں کسی کا کیا دخل ہو سکتا ہے۔

(ملفوظ نمبر ۸۹۸) ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میاں میں تو جیسا ہوں بدل نہیں سکتا اگر پسند ہوں کام لو۔ نہیں پسند تو گھر بیٹھو یا اور کہیں جاؤ۔ مشائخ بہت ہیں۔ اور وہ شیخ ہیں۔ میں میخ ہوں۔ اور جگہ برکت ہے یہاں حرکت ہے۔ یہاں پر تو گھن کی چوٹ پڑتی ہے جب خمدار سیدھا ہوتا ہے۔ میں کسی کو ترغیب دینے تو نہیں جاتا نہ بلاتا ہوں بلکہ اور بھگاتا ہوں کہ بدفہموں سے پیچھا چھوٹے اور نجات ملے تم تو کتنے ہو گئے کہ کس قصائی سے پالا پڑا! اور میں کہتا ہوں کہ کن بیلوں سے پالا پڑا بس اس وقت یہاں سے جاؤ بعد ظہر مجلس میں آ کر بیٹھنا۔

(ملفوظ نمبر ۸۹۹) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ معاملات میں تو سوء ظن چاہئے اور اعتقاد میں حسن ظن۔ اور معاملات میں سوء ظن سے مراد یہ ہے کہ جسکا تجربہ نہ ہو چکا ہو اس کو لین دین نہ کرے روپیہ نہ دے تو اس معنے کر معاملات میں سوء ظن رکھے۔ باقی اعتقاد میں سب سے حسن ظن رکھے کسی کو برا نہ سمجھے یہ دونوں ایک وقت میں اس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔

(ملفوظ نمبر ۹۰۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی نہایت ہی حسن صورت، حسن سیرت حسن اخلاق کے جامع تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ نواب زادے ہیں ان کے خواص سے معلوم ہوا کہ شب کی عبادت میں روتے تھے۔ دن کو امیر۔ رات کو فقیر۔ کثرت کام کی وجہ سے دماغ ماؤف ہو کر مرگی کا مرض ہو گیا تھا۔ تھوڑی سی عمر میں بڑا کام کیا یہ سب تائید غیبی ہوتی ہے ورنہ انسان کا وجود ہی کیا ہے۔

(ملفوظ ۹۰۱) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ غیر مقلدوں کی اسی بات کو لئے پھرتے ہیں اس میں تو گنجائش بھی ہے۔ ان میں تو بہت سے لوگ چار نکاح سے زائد کو جائز کہتے ہیں ایسے لوگ غیر مقلدین کیا بدعتی ہوئے جس طرح بہت سے فرقے بدعتیوں کے ہیں منجملہ ان کے ایک فرقہ بدعتی یہ بھی ہے۔ ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے دادا کی بیوی سے نکاح کو جائز لکھدیا۔ خیر اب تو رجوع کر لیا ہے۔ ان بزرگ پر خود غیر مقلدوں نے کفر کا فتویٰ دیا ہے یہ بھی عجیب فرقہ ہے ان میں اکثر بے باک گستاخ دلیر ہوتے ہیں ذرہ خوف آخرت نہیں ہوتا جو جی میں آتا ہے جسکو چاہتے ہیں کہدیتے ہیں۔ شیعوں کی طرح ایسوں کا بھی تبرائی مذہب ہے۔

(ملفوظ ۹۰۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی اس قسم کی حرکت کرتا کہ لنگوٹی باندھ لیتا اور تیسرے درجہ میں سفر کرتا تو اس پر دناءت اور خست کا الزام لگاتے اب فلاں ہندو نے کیا تو وہ تواضع میں شمار کیا جاتا ہے۔ تواضع کی بھی کیا درگت بنی ہے۔ جہالت کا بھی کوئی مول نہیں عرف میں علم کا زمانہ ہے حقیقت میں جہل کی کثرت ہے۔ ایسا علم بھی جہل ہی ہے جس سے انسان کو اپنے خالق اور مالک سے بعد ہو جائے تواضع کی کیسی تحریف ہے۔

(ملفوظ ۹۰۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل بہت سے مسلمانوں کو توکل کا سبق یاد ہے کہ ہو رہیگا جو کچھ ہونا ہوگا۔ تدبیر نہ کرنا مریض کی دوا نہ کرنا ان کے نزدیک توکل ہے آدمی تدبیر کرے دوا کرے اور پھر خدا پر بھروسہ رکھے یہ ہے اصل توکل۔ باقی یہ صورت مروجہ توکل کی سو یہ توایک درجہ کی گستاخی ہے کہ خدا تعالیٰ امتحان لیتے ہیں کہ دیکھیں بلا اسباب بھی کچھ کریں گے یا نہیں۔ یہ توکل کہاں ہوا۔

(ملفوظ ۹۰۴) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جب تک ہم کلمہ پڑھتے ہیں تمام غیر مسلم ہمارے دشمن ہیں۔ اس میں کالے گوروں کی کچھ قید نہیں۔ مسلمانوں میں بڑے بڑے خوشامدی ہیں وہ انکو بھی اپنا دوست نہیں سمجھتے۔ سو بعض تحریکات سے ہمارا علیحدہ رہنا اس وجہ سے نہیں کہ وہ ہمکو اپنا دوست سمجھیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ بلا ضرورت اور بدون قوت کے خطر میں نہیں پڑنا چاہئے تو یہ علیحدگی انگریزوں کے ساتھ دوستی نہیں بلکہ اپنے ساتھ دوستی ہے مگر آجکل لوگ اپنے ساتھ دشمنی کرنے کو انگریزوں کی ساتھ دشمنی سمجھتے ہیں۔ ایک انگریز کلکٹر کا خط آیا اس میں اسی علیحدگی پر شکریہ لکھا تھا۔ میں نے جواب میں لکھا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنے بھائیوں کے واسطے کیا ہے اپنا مذہبی فرض سمجھکر ادا کیا ہے گورنمنٹ پر کوئی احسان نہیں اس لئے میں آپ کے شکریہ کا مستحق نہیں لیکن اگر اس پر بھی آپ شکریہ ادا کرتے ہیں تو میں آپ کے شکریہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ایک مرتبہ شملے سے ہوم ممبر کا خط آیا اسی میں اسی قسم کا مضمون تھا۔ میں نے جواب ہی نہیں دیا۔۔۔

مگر معترضین کی عجیب حالت ہے کہ باوجود اس قدر اعراض اور خشک برتاؤ کے ہمکو حامی موالات کہا جاتا ہے اور خود شب و روز ان میں گھسے رہتے ہیں۔ صورت۔ سیرت۔ لباس۔ رفتار گفتار سب ان کی سی اور پھر تارک موالات عجیب بات ہے۔ علیگڈھ میں کلکٹر نے مجھ سے ملنا چاہا میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں آپ سے ملنا اپنی مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں یہ جواب سنکر بہت شرمندہ ہوا اور کہا کہ واقعی میری غلطی تھی۔

۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

(ملفوظ ۹۰۵) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بے پردگی کے بہت بُرے نتائج ہو رہے ہیں اور یہ کم عقل اور بدفہم لوگ اس وقت سمجھیں گے جب بات ہاتھوں سے نکل جائے گی اس وقت تو دماغ کو چڑھ رہی ہے۔ بدحواس ہو رہے ہیں کچھ خبر نہیں مگر یہ فتنہ بہت ہی قریب اثر جانیوالا ہے۔ یورپ کا تو اثر گیا اور ان کا تو دیر میں بھی اترا ان کا بہت جلد اتر جائے گا اسلئے کہ ان کا تمام جوش کے ماتحت ہوتا ہے وہ چاہے دین کا کام ہو یا دنیا کا اور جوش کی عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے۔ میں نے تو اس کے متعلق اپنے ایک بیان میں نہایت بسط کے ساتھ تقریر کی ہے اور اس میں ایک لطیف نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں المال والبنون زینۃ الحیوٰۃ الدنیا اور یوں نہیں فرمایا کہ المال والبنات اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز عام منظر پر لانے کی نہیں ہوتی وہ حیوٰۃ دنیا کی زینت نہیں کیونکہ زینت کے لئے تو ظہور ضروری ہے اس لئے بنون فرمایا کہ یہ ہے حیوٰۃ دنیا کی زینت اور یہ مضمون غالباً البلاغ کا جو سلسلہ ہے اس میں دس وعظ ہیں اس میں کسی وعظ میں ہے اچھی طرح پختہ یاد نہیں۔

(ملفوظ ۹۰۶) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھکو آجکل کے مناظرہ مروجہ سے جو نفرت ہے علاوہ فساد نیت کے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اصول اور قواعد کے ماتحت گفتگو نہیں ہوتی اور اس کی وجہ فن سے عدم واقفیت و عدم مہارت ہے۔ آجکل کے مناظرہ کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں جو مولانا عبدالحی صاحب نے فرمایا ہے جب ان کا مناظرہ نواب صدیق حسن خاں صاحب سے ہوا تو ایک شخص نے مولوی صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب آپ کی شان کے خلاف ہے ایسی باتوں میں پڑنا۔

فرمایا کہ تم شطرنج کھیلتے ہو۔ عرض کیا کہ جی ہاں کہا کہ یہ ہماری شطرنج ہے جیسے تم بہت سے بیہودہ کام کرتے ہو ہم بھی ایک کام کر لیتے ہیں اگر ہم شطرنج لیکر بیٹھیں تو بدنامی کی بات ہے۔ حاصل یہ کہ یہ طالب علموں کی شطرنج ہے دل بہلانے کا مشغلہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کو دل سے پسند نہ فرماتے تھے۔ یہی میرا مسلک ہے کہ میں اسکو پسند نہیں کرتا۔ سوائے قیل و قال اور وقت کے خراب ہونے کے نتیجہ کچھ نہیں۔ اظہار حق کی نیت تو کسی کی بھی نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ۔ بس یہ نیت ہوتی ہے کہ ہیٹی نہ ہو سبکی نہ ہو صرف ہٹ دھرمی سخن پروری ہوتی ہے۔

(ملفوظ ۹۰۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جس وقت کوئی بات پیش آتی ہے یا کوئی سوال کرتا ہے عین وقت پر اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں اور مناسب جواب قلب میں القاء فرما دیتے ہیں۔ ایک خط میں عربی عبارت میں سوال آیا کہ آجکل ترکوں سے جنگ ہے مسلمانوں کو کس کا ساتھ دینا چاہیئے۔ بظاہر اس استفتے کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی عالم سائل ہیں اور تھا واقع میں ایک سی۔ آئی۔ ڈی کے افسر کا میں نے جواب میں لکھدیا۔ لا لھم ولا علیھم ایک شخص سے وہ افسر ملا تھا کہتا تھا کہ ہم نے عربی میں ایک سوال کیا تھا تاکہ سائل کو طالب علم سمجھکر بے تکلف جواب دیدے مگر ایسا جواب دیا کہ ہم کچھ بازپرس نہیں کر سکتے اور یہ بھی کہا کہ یہ شخص قبضہ میں نہیں آتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جواب ہر سوال کا ہوتا ہے مگر جو اہل غرض چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا مجھکو سوال دیکھکر ہی کھٹک ہو گئی تھی یہ بھی تائید غیبی ہے

(ملفوظ ۹۰۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حقائق نہ جاننے کی وجہ سے عالم پریشان ہے۔ بدون حقائق کی واقفیت کے بڑی ہی پریشانی ہوتی ہے اللہ کا شکر ہے کہ بقدر ضرورت ہر چیز موقع کی قلب میں پیدا فرما دیتے ہیں ضرورت کے وقت کوئی پریشانی یا الجھن نہیں ہوتی۔

(ملفوظ ۹۰۹) ایک شخص نووارد حاضر ہوئے خود تو خاموش رہے لیکن حضرت والا کے دریافت فرمانے پر بھی اپنا تعارف نہ کرایا اس پر حضرت والا نے تنبیہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ کیا ہو گیا تم لوگوں کو۔ اذیت پہنچانا کیوں اپنا شعار بنا لیا مجھکو تمہاری ان بدفہمیوں کی بدولت بدنام ہونا بھی پڑا۔ مگر تم کو ذرہ برابر احساس نہیں میں اگر صبر کروں اور کر سکتا ہوں اسلئے کہ صبر اختیاری ہے تو تمہاری اصلاح کیسے ہو اور اگر صبر نہیں کرتا تو بدنام ہوتا ہوں تمہاری حرکتوں کو کوئی نہیں دیکھتا۔ خاموش بیٹھے ہو گردن جھکائے تمکو لوگ مظلوم سمجھتے ہیں میں بول رہا ہوں مجھکو ظالم سمجھتے ہیں۔ ارے بھائی کچھ تو جواب دو۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی معاف فرمایئے فرمایا کہ معافی تو بعد میں ہو گی اور خدانخواستہ میں کوئی انتقام تھوڑا ہی لے رہا ہوں جو معافی چاہتے ہو۔ معاف کو معاف ہی ہے مگر یہ چپ شاہ جو بن کر آئے ہو ساری بزرگی یہیں کے واسطے جمع کر کے لائے ہو۔ تمہارے دل میں جو ایک بے اصول خیال ہے کہ نہ بولنا ادب ہے یہ یہاں پر نہیں چلے گا کہیں اور جا کر یہ بزرگی بگھارنا یہاں پر تو بولنے سے اور کام کرنے سے کام چلے گا پہلے

انسانیت سیکھو آدمی بنو تب بعد میں بزرگی اور ولایت کی تلاش کرنا۔ اچھا جاؤ چلو اٹھو یہاں سے آتے ہی قلب کو مکدر کر دیا کیا خاک نفع ہوگا اگر جی چاہے تو کل بعد نماز ظہر کے مجلس میں بیٹھنا وہ شخص اٹھکر چلے گئے فرمایا کہ آدمی تو سیدھے معلوم ہوتے ہیں طبیعت میں سلامتی معلوم ہوتی ہے کوئی تاویل وغیرہ بھی نہیں اور بدفہم بھی نہیں معلوم ہوتے لیکن بے فکری کا مرض ضرور ہے لیکن فکر اسی طرح پیدا ہوگی۔

(ملفوظ ۹۱۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بہ حقیقت سے بے خبری بھی بری چیز ہے ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ اچھے کھانے اور اچھے کپڑے کے پیچھے پڑنا بھی واہیات ہے زہد کے خلاف ہے میں نے کہا اور اچھی بیوی کی تلاش یہ خلاف زہد نہیں اب گم ہو گئے۔ میں نے کہا کہ اگر کسی کے پاس اچھی بیوی ہو تو کیا اسکو طلاق دیکر بری شکل کی سے نکاح کرے اور بری بھی ایسی کہ ضلع بھر میں تو کم از کم اس سے زیادہ بدشکل کوئی نہ ہو اگر خدا تعالیٰ اچھا کھانا اور اچھا کپڑا دے تو کھاوے پہنے بس ایسی چیزوں کو درویشی کی فہرست میں داخل کر رکھا ہے۔

(ملفوظ ۹۱۱) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی سے کیا کہا جائے وہ قصہ ہو رہا ہے کہ اندھے کے آگے روئے اور اپنے آنکھیں کھوئے۔ یہ میری بہت پرانی رائے ہے اور اب تو رائے دینے سے بھی طبیعت افسردہ ہو گئی اس لئے کہ کوئی عمل نہیں کرتا وہ رائے یہ ہے کہ تعزیرات ہند کے قوانین اور ڈاکخانہ اور ریلوے کے قواعد بھی مدارس اسلامیہ کے درس میں داخل ہونا چاہیے۔ یہ بہت پرانی رائے ہے مگر کوئی نہیں مانتا اور نہ سنتا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کی طرف کی خصوص بڑے مدارس جیسے دیوبند سہارنپور انکی طرف سے ہر جگہ مبلغ رہیں۔ تمام ملک کے ہر حصہ میں مستقل طور پر ان کا قیام ہو باضابطہ نظام ہو اور دیگر ممالک میں بھی مبلغ تیار کر کے بھیجے جائیں یہ بھی پرانی رائے ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کے ماتحت صنعت و حرفت کا شعبہ ضرور ہونا چاہیے تاکہ فراغ کے بعد کسی کے محتاج نہ ہوں۔ یہ ضرب المثل ہے کہ یہ لکھ پڑھکر اور کچھ نہیں کر سکتے سوائے چندہ مانگنے کے۔ اور بھی بعض مفید رائیں ہیں مگر جب کوئی بات پر عمل کرے تو اور بھی مشورہ دیا جائے ورنہ بیکار ہے۔

(ملفوظ ۹۱۲) ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ بعض لوگ یہ عقلمندی کرتے ہیں کہ جواب کے لئے سادہ لفافہ بلا پتہ لکھا ہوا بھیجدیتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے اس کی وجہ پوچھی لکھا کہ آپ کا لکھا ہوا ہوگا تو برکت ہوگی۔ میں نے لکھا کہ سارا جواب بھی تو میرا ہی لکھا ہوا ہے اس سے برکت نہیں ہوتی۔ زیادہ تر وجہ اس کی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے لئے القاب کے طالب ہوتے ہیں جو دوسرے کے لکھنے میں متوقع ہے اور اپنے ہاتھ سے پتہ لکھنے میں یہ مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے وہ مرض جسکی وجہ

سے سادہ لفافہ بھیجتے ہیں۔ نہ برکت ہے نہ حرکت ہے چور ہے۔

(ملفوظ ۹۱۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شام میں ایک شہر ہے حمص وہاں کے لوگ کم عقل مشہور ہیں۔ ایک شخص وہاں گیا تو دیکھا کہ ایک شخص اذان دے رہا ہے اور بجائے اشہد ان محمد ا رسول اللہ کے یہ کہہ رہا تھا اھل الحویۃ یشہد ون ان محمد رسول اللہ اذان کے بعد پوچھا یہ کیا قصہ ہے معلوم ہوا کہ موذن رخصت پر گیا ہے اور ایک یہودی کو عوضی پر چھوڑ گیا ہے چونکہ وہ رسالت کا قائل نہیں اور نیابت میں اس کا کہنا بھی ضروری ہے لہٰذا یہ اضافہ کیا۔ وہاں ہی کا ایک یہ قصہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور ایک ٹانگ ایک طرف کو اٹھا رکھی تھی کسی نے پوچھا کہ یہ ٹانگ الگ کیسے کر رکھی تھی کہا کہ اس پاؤں پر کچھ چھینٹ وغیرہ پڑ گئیں تھیں اس لئے ناپاک تھی اور دھونے کی فرصت نہ تھی اسلئے میں نے اس کو نماز سے خارج کر دیا۔ ایک قصبہ چھانسی کا ایک ثقہ دوست بیان کرتے تھے کہ امام نے سجدہ سہو کیا اور ظاہراً کوئی سہو نہ تھا لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہو گئی تھی۔ کہتا ہے کہ ایک پھسکی نکل گئی تھی یعنی خفیف سی ہوا خارج ہو گئی اسلئے سجدہ سہو کیا ایسے ایسے بھی ذہین موجود ہیں۔

(ملفوظ ۹۱۴) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاہ نجات اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کرسوی ضلع بارہ بنکی اسد رجہ کے بزرگ تھے کہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی زیارت کے قصد سے تشریف لیگئے تھے اور ان کے تقوی کی یہ حالت تھی کہ کوئی شخص مسلسل تخت پر لکڑی مار رہا تھا۔ فرمایا کہ یہ معازف میں داخل ہے اسقدر متبع سنت تھے۔

(ملفوظ ۹۱۵) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات تواریخ میں بھی دیکھے ہیں اور سنے بھی ہیں۔ بڑی ہی عجیب ہستی تھی۔ نہایت شجاع متبع سنت۔ یہ سب دین ہی کی برکت تھی کہ ذرہ برابر کسی مخالف چیز کا ان پر اثر نہ ہوتا تھا۔ نانا شاہ کے قلعہ کو جب فتح کیا عین شباب جنگ کے وقت جبکہ دونوں طرف سے گولہ باری ہو رہی تھی نماز جماعت کے ادا کرنے کا حکم دیا امامت کی کسی کی ہمت نہ ہوئی خود امام ہو کر نماز پڑھی۔ کیا ٹھکانا ہے اس قوت قلبی کا۔ یہ قوت ایمانیہ تھی جو غیر مسلم میں نہیں۔ اسوقت جو ملک میں فتنہ فساد ہو رہے ہیں ان کا فرو کرنا کون مشکل تھا۔ اگر اسلامی سلطنت ہوتی جسکے لئے شجاعت ایمانی لازم ہے تب دیکھتے کہ کیا ... ہوتا اور اس کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ توپوں اور بندوقوں سے مخلوق کو ہلاک کیا جائے۔ زیادہ ضرورت قوت قلب کی ہے اور یہ سوائے مسلمان کے اور کسی کے پاس نہیں۔ معتدل سیاست اور فراست بھی مسلمان ہی کا حصہ ہے اگر ہم سچے مسلمان ہوتے تو ایسے پریشان نہ ہوتے لیکن ہم نے خدا کی اور اسکے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری چھوڑ دی۔ لیکن اب بھی گو ہم نالائق ہیں گنہگار ہیں سیاہ کار ہیں نابکار ہیں گستاخ ہیں مگر پھر بھی جب وقت آتا ہے تو عین وقت پر خلوص نیت کی بدولت نصرت اور مدد فرماتے ہیں۔ واقعات شاہد ہیں۔

۲۶ر جمادی الاولی ۱۳۵۱ھ

مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

(ملفوظ ۹۱۶) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تہجد کے وقت آنکھ نہیں کھلتی اس کا کوئی علاج فرمائیں فرمایا کہ یہ تدابیر زیادہ مؤثر ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد فوراً سو جانا چاہئے۔ پیٹ بھر کر نہ کھایا جاوے ذرا کم کھایا جاوے۔ کھانا سویرے کھا لیا جاوے تاکہ ہضم ہو جائے اس کی گرانی اور کسل باقی نہ رہے پانی پیا تو جاوے پیاس کو نہ روکا جاوے۔ اس میں تکلیف ہو گی مگر زیادہ نہ پیا جاوے انشاء اللہ تعالیٰ وقت پر آنکھ کھل جائے گی اب اٹھنا اپنی ہمت پر موقوف ہے۔

(ملفوظ ۹۱۷) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اسکی تحقیق یہ ہے کہ ایک تو صلوٰۃ اللیل ہے اور ایک تہجد ہے۔ صلوٰۃ اللیل عشاء کے بعد کی تمام نوافل کو عام ہے اور تہجد نوافل بعد النوم کی ساتھ خاص ہے۔ غرض صلوٰۃ اللیل قبل از نوم ہے اور تہجد بعد النوم ہے ان کی ایک مشترک فضیلت ہے اور ایک خاص فضیلت تہجد کی ہے۔ مگر صلوٰۃ اللیل قائم مقام تہجد کے ہو جاتی ہے۔

(ملفوظ ۹۱۸) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تربیت السالک کی تبویب مولوی عبدالمجید صاحب بچھراونی نے چھپوا دی ہے۔ ۱۳۵۰ھ تک تربیت السالک کے جو حصے مختلف طور پر چھپے تھے انکو ایک جگہ کر کے چھپوا دیا ہے۔ بڑی ضخیم کتاب ہو گئی ہے اور بہت نافع۔ لیکن طبیب ہی کے کام کی ہے مریض کے کام کی نہیں جیسے بہت سی طب کی کتابیں علاج الغرباء وغیرہ اردو میں چھپ گئی ہیں مگر ان سے غیر طبیب علاج نہیں کر سکتا ایسے ہی اسکو دیکھ کر شیخ نہیں بن سکتا اور نہ کسی کی اصلاح کر سکتا ہے جب تک فن میں مہارت نہ ہو مثلاً یہ معلوم کرنا کہ صفرا غالب ہے یا سودا برودت بڑھی ہوئی ہے یا حرارت مریض میں قوت کسقدر ہے مسہل کا تحمل کرے گا یا نہیں۔ یہ باتیں محض کتاب سے کیسے معلوم ہو سکتی ہیں۔ اور کتاب طبیب سے مستغنی نہیں کر سکتی۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لیا جاوے۔

(ملفوظ ۹۱۹) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بہت کچھ کام ہو گیا اب تو کام گھٹا رہا ہوں۔ صرف ایک چیز کا انتظار ہے اور اب اس کا وقت قریب ہے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کس چیز کا انتظار ہے فرمایا کہ جب دیتے نہیں سمجھے تو کیوں پیچھے پڑے کوئی تحقیق کرنا فرض نہیں واجب نہیں کام کی بات کی تحقیق کیا کرتے ہیں اس عبث سوال سے شبہ ہوتا ہے کہ قلب میں

چور ہے عبث اور فضول کی طرف متوجہ ہے۔ یہ باتیں خیال رکھنے کی ہیں اور ہر بات بتلانے کی بھی نہیں ہوا کرتی۔ سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں۔ اب بیٹھا ہوا کون کھرل کیا کرے۔

ملفوظ ۹۲۰ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ قرابت داروں میں ایک میت ہو گئی گھر میں مشورہ دیا کہ تم بھی تعزیت کا خط لکھ دینا۔ میں نے وعدہ کر لیا مگر جن کو خط لکھنا تھا وہ ایک بی بی ہیں مجھکو حجاب معلوم ہوا کہ ایک عورت کو خطاب کروں گو دینی تعلق کی بناء پر ماں اور بہن ہیں اور عمر کے اعتبار سے بھی معمر ہیں۔ میں گھر گیا انھوں نے کہا کہ جب خط لکھو ہماری طرف سے بھی لکھ دینا بس اس سے میرے ذہن میں ایک عنوان آ گیا کہ وہ خط گھر میں ہی کی طرف سے لکھ دیا گو مضامین میرے ہی ہیں اس طرح وہ دونوں کی طرف سے ہو گیا۔

ملفوظ ۹۲۱ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو آنیوالوں سے یہ چاہتا ہوں کہ جس کام کیلئے آئے ہو اس میں لگو اور یہاں پر رہتے ہوئے نہ کسی سے دوستی کرو نہ دشمنی بالکل اسکے مصداق ہو کر رہو ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را باکسے کارے نباشد

اکثر مشائخ کے یہاں یہ حالت ہے کہ چار طرف پروانے جمع ہیں بیچ میں شیخ صاحب شمع کی طرح جلوہ افروز ہیں کوئی ہاتھ چوم رہا ہے کوئی ٹکٹکی لگا رہا ہے کوئی دو زانو گردن جھکائے سامنے بیٹھا ہے کوئی مخالفت کی مذمت کر رہا ہے کوئی شملہ کی چائے کا ذکر کر رہا ہے کوئی کشمیر کے زعفران کی تعریف کر رہا ہے مجلس گرم ہے مگر اللہ اور رسول کے ذکر کا نام و نشان بھی نہیں مجلس ختم ہو جاتی ہے۔

ملفوظ ۹۲۲ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ الحمد للہ میں اپنی کھلی ہوئی حالت رکھتا ہوں اس خیال سے کہ کسی کو دھوکا نہ ہو اور جو بات میرے اندر منجملہ نعم الٰہیہ ہے اسکو بھی ظاہر کر دیتا ہوں اور جو نقص کی ہے اس کو بھی ظاہر کر دیتا ہوں چنانچہ چار علوم جو بڑے ہیں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ تصوف۔ ان میں دو سے مجھکو بقدر ضرورت مناسبت ہے یعنی تفسیر اور تصوف۔ اس کو بھی ظاہر کر دیتا ہوں۔ اور حدیث اور فقہ سے مجھکو ضروری مناسبت بھی نہیں۔ اس کا بھی اخفا نہیں کرتا۔ اور جس سے مناسبت ہے وہ بھی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی برکت سے ہے۔ ایک موقع پر یہ فرمایا تھا کہ تفسیر اور تصوف سے تجھکو مناسبت ہو گی اگر اس وقت خیال آتا تو حدیث و فقہ کیلئے بھی دعا کرا لیتا۔ اور یوں بقدر حاجت حدیث اور فقہ سے بھی اللہ کے فضل و رحمت سے کام نکال لیتا ہوں۔ مگر جسکو مناسبت کہتے ہیں وہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ نہ میں متکبر ہوں نہ متعارف متواضع ہوں۔ میرے یہاں جو بات ہے صاف ہے۔ بحمد اللہ میری کسی بات میں تلبیس نہیں۔ چنانچہ فقہ کے مسائل پر میں خود دوسرے علماء سے پوچھکر عمل کرتا ہوں۔ اور فقہ سب سے زیادہ مشکل اور اہم چیز ہے اس میں دخل دیتے ہوئے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے اور بعضے لوگوں کو میں دیکھتا ہوں کہ اس میں سارے زیادہ دلیر ہیں۔

(ملفوظ ۹۲۳) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگوں کے مزاج میں فطری اور خلقی طور پر رعونت اور تکبر ہوتا ہے۔

(ملفوظ ۹۲۴) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ محمد بن قاسم حجاج بن یوسف کے داماد تھے جسوقت ہندوستان پر چڑھائی کی ہے اس وقت سترہ سال کی عمر تھی۔ لشکر میں بڑے بڑے بڈھے تجربہ کار ہمراہ تھے۔ مگر سب ان کی اطاعت کرتے تھے۔ یہ سب برکت ایمان اور فہم صحیح کی تھی۔ سترہ سال کی عمر اور دوسرے ممالک پر چڑھائی۔ زمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا اس وقت فہم عام تھا اب جسقدر حضور کے زمانہ سے بعد ہو جاتا ہے اسی قدر اس میں کمی ہو رہی ہے۔ راجہ داہر پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ اسکے پاس بڑا ساز و سامان تھا انکو فکر تھی کہ کامیابی کی کیا صورت اختیار کی جائے کسی نے خبر دی کہ راجہ داہر نے اپنی بہن سے شادی کی ہے۔ یہ سنتے ہی کہ بہن سے نکاح کیا ہے محمد بن قاسم نے کہا کہ اب ہم غالب آئیں گے اسلئے کہ وہ کافر ہی نہیں ملحد بھی ہے۔ کافر میں شجاعت ہو سکتی ہے۔ ملحد میں شجاعت نہیں ہو سکتی دیکھئے جذبات کو کیسا پہچانا۔ شہوت پرست زانی کبھی شجاع نہیں ہو سکتا۔ پھر جسوقت راجہ داہر کے مقابلہ میں فتح پا چکے اور قلعہ پر قبضہ ہو گیا اور تمام مسلح فوجیں وغیرہ اپنے اپنے مقام پر حفاظت کے لئے قائم کر دی گئیں اس وقت محمد بن قاسم گھوڑے کی پیٹھ سے اترے قلعہ وغیرہ کو دیکھا اسوقت لڑکیاں شاہی خاندان کی تھیں جو حسن میں یکتا تھیں انھوں نے محمد بن قاسم کو دیکھا عاشق ہو گئیں۔ محمد بن قاسم کا ایک تو شباب پھر تقوے اور نور ایمان کی جھلک ان سب نے ملکر حسن کو دوبالا کر دیا تھا غرض دن گزر جانے پر شبکو ان دونوں لڑکیوں نے چلانا شروع کیا کہ درد ہے۔ محمد بن قاسم اس وقت اپنے خیمہ میں سو رہے تھے ان کو جگایا ان لڑکیوں کے پاس پہنچے انھوں نے کہا کہ ہمارے درد وغیرہ کچھ نہیں آپ کی محبت کا درد ہے۔ ہماری تمنا ہے کہ ہم براہ راست آپ کی خدمت کریں۔ محمد بن قاسم جواب میں کہتے ہیں کہ میں تو محکوم ہوں تمکو خلیفہ وقت کے پاس بھیجدیا جائے گا وہ جو چاہیں کریں مجھکو کوئی اختیار نہیں۔ یہ ہے تقویٰ اور قوت ایمانیہ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محمد بن قاسم شہوت پرست نہ تھے۔ یہی چیز ہے جس سے ان میں اسقدر شجاعت اور بہادری تھی۔ یہ لوگ بندۂ شہوت نہ تھے بلکہ خدا کے فوجی لوگ تھے۔ تمشیر زن تھے لیکن زن کے مقابلہ میں شمشیر ہی تھے۔ ان قصوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور اس زمانہ کے انقیاد تو انقیاد تھے ہی غیر انقیاد میں بھی عجیب چلتے بات تھے۔ ایک مقام پر کفار نے مسلمانوں پر کچھ مظالم کئے تھے حجاج بن یوسف اس وقت عامل تھا خبر پہنچتے ہی حجاج بے چین ہو گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اسلام اور مسلمانوں کا بہت ہی بڑا ہمدرد تھا۔ یہ اسوقت کے ظالم کے حالات ہیں کہ حمیت اسلامی غیرت اسلامی جوش اسلامی اسکے اندر کافی موجود تھا۔ نیز یہی حجاج بن یوسف ہر شب میں تین سو رکعت نماز نفل پڑھتا تھا۔ یہ روزانہ معمول تھا آجکل کے مشائخ اور عابد زاہد بھی یقیناً اتنی

رکعتیں ایک شب میں نہیں پڑھتے - یہ جس وقت مرنے لگا ہے تو کہتا ہے کہ اللہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ حجاج جیسے ظالم شخص کو ہرگز ہرگز نہ بخشیں گے ہم تو جب جانیں کہ مجھکو بخشدیں اور آپ کی شان رحیمی و کریمی کو مخلوق دیکھ لے کہ ایسے رحیم و کریم ہیں کہ حجاج جیسے ظالم کو بخشدیا کسی نے جاکر حسن بصریؒ سے کہا کہ یہ کہکر مرا ہے فرمایا کہ بڑا ہی چالاک تھا۔ یہ چالاکی سے خدا سے جنت بھی لے مریگا۔ بات یہ ہے کہ ہمارے گناہ تو بہت بڑے ہیں مگر خدا کی رحمت کے سامنے کیا چیز ہیں ان کی کیا حقیقت ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک مچھر صاحب بیل کے سینگ پر بیٹھ گئے اور بیل سے کہا کہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں - وہ یہ کہ میں کچھ دیر تک آپ کے سینگ پر بیٹھا رہا آپکو بہت تکلیف ہوئی ہوگی۔ معاف فرما دیجیئے گا۔ بیل نے کہا کہ بھلے مانس مجھکو تو خبر نہیں ہوئی - وہ ذات تو اس مثال سے بھی مبرا اور منزہ ہے -

(ملفوظ ۹۲۵) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ طریق بہت ہی نازک ہے اس میں طبیب جسمانی کی طرح معالجہ کرنا پڑتا ہے ہر دقیق سے دقیق بات پر نظر کی جاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ اہل ظاہر خشک لوگ کم فہمی سے اسکو بدعت کہنے لگے ہیں حالانکہ اسمیں بدعت کی ایک بات بھی نہیں - ہاں سمجھ میں ذرا دیر میں آتی ہے اور جنکو ذوق صحیح ہے وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں اور واقعی جب تک حقیقت کسی چیز کی مخفی رہتی ہے سمجھ میں آنا مشکل بھی ہوتا ہے اب معالجہ اور تربیت و اصلاح کے ماتحت میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ ایک شخص گناہ کرنا چاہتا ہے اب اسکو روکنے کیواسطے کیا تدبیر ہے اس سے کہا جائے گا کہ گناہ کرنے کے وقت رحمت خداوندی پر نظر نہ کرنا چاہیئے بلکہ عذاب پر عقاب پر نظر کرنا چاہیئے گو اعتقاداً اس وقت بھی رحمت پر ہے مگر اس وقت اس پر استفات و نظر نہ رکھو - نظر صرف عذاب پر رکھو - جیسے طبیب کی دوا پینے کے بعد ایک محدود وقت تک غذا نہ کھانا چاہئے تو جیسے طبیب نے وقت خاص تک کے لئے غذا کو منع کیا ہے اسی طرح یہاں سمجھ لو اگر یہ تدبیر بھی بدعت ہے جو طبیب نے اختیار کی ہے تو وہ بھی بدعت ہوگی - اور اگر یہ بدعت نہیں تو وہ بھی بدعت نہیں - اس کی نظیر حدیث میں ہے ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی اعمالکم یعنی توجہ خاص نہیں ہوتی نظر خاص نہیں ہوتی تو اس سے علم تھوڑا ہی منتفی ہوگیا - حسین عرب کے پوتے یہاں پر آئے تھے یہ اہل حدیث میں سے ہیں - ایک دو روز قیام کیا - یہاں کی باتیں سنکر کہنے لگے کہ یہ کتابی علم نہیں وہبی علم ہے - میں نے کہا کہ یہ خدا کی نعمت ہے - اب اگر کوئی صرف ظاہری علم رکھتا ہے وہ اس معالجہ پر اعتراض کرے گا کہ رحمت پر نظر کرنے سے منع کرتے ہیں -

(ملفوظ ۹۲۶) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مولویوں کے غریب ہونے سے دل بھی دکھتا ہے مگر خیر اسی میں ہے کہ مولوی غریب ہی رہیں جو امیر مولوی ہیں یا جن کو ریاستوں سے وظیفہ ملتا ہے وہ دین کا ذرا سا

بھی کام نہیں کرتے خالی پڑے رہتے ہیں کچھ بھی نہیں کرتے اس لئے ان کا غریب رہنا ہی مصلحت ہے

(ملفوظ ۹۲۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ چالاکی تو وہ ہے جس کو کوئی نہ سمجھ سکے ورنہ تو پھوڑپن ہے جب پتہ لگ گیا تو ہوشیاری اور چالاکی ہی کیا ہوئی۔

(ملفوظ ۹۲۸) ایک خط بدخط لکھا ہوا آیا اس کے سلسلہ میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خط نہایت پاکیزہ تھا۔ میر پنجہ کش کے شاگرد تھے۔ حضرت کا نستعلیق تو نہیں دیکھا مگر نسخ دیکھا ہے بہت ہی پاکیزہ خط تھا۔

(ملفوظ ۹۲۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا تمام عالم بھی مقابلہ نہیں کر سکتا جس بڑے سے بڑے متبحر سے جا ہو پوچھ کر دیکھ لو کہ تمہارے علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیسے ہیں ہر شخص دل سے یہی کہے گا کہ ہیچ ہیں۔ یہاں سے حضور کے علوم کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر شخص حضور کے علوم کے سامنے اپنے کو جاہل کہے گا اور دوسری قومیں غیر مسلم تو امتی مسلمانوں کے علوم کے سامنے بھی جاہل ہیں۔ ایک واقعہ سنا ہے کہ پادری فنڈر اور مولانا نور الحسن صاحب کاندھلوی آگرہ میں اتفاقاً ایک اسکول میں جمع ہو گئے۔ پادری فنڈر نے ایک طالب سے کہا کہ وہ کتاب لاؤ جو قرآن سے بھی زیادہ فصیح اور بلیغ ہے مولانا نے کہا وہ کونسی کتاب ہے جو قرآن سے زیادہ فصیح اور بلیغ ہے کہنے لگا کہ مقامات حریری۔ یہ انکے علوم ہیں مولانا نے کہا کہ اور میں یہ کہتا ہوں کہ قرآن سے زیادہ فصیح اور بلیغ کوئی کتاب نہیں۔ اب رہا اس کا فیصلہ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے یہ معلوم کر لیا جائے کہ عربیت میں زیادہ ماہر ہوں یا آپ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک مضمون میں بھی عربی میں لکھوں اور آپ بھی اور یہ ظاہر نہ کیا جاوے کہ کس کا کاتب مسلمان ہے اور کس کا عیسائی اور وہ دونوں تحریریں بیروت اور سکندریہ بھیجدی جائے اگر وہاں آپ کا مضمون فصیح اور بلیغ مانا جائے تو جس کتاب کو آپ فصیح اور بلیغ کہدیں میں تسلیم کر لوں گا اور اگر میرے مضمون کو زیادہ فصیح بلیغ مانا جاوے تو پھر میں جس کتاب کو کہدوں آپ تسلیم کر لیں پھر فرمایا کہ اس پادری کا علمی کمال تو اسی سے ظاہر ہے کہ مقامات حریری کو قرآن سے زیادہ فصیح اور بلیغ بتلایا۔ دوسرے لوگ علوم سے بالکل کورے ہوتے ہیں انکے علوم کی حقیقت محققین کے علوم کے سامنے اس سے زیادہ نہیں جیسے اکبر شاہ کے یہاں مشاعرہ ہو رہا تھا اس میں اپنا اپنا کلام پیش کر رہے تھے ایک گنوار کو جوش اٹھا مصرعہ بنایا۔ الی کا پتہ سبج (بتشدید باد یعنی سبز) دوسرا نہ بن سکا فیضی نے تمسخر سے کہا ابجد حطی ہیج (بتشدید یا یعنی ہوز) ایک اور مشاعرہ ہوا تھا کچھ گنوار بھی پہنچ گئے دربار کا مشاعرہ راجہ بھی موجود۔ ایک گنوار بولا۔ بول بھلا بھائی بول بھلا۔ دوسرا بولا ڈھول بھلا بھائی ڈھول بھلا ایک مسخرہ شاعر بھی موجود تھا اس نے کہا لاحول بھلا بھائی لاحول بھلا۔

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

(ملفوظ ۹۲۰) فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا تھا اس میں بیعت کی درخواست کی تھی میں نے لکھدیا تھا کہ بیعت کیلئے مناسبت شرط ہے۔ آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ مناسبت سے کیا مراد ہے اب جو لوگ مجھکو وہمی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر بات میں کھود کرید کرتا ہے وہ مشورہ دیں کہ اگر کھود کرید نہ کروں تو اس شخص کو تو یہ بھی پتہ نہیں کہ مناسبت کسے کہتے ہیں۔ ایسے شخص کو کیا تعلیم کروں۔

(ملفوظ ۹۲۱) فرمایا کہ فلاں خانصاحب کے ایک مرید کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں پچیس برس سے فلاں خاں صاحب سے مرید ہوں اور پینسٹھ برس کی میری عمر ہے مگر اب اس باطل عقیدہ سے توبہ کرتا ہوں اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی درخواست کرتا ہوں۔ میں نے جواب میں لکھدیا کہ تعجیل مناسب نہیں۔ اور جگہ تو نہ معلوم اس شخص کا خیر مقدم منایا جاتا اور ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا مگر شیوخ کو اتنی غیرت تو ہونا چاہیئے جس سے طالب کو یہ شبہ ہو کہ یہ منتظر ہی بیٹھے تھے اگر کوئی بخشگی کے ساتھ آئے سر آنکھوں پر جو خدمت دین کی ہو سکے گی کریں گے مگر یہ کیا واہیات ہے کہ تاک لگائے بیٹھے رہیں۔ آخر غیرت بھی کوئی چیز ہے ایک مثال ہے تو فحش مگر ہے بالکل چسپاں ایک تو رنڈی ہے وہ تو ہر وقت پھانسنے کی فکر ہی میں لگی رہتی ہے۔ ہر قسم کے بناؤ سنگار کریگی دل لبھانے کے پہلو اختیار کریگی اور ایک گھرستن ہے کہ خود دماغ میں بھری بیٹھی رہتی ہے اگر مرد اسکی شان کے خلاف کچھ کہتا ہے تو کہتی ہے کہ میں کچھ تم سے کم نہیں ہوں۔ برادری کی ہوں کہیں سے یوں ہی نہیں آگئی ہوں۔ تو یہ مشائخ کا رنڈیوں کی طرح پھانسنا اور چاپلوسی اور خوشامدوں میں لگا رہنا مجھکو تو اس سے غیرت آتی ہے۔

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

(ملفوظ ۹۲۲) ایک نووارد شخص حاضر ہوئے اور کشادہ جگہ کے ہوتے ہوئے بھی دوسرے صاحب سے اس طرح ملکر بیٹھے جیسے کوئی تنگ جگہ ہونے کی وجہ سے دبکر اور ملکر بیٹھا کرتا ہے اس پر حضرت والا نے مواخذہ فرمایا کہ اتنی بڑی جگہ پڑی ہوئی چھوڑ کر ایک مسلمان کی چھاتی پر چڑھکر بیٹھے جس سے ایک مسلمان کو تکلیف پہنچی کیا اسمیں

کوئی مصلحت ہے۔ عرض کیا کہ بیٹھا تو تھا الگ کو مگر ان کی طرف کو سرک گیا تھا فرمایا کہ اس سرکنے ہی کو تو کہہ رہا ہوں جسکی وجہ سے دوسرے مسلمان کو تکلیف ہوئی۔ آخر اس بھڑ کر بیٹھنے کا سبب سرکنا ہی تو ہوا اس جواب کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی شخص نے کسی کو مار ڈالا کسی نے کہا کہ یہ کیا کیا تو اسپر کہتے ہیں کہ گولی چلائی تھی مارا نہیں۔ ایک صاحب کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ ان صاحب نے کہا تھا کہ یہاں کو بیٹھو جاؤ فرمایا کہ کسی نے کہا سہی نہیں خدا نے عقل اور فہم دیا ہے اگر یہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ جو میرے سامنے ڈھکیس کا غذات کا رکھا ہے اسپر بیٹھو جاؤ تو کیا تم اس پر بیٹھ جاتے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیوں جب گھر کی تو عقل تمکو ہے نہیں دوسروں کے کہنے پر چلتے ہو تو اسکو نہ ماننے کی کیا وجہ۔ عرض کیا کہ اب خود فکر سے اور سوچ کر کام کیا کروں گا معافی کا خواستگار ہوں فرمایا ہمیشہ اس کا خیال رکھو بری بات ہے۔ اصل چیز سلوک میں یہی ہے کہ اپنے سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے عرض کیا کہ اب کبھی ایسا نہ ہوگا۔ پھر حضرت والا ان صاحب کی طرف متوجہ ہوئے جیسے مشورہ سے یہ سرکے اور دریافت فرمایا کہ تم بیچ میں کیسے دخل دیرہے ہو کیا تم وکیل ہو مجاور ہو تم کو کسنے کہا کہ تم مجلس کے انتظام میں معروف رہو کیا اسی واسطے گھر چھوڑ کر آئے ہو کیا ہر وقت قلب میں غیر خدا ہی گھسے رہتے ہیں۔ عرض کیا کہ پہلے یہ صاحب میرے اوپر اسی طرح چڑھ آئے تھے میں نے جگہ کی تنگی کو دیکھو اور اس طرف جگہ زائد تھی ان سے کہدیا تھا کہ وہاں جگہ ہے وہاں کو بیٹھو جاؤ یہ مجھسے غلطی ہوئی میں معافی کا خواستگار ہوں۔ فرمایا کہ نہیں معلوم ہوا کہ آپ کا کوئی قصور نہیں آپنے تو ماشاء اللہ سمجھ کی بات کہی تھی ایک شخص کو نیک مشورہ دیا تھا۔ یہ سب ان ہی کی عقلمندی ہے۔

(ملفوظ ۹۳۲) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جس درجہ اکبر شاہ کو بدنام کیا گیا ہے وہ اس درجہ کا نہ تھا خیالات اتنے برے نہیں تھے۔ چنانچہ جسوقت مرا ہے علماء کو صلحاء کو قراء کو حفاظ کو جمع کر کے توبہ کی اور اسکے بعد پھر کوئی بات دنیا کی نہیں کی اس حالت میں اکبر شاہ مرا ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جو لوگ سمجھدار ہیں وہ کہتے ہیں کہ اکبر شاہ نے جسقدر ہندؤں کی اہانت کی ہے۔ عالمگیر رح نے ذرہ برابر بھی نہیں کی اکبر بادشاہ نے تو رانیاں لیں اور عالمگیر عفیف تھے کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا عالمگیر متبع شریعت متبع سنت تھے

(ملفوظ ۹۳۳) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جس زمانہ میں جیسے سلاطین گزرے ہیں ان کی اصلاح کیلئے بزرگ بھی اسی درجہ کے گزرے ہیں۔ جہانگیر بادشاہ نے یہ سنکر کہ مجدد صاحب تخت شاہی کے سامنے سجدہ کرنے کو منع فرماتے ہیں انکو بلوایا اور ایک عارضی کھڑکی دربار میں تخت کے سامنے بنوائی تاکہ جب اس میں ہو کر آئیں گے تو تخت کے سامنے جھکنے کی شکل ہو جاوے گی۔ مجدد صاحب نے یہ ترکیب کی کہ کھڑکی میں اول پاؤں داخل کئے اسپر بادشاہ نے برہم ہو کر قتل کا حکم دیا ایک بزرگ دربار میں بیٹھے تھے بادشاہ جن کے معتقد تھے انھوں نے مجدد صاحب کی سفارش کی تب قتل کا حکم تو منسوخ ہوا مگر گوالیر کے قلعہ میں بند کیا گیا مگر پھر بھی یہاں کے سلاطین زیادہ بددین نہ تھے بعضے بدعمل تھے

(ملفوظ ۹۳۴) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل لوگوں کا عجیب مذاق ہے کہ چاہے ان کا کام نہ ہو خواہ ان سے جھوٹ ہی بولدیا جائے لیکن صاف اور سچی بات کو خلاف اخلاق سمجھتے ہیں سو میں اس سے مجبور ہوں۔ مجھسے ایسی باتیں نہیں ہو سکتیں جھوٹ نہیں بولا جاتا دھوکا نہیں دیا جاتا وجہ یہ کہ میں فقیر نہیں ہوں جو جھوٹ بولوں۔ میں تو ایک طالب علم ہوں سیدھا

اور سچا دیہاتی مسلمان ہوں فقیری میں البتہ بڑی گنجایش اور وسعت ہوتی ہے۔ زنا کر لیں تب فقیری۔ شراب پی لیں تب فقیری۔ جھوٹ بولیں تب فقیری۔ دھوکا دیں تب فقیری۔ اسلئے کہ انکے یہاں ہر چیز میں رموز اور اسرار ہیں۔ ان کی وجہ سے کسی طرح فقیری کو بٹا نہیں لگتا اور بیچاری مولویت ذرا سی بات میں آلی گئی ہو جاتی ہے۔ مولویت کا نہایت ہی نازک مسئلہ ہے شرمندہ درخت یعنی چھوئی موئی سے بھی زیادہ نازک ہے۔ رہی فقیری تو وہ اسقدر لوہا لاٹ ہے کہ توڑے نہیں ٹوٹتی۔ ایک فقیر نے ایک گاؤں میں کچھ مرید کر لیے تھے اس فقیر خبیث نے ایک مرید کی بیوی سے منھ کالا کیا اسکے خاوند کو اطلاع ہوئی تو پیر سے تو لڑا اگر اور پیر بھائیوں سے کہا کہ پیر اان کا معاملہ ہے تم بد اعتقاد نہ ہونا حالت یہ ہو رہی ہے کہ جہاں کسی نے تسبیح ہاتھ میں لی لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ساری خدائی کا مالک ہو گیا۔ چنانچہ یہاں بھی بعض لوگ خطوط میں ایسی باتیں دریافت کرتے ہیں کہ کوئی ایسا تعویذ یا عمل ہو جس سے بہت سا روپیہ ملجائے یا خزانہ ہاتھ لگجائے۔ میں لکھدیتا ہوں کہ میرے بہت سے دوست اور عزیز و اقارب ایسے ہیں کہ فاقہ زدہ ہیں اگر میرے پاس ایسا تعویذ یا عمل ہوتا تو وہ اسکے زیادہ مستحق تھے۔ یہ کیا بات کہ تمہارے لئے تو ہو اور ان کیلئے نہو۔ لوگوں کے عقائد کسقدر خراب ہو گئے ہیں۔ اور یہ خرابی زیادہ تر ہوئی ہے ان جاہل فقیروں اور دوکاندار پیروں کی بدولت ایسی اٹرنگ بٹرنگ ہانکتے پھرتے ہیں کہ جنکے نہ سر نہ پیر۔ ان جاہلوں کی بدولت نئی نئی ایجادیں ہو رہی ہیں۔ صرف یہ نواح اور ضلع اعظم گڈھ میں تو بحمد اللہ مامون ہے ورنہ جہاں جائیے یہی آفت ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ یہ لوگ ہر قسم کے نشے استعمال کرتے ہیں۔ گندے رہتے ہیں جاہل ہوتے ہیں۔ چرس ایک نشہ ہے نہایت گندی چیز ہے اس تک کو استعمال کرتے ہیں فرمایا کہ خیر چرس تو چرس ہی ہے فقیری اور بزرگی تو ایسی چیز ہے کہ کوئی چیز بھی اسکے منافی نہیں اس میں بڑی گنجایش اور وسعت ہے۔

(ملفوظ ۹۲۶) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تحریک کے زمانہ میں لوگوں نے بہت ستایا اب تو وہ زمانہ ہی ختم ہو گیا نہ وہ تحریک ہے نہ صاحب تحریک ہیں اور لطیفہ کے طور پر فرمایا کہ تحریک ہمیشہ تھوڑا ہی رہا کرتی ہے نزر رسی بھی ہو جاتی ہے اب تو اس کے متعلق میں یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالب — خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہئے

میں نے تو پچھلے ستانے کو بھی دل سے نکالدیا اور انتقام کا وسوسہ بھی نہیں آتا جسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں دنیا میں تو انتقام کی قدرت نہیں اور وہاں آخرت میں سو اول تو اپنی ہی خبر نہیں نہ معلوم کس بات میں پکڑا جائے اور اگر خود بچ بھی گئے اور دوسرا ہی پکڑا گیا تو ایسا کون مسلمان ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی تکلیف کو گوارا کر سکے تکلیف دیکھکر یہی کہنا پڑیگا کہ میں نے معاف کیا اے اللہ آپ بھی معاف فرمادیں پھر فرمایا کہ جب یہ تحریکات ٹھنڈی پڑ گئیں اور دورہ کا اثر جاتا رہا تو بہت کثرت سے خطوط طلب معافی کے آئے میں نے سب کو جواب میں لکھدیا کہ معاف ہے لیکن اس میں دو درجے ہیں ایک تو معافی اور معافی کے بعد دل ملنا۔ تو معافی تو اختیاری ہے سب معاف اور دل ملنا غیر اختیاری ہے اس میں معذور ہوں بقول سعدی ؎

بسا لے زجور نت جگر خوں بود — بیک ساعت از دل بروں چوں بود ۔ جلد سوم تمام شد